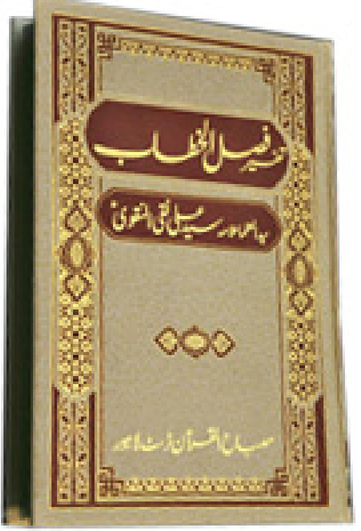
فصل الخطاب

www.kitabmart.in

تفسیر فصل الخطاب

جلد سوم

مصنف

سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

www.kitabmart.in

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب--------تفسیر فصل الخطاب

جلد-----------سوم

مصنف---------سید العلما علامہ سید علی نقی النقوی لکھنوی

پروف ریڈنگ------مولانا عابد عسکری

کمپوزنگ-----------مجاہد حسین حر(قائم گرافکس۔جامعہ علمیہ۔ڈیفنس۔کراچی)

ترتیبِ نو-------قلب علی سیال

سال اشاعت------2011

ناشر----------مصباح القرآن ٹرسٹ

ملنے کا پتہ

قرآن سینٹر

۲۴۔الفضل مارکیٹ۔اردو بازار۔لاہور

www.kitabmart.in

ابتدائیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ.

قارئین کرام! تفسیر فصل الخطاب کی دوسری جلد پیش خدمت ہے لیکن افسوس صد افسوس کہ سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی اب ہم میں نہیں رہے۔ میں نے ۲۹ مارچ ۱۹۸۶ کو تفسیر کے چند خصوصی نسخے لے کر سرکار ممدوح کی خدمت میں حاضری دی تو معلوم ہوا کہ آپ علیل ہیں اور کسی سے نہیں ملتے۔ بہت دکھ ہوا اور تشویش بھی بہر حال میں نے اپنا وہ نام کہلا بھجوایا جس نام سے آپ مجھے یاد فرمایا کرتے تھے۔ آدمی واپس آیا، اس نے بیٹھک کھول دی اور مجھے انتظار کرنے کو کہا، تھوڑی دیر میں مولانا برآمد ہوئے، کافی دیر گفتگو ہوئی اور پھر خورد ونوش کا سلسلہ بھی چلا۔ میں نے تفسیر کے دو نسخے پیش کیے، تیسرے پر تبرک کے طور پر ان سے دستخط کروائے اور ساتھ لے آیا۔ مولانا نے تفسیر کو تھوڑی دیر دیکھا اور فرمایا: ''دیر آید درست آید''۔ کسے خبر تھی کہ یہ مولانا سے آخری ملاقات ہے اور پھر کبھی شرف نیاز حاصل نہ ہوگا۔

سید العلماء ۳۰،۲۹ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۸ء رحلت فرما گئے اور عین عید الفطر کے دن مدفون ہوئے۔ خداوند عالم ان کو جوار معصومین میں جگہ عطا فرمائے۔

آہ! وہ شمع جو ۲۶ رجب ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء لکھنؤ میں روشن ہوئی تھی گل ہوگئی۔

افسوس کہ آج وہ ہم میں نہیں ہیں مگر وہ ہم میں روحانی طور پر موجود اور ہمارے دل ودماغ پر محیط ہیں۔ آج بھی ان کے علمی نکات ہم کو یاد آتے ہیں اور دین ودیانت اور اخلاق وشرافت سے ہماری محبت کو مستحکم کرتے ہیں۔ اب ایسی صلح کل ہستیاں کہاں ہیں جو علم وعمل کے میدان میں اسلامی تعلیمات واقدار کی امین ہوں اور دنیا کی مشکلات میں ہمارے مژدہ فتح مبین ہوں۔

تفسیر فصل الخطاب کی پہلی جلد کی اشاعت کے تھوڑے دنوں بعد ہی ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' لاہور نے جو تفسیر نمونہ کے ناشر ہیں خواہش ظاہر کی کہ تفسیر فصل الخطاب کی اشاعت کی ان کو اجازت دے دی جائے۔ مختلف مواقع پر اس سلسلہ میں گفتگو ہوئی لیکن نتیجہ خیز نہ ہوسکی۔ ستمبر ۱۹۹۰ء کے آخری دنوں میں میری بیرون ملک سے واپسی پر پھر گفتگو ہوئی اور طے پایا کہ تفسیر فصل الخطاب کی اشاعت مصباح القرآن ٹرسٹ کی طرف سے اور پیشکش ادارہ ترویج علوم اسلامیہ کی طرف سے ہو۔ چنانچہ ادارہ ترویج علوم اسلامیہ نے دوسری جلد کا کتابت شدہ مسودہ مصباح القرآن ٹرسٹ کے حوالے کردیا تاکہ اشاعت کا کام مصباح القرآن ٹرسٹ کے اہتمام وانصرام کے تحت انجام پاسکے اور تفسیر فصل الخطاب کی جلدیں بہ سرعت شائع ہوتی رہیں۔ الحمدللہ کہ مصباح القرآن ٹرسٹ نے اب نئے سرے سے مکمل تفسیر کی کمپوزنگ کروائی ہے اور قارئین کی سہولت کیلئے اشاعتِ ھذا میں تین جلدوں پر مشتمل تفسیر فصل الخطاب کو مکمل شائع کردیا ہے۔ چنانچہ مذکورہ تفسیر کی دوسری جلد حاضر خدمت ہے، امید ہے کہ قارئین اسے قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور تعاون فرمائیں گے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

سید علی اکبر رضوی

صدر ادارہ ترویج علوم اسلامیہ

کراچی

www.kitabmart.in

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

سرکار رسید العلماء علامہ علی نقوی النقوی اعلی اللہ مقامہ کے خطیبانہ و مؤلفانہ فیوض و برکات کا سلسلہ لگ بھگ پچاس سال پر محیط ہے۔ آپ کی تقریر و تحریر میں بیان و زبان کی سادگی اور مفاہیم و مطالب کی گہرائی یکساں طور پر موجود رہی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کو برصغیر پاک و ہند کے جمہور مسلمین میں عموماً اور شیعہ مومنین میں خصوصاً مقبولیت اور ادب و احترام نصیب ہوا کہ باید و شاید!

سید العلماء کے آثار علمی میں ''شہید انسانیت'' سمیت دسیوں باعظمت کتابیں، آپ کے کئی ایک مجموعہ ہائے تقاریر اور مختلف دینی موضوعات پر کم و بیش پانچ سو رسالے موجود ہیں۔ تاہم آج سے ۲۵ برس قبل جب آپ کا مقدمہ تفسیر قرآن منظر عام پر آیا تو آپ کے تبحر علمی تحقیقی صلاحیت اور ذمہ دار قلم کی رعایت سے اپنے بیگانے ہر ایک کی نظریں آپ کی تفسیر قرآن کی طرف لگ گئیں۔

اس سلسلے میں خاص و عام کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ آپ کی تفسیر آئندہ جلد کی تلاش میں پاکستان کے لوگ ہندوستان جاتے اور وہاں کے لوگ پاکستان آتے، نیز دیگر ممالک میں مقیم مسلمان اس کے لئے ہند و پاک کے کتب خانوں سے برابر رابطہ رکھتے تھے۔ آخرکار ان ہزاروں منتظر اور متلاشی نگاہوں کی تسکین کا سامان یوں ہوا کہ سید العلماء کے ایک نہایت ہی مخلص قدرشناس غلام محمد بٹ نے ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۸ء تک کی مدت میں ثمر بگ (مقبوضہ کشمیر) سے آپ کی تفسیر قرآن ''فصل الخطاب'' کی سات جلدیں شائع کر کے اس اہم فرض کی تکمیل کا اعزاز حاصل کرلیا۔

اس اثناء میں مذکورہ تفسیر کی پاکستان میں اشاعت کی ضرورت کا احساس فرماتے ہوئے سید العلماء نے ادارہ ترویج علوم اسلامیہ کراچی کے صدر سید علی اکبر رضوی کو بھی اس کی اشاعت کے حقوق مرحمت فرما دیئے۔ چنانچہ اس ادارے نے تفسیر فصل الخطاب کی جلد اول شائع کر دی لیکن بوجوہ یہ سلسلہ کچھ آگے نہ بڑھ سکا لہٰذا سید علی اکبر رضوی نے مصباح القرآن ٹرسٹ کی شاندار تفسیری و علمی خدمات کو دیکھتے ہوئے ایک معاہدے کے تحت اس تفسیر کی اشاعت کا عظیم کام اس ٹرسٹ کے حوالے کر دیا۔ بنا بریں مصباح القرآن ٹرسٹ نے تفسیر فصل الخطاب کی اشاعت کو خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔ جلد اول جو کہ کراچی کے ادارہ ترویج علوم اسلامیہ نے شائع کی تھی، کے ختم ہونے پر مصباح القرآن ٹرسٹ نے اسے دوبارہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی، اس کی اصلاح و تزئین میں مقدور بھر کوشش کی گئی، اس کے باوجود ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ آپ ہمیں اپنی تجاویز و آراء سے مستفید فرمائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی آخر میں دردمندانہ گزارش بھی کرتے ہیں کہ تفسیر ہذا کی ترویج میں ہمارے ساتھ ہر ممکن تعاون فرما کر قرآن و عترت کی نصرت اور سید العلماء کی قدردانی کا حق ادا کرنے میں کوشاں رہیں۔

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ

www.kitabmart.in

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

ضرورت تفسیر

قرآن مجید جب خود نور، ہدایت، بصیرت، آسان، واضح اور احسن (وبہترین) تفسیر ہے تو پھر تفسیر کی کیا ضرورت ہے؟ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات قرآن میں ہے:

وَلَا یَاۡتُوۡنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئۡنٰكَ بِالۡحَقِّ وَاَحۡسَنَ تَفۡسِیۡرًا۔(فرقان--۳۳)

اور یہ لوگ کوئی بھی مثال نہ لائیں گے مگر یہ کہ ہم اس کے جواب میں حق اور بہترین بیان (وتفسیر) لے آئیں گے

فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَكَّرُوۡنَ۔(دخان--۵۸)

درحقیقت ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر بالکل آسان قرار دیا ہے، شاید وہ نصیحت قبول کریں۔

وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ۔(قمر--۱۷)

''اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنایا ہے تو ہے کوئی جو نصیحت قبول کرے''۔

قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا غَیۡرَ ذِیۡ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمۡ یَتَّقُوۡنَ۔(زمر--۲۸)

''عربی زبان کا قرآن جس میں کوئی کجی نہیں، شاید کہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں''۔

قرآن مجید نے نہ فقط اس سوال کا جواب دیا ہے بلکہ یہ بھی بتادیا ہے کہ مفسر قرآن کون ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ۔(نحل--۴۴)

''اے رسول! ہم نے قرآن کو آپ پر نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے اُن تمام احکام وغیرہ کو بیان کریں (اور ان کی توضیح وتشریح کریں) جو ان کی طرف بھیجے گئے ہیں شاید وہ غور وفکر سے کام لیں''۔

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا۔(فاطر--۳۲)

''پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا انہیں جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا''۔

مذکورہ آیات میں واضح طور پر بتادیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے لئے مفسر کی ضرورت ہے اور مفسر قرآن سب سے پہلے خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے ان کے بعد وہ مفسر قرآن ہیں جو وارث قرآن، وارث علم قرآن اور وارث علم پیغمبرؐ ہیں یعنی اہل بیت وعترت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جیسا کہ خود پیغمبرؐ نے بھی فرمایا:

''اِنِّیۡ تَارِكٌ فِیۡكُمُ الثَّقَلَیۡنِ------ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتۡرَتِیۡ اَهۡلَ بَیۡتِیۡ------''

میں آپ لوگوں کے پاس دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک کتاب خدا (قرآن مجید) اور دوسری اپنی عترت (یعنی اہلبیت)۔

اہل بیت وعترت پیغمبرؐ کے بعد تفسیر قرآن کی ذمہ داری اُن علماء پر ہے جو انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کے حقیقی وارث اور "اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ" کے مصداق ہیں۔

انہی علماء میں سے ایک حضرت آیۃ اللہ علامہ السید علی نقی النقوی المعروف ''علامہ نقن'' ہیں۔ جنہوں نے تفسیر فصل الخطاب لکھ کر احسن طریقہ سے فریضۂ الٰہی انجام دیا۔

تفسیر فصل الخطاب سے قرآن مجید کا ترجمہ و حاشیہ مرتب کرتے وقت جس حد تک میں نے اس تفسیر کا مطالعہ کیا ہے تو تفسیر کی مختلف اقسام (مثلاً تفسیر رُوائی، تفسیر عرفانی اور تفسیر اجتہادی) میں سے فصل الخطاب کو تفسیر اجتہادی قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ علامہ موصوف نے اس تفسیر میں ان تمام علوم سے استفادہ کیا ہے جو ایک جامع اور اجتہادی تفسیر کے لئے ضروری ہیں۔

یہ تفسیر اگرچہ سابقہ کتابت کے مطابق چند مرتبہ مختلف اداروں کی طرف سے شائع ہو چکی ہے لیکن اب خداوند عالم نے خادمین ادارہ مصباح القرآن لاہور مخصوصاً جناب محترم شیخ محمد امین صاحب کو یہ توفیق عنایت فرمائی کہ وہ اسے کمپوز کروا کر خوبصورت انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ کمپوز اور اصلاح کا کام جناب محترم مجاہد حسین حرصاحب کے سپرد کیا گیا انہوں نے اپنی حد تک کوشش کی لیکن اتنے بڑے کام میں نواقص اور غلطیوں کا باقی رہنا فطری امر ہے۔ قارئین محترم سے گزارش ہے کہ نواقص کے سلسلہ میں راہنمائی فرمائیں تاکہ بعد والے ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے۔

دعا ہے کہ خداوند عالم بانیٔ ادارہ مصباح القرآن حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین مرحوم علامہ سید صفدر حسین نقوی النجفی قدس سرہ کے درجات بلند فرمائے۔ ان کے قائم کردہ تمام ادارات کو ترقی و کمال عطا کرے مصباح القرآن و دیگر ادارات کی تأسیس میں ان کے معاون خاص محترم جناب سیٹھ نوازش صاحب دام عزہ کو صحت و سلامتی اور طول عمر عطا کرے۔

علامہ مرحوم کے قائم کردہ تمام اداروں کے سرپرست اعلیٰ اور ان کے روحانی جانشین حضرت آیۃ اللہ حافظ ریاض حسین نقوی النجفی دامت برکاتہ کو صحت و سلامتی اور طول عمر با برکت عطا فرمائے اور ان کا سایہ ہم سب کے سروں پر قائم و دائم رکھے۔

تمام معاونین وخادمین ادارہ مصباح القرآن مخصوصاً جناب محترم محمد امین صاحب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور انہیں اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

سید فیاض حسین نقوی

جامعہ علمیہ۔ ڈیفنس۔ کراچی

ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مارچ ۲۰۱۱ء

www.kitabmart.in

تفسیر فصل الخطاب

چند تاثرات

ڈاکٹر محسن نقوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاھِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اَذۡھَبَ اللّٰہُ عَنۡھُمُ الرِّجۡسَ وَطَھَّرَھُمۡ تَطۡھِیۡرًا۔

ہماری خوش نصیبی ہے کہ برصغیر پاک و ہند کی عظیم ترین علمی شخصیات میں سے فردِ وحید و عالم جلیل سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی (۲۶ رجب ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء۔ ۲۹ رمضان ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۷ امئی ۱۹۸۸ء) کی تفسیر فصل الخطاب کی طبع نو کے موقع پر اس کے بارے میں کچھ خیالات کے اظہار کا موقع ہمیں فراہم ہوا۔

ایک پوتے کے لئے اپنے جدّ (سیّد العلماءؒ ہمارے والد کے چچا تھے) کی کسی کتاب پر لکھنا وہ بھی ''سید العلماءؒ'' جیسی علمی شخصیت کی کتاب، اُس پر مستزاد ''تفسیر القرآن'' جیسا وسیع و دقیق موضوع اِس بے بضاعت کے لئے بہت مشکل کام تھا لیکن توفیق اِلٰہی (عزّوجل) اور ولی العصر، صاحب الزمان علیہ الصلاۃ والسلام اور اُن کے اجدادِ کرام، صلوٰۃ اللہ علیہم کی ہدایت کے توسل سے کچھ عرض کرنے کی جسارت کررہے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں قرآن مجید کے اردو تراجم کی ابتداء سید العلماءؒ کے اجداد میں سید علی نقویؒ (۱۲۰۰ھ/ ۱۲۵۹ھ بمطابق ۱۷۸۵ء۔۔ ۱۸۴۳ھ) ابن سید دلدار علی غفرانمآبؒ کے حصّے میں آئی۔ آپ کا ترجمۂ قرآن شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین سے پہلے قرار پاتا ہے۔ اس ترجمے کی زبان قدیم لیکن سلیس اور بامحاورہ ہے۔ اس کا ایک نسخہ پیر ابراہیم ٹرسٹ کراچی کی لائبریری، ناظم آباد میں موجود ہے۔

www.kitabmart.in

یوں تو علمائے شیعہ نے قرآنِ مجید کے بہت سے ترجمے اور حواشی قلم بند کئے جن میں مولانا فرمان علی (۱۸۵۳ء--۱۹۱۶ء) اور مولانا مقبول احمد اعلی اللہ مقامہما (۱۸۷۰ء--۱۸۸۶ء) کے تراجم و حواشی کو خاص شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ۔ اسی طرح اردو تفاسیر میں مولانا عمار علی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۲۸ء--۱۹۷۵ء) کی تفسیر ''عمدۃ البیان'' (۳ جلدیں) ایک متوسط حجم کی تفسیر شمار کی جاتی ہے۔ تقسیم ہند کے بعد مولانا امداد حسین کاظمیؒ (۱۹۰۱ء--۱۹۷۵ء) کا ترجمہ و حاشیہ تفسیر متقین ہماری نظر میں فرمان علیؒ اور مقبول احمدؒ کے تراجم وحواشی پر بوجوہ فوقیت رکھتا ہے۔ اردو تفاسیر میں اس کے بعد علامہ حسین بخش جاڑا صاحب کی تفسیر ''انوار النجف'' تفسیر کے شائقین کا مرکز رہی، اسی طرح علامہ ذیشان حیدر جوادیؒ کا ترجمہ و حاشیہ بھی اس بناء پر بنظرِ استحسان دیکھا جاتا ہے کہ ترجمہ انتہائی رواں اور حواشی عام قاری کے لئے سہل ہیں۔ آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی (دام ظلہ الوارف) کی زیرِ نگرانی تیار ہونے والی ''تفسیر نمونہ'' کا ترجمہ انتہائی دیانت و عرق ریزی سے کیا گیا اور اس نے خاص حد تک ایک ایسی تفسیر کی کمی پوری کر دی جو طلباء، کالج و یونیورسٹی کے پروفیسروں اور علماء کے لئے ''حوالے'' کا کام دے اور وہ اس کے ذریعے اپنی ''قرآن فہمی'' میں اضافہ کر سکیں۔ فجزاء ہم اللہ احسن الجزاء۔ جس دوران تفسیر نمونہ کی جلدیں طبع ہو کر آ رہی تھیں اُسی دوران سید العلماءؒ کی تفسیر ''فصل الخطاب'' پہلے سات جلدوں میں کشمیر سے چھپی، پھر ایک جلد ادارۂ ترویج علوم اسلامیہ سے اور بعد ازاں مصباح القرآن ٹرسٹ نے اس کا پورا سیٹ اچھے انداز میں طبع کیا۔

قرآن مجید کے طالب علم کی حیثیت سے عالم اسلام میں مختلف مکاتب فکر و فقہ کی تفاسیر شائع ہونے کے ساتھ زیر مطالعہ رہتی ہیں تو اپنے مکتب فکر کی اردو تفاسیر وحواشی بھی ہمیشہ زیر نظر رہتے ہیں جو اپنی قدر و قیمت میں کچھ کم نہیں جن میں سے بعض کا ذکر ماقبل ہم کر چکے۔

سید العلماءؒ کی تفسیر کی خاص بات جس نے ہمیں متاثر کیا وہ اس کا ''تفسیری ترجمہ'' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سید العلماءؒ کی ساری محنت و ژرف نگاہی آیات کے ترجمے میں مضمر ہے اور یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔

سید العلماءؒ کسی بھی آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے صرف عربی زبان، نحو و بلاغت، معانی و بدائع کو مدّنظر نہیں رکھتے بلکہ اہل بیت علیہم السلام کی احادیث اور اُن کو مدّنظر رکھ کر لکھی جانے والی تفاسیر مثلاً شیخ طوسیؒ کی التبیان، محسن فیض الکاشانی کی الصافی، تفسیر قمی علامہ طبرسیؒ کی تفسیر مجمع البیان وغیرہ میں پیش کئے گئے مطالب کو اردو ترجمے میں سمو دیتے ہیں اور تائیداً متعلقہ تفسیر کی متعلقہ عبارت کو مختصراً نقل کر دیتے ہیں۔ تفسیری مواد اس ترجمے ہی کی وضاحت ہوتی ہے۔ اسی لئے ترجمے میں لفظ پر لفظ نہیں رکھا ہے

www.kitabmart.in

بلکہ اُسے اُردو محاورے کے مطابق ادا کیا ہے۔نمونے کے طور پر بعض مقامات پیشِ خدمت ہیں:

(۱) سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۱۹ کے ایک جزء:

وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ

اس کا ترجمہ سید العلماءؒ نے یہ کیا ہے : اور جب تخلیہ ہوتا ہے تو تمہارے خلاف غیظ وغضب سے اپنی بوٹیاں کاٹتے ہیں۔

اس کے بعد حاشیے میں پہلے مولانا فرمان علیؒ کا ترجمہ دیا ہے ''تم پر غصے کے مارے انگلیاں کاٹتے ہیں''۔ پھر ان ہی کا حاشیہ نقل کیا ہے: اس ''الانامل'' کے اصلی معنی پوروں کے ہیں مگر چونکہ اردو محاورہ میں پوروں کا کاٹنا نہیں بولتے ہیں اس وجہ سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

بعدازاں سید العلماءؒ وضاحت کرتے ہیں: مگر حقیقت یہ ہے کہ اردو میں تو انگلیاں کاٹنا بھی محاورہ نہیں ہے، اس لئے ہم نے ترجمہ بوٹیاں کاٹنے کے ساتھ کیا ہے'' (فصل الخطاب، ج ۳، ص ۳۷)

علامہ جوادیؒ نے ترجمہ یوں کیا ہے: جب اکیلے ہوتے ہیں تو غصّے سے انگلیاں کاٹتے ہیں۔تفسیر نمونہ کے اردو ترجمے میں ہے: جب وہ تنہائی میں ہوتے ہیں تو شدید غیظ وغضب سے اپنی انگلیاں کاٹنے لگ جاتے ہیں۔(ج ۳ ص ۶۴) سید العلماء کا ترجمہ عربی سے قریب اور اردو محاورے کے مطابق ہے۔

(۲) سورۂ آلِ عمران ہی کی آیت ۱۵۴ کے پہلے جزء میں فرمایا:

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِنْكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ ...

علامہ جوادیؒ نے ترجمہ یوں کیا ہے: ''اس کے بعد خدا نے ایک گروہ پر پُرسکون نیند طاری کر دی اور ایک کو نیند بھی نہ آئی کہ اسے صرف اپنی جان کی فکر تھی''

اس ترجمے میں ایک تو ''غم'' کا ذکر نہیں ہے، دوسرے تا کہ ''اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ'' میں جو عمومیت ہے وہ مفقود ہے۔ تیسرے قرآن مجید کے الفاظ ''وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ...'' کا ترجمہ مبہم ہے ''اور ایک کو---'' یہاں مفرد کا گمان ہوتا ہے اگر ''گروہ'' کا اضافہ ہوتا اور ''ایک'' کی بجائے ''دوسرے'' ہوتا تو قرآنی الفاظ کی رعایت بھی ہوتی اور مطلب واضح ہوتا۔

سید العلماءؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: پھر اُس نے رنج وغم کے بعد تم پر سکون واطمینان اُتارا نیند کی صورت سے جو تم

www.kitabmart.in

میں سے ایک گروہ پر طاری ہورہی تھی اور ایک گروہ ایسا تھا جسے اپنی جانوں کی فکر تھی۔ (ج ۳ ص ۷۴)

اس کی تائید میں انہوں نے علامہ طبرسیؒ کی تفسیر مجمع البیان کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

(۳) سورۂ نساء کی آیت ۹۱ کا ایک جزء ہے:

كُلَّمَا رُدُّوٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوا فِيْهَا.

علامہ جوادیؒ نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے: یہ جب بھی فتنے کی طرف بلائے جاتے ہیں اُلٹے اس میں اوندھے منہ گر پڑتے ہیں۔

الفاظِ قرآن میں ''بلائے جاتے ہیں'' کسی لفظ کا ترجمہ نہیں ہے۔

شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی نے ترجمہ یوں کیا ہے: جب کبھی لوٹائے جاتے ہیں وہ فساد کی طرف تو اس کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

"اُرْكِسُوا فِيْهَا" کے بنیادی معنی: " يعني وقعوا فيها" (التبيان للطوسیؒ) یعنی ''پڑ جانا'' واقع ہو جانا اس کو تائیداً نقل کر کے سید العلماءؒ نے ترجمہ یوں کیا ہے: اور جب فتنہ پردازی کا دوبارہ موقع ملے تو وہ اس میں بالکل جُٹ جائیں گے۔ (فصل الخطاب ج ۳ ص ۲۶۹) ''جُٹ جانا'' اُردو محاورہ ہے جس میں تن دہی سے کسی کام میں دلچسپی سے لگے رہنے کا مفہوم ہے اور یہی "اُرْكِسُوا فِيْهَا" کا درست ترجمہ ہے۔

ایسی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

درج بالا سطور سے سید العلماءؒ کی تفسیر فصل الخطاب کی چند خصوصیات مستفاد ہوتی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ الفاظِ قرآنی کی بالالتزام رعایت

۲۔ لفظی ترجمے کی بجائے محاوراتی ترجمہ اور لکھنوی اردو محاورے کی مطابقت

۳۔ ترجمے میں عقلی و منطقی اظہار اور ربط کا لحاظ

۴۔ طوالت سے گریز

۵۔ مستند تفاسیر کے طویل اقتباسات سے گریز

۶۔ تفاسیر کے مختصر اقتباسات سے استشہاد

www.kitabmart.in

۷۔ احادیث کے طویل مندرجات کی بجائے محض متعلقہ حصّے کا اقتباس و اشارہ

۸۔ تاریخی واقعات کی طرف اشارہ اور تفصیل سے اجتناب

۹۔ تفسیر میں نہ اتنی طوالت کہ قاری پر بار ہو جائے اور نہ ایسا اطناب کہ وہ حاشئے میں شمار ہو۔

۱۰۔ وہ مضامین جن کی ادائیگی عوام میں خلافِ ادب سمجھی جاتی ہے اُس کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال جن سے وہ دائرۂ ادب و ستر سے باہر بھی نہ نکلیں اور مطلب بھی ادا ہو جائے۔ مثلاً سورۂ نساء کی آیت ۶ کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

''بلوغ کا تعلق تو عمر کے ساتھ ہے جو لڑکے میں ۱۵ برس اور لڑکی میں ۹ برس ہے یا خاص کیفیات جو علامت بلوغ کی حیثیت سے معتبر ہیں''۔ (ج ۳ ص: ۱۴۴)

۱۱۔ فقہی آیاتِ احکام کی وضاحت میں فقہی مسائل کو اپنی پوری فقہی مہارت سے بیان فرمایا ہے مگر اس کو بہت قابلِ فہم انداز میں تحریر فرمایا تاکہ مسائل سمجھ میں آسکیں۔ مثلاً سورۂ نساء کی آیات ارث۔

قابل مبارک باد ہیں مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور کے مسئولین و منتظمین جو قرآنِ مجید کی خدمت کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ علومِ اہل بیت علیہم السلام کو بھی نشر کر رہے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ اِن سے فرمان خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: قرآن و اہل بیتؑ جب تک اِن سے تمسک رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے'' پر عمل بھی کروا رہا ہے اور ثقلین کی خدمت بھی۔

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے مساعی کو قبول فرمائے اور انہیں ''ثقلین'' کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

خادم الثقلین

ڈاکٹر محسن نقوی

۲۶ مارچ ۲۰۱۱ء کراچی

www.kitabmart.in

فہرست کتاب

عنوان	صفحہ نمبر
سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ	21
سورۂ شعراکے خاص خاص مضامین	21
آغاز تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام	23
جناب موسیٰ علیہ السلام اور فرعون سے گفتگو	24
ساحروں سے مقابلہ	27
دریا میں شگاف، موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون کی معہ افواج غرقابی	30
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت حق اور اپنی قوم سے گفتگو	31
خالق سے مناجات	32
حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ	34
قوم کا جواب اور گفتگو	34
انجام کار	35
حضرت ہود علیہ السلام کا موعظہ وتبلیغ	36
قوم کا جواب اور اس کا انجام	38
حضرت صالح علیہ السلام کا وعظ ونصیحت کرنا	39
ناقہ اور اس کا پے کیا جانا	39
حضرت لوط علیہ السلام کا قوم کو زجر وتوبیخ کرنا	40
قوم کا انکار اور اس کی پاداش	41
جناب شعیب علیہ السلام کا وعظ وپند	41
قوم کا انکار اور اس کی سزا	42
قرآن کا قلبِ پیغمبر پر اترنا	43
عرب کے مقابلہ میں غیر عرب کی بے تعصّبی اور حق پرستی	44
دعوت عشیرہ کا حکم	46

عنوان	صفحہ نمبر
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد کا ایمان	47
حق پرستوں کے سوا عام طور پر شاعروں کی مذمّت	49
سُوْرَةُ النَّمْلِ	50
سورۂ نمل کے خاص خاص مضامین	50
موسیٰ علیہ السلام کا آگ لینے کو جانا اور پیمبری ملنا	52
جناب موسیٰ علیہ السلام کا خوف اور خالق کی تنبیہ	52
کافروں کا باوجود یقین انکار	54
انبیاء کے لئے ورثہ کا ثبوت	54
چیونٹی کا واقعہ اور جناب سلیمان علیہ السلام سے گفتگو	55
ہُدہُد کا واقعہ و ملکہ سبا کی خبر لانا	57
جناب سلیمان علیہ السلام کا ملکہ کے نام خط لکھنا	57
ملکہ سبا کا عمائدین سلطنت سے مشورہ	58
ملکہ سبا کے تحائف پر جناب سلیمان علیہ السلام کا جواب	59
تختِ بلقیس کا چشم زدن میں آنا	60
ملکہ کا حاضر ہونا اور متعلقہ واقعات	61
قبیلہ ثمود اور جناب صالح علیہ السلام کا حال	63
جناب صالح علیہ السلام کے خلاف منصوبہ سازی اور اس کی ناکامی	64
جناب لوط علیہ السلام کی نصیحت، قوم کی مخالفت اور اس کا انجام	65
غیر اللہ کی عبادت کرنے والے کو مسلسل تازیانے	66
علم غیب کا اللہ سے مخصوص ہونا اور اسکا مطلب	68
منکرین قیامت کے سوالات اور ان کے جواب	69
دابّۃ الارض کا ذکر	72
قیامت کے پہلے رجعت کا سوال	73

www.kitabmart.in

عنوان	صفحہ نمبر
صور کے اثر سے کچھ افراد کا استثناء	74
زمین کی حرکت کا ثبوت	76
سُوْرَۃُ الْقَصَصِ	78
سورۂ قصص کے خاص خاص مضامین	78
مظالم فرعون	79
مادر موسیٰ کی طرف وحی اور اُس کی تفصیل	80
زوجۂ فرعون کی گفتگو اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی پرورش	82
قبطی کے قتل کا واقعہ	85
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف ودہشت کے عالم میں مصر سے نکلنا	87
دختران جناب شعیب علیہ السلام کا واقعہ	88
جنابِ شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو	91
وادئ ایمن	92
جناب ہارون کی بحیثیت گواہ ضرورت	94
فرعون کا ہامان کو فرمان اور آخری انجام	96
چشم پوشی اور رواداری کی مدح	101
خالق کے فیصلے کے خلاف اپنے اختیار کو صرف کرنا ایک طرح کا شرک ہے	106
قارون کا کردار اور اس کا انجام	108
انجام بخیر اُن کا جو دنیا میں قہر وغلبہ کے درپے نہ ہوں	110
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مرکز کی طرف واپسی کی اطمینان دہانی	112
سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْتِ	113
سورۂ عنکبوت کے خاص خاص مضامین	113
جناب نوح علیہ السلام کی عمرِ تبلیغ ساڑھے نوسو برس قبل از طوفان	118
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت حق	118
قوم کا ظالمانہ رویہ	120
جناب ابراہیم علیہ السلام پر اللہ کی نوازش	122
قوم لوطؑ کی عذاب الٰہی سے تباہی	124
قوم شعیبؑ اور مختلف اقوام پر عذاب الٰہی کا یکجائی تذکرہ	125
اہل کتاب سے بھی بحث میں رواداری	127

عنوان	صفحہ نمبر
قبل رسالت کی زندگی بعد والے دعوے کی حقانیت	128
حرم الٰہی کا مثالی امن قدرت خدا کی نشانی	133
سُوْرَۃُ الرُّوْمِ	135
دنیا کے معاملہ میں نکتہ رسی دین کے بارے میں بے خبری	136
اوقات نماز کی طرف اشارہ	138
اسلام کا دین فطرت ہونا	141
وہ ارشاد الٰہی جس کی بنا پر فدک ہبہ کیا گیا	143
سود میں خسارہ اور زکوٰۃ میں فائدہ	143
اللہ پر تقاضائے عدل واجب ہونا	145
دور برزخ کا قیامت میں فراموش ہونا	147
سُوْرَۃُ لُقْمٰنَ	149
سورۂ لقمان کے خاص خاص مضامین	149
حرمت غناء	150
آغاز وصایائے لقمانؑ	151
حقوق والدین میں ماں کے حق پر خصوصی زور	152
حق ایمانی نہیں بلکہ انسانی	152
کلمات الٰہی کی کثرت ووسعت	156
وہ باتیں جن کا علم بس اللہ کو ہے	158
سُوْرَۃُ السَّجْدَۃِ	159
سورۂ سجدہ خاص مضامین	159
ملک الموت کا ذکر	162
سجدہ واجبہ	164
مومن اور فاسق یکساں نہیں	164
سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ	168
سورۂ احزاب کے اہم مضامین	168
منہ بولا رشتہ اسلام میں حقیقت نہیں رکھتا	170
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مومنین پر اختیار کلّی	171
جنگ خندق کا ہولناک موقع اور مسلمانوں کی حالت	173

www.kitabmart.in

عنوان	صفحہ نمبر
منافقین کا کردار	175
پیغمبر خدا ﷺ بہترین نمونہ عمل	176
جنگ خندق کا سرانجام	177
بنی قریظہ کا انجام	178
ازواج رسول ﷺ کا امتیاز خاص	179
خدا ورسول ﷺ کے فیصلے کے بعد جمہور مسلمین کے اختیار کی نفی	184
ختم رسالت	186
طلاق کے بعد عدّہ نہ ہونے کی صورت	188
ازدواج بصورت ہبہ رسول ﷺ کی امتیازی خصوصیت	189
ازدواج رسول ﷺ کے لئے پردے کی پابندی	191
وہ محرم افراد جن سے عورتوں کے لئے پردہ نہیں	192
پیغمبر خدا ﷺ پر درود کی تعلیم	192
خدا اور رسول ﷺ کو ایذا پہنچانے پر لعنت	193
خواتین کے چہرے کے پردے کا حکم	194
قیامت کا علم اللہ سے مخصوص	195
سُوْرَۃُ سَبَاٍ	199
سورۂ سبا کے خاص خاص مضامین	199
حضرت داؤدؑ کے لئے لوہے کا نرم ہونا	202
دیمک سے سلیمانؑ کی موت کا انکشاف	203
ملک سباء والوں کی ناشکری اور ان کا انجام	204
انتہائی روادارانہ اعلان	206
مزید رواداری	207
رسالت خاتم الانبیاء کی ہمہ گیری	207
اموال اور اولاد کے ساتھ حسن عمل کی قدر وقیمت میں اضافہ	210
اجر رسالت کا طلب ہونا مگر فائدہ افراد امت کا	214
سُوْرَۃُ فَاطِرٍ	217
سورۂ فاطر کے خاص خاص مضامین	217
کلمہ طیب اور عمل صالح	220
مساوات مطلق خلاف فطرت	225
منتخب افراد کا وارث کتاب ہونا	226
گناہ کے بعد فوری سزا ہوتی تو کوئی باقی نہ رہتا	230
سُوْرَۃُ یٰسٓ	231
سورہ یٰسین کے خاص خاص مضامین	231
ایک خاص داعی حق کے تذکرہ کا آغاز	234
دعوت حق دینے والے مومن کی گفتگو کا تتمہ	234
اُس مومن کی حق گوئی کا نتیجہ	235
اس قوم کا انجام	235
خالق کا افسوس اور اس کا مطلب	236
ہر چیز میں جوڑے	237
آسمانوں کے ٹھوس جسم نہ ہونے کا ثبوت	238
غریبوں کی خبر گیری کے خلاف جواب میں دھاندلی	239
قیامت کے جسمانی ہونے پر تمام انبیاء کا اتفاق	240
زبانوں کی بجائے ہاتھ پیروں کی گواہی کی نوعیت	241
پیرانہ سالی کی کیفیت کو یاد دلانے کا مقصد	242
مشرکین کے اعتراض کی نوعیت جو معاد جسمانی کا ثبوت ہے	245
سُوْرَۃُ الصّٰفّٰتِ	246
سورۂ صافات کے خاص خاص مضامین	246
آفتابوں کی کثرت	247
ذبح عظیم	257
آل یاسین پر سلام	260
سُوْرَۃُ صٓ	267
سورہ صٓ کے خاص خاص مضامین	267
حضرت داؤدؑ کا فیصلہ اور اُس پر ان کو انتباہ	272
قرآن کے بابرکت ہونے کے معنی	274
گھوڑوں کے معائنہ اور آفتاب کے پلٹنے کا بیان	275
جناب ایوب علیہ السلام اور ان کے صبر کا تفصیلی تذکرہ	277

www.kitabmart.in

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر
سُوْرَۃُ الزُّمَرِ	283
سورۂ زمر کے خاص خاص مضامین	283
تحقیق کا دامن چھوڑنا غلط	284
گناہ گاروں کو نا امید نہ ہونا چاہئے رحمت خدا سے	299
سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنِ	307
فرعون کی طرف سے حضرت موسیٰؑ پر بے دینی اور فساد پھیلانے کا الزام	315
مومن آل فرعون کا تذکرہ	316
ہامان کا بحکم فرعون اونچا محل بنانا تاکہ خدائے موسیٰؑ کا پتہ لگائے	319
حضرت پیغمبر خداؐ کی مغفرت کی دعا تقاضائے عبودیت	324
اوقات نماز کی طرف اشارہ	325
دُعا سے انکار کرنے والوں کو شدید تہدید	327
عذاب آنے کے بعد ایمان لانا بے سود	333
سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ	334
سورۂ حم سجدہ کے خاص خاص مضامین	334
قیامت میں اعضاء جسمانی گواہی دیں گے	340
سجدہ واجب	344
خالق کے ثبوت عدل کی دلیل	347
سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی	350
سورۂ شوریٰ کے خاص خاص مضامین	350
ذوی القربیٰ کی محبّت کا بطور اجر رسالت مطالبہ	357
حضرت پیغمبر خداؐ کے حکم کا بفیض الٰہی ہونا	365
سُوْرَۃُ الزُّخْرُفِ	366
سورۂ زخرف کے خاص خاص مضامین	366
حضرت علیؑ کا اسم بامسمّٰی ہونا	367
اللہ کے لئے نفی اولاد کی دلیل	369
ملائکہ کے صنف اناث میں ہونے کی رد	369
کلمۃ باقیہ منصب امامت	371
اموال دنیا کی پستی و حقارت	373
سُوْرَۃُ الدُّخَانِ	382
سورۂ دخان کے خاص خاص مضامین	382
قرآن کا ایک خاص بابرکت رات میں نازل ہونا	383
شب قدر میں خاص حکیمانہ فیصلوں کا صادر ہونا اور حقیقت زار کی قطعی دلیل	383
سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ	389
سورۂ جاثیہ کے خاص خاص مضامین	389
بداعمال لوگ خوش اعمال لوگوں کے برابر نہیں	393
سُوْرَۃُ الْاَحْقَافِ	397
سورۂ احقاف کے خاص خاص مضامین	397
ایمان پر برقرار رہنے کا اجر	401
والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ماں کے حق پر خصوصی توجہ دہانی	402
الوالعزم پیغمبروں کی تعداد	407
سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ	408
سورۂ محمّد کے خاص خاص مضامین	408
دشمنوں سے جنگ کی صورت میں مسلمانوں کو ہدایتیں	410
خدا کی مدد کرو تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور ثابت قدمی عطا کرے گا	411
پیغام جہاد سن کر بعض مسلمانوں کی حالت	415
رسول ﷺ کے خطبوں میں بعض حاضر ہونے والوں کی حالت	417
قرآن میں غور و فکر سے کام لینے کی دعوت	417
مسلمانوں کا لب و لہجہ ان کی پردہ کشائی کے لیے کافی	419
سُوْرَۃُ الْفَتْحِ	422
سورۂ فتح کے خاص خاص مضامین	422
رسول ﷺ کو خطاب کر کے قبل اور بعد کے جرائم کی معافی کے معنی	423
تعظیم رسول ﷺ کا حکم	425
کچھ مسلمان باوجود اصرار جہاد میں ساتھ نہیں لیے گئے	427
بیعت شجرہ کا ذکر اور خالق کا اعلان خوشنودی	429
حدیبیہ میں جنگ نہ ہونے دینے کا سبب	432
صلح حدیبیہ سے غیر مطمئن افراد کو مطمئن بنانے کی کوشش	432

www.kitabmart.in

عنوان	صفحہ نمبر
سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ	436
سورۂ حجرات کے خاص خاص مضامین	436
پیغمبر خدا ﷺ کے سامنے پیش دستی کی سخت ممانعت	437
فاسق کے خبر دینے پر تحقیق کی ضرورت	439
تولّی اور تبرّا کا حکم	440
مسلمانوں کو باغی جماعت سے جنگ کرنے کا حکم	441
مؤمنین سے تمسخر اور بدگمانی کی ممانعت	442
تجسس، بدگمانی اور غیبت سے ممانعت	442
اسلامی مساوات کے ساتھ معیار امتیاز کا بیان	443
اسلام آسان ہے اور ایمان مشکل	444
قبول ہدایت کے ساتھ راہ راست اختیار کرنا اللہ کا احسان	445
سُوْرَةُ قٓ	446
سورۂ ق کے خاص خاص مضامین	446
پیغام آنحضرتؐ کے ماننے میں کفار کے ذہن کے لیے دور کاوٹیں	447
دوبارہ کی زندگی سے کفار کا تعجب دور کرنے کے لیے مثالیں	448
قوم نوحؑ کے ساتھ اصحاب رس اور اہل ایکہ کا ذکر	449
آخرت میں کفر ختم مگر اس دن کا ایمان معتبر نہیں	450
اوقات نماز کا بیان	454
رسول ﷺ کا کام جبر کرنا نہیں ہے	455
سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ	456
سورۂ ذاریات کے خاص خاص مضامین	456
جزا و سزا پر قسموں کے ساتھ زور	457
مشرکین کا رسول ﷺ کے خلاف باتوں میں اضطراب	458
پرہیزگاروں کا کردار	458
آسمانوں میں روزی بھی اور خدا کا عذاب بھی	459
قوم لوط پر عذاب کا نزول	461
گزشتہ کئی قوموں پر عذاب کا مختصر مختصر تذکرہ	463
مومن اور کافر کے معنی	467

عنوان	صفحہ نمبر
یاد دہانی کا اہل ایمان کے لیے فائدہ	468
مقصد خلقت انسان اور جنات	469
سُوْرَةُ الطُّوْرِ	472
نعمات بہشت کے اوصاف	477
پیغمبر خدا ﷺ کو تسلی	479
قرآن کا مثل لانے کی دعوت	480
سُوْرَةُ النَّجْمِ	485
سورۂ نجم کے خاص خاص مضامین	485
پیغمبر خدا ﷺ کی عظمت عملی و قولی	486
مشرکین کے اس مزعومہ باطل کی رد کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں	491
نتائج کا انحصار سعی و کوشش پر	499
سُوْرَةُ الْقَمَرِ	505
سورۂ قمر کے خاص خاص مضامین	505
شق القمر ہونا	506
قوم نوحؑ اور طوفان نوحؑ کی نوعیت	508
قوم عاد پر دائمی طور پر منحوس دن کا عذاب ہونا	509
قوم ثمود و ناقہ صالحؑ اور عذاب الٰہی کا آنا	511
قوم لوطؑ پر عذاب اور اس کا مختصر پس منظر	513
زمانہ رسولؐ کے مشرکین کو سخت ترین الفاظ میں انتباہ	514
سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ	517
سورۂ رحمٰن کے خاص خاص مضامین	517
تخلیق انسان و تعلیم کا بیان	518
خالق کی طرف سے توازن کا قیام	520
زمین اور اس کے نباتات خداوندی نعمتیں	520
دو مشرق اور دو مغرب	521
دو دریاؤں کی آمیزش اور ان سے موتی اور مونگے برآمد	522
ہول قیامت	528
نعمات جنّت کا ذکر	528

www.kitabmart.in

عنوان	صفحہ نمبر
سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ	532
سورۂ واقعۃ کے خاص خاص مضامین	532
قرآن کے مس حروف کے لیے طہارت کی شرط	539
تینوں قسم کے لوگوں کے انجام کا خلاصہ	540
سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ	541
سورۂ حدید کے خاص خاص مضامین	541
منافقوں کی بے بسی اور محتاجی	546
مسلمانوں کو انتباہ کہ وہ امتداد زمانہ سے گھبر کر بددل نہ ہوجائیں	547
دنیاوی زندگی کی بے حقیقتی اور بے اعتباری کی مثال	549
حال کی ہر بات پہلے سے لوح قلم قضاوقدر میں محفوظ ہوتی ہے	550
تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کتاب اور میزان کا اترنا	551
عیسائیوں کی نیک دلی مگر ان کی ایجاد کردہ رہبانیت کی مذمت	552
سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ	555
سورۂ مجادلہ کے خاص خاص مضامین	555
ظہار کے حکم شرعی کا بیان اور اس کے کفارے کا ذکر	556
سُوْرَةُ الْحَشْرِ	566
سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ	575
سُوْرَةُ الصَّفِّ	585
سورۂ صف کے خاص خاص مضامین	585
حضرت موسیٰؑ کی اپنی قوم کو فہمائش	587
دین الٰہی کے مددگار ہونے کی دعوت اور حوارئین حضرت عیسیٰؑ کی مثال	589
سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ	590
سورۂ جمعہ کے خاص خاص مضامین	590
پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت	592
جمعہ کی نماز کا حکم	594
سُوْرَةُ الْمُنَافِقُوْنَ	596
سُوْرَةُ التَّغَابُنِ	601
سورۂ تغابن کے خاص خاص مضامین	601
منزل تخلیق میں سب کی یکسانی	602
اہل وعیال جو صحیح راستے پر جانے سے روکیں درحقیقت دشمن ہیں	606
اموال اور اولاد، ذریعہ آزمائش	607
سُوْرَةُ الطَّلَاقِ	608
سورۂ طلاق کے خاص خاص مضامین	608
طلاق کے موقع پر دو عادلوں کی بحیثیت گواہ موجودگی ضروری	610
یائسہ وغیرہ اور حاملہ کا عدہ	611
احکام رضاعت	612
سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ	615
سورۂ تحریم کے خاص خاص مضامین	615
اپنے اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچانے کے معنی	619
خالص توبہ	620
کفار اور منافقین کے مقابلے میں سختی کی ضرورت	621
سُوْرَةُ الْمُلْكِ	623
سورۂ ملک کے خاص خاص مضامین	623
موت وحیات ذریعہ آزمائش	624
زمین کی صفت	628
سُوْرَةُ الْقَلَمِ	632
سورۂ قلم کے خاص خاص مضامین	632
حضرت یونسؑ کے ترک اولیٰ کا اظہار	640
سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ	641
سورۂ حاقۃ کے خاص خاص مضامین	641
سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ	647
سورۂ معارج کے خاص خاص مضامین	647
پچاس ہزار برس کا ایک سال	648
سُوْرَةُ نُوْحٍ	655
سورۂ نوح کے خاص خاص مضامین	655
حضرت نوحؑ کی بارگاہ الٰہی میں مناجات	659

www.kitabmart.in

عنوان	صفحہ نمبر
سُوْرَةُ الْجِنّ	660
سورۂ جن کے خاص خاص مضامین	660
سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ	666
سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ	671
سورۂ مدثر کے خاص خاص مضامین	671
اللہ اکبر کے معنیٰ	672
ایک شخص خاص کا تذکرہ	674
سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ	680
دیدار خدا بصیرت سے نہ کہ بصارت سے	683
سُوْرَةُ الدَّهْرِ	686
اس واقعہ کا ذکر جس کی بنا پر یہ سورہ نازل ہوا ہے	688
نعمات بہشت کا مفصل ذکر، کردار کی جزا کے طور پر	689
سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ	692
سُوْرَةُ النَّبَإِ	697
خاص بڑی خبر کا ذکر	697
سُوْرَةُ النّٰزِعَاتِ	701
سُوْرَةُ عَبَسَ	705
سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ	709
سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ	713
سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ	715
سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ	718
سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ	721
سُوْرَةُ الطَّارِقِ	725
سُوْرَةُ الْاَعْلٰى	727
سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ	729
سُوْرَةُ الْفَجْرِ	731
سُوْرَةُ الْبَلَدِ	734
سُوْرَةُ الشَّمْسِ	737

عنوان	صفحہ نمبر
سُوْرَةُ الَّيْلِ	739
سُوْرَةُ الضُّحٰى	741
سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ	744
سُوْرَةُ التِّيْنِ	745
سُوْرَةُ الْعَلَقِ	747
سُوْرَةُ الْقَدْرِ	750
سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ	751
سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ	754
سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ	755
سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ	757
سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ	758
سُوْرَةُ الْعَصْرِ	759
سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ	760
سُوْرَةُ الْفِيْلِ	762
سُوْرَةُ قُرَيْشٍ	764
سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ	765
سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ	766
سُوْرَةُ الْكَافِرُوْنَ	768
سُوْرَةُ النَّصْرِ	769
سُوْرَةُ اللَّهَبِ	770
سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ	771
سُوْرَةُ الْفَلَقِ	773
سُوْرَةُ النَّاسِ	774

******

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ

سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے

* * * * * * * * * * * * * *

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر

تفسیر

فصلُ الخطاب

جلد سوم

سُورَۃُ الشُّعَرَآءِ تا سُورَۃُ النَّاسِ

✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻ ✻

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ الشُّعَرَآءِ

مکّیہ......۲۲۷......آیات

اس سورہ کی اختتامی آیات میں شاعروں کی صنف کا ذکر ہے، اس لئے اس سورہ کا نام اس صنف کی نسبت سے ہوا۔

سورۂ شعرا کے خاص خاص مضامین:

۱............جناب موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی گفتگو جس کا تفصیلی بیان اس سورہ کے مختصات میں سے ہے۔

۲............ساحروں سے مقابلہ، پھر دریا میں شگاف، نبی اسرائیل کا پار ہو جانا اور فرعون کا مع اپنی افواج کے غرق ہونا جو دوسرے مقامات پر بھی مذکور ہے۔

۳............حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت حق اور اپنی قوم سے گفتگو، پھر اپنے خالق سے مناجات۔

۴............حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ، قوم کا جواب اور تفصیلی گفتگو۔

۵............حضرت ہود علیہ السلام کا موعظ و تبلیغ، قوم کا جواب اور ان لوگوں کا انجام۔

۶............حضرت صالح علیہ السلام موعظ و نصیحت، ناقہ اور اس کا پے کیا جانا اور نتیجہ۔

۷............حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو زجر و توبیخ، قوم کا انکار اور اس کی پاداش۔

۸............جناب شعیب علیہ السلام کا وعظ و پند، قوم کا انکار اور اس کی سزا۔

۹............قرآن کا قلب پیغمبرؐ پر اترنا۔

۱۰............عرب کے مقابلہ میں غیر عرب کی بے تعصّبی اور حق پرستی۔

۱۱............دعوت عشرہ کا حکم

۱۲............رسولؐ کے آباؤ اجداد کا ایمان اور عبادت گزار ہونا............وغیرہ وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

طٰسٓمّٓ ① تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ② لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا
مُؤۡمِنِیۡنَ ③ اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَۃً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُہُمۡ لَہَا

www.kitabmart.in

خٰضِعِيْنَ ۝٤

''طا،سین،میم۔ یہ کھلی ہوئی کتاب کی آیات ہیں۔شاید آپ جان دے دیں گے اس غم میں کہ وہ ایمان نہیں لاتے ،اگرہم چاہیں تو آسمان سے ایک نشانی ایسی اتاریں کہ زبردستی ان کی گردنیں اُس کے سامنے جھک جائیں۔''

یعنی جبری ایمان خالق کے نظامِ حکمت کے خلاف ہے، اس لئے دنیا میں کافر کا وجود ہے، پھر اُن کے ایمان نہ لانے سے آپ اتنا رنج کیوں کرتے ہیں؟

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝٥ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٦

''اورنہیں آتی اُن کے پاس خدائے رحمٰن کی طرف سے کوئی تازہ ہدایت مگر یہ کہ وہ اُس سے بے اعتنائی اختیار کرتے ہیں چنانچہ اُنہوں نے جھٹلایا تو عنقریب آئیں گی اُن کے سامنے خبریں اُس کی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔''

یعنی عذاب الٰہی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے، پہلے وہ خبروں کی حیثیت رکھتا تھا اور اب وہ مجسّم طور پر اُن کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝٧ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٨ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝٩

''کیا اُنہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ کتنے ہم نے ہر عمدہ قسم کے نباتات اُس میں پیدا کیے ہیں، یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے، مگر اُن میں کے زیادہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بلاشبہ تمہارا پروردگار غالب ہے، بڑا مہربان۔''

غلبہ کے باوجود اُس کی مہربانی، دنیا میں یہ ہے کہ وہ باوجود قدرت کاملہ کے عذاب نازل نہیں کرتا، اس طرح یہ غلبہ اور رحم کی صفات دونوں کافروں ہی کے تعلق سے ہیں[1] اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عزیز ''غالب'' کہنا کفّار کے مقابلہ میں ہو اور رحیم کہنا مومنین کے لحاظ سے ہو[2] اور ایک صورت یہ ہے کہ دونوں صفات کو مستقل سمجھا جائے جو بجائے خود ذات الٰہی کے اسمائے حسنٰی میں ہیں اور تعلق ہر ایک کا کوئی خاص مانا ہی نہ جائے[3]۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا

[1] یعنی نہ ماننے پر جلد عذاب نہیں بھیجتا (موضح القرآن)

[2] العزیز ذوالقدرۃ ینتقم من الکافرین الرّحیم یرحم المؤمنین (جلالین)

[3] العزیز ای القادر الّذی لا یعجزوالغالب الّذی لا یغلب الرحیم ای المنعم علیٰ عبادہ بأنواع النعیم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

يَتَّقُوْنَ ⑪ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ؕ⑫ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ⑬ وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۚ⑭ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ⑮ فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ⑯ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ؕ⑰

''اور جب پکارا آپ کے پروردگار نے موسیٰ کو کہ جاؤ اس ظالم فرعون کی قوم کی طرف کہ وہ پرہیزگاری کیوں اختیار نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا پروردگار! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا دم الجھتا ہے اور میری زبان میں روانی نہیں ہے تو ہارون کو بھی تو بھیج اور ان کا میرے خلاف ایک الزام ہے، تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے مار ڈالیں، کہا ہرگز نہیں۔ اچھا تم دونوں ہمارے معجزوں کے ساتھ جاؤ۔ تمہارے ساتھ سننے والے ہیں تو جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس اور کہو کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف کے پیغمبر ہیں کہ تو ہمارے ساتھ نبی اسرائیل کو روانہ کر دے''۔

آغاز تذکرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام:

''ان کا میرے خلاف ایک الزام ہے'' یعنی اس قبطی کے قتل کرنے کا جو ایک اسرائیلی سے لڑ رہا تھا اور جناب موسیٰ علیہ السلام نے اس اسرائیلی کی مدد کیلئے اسے گھونسا مارا جس سے اتفاقاً وہ مر گیا[1] اس واقعہ کا ذکر تفصیل کے ساتھ آچکا ہے۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّ لَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِیْنَ ۙ⑱ وَ فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ⑲ قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ؕ⑳ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ㉑ وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ؕ㉒

''اس نے کہا کیا ہم نے تمہیں پالا نہیں بچپنے میں اور تم نے ہم میں اپنی عمر کے کئی سال گزارے اور پھر وہ کارنامہ کیا جو تمہیں کرنا تھا اور تم ناشکر گزاروں میں ثابت ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے وہ کیا تھا اس وقت جب میں کھویا ہوا تھا تو میں بھاگا تم سے جب میں تم سے ڈرا۔ اس کے بعد میرے پروردگار نے مجھے علم عطا کیا اور مجھے پیغمبروں میں سے قرار دیا اور تم یہ احسان مجھ پر جتا رہے ہو جب کہ تم نے تمام بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے''۔

[1] ای لهم علیّ دعوىٰ ذنب (مجمع البیان) یعنی قتل القبطی (تبیان)

www.kitabmart.in

جنابِ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون سے گفتگو:

یہ کارنامہ جس کا اس گفتگو میں حوالہ ہے، وہی قبطی کو قتل کا ذکر خود جناب موسیٰ کی زبانی پہلے آ چکا ہے اور اس کا تفصیلی تذکرہ سورۂ قصص میں اس کے بعد آئے گا۔

اور یہ جو حضرت موسیٰ کے قول میں ہے اس وقت تک "کھویا ہوا تھا" اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک ربّانی ہدایت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ جو بعثت کے بعد ہوتا ہے۔[1]

اور حقیقت امر یہ ہے کہ عصمتِ انبیاء تو ابتدائے عمر سے ہوتی ہے مگر احاطہ علمی میں بفیض ربانی ارتقاء ہوتا رہتا ہے اور ہر درجہ بالا کے لحاظ سے قبل کے درجہ کو یہ حضرات اپنے لئے "گم شدگی" کی لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾

"فرعون نے کہا یہ تمام جہانوں کا پروردگار کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا پروردگار اگر تم یقین کرو۔ اس نے اپنے اردگرد والوں سے کہا کہ تم سن نہیں رہے ہو؟ انہوں نے کہا سب کا پروردگار اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا بھی پروردگار۔ وہ کہنے لگا یہ تم لوگوں کا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ضروری دیوانہ ہے انہوں نے کہا مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا پروردگار اگر تم عقل سے کام لو"۔

بہت دفعہ اس پر روشنی ڈالی جاتی رہی ہے کہ قرآن مجید نے واقعات کی وہ کڑیاں جنہیں انسان کا ذہن خود سمجھ سکتا ہے، چھوڑ دی ہیں۔ یہاں یہی صورت ہے۔

خالق کے ارشاد میں پہلے آ چکا ہے کہ فرعون کے پاس جا کر کہو: آنا رسول ربّ العالمین، ہم تمام جہانوں کے پروردگار کے پیغمبر ہیں............اب اس سے سننے والوں کو خود ہی سمجھ لینا چاہئے کہ وہ گئے اور انہوں نے فرعون سے یہی الفاظ کہے کہ آنا رسول ربّ العالمین "ہم ربّ العالمین کی طرف کے رسول ہیں" اب فرعون کی جو گفتگو یہاں بیان ہوئی ہے، وہ اسی کے تعلق سے شروع ہوتی ہے کہ اس نے کہا: وما ربّ العالمین "یہ ربّ العالمین، یعنی چہ؟" اور اب اسی ربّ العالمین کی تشریح ہے جسے جناب موسیٰ علیہ السلام نے ربّ السموت والارض وما بینھما اور پھر ربکم اور ربّ ابائکم الاوّلین اور پھر ربّ المشرق والمغرب وما بینھما کے تعبیرات کے ساتھ پیش کیا ہے۔

---

[1] من الضآلّین عمّا اتانی اللہ بعدھا من العلم والرّسالۃ (جلالین) اعلم یوحٰ الیّ تحریم قتلہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

پھر یہ انداز دیکھنے کا ہے کہ فرعون اُن کے حق آگیں جملوں پر طرح طرح کی باتیں کر رہا ہے اور دل آزادی کے طریقے اختیار کر رہا ہے اور ہر بات پر آپ اُس کی کہی اور اپنی سنی ہوئی بات کو جیسے ان کہی اور اَن سنی قرار دے کر اپنی ہی پہلی بات کو تعبیر بدل کر پیش کر دیتے ہیں۔

وہ اپنے مجمع سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "سن رہے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے۔"؟ اور آپ جیسے اب پورے مجمع سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں، "ہاں سنو! کیا کہہ رہا ہوں؟ یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ سب کا پروردگار ہے اور تمہارے باپ داداؤں کا بھی۔" وہ ان کے قول آنا رسول ربّ العالمین کی بنا پر طنزیہ طور پر مجمع سے کہتا ہے کہ "یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے" اور آپ فرما دیتے ہیں۔ "ارے، وہ مشرق اور مغرب سب کا پروردگار ہے اگر تم عقل سے کام لو"

مجنون کا لفظ سننے کے ساتھ ان کنتم تعقلون کی بلاغت دیکھیے، یہ گویا اشارہ ہے اس کی طرف کہ میں خیر، تم سب کو دیوانہ تو نہیں کہتا، اس لئے کہ واقعی دیوانے ہوتے تو مستوجب سزا ہی کب ہوتے مگر افسوس تم عاقل ہوتے ہوئے عقل سے کام نہیں لیتے یعنی تمہارے افعال و اعمال ضرور عاقلانہ ہیں جس پر تم کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ ہے انبیاؑ کا طریقہ دعوتِ حق میں کہ مخالفین کے طعن و تشنیع، بہتان وافتراء، سب کو سنو اور بات اپنی کہتے رہو اور اُس پر زور دیتے رہو، آخر میں جب تعصب وعناد کا جوش ختم ہوگا تو وہ تمہاری باتوں کو سننے اور اُن پر غور کرنے لگیں گے اور پھر بہت سی سعید روحیں اُس پیغام کو قبول بھی کر لیں گی۔

ایک دوسرا تصور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون دونوں کی زبان پر جاری شدہ فقرات کے متعلق یہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر ایک مسلسل حیثیت رکھتی تھی۔ جب فرعون نے کہا: وما ربّ العالمین تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پرزور انداز میں تابڑ توڑ یہ جملے کہے: ربّ السمٰوٰت والارض رما بینھما ان کنتم موقنین۔ ربّکم وربّ ابائکم الا وّلین، ربّ المشرق والمغرب وما بینھما ان کنتم تعقلون۔ وہ آسمان اور زمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کا پروردگار ہے اگر تم یقین کرو، وہ تمہارا پروردگار اور تمہارے آباؤ اجداد کا پروردگار ہے۔ وہ مشرق اور مغرب اور اُن کے درمیان کی تمام چیزوں کا پروردگار ہے اگر تم عقل سے کام لو" یہ زور دار تقریر ایک مسلسل بارانِ حقیقت کی حیثیت رکھتی تھی اور فرعون یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ کہیں اس کا اثر اُس کے گرد وپیش کے لوگوں پر نہ ہو جائے۔ اس لئے وہ بیچ بیچ میں اپنی جماعت کو مخاطب کر کے برابر اُس کے اثر کو دور کرنے کی کوشش کے لئے وہ جملے بول رہا تھا۔[1]

اس کے معنی یہ ہیں کہ جیسے کسی تقریر کی ریکارڈنگ ہوتی ہے تو بیچ بیچ میں جو آوازیں اِدھر اُدھر کی آرہی ہوں، وہ بھی پردۂ گوش سے ٹکراتی رہتی ہیں بس اُسی انداز میں قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر کے دوران جہاں جہاں فرعون نے کوئی فقرہ کہا تھا، اسے بھی ہمارے سامعہ تک پہنچا دیا ہے۔

میرے نزدیک یہ تصور بھی قرآن مجید کے اُس معجزانہ معیارِ فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے، جس نے دنیا کو نئے پیرایوں سے روشناس کرایا ہے، بعید نہیں ہے۔

---

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک بات کہے جاتے تھے اللہ کی قدرتوں کا پتہ بتانے کی اور فرعون بیچ میں اپنے سرداروں کو ابھارتا تھا کہ ان کو یقین نہ آجائے (موضح القرآن)

www.kitabmart.in

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ أَوَلَوْ
جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿٣١﴾ فَأَلْقٰى عَصَاهُ
فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿٣٢﴾ وَّنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنّٰظِرِينَ ﴿٣٣﴾

''اس نے کہا اگر تم نے میرے سوا کوئی خدا بنایا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا، انہوں نے کہا چاہے میں تمہارے سامنے کھلی ہوئی چیز پیش کردوں۔ کہا لاؤ اُسے اگر تم سچّے ہو اس پر پھینک دیا اُنہوں نے اپنا عصا تو ایک دم وہ کھلا ہوا اژدہا ہوگیا اور اپنا ہاتھ نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لئے چمکتا ہوا ظاہر ہوا''۔

جب فرعون جناب موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کا کوئی توڑ نہ کرسکا تو یہ عاجزی کا مظاہرہ تھا کہ وہ اپنے سطوت واقتدارِ شاہی سے اُنہیں ڈرانے لگا[1] مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس سے بالکل ڈرے نہیں بلکہ اس کی اُس دھمکی کو نامعقول ثابت کرنے کے لئے کہا کہ میں اگر کوئی معجزہ تمہارے سامنے پیش کردوں تب بھی مجھے قید خانے میں ڈال دوگے؟ اس کے جواب میں وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ ہاں اگر معجزہ بھی تم نے پیش کردیا تو بھی ایسا کروں گا اس کا طنطنۂ شاہی اس سوال سے دھیما ہوگیا، اور اب وہ بحسب ادّعائے خود جو خدائے وقت تھا، تذبذب کا شکار ہوگیا، جو اُس کی ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ اگر تم سچے ہو تو جو کہتے ہو، وہ پیش کرو، اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم سچّے ثابت ہوئے تو مجھے ماننا ہی پڑے گا، اب اگر معجزہ دکھانے کے بعد وہ نہ مانے جیسا کہ اس نے نہیں مانا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ خود اپنے ضمیر کی عدالت کے فیصلہ کے مطابق مجرم ہے۔

قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ يُّرِيدُ أَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ
بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِينَ ﴿٣٦﴾
يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾

''اُس نے اُن عمائد سے جو اس کے اردگرد تھے کہا کہ بلاشبہ یہ ایک بڑا ماہر جادوگر ہے جو چاہتا ہے کہ اپنے جادو سے تمہاری اس سرزمین سے تمہیں باہر نکالے تو تم مجھے کیا رائے دیتے ہو؟ انہوں نے کہا اسے اور اس کے بھائی کو روک رکھیے اور تمام شہروں میں آدمی بھیجئے جمع کرنے والے جو ہر ماہر بڑے جادوگر کو آپ کے پاس حاضر کریں''۔

''تمہیں اس زمین سے باہر نکالے'' اس کے مخاطب بنی اسرائیل بھی ہوسکتے ہیں کہ اُس از راہ سیاست اُن کا ہمدرد بن کر یہاں تم اپنے گھر بار میں چین سے بیٹھے ہو، یہ شخص چاہتا ہے کہ تمہیں اس دیس سے نکال کر بے گھر اور بے در بنادے اور یہ بھی امکان ہے کہ اس کے مخاطب اُسی کی قوم کے افراد ہوں اور مطلب یہ ہو کہ وہ تم پر غلبہ حاصل کرکے بجبر وقہر تمہیں اس بستی سے نکال باہر کرے گا۔[2]

---

[1] لمّا طال علیٰ فرعون الاحتجاع من موسیٰ تھدّدہ (تبیان)

[2] یحتمل ان یکون اراد یخرجکم من دیارکم ویتغلّب علیکم (تبیان)

www.kitabmart.in

علامہ طبرسیؒ نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے۔[1]

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾
لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا
لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ
الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾

”چنانچہ وہ تمام جادوگر جمع کیے گئے ایک مقررشدہ دن کو اور عوام النّاس سے کہا گیا ہے کہ چاہو تو تم سب بھی جمع ہو جاؤ، اُمید ہے کہ ہم سب جادوگروں کی پیروی کریں اگر وہ غلبہ حاصل کریں تو جب وہ جادوگر آئے تو اُنہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب آئے تو کیا ہمارے لئے کوئی خاص صلہ ہوگا؟ اس نے کہا ہاں ضرور، اس وقت میں تم مقرّبین بارگاہ میں شامل کیے جاؤ گے“۔

ساحروں سے مقابلہ:

ان آیات سے جناب موسیٰ علیہ السلام کا ساحروں سے مقابلہ کا آغاز ہوتا ہے۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا
بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا
يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوْسٰى
وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾

”موسیٰ نے ان سے کہا کہ پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو، چنانچہ انہوں نے اپنی رسیّاں اور اپنی لکڑیاں پھینکیں اور کہا فرعون کے اقبال کی قسم یقیناً ہم غالب آنے والے ہیں، اس پر موسیٰ نے اپنا عصا پھینک دیا تو وہ ایک دم نگلنے لگا اُسے جو وہ جھوٹ بنا رہے تھے تو تمام جادوگر سجدہ میں گر پڑے، کہنے لگے ہم اس ربّ عالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے ایمان لائے“۔

قرآن مجید میں متعدّد مقامات پر جو الفاظ ہیں، وہ پتہ دیتے ہیں کہ ساحران فرعون کے جادو کی نوعیت اُس سحر کی نہ تھی جس سے کسی شے کی واقعی صورت تبدیل ہو جاتی ہے بلکہ اس کی نوعیت اُس جادو کی تھی جس سے دیکھنے والوں کا حاسّہ متاثر ہوتا ہے جس کو ”شعبدہ بازی“ اور ہماری

[1] من ارضکم ودیارکم ویتغلّب علیہا بسحرہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

زبان میں ''ڈھٹ بندی'' کہتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ہے:

يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ اُن کے جادو سے تصور ایسا ہوتا تھا جیسے وہ رسّیاں دوڑ رہی ہیں (سورۂ طٰہ)

یہاں یہ ہے کہ:

تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ

عصائے موسیٰ نگلنے لگا اُسے جو اُنہوں نے جھوٹ بنایا تھا۔ یہ الفاظ بھی کچھ ایسا ہی پتہ دیتے ہیں۔[1]

علامہ کنتوری جناب سیّد غلام حسین اعلی اللہ مقامہ نے اپنی سوانح عمری میں ایک جگہ مسمریزم کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے استاد جناب ممتاز العلماء سید نقی صاحب قبلہ اس کے حرام ہونے پر مصر تھے اور فرماتے تھے کہ یہ جادو ہے، علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ میں اس وقت تو گفتگو میں قائل نہیں ہوا مگر بعد میں ایک حدیث میری نظر سے گزری ایسی جس سے میری سمجھ میں آیا کہ ساحرانِ فرعون کا جادو اسی مسمریزم کی جنس سے تھا۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٩﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾

''فرعون نے کہا تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں، یقیناً وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے، اب بہت جلد تمہیں معلوم ہوگا میں ضرور ضرور تمہارے ہاتھ اور پیر مختلف سمتوں سے کٹوا دوں گا اور تم کو سولی دلوا دوں گا۔ انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں، یقیناً ہم پلٹ کر اپنے پروردگار کے پاس جائیں گے ہمیں امید ہے کہ ہمارا پروردگار غلطیوں کو معاف کردے گا اس لئے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لارہے ہیں''۔

''وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے'' بظاہر تو یہ ضمیر خود حضرت موسیٰ کی طرف راجع ہے، یعنی تم نے موسیٰ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور اتنی جلدی ہار مان لی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جادوگری کے فن میں تمہارا استاد یہی ہے[2] مگر شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:

''تمہارا بڑا کہا رب کو یعنی موسیٰ اور تم ایک استاد کے شاگرد ہو'' (موضح القرآن)

اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔

اُن کا کہنا کہ ''ہم سب سے پہلے ایمان لارہے ہیں، یعنی موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کو تسلیم کرنے والے اس وقت سب سے پہلے ہم ہیں۔[3]

اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں کچھ لوگ اسی وقت ایمان لا چکے تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی سرزمین مصر سے مدین کی

---

[1] ای انّ العصا تناول جمیع ما موّھوا بہ (مجمع البیان)
[2] ای استاذکم وعالمکم (مجمع البیان)
[3] اوّل المئومنین فی زماننا (جلالین)

www.kitabmart.in

طرف گئے نہیں تھے اور مومن ال فرعون کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے، اس لئے ساحر لوگ اب ایمان لائے تو وہ سب سے پہلے ایمان لانے والے تو نہیں ہوں گے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ساحر سب تو باہر دور دور سے آئے ہوئے تھے۔ انہیں تو پہلے کے حالات اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے واقعات معلوم نہ تھے، وہ یہی سمجھے کہ اب ہم جو ایمان لا رہے ہیں تو ہم سب سے پہلے جناب موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت پر ایمان لانے والے ہیں۔

وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْۤ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَاۤئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَاۤءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَاۤئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو لے کر رات کے وقت چل کھڑے ہو یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائیگا، تو فرعون نے تمام شہروں میں جمع کرنے والے بھیجے کہ یہ ایک چھوٹی سی ٹکڑی ہے اور بے شک ان لوگوں نے ہمیں غصّہ دلایا اور بے شک ہم پوری طرح چوکنا ہیں''۔

تمہارا پیچھا کیا جائے گا'' یہ پس منظر بتاتا ہے فرعون اور اس کے ساتھیوں کے غرق ہونے کا کہ وہ تمہارا تعاقب کریں گے اور اس طرح دریا تک پہنچ کے غرق ہوں گے۔[۱]

''جمع کرنے والے بھیجے'' یعنی فوج ولشکر فراہم کرنے والے، حاذرون جس کا ترجمہ ہم نے ''چوکنا'' کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم پوری طرح ان لوگوں کے تدارک کیلئے آمادہ اور تیار ہیں۔[۲]

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَاۤءِيْلَ ﴿۵۹﴾

''تو ہم نے ان کو نکالا باغوں اور چشموں اور خزانوں اور اچھے اچھے مکانوں سے اور ان سب چیزوں کا وارث دار بنی اسرائیل کو بنایا''۔

یعنی بنی اسرائیل کے تعاقب کے لئے وہ اپنے باغوں اور چشموں وغیرہ کو چھوڑ کر روانہ ہوئے تو پھر واپس آنا نصیب نہ ہوا اور بنی اسرائیل ان چیزوں کے وارث ہوئے یعنی اُن کے فنا ہونے کے بعد یہ باقی رہے اور پھر انہیں ویسا ہی جاہ واقتدار و مال نعمت حاصل ہوا۔ نہ یہ کہ وہی مصر کے باغات وغیرہ انہیں مل گئے، اس لئے کہ یہ فلسطین کی سرزمین کی طرف روانہ ہوئے مگر چونکہ ظاہر الفاظ قرآن یہی ہے کہ وہی تمام چیزیں، جو فرعون کی قوم والے چھوڑ گئے تھے، بنی اسرائیل کو مل گئیں، اس لئے بعض مفسرین نے یہ کہا کہ یہ چیزیں انہیں حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے دور میں

---

[۱] یتّبعکم فرعون وجنودہ فیلحون دراء کم البحر فانجا کم واغرقھم (جلالین)

[۲] ای ذوواداۃ قوۃ مستعدون (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

ملیں اور بعض نے کہا ہے کہ فرعون وغیرہ کے غرق ہونے کے بعد پھر بنی اسرائیل مصر کی طرف واپس ہوئے علاّمہ طبرسیؒ نے حتم وجزم کے انداز میں اسی کو لکھا ہے[1] مگر قرآن مجید میں تیہ وغیرہ کا تذکرہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں کی اسی صحرا نوردی کے عالم میں وفات ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔ اس لئے یہ قول درست معلوم نہیں ہوتا۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ جو عام اصولِ فطرت وعادت کے مطابق ہے کہ جماعت بنی اسرائیل کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلنے کے ساتھ پس افتادہ یا معذور یا ایسے افراد جو ہم خیال نہ ہوں، ہجرت نہ کر سکے ہوں یا ارادۃً انہوں نے ہجرت نہ کی ہو، مصر میں رہ گئے ہوں۔ اب فرعون اور اس کی قوم کے غرق ہونے کے بعد وہ ان کی جائدادوں پر قابض ہو گئے ہوں یا یہ کہ جب بنی اسرائیل نے جو جناب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلے تھے، یہ دیکھا کہ فرعون والے لوگ غرق ہو گئے تو ان میں سے ایک گروہ مصر واپس ہو گیا ہو اور ایک گروہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فلسطین کی طرف روانہ ہوا ہو جس کے واقعات قرآن مجید میں دوسری جگہوں پر مذکور ہیں۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾
قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ
الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾
وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾

”تو ان لوگوں نے صبح ہوتے ہی ان کا پیچھا کیا تو جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دکھائی دینے لگیں تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا کہ یقیناً ہم پکڑ لئے جائیں گے (موسیٰ نے کہا) کہ یقیناً میرے ساتھ پروردگار ہے جو مجھے صحیح راستہ بتائے گا تو ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو چنانچہ وہ شگافتہ ہو گیا تو ہر حصّہ مثل پہاڑ کے کھڑا ہو گیا اور نزدیک لائے ہم وہاں دوسری جماعت کو اور موسیٰ اور ان کے ساتھ والی پوری جماعت کو ہم نے نجات دے دی، پھر ہم نے غرق کر دیا دوسروں کو، یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں کے زیادہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بلاشبہ تمہارا پروردگار زبردست بھی ہے، بڑا مہربان بھی“۔

دریا میں شگاف، موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون کی معہ افواج غرقابی:

اب قرآن مجید کے اتنے تفصیلی بیان بلکہ الفاظ میں مکمل تصویر کشی کے بعد کہ عصا کے مارنے سے دریا ایسا شگافتہ ہوا کہ ہر حصّہ مثل بڑے پہاڑ کے کھڑا ہو گیا اور اسے بڑی نشانی یعنی معجزہ کہنے کے بعد بھی ماضی قریب یا حال کا بخیال خود روشن خیال طبقہ یہ کہے کہ یہ کوئی غیر فطری بات نہ تھی

[1] انّ اللہ سبحانہ ردّ بنی اسرائیل الیٰ مصر بعد ما اغرق فرعون و قومہ و اعطاھم جمیع ما کان لفرعون و قومہ من الاموال القفار المساکن والدّیار (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

بلکہ مدوجزر کا طبعی کرشمہ تھا جو ہوا کرتا ہے' تو کیا یہ طبقہ بھی انہی میں سے نہیں جن کے لئے قرآن مجید نے کہہ دیا تھا کہ "ان میں کے زیادہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں"؟

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ اِبۡرٰهِيۡمَ ۘ‏ ﴿۶۹﴾ اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖ مَا تَعۡبُدُوۡنَ‏ ﴿۷۰﴾ قَالُوۡا نَـعۡبُدُ اَصۡنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيۡنَ‏ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلۡ يَسۡمَعُوۡنَكُمۡ اِذۡ تَدۡعُوۡنَۙ‏ ﴿۷۲﴾ اَوۡ يَنۡفَعُوۡنَكُمۡ اَوۡ يَضُرُّوۡنَ‏ ﴿۷۳﴾ قَالُوۡا بَلۡ وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفۡعَلُوۡنَ‏ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَۙ‏ ﴿۷۵﴾ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمُ الۡاَقۡدَمُوۡنَ ۖ‏ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمۡ عَدُوٌّ لِّىۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَۙ‏ ﴿۷۷﴾ الَّذِىۡ خَلَقَنِىۡ فَهُوَ يَهۡدِيۡنِۙ‏ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِىۡ هُوَ يُطۡعِمُنِىۡ وَيَسۡقِيۡنِۙ‏ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِيۡنِ ۙ‏ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِىۡ يُمِيۡتُنِىۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡنِۙ‏ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِىۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ يَّغۡفِرَ لِىۡ خَطِيۡٓــئَتِىۡ يَوۡمَ الدِّيۡنِ ؕ‏ ﴿۸۲﴾

"اور پیش کیجیے ان کے سامنے ابراہیمؑ کا واقعہ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ کس کی تم پوجا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم پوجتے ہیں مورتیوں کو اور اسی پر استقلال کے ساتھ قائم ہیں، کہا کہ یہ تم لوگوں کی سنتے ہیں جب تم پکارتے ہو فائدہ بخشتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ انہوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ایسا ہی کرتے پایا ہے کہا تو کیا تم نے آنکھ کھول کر دیکھا کہ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی جسے پوجتے ہیں، وہ ہے کیا؟ بہرحال یہ سب میرے دشمن ہی کی حیثیت رکھتے ہیں سوا تمام عالمین کے اس پروردگار کے جس نے مجھے پیدا کیا، اس کے بعد وہی مجھے راستہ بتاتا ہے اور وہ جو مجھے غذا دیتا ہے اور پینے کے لئے پانی دیتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے صحت دیتا ہے اور جو مجھے بے جان کرے گا اور پھر جان عطا کرے گا اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ جزا و سزا کے دن جو میری غلطی ہو، اسے معاف کرے گا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت حق اور اپنی قوم سے گفتگو:

اس سے نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ انبیاؑ و مرسلین سے غلطیاں ہوتی ہیں بلکہ یہ احساس عظمت الٰہی ہے کہ معصوم ہونے کے باوجود اس کی بارگاہ میں اپنے کو غلطیوں سے بالاتر نہیں سمجھتے۔

رَبِّ هَبۡ لِىۡ حُكۡمًا وَّاَلۡحِقۡنِىۡ بِالصّٰلِحِيۡنَۙ‏ ﴿۸۳﴾ وَاجۡعَلْ لِّىۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِى الۡاٰخِرِيۡنَۙ‏ ﴿۸۴﴾ وَاجۡعَلۡنِىۡ مِنۡ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيۡمِۙ‏ ﴿۸۵﴾ وَاغۡفِرۡ لِاَبِىۡۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ

www.kitabmart.in

الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾

''اے میرے پروردگار! مجھے علم وحکمت عطا فرما اور مجھے نیکو کاروں میں شامل فرما اور میرے لئے سچائی کی زبان آیندہ نسلوں میں قرار دے اور مجھے بہشت کے حقداروں میں محسوب فرما اور میرے باپ کو بخشش دے، بلاشبہ وہ گمراہوں میں تھا اور مجھے رسوا نہ کر اس دن جب سب اٹھائیں جائیں گے،جس دن نہ مال فائدہ دے گا اور نہ اولاد سوا اس کے جو اللہ کی بارگاہ میں سالم دل کے ساتھ حاضر ہو''۔

خالق سے مناجات:

یہ جناب ابراہیم علیہ السلام کی مناجات میں اپنے پروردگار میں اپنے چچا کیلئے جسے وہ باپ کہتے تھے جو دعا ہے،اس کا پس منظر اور اس پر تبصرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے، ایک جگہ ان کا اپنے اس بزرگ سے اثنائے گفتگو میں یہ کہنا ہے کہ سوف استغفر لك ربّي مطلب یہ ہے کہ تم میرا کہنا چاہے نہ مانو مگر میں اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کیلئے دعا کروں گا، وہ پس منظر ہے اور اس کی بنا پر مناجات کے ذیل میں یہ دعائے مغفرت ہے اور تیسری جگہ مشرکین ومشرکات کے لئے دعائے مغفرت کی ممانعت کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعائے مغفرت کی توجیہہ ہے کہ:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ (توبہ۔۱۱۴)

ابراہیم علیہ السلام کا دعائے مغفرت کرنا اپنے باپ کے لئے صرف ایک وعدہ کی وجہ سے تھا جو انھوں نے اس سے کیا تھا تو جب یہ بالکل صاف معلوم ہوا کہ یہ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اُس سے بے تعلقی اختیار کر لی۔

''سچائی کی زبان میرے لئے قرار دے آئندہ نسلوں میں'' اس کے یہ معنی بھی سمجھے گئے ہیں کہ میرے لئے سچی نیک نامی قرار دے یعنی حق بجانب طور پر میرا ذکر خیر باقی رہے چنانچہ دنیا کے تین بڑے مذاہب جو تقریباً تمام عالم پر چھائے ہوئے ہیں یعنی یہود،عیسائی اور مسلمان سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جلالت قدر پر متفق ہیں۔[۱]

اور یہ بھی کہ میری نسل میں ایک سچا دعوت حق دینے والا پیدا کر[۲] اب چونکہ اس دعا کی قبولیت کا اعلان دوسری جگہ ان الفاظ میں ہے کہ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ (سورۂ مریم) جس میں ھُم کی ضمیر جو جمع مذکّر کو ظاہر کرتی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اُن کی اولاد اسحاق علیہ السلام ویعقوب علیہ السلام کی طرف پھیر دی گئی ہے اور اس میں ''لسان صدق'' کے ساتھ ''علیّا'' کا لفظ ہے جس کے وصفی معنی تو بلند کے ہیں مگر

---

[۱] ثناء حسنا (جلالین) پدید آوری براي من ذکر نیک در پسینان (شاہ ولی اللہ) لانّ الیهود یقرّون بنبوته وكذٰلك النّصارىٰ وسائر الامم.(تبیان)

[۲] وقیل انّ معناه: واجعل لی ولد صدق فی الآخر الأمم یدعوا الی الله ویقوم بالحقّ وهو محمّد ﷺ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

نام کی حیثیت سے وہ ایک شخصیت کی طرف ذہن کو موڑتی ہے لہٰذا کوئی قابل انکار بات نہیں ہے کہ اس لسان صدق کا مصداق آخری رسولؐ کے اُس سب سے پہلے تصدیق کرنے والے کو سمجھا جائے جس نے آخری رسولؐ کی تصدیق کے ضمن میں پورے سلسلۂ انبیاء کی جو اس سے پہلے تھا، مکمل ترین عملی تصدیق کردی اور وہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ذات گرامی ہے جسے خالق نے پیغمبر کے ساتھ "شاہد" ہونے کے لئے پیدا ہی کیا تھا اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (سورۂ ہود ۱۷)۔ ممکن ہے یہی شاہد رسالت وہ لسان صدق ہو جو علی علیہ السلام ہے اور جس کے آنے سے دعائے ابراہیمی کی استجابت پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

"اور بہشت قریب لا یا جائے گا پرہیزگاروں کے اور دوزخ سامنے لا یا جائے گا گمراہوں کے اور ان سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کرتے تھے۔ کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں یا خود مدد حاصل کرتے ہیں تو اوندھے منہ ڈال دیے گئے اس (دوزخ) میں وہ اور تمام گمراہ لوگ اور شیطان کی افواج سب کے سب۔ کہا انہوں نے جب کہ اُن میں آپس میں جھگڑا ہو رہا تھا کہ خدا کی قسم ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جب تمہیں پروردگار عالمیاں کے برابر قرار دیتے تھے اور ہمیں نہیں گمراہ کیا مگر نابکاروں نے تو اب نہیں ہیں ہمارے لئے کوئی سفارشی اور نہ کوئی مہربان دوست تو کاش ہم دوبارہ بھیجے جاتے تو ایمان لانے والوں میں ہوتے، یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے اور اُن میں کے زیادہ لوگ مومن نہیں ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار زبردست بھی ہے بڑا مہربان بھی۔"

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾

www.kitabmart.in

''نوحؑ کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے اُن کے بھائی نوحؑ نے کہا کیوں تم پرہیزگاری اختیار نہیں کرتے؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ نہیں ہے کسی پر سوا پروردگار عالمیان کے تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا سنو۔''

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ:

''نوح علیہ السلام کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔'' اس طرح کی آیات جناب نوح علیہ السلام اور جناب ہود علیہ السلام وغیرہ کی قوموں کے لئے کئی جگہ قرآن مجید میں ہیں اور جیسا کہ وہاں بھی لکھا گیا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ اس قوم کے پاس جناب نوح علیہ السلام کے علاوہ اور بھی انبیاء آئے ہوں، اسی طرح قوم ہود علیہ السلام کے پاس جناب ہود علیہ السلام کے علاوہ بھی دوسرے پیغمبر آئے ہوں جن کے نام ہمیں معلوم نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جناب نوح علیہ السلام یا ہود علیہ السلام وغیرہ ہی کی تکذیب کو تمام پیغمبروں کی تکذیب قرار دیا ہو اس لئے کہ پیغام تمام پیغمبروں کا ایک ہے تو جس نے اس کی تکذیب کی اس نے سب کی تکذیب کی [1] حدیث معصوم اس پہلے تصور کی موید ہے۔ [2]

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾

''انہوں نے کہا کیا ہم تم پر ایمان لائیں اس صورت حال میں کہ تمہاری پیروی کی ہے نہایت پست طبقہ کے لوگوں نے، کہا تو جو کردار انہوں نے اختیار کیا، اسے میں کیا جانوں؟ ان کا حساب کتاب سوا اللہ کے کسی پر نہیں، اگر تم شعور سے کام لو اور میں ایمان لانے والوں کو پاس سے بھگا دینے والا تو نہیں ہوں سوا صاف صاف عذاب الٰہی سے ڈرا دینے والے کے۔''

قوم کا جواب اور گفتگو:

ایک نبی یا رسول کا کام پیغام حق کا پہنچانا ہے، قبول کرنا یا نہ کرنا دوسروں کا کام ہے، اب کون لوگ قبول کرتے ہیں اور کون قبول نہیں کرتے ہیں، اسکی ذمہ داری اُس رسول پر کیا ہوسکتی ہے؟ اگر امراء ایمان نہیں لائے اور غرباء ایمان لے آئے تو اسے وہ رہنما کیا کرے؟ وہ کیا ان غریبوں کو جو ایمان لائے ہیں یہ کہہ کر بھگا دے کہ جاؤ تم تو پست طبقہ کے اشخاص ہو، تمہارا ایمان لانا میرے مشن کو نقصان پہنچائے گا۔ ایک مصلح ربّانی اور حجّت الٰہی کی یہ شان نہیں ہوسکتی۔

جناب نوح علیہ السلام کا جواب: وما علمی بما کانوا یعملون. اس کا ایک ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ مجھے کیا خبر وہ کیا کام کرتے رہے ہیں: اس

[1] انما کذّبوھم جمیعا لانّھم کذّبوا الکل من دعا الی توحید اللہ (تبیان)

[2] قال ابو جعفر علیہ السلام یعنی بالمرسلین نوحاً والانبیاء الّذین کانوا بینہ وبین آدم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سے ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ اُن لوگوں نے جو کہا تھا واتّبعك الا رذلون، ''تمہاری پیروی کی ہے پست طبقہ کے لوگوں نے'' اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ بہت رذیل پیشے کرتے رہے ہیں، کپڑا بننا، کوڑ اصاف کرنا، جوتیاں ٹانکنا وغیرہ۔ یہ وہی ذہنیت ہے کہ پیشے کی پستی سے آدمی نیچ ذات کا ہوجاتا ہے جو ہمارے ہندوستان میں اونچی اور نیچی جاتیوں کی صورت میں اب تک قائم ہے۔ جناب نوح علیہ السلام نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ مجھے اس سے کیا مطلب کہ وہ کیا پیشہ پہلے کرتے رہے ہیں۔ [1]

مجھے تو دعوت حق دینے سے مطلب ہے جو پہلے اسے قبول کرے گا وہ مومنین کی جماعت میں شامل ہوجائے گا، میں اُنہیں اپنے پاس سے ان کے پیشوں کی وجہ سے بھگا نہیں سکتا۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ
كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾
فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾

''ان لوگوں نے کہا اگر تم اے نوح ؑ! باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار کردیا جائے گا، انہوں نے کہا اے میرے پروردگار! میری قوم والوں نے مجھے جھٹلایا ہے، اب تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کردے اور مجھے اور اُنہیں جو میرے ساتھ ایمان لائے ہیں، نجات عطا فرما چنانچہ ہم نے انہیں اور جو اُس بھری ہوئی کشتی میں ان کے ساتھ تھے نجات دے دی، پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کردیا، یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے، پھر بھی اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار زبردست بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔''

انجام کار:

ان آیات میں قوم نوح کی نافرمانی اور ہٹ دھرمی کے نتیجہ میں ان کے انجام کار کو بیان کیا گیا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ
اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ
مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

---

[1] ای ما اعلم اعمالهم وصنا يعهم ولم اكلّف ذٰلك (تبيان)

www.kitabmart.in

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾
وَّجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾

''قبیلۂ عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا، جب اُن سے اُن کے بھائی ہود نے کہا کہ کیوں تم پرہیزگاری اختیار نہیں کرتے؟ میں تمہارے لئے پیغمبر ہوں امانت دار تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا معاوضہ کسی پر نہیں ہے سوا پروردگار عالمیان کے یا تم بے کار ہر بلندی پر کوئی نہ کوئی یادگار تعمیر کرتے ہو اور بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو، شاید کہ تم ہمیشہ زندہ رہو گے اور جب حملہ آور ہوتے ہو تو ظالمانہ طور پر حملہ کرتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور ڈرو اُس سے جس نے تمہیں نوازا اُن چیزوں کے ساتھ جنہیں تم جانتے ہو، تمہیں مویشیوں اور اولاد اور باغوں اور چشموں کے ساتھ نوازا، اب مجھے تمہارے لئے بہت بڑے (ہولناک) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔''

حضرت ہود علیہ السلام کا موعظۂ و تبلیغ:

اس پورے انبیاء کے تذکرہ میں جو ایک مسلسل حیثیت رکھتا ہے اور جس کی ساخت پتہ دے رہی ہے کہ وہ مقام تنزیل میں ایک ساتھ ایسے ہی تسلسل کے ساتھ اُترا ہے، خاص طور پر دیکھنے کی بات بنیادی حیثیت سے تمام انبیاء کے پیغام کی وحدت ہے، جن الفاظ سے تبلیغ کا آغاز نوح علیہ السلام کرتے ہیں، انہی الفاظ سے ہود علیہ السلام کرتے ہیں، انہی الفاظ سے صالح علیہ السلام کرتے ہیں اور وہی پیغام ہے جو اَب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش فرمارہے ہیں۔

اُس بنیادی پیغام کے بعد جو توحید اور نفی شرک کا ہے، پھر ہر نبی کی قوم خصوصی طور پر جن عملی جرائم میں مبتلا ہے، اس کے خلاف ہدایت و تلقین ہوتی ہے، اس میں ہر ایک کی دعوت میں کہی ہوئی باتیں حسب ضرورت جدا جدا ہیں لیکن جو دعوت رسالت کا سنگ بنیاد اور اصل اصول ہے، وہ سب میں ایک ہی ہے، اس میں ذرہ بھر اختلاف نہیں ہے۔

''بے کار ہر بلندی پر کوئی نہ کوئی یادگار تعمیر کرتے ہو'' جیسے آج کل بھی اونچے اونچے مینار رائج ہیں جو سکونت وغیرہ کے کسی کام میں نہیں آتے، بس صرف نام کے لئے ہوتے ہیں، ایسے ہی شاید وہ لوگ کثرت سے بناتے تھے جیسا کہ شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:-

''اُن لوگوں کو بڑا شوق تھا اونچے مضبوط منارے بنانے کا جن سے کچھ کام نہ نکلے'' (موضح القرآن)

علّامہ طبرسیؒ فرماتے ہیں:

ای بناء لا تحتاجون الیه لسکناکم وانّما تریدون والبعث بذٰلك واللعب واللّھو (مجمع البیان)

یعنی ایسی عمارت جس کی تمہیں اپنی سکونت کے لئے کوئی ضرورت نہیں ہے بس تمہارے پیش نظر صرف بے کار کا خرچ اور دل چسپی وتفریح ہے۔

اس کے ساتھ اس ذیل میں اُنہوں نے ایک حدیث درج کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے مکان مسکونہ میں بھی صرف شان وشوکت

www.kitabmart.in

یا حسن و جمال کی خاطر ایسے اجزاء بنوانا جن کا ضروریات سکونت میں کوئی دخل نہیں ہے، یہ بھی خالق کے منشا کے خلاف ہے۔ یہ انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے برآمد ہوئے تو ایک اونچا گنبد دیکھا، آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ اصحاب میں سے کسی نے کہا یہ فلاں انصاری کا مکان ہے، آپ خاموش ہو گئے تھوڑی دیر میں وہ انصاری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مجمع کو سلام کیا، اوروں نے جواب دیا مگر حضرتؐ نے بے رخی اختیار فرمائی۔ انہوں نے آپ کے چہرہ سے ناگواری کے آثار محسوس کیے اور انہیں فکر ہوئی، دوسرے اصحاب سے اس کا ذکر کیا، انہوں نے بتایا کہ حضرتؐ نے تمہارا یہ اونچا گنبد دیکھا تھا اور پوچھا تھا کہ کس کا ہے؟ تو ہم نے تمہارا نام لیا، یہ سن کر وہ انصاری صحابی گئے اور انہوں نے گنبد اپنا منہدم کرا دیا، جب حضرتؐ پھر اُدھر سے گزرے تو وہ گنبد نظر نہ آیا تو فرمایا وہ گنبد کیا ہوا جو یہاں تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ سرکار کی ناگواری محسوس کر کے انہوں نے اُسے منہدم کرا دیا۔

حضرتؐ نے فرمایا: ان لکل بناء یبنی وبالا علی صاحبه یوم القیٰمة الا مالا بدّ منه

ہر عمارت جو تعمیر کی جائے اپنے بنوانے والے کے لئے وبال جان ہوگی سوا اتنے کے جو ضروریات زندگی میں ہو۔

اس حدیث سے صرف ضعف سند کی بنا پر مفر تلاش کر کے اس طرح کی عمارتوں کا جواز حاصل کیا گیا ہے مگر اسلام کے اصل معیاری تصور کے خلاف تو اسے ماننا ہی پڑتا ہے۔

بے شک تفسیری حیثیت سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ قرآن مجید میں سکونتی مکانات کا ''بڑے بڑے محل'' کہہ کر بعد کا ذکر ہے، اس لئے قبل میں جو ہے کہ ''اونچے مقامات پر بے کار یادگار بناتے ہو'' یہ پہلی ہی قسم کی تعمیریں ہیں جن سے سکونت کے مفاد کا کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ انصاری والا گنبد جس کا روایت میں ذکر ہے، اُسے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ صرف یادگار کے طور پر بنوایا گیا تھا، اس لئے اُسے اس آیت کے تحت میں داخل نہیں ہونا چاہیے، ہاں دوسرے جملہ کے ماتحت مورد مذمت اور باعث ناگواری پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوسکتا ہے کہ: وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ ''بڑے بڑے محل بنواتے ہو شاید تم دنیا میں ہمیشہ رہو گے'' لیکن یہ ایک فنی بحث ہے، عملی نتیجہ بہرحال یہ ہے کہ اپنے ذاتی مکان میں بھی صرف تزک و احتشام اور عمارت کے شان دار ہونے کے لئے ایسے اجزاء کا بنوانا خالق کو پسند نہیں ہے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَکُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَکَذَّبُوْهُ فَاَهْلَکْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۴۰﴾

''انہوں نے کہا ہمارے لئے برابر ہے تم نصیحت کرو یا نصیحت کرنے والوں میں نہ ہو، یہ نہیں ہے کچھ بھی سوا اگلے زمانے والوں کی باتوں کے اور ہم بھی گرفتار عذاب ہونے والے نہیں ہیں اس طرح ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے مگر ان میں کے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار زبردست بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔''

www.kitabmart.in

قوم کا جواب اور اس کا انجام:

امتوں کا یہ کہنا کہ یہ نہیں ہیں کچھ بھی سوا اگلے زمانہ والوں کی باتوں کے، یہ بھی اُسی حقیقت کی بناء پر ہے کہ انبیاء کا بنیادی پیغام ہمیشہ سے ایک ہی رہا اور گویا ایک ہی بات ہے جسے ہر داعی حق دُہراتا رہا۔

جیسا کہ پہلے اجمالاً انتباہ کیا گیا ہے، بہت سے سوروں کی طرح اس سورہ کی ایک خاص ساخت ہے وہ یہ کہ ہر نبی کے پیغام اور اُس کے نتیجہ کے تذکرہ کے بعد یہ الفاظ آئے ہیں کہ: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ: ”یقیناً اس میں بڑی نشانی ہے مگر ان میں زیادہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار زبردست بھی ہے، بڑا مہربان بھی ہے۔“ اس آخری فقرہ میں جو دو لفظ ہیں: اَلْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ تو عزیز کے مفہوم میں قہر وغلبہ ہے، اور یہ ہر جگہ نمایاں ہے اس عذاب سے جو تکذیب پیغمبر کرنے والوں پر نازل ہوا مگر اس کے ساتھ جو الرّحیم کا لفظ ہے، وہ بعض جگہ تو آسانی سے سمجھ میں آتا ہے جیسے قوم نوح علیہ السلام پر عذاب نازل ہونے کے ساتھ جناب نوح علیہ السلام کے ہمراہیوں کا جو کشتی میں ان کے ساتھ تھے، اس طوفان عذاب سے نجات پانا جیسا کہ یہاں علامہ طبریؒ نے لکھا ہے۔

”العزیز فی اهلاك قوم نوح بالغرق الرّحیم فی انجاته نوحا و من معه فی الفلك“

قہر وغلبہ والا ہے ہلاک کرنے میں قوم نوحؑ کے غرق کی صورت میں، مہربان ہے نجات دینے میں نوحؑ اور ان کے ساتھ والوں کو غرق سے۔

مگر چونکہ ہر نبی کے پیغام اور اس کی قوم کے معذّب ہونے کے ذکر کے بعد ایک ہی الفاظ ہیں لہٰذا مفہوم ایسا ہونا چاہیے جو ہر جگہ یکساں طور پر منطبق ہو لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ عزیز تو ہر مقام پر اس قوم کی ہلاکت ہی کے لحاظ سے کہا گیا ہے مگر رحیم یعنی مہربان، یہ انّ فی ذلك لاٰية کے مفہوم سے متعلق ہے، ”یقیناً اس میں نشانی ہے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عبرت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ عبرت یعنی سبق انہیں نہیں ہے جو ہلاک ہو گئے بلکہ دوسرے کے لئے ہے جو بعد میں رہ جائیں اور ان کے انجام پر مطلع ہوں، یہ عبرت چونکہ آنکھ کھولنے کا ذریعہ اور راہ ہدایت پر آنے کا وسیلہ ہے، اس لئے وہ یقیناً خالق کے لطف وکرم کا نتیجہ ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ
اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ
وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا
فٰرِهِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ
يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝

”قبیلہ ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا، جب اُن سے اُن کے بھائی صالح نے کہا کیوں تم پر ہیزگاری اختیار نہیں

www.kitabmart.in

کرتے؟ میں تمہارے لئے پیغمبر ہوں امانت دار تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ نہیں ہے کسی پر سوا پروردگار عالمیان کے۔ کیا تم اس سب میں جو یہاں ہے، اطمینان کے ساتھ چھوڑ دیے جاؤ گے، باغوں، چشموں اور کھیتوں میں اور اُن کھجور کے درختوں کے ساتھ جن کے نازک شگوفے ہیں اور تم پہاڑوں کو تراش کر بڑے چین کے ساتھ مکانات بناتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور حد سے تجاوز کرنے والوں کے کہنے پر نہ چلو، جو زمین میں خرابیاں پھیلاتے ہیں اور درستی نہیں کرتے۔''

حضرت صالح علیہ السلام کا وعظ و نصیحت کرنا:

''قبیلۂ ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا''، اس کے متعلق قوم نوح علیہ السلام اور عاد علیہ السلام کے ذکر میں جہاں یہی الفاظ آئے ہیں تشریح آ چکی ہے۔

''کیا تم اس سب میں جو یہاں ہے، اطمینان کے ساتھ چھوڑ دیے جاؤ گے؟
یہاں سب کیا کیا ہے؟ انہی اللہ کی نعمتوں کی تفصیل بعد میں ہے: باغوں، چشموں، کھیتوں اور کھجور کے درختوں میں''۔ [1]

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾

''لوگوں نے کہا کہ تم تو بس ایسوں میں سے ہو جو بار بار آسیب میں مبتلا ہوئے ہیں، نہیں ہو تم مگر ہماری طرح کے ایک آدمی تو کوئی معجزہ لاؤ اگر تم سچے ہو۔ کہا یہ ایک اونٹنی ہے، ایک دن پینے کا پانی اس کے لئے ہوگا اور ایک مقررہ دن تمہیں پانی لینے کا حق ہوگا اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا، نہیں تو تم پر بڑے دن والا عذاب آ جائے گا تو انہوں نے اسے پے کر ڈالا، جس پر وہ بعد میں پچھتائے تو ان پر عذاب آ گیا، یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور اُن میں کے زیادہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار زبردست بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔''

ناقہ اور اس کا پے کیا جانا:

المسحّرین کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے ''بار بار آسیب میں مبتلا ہونے والے'' یہ ایک تفسیر کے موافق ہے [2] جس کے کلام عرب میں

---

[1] عدّد نعمۃ الّتی کانوا فیھا (تبیان و مجمع البیان)
[2] المسحّر ھو الّذی قد سحر مرّۃ بعد اخریٰ حتیٰ یختل عقلہ ویضطرب رایہ (تبیان)

www.kitabmart.in

شواہد موجود ہیں مگر اس کے علاوہ اس لفظ کے کئی دوسرے مفہوم کہے گئے ہیں [1] جنہیں ہم بعید سمجھتے ہیں۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۣالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٦١﴾ اِنِّىْ
لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٦٣﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ
اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٤﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُوْنَ
مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿١٦٦﴾

''لوطؑ کی قوم نے جھٹلایا پیغمبروں کو جب ان سے ان کے بھائی لوطؑ نے کہا کیوں تم پرہیزگاری اختیار نہیں کرتے؟ بلا شبہ میں تمہارے لئے دیانت دار پیغمبر ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، نہیں ہے میرا معاوضہ کسی پر سوا پروردگار عالمیان کے ارے تم مخلوق الٰہی میں سے صنف ذکور کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرتے ہو اور جنہیں تمہارے شریک زندگی ہونے کے لئے تمہارے پروردگار نے پیدا کیا ہے، انہیں چھوڑے ہوئے ہو بلکہ تم حدود سے تجاوز کرنے والے لوگ ہو۔''

حضرت لوط علیہ السلام کا قوم کو زجر و توبیخ کرنا:

''پیغمبروں کو جھٹلایا'' کی تشریح بار بار ہو چکی ہے۔ ان آیات میں ایک بار پھر حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو ڈرانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ
الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِىْ وَاَهْلِىْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا
عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ
مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾

''اُن لوگوں نے کہا: تم اے لوطؑ! اگر باز نہ آئے تو تمہیں نکال باہر کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ میں بلا شبہ تمہارے کردار سے دشمنی رکھنے والوں میں ہوں، پروردگار! مجھے اور میرے گھرانے والوں کو اُس سے جو یہ کرتے ہیں، نجات دے، تو ہم نے انہیں اور اُن کے تمام گھرانے والوں کو نجات دی سوا ایک بڑھیا کے جو رہ جانے والوں میں

---

[1] قيل معناه من المخدوعين وقيل من المخلوقين المعلّلين بالطعام والشراب عن ابن عباس وقيل معناه انت مجوّف (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

تھی، پھر دوسروں کو ہم نے تہس نہس کر دیا اور ان پر ایک بڑی ہولناک بارش کی تو کتنی بری بارش تھی اُس جماعت پر جن کو ڈرایا جا چکا تھا، یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور اُن میں کے زیادہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار زبردست بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔''

قوم کا انکار اور اس کی پاداش:

''بڑھیا'' سے مراد ان کی بیوی ہے[1] جیسا کہ قرآن مجید کی دوسری آیات سے ثابت ہے اور ''بڑی ہولناک بارش'' سے مراد خاص طرح کے پتھروں کی بارش ہے[2] جس کی قرآن مجید میں دوسرے مقام پر صراحت ہے۔

كَذَّبَ اَصۡحٰبُ لۡئَيۡكَةِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۚ‌ۖ ﴿۱۷۶﴾ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَيۡبٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۚ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۙ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ‌ ۚ ﴿۱۷۹﴾ وَمَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ ﴿۱۸۰﴾ اَوۡفُوا الۡـكَيۡلَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِيۡنَ‌ ۚ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ‌ ۚ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ‌ ۚ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَالۡجِـبِلَّةَ الۡاَوَّلِيۡنَ ؕ ﴿۱۸۴﴾

''ایکہ کے رہنے والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب کہ اُن سے شعیبؑ نے کہا تم پرہیزگاری اختیار کیوں نہیں کرتے؟ یقیناً میں تمہاری طرف بھیجا ہوا امانت دار پیغمبر ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، نہیں ہے میرا معاوضہ کسی پر سوا پروردگار عالمیان کے، ناپ پوری کرو اور گھاٹا کرانے والوں میں نہ ہو اور ٹھیک ترازو سے تولو اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں خرابی پھیلاتے نہ پھرو اور اُس سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور پہلے والی مخلوق کو۔''

جناب شعیب علیہ السلام کا وعظ و پند:

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر شعیب علیہ السلام کی سکونت کا مقام مدین بتایا گیا۔ یہ ایکہ اس کے قریب ہی کی کوئی بستی ہو سکتی ہے[3] اس کا ذکر پہلے بھی سورۂ حجر میں آ چکا ہے اور وہاں اس کی تشریح کی جا چکی ہے اور چونکہ جناب شعیب علیہ السلام خاص وہاں کے باشندوں میں نہیں تھے، اس

---

[1] امرأته (جلالین)

[2] الحجارة من السماء و هو قوله: و امطرنا علیهم مطرا (مجمع البیان)

[3] هی غیضة شجر قرب مدین (جلالین)

www.kitabmart.in

لئے جناب ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کے لئے جو لفظا خوھم ان کے بھائی کا صرف کیا گیا تھا، وہ یہاں شعیب علیہ السلام کے لئے صرف نہیں کیا گیا[1] جس طرح جناب موسیٰ علیہ السلام کے لئے اخوھم نہیں کہا گیا، اس لئے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے اور فرعون جس کی طرف پیغام پہنچانے پر مامور ہوئے تھے، قبطی قوم کا تھا۔[2]

قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾

''ان لوگوں نے کہا تم بس ایسوں میں ہو جن پر بار بار جادو کا اثر ہوا ہوا ور تم نہیں ہو ہر مگر ہماری طرح ایک آدمی اور ہم تمہیں جھوٹوں میں سے خیال کرتے ہیں تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو اگر تم سچے ہو، انہوں نے کہا میرا پروردگار تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے اس طرح اُن لوگوں نے اُنہیں جھٹلایا تو انہیں سائبان کے دن والے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا، یقیناً وہ ایک بڑے سخت دن کا عذاب تھا، بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے اور اُن میں سے زیادہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار زبردست بھی ہے، بڑا مہربان بھی۔''

قوم کا انکار اور اس کی سزا:

''سائبان کے دن والے عذاب نے''، یہ اندازِ تعبیر بتاتا ہے کہ تاریخِ دورِ جہالت میں کوئی خاص موقع یوم الظّلّۃ کے نام سے مشہور تھا۔ ''سائبان'' کا لفظ کی تشریح یہ ہوئی ہے کہ ابر نمودار ہوا جو مثل سائبان کے تھا، لوگ جو دھوپ کی شدّت سے بے قرار تھے، وہ تیزی کے ساتھ اُدھر دوڑے کہ اس کی چھاؤں میں سکون حاصل کریں جب وہ سب اس کے نیچے پہنچ گئے تو اس میں سے بجائے پانی کے آگ برسنے لگی جس نے ان کو جلا کر خاک کر دیا۔[3]

ایک قدیم مفسّر کا قول ہے کہ یہ لوگ مدین کے علاوہ تھے جن پر عذاب آیا اور جناب شعیب علیہ السلام دو گروہوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے جن پر دو مختلف طرح کے عذاب نازل ہوئے۔[4]

---

[1] لم یقل اخوھم لانّہ لم یکن منھم (جلالین)
[2] کان من بنی اسرائیل وکانوھم قبطا فلم یسمہ اللہ بانّہ اخوھم (تبیان)
[3] ھی سحابۃ الظّلتھم بعد حرّ شدید اصابھم فامطرت علیھم نارا فاحترقوا (جلالین)
[4] اصحاب الایکۃ وھم غیر اھل مدین فی قول قتادۃ قال ارسل شعیب الی امتین (تبیان)

www.kitabmart.in

اور یہ "سائبان کے دن والا عذاب" اُمتوں کے عذاب کی پوری تاریخ میں ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے ارشاد ہوا ہے کہ "وہ ایک بڑے سخت دن والا عذاب تھا" [1]

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٩٧﴾

"اور بلا شبہ یہ اُسی پروردگار عالمیان کی طرف سے اتاری ہوئی چیز ہے جسے روح امین نے آپ کے دل پر اتارا تاکہ آپ عذاب الٰہی سے ڈرانے والوں میں ہوں، کھلی ہوئی عربی زبان میں اور بلا شبہ وہ اگلے والوں کی کتابوں میں درج ہے اور کیا ان کے لئے یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ اُسے بنی اسرائیل کے باخبر لوگ جانتے ہیں۔"

قرآن کا قلبِ پیغمبر پر اترنا:

"روح امین" کا لفظ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے لقب کی حیثیت رکھتا ہے۔ [2]

ہر پیغمبر کی زبانی جو پیغام اس سورہ میں ہے، اس میں خالق کا تعارف ربّ العالمین کے نام سے ہوتا رہا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے ساتھ گفتگو میں بھی جو باہمی ردو بدل ہوتا ہے اس میں بھی رب العالمین کے دائرہ کی وسعت نمایاں کی گئی ہے۔ اور اب اس پورے پس منظر میں "آمدم برسر مطلب" کے طور پر اس سے قرآن کی حقانیت پر روشنی ڈالی جارہی ہے اور اسی لئے ہم نے ترجمہ میں "اُسی پروردگار عالمیان" کے الفاظ درج کیے ہیں کیوں کہ جیسے مفرد الفاظ میں الف ولام عہد کا ہوتا ہے جس سے اشارہ کے معنی پیدا ہوتے ہے، اسی طرح اضافت کی صورت میں بھی بعض مقامات پر عہد کے معنی پیدا ہوتے ہیں جس سے اشارہ "فرد خاص" کی طرف ہوتا ہے جس کا قرینہ یہاں شروع سے آخر تک اسی سورہ میں موجود ہے۔

قرآن مجید کا محل تنزیل "قلب" کو بتانا اس حقیقت کا قرآنی ثبوت ہے کہ قرآن مکتوبی شکل میں نازل نہیں ہوا تھا، ورنہ وہ ہاتھ پر اترا ہوا کہا ہے جاتا، دل پر نہیں بلکہ اکثر اوقات ملک کی زبان کا بصورت تلفظ ذریعہ ہونا بھی ضروری نہ تھا، ورنہ اس کا تعلق سمع سے قرار پاتا، قلب سے نہیں، اس لئے اکثر اوقات مجمع کے اندر قرآن اترتا تھا مگر کوئی صدا نہ تھی کہ لوگ سنتے۔

بے شک اس آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ دل پر جو القاء ہوتا تھا وہ بھی فقط معانی کا نہیں بلکہ الفاظ ہوتے تھے، اور اس کا ثبوت بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ کے الفاظ ہیں، اس لئے کہ معانی کی کوئی زبان نہیں ہوتی، زبان کا تعلق الفاظ کے ساتھ ہے لہٰذا قرآن دل پر اترتا تھا مگر معانی کی شکل میں نہیں جنہیں رسول اپنی زبان میں بیان فرماتے یہ حیثیت احادیث کی ہوتی ہے بلکہ وہ الفاظ ہی کی شکل میں رسولؐ کے دل پر اترا ہے اور

---

[1] كان من اعظم الايّام في الدّنيا عذابا وذٰلك قوله: انّه كان عذاب يوم عظيم (مجمع البيان)

[2] الرّوح الامين جبرئيل (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

اسی بناء پر کلام رسولؐ نہیں بلکہ کلام خدا ہے۔

"وہ اگلے والوں کی کتابوں میں درج ہے" اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ آپ کا مبعوث ہونا اگلی کتابوں میں درج ہے یعنی ان میں اس کی خبر دی گئی ہے۔[۱]

اور یہ بھی کہ یہ قرآن اپنے مطالب ومضامین کے لحاظ سے سابق کی کتابوں میں موجود ہے[۲] میری نظر میں پہلی تشریح زیادہ قوت رکھتی ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

"اور اگر ہم اسے اتارتے غیر عرب کسی شخص پر اور وہ اسے ان کے سامنے پڑھتا تو یہ اس پر ایمان نہ لاتے"۔

عرب کے مقابلہ میں غیر عرب کی بے تعصبی اور حق پرستی:

اس آیت کے مضمون سے ظاہر ہے کہ اس کا کوئی خاص پس منظر ہے۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:

"کافر کہتے تھے کہ قرآن آیا ہے عربی زبان میں اس نبی کی زبان بھی عربی ہے۔ شاید آپ ہی کہتا ہے۔ اگر غیر زبان والے پر عربی آتا تو یقین کرتے۔ فرمایا کہ دھوکے والے کا جی کبھی نہیں ٹھہرتا، تب وہ شبہ نکالتے کہ کوئی سکھا جاتا ہے"۔ (موضح القرآن)

دوسرا پہلو یہ ہے کہ عربوں کی تنگ نظری کا اظہار ہے کہ ان میں قومی تعصب اتنا ہے کہ اگر کوئی غیر عرب نبی بنا کر بھیجا جاتا تو کبھی تسلیم نہ کرتے[۳] مگر دنیا کی اور قومیں فراخ حوصلہ ہیں کہ رسولؐ کے عرب ہونے کے ساتھ انہوں نے سر جھکانے میں عذر نہیں کیا، حدیث معصوم علیہ السلام اس پہلو کو ثابت کرتی ہے۔[۴]

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

"یونہی ہم اسے پہنچاتے ہیں ان بداعمالوں کے دلوں میں۔ یہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آنکھوں سے نہ دیکھیں دردناک عذاب کو چنانچہ وہ ان پر ایک دم آجائے گا اس حالت میں کہ انہیں احساس بھی نہ ہوگا، تب وہ کہیں گے کہ کیا ہمیں مہلت ملے گی"؟

---

[۱] ای ذکر القرآن لتنزّل علیٰ آل محمدﷺ (جلالین)

[۲] یہ قرآن مذکور ہے بیچ کتابوں کے پیغمبروں کی (شاہ رفیع الدین)

[۳] ما کانوا مؤمنین انفۃ من اتباعہ (جلالین)

[۴] قال الصادق علیہ السلام: لو انزل القراٰن علی العجم ما اٰمنت بہ العرب وھو نزل علی العرب فاٰمنت بہ العجم فھٰذہ فضیلۃ العجم (علی بن ابراھیم)

www.kitabmart.in

جبر کا پہلو پیدا ہونے سے دلچسپی رکھنے والے سلکناہ کی ضمیر کو بلا تکلف شک، انکار اور تکذیب کی طرف موڑ دیتے ہیں [۱] مگر پرستاران حق کا ضمیر کا مرجع قرآن کو قرار دیتے ہیں اور یہ خود سلسلہ آیات سے قرین قیاس یوں ہے کہ اس کے بعد دوسری ضمیر یہ ہے کہ لا یومنون بہ ''وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے''؟ کس پر؟ شک اور انکار اور تکذیب پر؟ اس ضمیر کیلئے دنیا مجبور ہے کہ قرآن یا ذات نبوی کی طرف راجع کرے تو پھر پہلی ضمیر کو ادھر عائد کرنے سے کیا مجبوری ہے؟ مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں کو تو اس قرآن کی حقانیت کا احساس ہے جو ہمارے ودیعت کیے ہوئے ضمیر کا فطری تقاضا ہے تاکہ ان پر حجت تمام ہو مگر اس کے جاننے اور سمجھنے کے باوجود اسے مانتے نہیں ہیں۔ [۲]

اَفَبِعَذَابِنَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيۡتَ اِنۡ مَّتَّعۡنٰهُمۡ سِنِيۡنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمۡ مَّا كَانُوۡا يُوۡعَدُوۡنَ ﴿۲۰۶﴾ مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يُمَتَّعُوۡنَ ﴿۲۰۷﴾

''تو کیا یہ ہمارے عذاب میں جلدی کرتے ہیں؟ کیا تم دیکھتے ہو، اگر ہم نے برسوں انہیں فائدہ اٹھانے کا موقع دیا اور پھر ان پر آ گیا وہ جس سے انہیں ڈرایا جاتا رہا تھا تو یہ تمام ساز و سامان دنیا جس سے فائدہ اٹھاتے رہے تھے، اس دن انہیں کیا فائدہ پہنچائے گا''؟ [۳]

وَمَاۤ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنۡذِرُوۡنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكۡرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۲۰۹﴾

''اور ہم کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتے سوا اس صورت کے کہ اسے کچھ عذاب الٰہی سے ڈرانے والے آ چکے ہوں، یاددہانی کی غرض سے اور ہم کبھی ظالم نہیں رہے''۔

یعنی بغیر ہدایت اور اتمام حجت کے ہلاک کرنا ظلم ہوتا اور ظلم سے ذات باری بری ہے۔ ''یاددہانی کی غرض سے'' یعنی سابق امتوں کے ہلاک ہونے کا جو بیان ہے وہ تمہاری یاددہانی کے لئے ہے اور اس اصول کا ثابت کرنا ہے کہ ہماری طرف سے ظلم نہیں ہوتا بلکہ جو جس پاداش کا مستحق ہے وہ اسے دی جاتی ہے [۴] بکثرت آیات کے علاوہ یہ ایک ہی آیت ہمارے دو اصولوں کی حقانیت کیلئے کافی ہے، ایک عدل اور دوسرے افعال الٰہی کا معدل باغراض ہونا جو حقیقت میں مبحث عدل ہی کا ایک مسئلہ ہے۔ [۵]

وَمَا تَنَزَّلَتۡ بِهِ الشَّيٰطِيۡنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لَهُمۡ وَمَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ ﴿۲۱۲﴾

---

[۱] ادخلنا التكذيب به (جلالین) در آوریم انکار را (شاہ ولی اللہ)

[۲] فالهآء كناية من القراٰن ومعناه امرناه فی قلوبهم باخطاره ببالهم لتقوم الحجة عليهم (تبیان) اوقعنا فی قلوب الكافرين ---مع ذٰلك لا يؤمنون به (مجمع البيان)

[۳] ما استفهامية بمعنى ای شئی (جلالین)

[۴] معناه ما ذٰلك الّذی قصصناه من انزال الالم بالامم الخالية الّا ذكرى لكم تتعظون بها ثم بيّن انّ ذٰلك كان عدلا (تبیان)

[۵] ففی سبحانه عن نفسه الظّلم و فی هٰذا التكذيب لمن زعم انّ كلّ ظلم و كفر فی الدنيا فهو من خلقه و ارادته (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

''اور اُسے شیطانوں نے نہیں اتارا ہے اور نہ اُن پر یہ کھپ سکتا ہے اور نہ وہ اس پر قدرت رکھتے ہیں، یقیناً وہ تو سننے سے روک ہی دیئے گئے ہیں۔''

یعنی عالم بالا کی باتوں کا سننا ان کے امکان میں ہے ہی نہیں۔ [1]

اکثر آیات کی تنزیل کے پس منظر میں کچھ مشرکین اور دوسرے مخالفین اسلام کی گفتگوئیں ہیں، خواہ انہوں نے وہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دوسرے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر ان کے منہ پر کہی ہو اور خواہ آپس میں انہوں نے اس قسم کی بات چیت کی ہو۔ [2]

یہ اور بات ہے کہ بعض جگہ شان نزول میں اُس کہنے والے کا نام راویوں نے بتا دیا ہے اور بعض میں نہیں بتایا ہے لیکن قرآن مجید کا انداز بیان اس کا پتہ دے رہا ہے، یہاں ایسا ہی ہے۔

فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِيۡنَ ﴿۲۱۳﴾

''تو اللہ کے ساتھ کسی کو خدا کے نام سے نہ پکارو، نہیں تو سزا کے مستوجب ہو گے۔''

ہم نے دوسرے مقامات پر جیسا کہ لکھا ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ جو واحد حاضر کا صیغہ قرآن میں ہو اس کا مخاطب رسولؐ ہی کو مانا جائے بلکہ اکثر تخاطب غیر معیّن سے خطاب ہوتا ہے، کسی کو خدا کے نام سے نہ پکار، یعنی کوئی شخص ایسا نہ کرے، ورنہ سزا کا مستوجب ہوگا مگر بعض لوگ ہر ایسے موقع پر مخاطب رسولؐ ہی کو قرار دے لیتے ہیں، اس صورت میں بھی مقصود دوسروں ہی کا متنبہ کرنا ہوگا [3] اس کی بھی نظیریں قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔

علّامہ طبرسیؒ نے یہاں خصوصیّت کے ساتھ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطب ہونے کو خاص اہمیّت دی ہے اس رخ سے کہ جب اتنی بڑی شخصیت کو اس بارے میں ایسی سخت تہدید کی جارہی ہے تو دوسروں کا کیا ذکر ہے [4] نتیجہ اس کا بھی بہر حال وہی ہے کہ مقصود اس سے دوسروں کی تنبیہ ہے۔

وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۱۵﴾

''اور اپنے قریبی خاندان والوں کو اندیشۂ عذاب سے باخبر کیجئے اور اپنا بازو جھکائیے مومنین سے اُس کے لئے جو آپ کا پورا پورا پیرو ہے۔''

دعوت عشیرہ کا حکم:

---

[1] انہم عن السمع لکلام الملئکة محجوبون بالشّهب (جلالین)

[2] ما نزلت به ای بالقراٰن الشیاطین کایزعمه بعض المشرکین (مجمع البیان)

[3] نهی نبیّة و اراد به المکلّفین (تبیان) یہ فرمایا رسول کو اور سنایا دوسروں کو (موضح القرآن)

[4] انّما افرده بالخطاب لیعلم انّ العظیم الشّان اذا اوعد فمن دونه کیف حاله و اذا حذّر هو فغیره اولیٰ بالتحذّر (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ''دعوت عشیرہ'' ہوئی، اُس کی روایت کتب شیعہ اور کتب اہل سنّت دونوں میں متفقہ طور پر موجود ہے [۱] جس کی تفصیلی روئداد ہماری کتاب ''تاریخ اسلام'' حصہ اول میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

''بازو جھکانا'' بطور محاورہ عربی میں تواضع و اخلاق سے پیش آنے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے [۲] مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مثل کو اصل اور مجاز کو حقیقت بنادیا جب اپنے تبّع کامل حضرت علی ابن طالب علیہ السلام کے لئے کعبہ میں بت شکنی کے موقع پر اپنے بازو جھکا دیئے اور دوش مبارک پر بلند کرکے تطہیر کعبہ کا کام انجام دیا۔

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

''تو اگر وہ آپ کا کہنا نہ مانیں تو کہہ دیجئے کہ میں بے تعلّق ہوں اُس سے جو تم کرتے ہو اور بھروسا کیجئے اُس پر جو زبردست ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا مہربان بھی ہے، جو دیکھتا ہے آپ کو جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور آپ کی گردش کو سجدہ کرنے والوں میں، یقیناً وہ سننے والا ہے بڑا جاننے والا۔''

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد کا ایمان:

تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ''آپ کی گردش سجدہ کرنے والوں میں'' محل وقوع کے لحاظ سے اس کا مطلب جو سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ کہ نماز گزاری کی حالت میں جو بارگاہ الٰہی میں قیام، رکوع اور سجود کی مختلف حالتوں میں آپ کی گردش ہے، اسے اللہ دیکھتا ہے۔ [۳]

دوسرا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ دوسرے نمازیوں کے اندر نگرانی حال کے لئے آپ کی گردش [۴] لیکن بجائے خود محل وقوع ترتیبی سے قطع نظر کرکے جس کا تمام قرآن میں کلّیۃً موافق تنزیل نہ ہونا قطعی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا سوا کچھ سوروں اور آیات کے جن کی ترکیبی ساخت اُن کے موافق تنزیل ہونے کی گواہی دے رہی ہے، باقی کسی جگہ بھی وثوق نہیں ہوسکتا کہ یہ آیت یا یہ آیات محل وقوع کے لحاظ سے اصل تنزیل کے موافق ہیں تو ان آیات میں نفس مضمون جس جس مفہوم کا حامل ہوسکتا ہے، کسی کو محل وقوع کو سند بنا کر رد نہیں کیا جاسکتا چنانچہ یہاں یراك حين تقوم ''دیکھتا ہے آپ کو جب آپ کھڑے ہوتے ہیں'' اس کا یہ مفہوم بھی دل نشین ہے کہ آپ دعوت حق کے لئے جس پا مردی کے ساتھ کھڑے ہیں، وہ ہمارے زیر نظر ہے جو ایک تفسیر ہے۔ [۵]

---

[۱] اشتهرت القصّة بذٰلك عند الخاص و العام (مجمع البيان)

[۲] اى الن جانبك و تواضع و حسّن اخلاقك معهم (مجمع البيان)

[۳] تقلّبك فى اركان الصّلوٰة (جلالين) یعنی از قیام بر کوع بسجود (فتح الرحمٰن)

[۴] یعنی جب تو تہجّد کو اٹھتا ہے اور یاروں کی خبر لیتا ہے یاد میں ہیں یا غافل (موضح القرآن)

[۵] قيل حين تقوم للانذار و اداء الرسالة (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

اور تقلّبك فی السّاجدین ''آپ کا گردش کرنا سجدہ گزاروں میں'' اس کا یہ مفہوم بھی ہے کہ آپ کا پشت در پشت عبادت گزاروں کے صلب سے گزرتے رہنا، جس کا نتیجہ قطعی طور پر یہ ہے کہ حضرتؐ کے آباؤاجداد سب موحّد اور نماز گزار تھے جو اہل حق کا متفق علیہ تصور ہے۔[1]

جناب ابن عباسؓ کی تفسیر بھی اس سے ملتی جلتی ہے[2] اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی حدیث بھی اس کے مواقفت میں ہے۔[3]

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿٢٢٣﴾

''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے؟ وہ اترتے ہیں ہر جھوٹی تہمت لگانے والے گناہ گار پر۔ وہ غور سے سنتے ہیں اور اُن میں کے زیادہ تر جھوٹے ہوتے ہیں''۔

مشرکین کی اس بات کا کہ وہ قرآن مجید کی نسبت کہتے تھے کہ ''یہ شیطان کی طرف کی باتیں ہیں'' پہلے قرآن مجید کی عظمت کو نمایاں کرتے ہوئے یہ جواب دیا گیا تھا کہ قرآن میں الوہی زبان ہے اور اس کی طرف کے غیبی مضامین ہیں، بھلا شیطانوں کے بس میں اُن پر اطلاع حاصل کرنا کہاں ہے؟ اور اب اس ذیل میں خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے خلاف ایک پہلو جو تھا کہ معاذ اللہ ان پر شیطان اترتے ہیں اُس جواب میں کہا جا رہا ہے کہ شطان ایسے پاکیزہ نفوس پر نہیں اُترا کرتے وہ اُترتے ہیں تو جھوٹے اور گناہ گار اشخاص پر اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باطن وظاہر اتنا پاک ہے کہ شیطانوں کا ان سے کوئی واسطہ ہو ہی نہیں سکتا۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿٢٢٥﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٢٢٦﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿٢٢٧﴾

''اور شعراء اُن کی پیروی کرتے ہیں گمراہ لوگ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر جنگل میں سرگرداں پھرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں ایسی باتیں جو کرتے نہیں سوا اُن کے جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور نیک اعمال کیے اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہے اور مظالم جھیلنے کے بعد انہوں نے بدلا لیا اور عنقریب معلوم ہوگا اُنہیں جنہوں نے ظلم ڈھائے ہیں کہ

---

[1] قال قوم من اصحابنا انّه اراد تقلّبه من اٰدم الی ابیه عبدالله فی ظهر الموحّدین لم یکن فیهم من یسجد لغیر الله (تبیان)

[2] عن ابن عباس رضی الله عنه انّ معناه اخرجك من نبی الی نبیّ حتی اُخر (تبیان)

[3] هو المرویّ عن ابی جعفر و ابی عبدالله صلوٰت الله علیهما قال فی اصلاب النّبیین نبیّ بعد نبیّ حتیٰ اخرجه من صلب ابیه من نکاح غیر سفاح من لدن اٰدم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

پلٹا کھا کے وہ کس انجام کی طرف جاتے ہیں“۔

حق پرستوں کے سوا عام طور پر شاعروں کی مذمّت:

مشرکین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی ”کاہن“ کہتے تھے اور کبھی ”شاعر“ گزشتہ آیات میں کاہنوں کی مذمّت تھی کہ ان کی باتیں شیطان کے القاء سے ہوتی ہیں اور وہ اکثر غلط ہوتی ہیں اور اس آیت میں شاعروں کی مذمّت ہے۔

اس سے مستثنیٰ کیا گیا ہے ان شاعروں کو جو حق کی حمایت میں اشعار نظم کرتے ہیں، چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں مشرکین کی طرف سے ایک جماعت شاعروں کی بھی تھی جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اشعار سے گستاخیاں کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمانوں کی ہجوئیں نظم کرتے تھے [1] ادھر سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں جناب حسّان بن ثابت وغیرہ نے ان کے جواب دینا شروع کیے، ان آیات میں پہلی جماعت کے مقابلہ میں جو اکثریت رکھتی تھی بطور استثناء اسی دوسری جماعت کی مدح ہے۔

اس مدح کا آخری جملہ ہے: وَّانۡتَصَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا ”اور مظالم جھیلنے کے بعد انہوں نے بدلا لیا“۔ یعنی بہت دن خاموش رہے اور ضبط وصبر کے ساتھ سنتے رہے اور اس کے بعد مجبوراً جواب دینے پر تیار ہوئے اور اب اس سے چسپاں ہے یہ تہدیدی فقرہ کہ: وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ اور جو ظلم ڈھاتے رہے، انہیں بہت جلد معلوم ہوگا کہ اُن کا انجام کیا ہوگا؟

اب یہاں تو جن ظالموں کا ذکر تھا، وہ وہی شعراء ہیں مگر اس اعلان کی عمومیت ہر ظالم وستم گار کو لے لیتی ہے کہ وہ اس ظلم وستم کے انجام کو پیش نظر رکھے۔

---

[1] قال ابن عباس رضی اللہ عنہ یرید شعراء المشرکین وذکر مقاتل اسماءھم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ النَّمْلِ

مکیّہ ـــــ ۹۳ ـــــ آیات

نمل عربی میں چونٹیوں کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورہ میں جناب سلیمان علیہ السلام اور چونٹیوں کے لشکر اور پھر ان کی سردار جو چیونٹی تھی، اس کی اپنی بولی میں جو گفتگو تھی اس کا ذکر ہے اس لئے اس سورہ کا نام یہ ہوا۔

سورۂ نمل کے خاص خاص مضامین:

۱ـــــ جناب موسیٰ کا آگ لینے جانا اور پیمبری کا ملنا اور اس وقت عصا کے اژدہا بننے سے ان پر خوف ودہشت کا طاری ہونا خداوند عالم کی جانب سے اس پر تنبیہ۔

۲ـــــ کافروں کا یقین کے باوجود جان بوجھ کر انکار کرنا۔

۳ـــــ انبیاء کے لئے ورثہ کا ثبوت۔

۴ـــــ ہدہد کا غائب ہونا، ملک سبا کی خبر لانا، جناب سلیمان علیہ السلام کا خط لکھنا، اس خط کا پورا مضمون اور اس کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے جس کے بعد سورہ ہائے قرآن کی تعداد کے مقابلہ میں سورۂ برات میں بسم اللہ کے نہ ہونے سے جو ایک کی کمی ہوگئی تھی، وہ پوری ہوگئی یعنی اب جتنے سورے قرآن مجید کے ہیں، گنتی کے لحاظ سے اتنی دفعہ قرآن میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی آیت ہے۔

۵ـــــ ملکہ سبا کا عمائد سلطنت سے مشورہ، پھر جناب سلیمان علیہ السلام کے پاس تحفے بھیجنا، جناب سلیمان علیہ السلام کا تحفے واپس کرنا اور تہدیدی خط لکھنا۔

۶ـــــ تخت بلقیس کا چشم زدن میں جناب سلیمان علیہ السلام کے پاس آنا پھر بلقیس کا حاضر خدمت ہونا اور متعلقہ حالات۔

۷ـــــ دابّۃ الارض کا ذکر۔

۸ـــــ قیامت کے پہلے رجعت کا ثبوت۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِیْنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ﴿۲﴾

www.kitabmart.in

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ③

''طا،سین، یہ ہیں آیات قرآن اور ایک روشن کتاب کی رہ نمائی اور خوش خبری ان ایمان لانے والوں کے لئے جو نماز پڑھتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور دورِ آخرت کا یقین رکھتے ہیں''

''بڑی روشن کتاب'' اور ''قرآن'' دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ یہ دو عنوان ہیں جن کا معنی ایک ہے جو باعتبار پڑھے جانے کے قرآن ہے اور باعتبار لکھے جانے کے کتاب ہے، پھر اس میں روشنی کی صفت کے اضافہ نے مزید افادیت پیدا کر دی ہے۔[1]

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤

''بلاشبہ وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' ہم نے ان کے کاموں کو ان کے لئے آراستہ کر رکھا ہے تو وہ اندھے پن میں مبتلا ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے اور وہ آخرت میں بڑا گھاٹا اٹھانے والے ہیں''۔

یہ کہنے کے بعد کہ ''ہم نے آراستہ کر رکھا ہے'' فوراً ہی عذاب کی خبر دینا اس کا ثبوت ہے کہ پہلے جملہ میں آراستہ کرنا بطور جبر نہیں ہے ،ورنہ وہ مستحق سزا کیوں ہوتے؟ بلکہ جیسا کہ دوسرے مقامات پر تشریح کی گئی ہے، بداعمالیوں کے نتیجہ میں قدرتی طور پر احساس جرم کا ختم ہو جانا مراد ہے جس کی تعبیریوں کی گئی ہے۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ⑥

''اور بلا شبہ یہ قرآن آپ کو سکھایا جاتا ہے ایک بڑے حکمت والے صاحب علم کی طرف سے''۔

اس حقیقت کا اظہار دو غلط تصوروں کے مقابلہ میں ہے:

ایک یہ کہ یہ قرآن خود آپ کے ذہن کی پیداوار ہے جو منکرین مذہب کے ایک گروہ کا تصور ہے اور شاید بعض ترقی پسند ذہن کے نام نہاد مسلمان بھی آج کل ایسا سمجھنے لگے ہیں۔

دوسرے یہ کہ کوئی اور آدمی ہے جو آپ کو یہ معلومات بہم پہنچاتا ہے یا اس کلام کو تصنیف کر کے آپ کو دے دیتا ہے جیسا کہ بعض مشرکین اس وقت کے جب کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا تو ایسا کہہ دیتے تھے کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر ہے۔

قرآن دونوں کی رد کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ وہ ان کا طبع زاد بالکل نہیں ہے بلکہ ایک دوسری ہستی کا سکھایا ہوا ہے مگر وہ ہستی کوئی از قسم مخلوق نہیں ہے بلکہ وہ خالق کائنات ہے جو انہیں اس قرآن کی تعلیم دیتا ہے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ

---

[1] القرآن والكتاب معناهما واحد وصفه بالصفتين (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۷

''جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھروں والوں سے کہا کہ میں نے ایک آگ محسوس کی ہے تو ابھی میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے لئے آگ کا ایک لوکا لاتا ہوں کہ تم تاپ سکو''۔

موسیٰ علیہ السلام کا آگ لینے کو جانا اور پیمبری ملنا

چونکہ سردی کی شدت تھی، اس لیے تاپنے کے لئے آگ کی تلاش تھی اور شاید جنگل میں راستہ بھی بھول گئے تھے، اس لئے چاہتے تھے کہ ایسا ملے جو راستہ بتاوے۔[1]

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸ يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۱۲

''تو جب وہ اُس کے پاس آئے تو آواز دی گئی کہ برکت والا (قائم ودائم) ہے وہ جس کا جلوہ آگ میں ہے اور جس کا جلوہ اس کے اردگرد ہے اور پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اے موسیٰ علیہ السلام! یقیناً میں اللہ ہوں جو عزت والا، بڑی سمجھ بوجھ والا ہے اور اپنے عصا کو پھینکو تو جب اسے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے جیسے کہ وہ سانپ ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر مڑے اور پھر نہیں پلٹے۔ اے موسیٰ علیہ السلام! ڈرو نہیں، میں وہ ہوں کہ میرے پاس پیغمبروں کو ڈر نہیں ہوتا، سوا اُس کے جو کوئی تجاوز کرے۔ پھر برائی کو اچھائی سے تبدیل کرے تو بلا شبہ میں بخشنے والا مہربان ہوں اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو تو وہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی برائی کے نو معجزوں میں، انہیں لے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ، یقیناً وہ بداعمال لوگ رہے ہیں''۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کا خوف اور خالق کی تنبیہ:

بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا: جس کا ترجمہ میں نے یوں کیا ہے کہ ''برکت والا (قائم ودائم) ہے وہ جس کا جلوہ آگ میں

[1] بخبر الطّریق......لانّه کان اضلّ الطّریق (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

ہے اور جس کا جلوہ اس کے اردگرد ہے''۔اس کی تشریح میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ آگ میں جو جلوہ تھے، وہ فرشتے تھے اور اُس کے آس پاس خود موسیٰ علیہ السلام تھے یا اس کے برعکس۔[1]

بعض نے کہا ہے کہ آگ میں جن کا جلوہ تھا، وہ بلند مرتبہ فرشتے تھے اور اردگردان سے کم درجہ کے یا ویسے ہی فرشتے تھے۔[2]

بعض نے کہا کہ آس پاس فرشتے اور موسیٰ علیہ السلام دونوں تھے۔

میرا ترجمہ اس لحاظ سے ہے کہ من اسم موصول جس کا ترجمہ ہے''وہ'' اس سے خود اُس ذات کا اُس محل میں ہونا کیوں سمجھا جائے جس کی بناء پر خداوند عالم کے علاوہ دوسری شخصیتوں کے تصور کی ضرورت ہو۔ بلکہ اُس کی جلوہ نمائی قدرت کے مظاہروں کی صورت میں، جو تمام کائنات پر حاوی ہے، اُس کی ایک شکل یہاں کیوں نہ مانی جائے؟ جب ہی اُس سے متّصل بلا فاصلہ آیا: **سبحان الله ربّ العالمين** کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ آگ میں بذات خود وہ حلول کیے ہوئے تھا اور اگر **من في النّار و من حولها** سے مراد فرشتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوتے تو اس کے ساتھ اس جملہ کی ضرورت ہی کیا تھی؟

آخر میں جو ہے''ڈرو نہیں، میں وہ ہوں کہ میرے پاس پیغمبروں کو ڈر نہیں ہوتا۔'' اس میں ظاہری نگاہ کلیم اللہ کے لئے کچھ نقص کا پہلو محسوس کر سکتی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ تم کیسے پیغمبر ہو کہ میرے پاس ڈر رہے ہو، یعنی یہ ڈرنا شانِ رسالت کے خلاف ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ واقعاً تو جناب موسیٰ علیہ السلام ہیں پیغمبر اور پیغمبر معمولی نہیں، اولوالعزم پیغمبر تو اگر ڈرنا پیغمبروں کی شان نہیں ہے تو وہ ڈر کیوں رہے ہیں؟ یعنی یہ امر وقوع میں آ ہی کیوں رہا ہے؟

اور تم تو معصوم ہوا اس لئے کہ مرسلین میں سے ہو، مرسلین کے لئے میرے پاس ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

علّامہ طبرسیؒ نے بھی تقریباً اُنہی کے الفاظ درج کر دیئے ہیں، اب اس کے بعد پھر استثناء کیسا؟ اسے وہ فرماتے ہیں کہ استثناء منقطع ہے یعنی معصومین علیہم السلام کو ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہاں جو گناہ گار ہوں اُنہیں ڈرنا چاہیے مگر وہ گنہ گار جو خوگرِ گناہ ہو گئے ہیں ایسے کہ احساس گناہ ہی نہیں رہا، وہ نہیں ڈرتے، ڈرتے وہ ہیں جنہوں نے گناہ کئے ہوں مگر اُن کا ضمیر مردہ نہیں ہوا، اس لئے اپنے مجرم ہونے کا احساس ہوتا ہے تو اُس پر پشیمان ہوتے ہیں اور پھر تلافی کی فکر ہوتی ہے، ایسے لوگوں کو خود ہوتا ہے اور وہ خوف نتیجہ خیز بھی ہے کہ اللہ کی نظرِ کرم اُن پر متوجہ ہوتی ہے اور وہ اس خوش خبری کے مستحق ہوتے ہیں کہ **لا خوف عليهم ولا هم يحزنون** یعنی نتیجہ میں نہ اُن کے لئے کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ حزن و ملال میں مبتلا ہوں گے۔[3]

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ اٰيٰتُنَا مُبۡصِرَةً قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۳﴾ وَجَحَدُوۡا بِهَا

---

[1] من في النّار اي موسىٰ ومن حولها اي الملائكة او العكس (جلالين)

[2] کسی که در آتش است ملائکه که دران نور مصور بصورت آتش بودند و کسیکه گرد آتش بودند ملائکه فروتر از ایشان بودند (فتح الرحمن)

[3] لا يخاف لدىّ المرسلون لانّهم لا يفعلون قبيحاً ولا يخلون بواجب بل هم منزهون عن جميع ذٰلك (تبيان)

www.kitabmart.in

وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾

''تو جب ہماری روشن نشانیاں اُن کے پاس آئیں تو انہوں نے کہا یہ کھلا ہوا جادو ہے اور اُنہوں نے جان بوجھ کر صاف ظلم وستم اور گھمنڈ سے اُن کا انکار کیا حالانکہ اُن کے نفوس کو اُن کا یقین تھا تو دیکھو کیا ہوا انجام ان فسادیوں کا۔''

کافروں کا باوجود یقین کے انکار کرنا:

یہ ''فساد'' ضروری نہیں کہ کوئی مزید اُن کی کارستانی ہو بلکہ اُن کا حق سے جان بوجھ کر انحراف ہی جو دوسروں کے گمراہ کرنے لئے ہی ہوا کرتا ہے بہت بڑا فساد ہے جس کی مرتکب جماعت مفسدین والے انجام کی مستحق ہوجاتی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

''اور ہم نے داؤد اور سلیمان علیہ السلام کو علم عطا کیا اور انہوں نے کہا کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہم کو بہت سے اپنے با ایمان بندوں سے زیادہ دیا ہے اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور کہا ''اے لوگو! ہمیں چڑیوں کی بولی کا علم عطا ہوا ہے اور ہر چیز میں حصہ ملا ہے۔ یقیناً یہ کھلا ہوا لطف وکرم ہے۔''

انبیاء کے لئے ورثہ کا ثبوت:

داؤد علیہ السلام بھی نبی اور اُن کے وارث سلیمان علیہ السلام بھی نبی۔ اس طرح اُس مزعومہ حدیث: **نحن معاشر الانبیآء لانرث ولا نورث** کے دونوں جزؤوں کی مخالفت قرآن سے ثابت ہوتی ہے، اسی نشیب کو محسوس کرتے ہوئے مترجمین ومفسرین جمہور یہاں ترجمہ سے الگ کچھ نہ کچھ ذیل دینے کی کوشش کرتے ہیں جیسے شاہ رفیع الدین ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''وارث یعنی قائم مقام ہوا سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کا۔''

اب معلوم نہیں ''وارث'' کے معنی قائم مقام کس لغت سے لئے گئے ہیں۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:

''وارث ہوا یعنی نبی ہوا اور بادشاہ ہوا باپ کی جگہ اور بیٹے تھے، جو اس مقام پر نہ ہوئے''۔ (موضح القرآن)

جلالین صاحبان نے ورث سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام میں اضافہ فرمایا: **النبوّۃ والعلم**۔

www.kitabmart.in

یاد رکھنا چاہیے کہ ورثہ اور میراث اور وارث، ان سب سے متبادر متروکہ جائداد اور اموال کا اپنے پیش رو کے بعد مالک ہونا ہے۔ علم یا نبوت وغیرہ قابل انتقال چیزیں نہیں جو میراث بن سکیں۔ اسی بناء پر علاّمہ طبرسیؒ نے تحریر فرمایا:

فی ھٰذا دلالۃ علیٰ انّ الا نبیأء یورثون المال کتوریث غیرھم

اس آیت میں دلالت ہے اس پر کہ پیغمبر لوگوں کا ورثہ مال کا اُن کے وارث تک پہنچا تا ہے جیسے دوسروں کا۔

پھر وہ دوسرے اقوال کہ علم یا نبوت مراد ہے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ھٰذا خلاف الظّاھر والصّحیح عند اھل البیت علیہم السلام ھو الاوّل (مجمع البیان)

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

''اور جمع کیے گئے سلیمان علیہ السلام کے سامنے اُن کے افواج جنّات اور آدمیوں اور پرندوں میں سے تو اُن کی قواعد ہو رہی تھی یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ، کہیں سلیمان علیہ السلام اور اُن کی افواج بے خیالی میں تمہیں پامال نہ کر دیں تو وہ مسکرائے اُس کی بات پر ہنستے ہوئے اور کہا، اے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھے عطا کی ہے اور میرے ماں باپ کو شکر گزار رہوں اور میں ایسا اچھا کردار رکھوں جو تجھے پسند ہو اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔''

چیونٹی کا واقعہ اور جناب سلیمان علیہ السلام سے گفتگو:

معجزات وکرامات یعنی قدرت الٰہی کے غیر معمولی نظام کے جو منکر ہیں، انہیں چیونٹی کا گفتگو کرنا اور جناب سلیمان علیہ السلام کا اُسے سننا اور سمجھنا سمجھ میں نہیں آتا، چنانچہ جناب نیاز فتحپوری نے واد النّمل کا مطلب لیا ہے ایک ایسا مقام جہاں قبیلہ بنی نمل کے مکانات تھے اور نملۃ کے معنی لئے ہیں اس قبیلہ کی ایک عورت جس نے اپنے قبیلہ والوں کو متنبہ کیا مگر کاش انہیں عربی زبان کی اس معمولی سی بات کی طرف توجہ ہوتی کہ قبیلہ ہاشم کی عورت ''ہاشمیہ'' کہلاتی ہے، ''ہاشمہ'' نہیں اور قبیلہ بنی اسد کی ''اسدیہ'' ہوگی ''اسدہ'' نہیں۔ اسی طرح بنی نمل کی عورت ''نملیّۃ'' ہوگی ''نملۃ'' نہیں۔

اس کے علاوہ آدمیوں کے لئے یہ کہنا کہ ''وہ فوج تمہیں بے خیالی میں روند نہ ڈالے، اس لئے اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ'' بے معنی سی

www.kitabmart.in

بات ہے۔

اگر کسی قبیلہ پر حملہ کرنا ہے جسے مجازاً ''پامال کرنا'' کہہ سکتے ہیں تو وہ گھروں کے اندر بھی ہوں گے تو بھی پامال ہوں گے اور اگر حملہ نہیں کرنا ہے تو آدمیوں کو بے خیالی کے عالم میں کیوں روندا جائے گا؟ یہ تو بے چاری چیونٹیاں ہی ہیں جو کتنی ہمارے پیروں کے نیچے آتی رہتی ہیں اور ہمیں خبر نہیں ہوتی۔

پھر یہ کسی آدمی کی بات ہوتی تو وہ کون ایسی خاص چیز تھی کہ اُس پر جناب سلیمان علیہ السلام خوش ہوتے، مسکراتے اور خالق سے اُس کا شکر ادا کرنے پر مناجات کرنے لگتے، یہ تو چیونٹی ہی کے لبوں سے نکلی ہوئی بات ہو سکتی ہے جس کا یہ جزء کہ تمہیں کہیں بے خیالی میں روند نہ ڈالیں، جناب سلیمان علیہ السلام کی پوری فوج کے متعلق اس حسنِ کردار کی گواہی تھی کہ وہ ارادۃً کسی مخلوق کو ضرر نہیں پہنچاتے۔ اس پر جناب سلیمان علیہ السلام کو مسرت حاصل ہوئی اور اُنہوں نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اُس سے حسن کردار کو مکمل طور پر قائم رکھنے کے لئے توفیق کی درخواست کی۔

علّامہ طبرسیؒ نے اس پہلو کی طرف ٹھیک ہی توجہ کی ہے کہ معلوم ہوتا ہے اس سفر میں جناب سلیمان علیہ السلام اپنی فوج کے ساتھ دوش ہوا پر نہ تھے بلکہ خشکی میں مرکبوں پر سوار جا رہے تھے، اس لئے چیونٹیوں کے پامال ہو جانے کا اندیشہ تھا۔[1]

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿٢٠﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿٢٢﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٢٤﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٦﴾

''اور پرندوں کی جانچ کی تو کہا کیا بات ہے ہدہد مجھے نظر نہیں آرہا ہے یا وہ واقعی غیر حاضر ہے؟ بلا شبہ میں اُسے سخت سزا دوں گا یا اُسے ذبح کر دوں گا اور نہیں تو وہ میرے سامنے (اپنی صفائی میں) کھلا ہوا کوئی ثبوت پیش کرے تو کچھ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس نے آ کر کہا میں نے وہ ایک بات معلوم کی ہے جو آپ کو نہیں معلوم اور میں سبا سے ایک یقینی اطلاع آپ کے لئے لایا ہوں، میں نے ایک عورت کو پایا ہے جو اُن پر بادشاہت کرتی ہے اور اُسے ہر چیز کا ذخیرہ عطا ہوا ہے اور اُس کا ایک بڑا تخت سلطنت ہے۔ میں نے اُسے اور اُس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر

[1] هٰذا يدلّ علىٰ انّ سليمان و جنوده كانو ارکبانا على الارض (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

سورج کی پوجا کرتے ہیں اور شیطان نے اُن کے اعمال کو اُن کی نظروں میں سنوار دیا ہے تو اصل راستے سے ان کو روک دیا ہے جس سے وہ ایسے گمراہ ہو گئے ہیں کہ سجدہ نہیں کرتے اللہ کو جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر لاتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو، اللہ کہ جس کے سوا کوئی خدا نہیں جو بڑے عرش کا مالک ہے۔"

ہُدہُد کا واقعہ اور ملکہ سبا کی خبر لانا:

خوارق عادات کو بلا وجہ تاویلات کا نشانہ بنانا، آج ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ چنانچہ شیخ الصوفیہ جناب ابن عربی نے طیر ایک بڑی تیز رفتار پلٹن کا نام اور ہدہد انہی میں سے کسی آدمی کا نام قرار دے دیا ہے مگر قرآن مجید کا انداز بیان ایسے موقعوں پر ایسے دور از کار تاویلات کے قبول کرنے سے انکاری ہے۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِىْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾

"اُنہوں نے کہا ہم ابھی دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے؟ میرا یہ خط لے کر اُسے اُن کے یہاں ڈال دے، پھر اُن کے پاس سے ہٹ آ تو پھر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں"۔

جناب سلیمان علیہ السلام کا ملکہ کے نام خط لکھنا:

یہ حقیقت ہے کہ انبیاء و مرسلین ذاتی طور پر غیب کے مالک نہیں ہوتے، خالق خصوصی طور پر بطور اعجاز جتنا علم عطا فرمائے، وہ اور بات ہے چنانچہ اسی لئے جناب سلیمان علیہ السلام کو ہدہد کے اُس بیان پر پورا اعتماد نہیں ہوا اور اُنہوں نے کہا ہم دیکھیں گے تو سچ کہتا ہے یا جھوٹ؟

تولّ عنھم کا ترجمہ "ہٹ آ" بعد والے جملہ کی رعایت سے ہے کیوں کہ اگر خط دے کر مقصود یہ ہوتا ہے کہ بس وہ پلٹ آئے جیسا کہ بعض تراجم سے سمجھ میں آتا ہے [1] تو وہ دیکھتا کیوں کر کہ وہاں کیا ہوتا ہے؟ وہ آپس میں کیا چرچا کرتے ہیں اور اُس کا کیا جواب تجویز کرتے ہیں؟

"ہٹ آ" کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی نگاہوں کے سامنے سے ہٹ کر قریب ہی رہنا کہ تجھے معلوم ہو سکے کہ وہاں کیا باتیں ہوتی ہیں جو اکثر مفسرین کی تشریح ہے۔[2]

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّىْۤ اُلْقِىَ اِلَىَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَىَّ وَاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا

[1] روبگردان از یشان (شاہ ولی اللہ) پھر اُن کے پاس سے (رفیع الدین)

[2] انصرف عنھم وقف قریبا منھم (جلالین) ای استتر منھم قریبا منھم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿٣٢﴾

''اُس (ملکہ) نے کہا کہ اے سردارو! میرے اوپر ایک معزّز خط ڈالا گیا ہے، وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس کا مضمون یہ ہے کہ سہارے سے اللہ کے نام کے جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے (یہ مطالبہ کیا جاتا ہے) کہ تم لوگ میرے خلاف گھمنڈ سے کام نہ لو اور (چپکے) میرے پاس مسلمان ہو کر آ جاؤ، اس نے کہا کہ اے سردارو! تم مجھے میرے معاملہ میں رائے دو میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم لوگ مجھے آ کر رائے مشورہ نہ دو''۔

ملکہ سبا کا عمائدین سلطنت سے مشورہ:

حسب دستور قرآن مجید نے درمیانی کڑیاں سننے والے کی عقل پر چھوڑ دی ہیں[1] جناب سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے کہا کہ میرا خط لے جا۔ بس اب خود سمجھ لیجئے کہ وہ گیا تو اب اس نے کیا کیا؟ آدمی ہوتا تو لے جا کر دربانوں کو دیتا یا درمیانی منزلوں سے گزرتا ہوا، اطلاع دے کر ہی نہیں، بلکہ اجازت لے کر بلقیس تک پہنچتا مگر یہ تو پرندہ تھا، اُس نے لے کر جا کر خط کو جہاں پر بلقیس تھی، وہیں پر ڈال دیا، بہر حال ایک اُسے خط نظر آیا، اٹھا کر پڑھا تو مضمون خط سے وہ متاثر ہوئی۔ اور جیسے کچھ دہشت زدہ بھی ہوئی اور اُس کی اہمیت محسوس کی، اس لئے ارکان دولت کو جمع کر کے اُس خط کو اُن کے سامنے پڑھا اور یہ گفتگو کی۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾

''ان لوگوں نے کہا کہ ہم طاقت ور ہیں اور سخت جنگ کرنے والے اور اختیار پورا آپ کو ہے تو آپ غور کیجئے کہ کیا فرمان دیتی ہیں''۔

مطلب یہ ہے کہ ہم نے نہ جسمانی طاقت کی کمی ہی اور نہ دل کے حوصلہ اور ہمت کی، اس لئے ہماری کمزوری کے خیال سے سر جھکانے کا تصور نہ کیجئے۔ ہاں ہم آپ کے تابع فرمان ہیں، اس لئے کسی مصلحت سے آپ ملائم طرز عمل اختیار کریں تو ہم اس میں آپ کی اطاعت کریں گے۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾

''اس (خاتون) نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تباہ کر دیتے ہیں اور اُس کے عزت

[1] فی الکلام حذف لانّ تقدیرہ فمضی الھدھد بالکتاب فالقاء الیھا فلما راتہ قالت (تبیان)

www.kitabmart.in

دار باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور ایسا ہی واقعاً وہ کرتے ہیں اور میں اُن کے پاس ایک تحفہ بھیجتی ہوں اور پھر دیکھتی ہوں کہ میرے فرستادے کیا خبر لاتے ہیں“۔

بظاہر اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ خط لکھنے والا دنیا طلب ہے تو تحفوں کو دیکھ کر خوش ہوگا اور قبول کرے گا اور اگر اُسے صرف دینی اصلاح مدّنظر ہے جیسا کہ اُس کے خط کا مضمون ہے تو وہ ان تحفوں کی کوئی قدر و قیمت نہ سمجھے گا[1] چنانچہ جب جناب سلیمان علیہ السلام نے تحفے واپس کیے تو بس اسی سے بلقیس کو اُن کی حقانیت کا یقین ہو گیا اور وہ مع ارکان دولت کے مسلمان ہونے کے لئے تیار ہو گئی جیسا کہ بعد سے ظاہر ہے۔

بادشاہوں کے کردار کو بیان کرنے کے بعد کہ جب وہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تباہ کر دیتے ہیں اور اُس کے عزّت دار باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں، آخر میں یہ جملہ: و کذلك یفعلون، اُسے عام مفسرین نے بلقیس کے قول کا تتمّہ قرار دیا ہے[2] مگر ہماری قدیم تفسیر یہ بتاتی ہے کہ بلقیس کا کلام اس کے پہلے تک تھا اور پھر اس کے بعد آئے گا، بیچ میں جملہ معترضہ کے طور پر خالق نے بادشاہوں کے کردار کے متعلق اُس کے قول کی تصدیق فرمائی ہے کہ جیسا اس نے کہا تھا، واقعی وہ ایسا کرتے ہیں۔[3]

بعد والے ہمارے مفسرین نے بھی یہ معنی درج کیے ہیں۔[4]

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

”اور جب وہ (فرستادہ) سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کیا تم مال سے مجھے کچھ مدد پہنچاؤ گے تو مجھے اللہ نے جو عطا کیا ہے وہ اُس سے جو تمہیں عطا کیا ہے بہتر ہے بلکہ اپنے تحفہ کے ساتھ تم ہی لوگ خوش ہو سکتے ہو، پلٹ جاؤ اُن کے پاس۔ اب ہم ایسی فوجیں لے کر اُن کی طرف آئیں گے جن کے مقابلہ کی اُن میں تاب نہ ہوگی اور ہم اُن کو ذلیل حالت میں وہاں سے نکال باہر کریں گے۔“

ملکہ سبا کے تحائف پر جناب سلیمان علیہ السلام کا جواب:

”اپنے تحفہ کے ساتھ تم ہی لوگ خوش ہو سکتے ہو“ یعنی تم میں سے ایک دوسرے کو تحفہ بھیجے تو وہ خوش ہوگا، اس لئے کہ اُسے مال دُنیا کے

---

[1] بم یرجع المرسلون من قبول الهدیة اوردّها ان کان ملکا قبلها او بنیّا لم یقبلها (جلالین

[2] یعنی یہ بادشاہ بھی ایسا ہی کریں گے (موضح القرآن)

[3] فقال الله عزّوجل: کذٰلك یفعلون (علی بن ابراهیم)

[4] قال الله تعالیٰ تصدیقها لقولها (تبیان) صدّقها الله فیما قالت فقال: و کذٰلك ای کما قالت هی (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اضافہ کی فکر ہے مگر مجھے خدا نے اس سے بے نیاز کیا ہے لہٰذا میں تمہارے اس تحفہ سے خوش نہیں ہوسکتا۔[1]

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۣ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

''انہوں نے کہا معزز حاضرین! کون ہے تم میں جو اُس کا تخت یہاں لے آئے قبل اس کے کہ وہ لوگ مسلمان ہو کر میرے پاس آئیں؟ جنّات میں سے ایک دیو نے کہا 'میں اُسے آپ کے پاس لے آؤں گا اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوں اور میں اس پر طاقت رکھنے والا امانت دار ہوں'۔ اُس شخص نے جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا کہا ''میں اُسے آپ کے پاس لے آؤں گا اس سے پہلے کہ آپ کی نظر اُدھر سے اِدھر ہو''۔ تو جب اُنہوں نے اُسے اپنے پاس رکھا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے رب کے لطف وکرم سے ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکرگزاری کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں اور جو شکرگزار ہوگا، وہ اپنے فائدہ کے لئے شکرگزار ہوگا اور جو کفرانِ نعمت کرے گا تو بلاشبہ میرا پروردگار عزّت والا ہے، بے نیاز۔''

تختِ بلقیس کا چشم زدن میں آنا:

جیسا کہ بار بار توجہ دلائی گئی ہے، قرآن مجید کا یہ عام طریقہ ہے کہ وہ واقعات کی درمیانی کڑیوں کو مخاطب کے ذہن پر چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے، چنانچہ یہاں درمیان کے واقعات جو سلسلہ کلام سے ظاہر ہیں، یہ ہیں کہ بلقیس کے قاصد گئے۔ انہوں نے جناب سلیمان علیہ السلام کے یہاں کا پورا ماجرا سنایا جس کا بلقیس پر یہ اثر ہوا کہ وہ سلیمان علیہ السلام کی تجویز کے مطابق مع اپنے عمائد دولت کے اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوگئی اور جناب سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہوگئی جس کی خبر جناب سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی اور وہ وقت بھی آگیا جب کہ وہ سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ جائے گی، اب اس وقت کی بات یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ کون تم میں ایسا ہے جو اُن کے آنے کے پہلے بلقیس کا تختِ سلطنت میرے پاس حاضر کردے۔[2]

---

[1] لفخر کم من زخارف الدّنیا (جلالین) تفرحون اذا اھدیٰ بعضکم الیٰ بعض دامّا انا فلا افرح بہا اشارۃ الیٰ قلۃ اکنراثہ باموال الدّنیا (مجمع البیان)

[2] فلمّا رجع الیہا الرّسول عرفت انّہا لا تقاومۃ فتجھّزت للمیر الیہ واخبر جبرئیل سلیمان انّہا خرجت من الیمن مقبلۃ الیہم فقال سلیمان (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾

"(سلیمان علیہ السلام نے) کہا اُس کے لئے اُس کے تخت کی ذرا صورت بدل دو، دیکھیں وہ صحیح صورت حال سمجھ لیتی ہے یا اُن آدمیوں میں سے ہوتی ہے جو سمجھ نہیں پاتے۔"

ملکہ کا حاضر ہونا اور متعلقہ واقعات:

جناب سلمان علیہ السلام کا اپنے کارندوں کو یہ حکم دینے کا مقصد بلقیس کی ذہانت کا امتحان منظور تھا۔[1]

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾

"تو جب وہ آئی تو کہا گیا کہ کیا ایسا ہی ہے تمہارا تخت؟ اس نے کہا یہ تو جیسے وہی ہے اور ہمیں تو اس کے پہلے حقیقت معلوم ہو چکی اور ہم مسلمان ہو چکے ہیں، اور اُنہوں نے روکا اُسے غیر اللہ کی عبادت سے جو کرتی تھی، بلا شبہ وہ کافروں میں سے تھی۔"

قرآن مجید کے سیاق سے صاف ظاہر ہے کہ یہ فقرہ کہ "ہمیں تو اس کے پہلے حقیقت معلوم ہو چکی اور ہم مسلمان ہو گئے ہیں"، بلقیس کے قول کا تتمہ ہے۔ مطلب یہ کہ معجزہ تو ہم نے اب دیکھا مگر ہم تو ہدیوں کو بھیج کر ہی جس کردار کا مشاہدہ کر چکے تھے، اُسی سے آپ کی حقانیت سمجھ چکے اور اُسی وقت اسلام لا چکے ہیں[2] مگر بعض مفسرین نے نہ معلوم کیوں "یہ تو جیسے وہی ہے" پر ختم کر کے اس کے بعد کے جملہ کو جناب سلیمان علیہ السلام کا قول قرار دے دیا ہے[3] جس مجھے لفظی اور معنوی کسی طرح بھی مناسبت محسوس نہیں ہوتی۔

اس کے بعد کا جملہ: وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ، اس میں بھی اختلاف ہو گیا ہے۔ صدّ فعل ماضی ہے جس کی بصورت متعدی استعمال ہونے پر معنی ہوتے ہیں "روکا"۔ یہاں اُس کے ساتھ مفعول اس کا نمایاں ہے جو ضمیر مؤنث ہے اور اس لئے اُس کا مرجع بلا شبہ بلقیس ہے۔ اب معنی ہوئے "روکا اسے"، یعنی بلقیس کو لیکن اس فعل کا فاعل یعنی روکنے والا کون ہے؟

ہم نے جو ترجمہ کیا ہے وہ اس پر مبنی ہے کہ فاعل ضمیر ہے جو سلیمان علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے۔ اب یہ ترجمہ ہوا کہ "انہوں نے

---

[1] ارادبذلك اختبار عقلها (تبیان) بلقیس کی عقل آزمانا بھی اور اپنا معجزہ دکھانا (موضح القرآن)

[2] داده، شد ما را دانش بحقیقت سلیمان (شاہ ولی اللّٰہ) یعنی اس معجزہ کی حاجت نہ تھی (موضح القرآن)

[3] قال مجاهد هو من قول سلیمان (تبیان)

www.kitabmart.in

روکا اُسے''[۱]

اور بعد میں جو ماکانت من دون اللہ ہے، وہ دوسرا مفعول ہے جس کے ساتھ عموماً عن کا لفظ آتا ہے لیکن یہ عن کا لفظ کبھی حذف بھی ہوجاتا ہے جس کی نظیریں خود قرآن مجید میں موجود ہیں۔

اس کے خلاف دوسرا قول یہ ہے کہ صدّ کا فاعل یہی ہے: ماکانت تعبد من دون اللہ اور دوسرا مفعول کہ کاہے سے روکا؟ محذوف ہے۔ اب ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ کے سوا جس کی وہ عبادت کرتی تھی، اس نے روکا، کاہے سے؟ اسے عقل سے سمجھیے یعنی اللہ کی عبادت سے[۲] مگر یہ 'وندان تو جملہ در دہانند چشمان تو زیر ابروند' کی سی بات معلوم ہوتی ہے اور پھر اس جملے کے پہلے ہی یہ آچکا ہے کہ اُس نے کہا ہم پہلے ہی آپ کی حقانیت سمجھ گئے اور مسلمان ہوچکے تو اب اس کہنے کا کیا محل ہے کہ اُس کے معبودانِ باطل نے اسے روکا معبودِ حقیقی کی عبادت سے؟ اس لئے میرے نزدیک پہلی ہی تشریح زیادہ قابلِ قبول ہے۔

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۴﴾

''کہا گیا اُس سے کہ داخل ہو ایوان میں تو جب اس نے اسے دیکھا تو پانی کی لہریں سمجھی اور پائنچے پنڈلیوں سے اونچے کر لئے، انہوں نے کہا ارے یہ محل کی زمین ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ اس نے کہا اے میرے پروردگار میں نے اپنے نفس کے اوپر ظلم کیا تھا اور اب میں ایمان لائی ہوں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ پر جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔

اس نے اس واقعہ پر کیوں کہا کہ اب میں ایمان لائی ہوں؟

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:

''اس کو اپنی عقل کا قصور اور ان کی عقل کا کمال معلوم ہوا۔ سمجھی کہ دین میں بھی جو یہ سمجھے ہیں، صحیح ہے'' (موضح القرآن)

ایک خیال یہ ہے کہ یہاں درمیان کی ایک کڑی محذوف ہے یعنی جب وہ بیٹھی تو جناب سلیمان علیہ السلام نے اسے دعوت اسلام دی۔ اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے چونکہ وہ متعدد معجزات دیکھ چکی تھی۔ اس نے یہ کہا[۳] مگر مجھے اس میں تامل ہے۔ کیوں کہ وہ تو اپنے تخت ہی کو دیکھ کر کہہ

---

[۱] صدّھا سلیمان عمّا کانت تعبد من دون اللہ (تبیان) بازداشت سلیمان آں زن راد (شاہ ولی اللہ) بند کیا اُس کو اُس چیز سے کہ تھی عبادت کرتی (شاہ رفیع الدین)

[۲] صدّھا عن عبادۃ اللہ ماکانت تعبد (جلالین) ای منعھا عبادۃ الشّمس عن الایمان باللہ تعالیٰ بعد رویۃ تلک المعجزۃ عن مجاھد (مجمع البیان)

[۳] قیل انّھا لمّا جلست دعاھا سلیمان الی الاسلام وکانت قد رات الآیات والمعجزات فاجابت واسلمت (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

چکی تھی کہ میں اس کے پہلے اسلام لاچکی ہوں، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور یہ حضرات بھی اس کی تشریح اسی طرح کر چکے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت جو قالت یعنی ''کہا'' ہے اور زبان سے کہنا نہیں بلکہ حقانیت کے مزید احساس کے ساتھ اس نے اپنے دل میں کہا کہ میں کتنے عرصے تک اپنے نفس پر ظلم کرتی رہی اور خدایا اب سلیمان علیہ السلام کے ساتھ میں اس پروردگار پر ایمان لائی جو تمام کائنات کا مالک ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ۝۴۵

''اور ہم نے ثمود کی طرف بھیجا ان کے بھائی صالح کو کہ عبادت کرو اللہ کی تو وہ دو فریق ہو گئے جو آپس میں بحث کرنے لگے''۔

یعنی کچھ کافر ہو گئے اور اس کے بعد آپس میں بحث شروع ہو گئی۔[1]

قبیلہ ثمود اور جناب صالح علیہ السلام کا حال:

یاد رہے کہ بعض لوگ ہر تعمیری یا اصلاحی صدا کو بھی یہ کہہ کر دبانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس سے قوم میں افتراق پیدا ہوگا مگر واقعہ یہ ہے کہ ہر نبی اور رسول آنے کے بعد افتراق ہی پیدا ہوا ہے، اتحاد قائم نہیں رہا ہے تو اگر یہ خطرہ کوئی وزن رکھتا ہوتا تو اللہ کسی پیغمبر کو بھیجتا ہی نہ اور کوئی پیغمبر اپنا پیغام پہنچاتا ہی نہ۔

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۴۶

''انہوں نے کہا اے قوم والوں کیوں تم بھلائی کے پہلے برائی کے لئے جلدی کرتے ہو، کیوں نہیں بخشش کے طلب گار ہوتے اللہ سے شاید تم پر رحم کیا جائے''۔

معلوم ہوتا ہے جیسے دوسرے مقامات پر مشرکین کا قول نقل ہوا ہے انہوں نے ہٹ دھرمی اور تمسخر کے طور پر یہ کہا تھا کہ خدا سے کہیے کہ وہ عذاب کیوں نہیں نازل کرتا، اس پر جناب صالح علیہ السلام بطور ایک مخلص ہمدرد کے یہ فہمائش کر رہے ہیں کہ کتنے غضب کی بات ہے کہ تم اپنے منہ سے اپنے لئے عذاب مانگتے ہو۔ تمہیں تو اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی کے لئے التجا کرنا چاہیے۔ یہ کیا جہالت ہے جو تم کر رہے ہو۔ شیعہ سنی دونوں مفسرین یہی کہتے ہیں[2] مگر میری سمجھ میں اس کا ایک دوسرا پہلو آتا ہے کہ برائی کے لئے جلدی کرنے سے مراد اُن کا عملی منصوبہ ہے۔ اس پر جناب صالح علیہ السلام نے یہ فہمائش کی کہ اگر تم نے ایسا کیا تو پھر عذاب کے آنے میں دیر نہ ہوگی لہٰذا ایسا نہ کرو بلکہ بجائے ایسا کردار اختیار کرنے کے

---

[1] یعنی منہم مومن صالح و منہم کافر (تبیان)

[2] کان ھٰؤلاء الجھّال اذا خوّفوا بالعقاب قالوا علی وجہ الانکار لصحۃ متی ھو (تبیان) حیث قلتم ان کان ما اتیتنا بہ فاتنا بالقاب (جلالین)

www.kitabmart.in

جو جلد عذاب کو لے آئے اپنی سابقہ غلطیوں کی معافی مانگ لو کہ خدا کی طرف کی بخشش تمہارے شامل حال ہو اور تم نجات کے مستوجب بن جاؤ۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾

’’اُنہوں نے کہا ہم تو تم سے اور تمہارے ساتھ والوں سے بڑی نحوست دیکھ رہے ہیں۔

اُنہوں نے کہا تمہاری اصل نحوست تو اللہ کے یہاں ہے، ہاں تم وہ لوگ ہو جو امتحان میں ڈالے گئے ہو‘‘۔

مطلب یہ ہے کہ دنیوی راحت و تکلیف کے تو بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں جن میں سے ایک ابتلا و آزمائش ہے مگر اصل سعادت وشقاوت انسان کی تو انجام میں ظاہر ہوگی جو اللہ کے یہاں ہے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا
تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا
لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ
خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

’’اور اس شہر میں نو (۹) شخص تھے جو ہمیشہ مفسدہ پردازی کرتے تھے اور کبھی ٹھیک کام نہیں کرتے تھے، انہوں نے کہا کہ آپس میں اللہ کی قسم کھا کر عہد و پیمان کرو کہ ہم انہیں اور ان کے گھر والوں کو سب کو راتوں رات ختم کردیں گے، پھر ان کے وارث سے کہیں گے کہ ہم اس گھر والوں کی ہلاکت میں شریک نہ تھے اور یقین مانو کہ ہم سچے ہیں اور (اس طرح) انہوں نے ایک منصوبہ بنایا اور ہم نے بھی ایک منصوبہ بنایا اور انہیں اُس کی خبر نہ تھی تو دیکھو اُن کے منصوبہ کا انجام کیا ہوا؟ یہ کہ ہم نے اُنہیں اور ان کی تمام قوم کو تہس نہس کر دیا تو یہ ہیں اُن کے گھر ویران وسنسان اُن کے ظلم کی وجہ سے، بلا شبہ اس میں نشانی ہے اُن کے لئے جو جانیں ہم نے نجات دے دی انہیں جو ایمان لائے تھے اور پرہیز گاری سے کام لیتے تھے۔‘‘

جناب صالح علیہ السلام کے خلاف منصوبہ سازی اور اس کی ناکامی:

میں نے جو ترجمہ کیا ہے کہ ’’انہوں نے ایک منصوبہ بنایا اور ہم نے بھی ایک منصوبہ بنایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے منصوبے کا توڑ کا ہم نے انتظام کیا۔ اب یہاں یہ توڑ کیا تھا؟ اس کی تفصیل قرآن مجید میں نہیں ہے۔ روایات مختلف ہیں اور اُن میں سے کوئی معصوم کی طرف مستند نہیں

www.kitabmart.in

ہے [1] لہٰذا وثوق کے ساتھ کیا کہا جا سکتا ہے؟

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ؕ ''یہ ہیں ان کے گھر ویران اور سنسان ان کے ظلم کی وجہ سے'' اس کے بعد جو ارشاد ہوا: إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ''بلا شبہ اس میں نشانی ہے اُن کیلئے جو جانیں۔'' اس میں قیامت تک کے انسانوں کو نتیجہ نکالنے کی دعوت ہے کہ دیکھو! ظلم کا انجام کیا ہوتا ہے؟ [2]

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٥٧﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ﴿٥٨﴾

''اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جب اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم ایسی بدکاری کے مرتکب ہوتے ہو اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو؟ ارے تم نفسانی خواہش عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے پوری کرتے ہو بلکہ تم انتہائی جہالت سے کام لینے والے لوگ ہو تو اُن کی قوم کا کوئی جواب نہ تھا سوا اس کے کہ انہوں نے کہا نکال دو لوط کے گھرانے والوں کو اس بستی سے، یہ لوگ بڑے پاکباز بنے ہوئے ہیں تو ہم نے اُن کے گھر والوں کو نجات دی سوا ان کی بیوی کے جس کی قسمت میں ہم نے لکھ دیا تھا کہ وہ یونہی رہ جانے والوں میں ہوگی اور ان پر ہم نے ایک خاص بارش کی تو کتنی بری بارش تھی ان لوگوں کی جنہیں ڈرایا جا چکا تھا۔''

جنابِ لوط علیہ السلام کی نصیحت، قوم کی مخالفت اور اس کا انجام:

''ایسی بدکاری کے مرتکب ہوتے ہو اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو'' اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور پھر یہاں بھی بعد میں صراحت ہے کہ وہ بجائے عورتوں کے صنف ذکور سے نفسانی جذبے کی تسکین کرتے تھے جو قوم لوط کا عام کردار تھا اور اسی لئے عرف عام میں اس گناہ کے مرتکب کو ''لوطی'' کہتے ہیں اور ''اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو''۔ اس کا مطلب بعض نے کہا کہ اس فعل کی بُرائی تم کو معلوم ہے [3] اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس کا

---

[1] دخلوا علیٰ صالح لیقتلوہ فانزل اللہ سبحانہ الملئکۃ فرموا کلّ واحد منھم بحجر حتّی قتلوہ وسئلم صالح من مکرھم. ابن عباس وقیل انّ اللہ امر صالحا ان یخرج من بینھم ثم استاصلھم بالعذّاب وقیل نزلوا فی سطح جبل ینتظر بعضھم بعضا لیأتوا صالحا فھم علیھم الجبل (مجمع البیان)

[2] روی عن ابن عباس انّہ قال: اجد فی کتاب اللہ انّ الظّلم یخرّب البیوت وتلا ھٰذہ الاٰیۃ (مجمع)

[3] ای تعلمون انّھا فاحشۃ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

مطلب یہ ہے کہ تمہاری برائی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ ایک دوسرے کی آنکھوں کے سامنے ایسا فعل شنیع کرتے ہو۔[1]

جناب لوط علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں کے متعلق یہ کہنا کہ ''یہ لوگ بڑے پاک باز بنے ہوتے ہیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بُرے ہیں، اس لئے کہ ہماری اس فعل شنیع میں ہمارے ساتھ نہیں ہوتے[2] یہی ہر دور کے گنہ گاروں کی ذہنیت ہوتی ہے کہ وہ نیکوں کو اپنے لئے نا قابل برداشت سمجھتے ہیں اور یہی معصومین علیہم السلام سے اہل دنیا کی مخالفت کا راز ہے۔

زوجہ لوط علیہ السلام کے لئے یہ لفظ کہ وہ رہ جانے والوں میں ہوگی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عذاب سے اسے چھٹکارا نہ ہوگا...... آخر میں جو بارش کا ذکر ہے، وہ پتھروں کی بارش ہے جس کی صراحت قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر موجود ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

''کہیے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے اور سلام اُس کے اُن بندوں پر جنہیں اُس نے منتخب کیا، کیا اللہ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک کرتے ہیں؟''

اس آیت میں اجمال کے ساتھ اس خطبہ کا مکمل خاکہ دے دیا گیا ہے جو کسی تقریر یا تحریر کے شروع میں اسلامی جماعت کے خطباء یا مصنّفین کو سکھانا منظور ہے[3] اور اس میں عَبْدِهٖ کے بجائے عِبَادِهٖ کہہ کر رسولؐ کے ساتھ آل کو شریک کرنے کا اشارہ مضمر ہے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

''یا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے خوش نما باغ اُگائے۔ تمہارے لئے ممکن نہیں تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگاؤ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (حق سے) منحرف ہیں۔''

غیر اللہ کی عبادت کرنے والے کو مسلسل تازیانے

اس کا تعلق انیسویں پارے کی آخری آیت سے ہے جس کا آخر میں سوال تھا کہ اللہ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک کرتے ہیں؟ اسی کے تسلسل سے یہ کہا جا رہا ہے اور جس کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو تمہارے سامنے ہیں۔

آخری لفظ کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے، وہ اس پر مبنی ہے کہ یہ لفظ عدول سے ہے جس کے معنی انحراف کے ہیں اور یہ ہماری قدیم تفسیر کے

---

[1] ینظر بعضکم بعضا (جلالین)

[2] الباقین فی العذاب (جلالین) یتطهّرون من ایتان الرّجال فی ادبارهم (مجمع البیان)

[3] اللہ کی تعریف اور پیغمبر پر سلام بھیج کر اگلی بات شروع کرنی لوگوں کو سکھادی (موضح القرآن)

www.kitabmart.in

مطابق ہے اور بعض مترجمین اہلِ سنت بھی اس کے موافق ہیں[1] مگر کچھ لوگوں نے اُسے اُس ''عَدْ ل'' سے لیا ہے جس کے معنی عدیل یعنی ہمسر قرار دینے کے ہیں اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ ایسے ہیں جو (خدا کا) مدّمقابل تجویز کرتے ہیں۔[2]

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

''یا وہ جس نے زمین کو رہنے کی جگہ بنایا اور اُس کے بیچ بیچ میں ندیاں بنائیں اور اُس کے لیے پہاڑ پیدا کیے اور دو دریاؤں کے بیش میں پردہ رکھا۔کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی خدا ہے بلکہ اُن میں سے زیادہ علم نہیں رکھتے۔''

دو دریاؤں کے بیش ''یعنی کھاری اور میٹھے میں جو پہلو بہ پہلو رواں ہوتے ہیں، اس نے اپنی قدرت کا ایسا پردہ حائل کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے میں مخلوط نہیں ہوتے۔[3]

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

''یا وہ کہ جو دعا قبول کرتا ہے بے بس، بے قرار کی جب وہ اُسے پکارتا ہے اور دور کرتا ہے مصیبت کو اور تمہیں زمین میں ایک دوسرے کی جگہ پر لاتا ہے۔کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی خدا ہے؟ بہت کم تم سمجھانے کا اثر لیتے ہو۔''

یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ کا ترجمہ ہم نے کیا ہے، یہ خود قرآن میں اس لفظ کا دوسری جگہ جہاں استعمال ہوا ہے، اس کے مطابق ہے اور بعض مفسرین اس بات میں ہم سے متفق ہیں[4] مگر بعض لوگوں نے اس کے معنی یہ قرار دیئے ہیں کہ ''تمہیں زمین میں اقتدار عطا کیا ہے'' یعنی کافروں کو بے دخل کر کے تمہیں ان مقامات کے بندوبست کا ذمہ دار بنایا ہے۔[5]

میں اس سے متفق نہیں ہوں، اس لئے کہ اس صورت میں خطاب خاص مسلمانوں سے ماننا پڑیگا جو خلاف ظاہر ہے۔

اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ

---

[1] یعدلون عن الحق (علی بن ابراھیم) کم می روند (شاہ ولی اللہ)

[2] یعدلون باللہ غیرہ لجھلھم (تبیان) یشرکون باللہ غیرہ (مجمع البیان)

[3] لا یختلط احدھما بالآخر (جلالین)

[4] بساز و شما را جائے نشین نخستیاں در زمین (شاہ ولی اللہ)

[5] یجعلکم خلفاء من الکفّار بلادھم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦٤﴾

''یا وہ جو تمہیں راستہ دکھاتا ہے خشکی اور تری کے اندھیروں میں اور جو ہواؤں کو بھیجتا ہے خوش خبری دیتے ہوئے اپنی رحمت کے آگے؟ کیا اور خدا ہے اللہ کے ساتھ؟ بالاتر ہے اللہ اُس سے جو وہ شرک کرتے ہیں، یا وہ جو پہلی دفعہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر اُس کو دوبارہ اٹھائے گا اور جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی عطا کرتا ہے؟ کیا کوئی خدا ہے اللہ کے ساتھ؟ کہیے کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔''

''آسمان وزمین سے روزی عطا کرتا ہے'' یعنی آسمان سے پانی برستا ہے' اُسے زمین جذب کرتی ہے اور زمین سے نباتات روئیدہ ہوتے ہیں لہٰذا جو روزی انسان تک پہنچتی ہے' اس میں آسمان اور زمین دونوں کی شرکت ہے۔[1]

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

''کہیے کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے' وہ کوئی غیب کو نہیں جانتا سوا اللہ کے اور اُنہیں خبر نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے؟ بلکہ رفتہ رفتہ آخرت کی منزل میں جا کر اُنہیں پورا علم ہو گا ہاں (ابھی) وہ اس کے متعلق شک میں مبتلا ہیں بلکہ وہ اُس کی طرف سے اندھے ہیں۔''

علم غیب کا اللہ سے مخصوص ہونا اور اس کا مطلب:

جن جن باتوں کے متعلق قرآن میں ہے کہ انہیں سوا اللہ کے کوئی نہیں جانتا اور یہاں مطلق غیب کو کہا گیا ہے کہ اُسے کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے، اُس سب میں یہ مطلب ہے کہ عام انسانی ذرائع اُن کے ادراک سے قاصر ہیں، ذاتاً علم اُن کا صرف اللہ کو ہے لیکن وہ جتنا مناسب سمجھے، اتنا علم جسے چاہتا ہے اور اس کا اہل جانتا ہے، اُسے عطا فرماتا ہے، اُس کی نفی ان آیات سے نہیں ہوتی۔[2]

ادّارك علمهم کی تشریح میں بہت الفاظ نظر کے سامنے ہیں[3] لیکن میرے نزدیک سب سے واضح تشریح علّامہ طبرسیؒ نے کی ہے[4] جس کے مطابق میں نے ترجمہ کیا ہے۔

---

[1] من السّماء بالغيب والمطر ومن الارض بالنّبات والزّرع (تبيان)

[2] الّا الله وحده او من اعلمه الله تعالىٰ (مجمع البيان)

[3] اى بلغ الحق اوتتابع وتلاحق (جلالين) پی در پی متوجہ شد علم ايشان (شاہ ولی اللہ) مختلف ہوا ہے علم ان کا، (شاہ رفیع الدّین) یعنی عقل دوڑ اکر تھک گئے، آخرت کی حقیقت نہ پائی، کبھی شک کرتے ہیں کبھی منکر ہوتے ہیں (موضح القرآن)

[4] اى تتابع علمهم وتلاحق حتى كمل علمهم فى الاٰخرة بما اخبروا به فى الدّنيا (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

''اور کافر لوگوں نے کہا کہ کیا جب ہم خاک ہوجائیں گے اور ہمارے باپ دادا، تب ہم برآمد کیے جائیں گے؟ یہ ہم سے پہلے بھی وعدہ وعید کیا گیا اور ہمارے باپ داداؤں سے بھی اس کے پہلے، یہ نہیں ہیں سوا اگلے زمانے والوں کی کہانیوں کے، کہیے کہ چلو پھرو زمین میں دیکھو کہ کیا ہوا انجام گنہگاروں کا اور آپ ان پر رنج نہ کیجئے اور دل تنگ نہ ہوجیے اس سے جو وہ ترکیبیں کرتے ہیں۔''

منکرین قیامت کے سوالات اوران کے جواب:

یہ متعجّبانہ قول کافروں کا قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دفعہ کی اُن کی بات نہ تھی بلکہ وہ برابر یہ کہا کرتے تھے۔ ''کیا ہم برآمد کیے جائیں گے''، یعنی قبروں سے زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے؟[1] اسی کا نام ''بعث'' ہے اور اسی کو ''قیامت'' کہتے ہیں۔ اسی لئے دوسرے بعض مواقع پر کفّار کے اس مقولہ میں **مخرجون** کے بجائے **مبعوثون** آیا ہے۔ مطلب دونوں کا ایک ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ انبیائے الٰہی نے ہر دور میں قیامت بعدالموت اور قیامت کا یہی تصوّر پیش کیا ہے جو اسلام میں ہے۔

جواب کافروں کے اس قول کا قرآن میں بحسب موقع گوناگوں انداز میں دیا گیا ہے۔ یہاں جو جواب دیا گیا ہے، اُس میں ذہن کے اندر ایک خلش یہ محسوس ہوتی ہے کہ انبیاء جو اطلاع دیتے رہے اور جس پر وہ استعجاب کررہے ہیں، وہ تو دوسری زندگی یعنی حیات بعدالموت ہے اور اس دنیا میں چل پھر کے جو اُنہیں نظر آئے گا، وہ اس دنیا کی تباہی اور بربادی ہے تو اس سے اُن کے سوال کا کیا جواب ملے گا؟ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ اُن کے سوال کا جواب نہیں ہے بلکہ ان کے مقابلہ میں ایک طرح کا استدلال ہے کہ دیکھو انہی انبیاء نے اُن پر عذاب نازل ہونے کی بھی تو خبریں دی تھیں، وہ کس طرح صحیح ثابت ہوئیں، اُسے تم چل پھر کر آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو، تو اس سے سمجھ لو کہ وہ سچے نبی تھے لہٰذا اُن کی دی ہوئی خبریں جو آخرت کے متعلق ہیں، وہ بھی درست ہیں۔

دوسرا ایک مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ تمہارے قبل والوں کو بھی یہ خبر دی گئی تھی اور اُنہوں نے بھی تمہاری ہی طرح اس کا انکار کیا تو دیکھو کہ اس انکار کا انجام کیا ہوا؟ یہ کہ وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے جس کا تم چل پھر کر مشاہدہ کرسکتے ہو تو اب تم جو انکار کررہے ہو تو تمہیں بھی اس انجام سے ڈرنا چاہیے۔[2]

---

[1] مخرجون من القبور (مجمع البیان)

[2] کیف کان عاقبة المجرمین بانکارهم وهی هلاكهم بالعذاب (جلالین)

www.kitabmart.in

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾

''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ وعید کب پورا ہوگا اگر تم لوگ سچے ہو؟ کہیے کہ بہت ممکن ہے نزدیک ہو گیا ہو کچھ حصہ اس کا جس کے لئے تم جلدی کرتے ہو اور بلاشبہ آپ کا پروردگار بڑے فضل وکرم والا ہے تمام لوگوں پر مگر اُن میں کے زیادہ شکر گزار نہیں ہیں۔''

جس کے لئے تم جلدی کرتے ہو'' وہ اُن کے لئے عذاب ہی تو ہے۔ عذاب اصل تو وہ ہوگا جو آخرت میں ہوگا لیکن اس کا پیش خیمہ عذاب دنیا ہے، وہ ان کافروں پر جلد ہی اس کے بعد آنے والا تھا' اسی کو کہا گیا ہے کہ ''بہت ممکن ہے'' [١]

خالق کے کلام میں چونکہ حقیقی طور پر اظہار شک نہیں ہوسکتا، اس لئے جب وہ کہے کہ ''بہت ممکن ہے'' تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ یقیناً یہ بات ہونے والی ہے۔ [٢]

آخر میں اللہ کے فضل کا جو حوالہ ہے اور پھر النّاس کے لفظ کے ساتھ جس میں مومن اور کافر سب داخل ہیں، وہ اُس کی بناء پر ہے جو وہ کافروں پر عذاب کے نازل کرنے میں تاخیر فرماتا ہے کہ جتنا ہوسکے ان کو موقع دے دیا جائے کہ شاید وہ راہ راست پر آجائیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾

''اور بلاشبہ آپ کا پروردگار جانتا ہے اُسے جو اُن کے سینے چھپائے ہوئے ہیں اور اُسے جو ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز آسمان اور زمین میں پوشیدہ نہیں مگر یہ کہ وہ ایک کھلے ہوئے نوشتے میں ہے۔''

یہ ''کتاب مبین'' جس کا ترجمہ ہم نے ''کھلے ہوئے'' یعنی واضح نوشتے کے ساتھ کیا ہے' قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے اور عموماً اس سے مراد لوح محفوظ ہوتی ہے۔ [٣]

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٧٦﴾ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

---

[١] فحصل لهم القتل ببدر وباقي العذاب يأتيهم بعد الموت (جلالين)

[٢] عسٰى من الله واجبة (تبيان)

[٣] هو اللّوح المحفوظ ومكنون علمه تعالىٰ (جلالين)

www.kitabmart.in

الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾

''بلاشبہ یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل کے سامنے اکثر وہ باتیں جن میں وہ باہم اختلاف رکھتے ہیں اور بلاشبہ وہ ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لئے، بلاشبہ آپ کا پروردگار اُن کے درمیان فیصلہ کرتا ہے اپنے حکم سے اور وہ عزت والا ہے، بڑا جاننے والا۔''

یہ گویا جواب ہے اُس کا جو عیسائی علماء کہتے ہیں کہ قرآنی مندرجات ماخوذ ہیں بائبل وغیرہ قدیم کتابوں سے جس کے لئے زمانہ سابق میں ''ینابیع الاسلام'' عیسائی مشنریوں کی طرف سے نکلی تھی اور پھر ڈاکٹر ٹسڈل نے نوشتہ جات کو اپنے انداز میں نیاز صاحب فتح پوری نے ''مآخذ القرآن'' کے نام سے ''نگار'' لکھنؤ کے ایک خاص شمارہ کی صورت میں شائع کیا۔ حالانکہ قرآن مجید کے مندرجہ واقعات کا بائبل سے موازنہ کیا جائے تو خود اس سے اس خیال کا غلط ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن نے اُن واقعات کو بائبل سے اخذ نہیں کیا ہے بلکہ ان کی غلطیوں کی تصحیح کی ہے جیسا کہ قصّہ آدم علیہ السلام اور قصّہ داؤد علیہ السلام کا بائبل اور قرآن دونوں میں مطالعہ کرنے سے ظاہر ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اہل کتاب کو جن باتوں میں خود شک تھا، اُن کی حقیقتوں کو قرآن نے نمایاں کیا ہے اور اس کا اس آیت میں اعلان بھی کر دیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ بائبل وغیرہ کے مندرجہ بیانات سے قرآنی مندرجات میں جو فرق ہے وہ معاذ اللہ غیر شعوری طور پر نہیں ہے جیسا کہ نقل در نقل میں فطری طور پر ہو جاتا ہے بلکہ وہ شعوری طور پر اس مقصد سے ہے کہ اہل کتاب کے سامنے جو اصل حقیقت ہے، اسے ظاہر کیا جائے، اس صورت میں جو واقعات دونوں میں مشترک مل جائیں، اُنہیں ''اخذ'' کہنے کا کسی کو حق نہیں، بلکہ اس حد تک جو دونوں میں مشترک ہے، اسے تصدیق و توثیق کہا جا سکتا ہے۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَاۤ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

''تو اللہ پر بھروسا کیجئے بلاشبہ آپ کھلے ہوئے حق پر ہیں، یقیناً آپ مُردوں کو آواز نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو صدا پہنچا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھرا کر روگردانی کریں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہٹا کر راستہ دکھا سکتے ہیں۔ آپ نہیں سنا سکتے سوا اُن کے جو ہماری نشانیوں کے ماننے کے لئے تیار ہوں تو یہی اسلام قبول کرنے والے ہوتے ہیں۔''

بہرا آدمی بھی اگر قریب ہو اور ادھر رخ کیے ہوئے ہو تو امید ہو سکتی ہے کہ وہ بات سن لے یا لبوں کی حرکت اور اشاروں سے سمجھ لے لیکن اگر وہ بہرا بھی ہے پیٹھ پھرائے ہوئے بھاگ بھی رہا ہے تو اب کہاں اُمید کی جا سکتی ہے کہ اس تک ہماری آواز پہنچے اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو۔[1]

---

[1] اذا اعرض و ادبر و تباعد انقطع الطمع فی السماعہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

آخر میں من یؤمن بآٰیتنا کا جو ترجمہ میں نے کیا ہے کہ ”جو ہماری نشانیوں کے ماننے کے لئے تیار ہوں“ وہ اس بناء پر ہے کہ ایمان لانے کی منزل تو آواز حق سنانے کے بعد ہوگی اور جنہیں آواز سنائی جارہی ہے، اُن کی جو صفت بیان ہورہی ہے، وہ آواز سنانے کے قبل ہونا چاہیے اور وہ ماننے کے لئے تیار ہونا ہی ہے۔

اس تیاری میں وہ عقل وشعور بھی داخل ہے جو صلاحیت فہم پیدا کرے اور وہ قبول حق کا جذبہ بھی جو جان بوجھ کر انکار پر آمادہ نہ ہونے دے۔

سنانے کے بعد کا نتیجہ وہ ہوگا جو بعد میں ہے: فھم مسلمون تو یہی اسلام قبول کرنے والے ہوتے ہیں یعنی وہ ایمان کا اقرار کرکے مسلمان ہوجاتے ہیں۔

جناب شیخ الطائفہؒ نے پہلے تو اسی کے مطابق تشریح کی ہے مگر اس کے بعد انہوں نے یؤمن بآٰیتنا کے معنی لے لئے ہیں ’ایمان لے آئے ہیں‘ اور یہ مطلب لیا ہے کہ آپ کا سنانا کارآمد اُنہی میں ثابت ہوتا ہے جنہوں نے ایمان قبول کیا ہے اور دوسروں کے لئے آپ کا سنانا، نہ سنانے کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فائدہ نہیں اُٹھاتے اور اس کے لئے انہوں نے ھدی للمتّقین کی مثال دی ہے کہ قرآن حقیقت میں تو ہدایت سب کے لئے ہے جیسا کہ دوسری جگہ کہا گیا ہے: ھدی للناس ”تمام آدمیوں کے لئے ہدایت“ مگر چونکہ فائدہ اس سے متقین ہی اٹھاتے ہیں اس لئے وہاں کہا گیا ہے: ھدی للمتّقین مگر ہمارے نزدیک یہاں وہی مفہوم زیادہ چسپاں ہے جو اُن کے پہلے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے [1] اور جو ہمارے ترجمہ کا مطلب ہے۔

نظر غائر بتاتی ہے کہ ہمارے اس مفہوم کی صورت میں بھی ھدی للمتّقین کی مثال درست ہے، اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عمل کے لحاظ سے تو سناتے سب ہی کو تھے مگر فائدہ اُس سے وہی اٹھاتے تھے جو اپنے حسن فطرت سے حق کو قبول کرنے پر تیار تھے، باقی لوگوں پر آپ کا سنانا اثر انداز نہیں ہوتا تھا، اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ بس اُنہی کو سناتے ہیں جو ایمان لانے کے لئے تیار ہوں اور اس کی مثال وہی ہے کہ قرآن کے لئے کہا گیا ہے: ھدی للمتّقین حالانکہ اس کی ہدایت سب کے لئے عام ہے۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾

”اور جب اُن پر حکم آجائے گا تو ان کے لئے ہم زمین سے ایک چلنے پھرنے والا برآمد کریں گے جو اُن سے بات کرے گا اس بناء پر کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔“

دابّۃ الارض کا ذکر:

لغوی حیثیت سے دآبّۃ ہر زمین پر چلنے والے کو کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

---

[1] لاتسمع الّا من یطلب الحقّ بالنّظر الیٰ آیاتنا فلا یلبث ان یسلم (تبیان)

www.kitabmart.in

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا.
کوئی زمین پر چلنے والا نہیں ہے سوا اس کے کہ اللہ پر اس کی روزی کی ذمہ داری ہے۔ (ہود۔ ۶)
یہ قرآن مجید میں کئی جگہ ہے۔

یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ دآبّۃ کے ساتھ ارض یعنی زمین کا ذکر تقریباً ہر جگہ آتا ہے، گویا محاورہ میں یہ لفظ بغیر ارض کے ذکر کے مکمل نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں بھی دآبۃ من الارض کہنے سے یہ سمجھنا کوئی ضروری نہیں کہ یہ کوئی جانور ہوگا جو زمین کو شگافتہ کر کے اس کے اندر سے برآمد کیا جائے گا مگر عرف عام میں دآبۃ کا لفظ چوپایہ کے لئے آتا ہے اور فقہ میں یہ لفظ گھوڑے کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس لئے مترجمین و مفسرین اہل سنّت اس دابّۃ کے لفظ کی تشریح جانور کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ [1]

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:

''قیامت سے پہلے صفا پہاڑ مکّہ کا پھٹے گا، اس میں سے ایک جانور نکلے گا، لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے اور پکے ایمان والوں کو اور چھپے منکروں کو جدا کر دے گا نشان دے کر'' (موضح القرآن)

مگر لغوی معنی کے لحاظ سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کوئی جانور ہو بلکہ بہت ممکن ہے کہ وہ کنایہ کسی انسان کامل سے ہو جیسا کہ ہماری بعض کتابوں میں روایت ہے جو اُسے زمانہ رجعت سے متعلق قرار دیتی ہے [2] جب کہ اس کے بعد کی آیت زیادہ واضح طور پر رجعت سے متعلق ہے لیکن رجعت کے تفصیلات خود غیر واضح ہیں اور دآبّۃ کی پوری حقیقت تقریباً متشابہات میں سے ہے بہر حال قرآن مجید کا انداز بتاتا ہے کہ وہ کوئی غیر معمولی مظاہرہ قدرت الٰہی ہوگا جو دنیا کو متنبہ کرنے کے لئے کہ وہ عذاب الٰہی کے مستحق ہیں، سامنے آئے گا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

''اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر قوم میں سے ایک دستے کو اُن میں سے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں تو انہیں تنبیہ کی جائے گی، یہاں تک کہ جب وہ آئیں گے تو ارشاد ہوگا کہ کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا اس حالت میں کہ تمہارا علم اُس پر حاوی نہ تھا یا کیا تھا جو تم کرتے تھے؟ اور حکم چل گیا ہوگا اُن پر اس لئے کہ وہ ظلم کے مرتکب ہوئے تھے تو وہ اب بات نہیں کرتے ہوں گے۔''

قیامت کے پہلے رجعت کا سوال:

[1] بر آورو برای ایشاں جانوری از زمین (شاہ ولی اللہ) نکالیں گے واسطے اُن کے ایک جانور زمین سے (شاہ رفیع الدین)
[2] عن ابی بصیر عن ابی عبداللہ علیہ السلام (علی بن ابراہیم)

www.kitabmart.in

یہ موقع کونسا ہوگا جس میں ہر قوم میں سے ایک دستے کو لایا جائے گا؟ مفسرین جمہور جواب دیں گے کہ قیامت مگر ائمہ اہل بیت علیہم السلام فرماتے ہیں کہ قیامت تو وہ موقع ہے جب سب اٹھائے جائیں گے جیسا کہ قرآن میں ہے:

فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا۔ اُن میں سے ایک کو بھی ہم نے نہ چھوڑا ہوگا۔ (کہف۔۴۷)

لہٰذا یہ موقع کوئی اور ہے اور وہ رجعت کا ہے جو قیامت کے پہلے ہوگی اور اس میں بس کامل الایمان افراد اور بڑے سخت کافر و منافق ہی اٹھائے جائیں گے، درمیانی قسم کے لوگ نہیں۔

جلالین نے فوجاً کی تشریح میں لکھا ہے:

وھم رؤساؤھم المتبوعون: یہ اُن کے وہ سرغنہ لیڈر ہوں گے جن کی پیروی کی جاتی تھی۔

اس صورت میں بعید نہیں ہے کہ بعد میں جو یہ ہے کہ ''تم نے میری آیات کو جھٹلایا'' ان آیات سے مراد وہی احکام ہوں جن کا تعلق انہی ہستیوں سے تھا جنہیں خالق نے مرکز ہدایت و اطاعت قرار دیا تھا مگر یہ دوسرا اُن آیات سے انحراف کر کے خود اُن منصبوں پر قابض ہو گئے۔[1]

اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ لِیَسْکُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات بنائی اس لئے کہ وہ اُس میں سکون حاصل کریں اور دن کو روشن بنایا، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں اُن کے لئے جو ایمان لانے پر آمادہ ہوں۔''

وَیَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ ﴿۸۷﴾

''اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو گھبرا جائیں گے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین ہیں سوا اُس کے جسے اللہ چاہے اور سب اُس کی طرف آئیں گے سر جھکائے ہوئے۔''

صور کے اثر سے کچھ افراد کا استثناء:

یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن مجید میں صور پھونکنے کا دو جگہ ذکر ہے، ایک جگہ کہا گیا ہے:

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ (زمر۔۶۸)

صور پھونکا گیا ہوگا تو آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں سب بے حس و حرکت ہو کر گر جائیں گے

وہاں بھی یہ استثناء موجود ہے کہ الّا من شاء اللّٰہ ''سوا اُس کے جسے اللہ چاہے'' اور یہاں جو یہ اثر بتایا گیا ہے کہ آسمان و زمین والے سب گھبرا جائیں گے، یہاں بھی یہ استثناء ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کچھ نفوس ایسے ہیں جن پر نہ اُس صور کا اثر ہوگا اور نہ اس صور کا۔ یہ نفوس وہی ہو

[1] من قال بالاوّل قال المراد بالآیات الائمة الطّاھرة (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سکتے ہیں جو تمام نوع بشر میں افضل اور مقصود کل کائنات ہوں، جن کے لئے پیدا ہونے کے بعد پھر فنا وزوال نہیں ہے۔
شاہ عبد القادر نے صور پھونکے جانے کی تعداد میں اضافہ کر دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:
''ایک بار صور پھونکے گا جس سے خلق مرجائے گی۔ دوسرا پھونکے گا تو جی اٹھیں گے، اس کے بعد صور پھونکے گا تو گھبرائیں گے اور پھر پھونکے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے اور پھونکے گا تو ہشیار ہوں گے۔ صور پھونکنا بہت بار ہے۔'' (موضح القرآن)
لیکن جب قرآن مجید نے جن دو صوروں کا ذکر کیا ہے، اُن کی تاثیر میں استثناء موجود ہے تو وہ جتنی بار بھی پھونکے گا، اس کے اثر سے اُن نفوس کو ہم مستثنیٰ سمجھ سکتے ہیں جو الاّ من شآء اللّٰہ کا مصداق ہیں۔
شاہ صاحب نے گھبراہٹ والے صور کو تیسرے (۳) نمبر پر رکھا ہے اور موت والے کو پہلا (۱)، اس کے برخلاف بعض قدیم مفسرین ترتیب اس طرح بتاتے ہیں کہ پہلا (۱) وہ جس سے گھبرا جائیں گے، دوسرا (۲) وہ جس سے بے جان ہو کر گر جائیں گے، یہ وہ ہے جسے قرآن میں کہا گیا ہے صعق من فی السّمٰوٰت الارض اس کے علاوہ بے ہوشی والے کسی صور کا پتہ نہیں ہے، تیسرا (۳) وہ جس سے زندہ ہو جائیں گے۔[1]

دوسری طرف جلالین کا نقطۂ نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں دو جگہ درج ہونے والے صور بھی ایک ہی ہیں چنانچہ ففزع من فی السّمٰوٰت ومن فی الارض کے تحت میں لکھا ہے:

ای خافو االخوف المفضی الی الموت کمافی اٰیۃ اخریٰ :فصعق۔

یعنی وہ خوف زدہ ہو جائیں گے ایسا خوف جو باعث موت ہوگا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے:فصعق

علامہ طبرسیؒ کا بھی پہلا تصور یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ فزع کی تفسیر کی ہے:

ای ماتو الشدۃ الخوف والفزع — یعنی خوف اور گھبراہٹ کی شدّت سے وہ مرجائیں گے

اور پھر دوسرا قول نقل کیا ہے کہ صور تین (۳) مرتبہ پھونکا جائے گا لیکن اگر اُس صور کا اثر آخر میں موت کی شکل میں ظاہر ہونے والا ہے تو آخر قرآن کو اس کی کیا ضرورت تھی کہ وہ اس نتیجہ کو جو شدید ہے چھوڑ کر اُس خفیف اثر کو نمایاں کرے جو شروع میں ہونے والا ہے؟ پھر جب کہ دوسری جگہ جو صعق کا لفظ ہے وہ بھی صراحۃً موت کا اظہار نہیں کرتا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے قرآن مجید میں یہی لفظ آیا ہے: ''خرّ موسیٰ صعقا'' ، حالانکہ برق طور سے ان کو غش آیا تھا، موت طاری نہیں ہوئی تھی۔
اب یہ من شآء اللّٰہ کون ہیں جن پر کسی بھی صور کا اثر نہیں ہوگا؟ اس کے لئے جلالین نے پہلے تو رجم بالغیب کے طور پر جبرئیل و میکائیل و اسرافیل کے نام لکھ دیے ہیں مگر اس کی دلیل کیا ہے؟ کچھ نہیں۔ پھر جناب ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ: ھم الشّھدآء اذھم احیآء عند ربّھم یرزقون یہ شہدا ہیں اس لئے کہ وہ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے یہاں رزق پاتے ہیں۔
ہمیں جناب ابن عباسؓ کے اس قول سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں ہے لیکن اگر شہداء ہیں تو وہ ہستیاں جو عام شہداء سے بلا شبہ افضلیت وبرتری رکھتی ہوں بدرجہ اولیٰ اس کی مصداق ہوں گی۔

---

[1] قیل النفخۃ الاولیٰ نفخۃ الفزع والثانیۃ نفخۃ الثالثۃ نفخۃ القیام (تبیان)

www.kitabmart.in

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

''اور تم دیکھتے ہو پہاڑوں کو، سمجھتے ہوا نہیں قائم و برقرار، حالانکہ وہ بادلوں کی طرح رواں دواں ہیں، یہ اللہ کی صناعی ہے جس نے ہر شے کو پائدار بنایا ہے بلاشبہ وہ خوب جانتا ہے اُسے جو تم کرتے ہو۔''

زمین کی حرکت کا ثبوت:

موجودہ سائنس کے تصورات سے پہلے اس آیت کو قیامت کے بیان کے سلسلے میں داخل کیا جاتا تھا کہ پہاڑ حرکت میں آجائیں گے [۱] مگر آیت کا دوسرا ٹکڑا کہ یہ اللہ کی صناعی ہے، اس تصور کو غلط قرار دیتا ہے۔

اب جدید سائنس کے اس انکشاف پر کہ زمین متحرک ہے، نمایاں طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن مجید نے اس آیت میں حرکت زمین کی حقیقت کا انکشاف کیا ہے جسے قدیم علماء اس لئے نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اُس وقت کے مسلّمات کے خلاف تھا اور قیامت کے لئے تو ارشاد ہوا ہے: (سورہ طٰہٰ آیت ۱۰۵ میں)

ینسفھا ربّی نسفا ''(انہیں پہاڑوں کو) میرا پروردگار پوری طرح سرمہ بنا دے گا'' تو پھر اُنہیں دیکھ کر قائم و برقرار کون سمجھے گا اور وہ بادلوں کی طرح رواں دواں کہاں ہوں گے جب کہ اُن کا بصورت جسمانی وجود ہی نہ ہوگا۔

جناب ابن عباسؓ کی تفسیر موجودہ نظریہ کی تائید کرتی ہے، اس لئے کہ انہوں نے اسے حال ہی سے متعلق قرار دیا ہے، نہ کہ مستقبل قیامت سے۔ [۲]

یہ اور بات ہے کہ بعد والوں نے اس میں بھی اپنی طرف سے گویا نوٹ دے کر قیامت ہی سے متعلق قرار دے دیا ہے [۳] جو اُن کے اپنے وقت کی فلکی سائنس (عالم ہیئت) سے تاثر کا نتیجہ تھا۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَىٕذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

''جو نیک کام کرتا ہے، اُسے اس سے بہتر ملے گا اور وہ اُس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے اور جنہوں نے برائی کی وہ اوندھے منہ آگ میں گرائیں جائیں گے۔ کیا تمہیں جو کچھ تم کرتے تھے، اُس سے الگ کوئی سزا مل رہی ہے؟''

''برائی'' کے لفظ کے اطلاق کی صورت میں چوں کہ مشکل یہ پڑتی ہے کہ ہر گناہ کی سزا آتش جہنم قرار پاتی ہے حالانکہ ہمیں معلوم ہے

---

[۱] تبصر ھا وقت النفخة (جلالین) یہ ھو گا قیامت میں (موضح القرآن)

[۲] قال ابن عباس: تحسبھا قائمة وھی تسیر یرا حثیثا سریعا (تبیان)

[۳] ذلك اذا ازیلت الجبال عن اماکنھا قبل التلاشی کما فی قوله: وتکون الجبال کالعھن المنفوش (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

قرآن مجید کی دوسری آیات سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور بعض میں کچھ معیادی سزا ہوتی ہے، اس لئے مفسرین مجبور ہوئے ہیں کہ یہاں سیّئہ سے مراد سب سے بڑا گناہ یعنی کفر و شرک مراد لیں اور اس میں وسعت بھی دی جائے تو ایسی چیزوں کے انکار تک جو ایمان میں دخیل ہوں اور جن سے آخرت وابستہ ہو، اس لئے علامہ طبرسیؒ نے پہلے بالسّیئة کے تحت میں لکھا ہے:

ای بالمعصیة الکبیرة التی هی الکفر والشرك۔ یعنی بڑی نافرمانی کا ارتکاب کیا جو کفر و شرک ہے

اور پھر آگے وہ احادیث درج کی ہیں جو اہل بیت رسولؐ سے عداوت کے متعلق ہیں کہ اس کا نتیجہ بھی بلا شبہ آتش دوزخ ہے مگر قرآن مجید میں اس آیت کے آخر میں جو هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ فقرہ ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس سزا کا تعلق اعمال سے ہے جو وقتاً فوقتاً ہوتے رہے ہیں نہ کہ عقیدہ کے کسی لازمی جزء سے جو ایک استمراری حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس میں وہ تجدّد و تسلسل نہیں ہے جو مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کے الفاظ سے نمایاں ہے، اس لئے ہم کیوں نہ یہ سمجھیں کہ یہ سزا خالق کی نافرمانی کی ہے، اگر ملے لیکن کسی وجہ سے خواہ عفو و کرم کی بناء پر اور خواہ توبہ و انابت سے اور خواہ شفاعت سے سزا نہ ملے تو اور بات ہے۔ پھر یہ کہ فی النّار میں کمیت و کیفیت کے اعتبار سے فرق ہوسکتا ہے۔ اس لفظ کی وحدت سے اُس سزا کی نوعیت میں وحدت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩١﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿٩٢﴾

''مجھے تو بس یہ حکم ہوا ہے کہ اس شہر کے پروردگار کی عبادت کروں جس نے اسے محترم قرار دیا ہے اور اُسی کی ہر چیز اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اسلام اختیار کرنے والوں میں ہوں اور یہ کہ میں قرآن پڑھ کر سنا دوں، اب جو ہدایت پائے گا وہ اپنے لئے ہدایت پائے گا اور جو گمراہی پر برقرار رہے تو کہیے کہ میں تو بس خوف دلانے والوں میں سے ہوں۔''[1] بظاہر سلسلۂ تنزیل میں یہ آیت کسی ایسے سیاق کلام میں تھی جہاں رسولؐ سے تخاطب کے ذیل میں قل آتا ہے یعنی یوں کہیے مگر وہ یہاں پہنچ گئی، اس لئے اب اس میں قل کا جزء نہیں رہا لیکن یقیناً مراد اس سے یہی ہے[2] اور اس لئے خواہ جناب شیخ الطائفہؒ کی یاد کی غلطی سے اور خواہ کاتب کی کارستانی سے اثنائے تفسیر میں متن آیت میں قُلْ کا لفظ اس طرح درج ہوگیا ہے جیسے کہ وہ آیت میں موجود ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾

''اور کہیے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے وہ بہت جلد تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم انہیں پہچان لوگے اور نہیں ہے تمہارا پروردگار غافل اُس سے جو تم لوگ کرتے ہو۔''

---

[1] قل سبحانه لنبیّه ﷺ قل لهم (مجمع البیان)
[2] قال سبحانه لنبیّه ﷺ قل لهم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ الْقَصَصِ

مکّیہ----۸۸----آیات

چونکہ اس سورہ میں زیادہ تر انبیاؑ و امم سابقہ کے واقعات ہی کا بیان ہے اس لئے اس کا نام "قصص" ہوا۔

سورۂ قصص کے خاص خاص مضامین:

۱............مظالم فرعون۔

۲............مادر موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی اور اس کی تفصیل۔

۳............زوجہ فرعون کی گفتگو اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی پرورش۔

۴............قبطی کے قتل کا واقعہ۔

۵............حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف و دہشت کے عالم میں مصر سے نکلنا۔

۶............دختر انِ جناب شعیب علیہ السلام کا واقعہ۔

۷............جناب شعیب علیہ السلام کے پاس جانا اور اُن سے گفتگو۔

۸............وادی ایمن۔

۹............عہدۂ پیغمبر میں حضرت ہارون علیہ السلام کی شرکت کے لئے دعا اور اس کی قبولیت۔

۱۰............دربارِ فرعون میں جانا اور اس موقع کی گفتگو۔

۱۱............فرعون کا ہامان کو اونچے قصر کی تعمیر کے لئے کہنا اور پھر اُن کا انجام۔

۱۲............چشم پوشی اور رواداری کی مدح۔

۱۳............یہ کہ خالق کے فیصلہ کے خلاف اپنے اختیار کو صرف کرنا ایک قسم کا شرک ہے۔

۱۴............قارون کا کردار اور اس کا انجام۔

۱۵............انجام خیر اُن کے لئے جو دنیا میں قہر و غلبہ کے درپے نہ ہوں ----وغیرہ وغیرہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"

www.kitabmart.in

طٰسٓمّٓ ۝ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۝ نَتۡلُوۡا عَلَيۡكَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰى وَفِرۡعَوۡنَ بِالۡحَـقِّ لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ۝

''طا۔سین۔میم۔ یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔ہم آپ کے سامنے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی کچھ خبریں سچائی کے ساتھ پیش کرتے ہیں اُن کے لئے جو ایمان لائیں۔''

یہ ویسا ہی ہے جیسے آغاز سورۂ بقرہ میں پورے قرآن کے لئے کہا گیا: ھدًی لّلمتقین ''یہ ہدایت ہے پرہیز گاروں کے لئے'' حالانکہ مقصود اُس سے سب ہی کی ہدایت ہے مگر چونکہ فائدہ اٹھانے والے اس سے پرہیز گار ہی ہیں، اس لئے یہ کہا گیا ہے۔اُسی طرح یہ خبریں سب کے لئے ہیں مگر فائدہ اٹھانے والے اُن سے وہی ہیں جو ایمان لائیں تو یوں کہا جارہا ہے کہ ''اُن کے لئے جو ایمان لائیں''[1]

اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِيَعًا يَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ يُذَبِّحُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَيَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَهُمۡ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ۝

''بلاشبہ فرعون نے دنیا میں گھمنڈ کیا اور اُس کے رہنے والوں کو متفرق جماعتوں میں تقسیم کردیا کہ ایک گروہ کو اُن میں سے وہ کمزور بناتا تھا، اُن کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھ لیتا تھا، یقیناً وہ خرابی پھیلانے والوں میں سے تھا۔''

مظالم فرعون:

یہ ''مکیاولی'' سیاست ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' وہ ہے جسے قرآن نے فرعون کے نمبر ایک جرم کے طور پر پیش کیا ہے لیکن دنیائے مغرب اور مشرق میں حکمرانوں اور خصوصاً بڑی طاقتوں کی وہی سیاست آج تک برقرار ہے۔

وَنُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَنَجۡعَلَهُمۡ اَئِمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِيۡنَۙ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَنُرِىَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ ۝

''اور ہمارا مقصود یہ ہے کہ احسان کریں اُن پر جنہیں دنیا میں دبایا یا پیسا گیا تھا اور انہی کو پیشوا قرار دیں، اُنہی کو آخر میں قابض و متصرف بنائیں، اُنہیں زمین میں اقتدار عطا کریں اور فرعون اور ہامان اور اُن کے تمام لاؤ لشکر کو اُن کی جانب سے وہ شے دکھلائیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔''

قبل کی آیت کے لحاظ سے محل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ''ارادہ بھی ماضی سے متعلق ہو، اس لئے بعض مترجمین نے ترجمہ اسی طرح کیا ہے

[1] لانّهم منتفعون به (تبیان)

www.kitabmart.in

[۱] مگر قرآن کے الفاظ میں مضارع کا صیغہ ہے جو حال و مستقبل کو بتاتا ہے اس لئے دوسرے مترجمین کو اُسی کے مطابق ترجمہ کرنا پڑا ہے۔[۲]
ہم سمجھتے ہیں کہ ذکر ماضی کے ذیل میں خالق نے اپنے مستقبل اصول کا اعلان فرمایا ہے کہ ہمیشہ ہماری سنّت یہی ہے اور اس صورت میں بعد میں جو فرعون اور ہامان کا نام ہے وہ بھی بمناسبت سیاق ہے اور مراد اُس سے ہر دور کے فرعون صفت اور ہامان منش افراد ہیں جس کے لئے معصوم رہنمایان دین کے ارشادات بھی موجود ہیں جنہیں علّامہ طبرسیؒ نے مجمع البیان میں درج فرمایا ہے۔
اب یہاں اس عام اصول کے ذیل میں جوحسب ذیل فقرے ہیں: ''اُنہیں امام بنائیں گے''، اُنہیں آخر میں قابض و متصرّف بنائیں گے' اُنہیں زمین میں اقتدار عطا کریں گے۔' ان الفاظ کو سامنے رکھیے اور پھر اس امت کے لئے جو خصوصی اعلان ہوا ہے کہ:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ (نور۔۵۵)

اللہ کا وعدہ ہے اُن سے جو تم میں سے ہے ایمان رکھتے ہوں اور نیک اعمال کے پابند رہیں کہ وہ اُنہیں روئے زمین میں خلیفہ بنائے گا اُس طرح جیسے خلیفہ بنایا اُنہیں جو اُن سے پہلے تھے اور ضرور وہ اُن کے لئے اُس دین کو با اقتدار بنائے گا جسے اُس نے ان کے لئے منتخب کیا اور اُنہیں خوف و دہشت کے بدلے امن و سکون عطا فرمائے۔
یہ وعدہ اُنہی افراد امّت کے لئے ہوگا جنہیں دنیا میں دبایا گیا اور پیسا گیا اور انہی کے واسطے آخر میں یہ وعدہ الٰہی پورا ہوگا۔ وہی امام خلق ہوں گے اور وہی وارث زمین ہوں گے نہ کہ وہ جو قہر و غلبہ کے مالک ہو کر دوسروں پر مظالم ڈھائیں اور اپنے اقتدار کی خاطر حق پرستوں کو سولیوں پر چڑھائیں، قید خانوں میں بند رکھیں یا تلواروں کے گھاٹ اتاریں۔ یہ تو کردار کے لحاظ سے جنودِ فرعون وہامان میں داخل ہیں، جنہیں آخر میں اپنے منصوبوں کے خلاف مظلوموں کا اقتدار دیکھنا نصیب ہوگا، وہی مظلومین کے لئے قرآن کی روشنی میں ہماری دعا ہے: عجّل اللہ فرجھم۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَاۗدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

''اور ہم نے مادر موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم اُسے دودھ پلاؤ، اسکے بعد جب اس کے لئے تمہیں خطرہ محسوس ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور ڈرو نہیں اور نہ رنج کرو۔ ہم بلاشبہ اسے واپس پلٹائیں گے تمہاری طرف اور اُسے پیغمبروں میں سے قرار دیں گے۔''

مادرِ موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی اور اُس کی تفصیل:

عام خیال یہی ہے کہ یہاں اس قلبی القاء کو جو خالق کی جانب سے نیک بندوں کے لئے ہوتا ہے وحی کی لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس

[۱] اور ارادہ کرتے تھے ہم یہ (شاہ رفیع الدین)
[۲] می خواہیم (شاہ ولی اللہ)

www.kitabmart.in

لئے بعض مترجمین نے وحی کا ترجمہ یہاں الہام کے ساتھ کیا ہے۔[۱]

شاہ عبدالقادر نے لکھا ہے:

"اُن کی ماں کے دل میں پڑ گیا یا خواب میں دیکھا" (موضح القرآن)

یہ تردّد وتر دید کا انداز انہوں نے جلالین سے اخذ کیا ہے جنہوں نے لکھا ہے:

اوحینا وحی الھام اومنام: ہم نے وحی بھیجی الہام والی وحی یا خواب والی۔

ہماری قدیم تفسیر میں ہے کہ ندائے آسمانی آئی جس میں انہیں یہ باتیں بتائی گئیں اور یہ صندوق بھی قدرتی طور پر آسمان سے اُترا تھا۔[۲]

قرآن مجید نے مادر موسیٰ علیہ السلام کو پہنچائے ہوئے پیغام میں جتنے تفصیلات بتائے ہیں کہ:

۱---پہلے تو دودھ پلاتی رہنا۔

۲---جب خطرہ قریب آجائے تو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا

۳---ڈرنا نہیں

۴---غم نہ کرنا

۵---ہم پھر اُسے تم تک واپس لائیں گے

۶---ہم اسے پیغمبروں میں قرار دیں گے۔

یہ تفصیلات نہ خطور قلبی کی حیثیت کے ہیں، نہ خواب کے۔ اتنی باتوں کے خواب میں بھی کہنے کے لئے کوئی شخص ہونا چاہیے۔ اس لئے ہمارے نزدیک تو یہ خالق کی طرف کی ویسی ہی وحی ہے جو صاحبانِ منصب کے لئے ہوتی ہے اور یہ اُس تصور کے شواہد میں سے ہے جو ہماری مستقبل نظریہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ طبقہ خواتین میں بھی وقتاً فوقتاً کچھ صاحب منصب شخصیتیں ہوتی رہی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس منصب کا نام تعینی طور پر ہمیں معلوم نہ ہو، کوئی بعید نہیں ہے کہ اس دور میں وہ صاحب منصب ذات اُنہی مادرِ موسیٰ علیہ السلام کی ہو۔

جناب شیخ الطائفہؒ نے خواب اور نبوت دونوں کی صراحۃً نفی کی ہے لیکن اس کی نوعیت کو پھر معیّن نہیں کیا ہے۔[۳] لیکن قدماء کے یہاں بھی یہ قول موجود ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے آکر باقاعدہ یہ حکم الٰہی پہنچایا۔[۴]

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـئِيْنَ ﴿۸﴾

"تو اُسے اٹھا لیا فرعون کے گھر والوں نے تاکہ وہ اُن کے لئے دشمن اور سرمایہ رنج وغم ہو۔ یقیناً فرعون اور ہامان اور

---

[۱] الہام فرستادیم (شاہ ولی اللہ)

[۲] انزل اللہ علی موسی التابوت ونودیت امہ ضعیه فی التابوت (علی ابراھیم)

[۳] لیس وحی نوم ولا نبوّۃ فی قول قتادۃ وغیرہ (تبیان)

[۴] قیل اتاھا جبرئیل بذلك (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اُن کے لاؤلشکر والے (سب) خطا کار تھے۔“

قرآن کا عام انداز بیان جو ہے کہ وہ واقعات کی کڑیوں کو فہم خلائق کے سپرد کر کے آگے بڑھ جاتا ہے، وہی یہاں بھی ہے، اس کے قبل کہا گیا تھا کہ مادر موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی گئی کہ تم اُسے دودھ پلاؤ یہاں تک کہ جب تمہیں خطرہ محسوس ہو تو اُسے دریا میں ڈال دینا۔ اب خود سمجھ لیجئے کہ یہ سب کچھ ہوا، کچھ روز جناب موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے پاس رہے اور وہ انہیں دودھ پلاتی رہیں [1] اس کے بعد اُنہیں خطرہ محسوس ہوا کہ بس اب فرعون کے آدمی آتے ہیں اور وہ بچہ کو لے جا کر قتل کر دیں گے تو اُنہوں نے فرمان ربّانی کے مطابق اُنہیں صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دیا اور وہ صندوق بہتے بہتے عین فرعون کے محل کے نیچے پہنچا، بس اب اس کے بعد قرآن بتا رہا ہے کہ کیا ہوا؟ [2]

اُس صندوق کو فرعون کے آدمیوں نے دریا سے نکال لیا، یہاں ارشاد ہوا ہے: لیکون لھم عدوّا و حزنا ”تاکہ وہ اُن کے لئے دشمن جان اور باعث رنج و غم ثابت ہوں۔“ اسے علمائے معانی و بیان نیز مفسرین دوسرے مقامات پر جہاں ضرورت ہوتی ہے، اس کی مثال میں پیش کرتے ہیں کہ کبھی قہری طور پر مترتب شدہ نتیجہ عرض و غایت کے طور پر ذکر کر دیا جاتا ہے کیوں کہ ظاہر ہے کہ اُن کا بچہ کو اٹھانا اس مقصد سے نہ تھا کہ یہ اُن کے دشمن ثابت ہوں بلکہ انہوں نے تو اس لئے اٹھایا تھا کہ وہ مثل اولاد کے اُن کے یہاں پلیں، بڑھیں اور اُن کے خاندان کے ایک فرد کے طور پر زندگی گزاریں مگر چونکہ ہوا یہ کہ وہ بڑے ہو کر اُس انقلاب کے بانی ہوئے جس کے خطرات سے اب تک فرعون نے بے شمار، بے قصور بچوں کی جانیں لی تھیں، اس لئے یہ کہا گیا کہ انہوں نے اس لئے اُنہیں پالا کر دشمن ثابت ہوں۔ [3]

پھر بعد میں بتایا گیا کہ یہ قدرت کا انتظام اُن کے مظالم کا انتقام لینے کے لئے تھا، اس لئے کہ وہ بڑے خطاوار تھے۔ وہ اپنی تباہی و بربادی میں کسی ہمدردی کے مستحق نہیں ہیں۔

وَقَالَتِ امۡرَاَتُ فِرۡعَوۡنَ قُرَّتُ عَيۡنٍ لِّىۡ وَلَكَ ؕ لَا تَقۡتُلُوۡهُ ۖ عَسٰٓى اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝٩

”اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ ارے، میرے اور تمہارے لئے آنکھ کی ٹھنڈک ہے، تم لوگ اسے قتل نہ کرو بہت ممکن ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنائیں اور اُنہیں حقیقت کی خبر نہ تھی۔“

زوجۂ فرعون کی گفتگو اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی پرورش:

اس کے پہلے کہا گیا ہے کہ آل فرعون نے اسے اٹھا لیا اور اب بیوی کا ذکر اس سے الگ کر کے امرأۃ فرعون کے الفاظ سے کیا گیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ بیوی آل فرعون میں داخل نہیں تھی اور بعض مترجمین نے جو وہاں کسی خاص مقصد سے ال فرعون کا ترجمہ ”اہل خانہ“ سے کر دیا

---

[1] لما ارضعت ثلثة اشھر ...وخافت علیہ نوضعتہ فی تابوت واغلقتہ والقتہ فی بحر النیل (جلالین)

[2] فی الکلام حذف لانّ تقدیرہ انّ امّ موسیٰ طرحتہ فی البحر و مضیٰ فی البحر الیٰ ان بلغ قصر فرعون (تبیان)

[3] ای لیکون لھم فی عاقبۃ امرہ کذٰلک لا نّھم اخذوہ لھذا کما یقال لمن کسب مالا فادّاہ ذالک الی الحتف والھلاک انّما کسب فلان لحتفہ وھو لم یطلب المال للحتف (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

ہے [۱] وہ درست نہیں ہے۔

سلسلہ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دریا سے نکالنے کے بعد فرعون اور اس کے ارکانِ دولت یا فوجیوں نے چاہا کہ بچہ کو قتل کردیں اس وقت زنِ فرعون آگے بڑھی [۲] اور اپنے شوہر سے مخاطب ہو کر کہا: قرّۃ عین لی ولك یعنی ''اے، یہ پیارا پیارا بچہ تو میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکتا ہے''۔ اس پر شوہر چپ ہو گیا تو اب اُس کے سکوت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے دوسرے لوگوں سے مخاطب ہو کر منع کر دیا کہ اسے نہ مارو۔ یہ ہمارے لئے نفع بخش ہوگا، یا ہم اسے بیٹا بنالیں گے''۔ یہاں ''ہم'' کی لفظ میں اُس نے شوہر کو اپنے ساتھ شریک کر لیا کہ یہ بھی اس فیصلہ میں مجھ سے متفق ہیں، اب کس کی مجال تھی جو قتل کرتا۔

وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰى فٰرِغًا ؕ اِنۡ كَادَتۡ لَـتُبۡدِىۡ بِهٖ لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰى قَلۡبِهَا لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۰﴾ وَقَالَتۡ لِاُخۡتِهٖ قُصِّيۡهِ فَبَصُرَتۡ بِهٖ عَنۡ جُنُبٍ وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَۙ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَرَاضِعَ مِنۡ قَبۡلُ فَقَالَتۡ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰٓى اَهۡلِ بَيۡتٍ يَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَـكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدۡنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَىۡ تَقَرَّ عَيۡنُهَا وَلَا تَحۡزَنَ وَلِتَعۡلَمَ اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳﴾

''اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل بے تاب ہو گیا، قریب تھا کہ وہ اُس راز کو نمایاں کر دیں اگر ہم اُن کے دل کو مضبوط نہ کرتے تاکہ وہ ایمان والوں میں ثابت ہوں اور اُنہوں نے اُس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے جاؤ تو اُس نے اُسے دور سے دیکھا درحالیکہ اُن لوگوں کو خبر نہ تھی اور ہم نے اس پر اناؤں کو پہلے سے حرام کر دیا تھا تو اس (بہن) نے کہا کہ کیا میں تم لوگوں کو ایک گھرانا بتاؤں، جو پال دے اس کو تمہارے لئے اور وہ اُس کے خیر خواہ ہوں گے تو پلٹا یا ہم نے اُس کی ماں کی طرف تاکہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور تاکہ وہ جانیں کہ اللہ کا وعدہ سچّا ہے مگر اُن میں سے زیادہ لوگ جانتے نہیں''۔

فارغا کی لفظ کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے ''بے تاب'' یہ ایک تشریح کے مطابق ہے [۳] دوسری تشریح ایک ہے [۴] جس کے لحاظ سے یہ معنی ہوں گے کہ اُن کا دل (موسیٰ علیہ السلام کے تصور میں) محو تھا، تیسری تشریح [۵] کے مطابق فارغ کے معنیٰ ''بے فکر'' کے ہوتے ہیں کیوں کہ وحی ربّانی سے انہیں بچّہ کی سلامتی اور پھر واپسی کا یقین ہو گیا تھا مگر بعد کے جملہ سے کہ اللہ اُن کا دل مضبوط نہ کرتا تو وہ اُسے نمایاں کر دیتیں، پہلے مفہوم کو زیادہ

---

[۱] برگرفتند آن را اہل خانہ فرعون (شاہ ولی اللہ)

[۲] قال ابن عباس: انّ اصحاب فرعون لما علموا بموسیٰ جآءوا لیقتلوہ فمنعتھم وقالت لفرعون: قرّت عین لّی ولك (مجمع البیان)

[۳] خالی از صبر (شاہ ولی اللہ) خالی صبر سے (شاہ رفیع الدین)

[۴] ای خالیا من کلّ شیء الّا من ذکر موسیٰ ای صار فارغا لہ عن ابن عباس و قتادۃ و الضحاك (مجمع البیان)

[۵] قیل فارغا من الحزن لعلمھا بانّ ابنھا ناج (مجمع)

www.kitabmart.in

قوت حاصل ہے۔

یہ انتظام قدرت تھا اُنہیں اُن کی والدہ تک دوبارہ پہنچانے کا کہ القائے ربّانی سے وہ کسی انا کی طرف رُخ نہ کرتے تھے، اس باطنی ہدایت کو جس کی بنا پر وہ کسی دودھ پلانے والی کی طرف رُخ نہ کرتے تھے، خالق نے یوں تعبیر کیا ہے کہ ''ہم نے اُن پر اناؤں کو پہلے سے حرام کر دیا تھا۔ یہ ایک طرح کا حکم تکوینی تھا، نہ کہ حکم تکلیفی جو سن وسال سے تعلق رکھتا ہو۔[1]

ہمارے نزدیک یہ جملہ صریحی ثبوت ہے اس کا کہ وہ پہلے کی سب باتیں کہ تم ان کو دودھ پلاتی رہو اور جب خطرہ قریب ہو تو دریا میں ڈال دینا اور ڈرنا نہیں اور رنجیدہ نہ ہو۔ ہم اُسے پھر تم تک پہنچا دیں گے اور اُسے آگے چل کر رسول بنائیں گے............ یہ سب ذہنی تصورات قلبی خطورات نہ تھے جیسا کہ بعض کا تصور ہے بلکہ وہ سب خداوندی پیغام تھے جو اُن تک کسی ذریعہ خاص سے پہنچائے گئے تھے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسۡتَوٰۤى اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا وَّعِلۡمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۴﴾

''اور جب وہ شباب کی منزل تک پہنچے اور پورے قد و قامت پر آ گئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا اور اسی طرح ہم صلہ دیتے ہیں نیک اعمال افراد کو''۔

حکمت اور علم کا عطا کرنا قرآن مجید میں نبوّت عطا کرنے کی ایک تعبیر ہے جس کی صراحت بعض قدیم مفسرین کے کلام میں موجود ہے مگر یہاں پر جلالین نے یہ اضافہ کیا ہے کہ:

قبل ان یجعله نبیّا: قبل اس کے کہ وہ نبی بنائے جائیں۔

یہ شاید اس بنا پر ہے کہ نبوّت تو اُس وقت ملی ہے جب وہ آگ لینے گئے تھے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

خدا کے دین کا موسیٰ علیہ السلام سے پوچھیے احوال
کہ جائیں آگ کو لینے پیمبری مل جائے

مگر یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ حکمت اور علم کا عطا کرنا نبوّت کے منصب ہی کی تعبیر ہے اور وہ مصر سے نکلنے کے پہلے نبی ہو چکے تھے اور واپسی میں جب آگ لینے گئے تو وہ رسالت کے منصب پر فائز کئے گئے جیسا کہ ہمارے یہاں کی بعض دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوّت کا منصب رسالت کی منزل سے فروتر ہے، پھر بھی آیت کے آخری فقرہ كذٰلك نجزی المحسنین سے یہ ثابت ہے کہ اُس کے پہلے بھی حسن عمل اُن کی زندگی کا وصف تھا اور جلالین کی بھی وہ تشریح اس حیثیت سے بیش قیمت ہے کہ خالق کے اس ارشاد کے بعد کہ اُن کو ہم نے علم وحکمت عطا کر دیا، اُن کے اُس عمل کو جو اس کے بعد ہی مذکور ہے کہ اُنہوں نے ایک مومن کی حمایت کرتے ہوئے قبطی کو مارا جس سے وہ مر گیا، کوئی ایسا عمل نہیں سمجھا جا سکتا جو شانِ نبوّت کے خلاف ہو اور پھر آخری جملہ: كذٰلك نجزی المحسنین اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں حسن عمل منصب الٰہی کا نتیجہ نہیں ہوتا کہ چونکہ وہ نبی ہو گئے اس لئے معصوم ہیں بلکہ اُن کا منصب حسن عمل مرتب ہے کہ چونکہ وہ معصوم ہیں، اس لئے اللہ نے نبی بنایا ہے اور جزء کا مفہوم یہاں ان کی صلاحیت ذاتی کے تقاضا کو پورا کرتا ہے۔

---

[1] فهٰذا تحریم منع لاانّ هناك نهیا عن الفعل (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫
هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ
مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ
عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ
هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا
لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

''اور وہ شہر کے اندر گئے ایسے وقت جب وہاں کے لوگوں کو خبر نہ تھی تو وہاں دیکھا دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے، یہ اُن کے دوستوں میں سے تھا اور یہ اُن کے دشمنوں میں سے تو اس نے جو اُن کے دوستوں میں سے تھا فریاد کی اُن سے اُس کے خلاف جو اُن کے دشمنوں میں سے تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اُسے گھونسا مار دیا تو اس نے اس کا فیصلہ کر دیا، کہا یہ شیطان کی کارستانی کا نتیجہ ہے، بلا شبہ وہ کھلا ہوا گمراہ کرنے والا دشمن ہے، کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اب تو مجھے بخش دے تو اُس نے اُنہیں بخش دیا، بلا شبہ وہ بڑے بخشنے والا ہے، بڑا مہربان، کہا اے میرے پروردگار! اس بنا پر کہ تو نے مجھے اپنی نعمت سے نوازا ہے میں کبھی گنہ گاروں کا پشت پناہ نہیں ہوں گا۔''

قبطی کے قتل کا واقعہ:

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ''موسیٰ علیہ السلام نے اُسے گھونسا مار دیا تو۔۔۔اس نے اس کا فیصلہ کر دیا'' اس سے ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصد اس قبطی کی جان لینے کا نہ تھا بلکہ بس گھونسا ہی مارا تھا، اب وہ گھونسا ہی رہتا تو اس میں زیادہ اہمیت پیدا نہ ہوتی، ایک وقتی بات تھی جس سے اُس اسرائیلی کو تقویت ہوجاتی اور وہ قبطی گھبرا کے بھاگ جاتا مگر ایک گھونسے ہی میں وہ آدمی جو ایک دم ختم ہو گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معاملہ کی نزاکت کا احساس ہوا کہ اب یہ بات فرعون تک ضرور پہنچے گی اور اس کے نتیجہ میں دیکھئے کیا ہوتا ہے؟

اُس کے مرجانے پر جو فوراً اضطراری کیفیت جناب موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوئی، وہ خود اس کا ثبوت ہے کہ یہ اُن کا مقصود نہ تھا، ورنہ اُن کو اپنی کامیابی پر خوش ہونا چاہیے تھا۔ اب عمل شیطان جو کہہ رہے ہیں وہ اس غیرارادی نتیجہ کو یعنی گھونسا مارنا تو میرا کام تھا، مگر اُس کا اتنا مہلک ہونا، یہ غیرارادی بات ہے، جو شیطان کی کارستانی ہی کہی جا سکتی ہے۔

اسی اضطراب میں انہوں نے خالق سے یہ مناجات کی۔ یہ اندیشہ کسی عذاب اخروی یا غضب الٰہی کا نہ تھا بلکہ فرعون کے عتاب کا اندیشہ تھا جسے سمجھنا چاہیے کہ حکم تقیہ کی مخالفت تھی جو قہری طور پر اُن سے سرزد ہوگئی تھی جس کے لئے اللہ سے بخشش کے طلب گار تھے۔ غور کیا جائے تو یہاں

www.kitabmart.in

بخشش کا مطلب خالق کی طرف سے اُس کے نتائج بد سے بچانے کا انتظام تھا اور چونکہ قانون الٰہی کی خلاف ورزی کا سنگین جرم نہ تھا اس لئے فوراً ہی اللہ نے اپنی بخشش کا اعلان فرما کر فرعون کے ساتھ سے جو اندیشے جناب موسیٰ علیہ السلام کو ہو سکتے تھے اُن سے حفاظت کو اپنے ذمے لے لیا۔

اب ایک ضمنی بات اس مقام پر قابل توجہ ہے، وہ یہ کہ انبیاء اور اہل ولایت کے دوست کی تعبیر قرآن مجید نے لفظ "شیعہ" کے ساتھ کی ہے جس میں مخالفین اکثر کچھ ذم کے پہلو نکالنے کی کوشش کرتے رہے ہیں مگر قرآنی اصطلاح کے اعتبار سے وہ قابل فخر لقب ہے اور اس لئے آئمہ اہل بیت علیہم السلام نے اس پر اپنے شیعوں کو مبارک باد دی ہے۔[1]

اس سے یہ تلخ نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے کہ جسے رسولؐ و آل رسول علیہم السلام کے شیعہ ہونے سے انکار ہو، اسے پھر ان کے "عدوّ" ہونے کا تمغہ قبول کرنا ہوگا کیوں کہ قرآن نے من شیعتہ کے مقابل کی صفت من عدوہٖ قرار دی ہے اور کوئی نہیں۔

فَاَصۡبَحَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسۡتَنۡصَرَہٗ بِالۡاَمۡسِ یَسۡتَصۡرِخُہٗ ؕ قَالَ لَہٗ مُوۡسٰۤی اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّبۡطِشَ بِالَّذِیۡ ہُوَ عَدُوٌّ لَّہُمَا ۙ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اَتُرِیۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِیۡ کَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًۢا بِالۡاَمۡسِ ٭ۖ اِنۡ تُرِیۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ جَبَّارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا تُرِیۡدُ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ ﴿۱۹﴾

دوسرے دن صبح کو نکلے وہ اُس شہر میں خوف زدہ، نتیجہ کے منتظر، ایک دفعہ دیکھا کہ جس نے کل اُن سے مدد طلب کی تھی، وہی پھر اُن کو چیخ چیخ کر مدد کے لئے پکار رہا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا تو بلا شبہ کھلا ہوا گمراہ ہے۔ اب جو انہوں نے چاہا کہ حملہ کریں اُس پر جو اُن دونوں کا دشمن تھا تو اُس نے کہا کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کرو جس طرح کل ایک آدمی کو قتل کیا؟ تم نہیں چاہتے سوا اس کے کہ سرکش ہو کر رہو دنیا میں اور تم اصلاح کرنے والے نہیں ہونا چاہتے"

یہ کس نے کہا؟ بظاہر جس پر حملہ کرنا چاہا تھا، اُسی نے کہا جس سے پتہ چلا کہ کل کے اُس شخص کے قتل ہو جانے کا راز کھل چکا ہے لیکن شاہ ولی اللہ نے ترجمہ میں لکھا ہے "گفت فریاد کنندہ۔"

اور حاشیہ پر لکھا ہے: یعنی چوں موسیٰ اورا غوی مبین گفت دانست کہ غضب کردہ بر سر من می آید۔

یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو "کھلا ہوا گمراہ" کہا تو اس نے جانا کہ وہ غصّہ کرتے ہوئے میرے سر پر آرہے ہیں۔

اور ان کے پہلے جلالین نے لکھا ہے:

---

[1] روی ابو بصیر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام انہ قال لیھنئکم الاسم قال قلت وما الاسم؟ قال "الشیعۃ" اما سمعت اللہ سبحانہ یقول: فاستغاثہ الّذی من شیعتہ علی الّذی من عدوّہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

قال المستغيث ظاناً انّه يبطش به لمّا قال له۔

جس نے فریاد کی تھی، اس نے یہ کہا اُس گمان پر کہ یہ اُس پر حملہ کررہے ہیں چونکہ انہوں نے کہا ”تو بلاشبہ گمراہ ہے۔“

جناب شیخ الطائفہؒ نے انکشاف کیا ہے کہ یہ اصل میں جناب ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی مدد کے لئے چلے تھے، اس نے اس غلط فہمی پر کہ یہ اُس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، یہ جملہ کہہ کر راز فاش کر دیا۔

بہرحال جس طرح ان آیات کا مفہوم اس مقام پر سمجھا جاتا ہے، اُس میں ایک بات نا قابل فہم معلوم ہوتی ہے یا یوں کہا جائے کہ ان کڑیوں کا باہمی تسلسل دشوار محسوس ہوتا ہے، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر کہ وہی اسرائیلی جو کل ایک شخص سے لڑ چکا ہے اور جس کی حمایت میں اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پریشانی میں مبتلا ہوئے ہیں، آج پھر دوسرے آدمی سے جو فرعون کے قبیلے والا ہے، لڑ رہا ہے، یہ سمجھ گئے کہ فسادی یہی اسرائیلی ہے اور اس لئے اس سے کہا: اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيۡنٌ ”تو کھلا ہوا گمراہ ہے“ یعنی لڑاکا ہے کہ ایک ایک سے لڑتا ہے۔ اب پھر اُنہوں نے ارادہ کیا کہ جو اُن دونوں کا دشمن ہے اور بلاشبہ اس سے مراد وہی قبطی ہے جس سے وہ اسرائیلی آج لڑ رہا ہے، اس پر حملہ آور ہوں، کیوں؟ جب کہ ان کے نزدیک یہ ثابت ہو گیا کہ یہی اسرائیلی فسادی ہے اور اُسی کی روز گزشتہ حمایت کرنے سے وہ پریشانی میں مبتلا ہیں تو وہ اب اس قبطی پر حملہ آور ہونے کے لئے کیوں آگے بڑھے؟ اس لئے یہاں علاّمہ طبرسیؒ کی تشریح درست معلوم ہوتی ہے کہ اُن کی باہمی آویزش کو دیکھ کر اس اظہار کے بعد کہ وہی اسرائیلی مفسدہ پرداز ہے، اب وہ آگے اس لئے بڑھے تھے کہ اُس قبطی کو اُس اسرائیلی سے الگ کر کے بیچ بچاؤ کر دیں مگر چونکہ انہوں نے اسرائیلی کو زور سے ڈانٹا تھا، اس لئے وہ یہ سمجھا کہ یہ مجھ پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور اس نے وہ جملہ کہہ کر کل کے قتل کا راز فاش کر دیا اور بات فرعون تک پہنچ گئی جس پر انہوں نے اُن کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔

علاّمہ طبرسیؒ نے اس قول کی نسبت کہ یہ جملہ کہنے والا اسرائیلی تھا۔ جناب ابنِ عباسؓ اور دوسرے مفسرین کی طرف دی ہے اور دوسرے قول کو کہ جملہ قبطی نے کہا تھا بطور قول شاذ کے نقل کیا ہے۔ [1]

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنۡ اَقۡصَا الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡعٰى قَالَ يٰمُوۡسٰٓى اِنَّ الۡمَلَاَ يَاۡتَمِرُوۡنَ بِكَ لِيَقۡتُلُوۡكَ فَاخۡرُجۡ اِنِّىۡ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيۡنَ ۝٢٠

”اور آیا شہر کے آخری حصّے سے ایک شخص دوڑتا ہوا، اس نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! تمام بڑے آدمی تمہارے خلاف سازش کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر دیں تو تم باہر نکل جاؤ، یقیناً میں تمہارے خیرخواہوں میں سے ہوں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف و دہشت کے عالم میں مصر سے نکلنا:

بعض کا خیال ہے کہ یہ وہی ”مومن آل فرعون“ تھا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ہے بلکہ سورہ اسی کے عنوان پر معنون

---

[1] عن ابن عباس و اکثر المفسرین و قال الحسن هو من قول القبطی (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

ہے "سورۃ المؤمن" حالانکہ اس کے اصل نام میں اختلاف ہے[1] مگر نام کی کیا اہمیت ہے۔ اصل تو کام ہے جو اس نے انجام دیا اور وہ اس کے مکمل ایمان نہیں تو بڑی حد تک خدا ترسی کی دلیل تو ہے ہی۔

فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝۲۱

"اور جب نکلے وہ وہاں خوف زدہ، نتیجہ کے منتظر کہا اے میرے پروردگار مجھے چھٹکارا دے اس ظالم جماعت سے۔"

الفاظ آیت سے جناب ابن عباسؓ کی یہ تشریح بالکل درست معلوم ہوتی ہے کہ مصر سے نکلتے وقت جناب موسیٰ علیہ السلام کو راہ معلوم نہ تھی کہ کدھر جائیں تو منزل تک پہنچیں گے[2] بلکہ میں الفاظ آیت سے یہ محسوس کرتا ہوں کہ ان کے پیش نظر کوئی منزل تھی ہی نہیں، جدھر انہیں جانا ہے، وہ بس اللہ کے بھروسے پر نکل کھڑے ہوئے تھے اور نصب العین صرف اس وقت فرعون کے شکنجے سے نکلنا تھا اور یہی وہ مناسبت ہے جس کے لحاظ سے امام حسین علیہ السلام طلب بیعت کے بعد جب مدینہ سے نکلے ہیں تو آپ اس آیت کے تلاوت فرما رہے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ مدینہ سے یہ منصوبہ بنا کر نہیں نکلے تھے کہ آپ کو کوفہ جانا ہے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلۡقَآءَ مَدۡيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىۡۤ اَنۡ يَّهۡدِيَنِىۡ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ۝۲۲ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدۡيَنَ وَجَدَ عَلَيۡهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسۡقُوۡنَ ۫ وَوَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمُ امۡرَاَتَيۡنِ تَذُوۡدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطۡبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسۡقِىۡ حَتّٰى يُصۡدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوۡنَا شَيۡخٌ كَبِيۡرٌ ۝۲۳ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَىَّ مِنۡ خَيۡرٍ فَقِيۡرٌ ۝۲۴

"اور جب وہ مَدۡيَنَ کی طرف روانہ ہوئے تو کہا امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھے راستے کی طرف لے جائے گا اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو پایا اس پر ایک جماعت کو آدمیوں کی کہ وہ مویشیوں کو پانی پلا رہی ہے اور ان سب سے الگ دو (۲) عورتوں کو پایا کہ وہ الگ کھڑی ہیں۔ انہوں نے کہا تم دونوں کی کیا صورت حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس وقت نہیں پلائے جائیں گے جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو پلا کر لے نہ جائیں اور ہمارے باپ بہت سن رسیدہ بوڑھے ہیں تو انہوں نے ان دونوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا، پھر سایہ میں چلے گئے اور کہا اے میرے پروردگار! میں اس کا جو تو مجھ پر نعمت اُتارے، محتاج ہوں۔"

دختران جناب شعیب علیہ السلام کا واقعہ:

ان آیات کے ابتدائی جملہ سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ روانہ تو ہوئے تھے مصر سے بغیر کسی منزل مقصود کے مگر پھر راستے میں انکے ذہن میں مدین کی طرف جانے کا خیال پیدا ہو گیا اور اس القائے ربّانی سے وہ خوش ہوئے کہ ادھر جانے کا نتیجہ میرے لئے اچھا ہوگا۔

---

[1] کان الرّجل حز قیل مؤمن آل فرعون وھو ابن عمّ فرعون و قیل رجل اسمہ شمعون و قیل سمعان (مجمع البیان)
[2] قال ابن عباس خرج موسیٰ متوجّھا نحو مدین و لیس لہ علم بالطّریق الّا حسن ظنّہ بربّہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

"مدین کا پانی"یعنی وہ کنواں جس سے لوگ پانی بھر کے بستی کے اندر لے جاتے تھے اور اپنے مویشیوں کو بھی سیراب کرتے تھے۔
"وہ دو عورتیں الگ کھڑی ہیں" اس کا کیا مطلب؟ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے جانوروں کو پانی پینے کے لئے آگے بڑھنے سے روکتی ہیں تاکہ دوسرے لوگ پلا لیں، تب وہ پانی پلانے کے لئے جائیں جو بحیثیت واقعہ بعد کے خود قرآنی بیان سے جو اُن لڑکیوں کی زبانی ہے، ظاہر ہے اور یہ بھی کہ وہ اپنی بکریوں کو دوسروں کی بکریوں سے الگ ہٹاتی تھیں کہ کہیں وہ اُن میں مل نہ جائیں، بحیثیت واقعہ یہ سب باتیں ٹھیک ہوسکتی ہیں اور ہر ایک موافق میں مفسّر کا قول بھی ہے [1] مگر خود الفاظ قرآنی کی مطابقت کے لحاظ سے قریب تر پہلا ہی مفہوم ہے۔
ما خطبکما جس کا ترجمہ میں نے کیا ہے "تم دونوں کی کیا صورت حال ہے"؟ اس سوال میں دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ تم اپنے مویشیوں کو لئے الگ کیوں کھڑی ہو؟ دوسرے یہ کہ تم عورت ذات ہوکر آخر مردوں کی اس بھیڑ میں مویشیوں کو پانی پلانے کیوں آئی ہو؟ اس کے لئے کسی مرد کو آنا چاہیے تھا، اُن صاحبزادیوں کے جواب میں ان دونوں باتوں کے متعلق وضاحت ہے۔
الگ کھڑے ہونے کا سبب تقاضائے نسوانیت کے ساتھ احساس شرافت ہے کہ اس بھیڑ بھاڑ اور دھکم پیل میں جانا ہماری شان کے خلاف ہے جب یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر لے جائیں، اور بھیڑ ختم ہو، تب ہم پانی پلائیں، چاہے اس میں کتنی ہی دیر کھڑا رہنا پڑے اور مضارع منفی میں جو تجدد و استمرار کا حامل ہے، یہ مفہوم مضمر ہے کہ ہم روز ایسا ہی کرتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور یہ کہ ہم کیوں آئے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے گھر میں مردوں میں بس ہمارے والد ہیں اور وہ بہت بوڑھے ہیں، وہ خود آنہیں سکتے تو پھر کون آئے؟ مجبوراً یہ خدمت ہم کو انجام دینا پڑتی ہے، ضمناً اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ وہ دونوں ناکتخدا ہیں، ابھی اُن کی شادی نہیں ہوئی ہے۔

فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا تَمۡشِىۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ قَالَتۡ اِنَّ اَبِىۡ يَدۡعُوۡكَ لِيَجۡزِيَكَ اَجۡرَ مَا سَقَيۡتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيۡهِ الۡقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفۡ ۚ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝۲۵

"تو آئی ان دونوں میں کی ایک راستہ چلتی ہوئی شرم کے ساتھ، کہا کہ میرے والد تمہیں بلا رہے ہیں تاکہ تمہیں معاوضہ دیں اُس کا جو تم نے ہمارے لئے پانی پلا دیا تو جب وہ اُن کے پاس آئے اور تمام واقعات ان سے بیان کئے تو انہوں نے کہا کہ نہ ڈرو، تم نجات پا گئے اس ظالم جماعت سے"۔

حسب دستور قرآن مجید نے درمیان کی کڑیاں فہم مخاطبین وسامعین پر چھوڑتے ہوئے آگے کی بات بیان کر دی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب جناب موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں کے لئے پانی بھر دیا تو وہ اپنے والد بزرگوار کے پاس خلاف امید اس وقت سے پہلے پہنچ گئیں جس وقت وہ روزانہ پہنچا کرتی تھیں تو انہوں نے پوچھا کہ آج تم جلدی کیوں کر آ گئیں؟ انہوں نے واقعہ بیان کیا، انہوں نے کہا ارے، اس آدمی کو بلا کر لاؤ کہ اس نے ہمارے لئے اتنی زحمت اٹھائی ہے۔ اب ہمیں اس کا کچھ معاوضہ ادا کرنا چاہئے لہٰذا اب ان میں سے ایک جناب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی جس کا اس

---

[1] تمنعان غنمهما من الورود على الماء عن السدى وقيل تذود ان الناس عن مواشيهما عن قتادة وقيل تكفّان غنمهما من ان تختلط بأغنام النّاس عن الحسن (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

آیت میں تذکرہ ہے۔

اب معانی بیان میں جیسے ایک صنعت ہوتی ہے، رد العجز علی الصدر، اس طرح بیان قرآنی میں ہمیں اول بآخر نسبتے وارد کی کیفیت نظر آتی ہے کہ جب جناب موسیٰ مصر سے نکلے تھے تو ان کی کیفیت قرآن میں یہ بیان ہوئی تھی کہ "خائفا یترقب"(خوف زدہ نتیجہ کے منتظر) اور بارگاہ الٰہی میں مناجات تھی رب نجنی من القوم الظالمین پروردگارا مجھے اس ظالم جماعت سے نجات دے، اب ان بزرگوار پیر مرد نے واقعات سن کر جو اطمینان بخش الفاظ کہے وہ اسی ترتیب سے یوں ہیں کہ "لاتخف" (خوف نہ کرو) نجوت من القوم الظالمین" (تم اس ظالم جماعت سے نجات پا گئے)۔

اب مشہور روایت جسے عام طور پر "مسلّمات" کی حیثیت حاصل ہے، وہ تو یہ ہے کہ یہ بزرگوار جناب شعیب علیہ السلام تھے اور چونکہ سرزمین مدین کے نبی کی حیثیت سے قرآن مجید میں بھی جناب شعیب علیہ السلام کا نام آیا ہے، اس سے اس مسلّمے کو تقویت بھی ہوتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے اس واقعہ میں شعیب علیہ السلام کا نام نہیں لیا ہے اور اقوال تفسیر میں ان پیر مرد کے بارے میں متعدد ہیں۔[1] لہٰذا کسی ایک بات کو مسلمات میں سے سمجھنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

قَالَتۡ اِحۡدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ‌ۖ اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّىۡۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اُنۡكِحَكَ اِحۡدَى ابۡنَتَىَّ هٰتَيۡنِ عَلٰٓى اَنۡ تَاۡجُرَنِىۡ ثَمٰنِىَ حِجَجٍ‌ۚ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِكَ‌ۚ وَمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَيۡكَ‌ؕ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكَ‌ؕ اَيَّمَا الۡاَجَلَيۡنِ قَضَيۡتُ فَلَا عُدۡوَانَ عَلَىَّ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوۡلُ وَكِيۡلٌ ﴿۲۸﴾

"اُن میں کی ایک نے کہا "ابا جان! ان کو مزدوری میں رکھ لیجئے بہترین شخص جسے آپ مزدوری کے لئے رکھیں، وہی ہے جو طاقت ور بھی ہو اور امانت دار بھی۔ انہوں نے کہا کہ میں تم سے اپنی دونوں بیٹیوں میں سے اس ایک کا عقد کرنا چاہتا ہوں اس شرط پر کہ تم آٹھ برس تک میری خدمت انجام دو گے، اس کے بعد اگر دس پورے کر دو تو وہ تمہارا احسان ہوگا اور میں تمہیں کوئی ناگوار زحمت نہیں دینا چاہتا، اللہ نے چاہا تو تم مجھے خوش کردار لوگوں میں سے پاؤ گے۔ انہوں نے کہا اچھا یہ میرے اور آپ کے درمیان طے ہے۔ دونوں میں سے جو بھی مدت میں پوری کردوں مجھ پر کوئی الزام نہ ہوگا اور اللہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس کا گواہ ہے"۔

---

[1] قیل کان الشیخ ابو ھما شعیبا و قال الحسن بل کان رجلا مسلما علی دین شعیب اخذ الدین عنه و شعیب مات قبل ذلك و قال قوم انه کان ابن اخی شعیب (تبیان)

www.kitabmart.in

جنابِ شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو:

یہاں دو باتیں بقرینۂ واقعات ذہن میں آتی ہیں: ایک یہ کہ گھر کے اندر یہ چرچا تھا اور ان لڑکیوں کے والد نے لڑکیوں کے علم میں یہ کہا تھا کہ میں ایسا آدمی چاہتا ہوں جو اس پیرانہ سالی میں میری مدد کرے اور اس سے میں ان لڑکیوں میں سے ایک کی شادی کردوں گا، جب ہی اس صاحبزادی کے یہ کہنے پر کہ بس ان کو آپ مزدوری پر رکھ لیجئے، وہ بزرگوار یہ سمجھے کہ یہ ان سے شادی پر تیار ہے اور انہوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اجیر کرنے کی پیش کش کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کی پیش کش کردی۔

دوسرا (۲) امر یہ ہے کہ چونکہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے پاس بلانے کے لئے ایک صاحبزادی گئی تھیں اور وہاں تعبیر ان سے **احدھما** (ان دونوں میں کی ایک) کی لفظ کے ساتھ ہوئی تھی تو یہ **احدھما** کا لفظ جیسے اس ایک صاحبزادی کی طرف اشارہ کے لئے ایک اصطلاح بن گئی یعنی اسی صاحبزادی نے پھر ان کو اس طرف توجہ دلائی کہ انہی کو اجیر بنالیجئے جس سے والد نے محسوس کیا کہ یہ ان کی شریک حیات بننے پر رضامند ہے لہٰذا اسی سے جناب شعیب علیہ السلام نے (یا جوان بزرگوار کا نام ہو) عقد کرنے کے لئے جناب موسیٰ علیہ السلام کے سامنے "ایجاب" کیا اور انہی کے لئے جناب موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے قبول ہوا۔ جس کی طرف ہماری قدیم تفسیر اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے ارشاد سے بھی صحیح رہنمائی ملتی ہے۔[۱]

اس طرح یہ **احدھما** کا لفظ یہاں پر واحد غیر معین کے لئے نہ تھی جو تعین منکوحہ کے منافی ہو بلکہ وہ بسیاق واقعات اس وقت متعین تھی جس کی تعین کے لئے بعد میں کسی تحقیق در یافت کی ضرورت نہ تھی۔

تعجب ہے کہ ہمارے اکابر علماء نے اپنی تفاسیر میں ان دونوں پہلوؤں پر توجہ نہیں فرمائی ہے۔

بہت ممکن ہے کہ ان صاحبزادی کے جناب موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے میں قرآن نے **علی استحیاء** (شرم کے ساتھ) کی لفظ سے جس کیفیت کا اظہار کیا ہے، وہ اسی تصور سے ہو جوان کے ذہن میں موجود تھا کہ انہی کے ساتھ میری شادی ہوگی۔

بہرصورت متعدد مقامات کی طرح قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ ہر دور میں شرافت کا معیار لڑکیوں میں شرم وحیا ہی رہا ہے نہ کہ اس دور کی طرح کوشش کرکے لڑکیوں کو بے شرم و بے حیا بنانا موجودہ دور کے ترقی پسندانہ نظام کی امتیازی خصوصیت ہے۔

قدیم مفسرین میں حسن کی زبانی جس سے غالباً حسن بصری مراد ہیں، اس **علی استحیاء** کے مفہوم کا بہت اچھا تجزیہ وارد ہوا ہے۔
[۲]

فَلَمَّا قَضٰى مُوۡسَى الۡاَجَلَ وَسَارَ بِاَهۡلِهٖۤ اٰنَسَ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ نَارًا ۚ قَالَ

---

[۱] قلت له جعلت فداك ايّتهما زوّجه شعيب من بناته قال الّتی ذهبت اليه فدعته وقالت لابيها يا ابت استأجره انّ خير من استأجرت القوىّ الامين (علی بن ابراهيم) عن صفوان بن يحيیٰ عن ابی عبدالله علیہ السلام قال سئل ايّتهما الّتی قالت انّ ابی يدعوك قال الّتی تزوّج بها (مجمع البيان)

[۲] فو الله ما كانت ولا جة ولا خرّاجة ولكنّها كانت من الخفرات اللّواتی لا يحسن المشی بين ايدی الرّجال والكلام معهم (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ
لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ
الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ
فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ قف
اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ
سُوْٓءٍ ز وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى
فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

"تو جب موسیٰ علیہ السلام اُس مدّت کو پورا کر چکے اور اپنے بیوی بچوں کو لے کر چلے تو طور کی جانب سے ایک آگ محسوس کی، کہا اپنے گھر والوں سے کہ ٹھہروٗ میں نے ایک آگ محسوس کی ہے، شاید میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا کوئی چنگاری آگ کی کہ تم لوگ تاپو تو جب وہاں گئے تو آواز آئی اُس وادی کی داہنی جانب سے اس مبارک سرزمین میں درخت سے کہ، اے موسیٰ علیہ السلام! میں اللہ ہوں تمام جہانوں کا پروردگار اور یہ کہ تم اپنا عصا پھینک دو تو جب انہوں نے اُسے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے جیسے ایک سانپ ہے تو پیٹھ پھرا کر مڑے اور پھر پلٹ کر نہیں دیکھا۔ اے موسیٰ! آگے بڑھو اور ڈرو نہیں، تم محفوظ ہو، اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو۔ وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی برائی کے اور پھر سمیٹ لو اپنے بازوؤں کو خوف سے تو یہ دونوں دلیلیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اُس کے ارکان سلطنت کے سامنے پیش کرنے کے لئے، بلاشبہ وہ بداعمال لوگ رہا کیے ہیں۔"

وادیٔ ایمن:

جناب موسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میں کوئی خبر لاؤں، اس کا مطلب یہ ہے کہ شاید وہاں آگ کے پاس کوئی شخص ایسا ملے جس سے راستہ معلوم ہوجائے اس لئے کہ رات کا اندھیرا بھی تھا، سردی بھی تھی اور وہ راستہ بھی بھول گئے تھے، سمجھ میں نہ آتا تھا کدھر جائیں۔[1]

اُن بزرگوار نے جن کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ جناب شعیب علیہ السلام تھے، آٹھ برس کی لازمی شرط کی تھی اور پھر کہا تھا کہ اگر دس برس پورے کر دو تو یہ تمہاری خوشی سے وابستہ ہے، جناب موسیٰ علیہ السلام نے اُس وقت یہ اقرار کیا تھا کہ بہرحال ان میں سے جو بھی مدّت پوری کر دوں، مجھ پر کوئی الزام نہ ہوگا۔ اب قرآن کے یہ الفاظ ہیں کہ "انہوں نے جب وہ مدّت پوری کر دی۔" اب یہ کونسی مدّت ہے؟ اس کی تعیین قرآن مجید کے الفاظ سے نہیں ہوتی، صحابہ کرام کی دو روایتیں ہیں جو جناب موسیٰ علیہ السلام کی شان کے مطابق ہیں کہ انہوں نے وہی آخری مدّت دس برس والی پوری

---

[1] روی انّہ کان قد ضلّ عن الطّریق (تبیان)

www.kitabmart.in

کی۔[1]

اس آواز کے متعلق جو درخت سے آئی تھی، ہم نے ''مقدمہ تفسیر'' میں کلام الٰہی کی بحث میں تشریح کی ہے کہ وہ جناب باری تعالیٰ کی خلق کی ہوئی آواز تھی۔ بحیثیت اپنے کلام کے جس کا محل وہ درخت تھا، کلام کا محل، نہ کہ اس کے متکلم کا جو کسی محل میں حلول سے اپنے کمال ذات کی بنا پر بری ہے۔[2]

عصا کے سانپ کی شکل اختیار کرنے پر جناب موسیٰ علیہ السلام کی جو کیفیت ہوئی، اس کے متعلق عرض ہے کہ انبیاء عام بشری تاثرات سے بری نہیں ہوتے جیسے بھوک، پیاس، درد۔ یہ کیفیات عام طور سے طبعی اسباب کے ماتحت انسان پر طاری ہوتی ہیں، ویسے ہی ڈر، وحشت، گھبراہٹ کیفیات ہیں، ان کا طاری ہونا بھی بشریت کا تقاضا ہے۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ جیسے کوئی غیر معمولی تقریب ہونے والی ہوتی ہے تو اُس محکمے کی طرف سے اُس کے لئے متعلقہ افراد کو مشق کرائی جاتی ہے جسے ''ریہرسل'' کہتے ہیں۔ اسی طرح چونکہ علم الٰہی میں ان کے لئے ساحروں کی مہم درپیش ہوگی تو اُن کے لئے پہلے پیغام نبوّت کے ساتھ اُس موقع کے لئے تیار کیا گیا چنانچہ اس وقت خود اپنے پھینکے ہوئے عصا کے اژدھا بن جانے سے جو دہشت طاری ہوئی تھی وہ اژدھا بنا، ہاں وہاں جیسا کہ الفاظ قرآن نے ظاہر کیا ہے، اُس وقت ذرا سا خوف پیدا ہوا تھا جب ساحروں کی رسّیاں سانپوں کی طرح حرکت کرنے لگی تھیں مگر اس کے لئے حضرت علی علیہ السلام نے اپنے کلام میں جو نہج البلاغہ میں ہے، فرمایا ہے۔

ما اشفق موسیٰ خیفة علیٰ نفسه وانّما اشفق من غلبة الجهّال ودولة الضّلال:

موسیٰ علیہ السلام نے جو خوف محسوس کیا تھا اپنے لئے نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ کہیں ساحروں کا کرتب خلق خدا کی گمراہی میں شدّت کا باعث نہ ہو جائے۔

اس کی تائید خالق کی اس اطمینان دہانی سے ہوتی ہے کہ:

انّك انت الاعلیٰ نتیجہ میں غالب تم ہی رہوگے

یعنی اس طرح گمراہی کے استیصال کا سامان ہوجائے گا۔

خالق کا یہ ارشاد کہ ''یہ دونوں دلائل ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے ارکان سلطنت کے سامنے پیش کرنے کے لئے'' اس میں مضمر ہے یہ حکم کہ تم یہاں سے سیدھے فرعون کی طرف جاؤ جسے صراحةً دوسری جگہوں پر **اذهب الیٰ فرعون** کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں نقل واقعات میں ایسا تنوع اور گوناگوں انداز بیان ''نقل بالمعنیٰ'' کے جواز کی بہت بڑی دلیل ہیں جس کے نظائر قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں۔

---

[1] روی الواحدی باسنادہ عن ابن عباس قال سألت ای الاجلین قطی موسیٰ قال اوفاهما وابطاهما وبالاسناد عن ابی ذر قال قال رسول الله ﷺ اذا سئلت ای الاجلین قضیٰ موسیٰ فقل خیرهما وابرّهما (مجمع البیان)

[2] فعل الکلام فیها لا انّ الله تعالیٰ کان فی الشجرة لانّه لایحویه مکان ولایحلّ فی جسم (تبیان)

www.kitabmart.in

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿٣٣﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿٣٤﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿٣٥﴾

''کہا پروردگار! میں نے اُن میں سے ایک کو مار ڈالا تھا تو ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں اور میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ زبان کے فصیح ہیں تو انہیں میرے ساتھ بھیج مددگار بنا کر کہ وہ میری تصدیق کریں۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔ ارشاد ہوا کہ ہاں! ہم تمہارے بازو کو مضبوط کریں گے تمہارے بھائی کے ساتھ اور ہم تم دونوں کو غلبہ عطا کریں گے تو ہماری طرف کی نشانیوں کی وجہ سے اُن کی دسترس تم پر نہ ہوگی، تم دونوں اور جو تمہاری پیروی کریں گے، غالب آنے والے ہیں۔''

جناب ہارون علیہ السلام کی بحیثیت گواہ ضرورت:

جناب موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ویسی ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا جو پہلے پارے میں آ چکی ہے کہ ان کی طرف ایسا رسول بھیج جس کے یہ اوصاف ہیں، یعنی یہ نہیں ہے کہ رسول کا انتخاب وتقرر اُن کی دعا سے ہوا ہے بلکہ جو منظورِ قدرت تھا اس کو بالقائے ربانی پیغمبر نے اپنی دعا بنا کر پیش کر دیا۔[1]

جناب موسیٰ علیہ السلام کی اس خواہش سے جواز روئے قرآن ثابت ہو رہی ہے، یہ پتہ چلتا ہے کہ جب جھٹلانے والوں کی کثرت ہو تو کوئی ایک ایسا ضرور ہونا چاہیے جو اُن کے مقابلہ میں رسول کی تصدیق کرے، اس کے لئے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے ساتھ ہارون کو بھیج جو اس مہم کی تکمیل کرے اسی طرح آخری رسول کو بھی جنہیں قرآن مجید نے مثلِ موسیٰ علیہ السلام کہا ہے (کما ارسلنا الی فرعون رسولا) آغاز رسالت سے پہلے ہی لمحہ میں اُس کی تصدیق کے لئے موجود ہو جسے قرآن مجید نے یوں ظاہر کیا ہے کہ:

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ. (ھود۔۱۷)

وہ جو اپنے پروردگار کی طرف سے کھلا ہوا ثبوت حقانیت رکھتا تھا اور اُس کے پیچھے پیچھے تھا ایک گواہ جو اس کا جز تھا۔

اب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثل موسیٰ علیہ السلام تھے تو لازماً گواہ مثل ہارون ہوگا جس پر منطبق ہوتی ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ متفقہ حدیث بھی کہ انت منّی بمنزلۃ ھٰرون من موسیٰ (یعنی) تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی۔

خالق نے دعا قبول فرمائی یعنی جو اُس کا فیصلہ پہلے ہی سے تھا، جس کے مطابق وہ دعا تھی اُس کا اعلان فرمادیا تو مقام حقیقت میں دعا اُس فیصلے پر مبنی تھی اور مقام ظاہر میں خالق کا فیصلہ دعا پر مرتب ہوا لہٰذا وہ اس کی قبولیت قرار پایا، بالکل یونہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا آخری رسولؐ کے

[1] قیل انّ موسٰی ما سأل ذٰلک الّا باذن اللہ لانہ لا یجوز ان یسأل نبی ان یرسل معہ انسانا اٰخر نبیّا (تبیان)

www.kitabmart.in

لئے اورعطائے امامت پر! ومن ذرّیتی کہہ کے اپنی اولاد کے لئے، ان سب کی نوعیت متحد ہے یعنی دعا مشیّت خالق پر مبنی تھی اور نتیجہ کا ظہور دعا پر مترتب ہوا، اس لئے کہنے والے نے ہمارے رسولؐ کے لئے کہا تو غلط نہیں کہا کہ ''دعائے خلیل ونوید مسیحا۔''

بالکل اسی طرح رسولؐ کا حضرت علی علیہ السلام کے لئے دعا کرنا اور آیۂ تطہیر کے نزول سے پہلے جیسا کہ فریقین کی احادیث میں ہے، اہل بیت معصومینؑ کو زیر چادر لے کر بارگاہ الٰہی میں غرض کرنا کہ: اللّٰھمّ ھٰؤلاء اھلی ''پروردگارا! یہ میرے اہل ہیں''۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس کے بعد کہا:

اذھب عنھم الرّجس وطھّرھم تطھیرا۔

ان سے نجاست کو دور رکھ اور انہیں پاک رکھ جیسا پاک رکھنے کا حق ہے۔

اور اس کے بعد آیۂ تطہیر کا نازل ہونا جیسا کہ حدیث کساء کی اس باسند شکل میں ہے جسے ہمارے دوست اور اس وقت ایران کے ایک بزرگ مرجع تقلید آیۃ اللہ سید شہاب الدین مرعشی معروف بہ آقا نجفیؒ نے شائع فرمایا ہے اور اس کے متعدد ایڈیشن ترجمہ کے ساتھ ہندوستان اور پاکستان میں چھپ چکے ہیں۔

''ہماری طرف کی نشانیوں کی وجہ سے ان کی دسترس تم تک نہ ہوگی، یعنی معجزات جو تمہیں عطا ہوئے ہیں، ان سے ان پر ہیبت طاری ہو جائے گی، اس کی وجہ سے وہ تمہارے خلاف کوئی اقدام نہ کرسکیں گے۔ [۱]

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْۤ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

توجب ان کے پاس آئے موسیٰ علیہ السلام ہماری کھلی نشانیوں کے ساتھ تو انہوں نے کہا یہ نہیں ہے مگر گھڑا ہوا جادو اور ہم نے اپنے اگلے باپ داداؤں کے دور میں نہیں سنا اور موسیٰ نے کہا میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور کس کے لئے آخرت کی کامیابی ہوگی، بلاشبہ ظالم لوگ دین اور دنیا کی بہتری نہیں پائیں گے''۔

حسب دستور درمیان کی کڑی واقعہ کی قرآن نے عقل کے حوالے کر دی کہ جب خالق کا فرمان ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل کی اور اب سنو [۲] جب وہ ان کے پاس گئے تو یہ ہوا۔

چونکہ اس کے پہلے فرعون کے ساتھ ملا ئہ یعنی اس کے عمائد سلطنت کا ذکر ہو چکا ہے، اس لئے یہاں بھی صیغے جمع ہی کر کے صرف ہوئے ہیں کہ وہ ان کے پاس گئے۔

---

[۱] ما یجری علیٰ ایدیکما من المعجزات فیخافکما فرعون وقومه لا جلها (مجمع البیان)

[۲] التقدیر فمضی موسیٰ الی فرعون وقومه (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اب جناب موسیٰ علیہ السلام نے کہا، مطلب تو اس کا صاف یہ ہے کہ میرا پروردگار جانتا ہے کہ میں ہدایت پر ہوں اور تم گمراہ، اور حقیقت کے انکار کی بناء پر ظالم ہو، اس لئے نجات نہیں پاسکتے، مگر اس کے بجائے جو حقیقت ہے، وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ میرا پروردگار خوب جانتا کہ کون راہ ہدایت پر ہیں اور کون ظالم ہے اور جو ظالم ہوں، وہ نجات نہیں پاسکتے۔ یہ روادارانہ گفتگو اس پیغمبر کی ہے جسے دنیا نے غیظ وغضب کا پتلا سمجھ رکھا ہے اور اس رواداری کے نمونے قرآن مجید میں بکثرت نظر آتے ہیں جو ہمارے رسالہ "قرآن کا معیار تہذیب اور روادارانہ گفتگو" میں درج ہیں۔ وہی انداز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس کلام میں نظر آرہا ہے۔[1]

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٣٨﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٣٩﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿٤٢﴾

"اور کہا فرعون نے اے عمائد ورؤسا! مجھے تمہارے لئے اپنے سوا کسی خدا کا علم نہیں ہے۔ تو اے ہامان! میرے لئے اینٹوں کا بھٹا لگوا دو اور ایک اونچا قصر بنواؤ، شاید میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کا پتا لگا سکوں اور میں تو انہیں جھوٹوں ہی میں سے سمجھتا ہوں اور اس نے اور اس کی افواج نے دنیا میں ناحق گھمنڈ سے کام لیا اور انہوں نے سمجھا کہ وہ ہماری طرف پلٹ کر نہیں آئیں گے تو ہم نے اس کو اور اس کی افواج کو گرفت میں لے کر دریا میں ڈال دیا تو دیکھو کیسا انجام تھا ظالموں کا اور انہیں ہم نے قرار دیا ایسا پیشوا جو آگ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت میں ان کی مدد نہ ہوگی اور ان کے پیچھے لگادی ہم نے اس دنیا میں لعنت اور روز قیامت وہ بدحال لوگوں میں ہوں گے"۔

فرعون کا ہامان کو فرمان اور آخری انجام:

یوں تو غور کرنے پر سب ہی کو معلوم ہوگا کہ انکار خدا کا سرمایہ لا ادریت اور لاعلمی کے سوا کچھ نہیں ہے مگر خود دّعائے الوہیّت رکھنے والا یہ کہے کہ مجھے اپنے سوا کسی کو خدا کا علم نہیں ہے۔ اس میں اصل خدا کے متعلق تو خیر بس جہل ہی ثابت ہوتا ہے جو نئی بات نہیں ہے مگر ضمناً خود اپنی خدائی کی تو قطعی نفی ہو جاتی ہے کیوں کہ جو واقعی خدا ہو اسے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ پھر خدا کی تلاش کے لئے یہ کوشش وکاوش

[1] هٰذا كما يقال على سبيل المظاهرة الله اعلم بالمحق منّا و المبطل (مجمع)

www.kitabmart.in

کہ ایک اونچا محل تعمیر کیا جائے، یہ وہی مادّہ پرستانہ ذہنیت ہے جس کا مظاہرہ تہذیب وتمدن کی ہزاروں برس کی ترقی کے بلند بانگ دعووں کے ساتھ ماضی قریب میں روس کے وزیر اعظم خروشچوف نے کیا کہ ہم نے اپنے ہوا بازوں کو خلا میں بھیج کر خوب تلاش کر لیا، خدا ہمیں کہیں نہیں ملا، حقیقت کے لحاظ سے فرق ہی کیا ہوا؟ پرانے زمانے کا خروشچوف محل کی چھت پر چڑھ کر ڈھونڈھتا تھا اور اپنے ذوق انکار کو تسلی دے لیتا تھا اور نئے زمانے کے فرعون خلائی جہازوں پر آدمی بھیج کر ڈھونڈھواتے ہیں اور اپنے انکار کی بھوک کو تسلی دیتے ہیں لیکن حقیقی خدا جو ہوتا ہے، وہ مکان میں محدود ہی نہیں لہٰذا وہ جسے ملتا ہے رگِ گردن سے زیادہ قریب مل جاتا ہے اور جسے نہیں ملتا وہ محلوں پر چڑھ کے اور آسمانی خلاؤں کو طے کرنے کے بعد بھی اسے نہیں ملتا، بس تلاش کرنے والوں کی ذہنیت کا پتہ چل جاتا ہے کہ منکرین کی انسانیت ہے ابھی اُس نقطے پر جہاں پرانے زمانے کے فرعون کی تھی۔

''انہیں ہم نے قرار دیا ایسا پیشوا جو آگ کی طرف لے جانے والے ہیں''۔ یہاں قرار دینے کے معنی حکم لگانے اور ایسا جاننے کے ہوتے ہیں جیسے کہا جائے فلاں عالم نے اسے کافر قرار دیا۔

یہاں جناب شیخ طوسیؒ نے کافی بسیط تبصرہ کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ قرار دینے کی چار قسمیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) مقام تخلیق میں ایسا بنانا جیسے ارشاد ہوا:

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ ہم نے رات اور دن کو قرار دیا دو نشانیاں۔ (بنی اسرائیل۔ ۱۲)

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت قرار دیا۔ (انبیاء۔ ۳۲)

(۲) ایک صورت سے دوسری صورت پر کر دینا جیسا کہ ارشاد ہوا:

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا پھر نطفہ کو منجمد خون کی شکل میں لائے۔ (مؤمنون)

(۳) حکم لگانا کہ یہ ایسا ہے، اس کی مثال یہی آیت ہے۔

(۴) کسی کے بارے میں اعتقاد کرنا کہ وہ ایسا ہے جیسے اس نے اسے جاہل قرار دیا یعنی جاہل سمجھا۔ اس کی انہوں نے قرآنی مثال کوئی نہیں دی۔

تعجب علّامہ طبرسیؒ سے ہے کہ انہوں نے تقریباً ہر جگہ تفسیر تبیان کا تتبع کرنے کے باوجود اتنے سیر حاصل تبصرہ کو جو تبیان میں ہے یہاں بطور خلاصہ بھی درج ذیل نہیں کیا ہے بلکہ اپنی طرف سے ایسا مختصر سرسری تبصرہ کر دیا ہے جیسے کہ اس مقام پر جناب شیخ الطائفہؒ کے افادات بالکل ان کے سامنے نہ تھے۔

ہاں ایک بڑا تعجب جناب شیخ سے بھی ہے کہ ایک نمایاں قسم قرار دینے کی انہوں نے چھوڑ دی اور وہ ''عطائے منصب'' ہے جیسے:

(۱) اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ (بقرہ۔ ۳۰) میں زمین میں ایک جانشین قرار دینے والا ہوں۔

(۲) اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ (بقرہ۔ ۱۲۴) میں تمہیں تمام انسانوں کا امام قرار دیتا ہوں۔

(۳) اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ۔ (ص۔ ۲۶) ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ قرار دیا ہے۔

(۴) اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا (بقرہ۔ ۲۴۷) اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔

ان تمام مقامات پر قرار دینے کے معنی اس منصب پر مقرر کرنے کے ہیں لیکن زیر تبصرہ آیت میں جو فرعون وغیرہ کے بارے میں ہے،

www.kitabmart.in

بہر حال قرار دینے کے معنی وہی حکم لگانے کے ہیں۔اس کے سوا کوئی دوسرے معنی اس محل پر منطبق نہیں ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

''اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی بعد اس کے کہ پہلی نسلوں کو فنا کیا بصارتوں کا مجموعہ لوگوں کے لئے اور ہدایت اور رحمت بنا کر شاید کہ وہ نصیحت قبول کریں''۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

''اور آپ تو موجود نہ تھے مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ سے اس معاملہ کو طے کیا اور آپ اُس موقع پر موجود نہ تھے بلکہ ہم نے کتنی نسلیں پیدا کیں اور انہیں طولانی عمریں ملیں اور آپ مَدیَنؔ والوں میں بھی سکونت پذیر نہ تھے کہ ہماری آیات کی آپ تلاوت کرتے ہوں مگر ہم نے رسول بھیجے تھے اور آپ طور کے پہلو میں بھی نہ تھے جب ہم نے آواز دی تھی مگر یہ آپ کے پروردگار کی رحمت ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ کے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ نصیحت قبول کریں''۔

''آپ وہاں نہیں تھے'' اور ''آپ اُس موقع پر حاضر نہ تھے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے آپ کو اطلاعات ملتی ہیں، ورنہ آپ کے پاس ان کے علم کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔[1]

''ان کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ہے'' اس سے مراد پوری عرب قوم نہیں ہے کیونکہ ان کے اسلاف تک حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعہ سے ابراہیمی تعلیمات پہنچے جن کے بقایا آثار اب تک مناسک حج وغیرہ کے ذیل میں موجود تھے بلکہ اب اُن کی اس وقت کی نسل میں جو حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھی عرصۂ دراز سے کوئی خداوندی ہدایت پہنچانے والا نمایاں طور پر نہ آیا تھا۔اسی لئے اس دور کو ''دورِ فترت'' کہتے ہیں۔اب ان میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے جو اپنی عالم گیر رسالت کی فیض رسانی کا آغاز ان سے کر رہے تھے۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ

---

[1] لولا ما اعلمناك به لم تهتد (تبيان) اخبرناك به ليكون لك معجزة (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ
عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ
قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ٙ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا
لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى
مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾

”اور ایسا نہ ہو کہ انہیں کوئی مصیبت آئے اس کی سزا میں جو وہ اپنے ہاتھوں سے کرتے رہے ہیں تو وہ کہیں کہ کیوں نہ تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر بھیجا تو ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں سے ہوتے تو جب ان کے پاس حق ہماری طرف سے آیا تو وہ کہنے لگے کہ کیوں نہ انہیں ویسا ہی ملا جیسا موسیٰ کو ملا تھا، کیا انہوں نے انکار نہیں کیا اس کا جو اس کے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا یہ دونوں جادو ہیں جو آپس میں متفق ہو گئے ہیں اور کہا ہم ہر ایک کے منکر ہیں۔ کہیے کہ پھر تم لاؤ اللہ کی طرف کی کوئی کتاب جو ان دونوں سے زیادہ صحیح راستہ بتانے والی ہو تو میں اس کی پیروی کروں اگر تم سچے ہو۔ اب اگر وہ آپ کی بات نہ مانیں تو جان لیجیے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور کون گمراہ ہو گا زیادہ اس سے کہ جو اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرے اللہ کی طرف کی ہدایت کو چھوڑ کر؟ بلاشبہ اللہ منزل مقصد تک نہیں پہنچاتا ظالم لوگوں کو اور ہم نے ان سے کہنے کا سلسلہ جاری رکھا شاید کہ وہ نصیحت قبول کریں“۔

”ایسا نہ ہو کہ انھیں کوئی مصیبت آئے اس کی سزا میں جو وہ اپنے ہاتھوں سے کرتے رہے ہیں تو وہ کہتے“ یعنی جب ان کے اعمال کی انہیں دنیا میں کوئی سزا ملتی تو وہ اس دنیا میں یوں کہتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روز قیامت جب انہیں سزا ملتی تو وہ یوں عذر پیش کرتے ---- بہر صورت مطلب یہ ہے کہ بغیر خالق کی طرف رہنما کے بھیجے ہوئے خلق خدا پر حجت تمام نہ ہوتی اور انہیں یہ عذر پیش کرنے کا حق ہوتا جیسا کہ چھٹے پارے میں آچکا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (نساء ۱۶۵)

پیغمبر بھیجے ہیں بشارت و انذار کرنے والے تاکہ لوگوں کے پاس پیغمبروں کے بھیجنے کے بعد اللہ کے سامنے کوئی دلیل نہ رہے۔

”یہ دونوں جادو ہیں جو آپس میں متفق ہیں“ یعنی وہ پہلی نازل ہونے والی کتاب اور بعد کی آنے والی۔ ان کی تعیین میں اقوال مفسرین

www.kitabmart.in

مختلف ہیں۔ [۱]

جیسے قرآن مجید کیلئے دس (۱۰) سوروں کے مثل لانے کی دعوت کے بعد کہا گیا تھا:

فَاِلَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰہِ وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾ (ھود)

اگر وہ تمہاری دعوت پر لبیک نہ کہیں (کہ ایسے دس سورے پیش کریں) تو (پھر ان سے کچھ کہنا بےکار ہے) تم لوگ (یعنی جو حق طلبی کی راہ میں ہو) یہ سمجھ لو کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب ہے۔

ویسے ہی یہاں کہا گیا ہے کہ وہ توریت اور قرآنی دونوں کے منکرین ہیں تو اب ہم ان سے کہتے ہیں کہ اچھا ان سے بہتر کی کسی کتاب کا پتہ تم دو جو سرمایۂ ہدایت ہو (اور ظاہر ہے کہ وہ ایسا نہیں کریں گے پھر بھی مانیں گے نہیں) تو اب سمجھ لو کہ ان کا انکار کسی وجہ معقول پر مبنی نہیں ہے۔ وہ صرف ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے اَهۡوَآء اصطلاح قرآنی میں ایسے ہی خیالات کو کہا جاتا ہے جو بے بنیاد ہوں اور جو دھاندلی، تعصّب اور ہٹ دھرمی سے انکار کرے تو پھر اللہ اُس کی ہدایت نہیں کرتا ہے یعنی اس کے بعد وہ ہدایت ربّانی سے کوئی فیض اپنے سوٰا ختیار سے حاصل نہیں کر سکتا، اس لئے یوں سمجھنا چاہیے کہ ہدایت ربّانی اس کے لئے ہے ہی نہیں جس بنا پر قرآن مجید کے لئے شروع سورہ بقرہ میں کہہ دیا گیا ہے ''ھدی للّمتقین'' وہ ہدایت ہے فکر نجات رکھنے والوں کے لئے'' حالانکہ وہ ہدایت تمام انسانوں کے لئے ہے مگر جو اثر پذیر نہیں ہوتے، اُن کے لئے وہ ہدایت نہیں ہے متقین اُس سے اثر لیتے ہیں لہٰذا نتیجتاً وہ اُنہی کے لئے ہدایت بنتا ہے۔ [۲]

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِہٖ ہُمۡ بِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِہٖۤ اِنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّنَاۤ اِنَّا کُنَّا مِنۡ قَبۡلِہٖ مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِکَ یُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَہُمۡ مَّرَّتَیۡنِ بِمَا صَبَرُوۡا وَ یَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴿۵۴﴾ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ اَعۡرَضُوۡا عَنۡہُ وَ قَالُوۡا لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَ لَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ ۫ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ ۫ لَا نَبۡتَغِی الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۵۵﴾

''جنھیں ہم نے کتاب اس کے پہلے عطا کی ہے، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، بلاشبہ یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے ہم تو اس کے پہلے ہی اسلام قبول کیے ہوئے ہیں یہ وہ ہیں جنہیں اُن کا صلہ دُہرا عطا ہوگا اس لئے کہ اُنہوں نے صبر سے کام لیا اور وہ برائی کا بھلائی سے دفعیہ کرتے ہیں اور جب وہ فضول باتیں سنتے ہیں تو ان سے بےاعتنائی اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ تمہیں سلام، جاہلوں سے ہمیں

---

[۱] قال ابن عباس اراد التّوٰرۃ والقرآن وقال الضحاك اراد الانجیل والقراٰن وقال عکرمۃ اراد التّورۃ والانجیل (تبیان)

[۲] قیل انّھم اذلم یھتدوا بھدی اللہ فکانّہ لم یھدھم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

مطلب نہیں ہے۔"

چشم پوشی اور رواداری کی مدح:

یہ ان حقیقت پسند یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے جو قرآن مجید کی حقانیت سے متاثر ہوتے اور بلا توقف اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کے لئے دہری جزاء کا اعلان شاید اس لئے ہے کہ وہ صحیح معنی میں سابق کی کتاب پر بھی ایمان لائے اور اب اسی کے نتیجہ میں اس کتاب پر بھی انہوں نے ایمان اختیار کیا اور چونکہ معرفت حق اور اعلان حق کے تقاضوں پر عمل میں ہمیشہ مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اس لئے ان کے ثواب کے ساتھ ان کے کردار میں صبر کے پہلو کو نمایاں کیا گیا اور بعض مفسرین نے دہری جزاء کی تشریح یہی کی ہے کہ انہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اور صبر سے کام لیا تو دہری جزا ان کے کردار کے دونوں پہلوؤں سے متعلق ہے۔[1]

"ہم تو پہلے ہی اسلام قبول کیے ہوئے ہیں" یعنی جب گزشتہ کتاب سماوی پر ایمان لائے جس میں اس رسول کا صاف صاف ذکر موجود ہے تو اس کتاب پر ایمان کے ساتھ اس رسولؐ کی رسالت کو تسلیم کر لیا جو اب معیار اسلام ہے۔[2]

آخر کی آیت جو بظاہر سلسلہ تنزیل میں قبل سے متصل ہی ہے، اسی برائی کو بھلائی سے دفع" کرنے کی تشریح ہو سکتی ہے یعنی فریق مخالف بیہودہ گوئی اور سخت کلامی کر رہا ہے مگر یہ اس سے چشم پوشی کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ ارے بھئی بحث بے کار ہے، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال اور اتنا ہی نہیں بلکہ ان کو اسلامی سلام کر کے رخصت کرتے ہیں[3] اور یہ خدا حافظی سلام بالکل شیعی طرز پر سلام، سلام علیکم ہی ہے جو آواز اس طرح کہا گیا کہ وہ سن سکتے تھے اور اب جیسے الگ ہٹ کر دل ہی دل میں یا آہستہ یہ کہا کہ لا نبتغی الجاھلین یعنی ہم جاہلوں کو منہ نہیں لگاتے۔ ان سے ہمیں کیا مطلب!

اس سے بڑھ کر رواداری کی تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے؟

"بھلائی سے برائی کا دفعیہ کرتے ہیں" ------ یہ کردار بھی اپنے صحیح محل پر قرآن ہی کی تعلیم ہے[4] جسے دنیا نے "مقاومت مجہول" یا "عدم تشدد" وغیرہ کے ماتحت اختیار کیا لیکن اس کے محل کو پہچاننا ضروری ہے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

"آپ جسے چاہیں، اسے سیدھے راستے پر نہیں لگا سکتے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے پر لگاتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کون ہدایت قبول کرنے والوں ہیں"۔

---

[1] مرّتین احداھما لقبر لھم الطاعۃ و الثانیۃ الصبر علیھا (تبیان)

[2] ذٰلك انّ ذکر النبیّ و القراٰن کان مکتوبا عندھم فی التّوراۃ و الانجیل (مجمع البیان)

[3] سلام متارکۃ لا تحیۃ ای سلمتم منّا من الشتم و غیرہ (جلالین)

[4] ای یدفعون سیّئۃ من اساء الیھم بحسنا تھم (علی بن ابراھیم)

www.kitabmart.in

آخری جملہ نے بتا دیا کہ اللہ کی ہدایت کوئی جبری حیثیت نہیں رکھتی بلکہ یہ جو تعصب وعناد سے خالی ہیں اور طلب حقیقت کی تڑپ رکھتے ہیں، انہی کو وہ اپنی توفیق شامل حال فرماتا ہے اور راہ حق تک پہنچانے کے اسباب فراہم کرتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

جو ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم خود انہیں اپنے راستے دکھاتے ہیں۔(عنکبوت۔۶۹)

اہل سنت کے اکثر مفسرین نے اسے خواہ مخواہ جناب ابوطالب علیہ السلام سے متعلق قرار دیا ہے کہ رسول خداؐ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ ایمان لائیں، اس پر خالق نے یہ ارشاد کیا مگر مذہب حق کے لحاظ سے یہ روایت درست نہیں، اس لئے کہ جناب ابوطالب علیہ السلام شروع دن سے مومن تھے چنانچہ یہاں پر علّامہ طبرسیؒ نے کافی طاقت کے ساتھ اس روایتِ شان نزول کی رد کی ہے۔[۱]

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۷

’’اور انہوں نے کہا کہ اگر آپ کے ساتھ ہو کر اس نظام ہدایت کی پیروی کریں تو ہماری سرزمین سے جھپٹا مار کر ہم کو نکال دیا جائے گا اور کیا ہم ہی نے ان کے لئے مہیّا کیا ہے ایسا امن والا محترم مقام جہاں ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں ہماری طرف کے رزق کی حیثیت سے مگر اُن میں کے زیادہ علم نہیں رکھتے۔‘‘

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:

’’مکّے کے لوگ کہنے لگے کہ ہم مسلمان ہوں تو سارے عرب ہم سے دشمنی کریں۔ اللہ نے فرمایا اب اُن کی دشمنی سے کس کی پناہ میں ہو، یہی حرم کا ادب ہے، اللہ تب بھی پناہ دینے والا ہے۔‘‘ (موضح القرآن)

ہماری تفسیر بھی اسی کے مطابق ہے۔[۲]

جناب شیخ طوسیؒ نے اس میں یہ اضافہ فرمایا ہے کہ باوجود یکہ تم کافر ہو، پھر بھی ہم نے حرم کی برکت سے تم پر نعمتیں ارزانی فرمائی ہیں تو اگر ایمان لے آؤ تو ہم کس طرح تمہیں اپنی رحمت سے محروم کریں گے۔[۳]

علّامہ طبرسیؒ نے اُسے ذرا الفاظ بدل کر تشریح کے ساتھ اس طرح لکھا ہے:

ای اولم نجعل لهم مكّة فی امن وامان قبل هٰذا ودفعنا ضرر النّاس عنهم حتّٰی كانوا فيه فلمّا ذا يخافون زوالا الٰان افلا نقدر علٰی دفع ضرر النّاس عنهم لوا منوا وانّ الايمان والطّاعة اولٰی بألا من والسّلامة

---

[۱] عن ابی عبداللهؑ وابی جعفرؑ انّ ابا طا لب كان مسلما عليه اجماع الا ما ميّة لا يختلفون فيه ولهم علٰی ذٰلك ادلّة قا طعة مر حبة للعلم (تبيان)

[۲] نزلت فی قريش حين دعاهم رسول اللهﷺ الی الاسلام والهجرة قالوا ان نّتبع الهدٰی معك نتخطّف من ارضنا (علی ابراهيم)

[۳] انّا جعلنا الحرم اٰمنا لحرمة البيت مع انّهم كفّار يعبدون الا صنام حتّٰی اٰمنو علٰی انفسهم واموالهم فلو امنو لكان اخرٰی بأن يو منهم الله واولٰی بأن يمكّن هم من مرادهم (تبيان)

www.kitabmart.in

عن حالة الکفر (مجمع البیان)
یعنی کیا ہم نے اُن کے لئے مکہ کو اس کے پہلے امن وامان میں نہیں رکھا اور اُن سے لوگوں کی ضرر رسانی کی دفعیہ نہیں کیا جس سے وہ ابتک وہاں رہے تو اب وہ کیوں یہاں سے ہٹائے جانے سے ڈرتے ہیں؟ کیا ہم اُن سے لوگوں کی ضرر رسانی کو دفع کرنے پر اگر یہ ایمان لے آئیں قادر نہیں ہیں حالانکہ ایمان اور فرماں برداری سے استحقاق امن وسلامتی کا زیادہ پیدا ہوتا ہے بہ نسبت کفر کی حالت کے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور کتنی ہی بستیاں ایسی جو اپنے عیش وعشرت سے اترائی ہوئی تھیں ہم نے تہس نہس کر دیں تو یہ اُن کے مکانات ہیں جو ان کے بعد بھی آباد نہیں ہوئے سوا کم کے اور ہم تھے آخر میں اُس متروکے پر تصرّف رکھنے والے۔"

بَطِرَتْ کا بامحاورہ ترجمہ اترانا ہی ہے جو ہم سے پہلے کیا جا چکا ہے[۱] مگر اس اترانے سے منعم حقیقی کو بھول جانا کفرانِ نعمت ہوتا ہے جو ہماری قدیم تفسیر میں اس کے معنی بتائے گئے ہیں۔[۲]

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

"اور نہیں ہے تمہارا پروردگار بستیوں کو ہلاک کرنے والا جب تک کہ اُن کی مرکزی آبادی[۳] میں کوئی پیغمبر بھیج دے جو اُن پر ہماری آیات کی تلاوت کرے اور ہم نہیں ہیں بستیوں کو ہلاک کرنے والے سوا اس کے کہ اُن کے باشندے مظالم وجرائم کے مرتکب ہوں۔"

یعنی جب تک حجّت الٰہی تمام نہیں ہوتی، بندوں کو استحقاق سزا نہیں ہوتا اور عذاب جب آتا ہے تو وہ اُن کی ارادی بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتا ہے، بلاوجہ نہیں ہوتا۔

یہ اسی اصول عدل کا بیان ہے جس پر کثیر التعداد آیاتِ قرآن میں زور دیا گیا ہے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ

[۱] اترا تی تھیں بیچ معیشت اپنی کے (شاہ رفیع الدین)
[۲] بطرت معیشتها ای کفرت (علی بن ابراهیم)
[۳] امّها ای اعظمها (جلالین) بیچ بڑے شہر اُن کے (شاہ رفیع الدین)

www.kitabmart.in

مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾

’’اور جو چیز تمہیں ملے، وہ زندگانی دنیا ہی کا سرمایہ اور یہیں کی آرائش تو ہے اور جو اللہ کے یہاں ہے وہ بہتر اور زیادہ پائدار ہے، پھر تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے؟ تو کیا وہ جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہے تو وہ اُسے پا کر رہے گا، مثل اُس کے ہے جسے ہم نے اس دنیوی زندگی کا سامان دیا ہے، تو پھر قیامت کے دن اُسے (خدا کے سامنے) حاضر کیا جائے گا۔‘‘

یہ گزشتہ اُن کے جواب کا بظاہر تکملہ ہی ہے یعنی وہ جو کہتے تھے کہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو دوسرے عرب قبائل ہم پر یورش کر دیں گے اور مکّہ سے ہم کو نکال دیں گے، اس کا جواب پہلے تو یہ دیا گیا کہ یہ تمہارا خوف بے بنیاد ہے۔ اللہ ہی اس وقت بھی تمہاری حفاظت کرے گا اور اب ان آیات میں کہا جا رہا ہے کہ اگر بالفرض ایمان لانے سے تمہیں دنیوی نقصان یا تباہی بھی درپیش ہوتی ہے تو آخرت کی نجات کی خاطر وہ کوئی چیز نہیں ہے اُسے گوارا کرنا چاہیے، اور نجات آخرت کے مفاد کو مقدم سمجھا چاہئے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْۤا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾

’’اور جس دن وہ اُنہیں پکارے گا اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے متعلق تم گمانِ باطل رکھتے تھے؟ کہیں گے وہ جن پر عذاب کا حکم نافذ ہو چکا کہ اے ہمارے مالک! یہ ہیں جنہیں ہم نے گمراہ کیا تھا جیسے ہم گمراہ تھے، ویسے ہی ہم نے انہیں گمراہ کیا۔ اب ہم تیری طرف برأت کرتے ہیں۔ یہ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے اور کہا کہ پکارو اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو تو وہ پکاریں گے تو وہ اُن کو جواب دیں گے اور عذاب کو آنکھوں سے دیکھیں گے، کاش وہ ہدایت پاتے۔‘‘

اکثر آیات ہیں جن کے آخر میں لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ، لَوْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ وغیرہ ہے، ان میں یہ اختلاف برابر رہتا ہے کہ میں اس لَو کے معنیٰ ’’کاش‘‘ کے سمجھتا ہوں جس کی نظیریں کلام عرب میں موجود ہیں لہٰذا جملہ اس پر پورا ہو جاتا ہے اور کچھ اس کے جواب میں محذوف ماننے کی ضرورت نہیں رہتی اور اس میں، میں تنہا نہیں ہوں بلکہ میرے موافق اور پہلے کے افراد ہیں[1] لیکن دوسرے مفسرین اکثر اُسے ’’اگر‘‘ کے معنی میں لے کر اُس کے جواب کو محذوف سمجھتے ہیں اور اُس کے لئے اپنے ذہن سے کچھ الفاظ تجویز کر کے انہیں مقدر

[1] کاش ایشاں راہ یاب می بودند (شاہ ولی اللہ) کاش کے وہ ہوتے راہ پانے والے (رفیع الدین)

www.kitabmart.in

مانتے ہیں جس میں اُن کی سمجھ کے اختلاف سے اختلاف بھی ہوتا ہے چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔[1]

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَآ أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُونَ ﴿۶۶﴾ فَأَمَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَعَسَىٰٓ أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿۶۷﴾

''اور جب وہ اُنہیں پکار کر کہے گا کہ کیا جواب دیا تھا تم نے پیغمبروں کو؟ تو اب اس دن خبریں اُن پر تاریک ہوگئی ہوں گی تو وہ آپس میں پوچھ گچھ بھی نہ کرسکیں گے مگر جو اللہ کی طرف لو لگائے تھا اور ایمان لایا تھا اور نیک اعمال کرتا رہا تھا تو اُمید ہے کہ وہ فلاح پانے والوں میں ہوگا''۔

مَاذَآ أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ کا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کیا لبیک کہی تھی تم نے پیغمبروں کے سوال پر یعنی اُنہوں نے جو تمہیں دعوت و ایمان وعمل دی تھی، اُسے تم نے کس حد تک قبول کیا؟ جناب شیخ الطائفہؒ نے یہی مفہوم تحریر فرمایا ہے[2]

دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے کہ پیغمبروں سے سوال ہوگا: مَاذَآ أَجَبْتُمْ ''تمہاری آواز پر کیا لبّیک کہی گئی''؟

ظاہر ہے کہ خداوند عالم کو اپنے علم کے لئے نہ اُن سے دریافت کرنا ہے، نہ ان سے، ہم تو دونوں جگہ کی آیات کو سامنے رکھ کر ایسا محسوس کرتے ہیں جیسے پیغمبروں کا زبان مقال سے نہیں تو ''زبان حال'' سے ایک استغاثہ خالق کریم کی عدالت میں دائر ہے اور اب جیسے یہ مقدّمے کی کاروائی ہے جس میں مستغیث کا بیان بھی لیا جارہا ہے (مَاذَآ أَجَبْتُمْ) اور اب مستغاث علیہم کا بیان لیا جارہا ہے (ماذا اُجبتم) اور ظاہر ہے کہ دنیا میں یہ سوال ہوتا تو کیسی کیسی صفائیاں پیش کرنے کی کوشش ہوتی اور بحث کی جاتی جسے مگر یہ تو قیامت کا ہنگام ہے، اب تو سوا اعجزانہ خاموشی یا مجبورانہ اقرار کے کوئی چارۂ کار نہیں ہے جسے یوں کہا گیا ہے کہ فعميت عليهم النبآ یعنی اب اُن کے لئے کسی سوال وجواب کا موقع ہی نہیں رہا جس کے بعد اُن کے بارے میں عدالت کو فیصلہ سنانا ہوگا جو ظاہر ہے، اس لئے اُس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَٰنَ اللَّهِ وَتَعَٰلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۶۹﴾

''اور آپ کا پروردگار پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور منتخب کرتا ہے۔ اُنہیں کوئی اختیار نہیں۔ پاک ہے اللہ اور بلند ہے اُس سے جو وہ شرک کرتے ہیں، اور آپ کا پروردگار جانتا ہے جو اُن کے سینوں میں چھپا ہے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں''۔

---

[1] لو انّھم کانوا یھتدون فی الدّنیا ماراوہ فی الاخرۃ (جلالین) جواب لو محذوف تقدیرہ لو انّھم کانوا یھتدون...لا عتقدوا انّ العذاب حق (مجمع البیان)

[2] ماذا اجبتم المرسلین فیمادعوکم الیہ من توحید اللہ سبحانہ وعدلہ واخلاص العبادۃ لہ (تبیان)

www.kitabmart.in

خالق کے فیصلے کے خلاف اپنے اختیار کو صرف کرنا ایک طرح کا شرک ہے:

اللہ کے اختیار واقتدار کے مقابلہ میں انسانوں کی جو بے بسی کا اعلان ہے، اُس میں مومن وکافر کی تفریق کے کوئی معنی نہیں۔

اللہ کے اختیار واقتدار کے مقابلہ میں انسان کے حق خود ارادی اور تصور جمہوریت کی مطلق طور پر نفی ہے مگر سواد اعظم کے بعض مفسرین اپنی طرف تشیب محسوس کرتے ہوئے اختیار کی نفی میں مشرکین کی قید لگا دیتے ہیں[1] جس کے یہاں پر کوئی معنی ہی نہیں۔

ہمارے یہاں کی تفسیر یہ ہے کہ اس سے انتخاب امام میں اللہ کے اختیار کا اظہار مقصود ہے۔[2] اور اب ایک آخری جملہ بہت ہولناک ہے یعنی اللہ کے مقابلہ میں اپنا یا کسی کا اختیار ماننا یا جتانا یا اس سے کام لینا ایک طرح کا شرک ہے (پناہ بخدا)

اس کے بعد جو اللہ کے ظاہر وباطن پر حاوی ہونے کا ذکر ہے، وہ اللہ کے اختیار خصوصی کے سبب کا اظہار ہے کہ مخلوق تو ظاہر کو دیکھتی ہے، اس لئے اُس کا انتخاب جو ہوگا، اس میں غلطی کا امکان نہیں ہے۔[3]

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۷۰

''اور وہ اللہ ہے اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، اُس کے لئے سب تعریف ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس کی حکومت ہے اور اُسی کی طرف تم پلٹ کر جاؤ گے''۔

جب حکومت اس کی ہے[4] تو نائب حکومت مقرر کرنا کس کا کام ہونا چاہیے؟ حاکم کا یا رعایا جس پر حکومت ہے؟

گزشتہ اور موجودہ، یہ تینوں آیات نظام حکومت دینی کا پورا اصول مقررہ کر دیتی ہیں، جو حکومت اس کے مطابق ہو وہ صحیح معنی میں ''اسلامی حکومت'' ہوگی۔ خواہ اس کا نام شخصی حکومت رکھا جائے یا جمہوری۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝۷۱ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝۷۲ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ

---

[1] ما کان لھم للمشرکین (جلالین)

[2] یختار اللہ الامام ولیس لھم ان یختاروا (علی بن ابراھیم)

[3] اقام سبحانہ البرھان علی صحۃ اختیارہ (مجمع البیان)

[4] او راست فرماں روائی (شاہ ولی اللہ)

www.kitabmart.in

وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۷۳﴾

''کہیے کہ کیا تم نے غور کیا ہے کہ اگر اللہ رات کو روز قیامت تک کے لئے ہمیشہ قرار دیدے تو کون خدا اللہ کے سوا ہے جو تمہاری طرف روشنی کو لائے؟ تو کیوں سماعت نہیں کرتے ہو؟ کہیے کہ کیا تم نے غور کیا ہے وہ دن ہی کو قیامت تک کے لئے ہمیشہ قرار دے دے تو کون خدا ہے سوا اللہ کے جو تمہاری طرف رات کو لائے جس میں تم آرام کرو تو کیوں دیکھتے نہیں ہو؟ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن قرار دیئے ہیں تاکہ تم اس میں آرام کرو اور (کسب معاش کر کے) اُس کے فوائد کے خواہاں ہو اور شاید کہ تم شکر گزار رہو''۔

یعنی نظام حیات کے لئے اس تنوّع کی ضرورت ہے جو رات اور دن کی شکل میں نمودار ہے اس نظام میں جتنی دن کی اہمیت ہے، اتنی ہی رات کی۔ رات اور دن، دونوں کا ایک ساتھ نام لے کر پھر لف ونشر مرتّب کے طور پر اُن دونوں کے فوائد بیان کیے ہیں، رات تاکہ اُس میں آرام کرو اور دن جس میں کسب معاش کر کے اس کے فوائد کے خواہاں ہو۔[۱]

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴿۷۵﴾

''اور جس دن وہ اُنہیں پکارے گا اور کہے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے متعلق تم گمان باطل رکھتے تھے اور ہم ہر امّت میں سے ایک گواہ لائیں گے تو ہم کہیں گے کہ لاؤ اپنی دلیل تب انہیں معلوم ہوگا کہ حق اللہ کا ہے اور جو کچھ غلط باتیں وہ گھڑتے تھے، سب اُن سے غائب ہوجائیں گی''۔

''ہر اُمت'' یعنی ہر دور کے لوگ اُن میں سے ایک گواہ لایا جائے گا جو خدا کے دیئے ہوئے علم سے اُن سب جو خدا کو دیئے ہوئے علم سے اُن سب کے حال پر حاضر و ناظر ہوگا، جس کے علم اور اُس کے اظہار میں غلطی نہیں ہوسکتی قرآن مجید کی اس آیت سے ایسے کسی گواہ کا ہر دور میں موجود ہونا لازمی ثابت ہوتا ہے۔[۲]

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۤ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ

---

[۱] لانّ اللیل للسکون و النهار للتصرّف و الحرکة(تبیان) لتسکنوا فیه ای فی اللیل و لتبتغوا من فضله ای فی النهار (مجمع البیان)

[۲] هم عدول الآخرة الّذین لا یخلوز مان منهم (تبیان)

www.kitabmart.in

الدُّنۡيَا وَاَحۡسِنۡ كَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ وَلَا تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ‏ ﴿۷۷﴾

''قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا، اس نے ان لوگوں پر بلاوجہ چھا جانے کی کوشش کی اور ہم نے اُسے اتنے خزانے عطا کئے تھے کہ اس کی کنجیاں ایک طاقت ور جماعت سے بھی مشکل سے اٹھتی تھیں جب اُس سے اُس کی قوم والوں نے کہا کہ خوش نہ ہو، یقیناً اللہ خوش ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو اللہ نے تمہیں دیا ہے، اس سے آخرت کا سامان کرو اور اپنا حصّہ دنیا سے بھی نہ بھولو اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ نیک سلوک کیا ہے اور زمین میں خرابیاں پھیلانا نہ چاہو۔ یقیناً اللہ خرابیاں پھیلانے والوں کو دوست نہیں رکھتا''۔

قارون کا کردار اور اس کا انجام:

بغیٰ علیهم کا جو ترجمہ میں نے کیا ہے ''ان لوگوں پر بلاوجہ چھا جانے کی کوشش کی'' یہ جناب شیخ طوسیؒ کی تشریح کے مطابق ہے جسے علامہ طبرسیؒ نے بعینہٖ ''اللغته'' کے زیرعنوان درج کر دیا ہے۔[1] بعض لوگوں نے اس کا مفہوم ظلم و تعدی کا قرار دیا ہے[2] اور ظاہر ہے کہ بلاوجہ چھا جانے کی کوشش بھی ایک ظلم و تعدّی کی حیثیت رکھتی ہے۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِيۡتُهٗ عَلٰى عِلۡمٍ عِنۡدِىۡ‌ؕ اَوَلَمۡ يَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَهۡلَكَ مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مَنۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُ قُوَّةً وَّاَكۡثَرُ جَمۡعًا‌ؕ وَلَا يُسۡـئَلُ عَنۡ ذُنُوۡبِهِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ‏ ﴿۷۸﴾

''اس نے کہا یہ تو مجھے ملا ہے بس ایک علم کی وجہ سے جو میرے پاس ہے اور کیا اُسے یہ علم نہیں کہ اللہ نے اس کے قبل ایسی نسلوں کو ہلاک کر دیا جو اُس سے زیادہ طاقت ور اور زیادہ سرمایہ دار تھیں اور گنہ گاروں سے ان کے گناہوں کے متعلق کچھ پوچھنا نہیں ہے''۔

''یہ مال و دولت مجھے ایک علم کی وجہ سے ملا ہے'' اس کی تشریح میں یہ بہت قرین قیاس ہے جو ہمارے یہاں کی قدیم تفسیر میں وارد ہے کہ وہ فن کیمیا سے واقف تھا اور اسی سے اس نے اپنی دولت بڑھائی تھی[3] اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ علوم دینیہ کا بہت بڑا عالم تھا۔[4] علامہ طبرسیؒ نے اس کے علاوہ بھی اقوال اس کی تشریح میں درج کیے ہیں، مثلاً علم سے مراد فن تجارت سے واقفیت اور اکتساب مال اور

---

[1] انّ البغی طلب العلو بغیر حق ولذا قیل لولاة الجور بغاة (تبیان و مجمع البیان)

[2] تعدی کرد بر ایشان (شاہ ولی اللہ)

[3] کان یعمل الکیمیاء (علی بن ابراھیم)

[4] کان اعلم بنی اسرائیل بالتوراة بعد موسیٰ و ھرون (جلالین)

www.kitabmart.in

فراوانی دولت کے گروں سے واقفیت ہے،اس صورت میں بھی علم خود قارون کی صفت ہوگی جسے اس نے اپنی دولت مندی کا سبب قرار دیا ہے۔
اس کے برخلاف بعض لوگوں نے علم سے مراد اللہ کا علم لیا ہے کہ اس نے میرے اوصاف سے واقفیت کی بناء پر مجھے اس دولت کا حق دار جانا ہے تو کسی دوسرے کو اس میں دخل دینے کا کیا حق ہے،مگر اس صورت میں اوتیتہ کے بجائے جو صیغۂ مجہول ہے اور معنی یہ ہیں کہ ''مجھے دیا گیا ہے'' صیغۂ معروف مثلاً اتانی ربّی ''مجھے میرے پروردگار نے دیا ہے'' زیادہ موزوں ہوتا اور پھر علم بی یا علم عنّی ہوتا جس کے معنی یہ ہوتے کہ اس نے مجھے اس علم کی بناء پر جو میرے متعلق ہے،دولت عطا کی،مگر الفاظ قرآن میں: علیٰ علم عندی: اس کے معنی وہی ہوتے ہیں کہ مجھے ہدایت ملی ہے اس ہنر کے سبب سے جو میرے پاس ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

''تو وہ نکلا اپنی قوم والوں کے سامنے ساز وسامان کے ساتھ،کہا اُن لوگوں نے جو زندگانی دنیا کے طلب گار تھے کہ کاش ہمارے لئے ہوتا ویسا ہی جیسا قارون کو ملا،یقیناً وہ بڑا نصیب والا ہے اور کہا اُن لوگوں نے جنہیں علم عطا ہوا تھا کہ وائے ہو تم پر۔اللہ کے یہاں کا صلہ بہتر ہے اُس کے لئے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرے اور نہیں اس کو پاتے مگر صبر وبرداشت کرنے والے''۔

ہے تو یہ شخصی واقعہ مگر وہ ایک عام کردار ہے دو(۲) قسم کے پست و بلند ذہنیت رکھنے والے افراد کا ہر اُس موقع پر جب وہ کسی انسان کے دنیوی تزک واحتشام پر نظر ڈالیں۔قرآن کہہ رہا ہے کہ اس قسم کا رشک اور ایسی تمنا بے صبری کی دلیل ہے اور ناسمجھی بھی ہے،جو سمجھدار ہیں،وہ اللہ کی عطا پر جو اُنہیں اس دنیا میں ہے شاکر رہتے ہیں اور دوسروں کے جاہ وحشم کو دیکھ کر مرعوب نہیں ہوتے۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ اَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ وَیْكَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ ۚ لَوْ لَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیْكَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

''تو ہم نے غرق کردیا اُسے اور اُس کے گھر والوں کو زمین میں تو اب اللہ کو چھوڑ نے کے بعد کوئی جماعت نہ تھی جو اُس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہی اپنے لئے کچھ کرسکتا تھا اور وہ جو کل اُس کے درجے پر ہونے کی آرزو کررہے تھے، اب کہنے لگے ارے اللہ جس کے لئے چاہتا ہے روزی میں کشادگی کرتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگی کرتا

www.kitabmart.in

ہے۔اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہمیں بھی زمین میں غرق کر دیتا۔ارے اب ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کافر لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے''۔

یعنی دولت مندی فلاح ونجات کی ضامن نہیں اور جسے اُس نے تنگی میں ڈالا ہے، بہت ممکن ہے کہ وہ تنگ دستی اُس کے لئے نعمت ہو اور وہ انجام کے لحاظ سے اُن بڑے دولت مندوں سے ہزار درجے بہتر ہو۔

کانّہ جس کا ترجمہ عموماً ''گویا'' کی لفظ سے ہوتا ہے اور یہاں بھی لفظی ترجمہ ''گویا'' کیا جاسکتا ہے مگر ہم نے اس کا مطلب خیز ترجمہ کیا ہے کہ ''اب ایسا معلوم ہو رہا ہے''۔حالانکہ حقیقت میں یہ ایک یقینی واقعیت ہے کہ کافر لوگ فلاح نہیں پاتے مگر چونکہ یہ جاہل لوگ وہ ہیں جو اس کے پہلے یہ تمنا کرتے تھے کہ وہ قارون ایسے ہوتے تو وہ پہلے اس حقیقت سے کہ اصل معیار فلاح ایمان ہے بالکل ہی غافل تھے بلکہ جیسے یقین رکھتے تھے کہ دولت مندی ہی اصل معیار فلاح ونجات ہے، اب قارون کے انجام کو دیکھ کر اُنہیں کچھ کچھ اپنے پہلے تصور کی کمزوری کا احساس ہوا ہے تو اب وہ شک وتذبذب کی منزل میں آ گئے ہیں اور یوں کہنے لگے ہیں کہ ارے اس مشاہدہ کے بعد تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دولت معیار نجات نہیں ہے بلکہ معیارِ نجات ایمان ہے جس سے کافر لوگ، چاہے وہ دولت مند ہوں، محروم ہیں۔

یہ آخری جملہ کہ ''لا یفلح الکافرون'' ان آیات کے ابتداء میں جو بہت سے الفاظ آئے ہیں، اُن کے ساتھ مل کر اس تصور کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے کہ قارون کا جو انجام ہوا، وہ صرف اس کی دولت کی وجہ سے ہوا جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اسلام مطلق دولت مندی کے خلاف ہے، حقیقت یہ ہے کہ دولت مندی اگر ادائے فرائض اور قولی وعملی طور پر شکر نعم الٰہی کے ساتھ ہو تو وہ کوئی مستوجبِ سزا امر نہیں ہے جب کہ اسی آخری آیت میں صراحتہً موجود ہے کہ کشائش عطا کرنے والا بھی اللہ ہی ہے تو وہ اس پر سزا کیوں دے گا؟! مگر دولت مندی کے ساتھ جب بغی، آخرت فراموشی اور فساد فی الارض اور کفرانِ نعمت کے جرائیم جمع ہوں جن کا مذکورہ آیات میں قارون کے سلسلے میں تذکرہ موجود ہے تو وہ اُس انجام کی مستوجب ہوسکتی ہے جو قارون کا دنیا کی آنکھوں کے سامنے آیا۔

تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِيۡنَ لَا يُرِيۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا ‌ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۸۳﴾

''وہ آخرت کا گھر، اُسے ہم قرار دیتے ہیں، اُن کے لئے جو زمین میں دوسروں پر چھانے کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ فساد اور انجام کی بہتری پرہیزگاروں کے لئے ہے''۔

انجام بخیر اُن کا جو دنیا میں قہر وغلبہ کے درپے نہ ہوں:

اس آیت کو معصومین علیہم السلام نے بڑے اثر انگیز انداز میں اور خود اپنے قلبی تاثرات کے ساتھ وعظ ونصیحت کے موقع پر پیش فرمایا ہے چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کی زبان سے نہج البلاغہ کے ایک کلام کے ذیل میں یہ آیت آئی ہے اور تفسیر علی بن ابراہیم میں اپنی سند متصل کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد حفص بن غیاث سے تخاطب میں درج کیا گیا ہے کہ:

یا حفص ماٰمنزلۃ الدّنیا من نفسی الا بمنزلۃ المتیۃ اذا اضطررت الیھا اکلت منھا.

www.kitabmart.in

اے حفص: دنیا کی حیثیت میرے نزدیک نہیں ہے سوا مردار کے کہ جب اضطراری شکل ہوتو اس میں سے ذرا سا کھالو۔

یاحفص انّ اللہ تبارك وتعالیٰ علم مالعباد یاتون والیٰ ماھم صائرون فعلم منھم عند اعمالھم السّیئة بعلمہ السابق فیھم فلا یغرنّك ترك الطلب ممّن لا یخاف الفوت ثمّ تلا قولة: تلك الدّار الاٰخرة وجعلو یبکی ویقول: ذھبت واللہ الامانی عندھٰذا الاٰیة۔

اے حفص! اللہ تعالیٰ کو پہلے سے معلوم تھا کہ بندے کیا کریں گے اور ان کا انجام کیا ہوگا اس طرح اُن کے برے اعمال اُس کے علم میں تھے تو تمہیں دھوکا نہ ہونا چاہیے، اس کے چھوڑے رہنے سے جسے ہاتھ سے نکلنے کا ڈر نہیں ہے، پھر حضرت نے یہ آیت پڑھی اور گریہ فرمانے لگے اور کہنے لگے بخدا تمام آرزوئیں ختم ہوگئیں اس آیت کے ہوتے ہوئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جسے علامہ طبرسیؒ نے مجمع البیان میں نقل فرمایا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام اپنے دورِ خلافت میں بازاروں میں ایک ایک دوکاندار کو قرآن مجید کی یہ آیت دکھلاتے تھے اور فرماتے تھے، یہ آیت ہر قسم کے اقتدار کے مالک افراد کے لئے خواہ حکام ہوں یا جن کو بھی کسی حلقہ میں کچھ افرادِ انسانی پر بالادستی حاصل ہو، خالق کی طرف کا انتباہ ہے۔ (مجمع البیان)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۸۴

''جو نیک کام کرے، اُسے اُس سے بہتر صلہ ملے گا اور جو بُرا کام کرے تو اُنہیں جو بُرے کام انجام دیتے ہیں، پاداش نہیں ملے گی سوا اُس کے جو وہ کرتے تھے''۔

چونکہ جزاء میں اضافہ کر دینا ظلم نہیں ہے بلکہ کرم و تفضّل ہے جو امر مستحسن ہے اور سزا میں اضافہ ظلم ہے جو قبیح ہے اور خالق کے لئے روا نہیں [1] لہٰذا نیکی کا بدلہ اس سے بہتر ملے گا اور بدی کا بدلہ بس اتنا ہی۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝۸۵ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ۝۸۶ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝۸۷ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝۸۸

[1] لایزاد فی عقابھم علیٰ قدر استحقاقھم بخلاف الزیادة فی الفضل علی الثواب المستحق فانّہ یکون تفضّلا (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

"بلاشبہ وہ جس نے قرآن پہنچانے کا فریضہ آپ کے ذمے عائد کیا، وہی آپ کو واپسی کی منزل پر دوبارہ لائے گا، کہیے کہ میرا پروردگار بہتر جانتا ہے کہ کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون کھلی ہوئی گمراہی میں ہے اور آپ اس کے امیدوار نہیں تھے کہ آپ پر کتاب اتاری جائے۔ یہ تو بس آپ کے پروردگار کی رحمت ہے تو آپ کبھی کافروں کے پشت پناہ نہ بنئے گا اور وہ آپ کو روکیں نہ اللہ کی آیات سے بعد اس کے کہ وہ آپ پر نازل ہو چکی ہیں اور دعوت دیجئے اپنے پروردگار کی طرف اور مشرکوں میں شامل نہ ہوجیے اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو نہ پکاریئے۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوا اُس کے چہرے کے۔ اُسی کی حکومت ہے اور اُسی کی طرف تم لوگوں کو پلٹ کر جانا ہے۔"

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مرکز کی طرف واپسی کی اطمینان دہانی:

معاد واپسی کی منزل سے مراد بظاہر مکہ معظمہ ہے جس سے جدائی کا حضرت کو صدمہ تھا[1] مگر ایک تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد آخرت ہے۔[2] آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی تفسیر میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اس سے مراد اسی دار دنیا میں ان حضرات کا دوبارہ پلٹنا ہے جسے **رجعت** کہتے ہیں[3] لیکن جناب شیخ الطائفہؒ نیز علامہ طبرسیؒ نے متعدد اقوال درج کرنے کے باوجود اسے نہیں لکھا ہے۔[4]

شروع کی آیت کے بعد جو آیات ہیں، جن کے متعلق یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مقام تنزیل میں یونہی متصل تھیں، ان میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مخاطب رسولؐ ہوں اور مقصود دوسروں کی تنبیہ ہو اور ہم نے اتصال کی وجہ سے اسی لحاظ سے ترجمہ میں "آپ" کی لفظ کے ساتھ تخاطب کیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خطاب مخاطب غیر معین سے ہو جیسا کہ اکثر آیات میں ہمارے نزدیک قطعاً ایسا ہی ہے۔ اس صورت میں میرے عام دستور کے مطابق ان آیات میں ضمیر خطاب کا ترجمہ آپ کے بجائے "تم" کے ساتھ ہوگا۔

بہر حال آخر میں جمع کا صیغہ **تُرجعون** تم کو پلٹ کر جانا ہے، اس کی دلیل ہے کہ مقصود عام مسلمانوں ہی کو متنبہ کرتا ہے، ذات رسول مقصود نہیں ہے۔[5]

---

[1] الیٰ مکّۃ وکان قد اشتاقھا (جلالین) یہ آیت اتری ہجرت کے وقت، یہ تسلی فرمائی کہ پھر مکّے آؤ گے (موضح القرآن)

[2] یعنی آخرت (فتح الرحمن)

[3] عن علی بن الحسین علیہ السلام یرجع الیکم بنیکم و امیر المومنین و الائمہ علیہم السلام (علی بن ابراھیم)

[4] قال الحسن معناہ الی المرجع یوم القیمۃ و قال مجاھد الی الجنّۃ و قال ابن عباس الی الموت و فی روایۃ اخریٰ عن ابن عباس الیٰ مکّۃ و الاظھر من الاقوال لو ادّك الیٰ معاذ فی النشاۃ الثانیۃ الی الجنّۃ (تبیان)

[5] و ان کان الخطاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فالمراد غیرہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ

مکیّہ ۔۔۔۔۔۶۹۔۔۔۔۔آیات

چونکہ اس سورہ میں ایک آیت اس مضمون کی ہے کہ کافروں کے بنائے ہوئے منصوبے کبیت العنکبوت ''مکڑی کے جالے کی طرح ہیں'' وانّ اوھن البیوت لبیت العنکبوت ''اور تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور مکڑی کا گھر ہوتا ہے''۔ اس کی مناسبت سے اس سورۃ کا نام عنکبوت یعنی مکڑی کی طرف نسبت دے کر ہو گیا۔

سورۂ عنکبوت کے خاص خاص مضامین:

۱............ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کا حکم لیکن اگر وہ توحید واطاعت الٰہی کے تقاضوں میں سدّ راہ ہوں تو پھر ان کی اطاعت حرام۔

۲............جناب نوح علیہ السلام کا ساڑھے نو برس تبلیغ کرنا، پھر طوفان کا آنا۔

۳............جناب ابراہیم علیہ السلام کی دعوت حق اور قوم کا ظالمانہ رویّہ۔

۴............متعدّد اقوام پر مختلف قسم کے عذابوں کا یکجائی تذکرہ۔

۵............قبل بعثت پیغمبر خدا کی زندگی میں بعد بعثت آپ کی حقّانیت کا پس منظر۔

۶............اصل آیات قرآنی صفحۂ کاغذ پر نہیں بلکہ خاص اہل علم کے سینوں میں ہوتی ہیں۔

۷............حرم الٰہی کا مثالی امن خدا کی قدرت کی نشانی۔

۸............جو اللہ کی راہ میں جدّ وجہد کرتے ہیں اللہ خود انہیں اپنے راستے دکھاتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

الٓمّٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ۞ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَيَـعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡكٰذِبِيۡنَ ۞

''الف۔ لام۔ میم۔ کیا لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے بس اتنا کہنے پر کہ ہم ایمان لائے اور اُن کی آزمائش نہیں ہوگی؟ حالانکہ ہم نے آزمائش میں ڈالا انہیں جو ان کے پہلے تھے تو اب بھی اللہ ضرور معلوم کرے گا انہیں جو سچے ہیں اور معلوم کرے گا جھوٹوں کو''۔

www.kitabmart.in

”معلوم کرے گا“ کئی طرح کے الفاظ پہلے کئی جگہ آ چکے ہیں اور اُن کی تشریح کی جا چکی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ امتیاز عملی حیثیت سے وقوع میں آ جائے اور چونکہ علم بر بنائے واقعہ ہوتا ہے۔ لہٰذا علم الٰہی کا اس کے مطابق ثبوت سامنے آ جائے لیکن اگر یہ امتیاز وقوع میں آیا ہی نہیں تو وہ علم الٰہی میں بھی کیوں ہوگا اس لئے کہ علم خلاف واقعہ تو ہو نہیں سکتا۔

شاہ ولی اللہ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اس طرح کہ **فلیعلمنّ اللہ الّذین صدقوا والیعلمن الکٰذبین** کا ترجمہ کیا ہے: ”البتّہ متمیز نکند خدا آنان را کہ راست گفتند و البتہ متمیز کند دروغ گویان را۔“

شاہ رفیع الدین نے ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ ”البتہ ظاہر کر دے گا اللہ ان لوگوں کو جو سچ بولے اور اللہ ظاہر کرے گا جھوٹوں کو۔“

جلالین نے **فلیعلمنّ اللہ** کے تحت میں تشریحی ضمیمہ لگایا ہے **علم مشاھدۃ** اس کا مطلب یہ ہے کہ وقوع کے قبل بھی اللہ کو علم ہے مگر وہ علم غیب ہے اور جب وقوع میں آ جائے گا تو وہ علم شہود ہو جائیگا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت سب کے ذہن میں ایک ہے، تعبیریں مختلف ہیں اور اس لئے میرا نظریہ یہ ہے کہ **فلیعلمن اللہ** کا ترجمہ تو وہی ہونا چاہیے جو اس کے لفظی معنی ہیں یعنی اللہ معلوم کرے یا اللہ جانے اور ان باتوں کو تشریحی حیثیت سے کہنا چاہیے کہ اس معلوم کرنے اور جاننے کا مطلب کیا ہے؟

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۴﴾

”کیا سمجھے ہوئے ہیں وہ جو بُرے کام کرتے ہیں کہ وہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے؟! کتنا بُرا ہے وہ حکم جو وہ لگاتے ہیں۔“

”ہمارے قابو سے نکل جائیں گے۔“ اس کے لئے جو الفاظ قرآن کے ہیں، وہ تمثیلی و تشبیہی ہیں، یعنی کوئی آگے آگے بھاگ رہا ہو اور دوسرا اُسکا پیچھا کرے مگر یہ اُس تک نہ پہنچ سکے، وہ آگے بڑھ جائے اور یہ اس کے پکڑنے میں عاجز ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ منظر جو جسمانی حیثیت رکھتا ہے، یہاں نہیں ہے لیکن جو اُس کا نتیجہ ہے کہ وہ شخص قبضے میں نہ آئے، وہ نتیجہ یہاں مقصود کلام ہے [1] اس لئے ہم نے ترجمہ یہی کیا کہ کیا وہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے؟

بعض مقامات پر قرآن مجید نے اس مطلب کو ان لفظوں میں ادا کیا ہے کہ **لیسوا بمعجزین** ”جو ہمیں بے بس نہیں بنا سکتے۔“

مَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۵﴾ وَ مَنۡ جَاہَدَ فَاِنَّمَا یُجَاہِدُ لِنَفۡسِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶﴾

”جو اُمید رکھتا ہے اللہ سے ملنے کی تو بلاشبہ اللہ کی مقرر کردہ میعاد آنے ہی والی ہے اور وہ سننے والا ہے، بڑا ماننے والا، اور جدوجہد [2] میں مقابلہ کرتا ہے، وہ مقابلہ کرتا ہے اپنے لیے، بلاشبہ اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔“

---

[1] ان یفرقونا فوت السّابق لغیرہ و یعجزونا فلا نقدر علیٰ اخذھم (مجمع البیان)

[2] جاھد الشیطان بدفع وسوستہ و اغوائہ و جاھد اعدآء الدّین الا حیائہ و جاھد نفسہ الّتی ھی اعدیٰ اعدائہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

''جہاد'' کے لفظی معنی جدوجہد میں مقابلہ ہی کے ہیں، اب وہ اپنی نفسانی خواہشوں کا مقابلہ ہو جو ''جہاد اکبر'' ہے یا دشمنان دین کا اسلحہ جنگ سے مقابلہ ہو جو فقہ کی اصطلاح میں جہاد کہلاتا ہے اور حقیقت میں یہ میدان جنگ کا جہاد بھی جہاد نفس کے عام مفہوم کا ایک جزئیہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝

''اور جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو ہم یقیناً اُن کی غلطیوں کو نظر انداز کریں گے اور انہیں بدلہ دیں گے بہترین اس معیار پر جو اُن کے اعمال کا تھا۔''

میں اس کا مطلب یوں سمجھتا ہوں کہ جس طرح ایک امتحان کے بہت سے پرچے ہوتے ہیں، اُن میں کسی ایک پرچے میں اگر آدمی فیل ہے، تب تو وہ امتحان میں ناکامیاب قرار پاتا ہے، چاہے بعض پرچوں میں اس کے فرسٹ کے نمبر ہوں لیکن اگر فیل کسی ایک پرچے میں بھی نہیں ہے فی صدی ۳۳ نمبر تو ہر ایک ہی میں لایا ہے تو پھر اب اس کی کامیابی کا معیار اُس کے تمام پرچوں کو سامنے رکھ کر مقرر ہوگا لہٰذا اگر اُس کے ایک پرچے میں کمزوری بھی ہے تو مجموعی نمبروں میں آگے وہ کمزوری نظر انداز ہو جاتی ہے اور مجموعی نتیجہ کے لحاظ سے وہ فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوتا ہے، بس یونہی سمجھیے کہ کچھ واجبات کا ترک یا محرمات کا ارتکاب اور سب سے بڑھ کر ایمان سے محرومی، یہ تو وہ ہے جو انسان کے آخرت میں ناکام ہونے کا باعث ہے جس کے بعد وہ نجات سے محروم ہو جاتا ہے اور ایسے لوگ وہ ہیں جو الّذین اٰمنو وعملو الصّالحات کے عنوان ہی سے خارج ہیں لیکن ایک صورت یہ ہے کہ انسان اُن باتوں کا مرتکب نہیں ہے اور جو ہر ایمان سے عاری نہیں ہے، اس طرح کسی درجہ پر الّذین اٰمنو وعملوا الصّالحات کے تحت میں داخل ہے لیکن اس کے بعد شعبے اعمال کے تو بہت ہیں کچھ حقوق اللہ ہیں، اُن میں بھی کچھ عبادات جسمانی ہیں، کچھ عبادات مالی ہیں اور اس کے علاوہ حقوق الناس ہیں، اُن میں بھی مختلف انواع واقسام ہیں، ان سب کے لحاظ سے کچھ شعبوں میں ایسی کمزوری ہے کہ اگر اُنہی کے معیار پر اُسے نتیجہ دیا جائے تو وہ بہت پست درجے میں ہوگا لیکن ایسی صورت میں خالق اُس کی مجموعی زندگی کے لحاظ سے اُس کے عملی شعبوں کو سامنے رکھ کر جن میں اُس کے عمل کا معیار اونچا ہے، اُن کے لحاظ سے آخرت میں مرتبہ عطا کرتا ہے، اس طرح وہ کمزوریاں نمایاں نہیں ہوتیں جو اُس کے عمل کے بعض شعبوں میں ہیں، یہ ہے جو کہا گیا کہ ''ہم ان کی غلطیوں کو نظر انداز کریں گے اور انہیں بدلہ دیں گے بہترین اُس معیار پر جو اُن کے اعمال کا تھا۔''

بعض مفسرین اس مفہوم کو نہیں سمجھتے ہیں اور ژولیدہ بیانی میں مبتلا ہوئے ہیں چنانچہ شاہ عبدالقادر نے لکھا ہے:

''یعنی ایمان کی برکت سے نیکیاں ملیں گی اور برائیاں معاف ہوں گی''۔

گویا: احسن الّذی کانوا یعملون کے معنی ہیں ایمان مگر قرآن تو ایمان کے پہلو میں حرف عطف کے ساتھ عمل صالح کا ذکر پہلے کر چکا ہے۔ پھر اب عمل سے خود ایمان مراد لینے کا کیا محل ہے؟

جلالین کی سمجھ میں احسن (افعل التفضیل) کی تشریح کچھ آئی ہی نہیں تو لکھ دیا:

احسن بمعنی حسن و نصبه بنزع الخافض الباء۔

www.kitabmart.in

احسن کے معنی حسن کے ہیں اور اسے نصب یوں ہے کہ حرف جر بٓ محذوف ہے
دوسرے مفسرین کے بیانات بھی مجھے الجھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿٩﴾

''اور ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے اور اگر وہ دونوں تم سے اس بات پر لڑائی جھگڑا کریں کہ تم میرے ساتھ اسے شریک کرو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے تو پھر ان کا کہنا نہ مانو۔ میری ہی طرف تم سب کو پلٹنا ہے تو میں تمہیں بتاؤں گا جو کچھ تم کرتے تھے اور ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، ضرور ہم انہیں نیکو کاروں میں داخل کریں گے''۔

کلّیۃ ''نیکوکار'' معصومین علیہم السلام ہیں۔ انکے علاوہ جو جس حدتک ایمان اور حسن عمل کے درجے پر ہو، وہ ان کے ساتھ محشور ہوگا[1] جو اس کی فلاح ونجات کی نشانی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ ۖ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۚ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ﴿١١﴾

''اور انسانوں میں بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، اس کے بعد جب اللہ کی راہ میں اسے ایذا پہنچائی جاتی ہے تو وہ آدمیوں کی آزمائش کو اللہ کے عذاب کے مثل سمجھ لیتا ہے اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے مدد آئے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ خوب واقف نہیں ہے اس سے جو تمام دنیا والوں کے دلوں میں ہو اور ضرور اللہ جانے گا انہیں کہ جو ایمان رکھتے ہیں اور ضرور جانے گا منافقوں کو۔''

آغاز کلام سے خیال ہوسکتا ہے کہ یہ کمزور دل والے دین داروں ہی کا ذکر ہے جو مومن تو ہیں مگر ثبات قدم اور سکون دل سے پورے طور پر بہرہ یاب نہیں ہیں مگر اختتام آیت اور پھر بعد کی آیت نے صاف کر دیا ہے کہ یہ منافق لوگوں کا ذکر ہے[2] جو حقیقت میں ایمان لائے ہی نہیں ہیں

---

[1] فی الصالحین الانبیآء والاولیاء بان یحشر هم معهم (جلالین)
[2] هٰذا الّذی ذکره صفة المنافقین (تبیان)

www.kitabmart.in

بلکہ مصلحتہً جماعت میں شامل ہیں اور اس لئے ذرا سی سختی پڑتی ہے تو وہ گھبرا کر راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ اب ہو سکتا ہے کہ آپ یہ قاعدہ لازم و ملزوم ایسے کرداروں کا مشاہدہ کر کے ہی فیصلہ کریں کہ یہ حقیقی مومنین نہیں ہو سکتے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۟ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾

''اور کہا اُنہوں نے جو کافر ہیں اُن سے کہ جو ایمان لائے ہیں کہ ہمارے مسلک کی پیروی کرو اور ہم تمہارے گناہوں کو اپنے اوپر اٹھالیں۔ حالانکہ وہ اُن کے گناہوں کو کچھ بھی اٹھانے والے نہیں، یقیناً وہ جھوٹے ہیں اور بلاشبہ وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھوں کو اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کچھ اور بوجھ اور اُن سے باز پرس ہوگی قیامت کے دن اُس کی جو وہ غلط باتیں گھڑتے تھے۔''

کافر حقیقتہً آخرت کے قائل تھے ہی نہیں، بطور تمسخر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ بے کار تم پیغمبر کی پیروی کر کے عذاب آخرت کے دھڑکے میں رہتے ہو، ہمارا ساتھ دو اور ہم ذمہ دار ہیں کہ تمہاری طرف سے وہاں کے بوجھ ہم اٹھائیں گے [۱] اس کی اس آیت میں رد کی گئی ہے۔ یہ گناہوں کا اٹھانا جس کی نفی کی گئی ہے، باختیار خود اُن کے گناہوں کی ذمہ داری لے کر اُنہیں گناہوں کی پاداش سے بچا دینا ہے اور پھر جو کہا گیا ہے کہ ''یہ بوجھ بھی اٹھائیں گے اور دوسروں کے بوجھ بھی۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں دوسروں کے ورغلانے کی سزا ملے گی اور اس طرح خود اپنے گناہوں کی سزا بھی پائیں گے اور دوسروں کے گناہوں کی بھی جو ان کے ورغلانے سے مرتکب جرم ہوئے مگر اس کے نتیجہ میں وہ مرتکبین بری نہیں ہوں گے۔ [۲]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

''اور ہم نے نوح کو بھیجا اُن کی قوم کی طرف تو وہ اُن میں پچاس کم ایک ہزار برس رہے پھر اس قوم کو طوفان نے اپنی گرفت میں لے لیا درانحالیکہ وہ ظالم و گنہگار رہتے تھے تو ہم نے اُنہیں اور کشتی والوں کو نجات دی اور اُسے نشانی قرار دیا تمام جہانوں کے لیے۔''

---

[۱] کان الکفّار یقولون للمؤمنین کو نو امعنا فانّ الّذی تخافون انتم لیس بشئی فان کان حقّا فتحمّل نحن ذنوبکم (علی بن ابراهیم)

[۲] یعنی بار گمراه شدن وگمراه کردن بردارند و بار تابعان از سر ایشان دفع نه کند (فتح الرحمن)

www.kitabmart.in

جناب نوح علیہ السلام کی عمرِ تبلیغ ساڑھے نوسو برس قبل از طوفان:

وہ کشتی اپنی اس کارکردگی کے لحاظ سے تو نشانی تھی ہی کہ اتنا ہمہ گیر طوفان اور اُس سے اُس کشتی نے اپنے ساکنوں کو ساحل نجات تک پہنچا دیا اس کے علاوہ خود اس کشتی کا تمام جہانوں کے لئے (جس میں آج تک کی عمر زمانہ کے حدود داخل ہیں) نشانی ہونا اس کے بقاو استحکام کے لحاظ سے بھی ہوسکتا ہے، چنانچہ اخباروں میں ہزاروں برس گزرنے کے بعد آج تک یہ خبریں گردش کرتی رہی ہیں کہ کوہ آرارات پر اس کشتی کا مشاہدہ کیا گیا ہے اور وہ اب تک وہاں موجود ہے۔

اس اُمّت محمدی کے لئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت کو کشتی نوح کے مثل بتایا ہے تو یہ اہل بیتؑ بھی یہی صفت رکھتے ہیں کہ ان کے کارنامے بھی عالمین کے لئے آیت الٰہی تھے اور آخر عمر زمانہ تک ان کے سلسلہ کی ایک فرد کا باقی رہنا بھی اللہ کی ایک بڑی نشانی کی حیثیت رکھتا ہے جس سے انکار وہی کریں گے جو آیات الٰہی سے انکار کے پہلے عادی رہے ہیں۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٨﴾

’’اور (ہم نے بھیجا) ابراہیمؑ کو جب اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے غضب سے بچو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو تم اُسے چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو، وہ کچھ بہت ہی توہین اور جھوٹ بناتے ہو، یقیناً یہ جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، تمہاری روزی پر قدرت نہیں رکھتے تو اللہ سے رزق کے طلبگار رہو اور اس کی عبادت کرو اور اُس کے شکرگزار رہو، اُسی کی طرف تو تمہیں پلٹ کر جانا ہے اور اگر تم جھٹلاؤ تو تمہارے پہلے بہت سی قوموں نے جھٹلایا اور نہیں ہے پیغمبر کے ذمہ مگر کھلی ہوئی تبلیغ۔‘‘

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت حق:

آخری آیت ممکن ہے کہ سلسلہ واقعہ ابراہیم علیہ السلام سے الگ ہو، ہمارے رسولؐ کے زمانے کے مشرکین سے تخاطب ہو جیسا کہ ہمارے یہاں کی تفاسیر میں بتایا گیا ہے۔[1]

[1] انقطع خبر ابراهيم وخاطب الله امّة محمد ﷺ وقال وان تكذّبو (على بن ابراهيم) وان تكذّبو اى وان تكذّبو ا محمدا ﷺ (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝١٩ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٢٠

"کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ پہلی دفعہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے، پھر اُسے دوبارہ پلٹاتا ہے، بلاشبہ یہ اللہ پر آسان ہے، کہیے کہ چلو پھرو دنیا میں تو دیکھو کہ کس طرح اللہ نے مخلوق کو پہلی دفعہ پیدا کیا، پھر اللہ آخرت کی زندگی دیتا ہے، بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس میں مشاہدے کا تعلق پہلے جز سے ہے یعنی اللہ کا پہلی دفعہ پیدا کرنا اور پھر اُسے دلیل قرار دیا ہے غیب یعنی آیندہ کے دوبارہ زندہ کرنے کی[1] جیسا کہ دوسری جگہوں پر صاف یہ دلیل ومدلول کا عنوان نمایاں ہے جیسا کہ جب پوچھا گیا من یحی العظام وھی رمیم کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گی" ارشاد ہوا قیل یحییھا الّذی انشأھا اوّل مرّۃ "کہیے وہی زندہ کریگا جس نے پہلی دفعہ اُنہیں پیدا کیا۔" (یٰسین۔۷۹)

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ۝٢١ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝٢٢ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَاۗىِٕهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ يَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٢٣

"وہ جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے اور تم زمین میں اور نہ آسمان میں اس کے قابو سے باہر نہیں ہو سکتے اور اللہ کو چھوڑ کر تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار اور جنھوں نے اللہ کی نشانیوں اور اُس کی بارگاہ میں حاضری کا انکار کیا، یہ وہ ہیں جو میری رحمت سے نا اُمید ہو گئے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

"نا اُمید ہو گئے" یعنی وہ اس لائق ہیں کہ نا اُمید ہو جائیں[2] اور ہو سکتا ہے کہ یہ "نا اُمید ہو گئے" اُن کے ضمیر کی گواہی ہو اس بات پر کہ وہ مستحق رحمت الٰہی نہیں ہیں۔[3]

---

[1] لانّ من قدر علی الانشآء والابتداء فھو علی الاعادۃ اقدر (مجمع البیان)

[2] اخبر انّہ سبحانہ ایسھم من رحمتہ وجنّتہ اویکون معناہ یجب ان یئیسوا من رحمتہ (مجمع البیان)

[3] اخبار عن ویاسھم من رحمتہ (تبیان)

www.kitabmart.in

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٢٤﴾

”تو نہیں تھا اُن کی قوم کی طرف سے کوئی جواب سوا اس کے کہ انہوں نے کہا اُنہیں قتل کردو یا انہیں آگ میں جلا دو تو اللہ نے انہیں آگ سے نجات دی، یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن کے لئے جو ایمان لائیں۔“

قوم کا ظالمانہ رویہ:

اگر اس مقام پر ترتیب کو مطابق تنزیل سمجھا جائے تو اس کے قبل سب حضرات ابراہیم علیہ السلام کی تقریر تھی جو انہوں نے اپنی قوم کے سامنے بیک وقت مختلف اوقات میں کی تھی اور اب کہا جا رہا ہے کہ ان باتوں کا جواب ان کے پاس کوئی نہیں تھا سوا اس کے کہ وہ ان کو آگ میں جلا دینے پر تیار ہو گئے جس کی فی الجملہ تفصیل قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر ہے مگر چونکہ ترتیب کے مطابق تنزیل ہونا ثابت نہیں، اس لئے گزشتہ آیات میں نفس مضمون کے لحاظ سے ہم تفریق محسوس کرتے ہیں:

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ سے لے کر وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٨﴾ تک جناب ابراہیم علیہ السلام کی تقریر ہے اس کے بعد

(۱) اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ ......الآخر

(۲) قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا .....الآخر

(۳) يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ .....الآخر

(۴) وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ .....الآخر

(۵) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ .....الآخر

یہ پانچ آیات علیحدہ سے نازل شدہ ہیں جو بظاہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر کا جزء نہیں ہیں اور اب فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ .....الآخر جناب ابراہیم علیہ السلام کی اس تقریر سے بلا فصل متصل ہے جو ان پانچ آیات کے قبل تھی [1] اور اس کے بعد جو آیت آئے گی، اس میں پھر جناب ابراہیم علیہ السلام کی تقریر کی کچھ کڑیاں درج ہیں۔

ترتیب آیات میں یہ پاشانی و پریشانی یہاں کچھ نئی نہیں ہے بلکہ قرآن مجید میں نمایاں طور پر مختلف مقامات پر موجود ہے اور اس لئے ایک دفعہ بچارے خواجہ حسن نظامی صاحب نے یہ لکھ دیا تھا کہ حضرت عثمان ایڈیٹر اچھے نہ تھے تو اس جمہور اہل سنت میں ان کے خلاف بڑا شور مچا مگر کیا کیا جائے کہ محسوس اس کو قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والا کرتا ہے، چاہے اسے محسوس کرے مگر زبان سے کہنے کی ہمت نہ کرے۔ اس لئے کہ جرات اظہار کی نعمت قدرت کی طرف سے ہر ایک کو یکساں طور پر ارزانی نہیں ہوتی ہے۔

[1] اوپر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام چلا آ رہا تھا۔ اسی کے موافق اللہ تعالیٰ نے بیچ میں کتنی باتیں فرمائیں، پھر اس قوم کا جواب ذکر کیا (موضح القرآن)۔

www.kitabmart.in

جناب خلیل علیہ السلام کے ذکر میں یہاں صرف ان لوگوں کے اس کہنے کا بیان ہے کہ ''انہیں قتل کردو یا آگ میں جلا دو''۔ اس کا نتیجہ کہ پھر کیا ہوا کہ؟ وہ یہاں ایک لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ نے انہیں آگ سے نجات دی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صورت اختیار کی گئی۔[1]

جیسا کہ دوسرے مقامات پر جہاں آگ میں جلانے کا ذکر ہے، میں نے انتباہ کیا ہے، عام طور سے آگ میں جلانے کے حکم کی نسبت نمرود کی طرف دی جاتی ہے، یہ قرآن مجید سے کہیں ثابت نہیں ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پنچائتی فیصلہ تھا جو اجتماعی طور پر کیا گیا تھا۔

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

''اور انہوں نے کہا کہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر اختیار کیا ہے بس کچھ بتوں کو آپس کی محبت کی وجہ سے اس دنیوی زندگی میں پھر قیامت کے دن تم میں سے ایک دوسرے کا انکار کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور تمہارا ٹھکانا آگ میں ہوگا اور تمہارے کوئی مددگار نہ ہوں گے''۔

مضمون سے ظاہر ہے کہ یہ جزء جناب ابراہیم علیہ السلام کی تقریر کا آگ میں پھینکے جانے کے قبل ہی کا ہے۔ اس کے بعد تو جیسا کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ ہے، چونکہ حجت تمام کی جا چکی تھی لہٰذا جناب ابراہیم علیہ السلام نے اس قوم سے علیٰحدگی اختیار کی اور وہاں سے ہجرت کرکے سرزمین شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہاں بعد کے اس جزء سے کہ ''آپس میں محبت کی وجہ سے اس دنیوی زندگی میں'' ہم سمجھتے ہیں کہ شروع میں جو ہے کہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر بس کچھ بتوں کو اختیار کیا ہے، ان بتوں سے مراد سچ مچ کے بت یعنی بے جان مورتیاں نہیں ہیں بلکہ وہ لیڈر ہیں جن کے پیچھے وہ چل رہے تھے اور انہیں کہا گیا ہے کہ یہ بس کچھ بت ہی ہیں جنہیں تم خدا کو چھوڑ کو معبود بنائے ہوئے ہو۔

روز قیامت کا یہ حوالہ کہ وہاں تم میں سے ایک دوسرے سے انکار کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا[2] جیسا کہ اس کے پہلے ابتدائی پاروں میں ایک دوسرے سے تبرّے کا ذکر آیا ہے صاف اس بات کی دعوت ہے کہ اسی دنیا میں پیشواؤں کے کردار کا خوب جائزہ لے لو اور آخرت کے پہلے یہیں پیشوایانِ باطل کا انکار، ان سے تبرّا اور اُن پر لعنت کرو۔

قرآن مجید میں بار بار لعنت اور دعوت لعنت کے بعد قرآن پر کسی ایمان رکھنے والے کو تبرّا اور لعنت کو دشنام یا گالی سے تعبیر کرنا کسی طرح روا نہیں ہوسکتا۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾

''اور اُن کی بات کو مانا لوطؑ نے اور اُنہوں نے کہا میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے کے لئے تیار رہوں، یقیناً

---

[1] فی الکلام خذف وتقدیرہ انّہم اوقدونارا وطرحوہ فیھا (تبیان)

[2] ای یتبرّأ القادۃ من الاتّباع......ویلعن الاتباع القادۃ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وہ عزت والا ہے، حکمت والا۔"

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:

"حضرت لوط بھتیجے تھے حضرت ابراہیمؑ کے۔ اُس قوم میں کسی نے نہ مانا اُن کے سوا۔" (موضح القرآن) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کیا موقوف ہے، جناب نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کسی بھی پیغمبر کا ذکر قرآن میں دیکھ لیجئے۔ اُس پر ایمان لانے والی اتنی چھوٹی اقلیت ہے جو انگلیوں پر شمار کیے جانے کے قابل ہے۔

تمام انبیاء میں بلاشبہ ہمارے پیغمبر اُس بارے میں بھی سب پر فوقیت رکھتے ہیں کہ آپ کے پیغام پر آپ کی زندگی میں جتنوں نے لبّیک کہی، اُتنی تعداد میں لبّیک کہنے والے کسی پیغمبر کو نصیب نہیں ہوئے اب ان لبّیک کہنے والوں میں بھی اگر ہم کہیں کہ خالص اور مخلص اور اعلیٰ مرتبہ کے آخر تک ثابت قدم رہنے والے صرف چند ہی افراد تھے تو اسے سنّت انبیاء و امم پر نظر رکھنے کے بعد کوئی عجوبہ اور قابل انکار چیز نہیں سمجھنا چاہیے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٢٧﴾

"اور ہم نے اُنہیں عطا کیے اسحاق اور یعقوب اور ان کی نسل میں نبوت اور کتاب قرار دی اور ہم نے اُن کا صلہ دنیا میں بھی عطا کیا اور بلاشبہ وہ آخرت میں نیکو کاروں میں تھے۔"

جناب ابراہیم علیہ السلام پر اللہ کی نوازش

آخرت کا صلہ تو اجر و ثواب ہے۔ دنیا کا صلہ اس جملہ سے ظاہر ہوا کہ اُن کی نسل میں نبوت اور کتاب عطا کی، اس میں بقائے نسل کی بھی ضمانت ہے اور پھر اُس منصب الٰہی کے برقرار رہنے کی خواہ بنام نبوت ہو یا کسی دور میں بنام 'امامت'۔ ہو۔ اس کے ساتھ "نیک نامی" بھی شامل ہو تو کوئی حرج نہیں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت پر دنیا کے تین بڑے یہود، نصاریٰ اور مسلمان سب متفق ہیں یہ بات کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ [1]

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٣٠﴾

"اور لوطؑ کو جب انھوں نے کہا اپنی قوم سے کہ تم لوگ ایک ایسی سیاہ کاری میں مبتلا ہو جس میں تم سے پہلے دنیا کی

[1] اجرہ فی الدّنیا وھو الذّکر الحسن والولد الصّالح عن ابن عباس (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

کوئی قوم مبتلا نہیں ہوئی۔ ارے تم مردوں سے نفسانی خواہش پوری کرتے ہو اور راہزنی کرتے ہو اور اپنے مجمع میں بدکاری کا ارتکاب کرتے ہو تو ان کی قوم والوں کے پاس کوئی جواب نہ تھا سوا اس کے کہ انہوں نے کہا لاؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے کہا پروردگار! میری مدد کر اس تباہ کار جماعت کے مقابلے میں‘‘۔

’’ابراہیم علیہ السلام کو‘‘ اور’’لوط علیہ السلام‘‘ کو یہ سب پہلے والے ارسلنا کے ماتحت ہے یعنی ہم نے بھیجا نوح علیہ السلام کو ان کی طرف۔ پھر کہا گیا ’’اور ابراہیم علیہ السلام کو‘‘ اب اسی پر عطف کے ساتھ کہا جا رہا ہے’ اور لوط علیہ السلام کو‘۔ [1]

’’راہ زنی‘‘ ایک مستقل جرم بھی ہو سکتا ہے مگر چونکہ وہ تشریح کے طور پر وارد ہوا ہے، اس فاحشۃ ’’سیاہ کاری‘‘ کی جس کے لئے کہا گیا ہے کہ تم سے پہلے کوئی قوم اس کی مرتکب نہیں ہوئی اور وہ راہ زنی عام حیثیت کا ایسا جرم ہے یقیناً پہلے بھی ہوتا رہا ہوگا، اس لئے بعض مفسرین کی یہ تشریح قابل قبول معلوم ہوتی ہے کہ یہ راہ زنی بھی اس جنسی شہوت کی تسکین کے ماتحت تھی کہ وہ حسین لڑکوں کو اس راستے پر گزرنے والے قافلوں سے اغوا کر کے لے آتے تھے اور اس لئے قافلوں نے اس راہ سے گزرنا چھوڑ دیا تھا۔ [2]

ایک بہت ہی لطیف تفسیر اس کی یہ کی گئی ہے کہ وہ عورتوں سے قطع تعلق کی بناء پر انسانی مردم شماری میں اضافہ نہ کرتے ہوئے میدان حیات میں آنے والی نسلوں کے قافلے کو روکتے تھے۔ [3]

’’مجمع میں بدکاری کا ارتکاب‘‘ بھی بظاہر گذشتہ جرم ہی کی اور زیادہ شرمناک صورت کا اظہار ہے کہ تمہاری بے حیائی اتنی بڑھ گئی ہے کہ جانوروں کی طرح آپس میں اس جرم کا ارتکاب مجمع عام میں کرتے ہو اور ممکن ہے کسی دوسری قسم کی بے حیائی مراد ہو۔ [4]

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۚ﴿31﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿32﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیمؑ کے پاس آئے خوش خبری لے کر تو انہوں نے (یہ بھی) کہا کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، بلاشبہ اس کے باشندے ظالم و گنہگار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس میں تو لوطؑ بھی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ اس میں کون کون ہے؟ ہم انہیں اور ان کے گھرانے کو نجات دیں گے مگر ان کی زوجہ، وہ رہ جانے والوں میں ہوگی‘‘۔

---

[1] فرستادیم لوط علیہ السلام را (شاہ ولی اللہ)

[2] تقطعون السبیل طریق المارۃ لفعلکم الفاحش لمن یمرّ بکم فترك الناس المرّ بکم (جلالین)

[3] قیل یقطعون سبیل الولد بایتان الذکران فی الادبار (تبیان)

[4] شاید یہی بدکاری لوگوں میں کرتے ہوں گے اس بات کی شرم بھی نہ رہی تھی یا کچھ اور ٹھٹھے اور چھیڑ کرتے ہوں گے (موضح القرآن)

www.kitabmart.in

یعنی وہ ہلاک ہونے والوں میں سے نہیں نکل سکے گی، انہی میں رہ جائے گی۔[1]

جناب ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے کا مقصد تو انہیں ولادت فرزند کی خوش خبری دینا تھا[2] مگر اثنائے گفتگو میں خود جناب ابراہیم علیہ السلام کے دریافت کرنے پر کہ تمہاری اصل مہم کیا ہے؟ انہوں نے اس کا ذکر کر دیا کہ ہم قوم لوطؑ پر عذاب نازل کرنے کے لئے آئے ہیں۔

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۣ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

''اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوطؑ کے پاس آئے تو انہیں ان کی وجہ سے رنج ہوا اور وہ الجھن میں مبتلا ہو گئے اور ان لوگوں (فرستادگان الٰہی) نے کہا ڈرو نہیں اور رنجیدہ نہ ہو۔ ہم تمہیں اور تمہارے گھرانے کو نجات دینے والے ہیں مگر تمہاری بیوی رہ جانے والوں میں ہے۔ ہم اس بستی کے رہنے والوں پر آسمان سے عذاب اتاریں گے، اس لئے کہ وہ بدکاری کرتے رہے ہیں، اور ہم نے اس کی ایک کھلی ہوئی نشانی چھوڑی ان کے لئے جو عقل سے کام لیں''۔

قوم لوط کی عذاب الٰہی سے تباہی:

یہ آیات بتاتی ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اپنی کارستانیوں سے باز نہ آئی بالآخر تباہ ہو کر رہی۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۣ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ

---

[1] الباقین فی العذاب (جلالین)

[2] یبشرونہ باسحق و من وراء اسحق یعقوب (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اَخَذَتۡهُ الصَّيۡحَةُ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ خَسَفۡنَا بِهِ الۡاَرۡضَ ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اَغۡرَقۡنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۴۰﴾

''اور مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب کو تو انہوں نے کہا اے میری قوم والو! عبادت کرو اللہ کی اور روز آخرت کی امید رکھو اور دنیا میں خرابیاں پھیلاتے نہ پھرو تو ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا تو انہیں زلزلے نے اپنی گرفت میں لے لیا اور وہ اپنے گھروں میں مردہ ہو کر گر گئے اور اسی طرح ہلاک کیا ہم نے) عاد اور ثمود کو اور یہ تمہارے لئے ان کی سکونت کے مقامات سے نمایاں ہے اور شیطان نے ان کاموں کو بنا سنوار کے ان کے سامنے پیش کیا تھا تو انہیں سیدھے راستے سے روک دیا حالاں کہ وہ آنکھیں رکھتے تھے اور قارون، فرعون اور ہامان کو اوران کے پاس آئے موسیٰ کھلی ہوئی دلائل لے کر تو انہوں نے تکبر سے کام لیا اور وہ بچ کے جانے والوں میں نہ تھے تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا تو ان میں کوئی وہ ہے جس پر ہم نے تیز آندھی بھیجی اور ان میں کوئی وہ ہے جس کا ایک مہیب آواز نے کام تمام کیا اور ان میں کسی کو ہم نے زمین میں غرق کر دیا اور کسی کو ہم نے پانی میں ڈبویا اور اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرے مگر وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے''۔

قوم شعیب علیہ السلام اور مختلف اقوام پر عذاب الٰہی کا یکجائی تذکرہ:

یہاں سے خالق کائنات قوم لوط کا تباہ ہونا ایک مثال بنا کر بتا رہا ہے کہ صرف قوم لوط علیہ السلام ہی نہیں بلکہ جس قوم نے بھی خدا کے نمائندوں کی نافرمانی کی اور خدائی قوانین کی خلاف ورزی کی تو وہ عذاب الٰہی کا شکار ہو کر رہی۔

مَثَلُ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ كَمَثَلِ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۖۚ اِتَّخَذَتۡ بَيۡتًا ؕ وَاِنَّ اَوۡهَنَ الۡبُيُوۡتِ لَبَيۡتُ الۡعَنۡكَبُوۡتِ ۘ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾

''مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر حوالی موالی مقرر کیے ہیں، مکڑی کی سی ہے جس نے ایک مکان تیار کیا اور یقیناً تمام مکانوں میں سب سے زیادہ کمزور مکڑی کا بنایا ہوا مکان ہوتا ہے۔ کاش وہ جانیں''

''کاش وہ جانیں''یعنی انہیں معلوم ہو کہ اُن کے معبودانِ باطل کا سہارا اتنا بے حقیقت ہے، نہ یہ کہ وہ جانیں کہ مکڑی کا جالا اتنا نامضبوط ہوتا ہے، کیوں کہ یہ کون نہیں جانتا، وہ تو ہر ایک کو معلوم ہے۔[1]

اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعۡقِلُهَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

---

[1] لا يجوز ان يكون متعلقا بقوله: وانّ او هن البيوت لبيت العنكبوت لا نهم كانوا يعلمون انّ بيت العنكبوت وراه ضعيف (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۴﴾

''بلاشبہ اللہ جانتا ہے اسے جو اسے چھوڑ کر کسی کو بھی معبود بناتے ہیں اور وہ عزت والا ہے، بڑی سوجھ بوجھ والا۔ یہ باتیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور سوا صاحبان علم کے انہیں کوئی سمجھتا نہیں، اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا حق کے ساتھ یقیناً اس میں نشانی ہے ایمان لانے والوں کے لیے''۔

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

''پڑھ کے سنایئے یہ کتاب جو آپ پر وحی کے ذریعہ بھیجی گئی ہے بلاشبہ نماز بدکاری اور برائی سے روکتی ہے اور بلاشبہ اللہ کو یاد رکھنا بڑی سے بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے اُسے جو تم لوگ کرتے ہو''۔

نماز کی خاصیت جب کہ اُس نسخۂ شفا کے اتارنے والے نے یہ بتادی ہے کہ وہ بدکاری اور برائی سے روکتی ہے تو اگر ایسا مشاہدہ ہو کہ نماز کی پابندی ہے مگر منکرات کا ارتکاب بھی ہے تو قرآن کا تقاضا عقلی طور پر یہ ہے کہ وہ نماز صورۃً نماز ہے لیکن حقیقت کے لحاظ سے وہ نماز ہے ہی نہیں۔ اس کے لئے معصومینؑ کے بھی متعدد ارشادات ہیں جنہیں علامہ طبرسیؒ نے درج فرمایا ہے مثلاً رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

من لم ینهه صلوٰة عن الفحشاء و المنکر لم یزد من الله الّا بعدا۔

جس کی نماز اُسے بدکاری اور برائی سے نہ روکے تو اللہ سے اس کی دوری بڑھتی ہی جائے گی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

من احبّ ان یعلم قبلت صلوٰته ام لم تقبل فلینظر هل منعته صلوٰته عن الفحشاء و المنکر فبقدر ما منعته قبلت منه۔ (مجمع البیان)

جو معلوم کرنا چاہے کہ اُس کی نماز قبول ہوئی یا نہیں تو وہ دیکھے کہ اُس نے اُسے بدکاری اور برائی سے روکا یا نہیں تو جس حد تک اس نے برائی سے روکا ہو اسی حد تک وہ قبول ہوئی۔

وَلَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾

''اور بحث نہ کرو اہل کتاب سے مگر ایسے طریقے پر جو بہتر سے بہتر ہو سوا اُن کے جو اُن میں سے ظالم ہوں اور کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اُس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا

www.kitabmart.in

ایک ہی ہے اور ہم اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہیں اور اسی لئے ہم نے آپ کی طرف کتاب اُتاری اور جنہیں ہم نے کتاب دی تھی، وہ اُس پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں بھی ایسے ہیں جو اس پر ایمان لائے اور ہماری آیتوں کا جان بوجھ کر انکار نہیں کرتے مگر کافر لوگ''

اہل کتاب سے بھی بحث میں رواداری:

بعض ''جہاد پسند'' مفسرین کے رویہ پر ہم اکثر احتجاج کرتے رہے ہیں اور یہاں بھی اس کا محل ہے کہ اُنہوں نے کہہ دیا ہے کہ جہاد کا حکم آنے سے یہ حکم منسوخ ہوگیا مگر یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔[1]

بعد میں جو استثناء ہے کہ ''سوا اُن کے جو اُن میں ظالم ہیں'' تو یہ امر ظاہر ہے کہ ہر کافر اور منکرِ حق ایک معنی سے تو ظالم ہے ہی مگر یہاں مطلب یہ ہے کہ بحث میں وہ ظالمانہ رویہ اختیار نہ کرے، جسے ہٹ دھرمی کہتے ہیں تو پھر اب اُس سے بحث ہی بے کار ہے اور اب بحث کو ختم کرنے کے لئے کوئی سخت جملہ زبان سے نکل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کیوں کہ اُس کی ہٹ دھرمی نے اب یہ امید باقی ہی نہیں رکھی ہے کہ وہ راہ حق اختیار کرے گا۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ بعد میں جو کہا گیا ہے کہ یوں کہو، یہ اُس روادارانہ انداز گفتگو کو بطور مثال پیش کرنا ہے۔ نہ یہ کہ ہر بات کے جواب میں یہی الفاظ کہے جائیں۔

آخر کی آیت میں اُس روادارانہ گفتگو کا نتیجہ ہے کہ پھر بہت سے لوگ اس سے متاثر ہو کر ایمان اختیار کر لیتے ہیں جن کی مثالیں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں بھی ہیں اور اُن کے غیر یعنی کھلے ہوئے مشرکین میں بھی اُن افراد کی صورت میں جو پہلے والے راستے کو چھوڑ کر حق پر آ گئے ہیں۔

''آیتوں کا انکار جان بوجھ کر نہیں کرتے مگر کافر لوگ'' اس کافر سے مراد وہ ہیں جو دانستہ کفر کو کفر سمجھتے ہوئے اختیار کیے ہوئے ہیں یعنی حق کے منکشف ہونے کے بعد پھر بھی اُس کو قبول نہیں کرتے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝٤٨ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝٤٩

''اور آپ اس کے پہلے کوئی نوشتہ نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اُسے لکھتے تھے اس صورت میں باطل پرستوں کو شک کا موقع ہوتا بلکہ یہ کھلی ہوئی آیتیں ہیں اُن لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم عطا ہوا ہے اور ہماری آیتوں کا جان بوجھ کر انکار نہیں کرتے مگر ظالم لوگ''

---

[1] لا دلیل علیٰ ما قال و کیف وقد امر بالعدل الذی ھو احسن و المواجب الذی لا یجوز غیرہ (تبیان)

www.kitabmart.in

قبل رسالت کی زندگی بعد والے دعوے کی حقانیت

قرآن مجید میں شروع سے آخر تک دیکھا جائے کسی نبی کے بارے میں اس پر زور نہیں دیا گیا ہے کہ اُس نے پڑھا لکھا نہ تھا لیکن ہمارے پیغمبرؐ کی زندگی کے اس پہلو پر بار بار توجہ دلائی گئی ہے۔ بات یہ ہے کہ اور انبیاء کے معجزات از قبیل خوارق عادات جسمانی حیثیت رکھتے تھے مثلاً عصا کو اژدہا بنانا۔ مادرزاد اندھے کو شفا دینا اور اس طرح کی باتیں لیکن ہمارے رسولؐ کو علمی معجزہ کتاب کا عطا ہوا تھا۔ دوسرے انبیاء کے معجزات جن فنوں سے متعلق تھے، اگر وہ انبیاء ان فنوں کو کبھی حاصل کر چکے ہوتے مثلاً حضرت موسیٰؑ کبھی جادو کا فن سیکھ چکے ہوتے۔ حضرت عیسیٰؑ طب یونان کے مدرسوں میں پڑھ چکے ہوتے تو اِس سے اُن کی سچائی کا وزن کم ہو جاتا، اِسی طرح ہمارے رسولؐ اس کے پہلے کتابت وتحریر کا مشغلہ رکھتے ہوئے تو ان کے معجزے کی قوت ختم ہو جاتی، اسی لئے ان کے واسطے اس پہلو پر زور دینے کی ضرورت ہوئی اور یہاں اس آیت میں اُس کا فلسفہ یہی بتایا جا رہا ہے کہ اگر آپ لکھتے پڑھتے ہوتے تو باطل پرستوں کے لئے شک کرنے کا ایک مشغلہ ہاتھ آ جاتا لیکن جب آپ کی زندگی کھلی ہوئی کتاب کی طرح اُن کے سامنے ہے کہ آپ کبھی لکھتے پڑھتے نہیں دیکھے گئے تو اب اُنہیں ماننا چاہئے کہ آپ کا علم منجانب اللہ ہے اور یہ کتاب خالق کی نازل کردہ ہے۔ صنعت بشری کا کوئی دخل نہیں ہے مگر یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن اس بارے میں قبل بعثت کی آپ کی زندگی کا حوالہ دے رہا ہے اور اسی کی اثباتِ حقانیت کے لئے ضرورت ہے لیکن اب بعد بعثت اور جب قرآن کے لفظوں میں عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ کا مرحلہ انجام پا گیا تو اب یہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں کہ آپ قرأت وکتابت سے قاصر تھے یعنی ضرورت ہو کہ کچھ لکھا ہوا آپ خود پڑھیں تو خود پڑھ نہیں سکتے تھے یا ضرورت پڑے کہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھیں تو لکھ نہیں سکتے تھے، جی نہیں۔ اب اس پر زور دینے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ جس طرح اب تک آپ کوئی کتاب دنیا کو نہیں سناتے تھے، مگر اب سنا رہے ہیں تو یہ اس کا ثبوت ہے یہ وحی الٰہی ہے، اُس طرح اب تک کچھ پڑھ نہیں سکتے تھے اور اب پڑھ رہے ہیں، کچھ لکھ نہ سکتے تھے اور اب لکھ رہے ہیں تو اب اسے یا تعلیم ربانی سمجھنا پڑے گا اور یہ عمل بھی معجزہ ہوگا اور متفق علیہ حدیث کی بنا پر جو بخاری اور مسلم میں بھی موجود ہے، یہ معجزہ وقوع میں آتا جب رسولؐ نے دوات و قرطاس طلب فرمایا تھا مگر حسبنا کتاب اللہ کی صدا سدّ راہ ہوئی اور سیاسی مصالح اس نوشتے کے وجود میں آنے کے مزاحم ہوئے جس سے گمراہی کا ایک بڑا دروازہ کھلا رہ گیا ہے جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بند کرنا چاہتے تھے اور وہی آج تک مسلمانوں کی تباہی کا واحد سبب ہے۔

اس نکتے پر کہ یہ آیت ماقبل بعثت سے متعلق ہے، بعد بعثت نفی قرأت وکتابت کا کوئی ثبوت نہیں، ہمارے پہلے کے بعض اکابر علماء متوجہ ہو چکے ہیں چنانچہ علامہ طبرسی لکھتے ہیں:

قال الشریف الاجل المرتضیٰ علم الھدیٰ ؒ ھٰذہ الآیة تدلّ علی انّ النبی ﷺ ما کان یحسن الکتابة قبل النبوة فامّا بعد النبوّة فلا تعلّق له بالریبة و التھمة فیجوز ان یکون قد تعلّمھا من جبرئیل بعد النبوّة (مجمع البیان)

جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ طاب ثراہ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت سے پہلے فن تحریر سے واقف نہیں تھے مگر نبوت کے بعد شک وشبہ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تو ہوسکتا ہے آپ نے جبرئیلؑ سے نبوت کے بعد یہ علم حاصل کر لیا ہو۔

بس آخری جملہ میں ہمارا ذوق دینی اور حقیقت پروری متقاضی ہے کہ من جبرئیل کے بجائے من اللہ سبحانہ کہا جاتا یعنی معلم رسول کا اللہ کو

www.kitabmart.in

سمجھنا چاہئے، نہ کہ جبرئیلؑ امین کو۔

آخر میں یہ فقرہ بڑی خاص توجہ کا مستحق ہے: بل ھو ایت بیّنٰت فی صدور الذین اوتوا العلم۔ شاہ ولی اللہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے:۔

بلکہ قرآن آیات روشن است محفوظ در سینہ ہائے آنانیکہ دادہ شدہ است ایشاں را علم۔

بلکہ قرآن روشن آیتیں ہیں محفوظ اُن کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب تک قرآن ہے، اُس وقت تک یقیناً کوئی سینہ بھی ہے جس میں اُس کا علم محفوظ ہو اور ان افراد کو چھوڑ کر صرف کاغذ پر لکھے ہوئے نقوش سے اصل قرآن نہیں ملے گا اور اب جو قرآن مجید میں دوسری جگہ آیا ہے۔

ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں تو اس حفاظت کا تقاضا یہ ہوگا کہ وہ ایسے کسی سینے کو باقی رکھے گا جس میں قرآن محفوظ ہو مگر چونکہ شاہ صاحب کے پیش نظر اپنے مسلمات وعقائد کے ماتحت رسولؐ کے بعد کوئی ایسے سینے نہیں ہیں، اس لئے جیسے وہ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے پریشان سے ہوئے ہیں اور اس بنا پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں۔

مترجم گوید بعض مفسّران گفتہ اند کہ مراد از "الذین اوتوا العلم" تنہا ذات پیامبر است صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

میں کہتا ہوں کہ بعض مفسروں نے کہا ہے کہ جنہیں علم ملا ہے، اس سے مراد اکیلے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں واللہ اعلم۔

اس انداز سے نقل قول خود پتہ دیتا ہے کہ شاہ صاحب کو اُس کے ضعف کا احساس ہے، پھر معلوم نہیں اس تنکے کا سہارا لینے کی ضرورت کیوں ہے؟

پھر خود رسولؐ بھی مراد ہوں تو حضرتؐ کی رہنمائی کے مقابلہ میں حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ تو غلط ہی ہوگا اور اگر بالفرض منطوق آیت یہ نہ بھی بتاتا ہو کہ رسولؐ کے بعد کچھ سینے ایسے ہیں تو جب قرآن سے رہنمائی رسولؐ پر موقوف تھی، اس لئے کہ اُس کی حقیقت اُنہی کے سینے میں تھی تو جب وہ دنیا سے تشریف لے جائیں تو آپ کا فرض رسالت ہے کہ آپ اُس ذخیرے کو دوسرے سینے میں منتقل کرتے جائیں جو خداوٴ رسولؐ کے علم میں اس لائق ہو اور وہی پھر مرکز قرآن ہونے میں پیغمبر کا جانشین ہوگا۔

اب جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے متفق علیہ حدیث میں یہ اعلان فرماتے ہیں کہ:۔ انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ما ان تمسّکتم بھما لن تضلّوا بعدی تو اس کے سمجھنے میں کیا تامل ہے کہ رسولؐ اس طرح اُن سینوں کی نشان دہی فرما رہے ہیں جو آپ کے بعد حامل قرآن ہیں اور اسی لئے تفسیر اہل بیت علیہم السلام میں ہے الذین اوتوا العلم سے مراد ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں [1]۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ

[1] ھم الائمة علیھم السلام (علی بن ابراھیم) عن ابی جعفر و ابی عبداللہ علیھما السلام (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

ذٰلِكَ لَرَحۡمَةً وَّذِكۡرٰى لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾

''اورانہوں نے کہا کہ ان پران کے پروردگار کی طرف سے کچھ خاص نشانیاں کیوں نہیں اترتیں، کہئے کہ نشانیاں بس اللہ کے پاس ہیں اور میں تو بس کھلا ہوا عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ کیاان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری جو اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہے، بلاشبہ اس میں رحمت اور یاددہانی ہے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں''۔

یعنی ان کو فرمائشی معجزے دکھانے کی کیا ضرورت ہے جب کہ اتمام حجت کے لئے ایک معجزہ جو ہر دور میں رسالتِ پیغمبر کا زندہ ثبوت ہے موجود ہے۔[۱]

قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ شَهِيۡدًا ۚ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ وَكَفَرُوۡا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۵۲﴾

''کہئے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہونے کے لئے کافی ہے، وہ جانتا ہے اُسے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور جو باطل پر ایمان لائے ہیں اور اللہ کے ساتھ کفر اختیار کیے ہوئے ہیں، یہ لوگ گھاٹا اٹھانے والے ہیں''۔

ایمان اور کفر جب مطلق طور پر بولے جائیں تو وہ دونوں متضاد ہیں، ایمان کے معنی ہیں حق کو ماننا اور کفر حق کا انکار کرنا لیکن اضافت کی صورت میں جب استعمال ہو تو ہر کفر کو ایمان اور ہر ایمان کو کفر کہا جا سکتا ہے جیسے یہاں حقیقتاً کفر ہے جسے ایمان بالباطل کہا گیا ہے اور آیۃ الکرسی میں ایمان کو کفر بالطاغوت سے تعبیر کیا ہے۔ یہ استعمال بطور اضافت ہی صحیح ہوتا ہے ورنہ جیسا کہ شروع میں کہا گیا مطلق طور پر ایمان کو کفر اور کفر کو ایمان نہیں کہا جا سکتا۔[۲]

وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَلَوۡلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ وَلَيَاۡتِيَنَّهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۳﴾ يَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۵۴﴾ يَوۡمَ يَغۡشٰهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ وَيَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۵﴾

''اور وہ آپ سے عذاب میں جلدی کرتے ہیں اور اگر نہ ہوتی ایک مقررہ مدت تو آ جاتا اُن پر عذاب اور وہ آئے گا اُن پر اچانک درآں حالیکہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ وہ آپ سے عذاب میں جلدی کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ

---

[۱] فی ھذا دلالۃ علی ان القرآن کاف فی المعجز وانہ فی اعلی درجات الاعجاز (مجمع البیان)

[۲] انما وصفھم بالایمان مقیدا بالباطل کما یقال فلان کافر بالطاغوت مقیدا وانما الاطلاق لا یجوز فیھما (تبیان)

www.kitabmart.in

دوزخ گھیرنے والا ہے کافروں کو جس دن چھا جائے گا اُن پر عذاب اُن کے اوپر سے اور اُن کے پیروں کے نیچے سے اور وہ ارشاد فرمائے گا کہ چکھو اُسے جو تم اعمال کرتے تھے"۔

جب پہلے کہہ دیا گیا ہے کہ ایک مقررہ مدت ہے اور بعد میں یہ کہا گیا ہے کہ ایسا دن آنے والا ہے تو بیچ میں جو یہ فقرہ آ گیا ہے کہ:۔ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ، اس کا یہ ترجمہ درست نہ ہوگا کہ 'دوزخ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو' جس سے منکرین آخرت یہ نتیجہ نکالیں کہ کافروں کی بداعمالیاں جن میں وہ ہیں بس یہی دوزخ ہیں جب کہ عربی زبان میں اسم فاعل کبھی بمعنی حال ہوتا ہے اور کبھی بمعنی استقبال تو اس قبل اور بعد کے لفظی قرائن کی بنا پر کیوں نہ مستقبل ہی کے معنی میں لیا جائے جو حقیقت ہے، اور پھر جب کہ بالکافرین پر وقف نہیں بلکہ (لا) کی علامت بنی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہئے یعنی بات ابھی پوری نہیں ہوئی ہے اور اس کے بعد بلا فاصلہ یہ ہے کہ "جس دن گھیرے گا اُن کو عذاب اُن کے اوپر سے اور اُن کے پیروں کے نیچے سے" تو اس کے بعد لَمُحِيۡطَةٌ کا صیغہ اسم فاعل حال کے لئے بھی ہو تو وہ حال اس وقت کا نہیں ہے جو دارِ دنیا میں ہے بلکہ حال اسی مستقبل کے دن کا ہے جو آخرت میں آنے والا ہے یعنی جس دن عذاب ان کے اوپر سے آئے گا اور نیچے سے اور یہ کہا جائے گا کہ چکھو اُسے جو تم اعمال کرتے رہے تھے تو اُس دن کا حال یہ ہوگا کہ دوزخ اُنہیں گھیرے ہوئے ہے۔ اس کو جناب شیخ طوسیؒ نے دوسرے توجیہات کے ذیل میں درج فرمایا ہے۔[1] مگر میرے نزدیک وہ کوئی زبردستی کی توجیہہ نہیں بلکہ بالکل الفاظ کا ظاہری مفہوم ہے اور اس کے بعد اس کی گنجائش نہیں ہے کہ اس حال کو دارِ دنیا سے متعلق کر کے اس کے آگے آخرت کا انکار کیا جائے۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِىۡ وَاسِعَةٌ فَاِيَّاىَ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ۟ ثُمَّ اِلَيۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ مِّنَ الۡجَنَّةِ غُرَفًا تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ﴿۵۹﴾

"اے میرے ایمان لانے والے بندو! میری زمین بہت وسیع ہے تو میری ہی عبادت کرو ہر متنفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے، پھر میری طرف تمہیں پلٹ کر آنا ہے اور جو ایمان لائیں اور اچھے اعمال انجام دیں، انہیں ہم بہشت کے اونچے درجوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے سے نہریں رواں ہوں گی، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور کتنا اچھا صلہ ہے اُن عمل کرنے والوں کا جنہوں نے صبر و برداشت سے کام لیا اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں"۔

توحید الٰہی اور عبادتِ معبودِ حقیقی میں اگر ایک جگہ رکاوٹیں ہیں تو ہجرت کے لئے تیار ہو اور وطن کی زندگی کو قربان کر دو[2] اور اگر اس راہ میں جان دینے کی ضرورت ہو تو مرنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ اس لئے ایک دن تو موت آنا ہی ہے، پھر وہ اس کی راہ میں کیوں نہ ہو جس کے بعد آخرت میں بہترین مراتب حاصل ہوں گے۔

---

[1] وجہ ثالث انّہا تحیط بہم یوم یغشاہم العذاب.... الخ (تبیان)

[2] قال ابو عبداللہ علیہ السلام اذا عصی اللہ فی الارض انت فیہا فاخرج منہا الی غیرہا (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٠﴾

''اور کتنی ہی چلنے پھرنے والی مخلوق ہے جو اپنی روزی خود اٹھا کر نہیں لا سکتی، اللہ ہی روزی دیتا ہے اُسے بھی اور تمہیں بھی اور وہ سننے والا ہے، بڑا جاننے والا''۔

اگر یہ آیت مقام تنزیل میں اسی طرح گذشتہ آیت سے متصل ہے تو اس آیت کے تعلق سے اس کا مطلب یہ ہے کہ سب سے آخر میں اگر راہ حق پر برقرار رہنے اور عبودیت الٰہی کے فرائض کو انجام دینے میں معاشی مشکلات کا اندیشہ ہے کہ کھائیں گے کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ سب کا روزی رساں اللہ ہے، اُس پر بھروسا کرے۔ شان نزول کی ایک روایت اس کے موافق ہے۔[1]

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾

''اور اگر اُن سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو تابع حکم بنایا، وہ کہیں گے اللہ نے، تو پھر وہ کس وجہ سے منحرف ہوتے ہیں؟ اللہ وسعت دیتا ہے روزی میں اپنے بندوں میں جس کے لئے چاہتا ہے اور اُس کے لئے (جب چاہتا ہے) تنگی کرتا ہے، یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور اگر اُن سے پوچھو کہ کس نے اتارا آسمان سے پانی تو زندہ کیا اُس سے زمین کو اُس کے مردہ ہونے کے بعد، تو کہیں گے اللہ نے کہئے اللہ کا شکر بلکہ اُن میں زیادہ سمجھتے نہیں''۔

قرآن مجید میں یہاں اور متعدد مقامات پر اس کا اظہار ہے کہ مشرکین اللہ کو جانتے اور مانتے ہیں اور کائنات عالم کے نظام کو اُس سے وابستہ سمجھتے ہیں، بس جو چیز نہیں سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ جب ایسا ہے تو معبود بھی بس اُسی کو ہونا چاہئے اور کسی کو نہیں قرآن نے برابر بس یہی سمجھانے کی کوشش کی ہے اور اسی کو کہا جا رہا ہے کہ وہ سمجھتے نہیں۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ

---

[1] قیل الآیۃ نزلت فی اھل مکۃ المؤمنین منھم فانھم قالو الرسول اللہ لیس لنا بالمدینۃ اموال ولا منازل فمن این المعاش فانزل اللہ الآیۃ۔ (تبیان)

www.kitabmart.in

كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾

''اور یہ دینوی زندگی نہیں ہے مگر تماشا اور کھیل اور یقیناً آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے کاش وہ جانیں''۔

''تماشا اور کھیل'' یعنی بے ثبات اور ناپائیدار[1] نہ کہ بے حقیقت یا بے مقصد جس کے لحاظ سے دوسرے مقامات پر اس کارگاہ ہستی کے لہوولعب (کھیل اور تفریح) ہونے کی نفی کی گئی ہے کہ اس معنی سے لہوولعب ہونے کا تصور آفریدگار کی شانِ حکمت کے خلاف ہے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

''تو جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ سے دعا کرتے ہیں خالص اُس کی عبادت کرتے ہوئے، اس کے بعد جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی میں پہنچا دیتا ہے تو ایک دم وہ شرک کرنے لگتے ہیں، اچھا تو وہ کفران نعمت کر لیں اُس کا جو ہم نے اُنہیں دیا ہے، اور فائدہ اٹھا لیں اس کے بعد اُنہیں معلوم ہوگا''۔

ہم نے جو ترجمہ کیا ''کفرانِ نعمت کر لیں'' اور ''فائدہ اٹھا لیں'' اس پر مبنی ہے کہ لِيَكْفُرُوْا اور وَلِيَتَمَتَّعُوْا میں لام، لام امر ہے جسے علامہ طبرسیؒ نے بھی مقام تشریح میں مقدم رکھا ہے اور ہمارے بھی دل کو وہ زیادہ لگتا ہے اور یہ امر حکم کے مقصد سے نہیں ہے بلکہ تہدیدی طور پر ہے[2] جس کی نظیریں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ لام غایت ہے جس کے معنی ہوتے ہیں ''تاکہ'' اُس کی بناء پر ترجمہ یہ ہوگا ''تاکہ وہ کفرانِ نعمت کریں'' اور ''فائدہ اٹھائیں'' جیسا کہ دوسرے مترجمین کا رجحان معلوم ہوتا ہے۔[3]

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ایک امن والا محترم شہر قرار دیا حالانکہ اُس کے اردگرد سے لوگوں پر جھپٹے مارے جاتے رہتے ہیں تو کیا وہ غلط باتوں کو مانیں گے اور اللہ کی نعمت کا انکار کریں گے''۔

حرم الٰہی کا مثالی امن قدرت خدا کی نشانی

یعنی ''مکے کے لوگ اللہ کے گھر کے طفیل دشمنوں سے پناہ میں تھے اور سارے ملک عرب میں فساد تھا، بتوں کے جھوٹے احسان مانتے ہیں اور یہ سچا احسان نہیں مانتے''۔

---

[1] لا بقاء لهما ولادوام كما يزول اللّهو واللّعب۔ (تبیان)

[2] ان جعلت اللام للامر فمعناه التهديد (مجمع البیان)

[3] تا بهره مند شوند (شاه ولی الله)

www.kitabmart.in

اب اسے خواہ قدرت کی کارفرمائی سمجھا جائے اور خواہ حکم الٰہی کا نفوذ واثر کہ جب اِدھر اُدھر بدامنی کے شعلے بھڑک رہے ہوں تو بیچوں بیچ اُس کے ایک مختصر قطعہ زمین اُن شعلوں کی لپٹ سے اس طرح محفوظ رہے جیسے چاروں طرف پانی کا طوفان اور اُس کے درمیان ایک جزیرہ اور درصورتیکہ کہ حکم الٰہی کا اثر ونفوذ مانا جائے تو اس میں ایک یہ لمحہ فکر یہ ہے کہ ایک شعبے میں انسان اُس کے قانون کو مان لیتا ہے تو کس طرح عافیت نصیب ہوجاتی ہے تو اگر تمام حیات کے شعبوں میں اُس کے قانون کی پیروی ہو تو کیا پوری دنیا جنت نہ بن جائے؟

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ كَذَّبَ بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيۡسَ فِيۡ جَهَنَّمَ مَثۡوًى لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ۝۶۸

''اور کون زیادہ ظالم ہے اُس سے کہ جو اللہ پر غلط باتیں منڈھے یا حق کو جھٹلائے، جب وہ اس کے پاس آیا، کیا دوزخ میں ٹھکانا نہیں ہے کافروں کا''۔

یہ قرآن کا وہ انداز بحث ہے جس سے وہ مخاطب جماعت پر بغیر صریحی طور پر کوئی ضرب لگائے ہوئے اُسے غور کرنے پر آمادہ کرتا ہے جیسے دوسری جگہ ہے:

وَاِنَّاۤ اَوۡ اِيَّاكُمۡ لَعَلٰى هُدًى اَوۡ فِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝۲۴ (سورۂ سبا)

ہم میں اور تم میں بہرحال کوئی ایک ہدایت پر ہے یا کھلی ہوئی گمراہی میں۔ ویسے ہی یہاں جو دو (۲) فقرے ہیں، ان میں اپنے کو اور مخاطب جماعت کو بالکل ایک سطح پر رکھ کر بات کہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر میں اللہ کی طرف سے رسالت کا غلط دعویٰ کرتا ہوں تو مجھ سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں اور اگر میرا دعویٰ سچا ہے اور تم اُسے جھٹلاتے ہو تو تم سے بڑھ کے کوئی ظالم نہیں، اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہم میں اور تم میں اتنا بڑا ظالم کون ہے؟ بعض مفسرین دونوں چیزوں کو مشرکین سے متعلق قرار دیتے ہیں[1] ''کون زیادہ ظالم ہے اُس سے کہ جو اللہ پر افتراء کرے'' یعنی شرک کرے اور ''حق کو جھٹلائے یعنی پیغمبر کی بات نہ مانے اور رسالت کا انکار کرے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تشریح اُس وقت کچھ زیادہ چسپاں ہوتی جب ''او'' کے بجائے ''و'' ہوتا۔ اس لئے کہ وہ افتراء اور یہ تکذیب مشرک میں تو دونوں باتیں ایک ساتھ پائی جاتی ہیں۔ اس کے لئے یہ نہ کہا جاتا کہ افتراء کرے یا جھٹلائے لیکن قرآن میں ''او'' ہے جس کے معنی ہیں دونوں میں سے ایک بات یہ ہماری بیان کردہ تشریح کے زیادہ مطابق ہے۔

وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝۶۹

''اور جنھوں نے ہماری راہ میں جدوجہد کی، اُنہیں ہم اپنی راہوں پر لگاتے ہیں یقیناً اللہ اچھے کردار والوں کے ساتھ ہے''۔

یاد رکھنا چاہئے کہ تلوار وغیرہ کی جنگ جسے عام طور پر ''جہاد'' کہتے ہیں اور علم فقہ کی بھی اصطلاح ہے، وہ ''جہاد'' کے لفظ سے جس کے اصلی معنی جدوجہد کے ہیں جو ہم نے ترجمہ کیا ہے، کوئی لازمی تعلق نہیں رکھتا، ہاں وہ اُس کے عمومی مفہوم کی ایک قسم ہے جب کہ وہ ناگزیر ہوجائے اور اس کے شرائط حاصل ہوں۔

---

[1] ممن افترىٰ على الله كذبا اى ___ جحد بايات الله ___ او كذب بالحق لما جاءه من نبوة محمد صلى الله عليه وآله وسلم (تبیان)

www.kitabmart.in

سُوۡرَةُ الرُّوۡمِ

مکّیہ ----۶۰---- آیات

چونکہ اس سورے میں شروع ہی میں رومیوں کی وقتی شکست کا حال اور پھر مستقبل قریب میں اُن کی فتح کی پیشین گوئی درج ہوئی ہے، اس لئے اس کا ''سورۂ روم'' نام ہوا، اس کے علاوہ قدرت کی نشانیوں پر ایک ایک کا نام لے کر مختصر مرقع کشی کے ساتھ نگاہوں کو متوجہ کرنے اور گذشتہ امتوں کے انجام پر متنبہ کرکے جو قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی طرح طرح کے انداز میں مذکور ہے، خاص چیز جس کی صاف صراحت کی گئی ہے، وہ اسلام کا دین فطرت ہونا اور اس کے تقاضوں کا نا قابل تبدیل ہونا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ﴿۲﴾ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ﴿۳﴾ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ۬ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴﴾ بِنَصۡرِ اللّٰہِ ؕ یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵﴾ وَعۡدَ اللّٰہِ ؕ لَا یُخۡلِفُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶﴾

''الف۔لام۔میم۔روم والے قریبی سرزمین میں مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے اس مغلوب ہونے کے بعد بہت جلد پھر غالب آ جائیں گے چند ہی برس کے اندر، اللہ ہی کے ہاتھ میں معاملہ ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی اور اُس دن مسلمان خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ عزت والا ہے، بڑا مہربان۔ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا مگر زیادہ تر لوگ جانتے نہیں''۔

روم والے عیسائی تھے جو اپنے اصول مذہب کے لحاظ سے مسلمانوں کے ساتھ زیادہ قرب رکھتے تھے اور فارس والے مشرک آتش پرست تھے، اس لئے ایرانیوں کے مقابلہ میں رومیوں کو شکست ہوئی تو مسلمانوں کو رنج ہوا۔ اُس وقت تسلّی کے لئے یہ سورہ اور اُس کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں قرآن نے ایک غیب یعنی آئندہ کے متعلق اور وقت کی قید کے ساتھ کہ چند ہی سال میں ایسا ہوگا، یہ پیشین گوئی کی تھی جس پر اہلِ ایمان نے اُسی وقت یقین کر لیا ہوگا مگر منافقین اور مخالفین اسلام کے لئے فطری طور پر وہ ایک بڑا ہی حقانیت اسلام کی آزمائش یا

www.kitabmart.in

(نعوذ باللہ) اُسے غلط ثابت کرنے کا ایک سرمایہ مل گیا جس کی وجہ سے اُنہوں نے وہ آٹھ دس برس کی مدت دن گن گن کر گزاری ہو گی مگر دنیا کی تاریخ موجود ہے اور ہر ایک اب اس وقت بھی حساب لگا کر دیکھ سکتا ہے کہ اس سورے کے نازل ہونے سے اتنی ہی مدت کے بعد یہ واقعہ جس کی خبر قرآن نے دی تھی وقوع میں آ گیا اور اس طرح یہ آیت باعتبار اپنے اخبار بالغیب جس طرح اُس زمانے کے لوگوں کے لئے ایک برہان حقانیت تھی اُسی طرح آج بھی ہر محقق کے لئے وہ ایک برہان کی حیثیت رکھتی ہے۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾

''وہ جانتے ہیں بس دینوی زندگی کے سطحی پہلو کو اور وہ آخرت سے بے خبر ہیں''۔

دنیا کے معاملہ میں نکتہ رسی دین کے بارے میں بے خبری

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں :۔

''یعنی ظاہر دنیا مین جس کا غلبہ دیکھیں، کہیں اللہ اُس سے خوش ہے'' (موضح القرآن)

مگر افسوس ہے کہ یہی ذہنیت مسلم اکثریت کی رہی اور یہ کہ قہر وغلبہ کو دلیل حقانیت سمجھ لیا۔

پھر اس ارشاد قرآنی کو ذرا وسیع دائرہ میں لے جایئے تو قرآن مجید جیسے ایک بڑی حیرت ناک ہی نہیں، عبرت ناک واقعیت پیش کر رہا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے ذہین مفکر، فلسفی جو کتنی فلسفہ کی گھتیاں سلجھا دیں اور دینوی معاملات میں بڑے نکتہ رس کاروباری دنیا کے ماہرین، وہ خدا اور روز آخرت کے بارے میں ایسی سطح پر آ جائیں کہ معمولی باتوں کو جنہیں عام عقل والے سمجھ سکتے ہیں، وہ کسی طرح سمجھانے سے بھی نہ سمجھیں اور آخرت سے بالکل بے خبر رہیں۔ اس مفہوم کو ہمارے پہلے کے بہت قدیم مفسرین نے بہت روزمرہ کی مثالوں سے واضح کیا ہے۔[1]

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا
بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ اَوَلَمْ
يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا
اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ۭ
ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا

---

[1] ای یعلمون من منافع الدنیا ومضارّها ومتیٰ یزرعون و متی یحصدون و کیف یجمعون و کیف یبنون وهم جهّال بالاٰخرة فعمروا دنیاهم وخرّبوا اٰخرتهم عن ابن عباس (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾

''کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو پیدا نہیں کیا مگر صحیح طور پر اور ایک مقررہ مدت کے لئے اور یقیناً زیادہ تر لوگ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری سے منکر ہیں۔ کیا وہ اطراف زمین میں پھرے نہیں ہیں کہ دیکھیں کیا انجام ہوا اُن کا جو ان کے پہلے تھے۔ وہ ان سے زیادہ طاقت ور تھے اور اُنہوں نے زمین کو تہ و بالا کر دیا تھا اور اُس میں عمارتیں بنائی تھیں اُس سے زیادہ جتنی اُنہوں نے بنائی ہیں اور اُن کے پیغمبر اُن کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے تو اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرے مگر وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے، پھر جنہوں نے برائی کی تھی، اُن کا انجام بہت برا ہوا اس لئے کہ انہوں نے آیات الٰہی کو جھٹلایا اور وہ اُس کا مذاق اڑاتے تھے''۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

''اللہ پہلے پہل پیدا کرتا ہے خلائق کو، پھر دوبارہ اُنہیں پلٹا کرلاتا ہے، پھر اُسی کی طرف تمہاری حاضری ہوگی اور جس دن قیامت برپا ہوگی تو گناہ گار لوگ دم بخود ہو جائیں گے اور نہ ہوں گے ان کے ''خیال کیے ہوئے'' شریکوں میں سے اُن کے کوئی سفارشی اور وہ اپنے شریکوں سے منکر ہوں گے اور جس دن قیامت برپا ہوگی اُس دن وہ الگ الگ ہو جائیں گے تو جو ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے، وہ ایک خاص بہشت میں خوش خوش ہوں گے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور آخرت کی حاضری کو تو وہ عذاب میں حاضر کیے جانے والے ہوں گے''۔

''پہلے پہل پیدا کرتا ہے'' یہ تو پہلی زندگی اسی دار دنیا کی ہوگئی اور پھر ''اُنہیں پلٹا کرلاتا ہے'' یہ حیات بعدالموت ہے اور پھر اُس کی طرف تمہاری حاضری ہوگی یہ میدانِ محشر میں حساب وکتاب کے لئے لایا جانا ہے۔

اب چونکہ درمیان والی حیات بعدالموت کے بعد ثم ''پھر'' کے لفظ کے ساتھ جو ذرا فاصلے کا پتہ دیتا ہے بارگاہ الٰہی میں حاضری کا ذکر ہے، اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ درمیان والی زندگی کا ذکر قبر میں سوال وجواب کے لئے زندہ کیے جانے سے متعلق ہے[1] اور ممکن ہے کہ وہ وہی

---

[1] یجوز ان المراد به احیاؤهم فی القبر للمسئالة (تبیان)

www.kitabmart.in

زندگی ہو جو حشر و نشر کے ہنگام میں قبروں سے برآمد ہونے کی صورت میں ہوگی اور "پھر" اس کی طرف تمہاری حاضری ہوگی" یہ موقف حساب و کتاب میں کھڑا ہونا ہے جس کے بعد جزا و سزا کی منزل ہے[1] اور ان دونوں میں فاصلہ زمانہ کے لحاظ سے چاہے نہ ہو لیکن نوعیت کے فرق کی وجہ سے بیچ میں ثُمّ کہا گیا ہے جو بعض مقامات پر صرف ذکر میں ترتیب کے لئے بھی آتا ہے جس کی نظیریں بہت ہیں۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سن چکے۔ اب اس کے بعد یہ سنو۔

فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾

"تو تسبیح ہے اللہ کی جب تم شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو اور اُسی کی حمد ہے آسمانوں اور زمین میں اور رات گئے اور جب تمہیں دوپہر کا وقت ہوتا ہے"

اوقات نماز کی طرف اشارہ

اس آیت میں نماز پنج گانہ کے اوقات کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے:۔

مراد آنست کہ در ہر وقتی از ایں اوقات دلائل تنزیہ او از رذائل و اتصاف او بحمائد متجدد می گردد پس مامور شدند بصلٰوۃ۔

مقصود یہ ہے کہ ان اوقات میں سے ہر ایک میں تمام برائیوں سے اُس کے بری ہونے اور تمام خوبیوں سے اس کے متصف ہونے کے ثبوت تازہ ہوتے رہتے ہیں لہٰذا اُن میں نماز کا حکم ہوا۔

اس صورت میں یہ بات قابل لحاظ ہے اس میں حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ نماز صبح اور عشیًا نماز عشاء چونکہ وقت فضیلت اُس کا بلاشبہ تاخیر کے ساتھ ہے، بس اُس کے بعد ایک لفظ ہے حِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ جس میں فقہ اہل بیتؑ کے مطابق ظہر و عصر دونوں کا وقت آجاتا ہے لیکن اگر اسے نہ مانا جائے اور عصر کے وقت کو ظہر سے جدا قرار دیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آیت صرف چار نمازوں کو بتا رہی ہے۔ پانچویں کا ذکر ہی نہیں ہے۔

اس کے لئے بعض مفسرین نے یہ عجیب ستم ظریفی کی ہے کہ عشیًا سے مراد عصر لے لی ہے اور تُمۡسُوۡنَ میں مغرب اور عشاء دونوں کو درج کیا ہے[2] مگر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ عشاء کا وقت دن ختم ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ دن کے آخری حصے میں نہیں ہے پھر یہ کہ خواہ تُظۡهِرُوۡنَ سے ظہر و عصر دونوں مراد ہوں اور خواہ تُمۡسُوۡنَ سے مغرب و عشاء دونوں مراد لی جائیں دونوں باتیں فقہ اہل بیتؑ ہی کے لحاظ سے درست ہوتی ہیں کہ اصل وقت ظہر و عصر کا بھی ایک ساتھ شروع ہوتا ہے، صرف ترتیب لازم ہے اور اصل وقت مغرب اور عشاء کا بھی اسی طرح ایک ساتھ ہوتا ہے۔ فقہ اہل سنت کے لحاظ سے نہ ظہر کے ساتھ عصر کا وقت آتا ہے، نہ مغرب کے ساتھ عشاء کا بلکہ درمیان درمیان فاصلہ ہے تو وہاں ظہر و عصر کو ایک لفظ کے

---

[1] یعیدھم بعد الموت احیا کما کانو اثمّ الیہ یرجعون یجازیھم باعمالھم (مجمع البیان)

[2] حین تمسون فیہ صلوتان المغرب والعشا ___ وعشیًا فیہ صلوۃ العصر (جلالین)

www.kitabmart.in

ساتھ بیان ہونا چاہئے نہ مغرب اور عشاء کو بلکہ سب کا بیان الگ الگ ہونا چاہئے حالانکہ قرآن مجید میں کہیں ایسا نہیں ہے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١٩﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿٢٢﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾

''وہ نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور نکالتا ہے بے جان کو جاندار سے اور وہ زندہ کرتا ہے زمین کو اُس کے مردہ ہونے کے بعد اور اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے، اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر ایک دم تم چلتے پھرتے ہوئے انسان ہو گئے اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہارے نفوس سے جوڑے قرار دیئے تا کہ سکون حاصل کرو تم اُن سے اور اُس نے تمہارے درمیان محبت اور مہربانی قرار دی یقیناً اُس میں نشانیاں ہیں اُن کے لئے جو غور وفکر کریں اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا اور مختلف ہونا ہے تمہاری زبانوں اور رنگوں کا یقیناً اُس میں نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لئے اور اُس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا ہے رات اور دن میں اور تمہارا روزی طلب کرنا ہے اس میں، یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن کے لئے جو سنیں اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ دکھاتا ہے تمہیں بجلی ڈر اور آسرے کے لئے اور آسمان سے پانی برساتا ہے تو اُس سے زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد، یقیناً اس میں

www.kitabmart.in

نشانیاں ہیں اُن کے لئے جو عقل سے کام لیں اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اورزمین اُس کے حکم سے برقرار ہیں اور پھر جب تمہیں ایک دفعہ زمین کے اندر سے وہ بلائے گا تو ایک دم تم نکل کھڑے ہوگے اور اُس کے ہیں سب لوگ جو آسمانوں اورزمین میں ہیں، سب اُس کی اطاعت کرنے والے ہیں اور وہ ہی وہ ہے جو پہلی دفعہ خلائق کو پیدا کرتا ہے۔ پھر دوبارہ زندہ کرے گا اور وہ اُس کے لئے بہت آسان ہے اور اُس کے لئے بلندترین وصف ہے آسمانوں اورزمین میں اور وہ عزت والا ہے، حکمت والا''۔

قدرت الٰہی کی نشانیوں میں زبانوں کے اختلاف کے بیان سے ایک تصور ذہن میں یہ آتا ہے کہ سوا اُن زبانوں کے جو باہمی میل جول سے بنی ہیں جیسے اردو، باقی جو اصل زبانیں مختلف ملکوں کی ہیں وہ شروع شروع قدرتی طور پر من جانب اللہ پیدا ہوئی ہیں، پھر ان میں رفتہ رفتہ ترقی انسانوں کی کارگزاری سے ہوئی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قدرت کی طرف سے مختلف ملکوں کے زبان ودہن کی ساخت اُن زبانوں میں دخل رکھتی ہو۔ [1]

''سونا ہے رات اور دن میں اور تمہارا روزی طلب کرنا اُس میں'' بظاہر یہ آخر والی ضمیر نہار یعنی دن کی طرف راجع ہے، چونکہ کاروبار تجارت اور زراعت کا فطری موقع دن ہوتا ہے لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ جیسے سونے کا عمومی وقت رات کا ہوتا ہے لیکن دن کو بھی آدمی سو رہتا ہے، اُسی طرح تحصیل معاشی کا عام وقت دن ہے لیکن رات کے کچھ حصے میں بھی یہ کام ہوتا ہے۔ [2]

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

''اُس نے تمہارے لئے مثال پیش کی ہے خود تمہاری، کیا تمہارے جو ملکیت میں غلام ہیں اُن میں سے کچھ اُس دولت میں جو ہم نے تم کو دی ہے تمہارے ساتھ حصہ دار ہیں کہ تم سب اس میں برابر کا حق رکھتے ہو اور تم اُن سے اس طرح ڈرو جس طرح اپنے آپس کے آدمیوں سے ڈرتے ہو؟ اس طرح ہم باتیں تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیں بلکہ جو ظالم ہیں، انہوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے بغیر واقفیت کے تو کون ہدایت کرسکتا ہے اس کی جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اور اُن لوگوں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوں گے''۔

پیش کردہ مثال کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے غلام تمہارے اموال میں برابر کے حصہ دار نہیں ہیں تو اللہ کے بندوں کو تم اس کے

---

[1] ان كانت اللغات توقيضية فهو الذى فعلها وان كانت مواضعة من قبل العباد فهو الذى يسرها (مجمع البيان)

[2] قبل انّ الّيل والنّهار معا وقت النّوم دوقت ابتغاء الفضل (مجمع)

www.kitabmart.in

قلم رو ربوبیت میں اُس کے شریک کیوں مانتے ہو اور خدائی کا درجہ کس لئے دیتے ہو؟ [۱]

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۳۱ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۳۲

”تو اپنا رخ سیدھا رکھو دین حق کے لئے سب راستوں سے ہٹ کر، اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔ اُس سے لو لگائے رہو اور اُس سے ڈرو اور نماز پڑھتے رہو اور مشرکوں میں سے نہ ہو، اُن میں سے جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈال دیا اور وہ مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ ہر جماعت اُس سے جو اُن کے پاس ہے خوش ہے۔“

اسلام کا دین فطرت ہونا

”خوش ہے“ یعنی اُس کیش کو جسے وہ بطور ”دین“ اختیار کئے ہوئے، سچا سمجھتے ہیں۔ [۲]

یہ سمجھنا اگر فطری طور پر قصور ذہن کا نتیجہ ہوتا تو قابل معافی تھا جیسا کہ مجنون مرفوع القلم ہوتا ہے لیکن چونکہ اس میں ذہنی تساہلی اور فرض تحقیق کے انجام دینے میں کوتاہی کارفرما ہے لہٰذا وہ باعث معذوری نہیں ہے۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝۳۳ لِيَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳۴ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ۝۳۵

”اور جب لوگوں پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اپنے پروردگار سے لو لگاتے ہوئے اُس سے دعا کرتے ہیں، پھر جب وہ اپنی طرف سے اُنہیں کچھ مہربانی کا مزہ چکھاتا ہے تو اُن میں سے ایک فریق ایک دم شرک کرنے لگتا ہے تاکہ جو

---

[۱] المعنى انكم اذلم ترضوا العبيد كم ان يكونوا شركآء لكم فی اموالكم واملاككم فكيف ترضون لربكم ان يكون له شركآء فی العبادة (مجمع البيان)

حاصل مثل این است که مملوک یا مالک برابر نمی شود پس مملوک خدا را شریک او نتوان گفت (فتح الرحمٰن)

[۲] كل فريق بدينهم معجبون مسرودون يظنون انّهم على حق (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

ہم نے اُنہیں عطا کیا ہے، اُس کا کفرانِ نعمت کریں تو اچھا فائدہ اٹھا لو، اس کے بعد تمہیں معلوم ہوگا۔ کیا ہم نے اُن پر کوئی ثبوت اُتارا ہے کہ وہ اُن کے سامنے بولتا ہو، اُس کے ساتھ جو وہ شرک کرتے ہیں''۔

''شرک اعتقادی'' نہ سہی تو ایک طرح کا شرک عملی اُس کی اطاعت کو چھوڑ کر شیطان کی اطاعت کرنا یا نفسانی خواہش کی پیروی کرنا بھی ہے جسے دوسری جگہ قرآن مجید میں ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ: مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ''جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنایا'' اس معیار پر جا پہنچے تو جو کردار قرآن نے ان آیتوں میں اور متعدد جگہ قرآن میں اور بھی، مشرکین کا پیش کیا ہے، وہ مسلمانوں ہی میں نہیں بلکہ ''مومنین کرام'' میں بھی نظر آتا ہے یا نہیں؟

جب تک لڑکی کی شادی نہیں ہو رہی تھی، خدا یاد تھا، دعائیں اُس سے مانگی جا رہی تھیں اور جب ماشاء اللہ وہ دن آیا اور فضلِ خدا سے شادی کا ہنگام آیا تو اب خدا سے مطلب نہیں۔ وہ باتیں اب کی جا رہی ہیں جو اُسے ناراض کرنے والی اور شیطان کو خوش کرنے والی ہیں۔ گانا بجانا اور ناچ رنگ اور وہ بھی رات بھر اب شیطان ہی شیطان ہے، خدا کا نام نہیں۔ یہ کیا اسلام اور ایمان کا تقاضا ہے؟

اس ناشکرے پن پر اُس نے تہدیدی انداز میں کہا ہے کہ ''اس کے بعد تمہیں معلوم ہوگا''۔ [1]

اب ہوسکتا ہے اسی دنیا میں معلوم ہو جائے کہ کفرانِ نعمت کے نتیجہ میں سلب نعمت ہو جائے اور شادی ''ناشادی'' سے بدل جائے اور خواہ آخرت میں معلوم ہو، جب وہاں کا عذاب سامنے آئے۔

اب خدا کی نعمتوں کے مقابلہ میں یہ کردار اگر اجتماعی طور پر پوری قومِ مسلم نے اختیار کیا ہے تو اُس کے نتائج بھی سلب نعمت کی صورت میں پوری قوم کے سامنے آئیں گے، چاہے اُس پر اب کتنے ہی دردمندانہ انداز میں ''شکوہ'' کیا جائے مگر پھر ''جوابِ شکوہ'' بھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر خود ہی دینا پڑے گا۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

''اور جب ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو مہربانی کا ذائقہ تو وہ اُس سے خوش ہو جاتے ہیں اور جو کچھ وہ اپنے ہاتھوں کر چکے ہے، اُس کی پاداش میں اُن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو ایک دم وہ نااُمید ہو جاتے ہیں، اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ وسعت دیتا ہے روزی میں جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگی کرتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن کے لئے جو ایمان لائیں۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ

[1] ای فانتفعوا بهٰذه النّعم الدنیویة کیف شئتم فسوف تعلمون ما فیه من کفرکم و معصیتکم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

''تو قرابت دار کو اُس کا حق دیجئے اور مسکین اور مسافر کو، یہ بہتر ہے اُن لوگوں کے لئے جو رضائے الٰہی کے طلب گار رہوں اور یہی لوگ ہر طرح کی بہتری پانے والے ہیں''۔

وہ ارشادِ الٰہی جس کی بنا پر فدک ہبہ کیا گیا

روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت مستقل طور پر حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے اتری ہے اور اُس کے اترنے کے بعد حضرتؐ نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو بلا کر فدک ہبہ فرمایا تھا، یہ روایت فریقین کے یہاں متفقہ حیثیت سے موجود ہے۔

بے شک بعد کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ قرابت داروں، محتاجوں اور مسافروں کو یہ عطا کرنے کا حکم ہے سب ہی کے لئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس پر عمل کرنا اپنی جانب سے اُس کی عملی مثال قائم کرنے کے لئے تھا۔ اس طرح اُس کی دوسری تفسیر بھی جو عموم کا پتہ دیتی ہے [1] اس متفق علیہ روایت کے خلاف نہیں ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

''اور جو تم لوگ سودی روپیہ دو تا کہ وہ لوگوں کے مال میں مل کر اضافہ پائے تو وہ اللہ کے یہاں اضافہ کا باعث نہیں ہوگا اور جو تم زکوٰۃ دو جس سے اللہ کی خوشنودی چاہتے ہو تو یہ وہ لوگ ہوں گے جو دونا دون پائیں گے''۔

سود میں خسارہ اور زکوٰۃ میں فائدہ

انسان سود کھاتا ہے اس لئے کہ مال و دولت میں اضافہ ہو اور اللہ کی طرف کے حقوق مالیہ زکوٰۃ و خمس دینے سے اس لئے گریز کرتا ہے کہ اس سے مال میں کمی ہوگی مگر خالق ارشاد فرماتا ہے کہ اس سود سے چاہے اس دنیا میں کچھ دولت بڑھ بھی جائے مگر اللہ کے یہاں اُس میں خسارہ ہی خسارہ ہے اور اس زکوٰۃ و خمس سے مال میں وقتی طور پر کمی ہو جاتی ہے مگر نتیجہ میں اس سے دونا دون اضافہ ہی ہوتا ہے کہ اس دنیا میں بھی مال میں برکت ہوتی ہے اور خدا کے یہاں ثواب تو اتنا گنا ملتا ہے کہ انسان اُس کی حد ہی مقرر نہیں کر سکتا اس لئے حدیث میں ہے:۔ ما نقص مال من صدقة (مجمع البیان) کسی مال میں خیرات سے کمی نہیں ہوتی۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾

''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں روزی دی، پھر تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا

---

[1] قيل انه خطاب له صلى الله عليه وآله ولغيره والمراد بالقربى قربى الرجل وهو امر بصلة الرحم بالمال والنفس عن الحسن (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

تمہارے (مانے ہوئے) شریکوں میں کوئی ہے جو اس میں سے کچھ بھی کام انجام دے؟ پاک ہے اس کی ذات اور بلند ہے اُس سے جو وہ شرک کرتے ہیں"؟

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾

"خرابی نمایاں ہوگئی ہے خشکی اور تری میں اُن کاموں سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کیے تاکہ وہ چکھائے اُنہیں کچھ اُن کے اعمال کا مزہ شاید کہ وہ پلٹیں" یعنی توبہ کریں۔[1]

لوگوں کے اعمال سے دو (۲) طرح خشکی اور تری میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اُن کی بداعمالیوں کے نتیجہ میں تنبیہی طور پر زلز لے اور طوفان وغیرہ آئیں یا زراعتوں کی تباہی اور قحط سالی کا دور دورہ ہو۔[2]

دوسرے اُس طرح جس کا تجربہ آج دنیا کو ہو رہا ہے کہ لوگوں کی نفع اندوزی کی ہوس سے اجناس کی کمی ہو جائے۔ ریلوں کے ڈرائیور اور جہازوں کے کپتان وغیرہ ادائے فرائض میں کوتاہی سے اکثر لوگوں کی ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ ﴿٤٢﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿٤٣﴾ مَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿٤٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٤٥﴾

"کہئے کہ چلو پھرو زمین میں، پھر دیکھو کہ کیا انجام ہوا اُن کا جو اس کے پہلے تھے؟ وہ زیادہ تر مشرک تھے، تو تم اپنا رُخ سیدھا رکھو صحیح دین کے لئے قبل اس کے کہ وہ دن آئے اللہ کی طرف سے جسے پلٹنا نہیں ہے، اُس دن وہ الگ الگ ہو جائیں گے، جو کفر اختیار کرے، اُس کفر سے نقصان اُسی کو ہوگا اور جو اچھے اعمال کرے تو وہ لوگ خود اپنے لئے سامان کر رہے ہیں تاکہ وہ انہیں جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے اپنے فضل و کرم سے صلہ دے اور یقیناً وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا"۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَن يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُم مِّن رَّحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ

---

[1] یتوبون (جلالین)

[2] قبل بالعدل ینبت اللہ الزّرع ویدرّ الضّرع وبالظلم یکون القحط وضیق الرزق (تبیان)

www.kitabmart.in

الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾

''اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو خوش خبری دینے والی بنا کر اور اس لئے کہ چکھائے تمہیں مزہ اپنی رحمت کا اور اس لئے کہ چلیں کشتیاں اُس کے حکم سے اور اس لئے کہ تم اس کے فضل وکرم سے روزی حاصل کرسکو اور شاید تم شکر گزار ثابت ہو''۔

اس میں ہواؤں کے جتنی قسم کے نمایاں فائدے ہیں، اُن کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہواؤں کا خوش خبری دینا زبان سے نہیں ہوتا بلکہ چونکہ اُن کی رفتار سے بارش کی اُمید پیدا ہوتی ہے، اس لئے اُن کی طرف خوش خبری کی نسبت دی گئی ہے، جس طرح اپنے ارادہ خاص سے اُن کے چلانے کو بھیجنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔[۱]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

''اور ہم نے بھیجے آپ کے قبل بہت سے پیغمبر اُن کی قوم کی طرف تو وہ اُن کے پاس معجزے لائے تو جو گناہ گار ثابت ہوئے، اُن سے ہم نے بدلا لیا اور ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمے ایک لازم الا داحق تھا''۔

اللہ پر بتقاضائے عدل واجب ہونا

جن کا تصور یہ ہے کہ اللہ پر کسی امر کو واجب کہنے کا مطلب اُس کی قدرت کو محدود کرنا ہے، وہ خود اللہ سبحانہ کے اس ارشاد پر توجہ کریں کہ کان حقا علینا نصر المؤمنین جس کا بالکل تحت اللفظی مگر مطلب خیز ترجمہ یہی ہوتا ہے جو میں نے کیا ہے کہ ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمے ایک لازم الا داحق تھا''[۲] اب اس مطلب کو چاہے کوئی کسی زبان میں ادا کرے مگر عربی میں علی کا لفظ لازمی ذمہ داری ہی کا پتہ دیتا ہے تو کسی بھی نقطہ نظر والے کو اس وجوب ولزوم کے پہلو کا چھوڑ نا ممکن ہی نہیں ہے۔[۳] مگر یہ وجوب ولزوم کسی دوسری بالادست طاقت کی طرف سے نہیں ہے تا کہ اس کی قدرت قاہرہ اور ربوبیت مطلقہ کے خلاف ہو بلکہ یہ اس کے تقاضائے عدل وحکمت کی بنا پر اور کمال ذات وافعال کا نتیجہ ہے۔ یہی مطلب یہ کہنے کا ہے کہ اللہ پر عدل واجب ہے، تکلیف بلا بیان یا تکلیف مالا یطاق ناممکن ہے۔ اس کے معنی قدرت کی نفی کے نہیں ہیں بلکہ تقاضائے کمال ذاتی کے اظہار کے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ

---

[۱] فکانّہا ناطقات باللّسان لما فیہا من الدّلالۃ علیہ وارسال الرّیاح تحریکہا واجراؤہا فی الجہات المختلفۃ (مجمع البیان)

[۲] ای اوجبنا علیٰ انفسنا ان ننصر المؤمنین من عبادنا (تبیان)

[۳] کان واجبا علینا نصرھم باعلاء الحجّۃ ودفع الاعداء عنھم (مجمع البیان) بود نصدت مسلمانان لازم بدما (شاہ ولی اللہ) تھا لازم اوپر ہمارے (شاہ رفیع الدین)

www.kitabmart.in

كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ
اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ
لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ
ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ
مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

''اور وہ وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو لاتی ہیں، اس کے بعد اُسے آسمان میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے اور اسے مختلف ٹکڑوں کی شکل میں لاتا ہے تو بڑی بڑی بوندوں کے مینھ کو دیکھو گے کہ وہ اس کے اندر سے نکلتا ہے تو جب وہ اُسے پہنچاتا ہے جس حد تک اپنے بندوں میں سے وہ چاہتا ہے تو وہ ایک دم خوش ہو جاتے ہیں، اگرچہ وہ اس سے پہلے کہ یہ اُس کی طرف سے اُن پر اترے، ناامید تھے تو دیکھو اللہ کی رحمت کے اثرات کو کس طرح وہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد، یقیناً وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ تو ہر چیز پر قادر ہے اور اگر ہم ایسی ہوا بھیج دیں کہ وہ اُس (کھیتی) کو زرد دیکھیں تو اس کے بعد وہ کفر اختیار کریں گے''۔

حیات بعد الموت کے لئے قرآن مجید جو مثالیں پیش کرتا ہے، وہ بھی اُن غیر اسلامی جزا و سزا کے تصورات کو ختم کرنے کے لئے کافی ہیں جو آج کل کے بعض مادیت یا بخیال خود ''عقلیت'' کے پرستار دعویداران اسلام حشر و نشر کے بارے میں قرآن مجید کے سر منڈھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ
بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

''تو یقیناً آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر منحرف ہوں اور نہ آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے ہٹا کر راستے پر لگا سکتے ہیں، آپ تو نہیں سنا سکتے مگر اُنہیں جو ہماری آیتوں کا اعتبار کریں تو وہی اسلام قبول کرتے ہیں''۔

ظاہر ہے کہ حضرتؐ کوئی قبرستانوں میں جا کر واقعی مردوں کو تو آواز دیتے نہیں تھے، آپ تو جیتے جاگتے لوگوں ہی کو دعوت حق دیتے تھے مگر چونکہ کفار و مشرکین آپ کے کلام کو توجہ سے نہیں سنتے اس لئے بطور استعارہ اُن کی تعبیر مردوں سے کی گئی جس کی نظیر قرآن مجید میں دوسری جگہوں پر بھی موجود ہے اور اسی لحاظ سے اُنہیں بہرا اور اندھا بھی کہا گیا ہے۔[1]

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ

[1] شبه الكفار لترك تأثرهم فيما يدعوهم اليه النبی ﷺ تارة بالاموات وتارة بالصمّ (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿۵۴﴾

''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا کمزور، پھر کمزوری کے بعد طاقت دی، پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپے کا دور قرار دیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ بڑا جاننے والا ہے، قدرت والا''۔

یہاں بقرینۂ سیاق ''جو چاہتا ہے'' سے انواعِ مخلوقات مراد نہیں بلکہ گوناگوں کیفیات مراد ہیں۔[۱]

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۫ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

''اور جس دن قیامت بپا ہوگی، گنہ گار لوگ قسمیں کھائیں گے کہ وہ تھوڑی دیر سے زیادہ نہیں رہے، ایسے ہی وہ تو (پہلے بھی) بے راہ روی میں مبتلا تھے اور کہیں گے وہ جنہیں علم اور ایمان عطا ہوا تھا کہ تم اللہ کے نوشتے کے مطابق دوبارہ کی زندگی تک اس عالم میں رہے چنانچہ یہ وہ دوبارہ کی زندگی کا دن ہے مگر تم جانتے نہیں تھے تو اُس دن ظالموں کو اُن کی عذرخواہی کچھ فائدہ نہ دے گی اور نہ اُنہیں تلافی کا موقع دیا جائے گا''۔

دورِ برزخ کا قیامت میں فراموش ہونا

دورِ برزخی میں ایک طرح کی زندگی ثابت ہے اور یہ برزخ والا دور وہی ہے جو موت کے بعد سے قیامت کی دوبارہ زندگی تک ہے مگر قرآن مجید کی اس آیت اور اس مضمون کی دوسری آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور کی زندگی کا آئندہ کے دورِ حیات سے جو قیامت میں ہوگا کوئی ربط نہیں ہے یعنی جو کچھ اس درمیانی دور میں ہوا، وہ اُس وقت یاد نہیں ہوگا کہ جب قیامت میں اُٹھیں گے، اُنہیں بالکل احساس نہیں ہوگا کہ اس سے پہلے کس عالم میں تھے۔[۲]

بے شک جو دار دنیا کی پہلی زندگی ہی میں جانتے اور مانتے تھے کہ موت آئے گی اور پھر برزخ ہوگا اور پھر قیامت میں حیاتِ ثانیہ ہوگی، وہ اپنے اُنہیں معتقدات کی روشنی میں حقیقت کا انکشاف کرسکیں گے کہ ہمیں تو پہلے سے قدرت کا پروگرام معلوم تھا کہ مرنے کے بعد قیامت تک عالم برزخ میں رہنا پڑے گا اور پھر تمام اہل دنیا کی عمر ختم ہونے کے بعد قیامت کا دن ہے جس دن تازہ زندگی ہوگی تو یہ وہی قیامت کا دن ہے جس کی ہمیں پہلے سے خبر تھی مگر تم نے پہلے ہی اس علم کو حاصل نہ کیا تھا، اس لئے آج تم یہ جہالت کی باتیں کررہے ہو۔

بعض مفسرین نے اس کو دورِ برزخی سے متعلق قرار ہی نہیں دیا ہے بلکہ یہ مطلب قرار دیا ہے کہ آخرت کی سختیاں دیکھ کر وہ دنیا کی زندگی کو

[۱] ما يشآء من ضعف و قوة (مجمع البيان)
[۲] ما لبثوا في القبور (جلالين) یعنی قبر کا رہنا تھوڑا معلوم ہوگا (موضح القرآن)

www.kitabmart.in

یاد کریں گے کہ افسوس وہ کتنی مختصر تھی۔[۱] مگر میرے خیال میں بہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے اور اہل علم و ایمان کا جو جواب درج کیا گیا ہے، وہ بھی اس کے ساتھ چسپاں نہیں ہے۔

بے شک اس قسم کی آیات سے عالم برزخ والے عذاب کا سمجھنا مشکل ہے، اس لئے کہ یہ آیات اُس دور میں بالکل بے خبری کا پتہ دیتی ہیں اور ظاہر ہے کہ عذاب میں بغیر شعور و احساس کے کوئی معقولیت نہیں ہے، اس لئے بعض اہل فکر نے اِن آیات سے عذاب برزخ کی نفی پر استدلال کیا ہے مگر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عذاب قبر تو میعادی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے اُس میعاد کے ختم ہونے کے بعد اُن پر بے حسی کا عالم طاری ہوجاتا ہے اور یہ سوال و جواب اُس بے حسی کے بعد دوبارہ زندہ ہوکر اٹھنے کے موقع کا ہے لہٰذا اس میں اور عذاب قبر میں کوئی منافات نہیں ہے۔[۲]

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾

"اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال پیش کی ہے اور اگر آپ اُن کے پاس کوئی بھی معجزہ لایئے تو کافر لوگ ضرور یہی کہیں گے کہ تم لوگ نہیں ہو مگر غلط راستے پر، اسی طرح اللہ مہر کرتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو جانتے بوجھتے نہیں تو آپ صبر و تحمل سے کام لیجیے یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور آپ کو جوش میں نہ لائیں وہ جو یقین نہیں کرتے"۔

---

[۱] من استدل بہذہ الآیۃ علی نفی عذاب القبر فقد ابعد لما تیّنا انّہ یجوز ان یریدوا انّہم لم یلبثوا بعد عذاب اللہ الا ساعتہ (مجمع البیان)

[۲] من استدلال بہذا الایۃ علی نفی عذاب القبر فقد العبد لما تینّا انّہ یجوز ان (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ لُقْمٰنَ

مکّیہ----۳۴---آیات

چونکہ جناب لقمان علیہ السلام کا ذکر خاص اسی سورے میں ہے، اس لئے اس کا نام اُن کے نام پر ہوا۔

سورۂ لقمان کے خاص خاص مضامین:

۱۔"لہوالحدیث" کی حرمت جس کی تفسیر غنا یعنی گانے کے ساتھ ہوئی ہے۔

۲۔جناب لقمان کے مواعظ ونصائح۔

۳۔ادائے شکر کے حکم میں اللہ کے ساتھ والدین کا ذکر۔

۴۔مخالفت پروردگار میں والدین کی اطاعت حرام، پھر بھی حسن سلوک کی ہدایت۔

۵۔کلمات الٰہی کی کثرت ووسعت۔

۶۔غیب کی اُن باتوں کا ذکر جن کا علم بس اللہ کو ہے۔وغیرہ وغیرہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے"

الٓمّٓ ① تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ② هُدًى وَّرَحۡمَةً لِّلۡمُحۡسِنِيۡنَ ③ الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ ④ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ⑤

"الف۔لام۔میم۔یہ آیتیں ہیں حکمت بھری کتاب کی۔ہدایت اور رحمت اچھے اعمال والوں کے لئے جو نماز پڑھتے، زکوۃ دیتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، یہ لوگ سیدھے راستے پر ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے اور یہ لوگ ہر طرح کی بہتری پانے والے ہیں"۔

ان ابتدائی آیات کا مضمون سورۂ بقرہ کے ابتدائی آیات میں آچکا ہے اور اس کی تشریح وہاں کی جا چکی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ

www.kitabmart.in

وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑥ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑦

''اور انسانوں میں ایسا شخص بھی ہوتا ہے جو تفریحی باتوں کا خریدار ہے تا کہ اللہ کے راستے سے بغیر واقفیت کے بھٹکائے اور اُس کا مذاق اڑائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور جب اُس کے سامنے ہماری آیتیں پیش ہوتی ہیں تو وہ منہ موڑتا ہے تکبر سے کام لیتا ہوا جیسے کہ اُس نے سنا ہی نہیں، جیسے کہ اس کے کانوں میں گرانی ہے تو اسے خوشخبری دو نا دون عذاب کی''۔

حرمتِ غناء

لھو الحدیث جس کا ترجمہ ہم نے ''تفریحی باتوں'' کے ساتھ کیا ہے، اُس کی تفسیر گانے بجانے اور شراب خواری وغیرہ کے ساتھ ہوئی ہے زیادہ قوت اسی کو ہے کہ اُس سے مراد غناء یعنی گانا ہے۔[1]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ⑧ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑩ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ⑪

''یقیناً وہ جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے، اُن کے لئے آرام والے بہشت ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کا حتمی وعدہ ہے اور وہ عزت والا ہے، حکمت والا، اس نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر کسی ستون کے جسے تم دیکھو اور زمین میں اس نے پہاڑوں کو رکھا کہ وہ تمہیں لئے ہوئے ڈانوا ڈول نہ ہو اور اس میں ہر طرح کے چلنے پھرنے والے پھیلا دیے اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا تو اس سے ہم نے ہر قسم کی چیزیں اگائیں۔ یہ تو ہے اللہ کی تخلیق۔ اب تم مجھے دکھاؤ جو اس کے علاوہ دوسروں نے پیدا کیا ہو بلکہ ظالم لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں''۔

''بغیر کسی ستون کے جسے تم دیکھو'' اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اتنے بڑے آسمانوں کے لئے کوئی ستون ہوتا تو وہ تمہیں دکھائی دیتا، جب تمہیں دکھائی نہیں دے رہا ہے تو یقین جانو کہ اس نے بغیر کسی ستون کے صرف اپنی قدرت سے اسے بلند کیا ہے اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ

---

[1] اکثر المفسّرین علیٰ انّ المراد بلھو الحدیث الغناء وھو قول ابن عباس وابن مسعود وغیرھما وھو المرویّ عن ابی جعفر وابی عبداللہ علیہ السلام (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اس میں ایسے ستون نہیں ہیں جو تمہیں دکھائی دیں۔اس میں ستون ویسے ہیں جو تمہیں دکھائی نہیں دیتے۔علامہ طبرسیؒ نے پہلے مفہوم کو ترجیح دی ہے مگر وجہ ترجیح کچھ درج نہیں فرمائی۔[1]

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

''اورہم نے لقمان کوحکمت عطا کی کہ اللہ کا شکرادا کرو اور جو شکرادا کرے گا وہ اپنے لئے اور جو کفرانِ نعمت کرے گا تو بلا شبہ اللہ بے نیاز ہے قابل تعریف''۔

جناب لقمان کے بارے میں اختلاف ہے،بعض اُن کو نبی کہتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ وہ نبی نہ تھے اللہ کے بس ایک نیک بندے تھے جنہیں اللہ نے خاص دانش مندی کا جوہر عطا کیا تھا۔[2]

قرآن مجید کا انداز بیان کہ ''ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی'' اور پھر ان کے ساتھ ایک طرح کا تخاطب جو وحی کا انداز رکھتا ہے، ذہن میں نبوت کے تصور کو تقویت دیتا ہے۔علامہ طبرسیؒ نے اور بھی اقوال درج کیے ہیں اور ایک حدیث نبوی بھی کہ وہ نبی نہیں تھے مگر یہ حدیث کسی معتبر سند کے ساتھ نہیں ہے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾

''اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے کہا اے بیٹے ! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے''۔

آغاز وصایائے لقمانؑ

یہاں سے حضرت لقمان کی وصیتیں شروع ہو رہی ہیں اور یہ وہی پیغام توحید ہے جو تمام انبیاء کا پیغام رہا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

''اور ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کے بارے میں ہدایت کی جس کو اس کی ماں نے بزمانۂ حمل اٹھایا دُہری

---

[1] الصّحیح الاوّل (مجمع البیان)

[2] قال ابن عباس و مجاھد و قتادة لم یکن لقمان نبیّا و قال عکرمة کان نبیّا (تبیان)

www.kitabmart.in

دُہری تکلیفوں کے ساتھ اور دو برس میں اس کی دودھ بڑھائی ہوئی کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر گزار رہنا، میری ہی طرف تو آخر میں پلٹنا ہے اور اگر وہ تجھ سے کوشش کے ساتھ یہ چاہیں کہ میرے ساتھ شریک کرا ُسے جس کا تجھے کوئی علم نہیں ہے تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں اُن کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے رہنا اور پیروی اُن کے راستے کی کرنا جنھوں نے مجھ سے لو لگائی، پھر میری طرف تم لوگوں کو پلٹنا ہے تو میں تمہیں بتلاؤں گا جو تم کرتے تھے۔''

حقوق والدین میں ماں کے حق پر خصوصی زور

یہ آیات اگر تنزیل میں بھی اس طرح وارد ہوئیں تھیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جناب لقمان علیہ السلام کی گفتگو کا تذکرہ چھیڑ کر خالق نے بیچ میں بطور جملۂ معترضہ کے حقوق والدین کی طرف متوجہ فرمایا ہے جس کی مناسبت شاہ عبدالقادر صاحب اس طرح بتاتے ہیں کہ:۔

''باپ نے اللہ کا حق بتایا، اللہ نے باپ کا'' (موضح القرآن)

مگر یہ تناسب اس آیت کے پورے مضمون سے کچھ دل کو لگتا نہیں اس لئے زیادہ تصور یہ ہوتا ہے کہ یہ آیت مقام تنزیل میں اس گفتگو کے درمیان نہ تھی۔

حق ایمانی نہیں بلکہ انسانی

آخر میں یہ کہنے کے بعد کہ ''اگر وہ دونوں (ماں باپ) تمہیں مشرک بنانے کی کوشش کریں تو اُن کا کہنا نہ ماننا، پھر یہ کہ 'دنیا میں اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا'' یہ بتاتا ہے کہ یہ حسن سلوک کا حکم اُنہی مشرک ماں باپ کے ساتھ ہے جو اُسے بھی شرک کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔[1] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک حق ایمانی نہیں، حق انسانی ہے۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ⑯

''اے بیٹے! یقیناً اگر رائی کے ایک دانے بھر بھی کچھ ہو اور وہ کسی پتھر کے نیچے ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں تو اسے بھی اللہ لائے گا اور وہ باریک نگاہ والا ہے، خوب واقف''۔

اب پھر سلسلہ جناب لقمان علیہ السلام کے مواعظ کا شروع ہو گیا۔

یہ رائی کے دانے بھر............کسی پتھر کے نیچے ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں............کیا چیز؟ اس کے لئے ہماری قدیم تفسیر میں یہ ہے کہ ''روزی'' مراد ہے۔[2] دوسری تشریح یہ ہے کہ انسان کا عمل نیک یا بد، کتنے ہی پردوں میں ہو مگر خدا سے چھپ نہیں سکتا۔[3]

[1] ای احسن الیہما وارفق بہما فی الامور الدّنیاویۃ وان وجبت مخالفتہما فی ابواب الدّین لمکان کفرھما (مجمع البیان)

[2] قال من الرزق (علی بن ابراھیم)

[3] من خیر او شرّ یات بہا اللہ ویحاسب علیہا و یجازی (تبیان)

www.kitabmart.in

بعض لوگوں نے شاید انداز بیان میں کچھ تہدیدی انداز محسوس کرتے ہوئے اس میں ''برے عمل'' کی خصوصیت سمجھی ہے۔[1]

علامہ طبرسیؒ نے تفسیر عیاشی کے حوالہ سے امام جعفر صادقؑ کی حدیث اس کی تائید میں پیش کی ہے۔ اس صورت میں زمین کے ساتھ ''آسمان'' کا ذکر صرف بطور محاورہ ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ سات (۷) پردوں میں بھی ہو تو چھپے گا نہیں۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٧﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿١٨﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿١٩﴾

''اے بیٹے! نماز قائم رکھو اور اچھے کاموں پر آمادہ کرو اور برائی سے روکو اور جو تمہیں مصیبت درپیش ہو، اس پر صبر کرو۔ یقیناً یہ اہم باتوں میں سے ہے اور لوگوں کے لئے اپنا رخسارہ نہ جھکاؤ اور زمین میں اتراتے نہ پھرو، یقیناً اللہ شیخی رکھنے والے، اکڑنے والے کو دوست نہیں رکھتا اور اپنی رفتار میں اعتدال قائم رکھو اور اپنی آواز دھیمی رکھو، یقیناً بدترین آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے''۔

''صلوٰۃ'' جس کا ترجمہ ہماری زبان میں ''نماز'' ہوتا ہے جناب یحییٰؑ اور جناب عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے اذکار سے بھی گذشتہ شریعتوں میں اس کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ارکان و اجزاء میں اس کے مختلف شریعتوں کے لحاظ سے کچھ تبدیلی ہوتی رہی ہو جس سے اس کی اصل حقیقت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ کا ترجمہ ''اہم باتوں میں سے ہے'' ایک تشریح کے مطابق ہے۔[2] دوسری تشریح کے مطابق یہ ترجمہ درست ہوگا ''مضبوط ہمت کے کاموں میں سے ہے''۔[3]

''لوگوں کے لئے اپنا رخسارہ نہ جھکاؤ'' یہ ترجمہ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ کا ہماری قدیم تفسیر کے مطابق ہے خاص کر کلمات معصومینؑ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مالداروں کے سامنے طمع مال میں تذلل اختیار نہ کرو۔[4] مگر اس کی دوسری تشریح یہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے اپنا منہ نہ موڑو۔[5] یعنی غرور و تکبر سے کام نہ لو۔ ہماری رائے میں اس مفہوم کے لئے عن الناس ہوتا تا کہ اعراض کے معنی پیدا ہوں لیکن وہاں ہے للناس یہ لفظ پہلے ہی مفہوم سے مناسبت رکھتا ہے۔

---

[1] الخصلة السّيئة (جلالین) خطبة (شاہ ولی اللہ)

[2] ای معزوماتها الّتی علیها لوجوبها (جلالین) ایں مقدمہ از کارہائے مقصود است (شاہ ولی اللہ) یہ بڑے کاموں میں سے ہے (رفیع الدین)

[3] العزم العقد علی الامر بتوطین النّفس علی فعله (تبیان)

[4] ای لا تذلّل للنّاس طمعا فیما عندهم (علی بن ابراهیم)

[5] معناه لا تعرض بوجهك عن النّاس تكبّرا ذكره ابن عباس (تبیان)

www.kitabmart.in

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہیں فائدہ پہنچانے پر مجبور کیا ہے تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو فراواں کیا ہے اور آدمیوں میں بعض ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر علم اور بغیر ہدایت اور بغیر کسی روشن کتاب کے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اُس کی جو اللہ نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ (نہیں) بلکہ ہم پیروی کریں گے اُس کی جس پر ہم نے اپنے باپ داداؤں کو پایا ہے، کیا چاہے انہیں شیطان بلایا کرتا ہو آتش دوزخ کی طرف''

''اللہ نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو فراواں کیا ہے'' اس کی تشریحیں بہت ہوئی ہیں۔

۱۔ظاہری وہ نعمتیں ہیں جو سب ہی کی آنکھوں کے سامنے ہیں جیسے خلق کرنا، زندہ رکھنا اور قدرت و اختیار عطا کرنا وغیرہ اور باطنی جو بغیر غور وفکر کے معلوم نہیں ہوسکتیں۔

۲۔ابن عباسؓ کا قول: ظاہری جو انسانوں کو معلوم ہیں اور باطنی جو بندگان خدا کے علم سے باہر ہیں۔

۳۔جناب ابن عباسؓ ہی کی روایت بطور حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری نعمت اسلام اور انسان کا خلقتاً درست ہونا اور رزق عطا ہونا اور باطنی ہمارے غلط کردار کی پردہ پوشی۔

۴۔ظاہری' دنیا کی نعمتیں اور باطنی آخرت کی نعمتیں۔

۵۔ظاہری' اعضاء وجوارح اور باطنی قلب ودماغ کا کام کرنا۔

۶۔ظاہری' قدوقامت کی درستی اور باطنی نعمت الٰہی۔

۷۔ظاہری' قرآن کی تنزیل اور باطنی اس کی تاویل۔

۸۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد: ظاہری نعمت حضرت پیغمبر خداؐ کہ آپ نے معرفت الٰہی اور توحید میں رہنمائی فرمائی اور باطنی نعمت ولایت اہل بیتؑ۔

علّامہ طبرسیؒ فرماتے ہیں:۔ان اقوال میں باہم کوئی منافات نہیں ہے اور یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں اور آیت کو ان سب پر محمول کرنا صحیح ہے۔مشرکین کی جانب سے آباؤ اجداد کے راستے پر چلنے کی دلیل بہت جگہ قرآن مجید میں آئی ہے اور اس کا جواب انداز بدل بدل کر دیا گیا ہے مگر مطلب سب کا یہ ہے کہ انسان کو خود اپنی عقل وضمیر کے فیصلے پر چلنا چاہئے۔باپ دادا اگر غلط راستے پر تھے یا انہوں نے عقل سے کام نہ لیا ہو تو اُس

www.kitabmart.in

کے وہ ذمہ دار ہونگے تم اُن کے راستے پر آنکھ بند کر کے کیوں چلو؟

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٢٢﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٢٤﴾

''اور جو سراسر توجہ رکھے اللہ کی طرف اُس حالت میں کہ اچھے اعمال رکھنے والا ہو تو اُس نے مضبوط سہارا پکڑا اور اللہ کی طرف تمام چیزوں کی آخر میں رجوع ہے اور جو کفر اختیار کرے تو آپ کو اُس کے کفر سے صدمہ نہ ہو۔ ہماری ہی طرف اُنہیں پلٹنا ہے تو ہم اُنہیں بتائیں گے جو وہ کفر کرتے تھے کہ یقیناً اللہ سینوں کے اندر کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ ہم اُنہیں تھوڑے دن فائدہ اٹھانے کا موقع دیتے ہیں، پھر اُنہیں زبردستی سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے''

چونکہ وَجہ کے معنی چہرے کے ہیں، اس لئے اکثر نے يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ کے ترجمے میں مُنہ کا ذکر ضروری سمجھا ہے۔(۱) مگر چونکہ توجہ کے لفظ میں خود وجہ داخل ہے اور پھر اُس کے ساتھ الی اللہ ہے جس سے اللہ کی طرف کے معنی پیدا ہوتے ہیں، اس لئے جو ترجمہ ہم نے کیا ہے، وہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بعض مفسرین کا ذہن جیسے لِوَجْهِ اللّٰهِ کے محاورے کی طرف گیا ہے، انہوں نے اس کی تشریح میں خلوصِ عبادت اور رضائے قلبی ملحوظ رکھنے کا ذکر کیا ہے مگر یہاں وَجہ کی نسبت اللہ کی طرف ہے ہی نہیں بلکہ بندہ کی طرف ہے لہٰذا اُس کا لِوَجْهِ اللّٰهِ والے محاورے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٦﴾

''اور اگر اُن سے پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور وہ کہیں گے اللہ نے۔ کہئے کہ شکر خدا مگر اُن میں سے بیشتر علم نہیں رکھتے۔ اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بلا شبہ اللہ بے نیاز ہے، قابل تعریف''۔

اُن کے اس اقرار پر کہ آسمان اور زمین کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، اُن بتوں نے نہیں جن کی عبادت کرتے ہیں، یہ جملہ کہ الحمد للہ اس کا مفہوم میری سمجھ میں جو آتا ہے، وہ یہی کہ خدا کا شکر کہ اتنا تو تمہاری سمجھ میں بھی آیا اور تم نے بھی تسلیم کر لیا جس کے بعد اُن کی بت پرستی کی پوری

www.kitabmart.in

عمارت خود اُن کے اس اقرار سے زمین بوس ہوگئی۔[۱] ایک تصور یہ ہے کہ اُن کے اس جواب کو سن کر اب اُن سے کچھ نہیں کہا جاتا بلکہ حق پرست آدمی اب اپنی جگہ آہستہ کہتا ہے: الحمد اللہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا شکر کہ ہم صحیح راستے پر قائم ہیں اور پھر جیسے دل ہی دل میں اُن کی حماقت پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ اتنی کھلی ہوئی حقیقت کا یہ لوگ علم نہیں رکھتے یا یہ کہ یہ لوگ ہمارے متعلق اس کا علم نہیں رکھتے کہ ہم اصل ہدایت کے راستے پر ہیں۔[۲] نتیجہ دونوں باتوں کا ایک ہے۔ اس کے بعد پھر اپنی ہی جگہ یہ کہا ہے کہ ''اچھا'' یہ نہیں مانتے تو اللہ کا کیا بگڑتا ہے؟ تمام کائنات زمین و آسمان اُس کے تابع فرمان ہیں۔ اُسے ان کے ماننے کی کوئی ضرورت تو ہے نہیں۔ وہ بے نیاز مطلق ہے۔[۳]

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

''اور اگر وہ جو زمین میں درخت ہیں، سب قلم ہو جائیں اور سمندر سب روشنائی بن جائے جس میں سات سمندر اور شامل ہوں، تب بھی اللہ کے کلمے ختم نہیں ہوں گے، یقیناً اللہ عزت و غلبہ والا ہے، حکمت والا''۔

کلمات الٰہی کی کثرت و وسعت:

''زمین کے درخت قلم ہو جائیں اور سمندر روشنائی بن جائیں، اب اس کے بعد کی کڑی لفظوں میں مذکور نہیں ہے[۴] سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ ان سے اللہ کے کلمے لکھے جائیں تو (اب اس کا نتیجہ بیان ہوا ہے کہ) اس کے بعد بھی وہ کلمے ختم نہیں ہوں گے''۔ ''کلمات الٰہی'' کی ایک تفسیر ''معلومات الٰہی'' کے ساتھ ہوئی ہے[۵] اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اُس سے وہ باتیں مراد ہیں جو اللہ کے احاطہ قدرت میں ہیں۔ صدر اوّل کے ایک مفسّر کی زبانی جو تشریح ہوئی ہے، اُس میں یہ دونوں باتیں کچھ اضافہ کے ساتھ سموئی ہوئی ہیں۔[۶]

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

''تم سب کا پیدا کرنا اور تمہارا دوبارہ زندہ کرکے اٹھانا نہیں ہے مگر مثل ایک متنفّس کے، یقیناً اللہ سننے والا ہے، دیکھنے والا''۔

مطلب یہ ہے کہ حشر و نشر کے بارے میں کوئی اس بنا پر استعجاب کرے کہ بھلا اتنی بے شمار مخلوق ایک دم کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے؟ تو یہ استبعاد بالکل غلط ہے، اس لئے کہ قدرت کے سامنے ایک اور ایک لاکھ اور ایک ارب اور اس سے زیادہ اُن میں کوئی فرق نہیں ہے۔

---

[۱] الحمد للہ علیٰ ظهور الحجّة عليهم بالتوحيد (جلالین)
[۲] الحمد للہ علیٰ هدايته و توفيقه لنا بالمعرفة بل اكثرهم لا يعلمون انّكم وفقكم الله لمعرفته (تبیان)
[۳] هو الغنيّ عن حمد الحامدين و عن كلّ شيء (مجمع البیان)
[۴] فيه حذف لانّ المعنى يكتب بها كلام الله (تبیان)
[۵] المعبر بها عن معلوماته (جلالین) یعنی معلومات (فتح الرحمٰن)
[۶] قال قتادة ___ لقد ماء البحر قبل ان تنفد عجائب الله و حكمته و خلقه علمه (تبیان)

www.kitabmart.in

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین نے یہ کہا تھا کہ پہلے اللہ نے جو پیدا کیا تھا، وہ تو رفتہ رفتہ نطفہ، علقہ، مضغہ اور پھر لحم کی صورت میں منزل بہ منزل لیکن قیامت کے لئے کہا جا رہا ہے کہ ہم ایک دم زندہ ہو جائیں گے، یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔[1]

مگر میری سمجھ میں الفاظ آیت سے وہی پہلو آتا ہے جو پہلے عرض کیا گیا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٣٠﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اس نے قابو رکھا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک چل رہا ہے ایک مقرّرہ مدّت تک اور یہ کہ اللہ تمہارے اعمال کا جاننے والا ہے۔ اللہ ہی بس حق ہے اور جو کچھ وہ اُس کے سوا پکارتے ہیں، وہ بے حقیقت ہے اور یہ کہ اللہ اونچا ہے، بڑا''۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣١﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿٣٢﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں اللہ کے فضل و کرم سے تاکہ وہ تمہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائے، یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے کے لئے جو شکر گزار ہو اور جب اُن پر دریا کی لہریں مثل سائبانوں کے چھاتی ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں خالص اس کا اعتقاد رکھتے ہوئے مگر جب وہ اُن کو خشکی کی طرف نجات دے کر پہنچا دیتا ہے تو اُن میں سے کچھ ہی ہیں جو اعتدال کے راستے پر قائم رہتے ہیں اور جان بوجھ کر انکار نہیں کرتا ہماری نشانیوں کا مگر ہر غدّار ناشکرا''۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ وَلَا

---

[1] قال مقاتل انّ کفّار قریش قالو انّ اللہ خلقنا اطرارا نطفة علقة مضغة لحما فکیف یبعثنا خلقا جدا فی ساعة واحدة فانزلت الایة (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

''اے انسانو! اپنے پروردگار (کے غضب) سے بچو اور ڈرو اس دن سے جب نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو کوئی فائدہ پہنچا سکے گا اور نہ بیٹا باپ کو کچھ فائدہ پہنچانے والا ہوگا، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے تو تمہیں دنیاوی زندگی فریب میں مبتلا نہ کرے اور نہ تمہیں دھوکا دینے والا اللہ کے بارے میں دھوکا دے''۔

یجزی کے لفظ سے ذہن میں جزا کے معنی آتے ہیں مگر محاورۂ عرب میں اس کے معنی فائدہ پہنچانے کے ہوتے ہیں۔[۱] غرور یعنی دھوکا دینے والا اور وہ بھی الف لام کے ساتھ جو کسی خاص شخصیت کی طرف اشارہ کو بتلاتا ہے، وہ دراصل تو ازروئے قرآن شیطان ہے لیکن ہر شخص یا ہر چیز جو امیدوں کے سبز باغ دکھا کر طاعت الٰہی میں سرگرم ہونے سے روکے، وہ اس لفظ کا مصداق ہے جیسا کہ بعض قدیم مفسرین نے اس کی تشریح کی ہے۔[۲]

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾

''بلاشبہ اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہ مینھ برساتا ہے اور وہ اُسے جو ماؤں کے پیٹ میں ہے جانتا ہے اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا حاصل کرے گا؟ اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین پر اُسے موت آئے گی، یقیناً اللہ جاننے والا ہے، بڑا باخبر''۔

وہ باتیں جن کا علم بس اللہ کو ہے:

مذکورہ بالا پانچ چیزیں وہ ہیں جو خصوصیت سے اس علم غیب کی حیثیت رکھتی ہیں جسے اللہ کے ساتھ خصوصیتِ خاص حاصل ہے۔[۳] بے شک انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کو حسب مصلحت خالق ان چیزوں کا کلاً۔۔۔ یا جزءً جس طرح چاہتا ہے اظہار معجزہ وغیرہ کے لئے علم عطا فرماتا ہے اور اس اعتبار سے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے لئے کثیر التعداد احادیث میں ''ماکان'' (ماضی) کے علاوہ ما یکون (مستقبل) کے علم کا ثبوت موجود ہے جس کا کثرت روایات و واقعات کی بنا پر انکار ممکن نہیں ہے۔

---

[۱] یعنی لا یغنی فیہ احد عن احد__ یقال جزیت عنك اذا اغنیت عنه (تبیان)
[۲] قیل ھو تمنّیك المغفرۃ فی عمل المعصیۃ عن سعید بن جبیر (مجمع البیان)
[۳] ھٰذہ الخمسۃ الاشیاء لم یطلع علیھا ملك مقرّب ولا نبی ﷺ مرسل وھی من صفات اللہ عزّوجل (علی بن ابراھیم)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ السَّجْدَۃِ

مکّیہ ۔۔۔۔ ۳۰ ۔۔۔۔ آیات

قرآن مجید میں چار سورے ہیں جن میں ایک ایک ایسی آیت ہے جس کے پڑھنے پر سجدہ واجب ہوتا ہے پڑھنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی۔ ان سوروں کو عزائم کہتے ہیں، باقی اور کچھ سوروں میں جو سجدے ہیں، وہ مستحب ہیں۔

عزائم یعنی واجب سجدے والے سوروں میں سب سے پہلا سورہ یہ ہے۔ اس کا نام "سورۂ سجدہ" ہوا۔

سورۂ سجدہ کے خاص خاص مضامین:

۱۔ ہزار برس کے برابر ایک دن۔

۲۔ ملک الموت کا ذکر۔

۳۔ مومن اور فاسق یکساں نہیں۔

۴۔ عذاب آخرت کے پہلے ایک اور عذاب کا اعلان۔

۵۔ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی شان

۶۔ وہ موقع جس کے بعد توبہ قبول نہیں............ وغیرہ وغیرہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے"

الٓمّٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣﴾

"الف۔ لام۔ میم۔ اس کتاب کا اتارا جانا، اس میں کوئی شک نہیں، تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ اُس نے اسے گڑھ لیا ہے۔ بلکہ وہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ متنبہ کریں اس قوم کو جس کے پاس آپ کے پہلے کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا، شاید وہ ہدایت حاصل کریں"۔

"اُس قوم کو" یہاں "قوم" سے مراد عام محاورہ والی قوم یعنی عرب مراد نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی ہیں "لوگ" اور مراد وہ تمام افراد انسانی

www.kitabmart.in

ہیں جن کو دعوت اسلام دینے کے لئے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مامور ہوئے تھے۔

اس صورت میں اس ارشاد سے کہ آپؐ کے پہلے کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا، یہ مراد نہیں ہے کہ کبھی بھی اُن کے بعید ترین اسلاف کی رہنمائی بھی نہیں ہوئی جب کہ مشرکین عرب جو اہل مکّہ تھے، اُن کے اسلاف کو حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ اور اُن کے فرزند حضرت اسماعیلؑ کی رہ نمائی حاصل ہو چکی تھی جس کے مٹے ہوئے نقوش اُن میں ارکان حج وغیرہ کی صورت میں موجود تھے اور اُن کے دوسرے ہم جد نبی اسرائیل کی رہنمائی حضرت ابراہیمؑ کے بہت بعد بھی حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور ان دونوں بزرگواروں کے درمیان کے کثیر التعداد انبیاء سے ہو چکی تھی اور قرآن مجید کے اس اعلان کی بنا پر کہ اِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ ”کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی نہ کوئی متنبہ کرنے والا نہ گزرا ہو“ دنیا کی دوسری قوموں اور دوسرے ملکوں میں بھی دور قدیم میں ضرور خداوند عالم کی طرف کے رہنما ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ ہمارے یہاں ائمہ طاہرین علیہم السلام کے تقریباً متواتر احادیث کی بنا پر یہ مسلم ہے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہتی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ نمایاں نہ ہو اور عامہ خلائق اُس سے واقف نہ ہوں لہٰذا حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے بعد سے غیر بنی اسرائیل میں بھی اوصیائے حضرت ابراہیمؑ موجود تھے جو دین حنیف ابراہیمی کے محافظ تھے اور بنی اسرائیل میں بھی اوصائے حضرت عیسیٰؑ کا سلسلہ قائم تھا جن کے ہاتھوں دونوں طرف کی وراثت رہ نمائی اور اُس سے متعلقہ امانتیں جنہیں ”مواریث انبیاء“ کہنا چاہیے ہمارے رسولؐ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچیں لہٰذا اُن دوسرے آیات قرآن اور پھر اُن احادیث معصومینؑ کی روشنی مَّاۤ اٰتٰىهُمۡ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ ”آپ سے پہلے اُن کے پاس کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا“ اس کے معنی یہ ہیں کہ مدت مدید سے جو قبل کے اکثر تعلیمات کو فراموش کر دینے کے لئے کافی ہے، کوئی اُدھر کا معصوم رہ نما نمایاں طور پر اُن کے سامنے نہیں آیا، اب اُن تمام نقوش محوشدہ کو تازہ کرنے کے لئے حضرتؐ مبعوث ہوئے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ؕ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا شَفِيۡعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ۝۴ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الۡاَرۡضِ ثُمَّ يَعۡرُجُ اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗۤ اَلۡفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ۝۵

”اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو چھ (۶) دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر برقرار ہوا اور اُسے چھوڑ کر تمہارا نہ کوئی مالک ہے اور نہ سفارشی تو کیا تم نصیحت قبول نہ کرو گے؟ وہ تمام معاملات کا انتظام کرتا ہے آسمان سے لیکے زمین تک۔ پھر وہ معاملات اُس کے سامنے پیش ہونگے اُس دن جس کی مقدار تمہاری گنتی کے ایک ہزار برس کے برابر ہوگی“۔

”ہم نے جو ترجمہ کیا ہے کہ ”وہ معاملات اُس کے سامنے پیش ہوں گے“ ظاہر الفاظ قرآن کے لحاظ سے صاف ہیں، چونکہ پہلے یدبّر الامر آچکا ہے تو بعد میں یعرج کے لفظ کے اندر ضمیر مضمر ہے، وہ اُسی الامر کی طرف راجع ہوگی جس کا مفہوم ”معاملات“ کے لفظ سے ظاہر ہوتا

www.kitabmart.in

ہے ہماری قدیم تفسیر اس کے مطابق ہے اور بعض قدیم ترجمے بھی [1] مگر علامہ طبرسیؒ نے یہ معنی قرار دیئے ہیں کہ فرشتہ آسمان سے اُس کے فیصلوں کو لے کر اترتا ہے اور پھر وہ (فرشتہ) اُن امور کو وہاں پہنچا کر اوپر چڑھ جاتا ہے [2] مگر جب پہلے ملک کا کوئی ذکر آیت میں نہیں ہے تو یہ مفہوم کیوں کر سمجھا جا سکتا ہے۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ۙ﴿۶﴾ الَّذِىۡۤ اَحۡسَنَ كُلَّ شَىۡءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِيۡنٍ ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ ۚ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۹﴾

’’یہ ہے اَن دیکھی اور دیکھی سب چیزوں کا جاننے والا، عزت والا، مہربان جس نے ہر چیز کی بہترین تخلیق کی ہے اور شروع میں انسان کو مٹی سے پیدا کیا، پھر اُس کی نسل قرار دی ایک ذلیل قسم کے پانی کے نچوڑ سے پھر اُس کے جسم کو تیار کیا اور اس میں اپنی روح کا ایک جزء پھونکا اور تمہارے لئے سننے کی طاقت اور نگاہیں اور دل قرار دیئے۔ بہت کم تم شکر ادا کرتے ہو‘‘۔

یہ جو دوسرا ثم یعنی ’’پھر‘‘ کا لفظ ہے، یہ بظاہر ترتیب واقعہ کے لئے نہیں بلکہ ترتیب ذکر کے طور پر ہے کہ اس کے بعد یہ بات سنو، ترتیب واقعہ کی بنا پر اس لئے نہیں ہے کہ اس کے پہلے نسل آدم کی تخلیق کا ذکر تھا اور یہ الفاظ کہ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ پہلی نظر میں یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ پتلا تیار کیا اور اس میں روح پھونکی جو ابوالبشر حضرت آدمؑ کی تخلیق سے متعلق ہے جیسا کہ دوسری جگہ خلقت آدم کے قبل والے اعلان میں یہی الفاظ ہیں کہ فَاِذَا سَوَّيۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِىۡ اور بالکل ویسے ہی الفاظ یہاں ہیں لہٰذا ذہن میں یہی آتا ہے کہ یہ آدمؑ کی خلقت کا ذکر ہے جیسا کہ جلالین نے لکھا ہے:۔

ثمّ سَوّٰہ اي خلق اٰدم:۔ پھر اس کے جسم کو تیار کیا یعنی آدمؑ کو پیدا کیا۔

مگر ایک مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں جسم تیار کیا اور روح پھونکی۔ اس طرح وہ نسل آدم سے متعلق قرار پا سکتا ہے اور اب ثم کا ترتیب واقعہ کے لئے بھی سمجھنا درست ہوگا۔

وَقَالُوۡۤا ءَاِذَا ضَلَلۡنَا فِى الۡاَرۡضِ ءَاِنَّا لَفِىۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ؕ بَلۡ هُمۡ بِلِقَآئِ رَبِّهِمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۱۰﴾ قُلۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ الَّذِىۡ وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ

---

[1] یعرج الیہ یعنی الامور الّتی یدبّرھا (علی بن ابراھیم) بالا می رود آن کار بسوئے خدا (شاہ ولی اللہ)

[2] ثم یعرج الیہ ذٰلک الملک ای یصعد الی المکان الّذی امرہ اللہ تعالٰی ان یصعد الیہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾

''اور اُنہوں نے کہا کہ کیا جب ہم زمین میں کھو جائیں گے تو کیا ہم ازسرنو پیدا ہوں گے؟ بلکہ وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری کے منکر ہیں، کہئے کہ تمہاری مدّت زندگی کو پورا کرتا ہے، موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف پلٹ کر جاؤ گے''۔

ملک الموت کا ذکر

یاد رکھنا چاہئے کہ اصل وفات دینے والا یعنی مدت زندگی کو پورا کرنے والا اللہ ہے جیسا کہ سورہ زمر آیت ۴۲ میں صاف ارشاد ہے:۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا : اللہ تمام نفوس کی مدت کو پورا کرتا ہے اُن کی موت کے وقت۔

مگر چونکہ اس کام پر اُس نے مَلَكُ الْمَوْتِ کو مقرر کیا ہے، اس لئے زیر تحریر آیت میں اُس فعل کی نسبت بصورت جمع ملائکہ کی طرف دی گئی ہے(تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلَآئِكَةُ)اس لئے کہ مَلَكُ الْمَوْتِ اس پورے کارخانے کے سربراہ ہیں اور اُنکی ماتحتی میں بہت سے فرشتے ہیں جو اُن کے حکم سے قبض روح کرتے ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ ذرائع و وسائل کی طرف فعل کی نسبت سے یہ مانتے ہوئے کہ اللہ اصل فاعل ہے، شرک لازم نہیں آتا، اسی طرح اگر کوئی اصل مددگار اللہ کو مانتے ہوئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ائمہ طاہرین علیہم السلام کو بحیثیت وسیلہ مددگار کہے یا اُن سے مدد کا طالب ہو تو اس سے شرک لازم نہیں آتا اور وہ سورۂ حمد کے جملہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے بھی خلاف نہیں ہوگا۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

''اور کاش تم دیکھتے جب گنہگار لوگ اپنے سر جھکائے ہوں گے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پروردگارا ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، اب تو ہمیں دوبارہ پلٹا تو ہم اچھے اعمال کریں گے۔ ہم اب یقین حاصل کیے ہوئے ہیں''۔

اصول یہ ہے کہ مَابَعْدَ الْمَوْتِ کے آثار جو اخروی عذاب کا پتہ دیتے ہیں، اُن کے مشاہدہ کے بعد جو ایمان کا اقرار ہو، وہ قابل قبول نہیں ہے اور یہاں تو قیامت کا ہنگام ہے جب کہ ہر غیب عالم شہود میں آ گیا ہے تو اب کتنا ہی دیکھ لیا اور سن لیا اور یقین حاصل کرلیا ہو، اس کا کوئی حاصل نہیں۔ نہ اب دورِ آخرت کے بعد دورِ تکلیف جو دنیا میں گزرا پلٹ کر آ سکتا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

''اور اگر ہم چاہتے تو ہر متنفس کو منزلِ ہدایت عطا کر دیتے مگر یہ میری طرف کی حتمی بات ہے کہ میں دوزخ کو جنات

www.kitabmart.in

اور انسانوں سب سے بھر دوں گا تو چکھو اس کی سزا جو تم بھولے ہوئے تھے ہمارے اس دن کی حاضری کو بے شک اب ہم بھی بھول گئے تم کو اور چکھو ہمیشہ کی زندگی کا عذاب اُس کی وجہ سے جو تم اعمال کرتے تھے"۔

"ہر متنفس کو منزل ہدایت عطا کردیتے" یعنی جبری طور پر اُسے صحیح راستے پر لگا دیتے، خواہ اس طرح کہ وہ پیدا ہوتے ہی ایسے کہ گناہ کا ارتکاب نہ کرتے۔[1] یا بعد میں کوئی معجزہ ایسا دکھادیا جاتا کہ وہ سب زبردستی ایمان اختیار کرلیں۔[2]

ایک معنی یہ کہے گئے ہیں کہ اگر چاہتے تو اُن کی خواہش کے مطابق دوبارہ انہیں دنیا میں بھیج دیتے کہ وہ اعمال خیر کرکے نجات کے مستحق بن جائیں مگر حشر ونشر کے بعد جب کہ دورِ عمل ختم ہوچکا ایسا کرنا ہمارے اصول کے خلاف ہے۔[3] ورنہ یہ سلسلہ کبھی ختم ہی نہیں ہوسکتا۔

ایک اور معنی یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ اس کا ربط سابق کی آیتوں سے ہے کہ ہم چاہتے تو اس قیامت کے یقین کو معتبر مان لیتے اور ہر ایک کو ہدایت یافتہ تسلیم کرلیتے اور سب کو بہشت میں جگہ دے دیتے مگر یہ اُس دورِ تکلیف اور پھر اُس کے نتیجہ میں جزاوسزا کے حتمی اعلان کے خلاف ہوتا جو پہلے ہوچکا ہے اور جس کے لئے دوزخ کی تخلیق کی گئی ہے اور اس صورت میں دوزخ کی تخلیق ہی عبث ہوتی۔

مجھے بعد کے فقرے اس مفہوم کے ساتھ زیادہ چسپاں معلوم ہوتے ہیں خصوصاً بالکل آخر کا جملہ "اب چکھو اس عذاب کو اُس کی وجہ سے جو تم اعمال کرتے تھے"۔ یہ بالکل اس قبل والے گروہ سے خطاب معلوم ہوتا ہے جو کہہ رہا تھا کہ اب ہم یقین لے آئے اور ہمیں دار دنیا میں بھیج تو ہم نیک اعمال کریں تو کہا جا رہا ہے کہ جو دورِ عمل تھا، اس میں تم نے عمل نہ کیا تو اب کیا ہوتا ہے جب کہ دورِ مجازات ہے، اب تو اُنہی سابق اعمال کی سزا بھگتنا ہے۔ اس کے سوا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩ ﴿١٥﴾ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿١٦﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾

"ہماری آیتوں پر بس وہ ایمان لاتے ہیں کہ جب اُنہیں ان (آیتوں) کے ساتھ نصیحت کی جائے تو وہ سجدے میں گر جاتے اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ غرور سے کام نہیں لیتے اور ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں کہ پکارتے رہتے ہیں اپنے پروردگار کو ڈر اور امید میں اور جو ہم نے اُنہیں دیا ہے، اُس سے وہ خیرات کرتے ہیں تو کوئی آدمی نہیں جانتا جو اُن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ رکھی گئی ہے صلے میں

---

[1] لو شئنا ان نجعلهم كلّهم معصومين لقدرنا (علی بن ابراھیم)

[2] بان نفعل امرا من الامور يلجئهم الى الاقرار بالتوحيد ولكن ذٰلك يبطل الغرض بالتكليف (مجمع البیان)

[3] قال الجبائی يجوز ان يكون المراد لو شئنا لاجبناهم الیٰ ما سألوا ولردونا الیٰ دار التكليف ليعملوا بالطّاعات ولكن حقّ القول منّی ان اجازيهم بالعقاب فلا اردّهم (تبیان)

www.kitabmart.in

اُس کے جو وہ اعمال کرتے تھے“۔

سجدہ واجبہ:

یہ اس سورۂ سجدہ کے وہ آیات ہیں جن میں سے پہلی (نمبر ۱۵) کے آخری لفظ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ کی تلاوت سے پڑھنے والے پر بھی سجدہ واجب ہے اور سننے والے پر بھی۔ اگر ان تمام آیات کو ایک سلسلہ کا مانا جائے جو بعید نہیں ہے تو مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن تو ہر آدمی مومن بن جائے گا مگر اُس وقت کا ایمان بے کار ہے، وہ سب کافروں میں محشور ہوں گے۔ مومن تو اصل وہ ہیں جو اس دنیا میں آیاتِ الٰہی سے متاثر ہوں اور اس تاثر کے عملی تقاضے یہ ہیں جو بعد میں بیان ہوئے ہیں۔ حکمِ سجدہ جو یہاں ہے وہ بندۂ خدا کی طرف سے اُس کا ایک مظاہرہ ہے کہ ہم اسی دنیا میں ایمان اختیار کیے ہوئے ہیں اور تیری آیتوں سے متاثر ہو کر تیری بارگاہ میں سربسجود ہیں۔ یہ کہ ”اُن کے پہلو اُن کے بستروں سے الگ رہتے ہیں“ یعنی راتوں کو اُس ہنگام میں کہ جب یادِ الٰہی سے غافل افراد اپنے بستروں پر دراز محوِ خواب رہتے ہیں، اُن کے پہلو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بستر آشنا نہیں ہوتے۔

علامہ طبرسیؒ نے متعدد احادیث درج کیے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیات نمازِ شب کی فضیلت سے متعلق ہیں۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ⑱

”تو کیا جو مومن ہے، وہ مثل اس کے ہے کہ جو بداعمال ہو؟ وہ برابر نہیں ہیں“۔

مومن اور فاسق یکساں نہیں

اس آیت کی شانِ نزول حدیث معصومؑ میں یہ وارد ہوئی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ اور ولید بن عقبہ میں بحث ہوگئی۔ اُس نے جاہلیت کے معیار کے مطابق کچھ باتوں پر فخر کیا، حضرت علیؑ نے اُس کے جواب میں جو اسلامی معیار ہے، وہ پیش کیا کہ قابلِ فخر یہ باتیں نہیں ہیں۔ اصل چیز ایمان اور عملِ صالح ہے اُس پر حضرت علیؑ کے قول کی تصدیق میں یہ آیت اُتری جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس محل پر مومن سے مراد حضرت علی بن ابی طالبؑ ہیں اور فاسق سے مراد ولید بن عقبہ ہے۔[1] جس کے فاسق ہونے کا اظہار قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں موجود ہے: اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ”اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اُس کی تحقیق کر لیا کرو“ اس میں مفسرین اہل سنت نے بھی فاسق کا مصداق ولید کو بتایا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ⑳ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ㉑

---

[1] فی روایۃ ابن ابی الجارود عن ابی جعفر علیہ السلام (علی بن ابراہیم)

www.kitabmart.in

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿٢٢﴾

''اب وہ جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کرتے رہے، اُن کے لئے آرام والے بہشت ہیں بطور ضیافت ان اعمال کے سبب سے جو وہ کرتے تھے، رہے وہ جو بد اعمال ہیں، اُن کا ٹھکانا آتش دوزخ میں ہوگا۔ جب بھی اس میں سے نکلنا چاہیں گے، دوبارہ اس میں پلٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائیگا کہ چکھو اس آگ کا مزہ جسے تم جھٹلاتے تھے اور ہم اُنہیں اس بڑے عذاب کے پہلے قریبی دور میں عذاب چکھائیں گے شاید کہ وہ اپنے عمل میں تبدیلی کریں اور کون زیادہ ظالم ہوگا اس سے کہ جسے اُس کے پروردگار کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جائے، پھر وہ اُن سے روگردانی کرے۔ بلاشبہ ہم گنہگاروں سے بدلا لینے والے ہیں''۔

''قریبی دور'' کے عذاب سے عام تفسیروں میں دارِ دنیا کا عذاب مراد لیا گیا ہے اور یہ بعد کے فقرے سے مناسبت بھی رکھتا ہے کہ ''شاید وہ اپنے عمل میں تبدیلی پیدا کریں''۔ اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنبیہی عذاب ہے، نہ کہ وہ عذاب جس کے بعد اصلاح عمل کی گنجائش ہی نہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗىِٕهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿٢٣﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ڛ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿٢٤﴾

''اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی تو تم شک میں نہ ہو اس کا سامنا ہونے میں اور ہم نے اُسے ہدایت قرار دیا بنی اسرائیل کے لئے اور اُن میں سے ہم نے کچھ پیشوا قرار دیئے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں جب کہ انہوں نے صبر سے کام لیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین کرتے تھے''۔

''ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا کی'' اس کے ساتھ یہ جملہ کہ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗىِٕهٖ ''تم شک میں نہ ہو اس کا سامنا ہونے میں''۔
اس میں یہ ضمیر ''اُس'' کدھر راجع ہے؟ یہ تفسیر کا مشکل مسئلہ بن گیا ہے۔

جناب ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق یہ ضمیر جناب موسیٰؑ کی طرف راجع ہے اور ہمارے پیغمبرؐ سے مخاطب ہو کر کہا جا رہا ہے کہ آپ کو اس میں بالکل شک نہ ہونا چاہیے کہ جن سے آپ ملے تھے، وہ موسیٰؑ ہی تھے اور یہ ملاقات شبِ معراج ہوئی تھی۔[1] یا بعد میں غیر معین طور پر تخاطب ہو جس کا مطلب یہ ہو کہ کسی کو اس ملاقات میں جو مابین موسیٰؑ و حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئی، شک نہ ہونا چاہئے۔

بہر صورت ضمیر کے جناب موسیٰؑ کی طرف راجع ہونے کی صورت میں اس کا تعلق کتاب کے عطا کیے جانے کے ساتھ جو اس فقرے کے پہلے ہے اور بنی اسرائیل کے لئے ذریعہ ہدایت ہونے کے ساتھ جو اس فقرے کے بعد ہے اب تک میری سمجھ میں نہیں آیا ہے۔

---

[1] یعنی لقآء موسیٰ لیلۃ الاسرآء بك الی السمآء فی ماذکرہ ابن عباس (تبیان) و قد التقیا لیلۃ اسرآء (جلالین)

www.kitabmart.in

دوسرا قول یہ ملتا ہے کہ یہ ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے۔[۱] لیکن یہ مفہوم اُس وقت واضح ہوتا ہے جب فی مریۃ منہ ہوتا، مطلب یہ ہوتا کہ اس میں تمہیں کوئی شک نہ ہونا چاہیے کتاب کے ساتھ لقآء کا لفظ سمجھ میں نہیں آتا۔ شاید اس کا مفہوم یوں بنایا جا سکے کہ توریت اور موسیٰؑ کی باہمی ملاقات میں تمہیں شک نہ ہونا چاہیے۔ جناب شاہ ولی اللہ نے بالکل بے جوڑ طور سے ضمیر کو قرآن کی طرف راجع کر دیا ہے[۲] اور حسن بصری نے بالکل نئی کہی ہے کہ یہ ضمیر اذیت کی طرف راجع ہے یعنی موسیٰؑ کو کتاب پا کر بڑی اذیتیں اٹھانا پڑیں مگر جب اس کے پہلے اذیت کا ذکر کہیں نہیں ہے تو یہ ضمیر کیوں کر پھیری جائے۔ ہاں اس مفہوم کے قبل اور بعد کے مضمون سے مرتبط ہونے کی وجہ سے اُسے یوں قبول کیا جا سکتا ہے کہ ضمیر تو جناب موسیٰؑ ہی کی طرف راجع ہو مگر لقآء کے معنی درپیش ہونے کے لئے جائیں کہ انہوں نے اس سلسلہ میں کیا کیا اذیتیں اٹھائیں، اُن میں تمہیں کوئی شک نہ ہونا چاہیے۔

بہر حال تفسیر معصومؑ کی تشنگی یہاں بہت محسوس ہو رہی ہے جو ہمارے دسترس سے باہر ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

"یقیناً تمہارا پروردگار فیصلہ کرے گا اُن کے درمیان قیامت کے دن اُس میں کہ جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے اور کیا اُنہیں نہیں معلوم کہ ہم نے اُن کے پہلے کتنی نسلیں ہلاک کیں جن کے رہنے کے مکانات میں یہ چلتے پھرتے ہیں، یقیناً اس میں بڑی نشانیاں ہیں تو کیا وہ سنتے نہیں ہیں"؟!

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

"اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو لے جاتے ہیں بنجر زمین تک تو اس سے نکالتے ہیں ایسی کھیتی جس سے اُن کے چوپائے غذا حاصل کرتے ہیں اور وہ خود تو کیا وہ دیکھتے نہیں"؟ یعنی یہ اللہ کی نعمتیں اُن کی آنکھوں کے سامنے تو وہ اُن پر حقیقت میں آنکھوں سے نظر کیوں نہیں ڈالتے۔[۳]

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ

---

[۱] دھوکا نہ کرو اُس کے ملنے میں یعنی کتاب کے یا موسیٰؑ (موضح القرآن)۔
[۲] پس مباش درشبہہ از ملاقات قرآن (شاہ ولی اللہ)
[۳] افلا ینظرون نعم اللہ تعالیٰ علیہم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝٢٩ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝٣٠

''اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ فتح کب ہوگی اگر تم سچے ہو؟ کہئے کہ فتح کے دن کافروں کو اُن کا ایمان فائدہ نہ دے گا اور نہ اُنہیں مہلت ملے گی تو ان سے بے اعتنائی کیجئے اور منتظر رہیئے وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں''۔

ہمارے یہاں کی روایت یہ ہے کہ یہ آیت رجعت سے متعلق ہے اور یہ سوال وجواب اُسی سلسلہ کے ذیل میں ہے (علی بن ابراہیم)۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ''فتح'' سے مراد فیصلہ ہے جیسے ارشاد ہوا ہے: رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ ''پروردگارا! فیصلہ کر دے ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔(اعراف: ۸۹)

اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ آپ جو کہتے ہیں کہ ''اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا تو آخر یہ فیصلہ کب ہوگا؟ اور ایک تصور جو بالکل سطحی نگاہ سے سمجھ میں آسکتا ہے، یہ ہے کہ یہ فتح مکہ سے متعلق ہے۔[۱] مگر فتح مکہ کے دن تو یہ عمل نہیں ہوا کہ ایمان کو بے کار قرار دیا گیا ہو اور توبہ قبول نہ کی گئی ہو۔ فیصلہ مراد ہونے کی صورت میں بعض لوگوں نے فیصلۂ تقدیر مراد لیا ہے جس کا ظہور جنگ بدر میں ہوا کہ بہت سے ان میں کے قتل ہوئے اور بہت سے ذلت کے ساتھ قید ہوئے مگر روز بدر بھی حکم تو یہ نہ تھا کہ جو اب ایمان لائے اس کا ایمان فائدہ نہ دے اور توبہ اُس دن کی قبول نہ ہو۔

بعض نے جزا وسزا والا فیصلہ مراد لیا ہے جو قیامت میں ہوگا[۲] اور بعض نے اُسے مجملاً نزول عذاب کے معنی میں لیا ہے۔[۳] بہرحال ہم جو رجعت کے قائل ہیں، پہلی تفسیر کو بلا تکلف قبول کر سکتے ہیں اور جو رجعت کے قائل نہیں ہیں، اُنہیں ان آخر کے دو پہلوؤں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہی مضمون آیت کے لحاظ سے صحیح ہو سکتا ہے۔ ''یہ کہ وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں'' اس میں ظاہر ہے کہ اُن کا انتظار اپنے مفید مطلب کسی نتیجہ کے لئے ہو سکتا ہے مثلاً یہ کہ پیغمبر خدا دنیا سے اٹھ جائیں یا اور کسی طرح اپنے مقصد میں ناکام ہوں اور شکست کھا جائیں[۴] اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بطور طنز اس نتیجہ کے لئے جو بعد میں اُن کے واسطے قہراً یہ فیصلہ قدرت ہوگا اُن کی طرف انتظار کی نسبت دی گئی ہے جس کی نظریں قرآن مجید میں موجود ہے۔

---

[۱] الفتح القضاء دون الحکم و قیل انه اراد به فتح مکّه (تبیان)

[۲] قال السدی الفتح هو القضاء بعذابهم فی الدنیا و قال مجاهد هو الحکم بالثواب و العقاب لکم القیامة (مجمع البیان)

[۳] بأنزال العذاب (جلالین)

[۴]

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُالۡاَحۡزَابِ

مکّیہ ۔۔۔ ۷۳ ۔۔۔ آیات

''احزاب'' ''حزب'' کی جمع ہے اور حزب کے معنی پارٹی کے ہیں تو احزاب کے معنی پارٹیاں اور اس پر الف لام استغراق کا ہے، اس طرح آج کل کے محاورے کے مطابق بالکل لفظی ترجمہ اس کا ہوا ''آل پارٹیز''۔

چونکہ جنگ اُحد کی شکست کے بعد مشرکین قریش نے جو اہل مکہ تھے محسوس کیا کہ ہم تنہا رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں سر بر نہیں ہو سکتے تو دوسرے قبائل عرب کو جو مخالف رسولؐ ہونے میں اُن کے ساتھ متحد ہو سکتے تھے، انہوں نے اپنے ساتھ لے کر متفقہ طور سے مدینہ پر چڑھائی کی، اس موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر جناب سلمان فارسی رضوان اللہ علیہ کے مشورے کے مطابق سامنے ایک خندق کھدوائی تا کہ وہ لوگ چاروں طرف سے گھیر نہ سکیں اور مقابلہ ایک طرف سے ہو، اس لئے اس جنگ کو عام طور سے ہمارے محاورے میں ''جنگ خندق'' کہا جاتا ہے اور تاریخ کی اصطلاح میں ''غزوۂ احزاب'' ہے۔ اس سورہ میں اس غزوہ کے موقع پر عام مسلمانوں پر کیا خوف و دہشت کا عالم طاری تھا، اس کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر ہے اور اس ذکر میں کئی دفعہ احزاب کے لفظ کا استعمال ہوا ہے، اس لئے اس سورے کا نام ''احزاب'' ہوا۔

سورۂ احزاب کے خاص خاص مضامین:

۱۔ یہ کہ اپنی زبان سے کوئی رشتہ لگانے سے حقیقی رشتہ دار کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ اس ذیل میں ظہار کی طرف اشارہ ہے جس میں آدمی بیوی کو ماں کہہ دیتا ہے جو فقہ کا مستقل باب ہے اور جس پر اس کے بعد اٹھائیسویں پارے کے شروع میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۔ متبنّٰی کے حکم کا بیان اور یہ کہ اُسے ''بیٹا'' کہنا غلط ہے اور اس پر بیٹے کے احکام جیسے وراثت اور محرمیت مرتب نہیں ہوتے۔

۳۔ ازواج رسولؐ کے ''اُمّہات المؤمنین'' ہونے کا اعلان اور اُن سے بعد وفاتِ رسولؐ نکاح کرنے کی دائمی ممانعت۔

۴۔ جنگ خندق کے خاتمے کے بعد بنی قریظہ کا انجام۔

۵۔ ازواج رسولؐ کو سخت تنبیہیں اور یہ کہ اُن میں کی کوئی مرتکب گناہ ہو گی تو اُسے دو نی سزا دی جائیگی۔

۶۔ پردے کا عام حکم اور خاص طور پر ازواج رسولؐ کے لئے اپنے گھروں کے اندر رہنے کا حکم۔

۷۔ آیۂ تطہیر۔

۸۔ عورت اور مرد کی معیار عمل اور اجر و ثواب میں یکسانی۔

۹۔ خدا اور رسولؐ کے فیصلے کے بعد جمہور مسلمین کے اختیار کی نفی۔

۱۰۔ واقعہ زینب بنت جحش۔

www.kitabmart.in

۱۱۔ہمارے رسولؐ کا خاتم الانبیاء ہونا۔

۱۲۔پردے کے عام حکم سے مستثنیٰ محرم افراد کا بیان۔

۱۳۔پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کی تعلیم۔

۱۴۔خدا اور رسولؐ کو ایذا پہنچانے والوں پر لعنت۔

۱۵۔بار امانت اور انسان پر قرعۂ فال۔وغیرہ وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے"

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الۡكٰفِرِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیۡمًا حَكِیۡمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلۡ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیۡلًا ﴿۳﴾

"اے پیغمبر! اللہ کی ناراضگی سے بچتے رہیے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے یقیناً اللہ جاننے والا ہے، حکمت والا اور پیروی کیجئے اُس کی جو آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے یقیناً اللہ اس سے جو تم لوگ کرتے ہو باخبر ہے اور اللہ پر بھروسا کیجئے اور اللہ کافی ہے کارساز ہونے کے لیے"۔

بیچ کے اس جملے کے روئے خطاب سے کہ "اللہ اُس سے جو تم لوگ کرتے ہو باخبر ہے" ظاہر ہے کہ آغاز آیت میں جو رسولؐ کو مخاطب کیا گیا ہے، اُس سے تنبیہ خود رسولؐ کو مقصود نہیں ہے بلکہ اور لوگوں کو۔[۱]

جناب شیخ الطائفہؒ نے شان نزول یہ درج کی ہے کہ ابوسفیان اور کچھ افراد رسالت آبؐ کے پاس کچھ گفتگو کے لئے آئے تو بعض پرجوش صحابہ نے جو بظاہر وہی ہو سکتے ہیں جو پہلے ہی صلح حدیبیہ کے خلاف تھے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پرزور طریقے پر یہ چاہا کہ آپ ان لوگوں کو قتل کرا دیں اس پر یہ آیت اتری۔

اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہاں منافقین اُنہی افراد کو کہا گیا ہے جنھوں نے ایسا مشورہ دیا تھا۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَیۡنِ فِیۡ جَوۡفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزۡوَاجَكُمُ الّٰٓیِٔ تُظٰهِرُوۡنَ مِنۡهُنَّ اُمَّهٰتِكُمۡ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدۡعِیَآءَكُمۡ اَبۡنَآءَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ قَوۡلُكُمۡ

---

[۱] هذا هو الّذی قال الصّادق علیه السّلام انّ الله بعث نبیه بایّاك اعنی و اسمعی یا جارة فالمخاطبة للنّبی صلّی الله علیه و آله و المعنی للنّاس (علی بن ابراهیم)

www.kitabmart.in

بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ۝٤

''اللہ نے کسی آدمی کے لئے دو (۲) دل اس کے سینے میں نہیں رکھے ہیں اور تمہاری اُن بیویوں کو جنہیں تم ظہار کے عنوان سے ماں کہہ دو، تمہاری ماں نہیں بنایا ہے اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا قرار دیا ہے، یہ سب تمہاری اپنے منہ سے باتیں ہیں اور اللہ حق بات کہتا ہے اور وہ صحیح راستے کی ہدایت کرتا ہے''۔

منہ بولا رشتہ اسلام میں حقیقت نہیں رکھتا:

''کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں ہیں'، ان لفظوں کا مفہوم تو بالکل ظاہر ہے اور بحیثیت واقعہ یہ حقیقت بھی سب کو معلوم ہے کہ کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے مگر اس آیت میں یہ بات کیوں کہی گئی ہے اور اس کا پس منظر کیا ہے؟ اس میں اتنا اختلاف ہے کہ انسان کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ سات آٹھ پہلو علامہ طبرسیؒ نے مجمع البیان میں درج کیے ہیں جن میں بس ایک معصومؑ کی طرف نسبت رکھتا ہے اور بجائے خود بہت دل نشین ہے کہ ایک سینے میں دو دل نہیں ہیں لہٰذا یہ نہیں ہوسکتا کہ انسان ایک آدمی کے ساتھ محبت کرے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ اس کے دشمن سے بھی محبت کرے۔ [1]

پھر بھی یہ بات تشنۂ بیان ہے کہ اس کا اس آیت کے دوسرے اجزاء سے کیا تعلق ہے؟ سب کو ملا کر ذہن میں جو مطلب آتا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ باتیں خلاف فطرت ہونے کی بناء پر غلط ہیں۔ محبت کا کسی ایک سے ہونا اور پھر اس کے دشمن سے بھی محبت رکھنا۔ دوسرے کی اولاد کو اپنی اولاد قرار دینا اور بیوی کو ماں بنانا تو جو یہ باتیں کرتا ہے وہ خلاف فطرت باتوں کا ادعا کرتا ہے۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٥

''اُنہیں اُن کے باپ کی طرف نسبت دے کر پکارو، یہ زیادہ درست ہے اللہ کے نزدیک اب اگر ان کے باپ تمہیں معلوم نہ ہوں تو تمہارے دینی بھائی اور حوالی موالی ہیں اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو تم نے غلطی سے کیا ہو مگر جو تمہارے دلوں نے ارادہ کیا ہو اور اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان''۔

''منہ بولا بیٹا'' کوئی غیر بھی ہوسکتا ہے مثلاً کسی دوست یا عزیز کا بچہ اور خود اپنا غلام یا غلام زادہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُس کی عزت افزائی کے لیے یا بربنائے محبت ''بیٹا'' کہنے لگے۔ ان کے اکثر اصلی باپ کا نام اور پتہ معلوم نہیں ہوتا تھا، اس لئے دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اگر باپ اُن کے معلوم نہیں ہیں تو پہلی صورت میں جب کہ تم سے اُن کا کوئی رشتہ واقعہ نہیں ہے تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور دوسری صورت میں تمہارے موالی ہیں جو آزاد کردہ غلام یا غلام زادہ کے معنی میں ہوتا ہے اور چچازاد بھائی کا رشتہ بھی ہوسکتا ہے، جو اموالی کے دوسرے معنی ہیں اور اس صورت میں کہ

[1] قال ابو عبداللهؑ ما جعل الله لرجل من قلبين في جوفه يحب بهٰذا قوما ويحب بهٰذا اعداءهم (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

جب نسبًا وہ چچازاد بھائی ہوں تو قریب تر وارث نہ ہونے کی صورت میں اُنہیں میراث بھی مل سکتی ہے مگر جو واقعی اُن کا نسبی رشتہ ہے، اس کے حساب سے، نہ کہ بیٹا کہنے کی بناء پر۔ بہرحال یہ سب صورتیں اس میں داخل ہیں۔[1]

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۞

''پیغمبر مومنین پر خود اُن سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں اور اُن کی بیویاں اُن (مومنین) کی مائیں ہیں اور قرابت دار آپس میں قانون الٰہی کے دائرے میں ایک دوسرے کی وراثت کے زیادہ حق دار ہیں مومنین اور مہاجرین سے یہ اور بات ہے کہ اپنے دوستوں کے ساتھ کچھ حسن سلوک کرو۔ یہ قانون الٰہی میں درج شدہ چیز ہے''۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مومنین پر اختیار کلّی

پہلا جزء ''پیغمبر مومنین پر خود اُن سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں'' یہ اعلان جس کا مترجمین و مفسرین اہل سنت بھی یہی مفہوم قرار دینے پر مجبور ہوئے۔ (۱)۔ اسلامی سیاست کی اصل بنیاد ہے جس میں خداوندی اختیار کے مقابلہ میں عوام کے اقتدار و اختیار کی کلیۃً نفی ہوتی ہے، چاہے وہ شخصی طور پر ہو یا چند نفوس کے مشورے کے طور پر ہو یا تمام افراد کے متفقہ فیصلے کی صورت میں ہو، اس لئے کہ شریک شوریٰ یا شریک اجماع جو افراد ہوں گے، وہ مومنین ہی تو ہوں گے، جب اُن میں سے ہر ایک کے اختیار کی نفی ہو گئی تو ظاہر ہے کہ نفی کا اظہار زیرو (۔) سے ہوتا ہے۔ یہ زیرو چار پانچ ہوں یا بے شمار ہوں، بہرحال ان سے کبھی کسی عدد کی تشکیل نہیں ہو سکتی یعنی بے شمار افراد کا مجموعہ بھی بے اختیار ہوگا۔ اُس کو حق اختیار حاصل نہیں ہو سکتا۔

''اُن کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں'' عزت و احترام میں جس کا خاص جز یہ ہے کہ نکاح اُن کے ساتھ پیغمبرؐ کے بعد کبھی روا نہیں مگر پردے کے حکم سے مستثنیٰ نہیں ہیں جو اسی سورے کی بعد کی آیتوں سے ظاہر ہوگا۔

اس کے بعد مختصر طور پر قرابت داروں کی میراث کا بیان ہے جس کا ربط قبل کے مضمون سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اس غلطی کے دفعیہ کے لئے ہے کہ جب ازواج رسولؐ مومنین کی مائیں ہیں تو میراث بھی ماں کی حیثیت سے انہیں ملنا چاہئے تو اُن کی نفی کی جا رہی ہے کہ جس طرح ماں ہونے کے باوجود پردے سے مستثنیٰ نہیں ہیں، اسی طرح ایسا نہیں ہے کہ اصل قرابت داروں کو چھوڑ کر اُنہیں میراث مل جائے یا اُن کی میراث اُن کے قرابت داروں کو چھوڑ کر دوسرے مسلمانوں کو بحیثیت اولاد کے مل جائے۔

بعد میں جو استثناء ہے:۔ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ''یہ اور بات ہے کہ اپنے دوستوں کے ساتھ کچھ حسن سلوک کرو'' اس کا مطلب یہ ہے کہ بحیثیت میراث تو قرابت داروں کے جو نزدیک و دور کے طبقے ہیں، اُسی لحاظ سے ملے گا لیکن اگر انسان اپنی زندگی میں اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے کسی کے ساتھ حسن سلوک کرے یا اپنے بعد کے لئے وصیت کر جائے تو اصول میراث اُس میں سد راہ نہیں ہوتے، یہ اور

---

[1] ای بنو عمّکم اولکم ولاوھم اذا کنتم اعتقتموھم عن رق (تبیان)

www.kitabmart.in

بات ہے کہ وصیت میں حد مقرّر رہے کہ بلا اجازت ورثہ ثلث میں نافذ ہوگی۔ اس سے زیادہ میں نہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

''اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد و پیمان لیا اور آپ سے اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ فرزند مریم سے اور ان سب ہی سے مضبوط عہد لیا تاکہ وہ پوچھے سچوں سے اُن کی سچائی کے متعلق اور اس نے تیار رکھا ہے کافروں کے لئے دردناک عذاب''۔

سیاق کلام کے لحاظ سے سچوں سے مراد انبیاء معلوم ہوتے ہیں جو صحیح صحیح اپنی دعوت و کارگزاری اور اپنی اپنی قوم کے رویہ کا اظہار کریں گے مگر اس کے عموم میں اصولی طور پر اللہ کا ہر بندہ داخل ہے کہ سب سے جواب دہی اُن کی سچائی کے بارے میں ہوگی اور اُسی کے لحاظ سے اُنہیں جزا ملے گی۔ اب اسی میں ضمناً جھوٹوں کے لئے تنبیہ بھی ہے کہ اُنہیں اُن کے جھوٹ کی پاداش ملے گی۔

علامہ طبرسیؒ نے بطور حدیث امام جعفر صادقؑ نقل کیا ہے جو میرے خیال میں بہت بڑا مسامحہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جناب شیخ طوسیؒ نے یہ عبارت تحریر فرمائی ہے کہ:۔

یکون فیه تهدید الکاذب فانّ الصّادق اذا سئل عن صدقه فیجازی بحسبه فکیف یکون صورة الکاذب (تبیان)

اس میں جھوٹے آدمی کے لئے تنبیہ بھی ہوتی ہے اس لئے کہ سچے سے جب اُس کی سچائی کے متعلق دریافت کی جائے گا تو اسی کے اعتبار سے اُسے جزا ملے گی تو پھر جھوٹے کے لئے صورت حال کیا ہوگی؟

ہمارے جناب طبرسیؒ نے جو شیخ کی عبارتوں کا بغیر حوالہ بجنسہ درج کرنے کے عادی ہیں فانّ الصادق کو قال الصادق پڑھ کر یوں درج فرمایا کہ:۔

یکون فیه تهدید الکاذب قال الصّادقؑ اذا سئل عن صدقة علی ای وجه قاله فیجازی بحبه فکیف یکون حال الکاذب. (مجمع البیان)

اس میں جھوٹے آدمی کے لئے تنبیہ بھی ہوتی ہے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا جب سوال کیا جائے گا اس کی سچائی کے متعلق کہ اُس نے کس طرح سے کہا تھا تو اسی لحاظ سے اُسے جزاء ملے گی تو کیا حالت ہوگی جھوٹے کی۔

اب اس عبارت میں الصادق کو جو صدق کا اسم فاعل تھا اس کی وصفی حیثیت سے ہٹا کر الصادقؑ قرار دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں سئل عن صدقه کا نائب فاعل لفظی طور پر غائب ہوگیا۔ انہی ملکوں سے بچنے کے لئے میں پابند ہوں کہ کسی کی کتاب سے کوئی بھی چیز لوں تو اُس کا پورا حوالہ درج کردوں جس میں شخصیت کا بھی کوئی لحاظ نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس پر بعض لوگوں کو مجھ سے شکایت ہے کہ اس سے بعض اشخاص کو

www.kitabmart.in

اہمیت حاصل ہوجاتی ہے مگر میرے نزدیک میرے اظہار حقیقت سے یہ نتیجہ اگر برآمد ہوتا ہے تو وہ بہتر ہے اس سے کہ انسان ایسے خطروں میں مبتلا ہوجن کا دوسری صورت میں امکان ہوتا ہے جس کی افسوسناک مثالیں میری نظر میں کئی ہیں اور سردست تفسیر مجمع البیان کی یہ مثال جس کے لئے بہت کافی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴿۹﴾ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

''اے ایمان لانے والو! یاد کرو اللہ کے فضل و احسان کو جو تم پر ہوا، جب تمہاری طرف آئیں فوجیں تو ہم نے اُن کے مقابلے پر بھیجا ایک ہوا کو اور اُن فوجوں کو جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو، اُس کو دیکھنے والا ہے، جس وقت آئے وہ تمہاری طرف اوپر سے اور نیچے سے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور دل کھینچ کر گلوں تک آگئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس وقت آزمائش ہوئی ایمان لانے والوں کی اور وہ بڑے سخت زلزلے میں مبتلا کیے گئے اور جب منافق لوگ اور وہ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہنے لگے کہ ہم سے اللہ اور اس کے پیغمبر نے وعدہ نہیں کیا تھا مگر دھوکا دینے کے لئے۔

جنگ خندق کا ہولناک موقع اور مسلمانوں کی حالت

یہ جنگ خندق اور مسلمانوں کے گفتار و پندار اور کردار کی تصویر ہے [1] اور اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ فرشتے بدر کے بعد پھر خندق میں بھی اترے تھے۔ یا ور بات ہے کہ اُس دن اُنہوں نے جنگ نہ کی ہو۔ صرف مسلمانوں کی ہمت افزائی کے لئے آتے ہوں۔ [2]

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَیَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ

[1] یعنی یوم الاحزاب وھو یوم الخندق (تبیان)
[2] قیل انّ الملائکۃ لم یقاتلوا یومئذ ولکن کانوا یشجّعون المؤمنین و یجبّنون الکافرین (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

إِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا
تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ
وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿۱۵﴾ قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ
الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ
أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا
نَصِيرًا ﴿۱۷﴾

''اور جب ایک گروہ نے اُن میں سے کہا کہ اے مدینہ کے رہنے والو! تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے تو واپس چلو اور کچھ لوگ اُن میں پیغمبر سے اجازت مانگ رہے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں۔ نہیں چاہ رہے ہیں وہ مگر بھاگنا اور اگر اُسے (مدینے) میں اُن پر حملہ کرکے داخل ہوجایا جاتا اس کے اطراف و جوانب سے پھر، اُن سے چاہا جاتا ہنگامہ برپا کرنا تو یہ ایسا بھی کر گزرتے اور اس میں زیادہ توقف نہ کرتے حالانکہ انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا اس کے پہلے کہ وہ پیٹھ نہیں پھرائیں گے اور اللہ سے جو عہد ہو، اُسے پوچھا جائے گا، کہئے کہ تمہیں بھاگنا کبھی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اگر تم بھی مرنے سے یا مارے جانے سے اور اس وقت میں بھی تمہیں (زندگی دنیا سے) بہرہ مند ہونے کا موقع نہیں دیا جائے گا مگر بہت کم۔ کہئے کہ کون تمہیں بچائے گا اللہ سے اگر چاہے وہ تمہارے لئے کوئی مصیبت یا چاہے تمہارے ساتھ مہربانی (بہرحال تم اس کے رحم و کرم ہی پر ہو اور وہ نہیں پائیں گے اپنے لئے اللہ کو چھوڑ کر دوست اور نہ مددگار''۔

ایک باخبر بزرگوار کی زبان سے جن کے یہاں کی مسلم شخصیتیں اکثر تاریخ کے بےلوث بیانات سے مجروح ہوتی ہیں، یہ سننے میں آیا کہ تاریخ بڑی بےدرد ہوتی ہے۔ کسی شخصیت کا لحاظ نہیں کرتی مگر اسے کیا کیا جائے کہ بیان واقعات میں قرآن مجید بھی ممدوح کی زبان میں ایسا ہی بےدرد نظر آتا ہے کہ اُس خیر القرآن کے ''مہر و ماہ'' قسم کے افراد کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتتا اور کس کس طرح ایسا کردار سامنے لاتا رہتا ہے کہ قرآن پر ایمان لانے کی صورت میں اُن کے ساتھ انسان کو حسنِ ظن قائم رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا
يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۸﴾ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ
إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ

www.kitabmart.in

سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ⁽¹⁹⁾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآىِٕكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ⁽²⁰⁾

''اللہ جانتا ہے تم میں سے روکنے والوں کو اور اپنے بھائی بندوں سے یہ کہنے والوں کو کہ ہماری طرف آ ؤ اور وہ جنگ کے موقع پر نہیں آتے مگر بہت کم، بخل کرتے ہوئے تمہارے اوپر تو جب خوف کا موقع آئے تو تم انہیں دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں، دیدے گھما گھما کے جیسے وہ آدمی جسے موت کی سختی سے غش آ جائے۔ اس کے بعد جب خوف چلا جائے تو تیز زبانوں سے تم لوگوں کو باتیں سنائیں گے۔ دولت کو ہاتھ سے دینے کے لئے تیار نہیں۔ یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں تو اللہ نے اُن کے اعمال اکارت کردیئے۔ اور یہ اللہ پر آسان ہے اُن فوجوں کو وہ سمجھتے ہیں کہ گئی نہیں ہیں اور اگر وہ فوجیں آ جائیں تو وہ آرزو کریں گے کہ کاش وہ صحرائی عربوں کے ساتھ رہ کر جنگلوں میں تمہاری خبریں دریافت کرتے ہوتے اور اگر وہ تم میں ہوتے تب بھی جنگ نہ کرتے مگر بہت کم''۔

منافقین کا کردار

''بخل کرتے ہوئے تمہارے اوپر'' یعنی تمہاری مدد میں بخل کرتے ہوئے جان سے بھی اور مال سے بھی۔ (ا)[1] پھر اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ میں جو خیر ہے اس کے معنی مال کے ہوتے ہیں اس لئے ہم نے ترجمہ کیا ''دولت کو ہاتھ سے دینے کے لئے تیار نہیں''۔ دوسروں نے بھی ترجمہ اس کے مطابق کیا ہے۔[2] مطلب یہ ہے کہ ان کی کوشش رہتی ہے کہ مال غنیمت میں انہیں زیادہ سے زیادہ حصہ ملے۔[3]

مگر ایک خیال میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ بخل کے ساتھ جس چیز کو روکا جائے، اُس کے لئے ''ب'' آتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے: اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. علیٰ نہیں جب کہ شحّ بخل ہی کے معنی میں ہے تو قیاس یہ کہتا ہے کہ اس لفظ میں بھی یہی ہونا چاہئے چنانچہ پہلی جگہ جو اشحة عليكم آیا ہے، اُس کے معنی یہ نہیں ہوئے کہ تمہارے ساتھ بخل کرتے ہیں بلکہ اُس کی تشریح میں ہر ایک نے یہ لکھا ہے کہ تمہاری مدد میں جان و مال کے ساتھ بخل کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ب اُس چیز کے لئے آئے گا جس کے ساتھ بخل کیا جائے اور علیٰ اُس کے لئے جس سے بخل کیا جائے اب جو خیر کے ساتھ علیٰ آیا ہے کہ اشحة علی الخیر تو اس خیر کے معنی مال و دولت کے کیوں قرار دیئے جائیں جس کے ساتھ وہ بخل کرتے ہیں بلکہ خیر کے معنی نیک کاموں کے کیوں نہ لئے جائیں جس میں صرف کرنے سے وہ بخل کرتے ہیں مگر یہ پہلو مفسرین کے جیسے پیش نظر نہیں ہے۔

---

[1] او بخلاء بالقتال معهم و قيل بخلاء بالنفقة في سبيل الله و النصرة (مجمع البیان)
[2] بخل کناں بدمال (شاہ ولی اللہ)
[3] ای الغنیمة یطلبونها (جلالین)

www.kitabmart.in

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾

''تمہارے لئے پیغمبر خدا کی ذات میں اچھا نمونہ پیروی کے لئے موجود ہے اُس کے لئے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو خوب یاد رکھے''۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین نمونہ عمل

یعنی جس طرح قول رسولؐ وحی الٰہی کا ترجمان ہے، اُسی طرح فعل رسولؐ۔ آپ کے تمام افعال کو مرضی الٰہی کے مطابق ماننا لازم ہے اور ہم اُن کی پیروی کریں تو بہر حال یہ پیروی ہماری اللہ کو پسند ہوگی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ فعل واجب نہ ہو، مستحب یا کم از کم مباح ہوگا کیوں کہ ظاہر ہے کہ رسول صرف واجبات ہی کو عمل میں نہیں لاتے تھے بلکہ مستحبات کو بھی اکثر ترک نہیں فرماتے تھے اور جو جائز امور از قبیل مباحات ہوں، وہ بھی جب اُن کا محل ہو عمل میں لاتے تھے لہٰذا اُس کے تعیین کہ کون واجب ہے اور کون مستحب اور کون امر مباح۔ یہ صرف عمل رسولؐ کو دیکھ کر نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے بیانِ رسولؐ یا دوسرے دلائل شرعیہ کو دیکھنے کی ضرورت ہوگی۔ [۱] اگر مقام تنزیل میں آیت اسی محل پر ہے تو گذشتہ اور آئندہ کے ربط سے مقصود اس پر متنبہ کرنا ہے کہ تم آخر شدائد اور مصائب کے وقت اتنے بے تاب کیوں ہوجاتے ہو؟ رسولؐ کو دیکھو! یہ کس طرح ان حالات میں صبر و تحمل کا نمونہ رہتے ہیں اور سکون واطمینان کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ [۲]

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾

''اور جب خاص ایمان والوں نے اُن فوجوں کو دیکھا تو انہوں نے کہا یہ وہ وعدہ ہے جو ہم سے اللہ اور اس کے پیغمبر نے کیا تھا اور اللہ اور اُس کے پیغمبر نے سچ کہا تھا اور اس نے اُن کے ایمان اور سر تسلیم خم کرنے میں اور اضافہ کر دیا''۔ عام مسلمانوں کا تو وہ حال تھا جو پہلے آچکا ہے لیکن اُس وقت بھی ایک سچی صاحب ایمان جماعت ایسی تھی جس نے سکون واطمینان کا دامن نہیں چھوڑا اور ان کے ذہن میں کوئی شک وتذبذب کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی۔ یہ ہیں وہ خاص الخاص مومنین جن کا حال اس آیت میں بیان ہوا ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ

---

[۱] ای اقتداء حسن فی جمیع ما یقوله ویفعله متی فعلتم مثله کان ذٰلك حسناً ولا یدلّ علی وجوب الاقتداء به فی افعاله وانما یعلم ذٰلك بدلیل اٰخر (تبیان)

[۲] اقتداء به فی القتال والثّبات فی مراطنه (جلالین) کما فعل هو یوم احد ______ فهلّا فعلتم مثل ما فعل هو (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝24

''ایمان والوں میں کچھ اشخاص ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اُسے جوانہوں نے اللہ سے عہد و پیمان کیا تھا تو اُن میں کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا وقت پورا کرلیا اور ان میں سے کچھ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے بات میں ذرا بھی تبدیلی نہیں کی تا کہ اللہ سچوں کو اُن کی سچائی کا صلہ دے اور منافقین کو چاہے سزا دے یا اُن کی توبہ قبول کرے، یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان''۔

''جنہوں نے اپنا وقت پورا کرلیا' یعنی شہید ہو گئے۔[1] اور کچھ وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں یعنی شوق شہادت میں وہ ان افراد سے کم نہ تھے مگر وہ اس موقع پر درجہ شہادت پر فائز نہیں ہوئے آئندہ کا انتظار کر رہے ہیں۔

فریقین کی روایت میں ہے کہ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کے جملے کا جناب حمزہؓ و جعفرؓ سے تعلق ہے کہ اوّل الذّکر جنگ احد میں اور دوسرے بزرگ جنگ موتہ میں شہید ہوگئے اور کچھ انتظار کر رہے ہیں، اس فقرے کا تعلق حضرت علیؑ سے ہے جو پیش آمدہ غزواتِ رسولؐ میں باوجود کارہائے نمایاں انجام دینے کے شہید نہیں ہوئے۔[2]

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝25

''اور پلٹا یا اللہ نے کافروں کو اُن کے غم و غصہ کے ساتھ کہ اُن کا کوئی بھی بھلا نہ ہوا اور بچایا اللہ نے مومنین کی جماعت کو جنگ کی زحمت سے اور اللہ طاقت ور ہے، عزت والا''۔

جنگ خندق کا سرانجام

جنگ خندق میں بس ایک پہلوان عمرو بن عبدود کے قتل ہونے سے جسے حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے قتل کیا تھا تمام مشرکین مرعوب ہوگئے اور ان کی فوجیں واپس چلی گئیں، اس لئے بعض تفاسیر میں وارد ہوا ہے کہ اس آیت کی تنزیل یعنی معنی تنزیلی یہ ہے کہ کفی اللہ القتال بعلی علیؑ کے ذریعہ سے تمام مسلمانوں کو اللہ نے جنگ کی زحمت سے بچایا[3] اور اہل تفسیر اہل بیت عصمت علیہم السلام بھی اسی مفہوم کے مطابق ہے۔[4]

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ

---

[1] بانجام رسانید قرار داد خود را (شاہ ولی اللہ) پورا کرچکا کام اپنا (رفیع الدین) یعنی شہید شدند (فتح الرحمن) ذمہ پورا کرچکا یعنی جہاد ہی میں جان دے چکا (موضح القرآن)

[2] روی انّ الاٰیۃ نزلت فی حمزۃ بن عبد المطلب و جعفر بن ابی طالب علیہ السلام (تبیان) من علی علیہ السلام قال فینا نزلت: رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فانا واللہ المنتظر و ما بدّلت تبدیلا (مجمع البیان)۔

[3] ھی قراءۃ ابن مسعود و کذٰلك ھو فی مصحفہ (تبیان)

[4] ھو المرویّ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَأْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

''اوراُس نے اتار دیا اہل کتاب میں سے اُن کو جنہوں نے اُن کی مدد کی تھی، اُن کے قلعوں سے اور اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ ان میں سے کچھ کو تم قتل کر رہے تھے اور کچھ کو قید کر رہے تھے اور تمہیں قابض بنایا اُن کی زمین اور اُن کے مکانات اور اُن کے اموال اور اس زمین پر جسے تم اپنے زیر قدم لائے نہ تھے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

بنی قریظہ کا انجام

یہ یہود میں بنی قریظہ کا تذکرہ ہے۔[۱] جنہوں نے رسولؐ سے اس کے قبل عہدوفاداری کرنے کے بعد اب اس جنگ احزاب میں مشرکین کا ساتھ دیا، اس لئے اب اُن کے خلاف تادیبی کاروائی کی گئی۔ایک قدیم مفسر نے بنی نصیر کا نام لے دیا ہے مگر یہ غلط ہے اس لئے کہ وہ پہلے ہی مدینہ سے نکالے جا چکے تھے۔[۲]

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

''اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اُس کی سجاوٹ کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور تمہیں اچھے عنوان سے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے پیغمبر اور منزل آخرت کی طلب گار ہو تو جو تم میں سے اچھے اعمال کرتی رہیں گی، اُن کے لئے اللہ نے بڑا ثواب تیار رکھا ہے''۔

حمید الدین فراہی صاحب جو تفسیر میں نظم قرآن پر بڑا زور دیتے ہیں، معلوم نہیں جنگ خندق اور ازواج رسولؐ کو اس انتباہ میں کیا رشتہ قرار دیتے ہیں، ہم کلیۃً اس نظم یعنی ترتیب کو قابل لحاظ نہیں سمجھتے۔ اس لئے بھی کہ موجودہ ترتیب تنزیل کے مطابق ہے ہی نہیں اور اس لئے بھی کہ اکثر آیات متفرق طور پر کچھ حالات کے تحت نازل ہوئے ہیں۔اس لئے ضروری نہیں ہے کہ اُن کا قبل کے آیات سے کوئی جوڑ ہو چنانچہ اب یہ سلسلہ آیات کا جو شروع ہو رہا ہے، گذشتہ سلسلہ آیات سے قطعاً غیر متعلق ہے لہٰذا خود ان آیات کی شان نزول تلاش کرنے کی ضرورت ہے کہ ازواج رسولؐ میں کیا چہ می گوئیاں ہوئی تھیں، یا اُنہوں نے پیغمبر خداؐ سے کیا فرمائشیں کی تھیں جن کی بنا پر یہ آیات نازل ہوئی ہیں جو شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں۔''حضرتؐ کے ازواج نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہوئے، چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں بعضوں نے بول چال کی حضرتؐ نے قسم کھائی کہ ایک

---

[۱] نزل فی بنی قریظة (علی بن ابراهیم) هم بنو قریظة من الیهود (تبیان)

[۲] کانوا قد اجلوا قبل ذلك (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

مہینے گھر میں نہ جائیں۔ پھر مہینے کے بعد یہ آیت اتری"۔

تفسیر جلالین میں ہے:

طَلِبْنَ مِنْهُ زِيْنَةَ الدُّنْيَا مَا لَيْسَ عِنْدَهٗ۔ انہوں نے حضرتؐ سے دنیوی آرائش کے ایسے سامان کا مطالبہ کیا جو حضرتؐ کے پاس نہ تھا۔ اس کے بعد ہمارے یہاں یہ روایت ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے اپنے ازواج کے سامنے جب یہ آیت پڑھ کر سنائی تو سب سے پہلے ام المومنین جناب ام سلمہ رضوان اللہ علیہا نے کہا کہ میں تو خدا اور رسول کو چاہتی ہوں۔ دوسری تمام ازواج رسولؐ اُن کی پیش قدمی کی قدر کرتی ہوئی اُن سے گلے ملیں اور پھر سب نے یہی بات کہی۔[1]

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

"اے زنان پیغمبر! جو تم میں سے کسی نمایاں جرم کا ارتکاب کرے گی، اُسے دہری سزا دی جائیگی اور یہ بات اللہ کے لئے بہت آسان ہے"۔

ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا امتیاز خاص

یعنی دنیا کے لئے اس کا فلسفہ سمجھنا دشوار نہیں ہے کیوں کہ زوجیت رسولؐ جب ایک بہت بڑا شرف ہے تو پھر اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ذمہ داری بھی شدید ہونا چاہئے۔ اگر ان تقاضوں پر عمل نہ ہو اور کسی گناہ کا ارتکاب ہو تو دوسروں کی بہ نسبت اُن کے گناہ کی سزا دونی ہے، اس لئے کہ جب وہ گناہ ہے تو خود اس عمل کی سزا تو ہے ہی اور پھر رسولؐ کے ساتھ رشتۂ ازدواج کی توہین بھی ہے۔

اب اس سے سادات، اولاد رسولؐ کی آنکھیں کھلنا چاہئیں کہ اُن کا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے صُلبی رشتہ ہے تو پھر اُن کی ذمہ داری بھی زیادہ ہے۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اب ہمیں اس رشتے کی بنا پر کچھ چھوٹ ملے گی بلکہ اُن کے اعمال کا احتساب زیادہ شدت کے ساتھ ہونا چاہئے کیونکہ اصول بہر حال اصول ہے۔ جب سببی رشتے سے گناہ کی سزا میں اضافہ ہو جاتا ہے تو نسبی رشتے سے کیوں نہ ہوگا؟

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

"اور جو تم میں سے اللہ اور اُس کے پیغمبر کے اطاعت کرے اور نیک اعمال کرتے رہے اُسے ہم اُس کا ثواب بھی دونا عطا کریں گے اور اس کے لئے ہم نے عمدہ روزی تیار رکھی ہے"۔

قبل والے پارے کے آخر میں یہ آیا ہے کہ ازواج رسولؐ میں سے کوئی اگر گناہ کی مرتکب ہوگی تو اُسے سزا دونی دی جائے گی۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ گناہ بھی ہے اور رسولؐ کے رشتے کی توہین بھی۔

[1] فکانت امّ سلمة اول من قامت و قالت قد اخترت اللّٰه و رسوله و قمن کلّهن فعانقته و قلن مثل ذٰلك (علی بن ابراهیم)۔

www.kitabmart.in

اب اس آیت میں اس کے بالمقابل حسن عمل کے لئے بھی وعدہ دونے ثواب کا ہوا ہے۔

یہاں جناب شیخ الطائفہؒ نے ایک سوال جیسے اٹھایا ہے مگر جواب اس کا لکھنے سے رہ گیا یا نقل در نقل سے کتابت میں ساقط ہوگیا۔ وہ سوال یہ ہے کہ وہ سزا بالاستحقاق تھی تو یہ جزاء دونی کیا صرف اس لئے لازم ہے کہ اللہ نے وعدہ کرلیا ہے؟ سیاق کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے وہ سزا بالاستحقاق تھی، ویسے ہی یہ جزا بھی بالاستحقاق ہو۔[1]

ہم غور کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ سزا دونی کیوں تھی؟ اس لئے کہ گناہ بھی ہے اور رشتہ رسولؐ کی توہین بھی ہے تو اس کے بالمقابل اگر زندگی بھر یہ پیش نظر رہا کہ ہمیں رسولؐ سے کیا تعلق ہے؟ اس لئے ہمیں اپنی پوری زندگی اس معیار تقویٰ پر گزارنا ہے جو اس رشتے کا تقاضا ہے تو اس پوری زندگی میں جو اطاعت کا اجر ملتا ہے، وہ بھی ملنا چاہیے اور پھر رسولؐ کے ساتھ عمر بھر کا لحاظ رکھنے سے حفظ کرامت و احترام رسولؐ کا اجر بھی خاص طور پر ملنا چاہیے اس کے علاوہ پیغمبر خداؐ سے رشتہ خاص ہونے کی بنا پر ان کے افعال کی دوسرے تقلید کرتے ہیں اور یہ اصول کہ جو ٹھیک طریقہ شروع کرے جس پر دوسرے چلیں۔ اس کے ثواب میں وہ شریک ہوگا اور جو برا طریقہ اختیار کرے اس پر جتنے چلیں اُن کے عذاب میں وہ شریک ہوگا (من سنّ سنة حسنّة کان له اجر من عمل بها الیٰ یوم القیامة ومن سنّ سنّة سیّئة کان علیه وزر من عمل بها الیٰ یوم القیامة) اور یہ وجہ ایسی ہے جو قبل والی سزا کے دونے ہونے کا بھی ایک مستقل سبب ہوسکتی ہے اور اس سے معلوم ہوگا کہ ثواب اور عذاب دونوں میں دونا کہنا بھی اقل درجہ کے لحاظ سے ہے، ورنہ بہت ممکن ہے کہ وہ عذاب اور ثواب دونے سے بہت زیادہ ہو جس کا پورا اندازہ اس وقت نہیں کیا جاسکتا۔

اب وہ بدی پر عذاب کا دونا ہونا اور اطاعت گزاری پر ثواب کا دونا ہونا جب اس اصول پر ہے تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جن کا رشتہ اس سے بھی زیادہ نمایاں ہو یعنی اولاد کا رشتہ جو سادات کا ہے تو جیسا کہ قبل میں بھی مجملاً عرض کیا گیا، اُن کے لئے بھی یہی بات سمجھنا ناگزیر ہے کہ یہ نسبت دوسروں کے اُن کے کرداری برائی اور اچھائی دونوں کا وزن زیادہ ہوگا۔ یہ کوئی ہمارا طبع زاد نکتہ نہیں ہے بلکہ خود بزرگان سادات نے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے جس کے ذیل میں حدیث معصومؑ بھی ہے۔[2]

اور عقل سلیم کی مدد سے اس میں وسعت دی جائے تو ہر ایسا شخص جس کے کردار کو لوگ مثال بنائیں خواہ دینوی سبب سے جیسے صاحبان اقتدار یا دینی حیثیت سے جیسے علماء و واعظین، ان پر بھی یہی حکم جاری ہوگا کہ اُن کی ذمہ داری زیادہ ہوگی اور اُن کے کردار کی جزا یا سزا بھی دوسروں سے بڑھ کر ہوگی۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ

---

[1] الاجر مرّتین لیس یجب بالوعد بل انّها هو مستحق (تبیان)

[2] عن ابی حمزة التمالی عن زید بن علی علیه السلام انه قال: انّی لاوجو للمحسن منّا ان یضاعف له الثّواب ضعفین وعلی المسیئی منّا ان یضاعف العذاب ضعفین کما اوعد ازواج النبیی رضی الله عنها ______ عن علی بن الحسین علیه السلام انّه قال له رجل: انّکم اهل بیت مغفور لکم قال فغضب وقال نحن احدیٰ ان یجری فینا ما اجری الله فی ازواج النبی رضی الله عنها دون ان نکون کما تقول، انّا المحسننا ضعفین من الاجر والمسیئنا ضعفین من العذاب ثمّ قرأ الاٰیة (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾

''اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگار رہتی ہو تو نرمی کے ساتھ بات نہ کرو تاکہ اسے جس کے دل میں بیماری ہے کچھ توقع پیدا ہو، اور نیک بات کہا کرو اور استقلال کے ساتھ اپنے گھروں کے اندر رہا کرو اور زمانہ جاہلیت کی طرح بن ٹھن کے جلوہ دکھاتی نہ پھرو اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوۃ ادا کرتی رہو اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرماں بردار رہو۔ اللہ کا بس یہ ارادہ ہے کہ تم لوگوں سے ہر گناہ کو دور رکھے اے اس گھر والو! اللہ تمہیں پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے''۔

قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کے معنی ہم نے لکھے ہیں کہ ''استقلال کے ساتھ اپنے گھروں کے اندر رہو''۔ یہ اکثر مفسرین و مترجمین کی تشریح کے مطابق ہیں۔ [۱] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عام عورتوں کے لئے تو گھر کی چار دیواری کا پردہ واجب نہیں ہے بلکہ برقع و چادر میں نہاں ہو کر وہ جائز ضروریات کے لئے گھر سے باہر نکل سکتی ہیں لیکن ازواج رسولؐ کے لئے کہا جا رہا ہے کہ تم اور عورتوں کی سطح پر نہیں ہو لہٰذا تم پر پردے کی پابندی زیادہ ہے۔ تم کو اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا چاہیے۔

آخری حصہ جو اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ سے ہے، اگرچہ موجودہ ترتیبی صورت میں گذشتہ آیت کا ایک جز ہے مگر مسلماً وہ مقام تنزیل میں تنہا اترا ہے جس کی شان نزول متفقہ طور پر مستقلاً درج ہے: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ اس میں جو تفسیری حیثیت سے مرکزی لفظ ہے، وہ اَهْلَ الْبَيْتِ ہے جس کا ترجمہ اکثریت والے مفسرین صرف اَهْلَ اور بَيْتِ کے الفاظ کو دیکھ کر ''اہل خانہ'' یا خالص ہندوستانی زبان میں ''گھر والی'' سے کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اس میں درمیان میں ایک الف لام ہے جو بیت پر داخل ہے (البیت) اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

یہ الف لام جو یہاں فرد خاص کی طرف اشارہ کے لئے آیا ہے۔ [۲] سامنے رکھا جائے تو اُس کے معنی ہو جائیں گے ''اس گھر والے'' جیسے الیوم کے معنی ''آج'' یعنی یہ سا دن۔ اب دیکھنے کی ضرورت ہوگی کہ رسولؐ کا اشارہ کس گھر کی طرف تھا۔ چار دیواری والا گھر یا کوئی اور؟

سنی اور شیعہ تمام محدثین کے روایات جو اس آیت کے شان نزول میں وارد ہوئے ہیں، متفق ہے کہ حضرتؐ نے ایک چادر کے نیچے علیؑ و فاطمہؑ، حسن و حسین علیہم السلام کو لیا اور اُس وقت یہ آیت اتری۔ رسولؐ نے یہ چادر کا حصار کیوں کھینچا؟ اس لئے کہ اَهْلَ الْبَيْتِ ''اس گھر والے'' کے

---

[۱] امرهنّ بالاستقرار فی بیوتهنّ والمعنی ابقین فی منازلکن والزمنها (مجمع البیان). بمانید (شاہ ولی اللہ) ٹکی رہو (شاہ رفیع الدین) اصله اقررن من قرات بفتح الرّاء (جلالین)

[۲] التعریف فیه للعهد والمراد به بیت النبوّة (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

الفاظ میں ''اس گھر'' کا اشارہ چار دیواری میں منتشر نہ ہو۔ یہ چادر کا حصار قرآن کی آیت کے آغاز والے کلمہ حصر انما کی جو انحصار کا پتہ دیتا ہے، مجسم شکل میں تفسیر تھی۔ اس کے بعد صرف اٰاَهْلَ اور بَیْتِ کے لغوی معنی کی بنا پر چار دیواری والے گھر کے افراد کو مصداق قرار دینا کہاں درست ہو سکتا ہے؟

رہے سہے مفروضہ ابہام کو جناب ام سلمہ رضوان اللہ علیہا نے جو اُس معنی میں گھر والیوں کی ایک نمایاں فرد تھیں اپنے عمل سے دور کر دیا جب وہ چادر کے قریب آئیں اور چاہا کہ اُس میں داخل ہوں اور اُس مجسم خلق عظیم نے کہ جس نے مسجد میں بالکل اپنے پہلو میں کسی کو بٹھانے میں عذر نہیں کیا، مقصد الٰہی کے تحفظ کے لئے ایسی ممتاز بیوی کے ہاتھ سے گوشہ چادر کو جھٹکا دے کر کھینچ لیا اور فرمایا کہ تم جہاں ہوا چھی ہو مگر اس چادر میں تمہاری جگہ نہیں ہے۔ اس کے بعد کسی اس صنف کی فرد کو اس لفظ اهل البیت کا مصداق سمجھنے کی گنجائش نہیں رہی۔ اسی لئے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے معزز صحابی رسولؐ جناب زید بن ارقم سے جب دریافت کیا گیا کہ ازواج رسولؐ اهل البیت میں داخل ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ زوجہ اپنے شوہر کا جز عارضی طور پر ہوتی ہے لیکن جب کسی وجہ سے رشتہ زوجیت قطع ہو جائے تو وہ دوسرے گھر کا جز ہو جاتی ہے۔ یہ اهل البیت تو وہ ہیں جو مستقل طور پر بیت رسالت والے ہیں۔ اس سے الگ کبھی نہیں ہو سکتے یہ اُن کا فیصلہ جو منطقہ استدلال کے ساتھ ہے اس بحث کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿٣٤﴾

''اور یاد رکھنا اسے جو تمہارے گھروں میں آیات الٰہی اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی رہتی ہیں یقیناً اللہ لطف و کرم والا ہے، بڑا باخبر''

یہ پھر ازواج رسولؐ سے خطاب ہے [1] اور مطلب یہ ہے کہ یہ اصلاح خلق کے تعلیمات دنیا بھول جائے تو بھول جائے مگر تمہیں تو جو ہر وقت انہیں سنتی رہتی ہو، ہمیشہ ہمیشہ انہیں یاد رکھنا چاہئے اور کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٣٥﴾

[1] ثمّ عادتعالیٰ الیٰ ذکر النساء (تبیان)

www.kitabmart.in

''اپنے معاملات کوسپردخدا کرنے والے مرداور ایسی ہی عورتیں اور ایمان کا جوہر رکھنے والے مرداور یہ جوہر رکھنے والی عورتیں اور صبر کرنے والے مرداور صبر کرنے والی عورتیں اور اطاعت گزار مرداور اطاعت گزار عورتیں اور سچے مرداور سچی عورتیں اور اثر پذیر دل رکھنے والے مرداور اثر پذیر دل رکھنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنے اندام نہانی کی حفاظت کرنے والے مرداور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، اُن کے لئے اللہ نے مہیا رکھی ہے بخشش اور بڑا اجر وثواب''۔

اسلام اور ایمان کا ایک اصطلاحی مفہوم ہے جس میں اسلام آسان اور ایمان مشکل ہے۔اسلام ظاہر سے وابستہ ہے اور ایمان دل سے متعلق چیز ہے جس کے لحاظ سے قرآن مجید میں ایک جگہ ہے:۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ

صحرائی عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں کہئے کہ تم ایمان نہیں رکھتے ہو۔ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے اور ابھی ایمان تو تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔(حجرات ۔ ۱۴)اس کے لحاظ سے تو اجر آخرت ایمان کے ساتھ وابستہ ہے، نہ کہ صرف اسلام کے ساتھ جس کے اثرات قانونی طور پر دنیا میں حاصل ہوتے ہیں مگر حقیقت معنی کے لحاظ سے جو مفہوم لغوی کی حیثیت رکھتی ہے معاملات کو سپرد خدا وہی کرے گا جو تہہ دل سے ایمان اختیار کیے ہوئے ہو۔اس لئے بس مفہوم لفظی کے لحاظ سے یہ دونوں الگ الگ وصف ہیں مگر عالم مصداق میں دونوں متحد ہیں اسی طرح صحیح ایمان واسلام رکھنے والوں میں وہ سب ہی اوصاف ہوں گے جن کا ذکر بعد کو ہے۔لہٰذا یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ بہت سی جماعتوں کا ذکر ہے جن میں ایک مومنین ہیں، ایک مسلمین ہیں، ایک قانتین ہیں، ایک صادقین ہیں وغیرہ وغیرہ۔بلکہ وہ ایک ہی جماعت ہے جس کے مرد بھی ان اوصاف کے حامل ہیں اور عورتیں بھی۔

قرآن مجید میں اکثر جگہ اختصار پسندی کے باوجود یہاں اتنی تفصیل کے ساتھ ہر وصف میں الگ سے اُس وصف رکھنے والی عورتوں کا ذکر اس ''گرانی محمل'' کا ردعمل ہے جس میں اس دنیا کی ذہنیت اُس وقت کیا، کسی حد تک اب بھی مبتلا ہے کہ عورتوں کی کوئی ذمہ دار انفرادی حیثیت نہیں بلکہ وہ بے چاری تو بس مردوں کی تابع مہمل ہیں۔قرآن مجید صراحتاً اس آیت میں ہر جگہ اُن کا تذکرہ کرکے یہ احساس پیدا کرنا چاہتا ہے کہ احساس فرائض کی منزل مرد اور عورت ہر ایک کی مستقل حیثیت رکھتی ہے اور اس لئے جواب دہی بھی ہر ایک کی اور بازپرس مستقل طور پر ہوگی۔یہ اور بات ہے کہ بعض صورتوں میں فرد قوی ہونے کی بنا پر مرد کی ذمہ داری دُہری ہو جائے اور اس کی جواب دہی بھی زیادہ سخت ہو۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾

''اور کسی باایمان مرد کو یہ حق نہیں اور نہ باایمان عورت کو کہ جب اللہ اور اُس کے پیغمبر نے کوئی بات طے کردی تو اُنہیں اپنے معاملہ میں کوئی اختیار ہو اور جو اللہ اور اُس کے پیغمبر کی نافرمانی کرے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہوا''۔

www.kitabmart.in

خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے بعد جمہور مسلمین کے اختیار کی نفی

یہ آیت تمام امور میں خدا اور رسولؐ کے فیصلے کے بعد مسلمانوں کے حق خودارادی کی خواہ انفرادی طور پر ہو یا مل جل کر اجماع یا شوریٰ کی صورت میں ہو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نفی کا اعلان ہے۔اس کے بعد ایک جگہ مسلمانوں کی تعریف جو ہوئی ہے کہ:۔امرھم شوریٰ بینھم۔وہ اپنے امور باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں تو یہ اُنہی امور سے متعلق ہوسکتا ہے جس میں خدا اور رسولؐ کی طرف سے کوئی فیصلہ نہ ہوا ہو۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

’’اور وہ موقع جب آپ کہہ رہے تھے اُس سے جس کو اللہ نے اپنی نعمت سے نوازا تھا اور آپ نے بھی اُسے نعمت سے نوازا تھا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرو اور آپ اپنے دل میں چھپا رہے تھے اُسے جسے اللہ نمایاں کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے اور اللہ اُس کا زیادہ سزاوار ہے کہ آپ اُس سے ڈریئے تو جب زید اُس (خاتون) سے ضرورت پوری کرچکے تو ہم نے آپ سے اُس کی شادی کردی تا کہ ایمان لانے والوں پر کوئی تنگی نہ رہے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ اُن سے مطلب پورا کر چکے ہوں اور اللہ کی بات انجام تک پہنچ کر رہتی ہے‘‘۔

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ جناب زینبؓ بنت جحش حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، جناب زید بن حارثہ بطور غلام آپؐ کے پاس آئے تھے مگر اُن کے ضمیر کی طہارت اور حق پسندی ایسی تھی کہ اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں صف اول میں وہ ہیں، حضرتؐ نے انہیں نہ صرف آزاد کیا بلکہ مقام نسبت میں اپنی فرزندی کا شرف عطا فرمایا، یہاں تک کہ وہ رسولؐ کے بیٹے کہے جانے لگے اور پھر اسلامی مساوات کو عملی شکل میں پیش کرنے کے لئے آپؐ نے اُنہی اپنی پھوپھی زاد بہن کو رضامند کرکے اُن کی شادی اُن کے ساتھ کردی، اُس طرح وہ ایک حیثیت سے خاندان بنی ہاشم کا جز بن گئے مگر بعد میں اُن دونوں کے باہمی تعلقات ناخوشگوار رہنے لگے اور جناب زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا۔خالق غیبی طور پر حضرتؐ کو مطلع فرما چکا تھا کہ یہ خاتون ایک وقت میں آپؐ کے حلقۂ زوجیت میں داخل ہوگی۔اب جو اُن کی باہمی نزاع کا معاملہ رسولؐ کی خدمت میں پیش ہوا تو حضرتؐ نے دل میں تصور فرمایا کہ یہی موقع ہے جس کے لئے مجھے بتایا گیا تھا تو جب یہ طلاق دیں گے تو میں اُن کے ساتھ عقد کرلوں گا مگر آئین کے مطابق کہ ایک حاکم شرع کا فرض ہے کہ حتی الامکان باہمی تعلقات کے سدھارنے کی کوشش کرے اور طلاق سے مانع ہو چونکہ طلاق ایسی چیز ہے جسے عموماً اللہ پسند نہیں فرماتا لہٰذا حضرتؐ نے زیدؓ سے فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں برقرار رکھو اور اللہ سے ڈرو یعنی طلاق کا جسے اللہ ناپسند فرماتا ہے اقدام نہ کرو۔اسی کو خالق نے ارشاد فرمایا ہے کہ ’’آپ دل میں چھپاتے تھے اُسے

www.kitabmart.in

جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا“۔ اس کے علاوہ حضرت کو یہ بھی تصور تھا اگر میں طلاق کے بعد زینبؓ سے شادی کروں گا تو دنیا کہے گی کہ یہ کیسے ہیں کہ ایسی عورت کو جو پہلے ان کی بہو تھی، انہوں نے اپنی بیوی بنالیا۔ یہ خوف ایک طرح کے حجاب کی حیثیت رکھتا تھا جو کوئی بری صفت نہیں مگر چونکہ یہاں خالق کو اپنے رسولؐ کو اس محل امتحان میں لاکر ایک غلط ذہنیت کو ختم کرنا تھا، اس لئے اس شرم وحجاب کے کام میں لانے سے روک دیا گیا اور کہا کہ مقصد الٰہی کو جو ایک غلط ذہنیت کی اصلاح ہے، مقدم سمجھنا چاہیے، اس کو یوں کہا گیا ہے کہ ”اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اُس سے ڈریئے“۔ [1]

”جب زیدؓ نے اپنا مطلب پورا کرلیا“ یعنی ازدواجی زندگی بسر کر چکے اور اس میں یہ مضمر ہے کہ اُن کا دل اُن سے بھر گیا کہ اب اُنہیں رغبت انہیں باقی رکھنے کی اپنے حلقہ زوجیت میں نہیں رہی تو ”ہم نے آپ کے ساتھ اُن کی شادی کردی“۔ اب اُس خاتون کو جو کبیدہ خاطری پیدا ہوئی تھی، اُس کی تلافی ہوئی ایسی کہ وہ عمر بھر فخر کرتی رہیں کہ کسی کی شادی اُس کے والدین یا دوسرے عزیز کرتے ہوں گے اور میری شادی رسول اللہؐ سے اللہ سبحانہ نے کی ہے۔ [2]

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۙ۟ﶔ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﶕ

”پیغمبر پر کوئی سختی نہیں اُس چیز میں جو اللہ نے اُس کے لئے قرار دی ہے، جیسا اللہ کا طریقہ ہے اُن میں جو اس کے پہلے گزر چکے ہیں اور خدا کی بات ایک فیصلہ تقدیر ہے جو معین کر دیا گیا ہے۔ وہ جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اُس سے ڈرتے ہیں اور کسی سے سوا اللہ کے نہیں ڈرتے اور اللہ حساب کرنے کے لئے کافی ہے“۔

زمانہ جاہلیت میں جواب بھی غیر مُسلم حلقوں میں باقی ہے، متبنّٰی بالکل اپنا بیٹا سمجھا جاتا تھا، اس کے لحاظ سے متبنّٰی کی مطلقہ بیوی سے اُس شخص کو جس نے متبنّٰی بنایا ہے، نکاح ناروا تھا۔ اسلام نے چونکہ متبنّٰی بنانے کو بے معنی قرار دیا، اس لئے اپنے رسولؐ کو مامور فرمایا کہ وہ زید بن حارثہ کی مطلقہ بیوی سے عقد فرمائیں۔ اس پر مشرکانہ رسم ورواج کے خوگر افراد نے شور مچادیا کہ انہوں نے اپنی سابقہ بہو سے نکاح کرلیا اُن کے اس اعتراض کو بے معنی قرار دیتے ہوئے یہ کہا جارہا ہے کہ جو اللہ نے قانون قرار دیا ہے، رسولؐ اُس پر عمل کریں تو اس پر اعتراض کے کوئی معنی نہیں ہیں جیسا کہ اللہ کا طریقہ ہے اُن میں جو اس کے پہلے گزر گئے ہیں یعنی شریعت اسلام کا یہ حکم کوئی نیا نہیں ہے بلکہ انبیاء ماسلف کی شریعتوں میں بھی ایسا ہی تھا۔ [3] یہ مشرکین دور جاہلیت کا کرشمہ تھا کہ انہوں نے متبنّٰی پر اصل بیٹے کے احکام جاری کردیئے تھے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ

---

[1] ارادخشية الاستحيآء لانّ الحياء كان غالبًا على شمه الكريمة كما قال سبحانه انّ ذٰلكم كان يوذ النّبيّ فيستحيي منكم (مجمع البيان)

[2] فى الحديث انّ زينب كانت تفتخر على سائر نسآء النّبيّ رضی اللہ عنہا وتقول زوّجنى الله من النّبى رضی اللہ عنہا وانتنّ انّما زوجكنّ اولياء كنّ (مجمع)

[3] يعنى ما امر نا به محمّدا من هٰذه النبيّ والعادات مثل سنّة من تقدّم من الانبيآء (تبيان).

www.kitabmart.in

اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ﴿۴۰﴾

''محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے پیغمبر اور انبیاء کے لئے مہر اختتام ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے''

ختم رسالت

''تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں یعنی اپنی واقعی اولاد کے سوا تم میں سے کسی کو بیٹا کہہ دیں تو اُن کے وہ واقعی باپ نہیں ہو جاتے۔ نہ یہ کہ جو واقعی اُن کی اولاد ہو، اس کے بھی باپ نہیں ہیں۔ [1] **ختم** کے معنی تمام کرنے کے ہیں مہر لگانے کو عربی میں **ختم** اور مہر کو **خاتم** جو کہا جاتا ہے، وہ اسی لئے کہ مہر اختتام پر لگتی ہے اور اس لئے بلا شبہ یہ آیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری رسول ہونے کی دلیل ہے۔ [2] مگر قادیانی جماعت کے لوگ جو مرزا غلام احمد صاحب کو نبی بنانے کے درپے ہیں، وہ اس آیت میں **خاتم** کے ایسے معنی قرار دینا چاہتے ہیں جس سے ہمارے رسولؐ کے بعد بھی نبی کے آنے کی گنجائش باقی رہے جو تمام امت اسلامیہ کے نزدیک باطل اور خلاف ضرورت دین ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوا اللّٰہَ ذِکۡرًا کَثِیۡرًا ﴿۴۱﴾ وَّ سَبِّحُوۡہُ بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا ﴿۴۲﴾ ہُوَ الَّذِیۡ یُصَلِّیۡ عَلَیۡکُمۡ وَ مَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخۡرِجَکُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ؕ وَ کَانَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَحِیۡمًا ﴿۴۳﴾ تَحِیَّتُہُمۡ یَوۡمَ یَلۡقَوۡنَہٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ اَجۡرًا کَرِیۡمًا ﴿۴۴﴾

''اے ایمان لانے والو! اللہ کو بہت یاد کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرو، وہ وہ ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اُس کے فرشتے تاکہ تمہیں نکالیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور وہ ایمان لانے والوں پر مہربان ہے۔ اُن کا آپس کے میل جول میں ادب قاعدہ جب وہ اُس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے سلام ہوگا اور اُس نے اُن کے لئے عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے''۔

''صبح وشام اُس کی تسبیح کرو''۔ اس تسبیح سے مراد شب وروز کی نمازیں ہوسکتی ہیں جیسا کہ متعدد مفسرین کا خیال ہے، چونکہ احادیث معصومینؑ میں بھی نماز کی تعبیر سبحۃ' سے ہوئی ہے اور بعض دوسرے آیات میں بھی تسبیح کے معنی نماز کے سمجھ میں آتے ہیں۔ [3]

مسلمانوں میں سے افراد شیعہ عموماً ائمہ معصومینؑ کے لئے صلوات اللہ علیہ اور علیہ السلام وغیرہ کہنے کا دستور رکھتے ہیں بلکہ **علیہ السلام** کا لفظ تو کبھی دوسرے شہداء اور مقربین کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ اہل سنت عموماً اس پر معترض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

---

[1] قد ولد له رضی اللہ عنہا اولاد ذکور ابراهیم علیہ السلام والقاسم علیہ السلام والطیب علیہ السلام والمظهر علیہ السلام فکان اباهم وقد صحّ انّه قال فی الحسن علیہ السلام ان ابنی هٰذا سیکه وقال ایضا الحسن علیہ السلام والحسین علیہ السلام ابناء هٰذا ان امامان قاما او قعدا (مجمع البیان)

[2] یعنی لا نبیّ بعد محمّد صلّی اللہ علیہ وآلہ (علی بن ابراهیم) یعنی بعد از وے هیچ پیغمبد نباشد (فتح الرحمٰن)

[3] سمّی الصّلوٰۃ تسبیحا لما فیها من التّسبیح والتنزیه (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

یہ چیز انبیاء مرسلین کے لئے مخصوص ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت سے خالق کا صلوٰۃ وسلام ممتاز درجہ کے مومنین کے لئے ثابت ہو رہا ہے۔[1] اس لئے انبیاء سے اسے مخصوص سمجھنا بے بنیاد ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ کے معنی ہم نے آپس کے ''ادب قاعدہ'' کے کہے ہیں مگر بعض علمائے اہل سنت نے اسے بھی اللہ سے متعلق کیا ہے۔[2] ہمارے نزدیک پہلا مفہوم الفاظ آیت سے زیادہ قریب ہے اور اکابر مفسرین اس بارے میں ہم سے متفق ہیں۔[3] علامہ طبرسیؒ نے پہلے تو یہی تشریح کی ہے پھر ایک صحابی کی طرف نسبت کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ مومن کو اُس کی موت کے وقت ملک الموت سلام کرتے ہیں۔[4] مگر اس کا اسناد صحابی نے رسولؐ کی طرف نہیں کیا ہے چنانچہ علامہ طبرسیؒ نے بھی اُسے بطور نقل قول درج کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿٤٧﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٤٨﴾

''اے پیغمبر! یقیناً ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا، دعوت دینے والا اللہ کی طرف اُس کے حکم سے اور ایک روشنی دینے والا چراغ اور خوش خبری دیجئے ایمان والوں کو کہ اُن کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل وکرم ہے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئیے اور اُن کی ایذا رسانی کا خیال نہ کیجئے اور اللہ پر بھروسا کیجئے۔ اور اللہ کافی ہے کارسازی کے لیے''۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ ہے کہ ہر وقت کا نبی اُس امت کے کردار کے لئے بطور گواہ قیامت میں پیش ہوگا اور ہمارے رسولؐ اس امت کے بھی گواہ ہیں جو اُن کے رویہ کو جو آپ کے ساتھ اور آپ کے بعد رہا اللہ کی بارگاہ میں پیش کریں گے[5] اور آپ تمام دوسرے انبیاء پر بھی گواہ ہیں کہ اُن کی کارگزاریوں کی تصدیق فرمائیں گے اور جیسا کہ دوسرے محل پر یہ لفظ آیا ہے اس کے معنی میں نمونہ عمل بننا بھی مضمر ہے، آخر میں جو ہے: دَعْ اَذٰىهُمْ جس کے معنی یہ ہوئے کہ ''اُن کی اذیت کو چھوڑیے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی طرف اعتناء کیجئے۔[6] جس کو ہم نے ترجمہ میں یوں ادا کیا ہے کہ ''اُن کی ایذا رسانی کا خیال نہ کیجئے''۔ پھر آخر کے جملے کی مناسبت سے اُس میں یہ پہلو بھی مضمر ہے کہ اُس سے اپنے لئے یا

---

[1] یعنی اللہ اُن پر سلام بھیجے گا (موضح القرآن)

[2] تحيّتهم منه تعالىٰ يوم يلقونه سلام بلسان الملائكة (جلالين)

[3] اى ما يحيى بعضهم بعضا يوم يلقون الله سلام (تبیان) آپس میں بھی یہی دعا اُن کی ہے اور ہوگی (موضح القرآن)

[4] عن البراء بن عازب انه قال يوم يلقون ملك الموت لا يقبض روح مومن الا سلم عليه (مجمع البيان)

[5] اى شاهد اعلىٰ امّتك فيما يفعلونه من طاعة الله او معصية لو ايمان به او كفر به ليشهد لهم يوم القيامة او عليهم فاجازيهم بحسبه (تبیان)

[6] از نظر اعتبار بگزار رنجانیدن ایشان را (شاہ ولی اللہ) لا تجازهم عليه (جلالين).

www.kitabmart.in

اپنے مقصد کے لئے کسی گزند کا اندیشہ نہ کیجئے۔اللہ پر بھروسا کیجئے اللہ کافی ہے کارسازی کے لیے۔[1]

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

”اے ایمان لانے والو! جب تم باایمان خواتین سے نکاح کرو، پھر اُنہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ ان کے ہاتھ لگاؤ تو اس طرح تمہاری طرف سے اُن پر کوئی عدہ نہیں ہے جس کے دنوں کو تم گنو تو اُنہیں کچھ دے دلا دو اور اُنہیں مناسب طور پر رخصت کرو“۔

طلاق کے بعد عدّہ نہ ہونے کی صورت

جب طلاق قبل دخول ہو تو وہ عورت بائنہ ہوتی ہے۔اس صورت میں نہ اُس پر عدہ کی پابندی ہے، نہ شوہر کو حق رجوع حاصل ہے لہٰذا اب رخصت کردینے کے سوا کوئی صورت نہیں ہے۔یہ کہ ”کچھ دے دو“ اُس صورت میں ہے جب کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو لیکن اگر مہر مقرر ہو گیا ہو تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا جس کا ذکر قرآن میں دوسری جگہ موجود ہے (وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ)۔ (بقرہ۔۲۳۷)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾

”اے پیغمبر! ہم نے آپ کے لئے حلال کی ہیں آپ کی وہ بیویاں جن کے مہر آپ نے ادا کر دیے ہیں اور جو آپ کی ملکیت میں ہیں اُس میں سے جو اللہ نے کفار سے حاصل شدہ اموال میں آپ کا خاص حق قرار دیا ہے اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھی کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں

[1] اعرض عن اذاهم فانّي سا كفيك امرهم (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے اور کوئی بھی باایمان عورت اگر وہ اپنا نفس پیغمبر کو ہبہ کر دے اگر پیغمبر چاہیں کہ اُسے تعلقات ازدواجی قائم کریں، یہ بات تمام دوسرے مسلمانوں سے الگ آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہم جانتے ہیں جو ہم نے اُن پر احکام مقرر کیے ہیں اُن کی بیویوں اور مملوکہ کنیزوں کے بارے میں تاکہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو اور اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان"۔

ازدواج بصورت ہبہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امتیازی خصوصیت

اس میں تمام احکام عمومی قانون کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں مخاطب اگرچہ رسولؐ ہیں مگر وہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے ہے، بس ایک چیز ہے جسے کہہ دیا ہے کہ وہ صرف رسولؐ کے لئے ہے اور لوگوں کے لئے نہیں اور اُسے آپ کا ایک اعزاز سمجھنا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ دوسروں کے لئے نکاح میں جو ایجاب وقبول کے صیغے ہیں، اُن میں ہبہ کے لفظ کا استعمال درست نہیں ہے یعنی عورت یا اُس کا وکیل اگر **انکحت** یا **زوجت** کے بجائے **وھبت** کا لفظ کہے کہ میں اپنے کو تمہیں ہبہ کرتی ہوں یا وکیل ہبہ کا لفظ استعمال کرے تو یہ درست نہیں ہے، اس کے علاوہ کچھ نہ کچھ مہر ہونا ضروری ہے لیکن رسولؐ کے لئے جن کو دین ودنیا کے آقا اور مولا ہونے کی حیثیت من جانب اللہ حاصل ہے، اس کی بنا پر بنظر اعزاز عورت اگر یہ الفاظ کہے میں اپنے کو آپ کو ہبہ کرتی ہوں اور رسولؐ اُسے منظور فرمائیں تو یہ صحت ازدواج کے لئے کافی ہے۔ دوسروں کے یہاں استحقاق کے ہوتے ہوئے عورت معاف کر دے تو کوئی حرج نہیں مگر رسولؐ کے یہاں ازاول ہی بغیر مہر اپنے نفس کی پیش کش کر دے تو درست ہے۔[۱] یہ پیغمبرؐ کے مخصوصات میں سے ہے جس کی قرآن مجید میں صراحت ہے۔[۲]

اور جناب ابن عباسؓ نے صاف اُس کی وضاحت کی ہے۔[۳]

اب یہ امر کہ ایسی کوئی خاتون آپ کے ازواج میں تھیں یا حضرتؐ کو صرف حق اس کا خالق نے دیا تھا لیکن حضرتؐ نے اس حق کا استعمال کبھی نہیں فرمایا اور اگر کوئی خاتون اس طرح کی تھیں تو وہ کون تھیں؟ یہ تاریخی بحث ہے جس میں شدید اختلاف ہے۔ اس کا تفسیر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَ تُـــْٔوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابۡتَغَیۡتَ مِمَّنۡ عَزَلۡتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكَ ؕ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَنۡ تَقَرَّ اَعۡیُنُهُنَّ وَلَا یَحۡزَنَّ وَیَرۡضَیۡنَ بِمَاۤ اٰتَیۡتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَلِیۡمًا ﴿۵۱﴾

"آپ جسے چاہیں اُن میں سے چھوڑ دیں اور اپنے پاس رکھیں، اُسے اُن میں سے جس کو چاہیں اور جن کو الگ کر دیا ہے اُن میں سے پھر کسی کی آپ کو خواہش ہو تو آپ پر کوئی تنگی نہیں ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ صورت ہے اُس

---

[۱] النکاح بلفظ الھبة من غیر صداق (جلالین) یعنی بغیر مہر درنکاح آید (فتح الرحمن) بخش دیوے یعنی بغیر مہر کے (شاہ رفیع الدین)
[۲] فلا تحلّ الھبة الّا لرسول اللہ (علی بن ابراھیم)
[۳] روی عن ابن عباس انّہ لا تحلّ امرأة بغیر مہر وان وھبت نفسھا الّا للنبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم خاصة (تبیان)۔

www.kitabmart.in

کی کہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور وہ سب اُس پر جو آپ انہیں عطا کریں رضا مند رہیں اور اللہ جانتا ہے اُسے جو تم لوگوں کے دلوں میں ہے اور اللہ جاننے والا ہے، بڑا برداشت کرنے والا"۔

شانِ نزول جس کی الفاظ آیت سے تصدیق ہوتی ہے اور جسے علامہ طبرسیؒ نے بھی درج کیا ہے، یہ ہے کہ بعض ازواج حضرت پیغمبر خدا ﷺ اُس آذوقہ کو جو اُنہیں ملتا تھا ناکافی سمجھتی تھیں اور خرچے کے لئے مزید پیسے کی طلبگار تھیں اور ان میں سے بعض نے شاید اتنی شدت اختیار کی کہ حضرتؐ نے اُن کے یہاں جانا چھوڑ دیا اور ایک ماہ تک تعلقات ترک رکھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾

"اب اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ کہ آپ اُن کے بدلے میں دوسری بیویاں اختیار کریں، چاہے اُن کا حسن و جمال کتنا ہی آپ کو پسند ہو، سوا اُن کے جو آپ کی ملکیت میں ہوں اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے"۔

"اس کے بعد اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں" اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں اور اسی بنا پر دو قول ہیں ایک یہ کہ جو اقسام بیان ہو چکی ہیں، ان کے علاوہ دوسری عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں، نہ اس طرح کہ آپ مزید اضافہ کریں اور نہ اس طرح کہ انہی میں سے کسی سے علیحدگی اختیار کر کے دوسری کو حبالہ زوجیت میں لائیں۔ دوسری بس جو خواتین اس وقت آپ کی زوجیت میں ہیں انہی کو رہنا ہے نہ ان میں مزید اضافہ ہوسکتا ہے، نہ تبدیلی۔[1] ہمارے نزدیک پہلے مفہوم کا بھی لازمی نتیجہ یہ دوسرا امر ہے اس لئے الگ الگ دو قول بیکار ہیں۔ بہر حال ایسی آیتیں جن میں پیغمبر خداؐ پر سختی کے ساتھ کوئی پابندی عائد کی گئی ہے یا آپ کو کسی اقدام پر روکا ٹوکا گیا ہو، انہیں ٹھنڈے دل سے غیر مسلم بھی دیکھیں تو اُنہیں محسوس ہوگا کہ یہ معاذ اللہ خود رسولؐ کا کلام نہیں بلکہ اُس بالادست طاقت کی طرف سے ہے جو اُن پر حکمراں کی حیثیت رکھتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۗ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۗ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۗ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۗ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ

---

[1] ای من بعد النسآء اللواتی احللنا هنّ لك فی قوله: انّا احللنا لك وقیل معناه لایحلّ لك النّسآء من بعد نسائك اللاتی خیر تهن فاخترن الله ورسوله (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـــًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

''اے ایمان لانے والو! پیغمبر کے گھروں کے اندر نہ جاؤ جب تک کہ تمہیں بلایا نہ جائے کھانے کی طرف، نہ یہ کہ انتظار کرتے ہوئے کھانے کے پکنے کا مگر جب بلایا جائے تو اندر جاؤ، اس کے بعد جب کھا لو تو اِدھر اُدھر چلے جاؤ اور نہ باتوں میں لگے ہوئے رہو، یقیناًیہ بات پیغمبر کی اذیت کا باعث ہوتی ہے مگر وہ تم سے کہتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں اور اللہ کو حق کے کہنے سے شرم نہیں آتی اور جب ان خواتین سے کوئی چیز مانگو تو اُن سے پردے کے پیچھے سے مانگو یہ تمہارے دلوں اور اُن کے دلوں کے پاک رکھنے کا زیادہ باعث ہے اور تمہیں یہ جائز نہیں ہے کہ پیغمبر کو ایذا پہنچاؤ اور نہ یہ کہ اُن کی بیویوں سے اُن کے بعد بھی کبھی شادی کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر تم نے کسی چیز کو ظاہر کر دیا اُسے چھپاؤ بہر حال اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے''۔

ازدواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے پردے کی پابندی

ان آیات پر اور ایسی متعدد دوسری آیتوں پر جو دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں موجود ہیں نظر کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیسی قوم سے سابقہ پڑا تھا جس کے افراد معمولی معمولی تہذیب وتمدن کے تقاضوں سے بھی واقف اور اُن پر عامل نہ تھے۔ اب چاہے ایسے تمام افراد کو بھی ایک بڑا معزز لقب دے کر کلی طور سے ''عدول'' کی سند دے دی جائے اور انہیں رفعت کے بام بلند پر پہنچا دیا جائے مگر قرآن مجید تو اُن کی پستی کردار کے نمونوں سے بھرا ہوا ہے۔

پہلی آیت کے ٹکڑے کے بعد یہ آیت کہ ''تم چاہے اپنے دل کی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ اس سے خوب واقف ہے'' بتلا رہی ہے کہ کچھ صحابہ نیت رکھتے تھے اور شاید آپس میں بصیغہ راز یہ خیال ظاہر کرتے تھے کہ بعض ازواج رسول کو رسولؐ کی آنکھ بند ہونے پر اپنے حبالہ عقد میں لائیں گے، اسی پر خالق نے اتنے سخت الفاظ میں تنبیہ کی ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَاۗءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَاۗىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

''اُن (خواتین) پر کوئی پابندی نہیں ہے اُن کے باپ داداؤں کے بارے میں اور نہ اُن کے بیٹوں پوتوں کے بارے میں اور نہ اُن کے بھائیوں اور نہ اُن بھتیجوں اور نہ اُن کے بھانجوں اور نہ اپنی (قوم کی) عورتوں اور نہ اپنی مملوکہ کنیزوں کے بارے میں اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ ہر چیز پر حاضر وناظر ہے''۔

www.kitabmart.in

وہ محرم افراد جن سے عورتوں کے لئے پردہ نہیں

ان کے بارے میں ''کوئی پابندی نہیں'' یعنی ان سے پردے کا حکم نہیں ہے لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ اس فہرست میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں ہے حالانکہ مسلماً وہ محرم افراد میں داخل ہیں۔ تو یا یہ کہا جائے کہ چونکہ بھتیجوں اور بھانجوں کا ذکر ہے اور درجہ قرابت میں اوپر کی طرف چچا اور ماموں اُن کے بالکل برابر ہیں، اس لئے قرآن سے بضمیمۂ عقل یہ صنفیں بھی سمجھ میں آجاتی ہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔[1] مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا اس لئے کہ اگر دلیل شرعی ان کے محرم ہونے پر نہ ہوتو بھتیجے اور بھانجے کے حکم میں انہیں ملحق کرنا قیاس ہوگا جو ہمارے یہاں باطل ہے اور یا یہ کہا جائے کہ ان صنفوں کا پردے سے مشتنیٰ ہونا قرآن سے نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ ماخذ احکام صرف قرآن مجید نہیں ہے۔ بہت سے احکام شرعیہ سنت سے ثابت ہیں۔ اس کے بعد مَامَلَکَتْ اَیْمَانُهُنَّ یعنی مملوک، اسے غلام و کنیز دونوں کو شامل کیا جائے تو یہ ثابت ہوگا کہ اپنے غلاموں سے بھی پردہ واجب نہیں ہے۔ مفسرین اہل سنت کے یہاں یہ تعمیم ہے ہی۔[2]

مگر تعجب ہے کہ اُن کے تتبع میں ہمارے علامہ طبرسیؒ نے بھی یہ تعمیم کردی۔[3] لیکن چونکہ اس کے قبل عورتوں کا ذکر ہے کہ ''اپنی ہم قوم خواتین'' جس کے معنی یہ ہیں کہ غیر اقوام کی خواتین سے بھی پردہ کرنا چاہئے اور اس کے بعد بلافاصلہ وَلَامَامَلَکَتْ اَیْمَانُهُنَّ ہے تو بعید نہیں کہ مملوکہ سے مراد کنیزیں ہوں یعنی عورتوں کی جنس میں ان سے پردہ نہیں ہے۔ اگرچہ غیر مسلم ہوں چنانچہ اکابر علمائے شیعہ کے نزدیک ترجیح اسی قول کو ہے کہ اگر مملوکہ عورتوں کی صنف سے ہے تو پردہ نہیں ہے لیکن مرد یعنی غلام ہوتو پردہ اس سے لازم ہے۔[4]

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶

''یقیناً اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں پیغمبر پر، اے ایمان لانے والو! تم بھی اُن پر درود بھیجو اور سلام جو حق ہے سلام بھیجنے کا''۔

پیغمبر خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر درود کی تعلیم

صلوٰۃ جس کا ترجمہ ہم ''درود'' کرتے ہیں ایک ہی ہے مگر اللہ اور ملائکہ اور انسانوں کی طرف انتساب سے حقیقت اُس کی مختلف ہو جاتی ہے۔ اللہ اور ملائکہ کی طرف سے اُس کے معنی ہیں رحمتوں کا نازل کرنا جس میں بس یہ فرق ہے کہ اصل مرکز رحمت اللہ ہے اور فرشتے اُس کی رحمتوں کے پہنچانے والے ہیں جیسے توفّی کی نسبت قرآن مجید میں اللہ کی طرف بھی ہے اور فرشتوں کی طرف بھی مگر اصل فاعل اُس کا اللہ ہے اور

---

[1] لم یذکر العمّ والخال لانّہ مفهوم من الکلام لانّ قربا هم واحدۃ (تبیان)
[2] من الاماء والعبید ان یروهنّ ویعلّموهنّ من غیر حجاب (جلالین)
[3] من السید والاماء (مجمع البیان)۔
[4] قال قوم من النّساء والرّجال وقال آخرون من النّسآء خاصۃ وهو الاصح (تبیان)

www.kitabmart.in

واسطہ وقوع اُس کا فرشتے ہیں، اُسی طرح یہاں بھی ہوسکتا ہے مگر ہم؟ ہمارے اختیار میں بس دعائے رحمت ہے جس کا اظہار ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ اللّٰھم صل علیٰ محمدوال محمد یا اس کے ساتھ اور مزید الفاظ شامل کرکے جو شیعہ اور سنی دونوں فریقوں کے یہاں وارد ہیں۔ایک تصور یہ ہے کہ ملائکہ کی طرف بھی صلوٰۃ کا انتساب دعائے رحمت ہی کے لحاظ سے ہے۔[1] جو بعید نہیں ہے۔

آخری جز: وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کے معنی صلوٰۃ کی مناسبت سے ذہن میں سلام کے آتے ہیں جیسا کہ ہم نے بھی ترجمہ کیا ہے مگر ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کا مطلب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے سامنے سرتسلیم خم کرو اور صدق دل سے انہیں قبول کرکے اُس کے تقاضوں پر عمل کرو۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں یہ جملہ بلا شبہ اسی معنی میں آیا ہے:۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

وہ مومن قرار نہیں پائیں گے جب تک کہ اپنے درمیان کی تمام نزاعوں میں آپ کا فیصلہ کرنے والا قرار نہ دیں اور پھر جو آپ فیصلہ کریں اُس سے یہ اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور جو حق ہے سرتسلیم خم کرنے کا اُس طرح تسلیم کریں۔(نساء۔٦٥)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝٥٧ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝٥٨

”یقیناً وہ جو اللہ اور اس کے پیغمبر کو اذیت پہنچاتے ہیں، اُن پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور اُن کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار رکھا ہے اور وہ جو باایمان مردوں اور باایمان عورتوں کو اذیت دیتے ہیں بغیر کسی جرم وخطا کے جو انہوں نے کیا ہو، وہ بے شک ایک بڑے بہتان اور کھلے ہوئے گناہ کا بار اٹھاتے ہیں“۔

خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے پر لعنت

ایذاء اگر بدگوئی اور الزامات بے جا کی صورت سے ہو تو وہ داخل بہتان ہوگی اور عملی ایذا ہے تو بہر حال گناہ عظیم ہوگی۔ غور کیا جائے تو لعن بالکل صلوٰۃ کے مقابل کی ہی چیز ہے جس کی نسبت اللہ ملائکہ اور انسانوں کی طرف اُنہی حیثیتوں سے ہوگی جن کا بیان صلوٰۃ کے ذیل ہو چکا ہے۔ وہاں جیسے رحمت کا نزول کرنا ہے، یہاں رحمت سے دور کرنا ہے اور وہاں جیسے دعائے رحمت ہے، یہاں اُس کے مقابل کی بددعا ہے۔[2]

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٥٩

---

[1] صلوٰۃ الملائکۃ علیہ مسئالتھم اللہ تعالیٰ (تبیان)

[2] معنی لعنھم اللہ ای حلّ بھم وبال اللّعن بالابعاد من رحمۃ اللہ وقول القائل لعن اللہ فلانا معناہ الدّعاء علیہ بالابعاد من رحمۃ (تبیان)

www.kitabmart.in

''اے پیغمبر! کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہ اپنے سر پر سے گھونگھٹ لٹکا لیا کریں اپنی چادروں کا۔ یہ زیادہ مناسب ذریعہ ہے اس کا کہ اُن کی پہچان ہو جائے تو اُنہیں ایذا نہ دی جائے اور اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان''۔

خواتین کے چہرے کے پردے کا حکم

یہ حکم کہ سر پر سے گھونگھٹ نکال کر چادروں کو لٹکا لیا کریں، پردے میں چہرے کے چھپانے کا حکم ہے جس کے بعد پردے سے چہرے کو مستثنیٰ کرنا غلط معلوم ہوتا ہے چنانچہ علمائے تفسیر نے بھی عموماً اس کی تشریح میں چہرے کے چھپانے کا ذکر صراحتاً کیا ہے۔[1] ''یہ ان کے پہچانے کا ذریعہ ہے'' یعنی یہ اُن میں اور بازاری عورتوں میں امتیاز کا باعث ہے جس کی وجہ سے بدمعاش لوگ اُنہیں چھیڑنے کی ہمت نہ کریں۔ ''بخشنے والا ہے، بڑا مہربان'' یعنی اب تک جو ہوا وہ ہوا، اس کی سزا دی نہ جائے گی۔[2] مگر اب سے اس کی پابندی لازم ہے۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٠﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿٦١﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٦٢﴾

''اگر باز نہ آئے منافق لوگ اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینے میں غلط افواہیں پھیلانے والے تو ہم آپ کو اُن کے خلاف حرکت میں لے آئیں گے، پھر وہ اس (مدینہ) میں آپ کے پاس نہ رہ سکیں گے مگر بہت کم۔ وہ مورد لعنت ہیں جہاں بھی وہ پائے جائیں پکڑے جائیں اور پوری طرح قتل کیے جائیں جیسا ہوا اُن کے بارے میں جو ان سے پہلے تھے اور اللہ کے طریقہ کار میں بھی تبدیلی نہ پاؤ گے''۔

منافقین کے ساتھ ''اور'' ''اور'' کہہ کے جن کا ذکر ہے، بظاہر یہ الگ الگ جماعتیں نہیں ہیں بلکہ منافقین ہی ہیں جن کا متعدد اوصاف کے لحاظ سے تعارف کرایا گیا ہے کہ اُن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ بہت بڑی بیماری یہی نفاق ہے اور اب اس بیماری کے نتیجہ میں اُن کا یہ کردار ہے کہ وہ مدینہ میں غلط افواہیں پھیلاتے ہیں، انہی کو کہا جا رہا ہے کہ یہ اب بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اُن کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو کھلے ہوئے کفار و مشرکین کے ساتھ ہو چکا ہے[3] اور اُسی کو اللہ کا وہ طریقہ کار کہا گیا ہے جو تبدیل نہیں ہوتا۔[4]

---

[1] قال الحسن الجلابیب اللاحف ستدلیها المرأة علیٰ وجها (تبیان) الجلباب خمار المرأة الّذی یغطی راسها ووجها اذا خرجت لحاجة (مجمع البیان) ای یوضین علی الوجوه اذا خرجن (جلالین) بدوگزارند بدخود چادر ہائے خود (شاہ ولی اللہ)

[2] غفورا لما سلف منهنّ من ترك التستر رحیما بهنّ اذ سترهنّ (جلالین)

[3] هم المنافقون الّذین کانوا یرجفون فی المدینه بالاخبار الکاذبة المضعفة لقلوب المسلمین (مجمع البیان)۔

[4] الطریقة الّتی اجرها بامر الله تعالیٰ فاضیف الیه لانّه فعلها بامر الله (تبیان)

www.kitabmart.in

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾

''آپ سے لوگ قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہیئے کہ اس کا علم بس اللہ کے پاس ہے اور آپ کو کیا خبر؟ ممکن ہے قیامت نزدیک ہی ہو''۔

قیامت کا علم اللہ سے مخصوص

اس سے اور نیز بعض دوسرے آیات سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن کا علم تعین کے ساتھ اللہ نے اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا ہے اور اس سے ایک وسیع بحث میں نقطہ حقیقت کا پتہ چلتا ہے اور وہ انبیاؑ و مرسلین کے لئے علم غیب کی بحث ہے۔ نقطہ حقیقت یہ ہے کہ بعطائے الٰہی علم غیب انبیاؑ و ائمہؑ کے یقیناً حاصل ہوتا ہے جس کا شاہد ایک تو خود لفظ نبی ہے جس کے معنی ہی خبر دینے والے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ انبیاء کے ذمے جو خبر دینا تھا، وہ مشاہدات کی خبر نہ تھی۔ یہ غیب ہی کی خبریں ہوتی تھیں جو انبیاء کی زبانی خلق تک پہنچتی تھیں اور اسی بناء پر ہمارے رسولؐ کے القاب میں بشیر و نذیر ہے جس کے دونوں جز صراحتاً قرآن مجید میں موجود ہیں۔ یہ بشارت اور انذار دونوں اخبار بالغیب کے دو شعبے ہیں اور یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے کہ انبیاء دوسروں کو کیوں کر خبر دے سکتے تھے اگر اللہ کی طرف سے اُنہیں ان باتوں کا علم عطا نہ ہوتا لہٰذا سبب کلّی کے طور پر انبیاء سے علم غیب کی نفی تو انکار نبوت کی مرادف ہے لیکن یہ اطلاع ان کو بعطائے الٰہی ہوتی تھی، لہٰذا اللہ کی مصلحت جس غیب کو پردے میں رکھنے کی ہو، اُس پر انہیں دسترس نہیں ہوسکتا۔ اس کے بھی بہت سے شواہد قرآن وحدیث میں موجود ہیں، جس کے بعد بعض افراد کا یہ جملہ تو بالکل بے معنی قرار پاتا ہے کہ حضرات معصومینؑ کو تمام باتوں کا ''علم حضوری'' ہوتا ہے یہ افراد درحقیقت علم حضوری کے معنی سے واقف نہیں ہیں۔

ان امور میں جو خدا نے کلیۃً پردۂ غیب میں رکھے ہیں، قیامت کے دن کا تعین کے ساتھ علم ہے جو اس آیت سے صراحتاً ثابت ہے اور جب حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن کے علم کی وسعت یقیناً بلا استثناء تمام حلقہ معصومینؑ میں سب سے زیادہ تھی، یہ علم اُس نے عطا نہیں فرمایا تو اور کون ہوسکتا ہے جسے یہ علم حاصل ہو۔ اسی لئے کہہ دیا گیا ہے: کذب الوقانون یعنی ''جھوٹے ہیں وقت مقرر کرنے والے'' اس طرح جو پیش گوئیاں قیامت کے متعلق وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہیں، وہ بلاشبہ جھوٹ ہی ہوا کرتی ہیں، اُن کی سچائی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾

''بلاشبہ اللہ نے مورد لعنت قرار دیا ہے کافروں کو اور اُن کے لئے ایک بھڑکتی آگ تیار رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ

www.kitabmart.in

ہمیشہ رہیں گے۔ نہیں پائیں گے کوئی دوست اور نہ مددگار، جس دن اُن کے چہرے آگ میں اُلٹ پلٹ کیے جائیں گے، وہ کہیں گے کاش ہم اللہ کی اطاعت کرتے اور پیغمبر کی اطاعت کرتے اور اُنہوں نے کہا پروردگارا ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تو انہوں نے ہم کو صحیح راستے سے بھٹکا دیا۔ اے ہمارے پروردگار! اُنہیں دہری سزا دے اور اُنہیں بڑی لعنت میں گرفتار فرما"۔

"اُن کے چہرے آگ میں اُلٹ پلٹ کیے جائیں گے" اس کا ایک مفہوم یہ نکالا گیا ہے کہ شدت تکلیف اور درد و الم سے چہروں کے رنگ میں بار بار تبدیلی ہو رہی ہو گی اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جیسے کباب کی سیخ آگ پر الٹی پلٹی جاتی ہے تا کہ حرارت آتش اپنا پورا اثر کرے، وہی کیفیت اُن کی سمجھنا چاہئے۔[1] آخری الفاظ سے ظاہر ہے کہ دنیا میں جن کے ساتھ بڑی عقیدتیں تھیں، آخرت کی منزل میں اُن کے پیرو اُن پر لعنت کر رہے ہوں گے۔ کاش دنیا ہی میں سوچ سمجھ کر اُن کے پیچھے چلے ہوتے اور اللہ نے جن کو شروع ہی سے اُن کے اوصاف و کردار کی وجہ سے موردِ لعنت قرار دیا تھا، اُن کو دنیا ہی میں مستحق لعنت سمجھ لیتے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾

"اے ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح نہ ہو تو جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تو اللہ نے انہیں بری ثابت کیا اُس سے جو انہوں نے کہا تھا اور وہ اللہ کے یہاں آبرو رکھنے والے تھے"۔

حضرت موسیٰؑ پر کیا اتّہام لگا تھا جس سے اللہ نے انہیں بری ثابت کیا؟ اس کے لئے ایک روایت اہل سنت کے صحاح میں بھی ہے اور شیعہ طریق روایت سے بھی وارد ہوئی ہے۔[2] یہ اور بات ہے کہ ہمارے دور کی عقل اُسے خلاف فطرت کہہ کے قبول نہ کرے اور سچ پوچھئے تو ہماری عقل کو بھی جلالتِ شانِ رسولؐ کے کچھ خلاف محسوس ہونے کی بنا پر اُس کے قبول کرنے میں تامّل ہے وہ یہ ہے کہ خود حضرت موسیٰؑ کا دستور تو یہ تھا جو اُن کے شایانِ شان یہ ہے کہ وہ نظر خلائق سے الگ جا کر غسل فرماتے تھے مگر چونکہ بنی اسرائیل عموماً ملاءِ عام میں برہنہ غسل کرنے کے عادی تھے تو انہوں نے جناب موسیٰؑ کے تنہائی میں غسل کرنے سے یہ ہوا اڑا دی کہ ان میں جسمانی نقص ہے، اس لئے وہ سب کے سامنے برہنہ نہیں ہوئے۔ اس کی صفائی کے لئے قادر مطلق نے یہ انتظام کیا کہ ایک دن نہاتے وقت حضرت موسیٰؑ نے اپنے کپڑے اتار کر جس پتھر پر رکھے تھے، وہ پتھر ان کے نہانے کی حالت میں وہاں سے ہٹ کر ایسی جگہ پہنچ گیا جو عام نگاہوں کے سامنے تھی۔

حضرت موسیٰؑ مجبوری اپنے کپڑے لینے کے لئے اُس پتھر کی طرف گئے تو بنی اسرائیل کو پتہ چل گیا کہ اُن کا تصور بے بنیاد تھا جس کے بعد اُن کی زبان بندی ہو گئی اور حضرت موسیٰؑ جس طرح تنہائی میں غسل فرمایا کرتے تھے، اُسی طرح پھر غسل فرمانے لگے۔ جناب شیخ الطائفہؒ کے

---

[1] معناه تقلّب وجوه هٰؤلاء ___ فتسودّو اتصفّروا تصير كالحة ___ وقيل معناه تنقلّ وجوههم من جهة الیٰ جهة فی النّار فيكون ابلغ فيما يصل اليها من العذاب (تبيان)

[2] حدثنی ابی عن النضر بن سوید عن صفوان عن ابی بصیر عن ابی عبداللہ علیہ السلام (علی بن ابراھیم)

www.kitabmart.in

کلام سے بھی اس کی قبولیت اور عدم قبولیت میں تامّل ظاہر ہوتا ہے۔[1]

انہوں نے اس کے علاوہ آیت کے پس منظر میں ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے جناب موسیٰؑ کو متہم کیا کہ ہارونؑ کو معاذ اللہ انہوں نے قتل کیا۔ خداوندعالم نے اُن کی طرف سے صفائی کا ثبوت دینے کے لئے حضرت ہارونؑ کو دوبارہ زندہ کیا اور انہوں نے بتایا کہ وہ بحکم خدا اپنی طبیعی موت کے ساتھ دنیا سے اٹھے۔ جناب موسیٰؑ پر اس کی ذمہ داری کوئی نہیں ہے۔

اس کے علاوہ بھی قول ہیں جنہیں علامہ طبرسیؒ نے نقل کیا ہے لہٰذا وثوق کے ساتھ اصل واقعہ کی تعیین نہیں ہوسکتی اور عملی طور پر ہماری لئے نتیجہ خیز یہ ہے کہ تم اُن کی طرح نہ ہونا جنھوں نے موسیٰؑ کو اذیت دی تھی اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی ہر ہر فرد کو یہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اس کا کوئی قول یا فعل اپنے پیغمبرؐ کی ایذاء کا باعث نہ ہو۔ یہ ہماری زندگی سے متعلق چیز ہے۔ موسیٰؑ کی قوم والوں نے موسیٰؑ کو خاص اذیت کیا دی تھی؟ یہ ہماری تاریخی معلومات میں اضافہ کا سبب ہوسکتا ہے۔ اُس کے پورے طور پر سمجھنے سے ہماری عملی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

''اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک بات کہا کرو، وہ تمہارے لئے تمہارے کاموں کو درست کرے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو معاف کرے گا اور جو اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرے، اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی''۔

عام حکم یہی ہے کہ ''ٹھیک بات کہا کرو'' اس سے خارج کچھ صورتیں بطور مستثنیات ہوسکتی ہیں جن میں نمایاں محل تقیہ کا ہے مگر ہماری قوم کے بعض افراد نے جو اندھادھند محل تقیہ کا قرار دے لیا ہے کہ کچھ لوگ خفا ہوجائیں گے جن سے ان کے کچھ منافع وابستہ ہیں، عوام ناراض ہوجائیں گے، کسی عزیز یا دوست کی دل شکنی ہوگی اگر صحیح بات کہہ دی جائے تو اس غلط استعمال نے مخالفین تقیہ کو تقیہ کے بدنام کرنے کا موقع دے دیا ہے۔ یہ اصول یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تقیہ دفع ضرر کے لئے ہوسکتا ہے جلب منفعت کے لئے نہیں، ضرر میں بھی موازنہ کرنے کی ضرورت ہے کہ کتمانِ حق کی مضرّت زیادہ ہے یا وہ ضرر جو اظہار کی صورت میں ہوگا۔ بغیر اس کا موازنہ کیے ہوئے آنکھ بند کر کے اس کا استعمال تقیہ نہیں بلکہ حکم تقیہ کا مذاق اڑانا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

---

[1] اجاز البلخی حدیث الصخرة ـــــ وقال قوم ذٰلك لایجوز لائن فیه اشتهاز النبی سوءته علیٰ رءوس الاشهاد (تبیان)

www.kitabmart.in

''ہم نے اس امانت کو پیش کیا آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے تو انہوں نے اس کا بار اٹھانے سے انکار کیا اور اُس سے خوف زدہ ہو گئے اور انسان نے اسے برداشت کرلیا، بلا شبہ وہ بڑا ظالم ہے، بڑا نادان تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے اور باایمان مردوں اور باایمان عورتوں پر نظر توجہ مبذول فرمائے اور اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان''۔

''امانت'' بظاہر تکالیف شرعیہ کی ذمہ داری ہے۔[1] جسے فطرت انسانی نے صلاحیتوں کے اعتبار سے قبول کیا اور ظالم و جاہل اس اکثریت کے اعتبار سے کہا گیا ہے جو باوجود صلاحیت کے مقام عمل میں اُس ذمّہ داری کو پورا نہیں کرتا[2] اور ایک تصور یہ ہے کہ **ظلوم و جھول** کا لفظ مقام مذمت میں نہیں بلکہ ہمدردانہ ہے کہ اس نے اس ذمہ داری کے بار کو برداشت کر کے کتنا اپنے کو زحمت میں ڈال دیا۔[3]

سوال و جواب کی نوعیت کے متعلق جناب شیخ الطائفہؒ نے شعرائے عرب کی نظیریں پیش کر کے اس کی وضاحت کی ہے کہ آسمان اور زمین وغیرہ جو بے جان ہیں، اُنہیں امانت کے پیش کرنے میں مخاطب کیوں کر بنایا جا سکتا ہے۔ اُن نظیروں سے ظاہر ہے کہ وہاں کوئی زبانی سوال و جواب نہیں ہوتا بلکہ یہ خطاب کسی حقیقت کے اظہار کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہاں بھی کسی وقوع میں آنے والی مقام خارج میں روئداد کا بیان نہیں ہے کہ ہم نے آسمان اور زمین کے سامنے کسی خاص وقت لفظی طور پر اس ذمہ داری کو پیش کیا، انہوں نے انکار کیا اور انسان نے اُسے قبول کرلیا، اسکے بعد **جملها** کے معنی میں جس کا ترجمہ عموماً ہوتا ہے، برداشت کیا یا اٹھالیا، ایک قول اُنہوں نے یہ درج فرمایا ہے کہ **حمل** امانت کے معنی اُس امانت میں خیانت کرنے کے ہوتے ہیں۔[4] جس میں ضمنی طور پر جنات کو بھی نصوص قرآنی کی بناء پر داخل کرنا پڑے گا باقی کائنات میں کافرو نافرمان کا وجود نہیں ہے کیوں کہ اُن سب کی اطاعت احکام تکوینیہ کے ماتحت فطری طور پر ہے۔ انسان ہی بس ایسا ہے کہ اسے اختیاری اطاعت کرنا تھی، اس لئے اس میں اکثریت اس دین فطرت سے منحرف ہے اور بس ایک اقلیت ہے جو اُس پر قائم و برقرار رہتی ہے۔ اس لئے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اکثریت جو منافقین و منافقات اور مشرکین و مشرکات کی ہے، مبتلائے عذاب ہوتی ہے وہ اقلیت جو مؤمنین و مومنات کی ہے نجات یافتہ ہوتی ہے۔

---

[1] یعنی استعداد تکلیف باوامر و نواھی (فتح الرحمن)

[2] یعنی بالفعل عدالت و علم ندارد و قابلیت آنہا را دارد (فتح الرحمن) الانبیآء و الاولیاء و المومنون عن عموم ھٰذہ الآیۃ خارجون (مجمع البیان)

[3] ظلموا ما لنفسہ بما حملہ (جلالین) یعنی اپنی جان پر ترس نہ کھایا (موضح القرآن)

[4] قیل معنی حملھا الانسان ای خانھا (تبیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ سَبَاٍ

مکّیہ ----۵۴----آیات

چونکہ ملک سبا کے باشندوں پر انعامات خداوندی اور اُن لوگوں کے کفران نعمت کا ذکر اس سورے میں ذرا تفصیل کے ساتھ ہے جو کسی دوسرے سورے میں نہیں ہے، اس لئے اس سورے کا یہ نام ہوا۔

سورۂ سبا کے خاص خاص مضامین:

۱۔حضرت داؤدؑ کے لئے لوہے کا نرم ہونا۔
۲۔تخت سلیمانؑ کی آمد ورفت کا پیمانہ اور جنات کی اُن کے لئے مختلف اشیاء کی صناعی۔
۳۔شکرگزاروں کی قلت۔
۴۔عصائے حضرت سلیمانؑ کا دیمک کی نذر ہونا اور اُس سے اُن کی وفات کا حال معلوم ہونا۔
۵۔یہ کہ ابلیس کی وسوسہ انگیزی انسان کے لئے بحدّ جبر نہیں اور اُس سے متاثر ہونے نہ ہونے کا یقین آخرت پر انحصار۔
۶۔قرآن مجید کا انتہائی روادارانہ اعلان ”یا ہم گمراہ یا تم“ ”یا ہم ہدایت یافتہ یا تم“۔
۷۔مزید رواداری کا مظاہرہ کہ ہمارے جرائم کے تم ذمہ دار نہیں اور جو تم کرو اُس کے ذمہ دار ہم نہیں۔
۸۔رسالت پیغمبرِ اسلام کی ہمہ گیری کے اعلان کے ساتھ ختم رسالت کا ثبوت۔
۹۔اموال اور اولاد کے ساتھ حسن عمل کی قدر و قیمت میں اضافہ۔
۱۰۔اجرِ رسالت کی طلب مگر فائدہ اُس کا افراد امّت ہی کے لئے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے“

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَلَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ
وَھُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ① یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡھَا وَمَا یَنۡزِلُ
مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡھَا ؕ وَھُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ ②

”سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اُسی کی تعریف

www.kitabmart.in

ہوگی آخرت میں اور وہی حکمت والا ہے، بڑا باخبر جانتا ہے اُسے کہ جو زمین کے اندر جاتا ہے اور جو اس سے باہر نکلتا ہے اور جو آسمان سے اُترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہ مہربان ہے، بڑا بخشنے والا''۔

''جو زمین کے اندر جاتا ہے'' جیسے آب باران اور ''جو اس سے باہر نکلتا ہے'' از قسم نباتات پھر ''جو آسمان سے اترتا ہے'' وہ بھی آب باران ہے اور ''جو اُس میں چڑھتا ہے'' وہ بندوں کے اعمال ہیں۔[1] بعض نے کہا ہے کہ آسمان پر چڑھنے والے جو ہیں، وہ فرشتے ہیں[2] اور کوئی حرج نہیں کہ اس کے عموم میں دونوں کو داخل سمجھا جائے جیسا کہ بعض کا رجحان ہے۔[3]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۳﴾ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾

''اور کافر لوگوں کا قول ہے کہ قیامت ہمیں کبھی درپیش نہیں ہوگی، کہئے کہ کیوں؟ وہ ضرور تمہارے سامنے آئے گی قسم میرے پروردگار کی جو غیب کا جاننے والا ہے اس کی نظر سے اوجھل نہیں ایک ذرہ بھر بھی آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی اُس سے چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی مگر یہ کہ وہ ایک روشن نوشتے میں محفوظ ہے تاکہ وہ بدلا دے انہیں جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کرتے رہے، یہ ہیں وہ جن کے لئے بخشش ہے اور باعزت روزی اور جو ہماری آیتوں کے مقابلہ کی کوشش کرتے ہیں، یہ وہ ہیں جن کے لئے سخت قسم کی دردناک سزا ہے''۔

قیامت کے ذکر کے ساتھ علم الٰہی کا بیان کہ وہ ایک ایک ذرہ سے واقف ہے، جیسے ہر دور والے بعض فلسفیوں کے اس اعتراض کا جواب ہے جو انداز بدل بدل کے پیش کیا گیا ہے اور اُس کی اُن کے خیال میں بڑی ''عقدۂ مالا ینحل'' ہونے والی تقریر وہ ہے جو ''شبہ آکل وماکول'' کے نام سے مشہور ہے اور اُسی کو اَن پڑھ جاہل قسم کے عرب محسوس شکل میں پیش کرتے تھے کہ کہیں سے بہت بوسیدہ ہڈیاں لاکر اُنہیں ریزہ ریزہ کردیتے تھے اور کہتے تھے جب ہم اس طرح سڑگل گئے اور ریزہ ریزہ ہوگئے تو بھلا کون وہ ہوسکتا ہے جو انہیں ازسرنو پہلی ہی ترتیب کے مطابق عالم ظہور میں لے آئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں میں یہ امتیاز کہ کون کس جسم کا جز تھا؟ ہمارے لئے ناممکن ہے کہ ہمارا علم محیط نہیں ہے مگر عالم الغیب کے لئے جو ہر ذرے سے واقف ہے ملے جلے ہوئے مختلف اجسام کے ذرات میں یہ مشخص کرنا کہ کون کس کا اصل جز ہے؟ عقلی طور پر بالکل دشوار نہیں ہے۔

---

[1] مایدخل فیہا ومایںزل من السّمآء یعنی المطر ومایخرج منہا قال النّبات ومایعرج فیہا یعنی اعمال العباد (علی بن ابراھیم)

[2] مایعرج فیہا من ملك (تبیان)

[3] مایعرج ای یصعد فیہا من الملائکۃ واعمال العباد (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑥

''اور جنہیں علم عطا ہوا ہے، وہ سمجھتے ہیں اُسے جو آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے کہ وہ حق ہے اور وہ رہنمائی کرتا ہے صاحب عزت تعریفوں کی مستحق ذات کے راستے کی طرف''۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑦ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ⑧

''اور کافر لوگ ''آپس میں'' کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہیں بتائیں ایسا آدمی جو تمہیں خبر دیتا ہے کہ اُس وقت جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے کہ تم ازسرنو پیدا ہو گے۔ کیا یہ اللہ پر جھوٹ تہمت لگاتا ہے یا اس میں دیوانہ پن ہے بلکہ وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے عذاب اور سخت گمراہی میں ہیں''۔

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑨

''تو کیا انہوں نے نہیں دیکھا اُسے جو اُن کے سامنے اور اُن کے پیچھے ہے آسمان اور زمین؟ اگر ہم چاہیں تو اُن کے ساتھ ایسا کریں کہ زمین ایک دم دھنس جائے یا اُن پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں، یقیناً اُس میں نشانی ہے، اُس بندے کے لئے جو اُس کی طرف لو لگانے والا ہو''۔

یعنی ہماری قدرت کی طرف نظر کریں تو اُن کو ہماری باتوں کے جھٹلانے کے انجام سے ڈرنا چاہئے۔[1] علامہ طبرسیؒ نے اس میں گذشتہ آیات کے ساتھ ربط پیدا کرنے کے لئے یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ اس پر نظر کرتے تو سمجھتے کہ ہم مردوں کے زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں، اس کا انکار نہ کرتے۔[2]

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ⑩ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ⑪

[1] افلا یحذرون ھٰذا ویرتدعون من التکذیب بآیات اللہ (تبیان)
[2] افلا یرتدع ھٰؤلاء من التکذیب بآیات اللہ والانکار لقدرتہ علی البعث (مجمع البیان)۔

www.kitabmart.in

''اور بلاشبہ عطا کی ہم نے داؤد علیہ السلام کو فضیلت، اے پہاڑو! تسبیح کرو ان کے ساتھ اور پرندوں اور نرم کیا ہم نے اُن کے لئے لوہا کہ بناؤ وسیع زرہیں اور کڑیوں کے جوڑنے میں تناسب کا خیال رکھو اور تم لوگ نیک کام کرتے رہو۔ میں تمہارے اعمال کا دیکھنے والا ہوں''۔

حضرت داؤدؑ کے لئے لوہے کا نرم ہونا

یہاں جناب داؤد علیہ السلام کے تین معجزوں کا ذکر ہے:۔

ایک یہ کہ اُن کی صدائے تسبیح کے ساتھ پہاڑوں سے بھی صدائے تسبیح بفرمان الٰہی جو حکم کن کی طرح ہوتا تھا بلند ہوتی تھی۔ یہ تسبیح نہ وہ تسبیح شانی ہے جو کائنات کی ہر چیز میں مخلوق الٰہی ہونے کے تقاضا سے موجود ہے، ورنہ خاص داؤد کے لئے اُس کو اللہ کے حکم خاص کا نتیجہ قرار دینے کے کوئی معنی نہ تھے۔ اور نہ یہ طبعی طور پر صدائے بازگشت کی قسم کی چیز ہے جو پہاڑوں کے اندر کوئی آواز بلند ہونے پر پیدا ہوتی تھی، ورنہ پھر بھی بطور خاص اللہ کے حکم تکوینی کے ذکر کا محل نہ تھا بلکہ یہ ویسی صدائے تسبیح ہے جیسی روایتوں میں ہے کہ ہمارے رسولؐ کے ہاتھ میں آ کر سنگریزے تسبیح کرتے تھے۔

دوسرے یہ کہ پرندے اُن کے قبضے میں تھے اور پہاڑوں پر اس کا عطف معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ ''الجبال'' کا لفظ بصورت نصب اس کے پہلے نہیں ہے۔[1] لہٰذا یہاں پر فعل کو مقدم ماننا پڑے گا جو ''سخرنا'' ہے جو فطری طور پر یہاں سمجھ میں آتا ہے۔[2] لیکن بعض لوگ اسے جبال پر بلحاظ محل عطف قرار دے کر یہ معنی قرار دیتے ہیں کہ پرند بھی اُن کے ساتھ تسبیح میں مصروف ہوتے تھے۔[3]

تیسرے یہ کہ اُن کے ہاتھ میں آ کے لوہا نرم ہو جاتا تھا۔[4] اور وہ بتعلیم ربانی اُس سے زرہیں بناتے تھے اور تعلیم کا اللہ کی طرف سے ہونا ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ قدر فی السرد ''زرہ کی کڑیوں میں تناسب کا خیال رکھنا۔[5]

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ⑫ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ

---

[1] ان الحمل علیٰ لفظ المنادیٰ اشکل (تبیان)

[2] مسخر ش ساختیم مرغان را (شاہ ولی اللہ)

[3] عطفا علیٰ محلّ الجبال ای ودعوناھا تسبیح معه (جلالین)

[4] فصار فی یدہ کالشّمع یعمل به ما شاء من غیر ان یدخل النّار (مجمع البیان)

[5] اندازہ نگھدار در بافتن حلقه ھا (شاہ ولی اللہ) اندازہ رکھا ایک دوسرے کے پرونے میں (رفیع الدین)

www.kitabmart.in

الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

''اور سلیمان کے قبضے میں ہم نے دیا ہوا کو جس کا صبح کا سفر ایک مہینے کی راہ کا تھا اور شام کا سفر اُس کا ایک مہینے کی راہ کا اور اُن کے لئے ہم نے تانبے کا چشمہ جاری کیا اور جنات میں سے کچھ ایسے تھے جو اُن کے پروردگار کے حکم سے اُن کے کارندے بنے ہوئے تھے اور جو اُن میں سے ہمارے حکم سے منحرف ہوا، ہم چکھائیں گے اُسے آگ کے عذاب کا مزہ۔ وہ اُن کے لئے بناتے تھے جو وہ چاہتے تھے محرابیں اور مجسمے اور پیالے حوضوں کے ایسے اور گڑی ہوئی دیگیں اے داؤد کے گھرانے والو! شکر ادا کرو اور میرے بندوں میں کم ہیں جو شکر گزار رہوں''۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

''تو جب ہم نے اُن پر موت کا حکم جاری کیا تو اُنہیں پتہ نہیں دیا اُن کے مرنے کا مگر دیمک نے جو کھا رہی تھی اُن کی لاٹھی کو تو جب وہ گرے تو جنات سمجھے کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت آمیز سزا میں اتنے عرصے تک نہ رہتے''۔

دیمک سے سلیمانؑ کی موت کا انکشاف

اس کی تفصیل مفسرین کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ وہ اپنے عصا پر تکیہ کر کے کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے جنات سے کہا کہ جب تک میں کھڑا رہوں تم اس کام میں مصروف رہنا۔ جنات اُس کام میں لگ گئے اور یہاں کھڑے ہی کھڑے اُن کی روح قبض ہوگئی اور وہ اسی طرح کھڑے رہے اور جنات سرگرمی سے مصروف عمل رہے، یہاں تک کہ اتنی مدت گزر گئی کہ اُس عصا میں دیمک لگی اور اُس دیمک نے اُس عصا کو کھا لیا جس سے وہ ٹیک لگائے ہوئے تھے، اور عصا ٹوٹا تو اُن کا جسم زمین پر گرا اور اب جنات کو احساس ہوا کہ یہ تو مدت ہوئی دنیا سے اُٹھ گئے اور ہم بے خبری سے بلا وجہ اس کام میں لگے رہے۔ الفاظ قرآنی اس تفصیل پر بلا تکلف منطبق ہیں۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

''قبیلہ سبا کے لئے اُن کے بودوباش والے مقام پر ایک قدرت کی نشانی تھی، دو ۲ باغ دائیں اور بائیں کہ کھاؤ

www.kitabmart.in

اپنے پروردگار کی طرف کے رزق سے اور اس کا شکر ادا کرو، پاک وصاف شہر ہے اور پروردگار ہے جو بخشنے والا ہے تو انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے اُن پر زوروشور کا سیلاب بھیجا اور اُن کے اُن دونوں باغوں کے بجائے دو باغ کردیئے، بدمزہ پھلوں اور جھاؤ کے کچھ درختوں اور بہت تھوڑی سی بیریوں والے۔ یہ ہم نے اُنہیں سزا دی اس کی کہ اُنہوں نے ناشکرا پن کیا اور کیا ہم سزا دیتے ہیں ناشکرے کے سوا کسی کو"۔

ملک سباء والوں کی ناشکری اور ان کا انجام

"کھاؤ پیوا پنے پروردگار کے رزق سے اور اس کا شکر ادا کرو" ایک تصور یہ ہے کہ یہ لفظی پیغام تھا جو انبیاء کی زبانی اُن تک برابر پہنچتا رہا۔ [1] اور دوسرا تصور ذہن میں یہ آتا ہے کہ یہ اُن نعم الٰہی کا بزبان حال پیغام تھا جس کے لئے چشم بینا کے ساتھ گوش شنوا کی ضرورت تھی۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيهَا
السَّيْرَ ۭ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِينَ ﴿١٨﴾ فَقَالُوا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا
وَظَلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِي ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾

"اور ہم نے قرار دیں اُن کے درمیان اور اُن بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت عطا کی مسلسل آبادیاں اور اُن میں آمدورفت کا سلسلہ قائم کیا، چلو پھر وان میں رات دن امن وعافیت سے تو اُنہوں نے کہا پروردگار! ہمارے سفروں میں فاصلے قرار دے اور اُنہوں نے اپنے او پر ظلم کیا تو اُنہیں ہم نے افسانہ بنادیا اور اُن کے پورے طور پر پرخچے اُڑا دیئے، یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر وشکر کرنے والے کے لئے"۔

یہ کفرانِ نعمت اور ظلم جس کے نتیجہ میں اتنی سخت سزا دی گئی، ویسا ہی تھا جیسے بنی اسرائیل نے من وسلوٰی کے بجائے پیاز لہسن وغیرہ کی فرمائش کی اور اُس پر اُن کو سخت سزا دی گئی۔ [2]

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوهُ اِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَمَا
كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي
شَكٍّ ۭ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٢١﴾

"اور سچا ثابت کردیا اُن کی نسبت شیطان نے اپنا خیال تو انہوں نے اُس کی پیروی کی سوا ایمان والوں کی ایک

---

[1] فی کلّ قریة نبیّ یدعوهم الی الله سبحانه یقولون لهم: کلوا من رزق ربّکم واشکروا له (مجمع البیان)

[2] کما قالت بنو اسرائیل: فادع لنا ربك یخرج لنا ممّا تنبت الارض الخ (تبیان)

www.kitabmart.in

جماعت کے اور اُسے اُن پر قابو نہیں ہوا مگر اس لئے کہ ہم جانیں کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے متعلق شک میں ہے اور تمہارا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے''۔

یعنی شیطان کی دسترس اللہ نے صرف اس لئے اُن پر ہونے دی کہ اُن کا امتحان ہو جائے اور مومن اور غیر مومن میں امتیاز سامنے آجائے، اُس کو یوں کہا ہے کہ ہم جانیں کون مومن ہے اور کون غیر مومن۔[1]

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

''کہئے کہ پکارو اُنہیں جن کو تم سمجھتے ہو اللہ کے علاوہ، وہ نہیں قدرت رکھتے ایک ذرے بھر پر بھی آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہیں ہے ان کے لئے اُن دونوں میں کچھ شرکت اور نہیں ہے اُن کا اُن میں سے کوئی مددگار''۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾

''اور اُس کے یہاں سفارش فائدہ نہیں دیتی مگر اُس کی جسے وہ اجازت دے، یہاں تک کہ جب اُن کے دلوں سے اضطراب دور کر دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ کیا کہا تھا تمہارے پروردگار نے؟ وہ کہیں گے کہ اُس نے حق کہا تھا اور وہ اونچا ہے، بہت بڑا''۔

جیسا کہ متعدد مقامات پر ہم نے متنبہ کیا ہے، جب نفی شفاعت کے ساتھ بہت سی جگہ قرآن میں استثناء موجود ہے ''مگر جسے وہ اجازت دے'' جسے وہ پسند کرے'' جس سے وہ راضی ہو اور اسی طرح کے الفاظ تو اس کے بعد مطلق شفاعت کا انکار کرنا قطعاً غلط ہے۔

یہاں جو استثناء ہے: اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک وہی جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے:۔ ''جسے وہ اجازت دے'' اس صورت میں اذن کا تعلق شفاعت کرنے والے کے ساتھ قرار پاتا ہے دوسرے یہ کہ ''جس کے لئے وہ اجازت دے'' یعنی بداعمالی کا درجہ ایسا نہ ہو کہ اُس کی شفاعت اللہ کو ناپسند ہو۔ اس صورت میں اذن کا تعلق اُس شخص سے ہوگا جس کی شفاعت کی جائے۔

فزع عن قلوبھم کے معنی اضطراب دور کرنے کے یوں ہیں کہ فَزَعَ (بغیر تشدید) کے معنی اضطراب کے ہیں، باب تفعیل میں لے جانے سے اُس میں دور کرنے کے معنی پیدا ہو گئے۔[2]

مطلب یہ ہے کہ جب اہوال قیامت کے ہنگامی اثر پر کچھ وقت گزرنے سے تھوڑا دل ٹھہرے گا تو یہ سوال و جواب ہوگا۔

---

[1] لنعلم علم ظھور (جلالین) فعبّر عن تمییزہ بین الفریقین بالعلم (تبیان)

[2] فزع عن قلوبھم کشف عن قلوبھم (علی بن ابراھیم) ای کشف الفزع عن قلوبھم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اب ''وہ کہیں گے'' کون؟ ایک تشریح یہ ہے کہ فرشتے کہیں گے۔[۱] اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپس میں یہ سوال و جواب ہو۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلِ اللّٰهُ لا وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

''کہئے کہ کون تمہیں روزی عطا کرتا ہے آسمانوں اور زمین سے؟ کہئے کہ اللہ اور بلاشبہ یا ہم اور یا تم، ہدایت پر ہیں یا کھلی ہوئی گمراہی میں''۔

انتہائی رواداارانہ اعلان

یہ حقیقت حال کے بارے میں شک کا اظہار نہیں ہے بلکہ ایک حکیمانہ انداز ہے مخاطب کے لئے حقیقت حال پر غور کرنے کی دعوت کا جو اُسے ناگوار بھی نہ ہو۔[۲] اور اس میں یہ ایک اصول مضمر ہے کہ اختلاف و تصادم رائے کی شکل میں حق دونوں سمتوں میں نہیں ہوسکتا۔ ایک ہی سمت میں ہوگا۔

شاہ عبدالقادرؒ نے لکھا ہے:

''یعنی دونوں فرقے تو سچ نہیں کہتے، ایک مقرر سچا ہے، ایک مقرر جھوٹا ہے تو لازم ہے کہ سوچو اور سچی بات پکڑو، اس میں اُن کا جواب ہے جو اس زمانہ میں بعض لوگ کہتے ہیں، دونوں فرقے ہمیشہ سے چلے آرہے ہیں، کیا ضرور ہے جھگڑنا'' (موضح القرآن)

خیر جہاں تک جھگڑنے کا تعلق ہے، اس سے تو قرآن مجید نے بھی روکا ہے لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ط اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ج وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (سورۂ شوریٰ۔۱۵) اور یہاں بھی بعد والی آیتوں کا مطلب یہی ہے مگر دونوں کا بیک وقت سچانہ ہونا اور اس لئے بحث ونظر کی ضرورت لازماً ثابت ہے۔

یہ بعض لوگ اب اس زمانے میں بہت بڑھ گئے ہیں جو کہنے لگے ہیں کہ مذاہب سب ایک ہی منزل تک پہنچانے والے راستے ہیں اور سب ہی ٹھیک ہیں مگر یہ خیال نہ عقلاً درست ہے اور نہ قرآن اُسے درست قرار دیتا ہے۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ط وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾

''کہئے کہ تم سے جواب دہی نہیں ہوگی اُس کی جو ہم جرم کریں اور نہ ہم سے جواب دہی ہوگی اُس کی جو تم کرتے ہو، کہئے کہ ہم سب کو ہمارا پروردگار یکجا کریگا، پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور بڑا فیصلہ کرنے والا

---

[۱] قالت الملائكة (تبیان)

[۲] انّما قال ___ علی وجه الانصاف فی الحجاج دون الشّك (تبیان) وقیل انّما قال علی وجه الاستعطاف والمداراة لیسمع الكلام وهٰذا من احسن ما ینسب به المحقّ نفسه الی الهدیٰ وخصمه فی الضّلال لانه كلام من لایكاشف خصمه بالتضلیل بل ینسبه الیه علی احسن وجه ویحثّه علی النّظر ولایجب النّظر الّا بعد التردّد (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

ہے، جاننے والا''۔

مزید رواداری

یہ رواداری کا انداز بھی قابل ملاحظہ ہے کہ خود اپنی طرف بطور مفروضہ بے محابا جرم کا انتساب کر دیا جاتا ہے اور فریق مخالف کے بارے میں کہنا یہی ہے کہ جو تم جرم کرو، اُس کی جواب دہی ہم سے نہ ہوگی مگر اس لئے کہ اُسے ناگوار نہ ہو اُس کی طرف جرم کی نسبت نہیں دی جاتی بلکہ ''عمل'' کا لفظ کہا جاتا ہے کہ جو تم کر رہے ہو، اُس کی جواب دہی ہم سے نہ ہوگی۔

''سب کو یکجا کرے گا'' موقف حساب میں اور پھر فیصلہ کے بعد تفریق ہو جائے گی (فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ)

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

''کہئے کہ مجھے دکھاؤ وہ جنہیں تم نے اس کے ساتھ شریک بنا کر ملایا ہے۔ حاشا کلاّ، وہی اللہ ہے جو عزت والا ہے، حکمت والا''۔

''دکھاؤ'' کا یہ مطلب بھی بالکل درست ہے کہ اُن کی قدرت و طاقت کے کچھ آثار ہماری نظروں کے سامنے لاؤ اور یہ اعلان نفی کا پر زور انداز ہے یعنی اگر کہیں اُس کے شریک معبودوں کا وجود ہے تو ہمیں بھی دکھاؤ کہ اُن کے کیا کارنامے ہیں؟ پھر چونکہ وہ معبود از قبیل اجسام قرار دے رہے تھے تو خود اُن کے دکھانے کا مطالبہ بھی درست ہے۔ پھر بھی ان کی صورتوں کا دکھانا مراد تھوڑی ہو سکتا ہے یہ کونسا مشکل ہے وہ اُنگلی سے اشارہ سے دکھا دیتے کہ یہ ہیں۔ اس صورت میں بھی یہ جزء اس کے ساتھ لازمی ہے کہ اُن میں صفات الوہیت دکھاؤ کیا ہیں؟ رہ گیا خدائے حقیقی تو واقعہ یہ ہے کہ اُس کے وجود کے وہ بھی قائل تھے اور اُس کے غیب الغیوب ہونے سے بھی واقف تھے کہ وہ دیکھنے کی چیز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اُس کے جواب میں وہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ جس خدا کو تم کہتے ہو، اگر وہ ہے تو ہمیں دکھاؤ اور آج کوئی منکر خدا بھی ہم سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ اگر وہ ہے تو ہمیں آنکھوں سے دکھاؤ، اس لئے کہ ہم جسے ''خدا'' کہتے ہیں، اس کے تصور کا جزء لازمی یہ ہے کہ وہ دکھائی نہیں دے سکتا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

''اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا ہے مگر تمام نوع انسانی کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر لیکن زیادہ تر لوگ جانتے نہیں''۔

رسالت خاتم الانبیاء کی ہمہ گیری

یہ آیت ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے عام ہونے کی دلیل ہے کہ وہ صرف کسی ملک مثلاً حجاز اور کسی قوم مثلاً عرب کے لئے نہ تھی بلکہ تمام نوع انسانی کے لئے تھی۔ اس کے ساتھ جب اس میں سے قید زمان و مکان نکال دی جائے تو اسی سے ختم نبوت کا ثبوت بھی ہو جائے گا اور حقیقت یہ ہے کہ كَآفَّةً کے معنی میں غیر کی ضرورت نہ ہونے کا پہلو مضمر ہے کیوں کہ کف کے معنی روکنے اور باز رکھنے کے ہیں چنانچہ قدر

www.kitabmart.in

کفاف کے معنی ہیں "ضرورت بھرا" اور نحو میں ماء کافّة وہ ہوتی ہے جو عمل سے روک دیتی ہے۔

کافة للناس کے معنی درحقیقت یہی ہیں کہ آپ کی ذات سے نبوت و رسالت کے مقصد کی تکمیل ہوگئی۔ اب نہ اُسی دور میں کسی اور نقطہ ارض پر کوئی اور نبی یا رسول ہے اور نہ آئندہ کسی دور زمانہ میں کوئی نبی یا رسول آنے والا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٠﴾

"اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ وعید آخر کب پورا ہوگا اگر تم لوگ سچے ہو، کہئے کہ تمہارے لئے وعدہ وعید ہے ایک ایسے دن کا جس سے نہ تم ایک گھڑی پیچھے جاسکتے ہو، نہ آگے بڑھ سکتے ہو"۔

اگر یہ آیت مقام تنزیل میں اسی جگہ کی ہے تو چونکہ بشارت کے نتیجہ میں وعدہ ثواب اور انذاز میں وعید عذاب مضمر ہے جسے کہا گیا ہے کہ زیادہ تر لوگ جانتے نہیں یعنی اُس آخرت کے دن کا تصور نہیں رکھتے۔[1] تو وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ وعید جو تمہارا ہے آخر کس دن وقوع میں آئے گا؟ اس کے جواب میں جو کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ وقت تو راز الٰہی ہے مگر ہم بس اتنا جانتے ہیں کہ وہ ٹلنے کا نہیں ہے اور وہ علم الٰہی میں ایسا مقرر و معین ہے کہ ایک ساعت اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتا۔ عربی کے لحاظ سے میعاد مصدر میمی ہے جس کے معنی وعدے کے ہیں اور وہ دن قیامت کا ہے۔[2]

بعض جماعتوں نے میعاد کا لفظ کے اردو معنی لے کر آیت کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ قیامت تک ایک دن کی میعاد ہے اور پھر دن کے لئے کچھ اور آیات کے ضمیمے سے یہ کہا ہے کہ وہ ایک ہزار برس کا ہے، اس لئے دین اسلام اور امت محمدی کی عمر ایک ہزار برس ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسرا رہبر آئے گا اور یہ شریعت منسوخ ہوجائے گی، یہی نہیں بلکہ اُس رہبر کا آنا ہی قیامت کا قائم ہونا ہوگا اور اُسی کو قرآن میں لقاء اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بہائی لٹریچر میں اس پر بڑی عمارتیں کھڑی کی گئی ہیں جو قطعی بے بنیاد ہیں اس لئے کہ عربی میں میعاد کے وہ معنی ہیں ہی نہیں جو کہ اردو میں ہیں۔

میعاد کے معنی جیسا کہ پہلے آیا، وعدے کے ہیں اور اس طرح دن کا لفظ اس درمیانی دور کی پیمائش کے لئے نہیں ہے بلکہ وہ وعدہ جس دن کا ہے اُس کی تعیین کے لئے جسے سورۂ فاتحۃ الکتاب یعنی سورۂ حمد ہی میں یوم الدین کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے اور دوسرے مقامات پر یوم البعث، یوم التناد، یوم الحشر، یوم الجمع بلکہ یوم المیعاد سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور وہ یوم القیامۃ ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰى

---

[1] قیل لا یعلمون ما لهم فی الآخرة فی اتباعك من الثواب والنّعیم وما علیهم فی مخالفتك من العذاب الالیم (مجمع البیان)
[2] وهو یوم القیامة (جلالین)

www.kitabmart.in

اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ
الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ
الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ
جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا
بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ
وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

''اور کافروں نے کہا کہ ہم ہرگز اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اُس پر جو اس کے آگے ہے اور کاش تم دیکھتے اُس موقع کو جب ظالم کھڑے کیے جائیں گے اُن کے پروردگار کے سامنے اُن میں کا ایک دوسرے سے سوال و جواب کر رہا ہوگا، کہیں گے وہ لوگ جو دبے ہوئے تھے اُن سے کہ جو بڑے بنے ہوئے تھے۔ اگر تم لوگ نہ ہوتے تو ہم ایمان لے آئے ہوتے، بڑے لوگ کہیں گے ان دبے ہوئے آدمیوں سے کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت پانے سے روکا تھا جب کہ وہ تمہارے پاس آ گئی بلکہ تم خود جرم کے ذمہ دار تھے اور کہیں گے جو دبے ہوئے تھے اُن سے جو بڑے تھے کہ کچھ نہیں بلکہ یہ زمانہ کا نیرنگ ہے جو تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اُس کے لئے برابر دار قرار دیں اور دل میں چھپائے ہوں گے اور وہ سب پچھتاوے کو جب عذاب کو انہوں نے دیکھا ہوگا اور ہم نے زنجیریں ڈال دیں اُن کی گردنوں میں جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا۔ کیا انہیں سزا مل رہی ہے سوا اس کے جو وہ اعمال کرتے تھے''۔

یہ انسان کی عام کمزوری ہے کہ جب کچھ بن نہیں پڑتا تو وہ پوری ذمہ داری تقدیر و زمانے کی گردش پر ڈال دیتا ہے۔ یہاں بھی آخر میں یہی ہوا کہ ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہراتے ٹھہراتے آخر میں رخ مڑ گیا ہے ''زمانہ کے نیرنگ'' کی طرف مگر زمانہ کا نیرنگ آدمی کو افعال کی ذمہ داری سے بری تھوڑی کر دیتا ہے اور انسان کے ضمیر کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ خود اپنے فعل کا ذمہ دار ہے، اس لئے وہ لیڈر جو کہہ رہے تھے کہ ہم سے کیا مطلب؟ تم خود گمراہ ہوئے اور یہ پیرو جواب اس سب کو تقدیر کے حوالے کر رہے ہیں، اپنی جگہ سب ہی دل میں ندامت محسوس کر رہے ہیں کہ ہم یقیناً مجرم ہیں اور جو سزا مل رہی ہے، اُس کے حق دار ہیں یہ اُس وقت ہے جب اسروا کے معنی چھپانے کے ہوں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسروا کے معنی ہیں اظہار کرنا جس کی نظیریں بھی کلام عرب میں ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ سب ہی اب پچھتاوا ظاہر کر رہے ہیں خواہ ان باتوں کے ذریعہ سے

www.kitabmart.in

جواُن کی زبان پر ہیں جوخوداُن کے احساس جرم کی غماز ہیں اورخواہ ایک دوسرے سے مخاطب ہوکر لعنت وملامت کےطور پر۔[1]

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٣٥﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٨﴾

''اورہم نے نہیں بھیجا کسی بستی میں کوئی پیغمبر مگر یہ کہ وہاں کے دولت مندوں نے کہا کہ ہم اُس پیغام کوجس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو۔نہیں مانتے اورانہوں نے کہا کہ ہم مال اوراولاد میں بڑھے ہوئے ہیں اورہمیں کوئی سزانہیں مل رہی ہے۔کہئے کہ میراپروردگارجس کے لئے چاہے رزق میں وسعت دیتاہےاورجس کے لئے چاہتاہےتنگی کرتا ہےمگرزیادہ ترلوگ علم نہیں رکھتےاورتمہارے مال اوراولادتمہیں ہماری بارگاہ میں نزدیک کرنے والے نہیں ہیں مگر وہ جوایمان لائے اورنیک اعمال کرےتوان کے لئےبیش ازبیش جزأ ہےاُن کے اعمال کےعوض میں اوروہ بہشت کےاونچے درجوں میں اطمینان کےعالم میں ہوں گےاورجوہماری آیتوں کےمقابلہ کی کوشش کرتے ہیں تو یہ لوگ عذاب میں حاضرکیے جائیں گے''۔

اموال اوراولادکےساتھ حسن عمل کی قدروقیمت میں اضافہ

دولت مندلوگ اپنے مال اوردولت کوگویااپنی حقانیت اور بے جرمی کاثبوت قراردیتے ہیں یعنی اگرہم ایسے مجرم ہوتے توجیساکہ پیغمبر لوگ بتاتے ہیں توہمارے پاس یہ مال اوراولادکی فراوانی کیوں ہوتی؟ان آیات میں اس تصورکی ردکی جارہی ہےیعنی مشیت الٰہی سے کسی کودولت ملنایامحروم رہنااکثر بطورامتحان عمل ہوتاہےجسے جاہل لوگ اللہ کی رضااورناراضگی کاثبوت قراردیتے ہیں اوریہی وہ جہالت ہے جسے کہاجارہاہےکہ ''زیادہ ترلوگ علم نہیں رکھتے''۔[2] پھراسی کوزیادہ صاف الفاظ میں بیان کیاگیاہےکہ مال اوراولادکی کثرت سبب قرب الٰہی نہیں ہے۔اصل چیز انسان میں ایمان وعمل صالح ہے۔یہ ذخیرہ جس کے پاس زیادہ ہووہ تقرب الٰہی کےدرجہ پرفائزہے۔اب اس کےساتھ مال اوراولادبھی ہوتوکیا

---

[1] فیہ وجھان معناہ اظھرو النّدامۃ والاٰخران المعنی اخفوافمن قال بالاوّل قال معناہ اظھر المترفون النّدامۃ علی الاضلال واظھر الاتّباع النّدامۃ علی الضّلال وقیل معناہ اقبل بعضھم علی بعض یلومہ ویظھر ندمہ(مجمع البیان)

[2] ان الاموال والاولاد عطاء من اللہ سبحانہ یستحق بہ الشکر علیہ ولیس ذٰلك الاکرام والتفضیل(مجمع البیان)

www.kitabmart.in

کہنا اور یہ اُنہیں بھی عمل صالح کے ذخیرہ میں اضافہ کا باعث بنا لے تو وہ مال اور اولاد بھی بالواسطہ قرب الٰہی کا ذریعہ بن جائیں گے۔
اس عمل صالح کی بنا پر جو اُس نے اُن کے ذریعہ سے انجام دیا اور اس لئے اموال اور اولاد کے باعث تقرب ہونے کی نفی میں اس کا بطور استثناء اظہار کیا (اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا)
اب ان افراد کے لئے جو ایمان کے ساتھ عمل صالح کا جوہر رکھتے ہیں، ارشاد ہے کہ ان کی کارگزاری کے صلے میں جَزَآءُ الضِّعْفِ ہے جس کا ترجمہ ہم نے دونی جزا نہیں کیا باوجود یکہ ضِعْف کے ظاہری معنی دونے کے ہیں۔اس لئے دونی کہنے سے جزا کی زیادتی محدود ہو جاتی حالانکہ اعمال خیر کی جزا تو بنص قرآن کم از کم دس گنی ہوتی ہے اور مال کے ذریعہ سے جو نیک عمل ہوتا ہے یعنی راہ خدا میں انفاق، اس کے لئے بھی تو سات سو گنے کا اعلان کیا گیا اور اس کے بعد کہا گیا: (وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ) اللہ جسے چاہتا ہے اور زیادہ عطا کرتا ہے۔(۲۶۱)
ہمارا ترجمہ ''بیش از بیش'' ان تمام صورتوں کو سمیٹ لیتا ہے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

''کہئے کہ میرا پروردگار روزی میں وسعت دیتا ہے جس کے لئے اپنے بندوں میں سے چاہتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے اور جو تم لوگ خیرات کرو، وہ اس کی جگہ پر عطا کرے گا اور وہ بہترین روزی دینے والا ہے۔
یعنی راہ خدا میں خرچ کرتے وقت فقر و فاقہ کا اندیشہ نہیں کرنا چاہیے۔اللہ اس کی کمی کو پورا کرنے کا ذمّہ دار ہے۔[۱]
اس میں یہ تو سعہ بالکل درست ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ کمی دنیا ہی میں پوری ہو جائے بلکہ اخروی اجر و ثواب بھی اس مال دنیا کا بہترین جانشین ہے اس کے لئے جو آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔[۲] تو اللہ اس کی کمی کو پورا ضرور کر دے گا خواہ دنیا ہی میں اور خواہ آخرت میں۔[۳]

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾

''اور جس دن وہ اُن سب کو حشر میں لائے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ وہ

---

[۱] خدای عوض آن دھد (شاہ ولی اللہ) وہ بدلا دیتا ہے اس کا (رفیع الدین)
[۲] لیس المراد ان یخلف فی دار الدّنیا علی کلّ حال لانّ اللہ تعالٰی یفعل ذٰلك بحسب المصلحة وانّما ارادانّه یعوّض علیه امّا فی الدّنیا بأن یخلف بدله او یثیب علیه (تبیان)۔
[۳] اما فی الدّنیا بزیادۃ النعمة وامّا فی الآخرۃ بثواب الجنّة۔ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

کہیں گے پاک ہے تیری ذات ہمیں جوتعلق ہے، وہ تجھ ہی سے ہے نہ کہ ان سے بلکہ وہ جنات کی پرستش کرتے تھے ان میں کے زیادہ لوگ انہیں مانتے تھے تو آج کے دن تم میں کا ایک دوسرے کے لئے کسی نفع یا نقصان پر قدرت نہ رکھے گا اور ہم کہیں گے ظالموں سے کہ چکھو اُس آگ کا مزہ جسے تم جھٹلاتے رہے تھے‘‘۔

اس آیت سے بالکل یہ تفریق نمایاں ہے کہ ملائکہ اور ہیں اور جن دوسرے ہیں اور اسی لئے شیطان کو جو قرآن میں کہا گیا ہے کَانَ مِنَ الْجِنِّ ’’وہ جنات میں سے تھا‘‘ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ملائکہ میں سے نہیں تھا بلکہ بعض مفسرین نے زیر تحریر آیت میں جن سے مراد شیطان ہی لیا ہے کہ اس کی وسوسہ انگیزی سے انہوں نے غیر اللہ کو معبود بنالیا ہے۔[1]

اس طرح یہ آیت خود براہ راست شیطان کو فرشتوں سے خارج اور اُن کا مدمقابل بنا رہی ہے۔

اب چونکہ خالق نے سوال یہ کیا تھا کہ کیا یہ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ اس کے جواب میں اُن کا یہ کہنا کہ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ’’نہیں بلکہ وہ جنات کی عبادت کرتے تھے‘‘ اس سے بظاہر تو ذہن میں یہی معنی پیدا ہوتے ہیں کہ وہ ملائکہ کی عبادت کرتے ہی نہ تھے مگر کچھ مفسرین نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ وہ ملائکہ کی عبادت شیطان کی تحریک سے کرتے تھے اس لئے فرشتوں نے کہا ہے کہ وہ دراصل جنات کی عبادت کرتے تھے ہماری نہیں۔[2]

بعض نے کہا ہے کہ شیاطین نے جنات ہی کی شکل کی کچھ مورتیاں بنائی تھیں اور اُن سے کہا تھا کہ یہ فرشتوں کے مجسمے ہیں تو انہوں نے فرشتوں کے تصور میں جنات کی عبادت کی۔[3]

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾

’’اور جب اُن کے سامنے ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نہیں ہے مگر ایسا آدمی جو چاہتا ہے تمہیں منحرف کرے اُس سے جس کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے آئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہے مگر گڑھا ہوا جھوٹ اور کافر لوگ حق کو کہتے ہیں جب وہ اُن کے پاس آیا کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو‘‘۔

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾

---

[1] قیل المراد بالجنّ ابلیس وذرّیتہ واعوانہ (مجمع البیان)

[2] ای یطیعونہم فی عبادتہم ایّانا (جلالین) یعنی عبادت ملائکہ بجہت وسوسۂ شیاطین بود پس گویا عبادت شیطان کردند (فتح الرحمن)

[3] قیل انّہم صوّروا الھم صورۃ قوم من الجنّ وقالوا ھٰذہ صورۃ الملائکۃ فاعبدوھا (تبیان)

www.kitabmart.in

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝٤٥

''اورہم نے انہیں کچھ کتابیں نہیں دی ہیں جنہیں وہ پڑھتے ہوں اور آپ کے پہلے ہم نے اُن کی طرف کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں بھیجا اور اُن کے پہلے والوں نے جھٹلایا اور جو کچھ اُنہیں ہم نے دیا تھا، اُس کے دسویں حصے تک بھی یہ نہیں پہنچے ہیں تو انہوں نے میرے پیغمبروں کو جھٹلایا تو کیسی تھی میری طرف کی سزا''۔

''آپ کے پہلے'' یعنی ماضی قریب میں کافی طولانی مدت سے نہ یہ کہ اس قوم میں پہلے کبھی بھی کوئی رسول نہیں آیا جو اس اعلان قرآنی کے خلاف ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی رسول نہ آیا ہو اور پھر اگر کبھی کوئی رسول نہ آیا ہو تو یہیں دوسری آیت میں اُن کے سابق اسلاف کے تکذیب رسل کا حال کیوں بیان ہوتا؟

چوں کہ کفران نعمت سلب نعمت کا سبب ہوتا ہے تو اس قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا، اُنہیں ایذائیں دیں اور انہیں قتل کیا، اس لئے ایک عرصے تک کے لئے وہ ہدایت ربانی سے محروم کر دیئے گئے۔

اس امت نے بھی جب اپنے پیغمبر کے معصوم جانشینوں کے ساتھ وہی رویہ اختیار کیا تو پردۂ غیبت ڈال کر آخری رہنما کے فیض سے بہت حد تک اُنہیں محروم کر دیا گیا۔

ایک خیال یہ ہے کہ پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی کتابیں اُن کے پاس نہیں آئیں اور کوئی پیغمبر پہلے بھی نہیں آیا جسے انہوں نے مان لیا ہو اور ایسی ہی باتیں نہ کہی ہوں جو آپ کے لئے کہہ رہے ہیں۔[1] مگر قرآن مجید کے الفاظ سے یہ مطلب کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔

علامہ طبرسیؒ نے یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ ہم نے اُنہیں کوئی ایسی کتابیں نہیں دی ہیں جنہیں وہ آپ کے خلاف بطور سند پیش کر سکیں اور آپ کے پہلے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جس کی تعلیم کا تقاضا یہ ہو کہ وہ آپ کا انکار کریں۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝٤٦

''کہئے کہ میں تمہیں بس ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں، وہ یہ کہ تم اللہ کے لئے دو دو مل کر اور اکیلے اٹھو اور پھر غور کرو کہ اس تمہارے رفیق (رسول) میں کوئی دیوانگی نہیں ہے مگر تمہیں ہوشیار کرنے والا اس عذاب کے پہلے جو بہت سخت ہوگا''۔

کتنا ملائم اور کتنا روادارانہ انداز ہے؟ حاکمانہ فرمان نہیں بلکہ مشفقانہ نصیحت بس ایک بات کی اور وہ یہ ہے کہ برائے خدا ایک ایک یعنی بطور خود تنہائی میں فرصت کے لمحات میں خود سوچو اور اجتماعی طور پر باہم تبادلہ خیالات میں بھی اس پہلو پر غور کرو۔ اگر ذرا بھی کوئی عناد اور دھاندلی

---

[1] یجوز ان یکون المراد وما ارسلنا الیھم قبلك یا محمّد من نذیر الّا و فعلوا بہ و قالوا لہ مثل ما قالوا لك (تبیان)

www.kitabmart.in

سے کام نہ لے تو یہ انداز اُسے غور کرنے کی تحریک پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ دو، دو یا ایک یعنی اجتماعی طور پر یا انفرادی حیثیت سے **قوموا** اُس کا ترجمہ ہم نے "کھڑے ہو" نہیں کیا بلکہ "اٹھو" یعنی اس کا مطلب وہ کھڑا ہونا نہیں ہے جو بیٹھنے اور لیٹنے کے مقابل میں ہوتا ہے بلکہ اُس سے مقصود اس غور وخوض پر آمادہ ہونا اور ذہنی کاہلی سے کام لے کر اپنی موجودہ حالت یا دیرینہ کیش پر قانع ہو کر پڑے نہ رہنا ہے۔[1]

قُلۡ مَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ فَهُوَ لَكُمۡ ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿۴۷﴾

"کہئے کہ میں نے تم سے جو اجر طلب کیا ہے، وہ تو تمہارے ہی لئے ہے۔ میرا اصل معاوضہ تو نہیں ہے مگر اللہ پر اور وہ ہر چیز پر حاضر وناظر ہے"۔

اجر رسالت کا طلب ہونا مگر فائدہ افراد امت کا

چونکہ تمام انبیاء نے جیسا کہ قرآن سے ظاہر ہے ہمیشہ کہا کہ ہم تم سے کوئی اجر نہیں چاہتے اور اس میں کوئی استثنا نہیں کیا مگر ہمارے پیغمبرؐ کی زبانی بحکم الٰہی یہ اعلان ہوا کہ لَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى یعنی آپ نے ایک استثناء کر دیا کہ مودت ذوی القربیٰ کا بطور اجر میں طلب گار ہوں تو اس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ آپ کا عمل ویسا بے لوث اور خالص نہیں رہا جیسا دوسرے انبیاء تھے۔ اس شبہ کو اس آیت میں دور کیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ وہ اجر جو خلوصِ عبادت کے خلاف ہو سکتا ہے، وہ ہے جس کا نفع اُس عمل کرنے والے کی ذات کو پہنچے لیکن میں نے جو اجر مانگا ہے، وہ اپنی ذات کے لئے نہیں ہے بلکہ وہ اجر ایسا ہے جو خود تمہارے لئے فائدہ رسان ہے یعنی وہ ذوی القربیٰ وہ ہیں جن کی محبت تمہارے لئے ذریعہ نجات بنے گی جس کی تشریح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے ہو جاتی ہے کہ مثل اهل بيتى كمثل سفينة نوح من ركبها نجا و من تخلف عنها غرق و هوى اور دوسری حدیث کہ انى تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتى اهل بيتى ما ان تمسكتم بهما لن تضلّوا بعدى: اب اگر نجات کی اور ضلالت وگمراہی سے علیحدگی کی ہر مسلمان کو ضرورت ہے تو ان ذوالقربیٰ کی محبت بھی ہر مسلمان کی اپنی ضرورت ہے جس کی تکمیل اجر رسالت طلب کر کے کی گئی ہے۔ یہ بھی درحقیقت خود مسلمانوں کی ایک خدمت اور اُن کے ساتھ ایک بڑا لطف وکرم ہے۔ اس لئے بعد میں کہا گیا کہ میرا اجر اعمال کا جن میں خود یہ اجر رسالت کی طلب بھی ہے، اللہ کے ذمے ہے، وہ مجھے اسی سے ملے گا۔

قُلۡ اِنَّ رَبِّىۡ يَقۡذِفُ بِالۡحَـقِّ ۚ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿۴۸﴾ قُلۡ جَآءَ الۡحَـقُّ وَمَا يُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَمَا يُعِيۡدُ ﴿۴۹﴾ قُلۡ اِنۡ ضَلَلۡتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰى نَفۡسِىۡ ۚ وَاِنِ اهۡتَدَيۡتُ

---

[1] ليس معنى القيام هنا القيام على الارجل وانّما المراد به القعد للاصلاح والاقبال عليه (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

فَبِمَا يُوۡحِىۡۤ اِلَىَّ رَبِّىۡ ؕ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ قَرِيۡبٌ ۞٥٠

''کہئے کہ بلاشبہ میرا پروردگار حق کو اتارتا ہے، وہ بڑا غیبوں کا جاننے والا ہے، کہئے کہ حق آ گیا اور جو خود غلط ہے، وہ نہ پہلے پہل پیدا کر سکتا ہے اور نہ دوسری دفعہ پلٹا سکتا ہے، کہئے کہ اگر میں گمراہ ہوں تو میری گمراہی کی ذمہ داری خود مجھ پر ہے اور اگر میں ہدایت پاؤں تو وہ ثمرہ ہے اس کا جو میرا پروردگار میری طرف وحی بھیجتا ہے بلاشبہ وہ سننے والا ہے، بالکل نزدیک''۔

يَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ کا ترجمہ جو ہم نے کیا ہے ''حق کو اتارتا ہے'' یہ ایک طرح کی مجبوری کا نتیجہ ہے کہ کوئی مناسب لفظ جو قذف کے خصوصیات کا حامل ہو، اردو میں دستیاب نہیں ہوا۔ درحقیقت قذف کے معنی میں اُس طرح کا قوت کے ساتھ پھینکنا یا ڈالنا مضمر ہے جیسے گولا پھینکا جاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ اس کے ساتھ علی الباطل کا لفظ ہے کہ وہ حق کو باطل کی طرف پھینکتا ہے۔[1] اور قوت کے ساتھ ڈالنا جیسے گیند وغیرہ میں ہوا بھری جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

العلم نور یقذفه الله فی قلب من یشاء.

علم ایک نور ہے جس کے دل میں چاہتا ہے اللہ اُسے ڈالتا ہے۔ اب یہاں چونکہ اُس کے ساتھ علی الباطل وغیرہ کا لفظ نہیں ہے اس لئے اگر ترجمہ میں پھینکنا یا ڈالنا کہیں تو مفہوم کچھ ذہن میں نہیں آتا لہٰذا بس اُس کے ایک جز مفہوم کو لے کر ''اتارتا ہے'' ترجمہ کیا گیا اور اسی لئے بعض نے اس کے محل نزول کے لئے انبیاء کا نام لیا کہ وہ اُسے اپنے پیغمبر پر اتارتا ہے۔[2] مَا يُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَمَا يُعِيۡدُ کا ترجمہ جو ہم نے لکھا ہے کہ ''جو خود غلط ہے وہ نہ پہلی دفعہ پیدا کر سکتا ہے اور نہ دوسری دفعہ پلٹا سکتا ہے'' یہ اس پر مبنی ہے کہ باطل سے مراد وہ ہیں جو اللہ کے علاوہ معبود بنائے گئے ہیں اور بعض دوسرے مترجمین نے بھی ترجمہ اس کے مطابق کیا ہے۔[3] مگر بعض نے اس طرح تشریح کر دی ہے جو یبدأ اور یعید سے متعلق ہو سکتی ہے نہ کہ یبدی و یعید کے لفظوں سے جو کہ قرآن میں ہیں۔[4]

اس سے بہتر وہ ہے جو علامہ طبرسیؒ کا رجحان معلوم ہوتا ہے کہ باطل سے مراد کفر ہی وغیرہ ہے اور مَا يُبۡدِئُ وَمَا يُعِيۡدُ کا مطلب یہ ہے کہ اب اس میں کسی کارگزاری کی سکت باقی نہیں رہی۔ نہ وہ کسی چیز کو شروع کر سکتا ہے۔ نہ دوبارہ انجام دے سکتا ہے۔[5] مگر چونکہ دوسرے مقامات پر یبدئ و یعید خالق کا وصف قرار دیا گیا ہے جس سے اُس کی قدرت کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے اس کی نفی سے بھی ذہن میں یہی معنی آتے ہیں لہٰذا جیسے خدائے حقیقی کے لئے الحق کا لفظ عام طور پر استعمال ہوتا ہے چنانچہ ہمارے محاورے کا جز ہے ''حق سبحانہ'' جو قرآن کے مطابق ہے تو کیوں نہ باطل سے مراد اس کے مقابل والے غلط معبود ہوں، اس لئے میرے نزدیک اُسی مفہوم کو قوت ہے جس کے لحاظ سے ترجمہ ہوا ہے۔

---

[1] ای یلقیه علی الباطل کما قال تعالیٰ: بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه (تبیان).

[2] یلقیه علیٰ انبیائه عن قتادة و مقاتل (مجمع البیان)

[3] آفرینش نمی کند معبود باطل و نه دیگر بار آفریند (شاہ ولی اللہ) نہ پہلی بار پیدا کرتا ہے معبود باطل نہ دوبارہ کرتا ہے (رفیع الدین)

[4] ما یبدئ الباطل الکفر و ما یعید ای لم یبق له اثر (جلالین)

[5] ای ذهب الباطل ذهاباً لم یبق منه ابداء و الاعادة و الاقبال و الادبار (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اس کے بعد رسولؐ کو جس اعلان کا حکم دیا گیا ہے، وہ درحقیقت ایک عام اصول کا اعلان ہے کہ جو غلط کام کرے اُس کا ذمہ دار بالکل اپنے کو سمجھنا چاہئے اور جو صحیح کام کرے اس کا انجام دینے والا اپنے ارادہ سے تو یہی شخص ہے، اس لئے اُسے اس کا اجر ملتا ہے مگر اس میں توفیق وہدایت ربانی کا دخل ہوتا ہے، اب چونکہ یہ اعلان پیغمبرؐ خدا کی زبانی کرایا گیا ہے اور آپ کے لئے ہدایت ربانی کا خصوصی ذریعہ وحی کی صورت میں ہے اس لئے اس کا نام لیا گیا۔ دوسروں پر وحی تو نہیں ہوتی، پھر بھی توفیق الٰہی اسباب کی فراہمی میں آسانی نیز القائے ذہنی کی شکل میں ہوا کرتی ہے نیز پیغمبر خداؐ پر نازل شدہ وحی سے حضرتؐ کی زبانی جو ارشادات خلق خدا تک پہنچے، اُن سے بھی رہنمائی ہوتی ہے۔

علامہ طبرسیؒ نے اس کا ایک بہت عمدہ مفہوم بتایا ہے جو بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین پیغمبر خداؐ کو اپنے خیال ناقص کے مطابق گمراہ کہتے تھے تو اُن کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ اُن سے کہہ دیجئے کہ میں گمراہ ہوں تو یہ خود میرے لئے ہلاکت کا سبب ہے۔ تمہیں اُس سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر میں راہ ہدایت پر ہوں تو یہ اللہ کی وحی کا نتیجہ ہے جس سے مجھے بھی فائدہ پہنچے گا اور تمہیں بھی، اس صورت میں یہ اسی طرح کا روادارانہ تخاطب ہے جس کی نظیریں اور جگہ ہیں کہ اگر میں مجرم ہوں تو اُس کی ذمہ داری مجھ پر ہے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اور جو تم کر رہے ہو اس کی جواب دہی تم سے ہوگی، تم کو اس کی فکر کرنا چاہئے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝۵۱ وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ
وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝۵۲ۚۖ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ
بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝۵۳ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ
بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۝۵۴

"اور کاش تم دیکھو وہ موقع جب وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے مگر نکلنے کا موقع نہ ہوگا اور وہ قریبی جگہ سے پکڑ لئے جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لائے اور اب کہاں انہیں دسترس ہو سکتی ہے اس مقام پر سے جو دور ہے اور وہ پہلے تو اس کا انکار کرتے رہے اور اندھا دھند تیر مارتے رہے دور و دراز مسافت سے اور رکاوٹ ڈال دی گئی ان کے درمیان اور اُس کے درمیان جس کے یہ خواہش مند ہیں جیسا کہ کیا گیا اُن کے ایسوں کے ساتھ اس کے پہلے، وہ بھی سخت قسم کے شک وشبہ میں مبتلا رہے تھے"۔ "قریبی جگہ سے پکڑ لئے جائیں گے" یعنی اللہ کو اُنہیں گرفت میں لانے کے لئے کسی جستجو کی زحمت اٹھانا نہیں ہے۔ وہ ہر وقت اُس کے قبضے میں ہیں اور بعد میں جو ہے کہ "اب کہاں اُنہیں دسترس ہو سکتی ہے' اس مقام پر سے جو دور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان لانے کا محل تو دنیا میں تھا اور دینوی زندگی کا دور اب اُن سے دور ہو چکا ہے۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ فَاطِرٍ

مکّیہ ----۴۵----آیات

اس سورے کا دوسرا نام ''سورۃ الملائکۃ'' ہے جو تفسیر علی بن ابراہیم اور مجمع البیان وغیرہ میں درج ہے چونکہ بسم اللہ کے بعد پہلی آیت کی ابتداء میں ہے: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ تو اس فقرے کی بناپر ''سورۂ فاطر'' نام ہوا اور پھر دوسرا فقرہ ہے: جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا الخ اس کی بناء پر سورۃ الملائکۃ نام ہوا، حالانکہ فرشتوں کا تذکرہ ظاہر ہے کہ دوسرے سوروں میں بھی ہے مگر سورۂ ہود وغیرہ میں اس پر انتباہ ہو چکا ہے کہ نام کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ذکر صرف اسی سورہ میں ہو۔ ہاں فرشتوں کے بال و پر اور اُن کے پروں کی تعداد کہ وہ دو دو اور تین تین ہیں اور چار چار بھی اور بعض میں اس سے زیادہ یہ ذکر صرف اسی سورے میں ہے۔

سورۂ فاطر کے خاص خاص مضامین:

۱۔کلم طیب (اچھی بات چیت) کا خالق کی طرف بلند ہونا اور اعمال نیک کا اس میں بلندی پیدا کرنا۔

۲۔کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا یعنی ہر ایک پر اُس کے اعمال کی ذمہ داری ہے۔

۳۔اللہ سے ڈرنا صرف واقعی صاحبانِ علم کا کام ہے۔

۴۔منتخب افراد کا وارث کتاب ہونا۔

۵۔اگر اللہ جرائم کی سزا عام طور پر دنیا میں دینے لگے تو روئے زمین پر چلنے پھرنے والا کوئی نہ رہے مگر اس نے پاداش عمل کا اصل دن بعد کو رکھا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ مَّثۡنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ①

''سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا جن کے دو دو، تین تین اور چار چار شہپر ہیں، اللہ اپنی خلقت میں جو چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے''۔

www.kitabmart.in

فرشتوں کوقرآن میں رُسل کہا گیا ہے جورسول کی جمع ہے مگر یہ ”رسول“ اُن اصطلاحی معنوں میں نہیں ہے جو پیغمبروں کورسول کہنے میں ہیں۔اُس میں تعلیم وتربیت اور رہنمائی وغیرہ کے پہلو ہیں اور یہ رسول بس لغوی معنی میں ہیں جن کی قاصد کے طور پر پیغام رساں کی حیثیت ہے۔[1]

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾

”اللہ لوگوں کے لئے جو رحمت ارزانی فرمائے، اُسے روکنے والا کوئی نہیں اور جسے وہ روکے تو اُس کے بعد اُسے بھیجنے والا کوئی نہیں اور وہ غالب ہے، بڑی سوجھ بوجھ والا“۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳﴾

”اے انسانو! یادکرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے۔کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی عطا کرے؟اس کے سوا کوئی خدا نہیں تو تم کہاں حیران سرگردان پھرتے ہو“۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴﴾

”اور اگر وہ آپؐ کو جھٹلائیں تو جھٹلائے گئے بہت سے پیغمبر آپ سے پہلے اور اللہ ہی کی طرف رجوع ہونا ہے تمام معاملات کی“۔

یہ بھی اپنے پیغمبرؐ کی تسلی کا ایک انداز ہے کہ آپ کو ان لوگوں کے انکار سے اتنا صدمہ وملال نہیں ہونا چاہئے۔یہ تو ہوتی آئی ہے، کوئی نئی بات نہیں ہے۔[2]

”اور اللہ ہی کی طرف رجوع ہونا ہے تمام معاملات کی“ یعنی آپ کو جھٹلا کر وہ اللہ کی گرفت سے تو نکل نہیں سکتے، آخرت میں تو اُنہیں اس جھٹلانے کی سزا ملنا یقینی ہے اور وہ چاہے تو دنیا میں بھی اپنی نصرت ومدد اپنے پیغمبرؐ کے شامل حال فرمائے گا۔[3]

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ؕ ﴿۶﴾

”اے لوگو! یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے تو یہ زندگانی دنیا تمہیں فریب میں مبتلا نہ کرے اور اللہ کے بارے میں تمہیں

---

[1] رسلا بعضهم الى بعض وبعجهم الى البشر (تبيان)
[2] فلك اسوة بهم (تبيان)
[3] فيجازى من كذب رسله وينصر من كُذّب من رسله (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

دھوکا دینے والا دھوکا نہ دے، یہ حقیقت ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے تو اُسے دشمن سمجھو، وہ اپنی جماعت کو اس کی دعوت دیتا ہے کہ وہ دوزخ والے ہوجائیں"۔

"اللہ کا وعدہ" یعنی جو اُس نے جزا وسزا کے ایک دور کا اعلان کیا ہے، وہ بہرحال پورا ہوکر رہے گا۔[۱]

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۬ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

"جنھوں نے کفر اختیار کیا، اُن کے لئے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اُن کے لئے بخشش ہے اور بڑا اجروثواب"۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

"تو کیا وہ شخص جس کے لئے اُس کی بداعمالی دلآویز بنی ہوئی ہو تو وہ اُسے اچھا سمجھتا ہو؟ تو بےشک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے، ہدایت فرماتا ہے تو آپ کی جان نہ جائے اُن پر افسوس میں، یقیناً اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں"۔

"کیا وہ شخص"؟ اس کے بارے میں سوال کس بات کا ہے؟ اُسے ہر ایک آدمی اپنی عقل سے سمجھ لے اور جو وہ تجویز کرے اس کے بارے میں شاید وہ درست ہی ہوگا مثلاً یہ کہ کیا وہ خوش اعمال شخص کی طرح ہوسکتا ہے؟[۲] یا یہ کہ کیا وہ کسی ہمدردی کا مستحق ہے اور اُس کے انجام بد پر افسوس کرنا چاہئے؟[۳] علامہ طبرسیؒ نے پہلی نوعیت کے مفہوم کو اختیار کیا ہے۔[۴]

اب جو شخص اپنی بداعمالی کو اچھی بات سمجھ رہا ہے، اُس کی اس کج نگاہی کا نتیجہ یہ ہے اُس پر مصلح کی نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ تو یہی باعث ہے اس کا کہ اللہ اپنی توفیقات کو اُس سے سلب کرلے اور اُسے گمراہی میں چھوڑ دے جیسے کہا گیا ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے، عادل ہونے کی بناء پر اس کا یہ چھوڑ دینا بلاوجہ نہیں ہوسکتا اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے یعنی اپنی توفیقات شامل حال کرتا ہے۔ یہ بھی بلاوجہ نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک بات اُس طریق کے ذاتی حسنِ اختیار اور سوءِ اختیار کا نتیجہ ہوا کرتی ہے اور اسی بنا پر اس جماعت کی تباہی پر جو اپنے ہاتھوں ہے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بربنائے ہمدردی رنج وغم سے روکا گیا ہے۔

---

[۱] انّ وعداللہ من البعث والنشر والجنّۃ والنّار والجزاء والحساب صدق کائن لا محالۃ (مجمع البیان)
[۲] من مبتدا خبرہ کمن ھداہ اللہ (جلالین) آیا مثل مومن صالح باشد (شاہ ولی اللہ)
[۳] خبر من محذوف وتقدیرہ یتحسّر علیہ (تبیان)
[۴] ای ھو کمن علم الحسن والقبیح وعمل بما عمل ولم یزیّن لہ سوء عملہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۹

''اور اللہ وہ ہے جس نے ہوائیں روانہ کیں تو وہ ابر کو حرکت میں لاتی ہیں تو ہم اُسے لے جاتے ہیں ایک مردہ بستی کی طرف تو اُس سے زندہ کرتے ہیں زمین کو اُس کے مردہ ہونے کے بعد اسی طرح (حشر میں) مردوں کو اٹھایا جائے گا''۔

حشر ونشر کے جسمانی ہونے پر اور وہ بھی اس دورحیات کے بعد دوسری زندگی کی صورت میں قرآن مجید نے جابجا مثالیں پیش کر کے زیادہ سے زیادہ وضاحت کی ہے۔[۱] مگر کیا کیا جائے کہ اس کے بعد بھی قرآن کو کتاب الٰہی ماننے والے کچھ ایسے موجود ہیں جو اُسے صرف روحانی حیثیت یا اسی دار دنیا میں پیش آنے والے اچھے اور برے نتائج میں محدود سمجھتے ہیں جس طرح یہ تفریط باطل ہے، اُسی طرح الفاظ پر جمود کی یہ افراط کہ بعض لوگوں نے اسے تمثیل سمجھنے کے بجائے اس طرح حقیقت سمجھا کہ حشر سے پہلے مسلسل بارش ہوگی کہ اُسی بارش سے لوگ دوبارہ زندہ ہوجائیں گے یعنی زمین سے نباتات کی طرح اگیں گے۔[۲]

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝۱۰

''جوعزت چاہتا ہے تو عزت تو تمام بس اللہ کے لئے ہے، اُس کی طرف بلند ہوتے ہیں، اچھے اچھے کلمے اور اچھا عمل، وہ اُسے بلند کرتا ہے اور جو برائیوں کے منصوبے بناتے ہیں اُن کے لئے بہت سخت عذاب ہے اور اُن کے منصوبے ملیا میٹ ہوتے ہیں''۔

طیب کلمے اور عمل صالح

''اچھا عمل، وہ اُسے بلند کرتا ہے'' اس کی تشریح جو عام مفسرین نے کی ہے، اُس کے لحاظ سے بلند کرتا ہے'' کے ساتھ جو ضمیر پوشیدہ ہے جس کا ترجمہ ہوا ''وہ'' ------ یہ اللہ کی طرف راجع ہے، قبل والے ٹکڑے سے ملا کر مطلب یہ ہوا کہ اُسی کی طرف بلند ہوتے ہیں اچھے اچھے کلمے اور اچھے عمل کو (بھی) وہ (یعنی خدا) بلند کرتا ہے''۔

اس کے برخلاف ہماری قدیم تفسیر میں اخبار معصومینؑ سے استشہاد کے ساتھ جو تفسیر ہے، اُس کی نحوی ترکیب بہت سیدھی ہے۔ یعنی

---

[۱] ای کما فعل ھٰذا بھٰذہ الارض الجدیۃ من احیائھا ب منشو الخلائق بعد موتھم ویحشر ھم للجزآء من الثواب والعقاب (مجمع البیان)

[۲] قبل ان اللّٰہ تعالیٰ اذا اراد احیاء الخلق المطر السمآء اربعین یو ما غینبت بذٰلك الخلق نباتا (تبیان)

www.kitabmart.in

العمل الصالح مبتدا ہے اور یرفع کی ضمیر پوشیدہ اُسی کی طرف راجع ہے اور ہٗ جو ضمیر مفعول اُس سے ملی ہوئی ہے، یہ سابق کے الکلم الطیّب کی طرف راجع ہے اب معنی یہ ہوں گے کہ نیک عمل اس پاکیزہ کلمے کو بلندی عطا کرتا ہے، یوں کہنا چاہیے کہ پاکیزہ کلمے کو جو ایمان کا ترجمان ہے عمل صالح پر پرواز عطا کرتا ہے۔

علی بن ابراہیم کی اس قدیم تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں جو حدیث درج ہے، وہ حسب ذیل ہے:۔

عن ابی جعفرؑ قال قال رسول اللہ ﷺ انّ لکلّ عمل مصداقا من عمل یصدّقه و یکذّبه فاذا قال ابن آدم و صدق قوله بعمله رفع قوله بعمله الی الله و اذا قال و خالف قوله عمله ردّ قوله علیٰ عمله الخبیث وهو به فی النّار.

امام محمد باقرؑ کی روایت ہے کہ حضرت پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہر عمل کی سچائی ثابت ہونے کا ذریعہ ہوتا ہے کوئی عمل جو اُسے سچ ثابت کرے یا جھوٹ قرار دے تو جب آدمی کہے اور اپنے قول کو عمل سے سچ ثابت کرے تو اس کا قول اُس کے عمل کے سبب سے اللہ کی طرف جاتا ہے اور جب کہے اور اُس کا عمل اس کے فعل کے مخالف ہو تو اس کا قول اس کے ناپاک عمل کی طرف پلٹایا جاتا ہے اور وہ اسے دوزخ میں گرا دیتا ہے۔

مگر ہمارے اکابر مفسرین نے اپنے دستور کے مطابق تفسیر قمی سے استفادہ نہیں کیا۔ ہاں علامہ طبرسیؒ نے ایک تیسرے معنی لکھے ہیں جو بعید نہیں ہیں۔ اس میں العمل الصالح تو مبتدا ہوتا ہی ہے لیکن یرفع کی ضمیر پوشیدہ پہلے والے کلمہ طیب کی طرف راجع ہے اور جو مفعول ہے اور جو مفعول کی ضمیر "ہٗ" ہے، وہ عمل صالح کی طرف راجع ہے۔ اب معنی یہ ہوں گے کہ عمل صالح میں بلندی پیدا کرتا ہے وہ کلمہ طیب یعنی کلمۂ توحید جو اس حقیقت کے بالکل مطابق ہے کہ ایمان شرط قبول عمل صالح ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪

"اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے، پھر نطفے سے، پھر تمہیں مرد اور عورت کے جوڑے کی شکل میں بنایا اور کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی اور نہ اُس کے یہاں وضع حمل ہوتا ہے مگر اُس کے علم سے اور نہ کوئی عمر پانے والا عمر پاتا ہے اور نہ اُس کی عمر میں کمی ہوتی ہے مگر یہ کہ وہ ایک نوشتے میں موجود ہے، یقیناً یہ اللہ پر آسان ہے"۔

"مٹی سے پیدا کیا" یعنی پہلے فرد کو[1]۔ پھر "نطفے سے" یعنی اُن کی اولاد میں یہ طریق تخلیق جاری ہوا۔[2] مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖ کی تفسیر مفسرین نے یہ کی ہے کہ جسے طولانی عمر ملتی ہے وہ بھی ایک ایک نوشتے میں ہے اور جسے کم عمر ملتی ہے، وہ بھی ایک نوشتے

---

[1] بخلق ابیکم آدم منه (جلالین)

[2] بخلق ذرّیته منها (جلالین)

www.kitabmart.in

میں ہے حالاں کہ قبل کے جملے میں ''طول'' کے اظہار کے لئے قرآن میں کوئی لفظ نہیں ہے مگر بعد میں جو نقص یعنی کمی کا ذکر ہے، اس سے مناسبت کی بنا پر قبل میں طولانی کا اضافہ کر دیا گیا۔[1] ہماری قدیم تفسیر پھر ہماری رہنمائی ایک دوسرے پہلو کی طرف کرتی ہے اور وہ یہ کہ جسے پوری عمر ملتی ہے یعنی جتنی ازاول مقرر تھی، اُس میں کمی نہیں ہوتی، اُسے بھی وہ جانتا ہے اور جس کی عمر میں کسی سبب سے کمی ہو جاتی ہے، وہ بھی اُس کے یہاں درج ہے۔

یہ مفہوم مسئلہ بدا کے مطابق ہے کہ تقدیر کے بعض فیصلے بعض اسباب سے بدل جاتے ہیں جیسے صدقہ جو عمر میں زیادتی کا باعث ہے۔[2]

یہاں پر علامہ طبرسیؒ نے بھی بغیر حوالہ ایک ایسا قول درج کر دیا ہے جو نتیجتاً اس کے موافق ہے۔[3] اس صورت میں پہلے جو مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ ہے، اس کا مطلب اس کی مناسبت سے یہ سمجھنا چاہیے کہ پہلے ملی ہوئی عمر کے علاوہ جسے مزید عمر ملتی ہے، اُسے بھی وہ جانتا ہے اور جس کی عمر میں کمی ہوتی ہے، اُسے بھی۔ میں نے جو ترجمہ کیا ہے وہ ایسا ہے کہ اس مطلب پر بھی منطبق ہوتا ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

''اور نہیں یکساں ہیں دونوں دریا کہ یہ خوش گوار میٹھے پانی کا ہے خوش مزہ اور یہ کھاری بدمزہ ہے اور ہر ایک میں سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور برآمد کرتے ہو جسے پہنتے ہو اور اُس میں کشتیوں کو تم دیکھو گے پانی کو چیرتی ہوئی تاکہ تم اُس کے فضل وکرم سے کسب معاش کرو، اور شاید کہ تم شکر گزار رہو''۔

''دونوں دریا یکساں نہیں ہیں' اور پھر ''ہر ایک میں فائدے ہیں'' اسے شاہ عبدالقادر استعارہ قرار دیتے ہیں اس طرح کہ:-

''یعنی کفر اور اسلام برابر نہیں، خدا کفر کو مغلوب ہی کرے گا اگرچہ تم کو دونوں سے فائدہ ملے گا، مسلمانوں سے قوت دین اور کافروں سے جزیہ'' (موضح القرآن)

مگر سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں صرف اللہ کی نعمتوں اور اُس کی قدرت کی کارفرمائیوں کی طرف نظروں کو متوجہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی تمثیل وغیرہ اس میں مدنظر نہیں ہے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا

---

[1] ای ما یزاد فی عمر طویل العمر (جلالین) زندگانی دادہ نمی شود ہیچ درازعمری (شاہ ولی اللہ)
[2] هو ردّ علیٰ من ینکر البداء (علی بن ابراهیم)
[3] قیل هو ما یعلمه الله ان فلاناً ان اطاع لبقی الیٰ وقت کذا و اذا عصیٰ نقص عمره (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿١٤﴾

”وہ رات کودن کے اندر لے جاتا ہے اوردن کورات کے اندر لے جاتا ہے اوراُس نے قابو میں رکھا ہے سورج اور چاندکو ہرایک ایک مقررہ میعادتک چل رہا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا مددگار۔ اُس کی سلطنت ہے اورجنہیں وہ اُسے چھوڑ کر پکارتے ہیں، ذراسی چیز پر بھی قدرت نہیں رکھتے، اگراُنہیں پکاروتوتمہاری پکارکووہ سنیں گے نہیں اوراگر سنیں بھی توتمہاری التجاکوقبول نہیں کریں گے اورقیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے بیزاری کااعلان کریں گے اورایسے شخص کی سی جوپورے طور پر باخبرہو،کوئی دوسراتمہیں صحیح اطلاع نہیں دے سکتا“۔

یعنی خداوندعالم کے برابر جوہربات سے واقف ہے،کون تمہیں صحیح اطلاع دے سکتا ہے۔[1] اوراس لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ کے فقرے کااستعمال اکثرکسی اہم بات کہنے کے بعدبطورضرب الامثل ہوتا ہے،مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم سے پوچھوہم سے زیادہ ترتم کوصحیح اطلاع اس کی کوئی دوسرانہیں دے سکتا۔[2] مگریہ بات محتاج تحقیق ہے کہ یہ مثل پہلے سے موجودتھی اورقرآن مجید نے اسے بطورمثل ہی استعمال کیاہے یایہ جملہ پہلے پہل قرآن میں آیا اورپھربطورضرب المثل استعمال ہونے لگا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿١٥﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿١٧﴾

”اے لوگو!تم اللہ کے محتاج ہواوراللہ، بے نیاز ہے جوقابل تعریف ہے، اگروہ چاہے توتم کوختم کردے اورنئی مخلوق کو پیداکرے اوریہ اللہ پرکوئی دشوارامرنہیں ہے“۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾

”اورکوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کابوجھ نہ اُٹھائے گا اوراگرکوئی گراں باراُس کے اٹھانے کے لئے پکارے تو اُس میں سے کچھ بھی دوسرے کے ہاتھوں، اٹھایا نہ جائے گا چاہے رشتہ دار کیوں نہ ہو۔آپ خوف آخرت سے ہوشیاربس انہی کوکرتے ہیں[3]۔ جواپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہوں اورنماز کے پابندہوں اورجو پاک

---

[1]۔ای لایخبرك بما فیه الصلاح والفساد والمنافع والمضار مثل اللّٰه سبحانه(مجمع البیان)

[2]۔بمنزلۂ مثل است،چون سخن بلیغ گویند وتحقیق بنهایت رسانند،این کلمه گویند(فتح الرحمٰن)

[3]۔معناه لیس ینتفع بتخویفك یامحمد الا الّذین یخافون ربّهم (تبیان)

www.kitabmart.in

بازرہے، وہ بس خود اپنے فائدے کے لئے پاک بازرہے گا بالآخر اللہ ہی کی طرف جانا ہے“۔

”آپ بس انہی کو ہوشیار کرتے ہیں“ یہ ویسا ہی ہے جیسے قرآن مجید کو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کہا گیا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہوا:

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا.

”آپ بس اُنہی کو ہوشیار کرتے ہیں جو آخرت کا دھڑکا محسوس کریں“۔

چونکہ فائدہ پیغمبرؐ کے انداز وتبلیغ سے وہی اٹھاتے ہیں، اس لئے انہی لوگوں سے اُس کا تعلق بتلایا گیا ہے ورنہ جیسے قرآن ہدایت سب کے لئے ہے، ویسے ہی رسولؐ اپنے امکان بھر سب ہی کو ہوشیار کرتے ہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿٢١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿٢٢﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿٢٣﴾

”اورنہیں یکساں ہے اندھا اور آنکھوں والا اور نہ اندھیرا اور نہ اجالا اور نہ سایہ اور دھوپ اورنہیں یکساں ہیں زندے اور مردے، یقیناً اللہ سنائے گا جسے چاہے اور آپ نہیں سنا سکتے انہیں جو قبروں میں ہیں۔ آپ نہیں ہیں مگر ڈرانے والے“۔

یعنی آپ کا کام جبر کرنا نہیں ہے، جبر پر قدرت رکھنے والا اللہ ہے مگر وہ بھی جبر سے کام نہیں لیتا اس لئے کہ وہ اُس کے تقاضائے حکمت کے خلاف ہے۔

ہاں نتیجہ میں بربنائے عدل تفریق لازم ہے جیسے اندھا اور آنکھوں والا، اندھیرا اور اجالا وغیرہ یکساں نہیں ہیں، ویسے ہی مومن وکافر، مطیع وعاصی سب کو یکساں نہیں رکھا جا سکتا۔[1] لہٰذا نتیجہ میں یہ سیکولر تصوّر کہ انجام سب کا بخیر ہے، درست نہیں ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿٢٤﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٢٦﴾

”ہم نے بھیجا ہے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور کوئی قوم نہیں مگر یہ کہ اُس میں کوئی ڈرانے والا گزرا ہے اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو اُن کے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا تھا۔ آئے اُن کی طرف اُن کے پیغمبر معجزے اور کتابیں اور روشن دستور حیات لے کر پھر میں نے گرفت میں لیا اُنہیں جو کافر تھے تو کیسا تھا میرا عذاب“۔

---

[1] لا یستوی المؤمن الکافر والحقّ والباطل والعالم والجاھل (مجمع البیان)۔

www.kitabmart.in

"کوئی قوم نہیں مگر یہ کہ اُس میں کوئی ڈرانے والا گزرا ہے"۔ قرآن کا یہ عمومی اعلان اس کا ثبوت ہے کہ شرق و غرب میں جہاں جہاں انسان بستے ہیں، اُن کے پاس کبھی نہ کبھی شروع میں کوئی رہنما ضرور آیا جس کے تعلیمات کو بھلا کر وہ گمراہی میں مبتلا ہوئے ہیں۔ [1]

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اُس سے نکالے مختلف رنگ کے پھل اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ ٹکڑے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں اور انسانوں اور چلنے پھرنے والے جانوروں اور چوپایوں میں بھی اسی طرح مختلف رنگ ہیں، اللہ سے اس کے بندوں میں سے بس عالم لوگ ڈرتے ہیں، بلاشبہ اللہ عزت والا ہے، بخشنے والا"۔

مساوات مطلق خلاف فطرت

یہ خلائق کا اختلاف عقلاً خالق کے فاعل مختار ہونے کی تو دلیل ہے ہی، اُس کے ساتھ ضمناً یہ نوعِ انسانی میں "مساوات مطلق" کے خلاف فطرت ہونے کی دلیل بھی ہے۔ جب تمام کائنات میں ہر شے کے اندر خاصیتیں اور صلاحیتیں مختلف ہیں تو انسان سب یکساں کیوں کر سمجھے جا سکتے ہیں بلکہ لازماً ان میں صلاحیتوں کے لحاظ سے اختلاف ہوگا تو سب کو ایک لکڑی سے ہانکنا کیوں کر صحیح ہوگا؟۔

قرآنی اصول کے مطابق یؤت كل ذى فضل فضله یعنی ہر صاحب فضیلت کو اُس کی فضیلت کے لحاظ سے امتیاز ہونا چاہئے چنانچہ ایک بڑا اہم معیار فضیلت کا علم ہے، اُس کا یہاں خصوصیات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾

"یقیناً وہ جو کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُنہیں دیا ہے اُس سے پوشیدہ طور پر اور ظاہر بظاہر خیرات کرتے ہیں، وہ امید وابستہ کیے ہوئے ہیں ایسی تجارت سے جو کبھی برباد نہیں ہوگی تاکہ

[1] قال الجبائی: فی ذلك دلالة علی انه لا احد من المكلّفين الّا وقد بعث الله اليهم رسولا وقد اقام الحجّة علی جميع الامم (تبيان و مجمع البيان)

www.kitabmart.in

وہ اُنہیں پورے اُن کے ثواب عطا کرے اور اپنے فضل و کرم سے اُنہیں اور زیادہ دے، بلاشبہ بخشنے والا ہے، عمل کی قدر کرنے والا‘‘۔

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝۳۱

’’اور ہم نے آپ کی طرف بذریعہ وحی جو کتاب بھیجی ہے، وہ حق ہے تصدیق کرنے والی اُس کی جو اُس کے پہلے ہے، یقیناً اللہ اپنے بندوں سے باخبر ہے، دیکھنے والا‘‘۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝۳۲

’’پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا اُنہیں جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا، اس لئے کہ ان میں کچھ اپنے نفوس پر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ معتدل قسم کے ہیں اور اُن میں سے بعض بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں اللہ کے حکم سے یہی تو بہت بڑی فضیلت ہے‘‘۔

منتخب افراد کا وارث کتاب ہونا

یعنی انتخاب کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بندگانِ خدا میں ہر طرح کے لوگ موجود ہیں لہٰذا سب وارث کتاب ہونے کے لائق نہیں ہوسکتے۔ صحیح مفہوم یہی ہے۔

اس کے برخلاف علمائے اہل سنت چونکہ امت میں کسی ایسے برگزیدہ افراد کے وجود کا تصور نہیں رکھتے لہٰذا وہ پوری امت والوں کو وارث کتاب قرار دے کر اُنہی میں ظالم اور متعدل اور سابق الی الخیرات کے اقسام نکالتے ہیں۔ [1] جس کے بعد انتخاب الٰہی کا کوئی منشاء ہی باقی نہیں رہتا۔

ہمارے اور علمائے اہل سنت کے نقطہ نظر میں الفاظ قرآنی کے مفہوم کے اعتبار سے بنیادی فرق یہ ہے کہ ہم منھم کی ضمیر ھم کا مرجع اس کے پہلے والی لفظ ’’عبادنا‘‘ کو قرار دیتے ہیں، اب وہ مطلب ہوگا جو ہم نے وارث کتاب ہونے کے لئے اپنے بندوں میں سے کچھ کو منتخب کیا ہے، کیوں کہ ان بندوں میں سے ایسے بھی ہیں جو ظالم ہیں اور کچھ درمیانی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو خیرات کی طرف سابق ہیں اس لئے انتخاب کی ضرورت ہوئی اور ظاہر ہے کہ منتخب گروہ وہی تیسرا ہے جو اعلیٰ طبقہ ہے۔ ان میں نہ ظالم ہیں، نہ درمیانی قسم کے لوگ۔ اب ظاہر ہے کہ درمیانی وہ قرار

---

[1] هم امّتك فمنهم ظالم لّنفسه بالتقصير فى العمل به و منهم مّقتصد يعمل به فى اغلب الاوقات و منهم سابق بالخيرت بصمّ الى العمل به التعليم و الارشاد فى العمل (جلالين) یعنی یہ امت، ان میں تین درجے بنائے، ایک گنہ گار، ایک میانہ، ایک اعلیٰ (موضح القرآن)

www.kitabmart.in

پائیں گے جن میں کچھ ظلم ہے اور کچھ نیکوکاری۔ ان کے مقابل میں وارث کتاب جو آخری قسم ہے وہ قرار پائے گی جن میں ظلم کا شائبہ نہ ہوا اور وہی اصطلاحی طور پر معصوم کہلاتے ہیں۔

دوسرے لوگ اس۔ منھم کی ضمیر کا مرجع الذین اصطفینا کو قرار دیتے ہیں، اس صورت میں انہی منتخب شدہ وارث کتاب افراد میں ظالمین وغیرہ ہوں گے۔ پھر معلوم نہیں انتخاب الٰہی کا حاصل کیا ہوا؟

ظاہر ہے کہ ہمارا نقطہ نظر زیادہ اور واضح اور مطابق عمل ہے اور قدیم مفسرین میں جناب ابن عباسؓ کا قول جو عکرمہ نے نقل کیا ہے، اس کے موافق ہے۔[1]

جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُـؤۡلُـؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمۡ فِيۡهَا حَرِيۡرٌ ۝٣٣ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَكُوۡرُ ۝٣٤ الَّذِىۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَةِ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيۡهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيۡهَا لُغُوۡبٌ ۝٣٥

''ہمیشہ کے قیام والے بہشتوں میں داخل ہوں گے، انہیں پہنائے جائیں گے ان میں سونے کے کنگن اور موتی اور اُن کے کپڑے ریشم کے ہوں گے اور وہ کہیں گے شکر اُس اللہ کا جس نے ہم سے رنج وغم دور کیا، بلاشبہ ہمارا پروردگار بخشنے والا ہے، اچھے اعمال کی قدر کرنے والا، جس نے ہم کو اتارا اپنے فضل وکرم سے دائمی قیام والی جگہ پر جس میں ہمیں نہ کوئی زحمت ہوتی ہے اور نہ ہمیں کوئی ذرا سی بھی تھکن ہوتی ہے''۔

گذشتہ آیت میں متعدد قسمیں تھیں، اس آیت سے متصل قریبی ذکر تیسری قسم کا ہے جو سابق بالخیرات ہے، ہمارے نزدیک تو یہ بشارت الٰہی انہی سے متعلق ہے لیکن جنہوں نے ایک دم سب امت کا ظالمین کی ایک قسم سمیت منتخب و برگزیدۂ خدا بنادیا ہے، وہ اس بشارت کو بھی تمام امت سے متعلق قرار دیتے ہیں۔[2]

مگر جناب ابن عباسؓ وغیرہ اس سے متفق نہیں ہیں[3]۔

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقۡضٰى عَلَيۡهِمۡ فَيَمُوۡتُوۡا وَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمۡ مِّنۡ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ كُلَّ كَفُوۡرٍ ۝٣٦ وَهُمۡ يَصۡطَرِخُوۡنَ فِيۡهَا ۚ رَبَّنَاۤ

[1]. قال عکرمة عن ابن عباس انّ لمصطفین ھم الانبیاء والظالم لنفسه ھو المنافق (تبیان)
[2]. یدخلونھا ای الثلثة (جلالین) آخر میں سب بہشتی ہیں (موضح القرآن)
[3]. عکرمة عن ابن عباسؓ ___ المقتصدو السابق بالخیرات فی الجنّة والمنافق فی النار وقال الحسن و مجاھد۔ الظّالم لنفسه اصحاب المشئمة۔ (تبیان)

www.kitabmart.in

اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٣٧﴾

''اور جنہوں نے کفر کیا، اُن کے لئے دوزخ کی آگ ہے، اُن کو قضا بھی نہیں آئے گی کہ مرجائیں اور نہ اُن سے اُن کے عذاب میں کمی ہوگی۔ اسی طرح ہم سزا دیں گے ہر ناشکرے کو اور وہ اس میں چیختے ہوں گے، اے ہمارے پروردگار! اب ہم نیک اعمال کریں گے اُس کے علاوہ جو کرتے رہے تھے۔ کیا ہم نے تم کو عمر دی نہیں اتنی جس میں کسی کو نصیحت قبول کرنا ہو تو وہ قبول کرلے اور تمہارے پاس ڈرانے والا رسول بھی آیا، اب مزہ چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے''۔

میں تو سیاق قرآنی سے محسوس کررہا ہوں کہ سابقین بالخیرات کو مژدۂ جنت دینے کے بعد یہ دوزخ کا وعید اُنہی تین قسموں میں سے اُس گروہ کے لئے ہے جس کا پہلے ظَالِمٌ لِّنَفْسِه کہہ کر تعارف کرایا گیا تھا اور اس لئے یہ الذین کفروا کھلے ہوئے کافر نہیں بلکہ اسی امت کی بھیڑ میں چھپے ہوئے کافر ہیں اور اس لئے آخر میں کفر کا لفظ چھوڑ کر ان کی تعبیر ظالموں ہی سے کی گئی ہے کہ فما للظالمین من نصیر مگر وہ جو انتخاب الٰہی اور اس پہلی خوشخبری کو تمام امت سے متعلق قرار دیتے ہیں، وہ اس پر مجبور ہیں کہ اس وعید جہنم کو اس پوری امت سے ہٹا کر ویسے ہی کفار سے متعلق کریں جو کسی رخ سے بھی اس امت میں سمجھے نہ جاسکے اور وہ غیر مسلمین ہی ہوسکتے ہیں، مسلمان نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾

''بلاشبہ اللہ آسمان اور زمین کی ان دیکھی چیزوں کا جاننے والا ہے، یقیناً وہ دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے، اس نے تم لوگوں کو زمین پر اگلے والوں کی جگہ پیدا کیا، اب جو کفر اختیار کرے گا، اُس کے کفر سے اُسی کو نقصان پہنچے گا اور نہیں اضافہ کرتا کافروں کو اُن کا کفر اُن کے پروردگار کے یہاں ناراضگی کے سوا اور نہیں اضافہ کرتا کافروں کے لئے اُن کا کفر سوا خسارے کے''۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٤٠﴾

www.kitabmart.in

’’کہئے کہ کیا تم نے غور کیا ہے اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں پر جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو مجھے دکھا دو، انہوں نے زمین میں کیا چیزیں پیدا کی ہیں یا اُن کی آسمانوں میں کوئی شرکت ہے؟ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے تو وہ ایک دلیل رکھتے ہیں اس کی؟ بلکہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو تو قعات نہیں دلاتے سوا دھوکے اور فریب کے‘‘۔

تو قعات اس کے کہ یہ معبودانِ باطل آخرت میں ان کے کام آئیں گے۔[1]

إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ
اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿٤١﴾

’’یقیناً اللہ تھامے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو اس سے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹیں اور اگر وہ ہٹیں تو کوئی اُس کے بعد اُن کی روک تھام نہیں کر سکتا، یقیناً وہ برداشت کرنے والا ہے، بڑا بخشنے والا‘‘۔

آخری یہ الفاظ یہ تصور پیدا کرتے ہیں کہ تمہاری بداعمالیوں کا تقاضا تو یہی تھا کہ آسمان وزمین اپنی جگہ سے ہٹ کر تباہ و برباد ہو جائیں مگر خالق کا عفو و تحمل وہ ہے جو تمہارے کرتوت کو نظرانداز کرتا ہے اور عذاب نازل نہیں کرتا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى
الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤٢﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ
وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ
الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿٤٣﴾

’’اور انہوں نے اپنی کوشش بھر سخت سے سخت قسمیں اللہ کی کھائیں کہ اگر اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) آئے تو وہ کسی بھی قوم سے زیادہ ہدایت یافتہ ثابت ہوں گے، اس کے بعد جب اُن کے پاس ڈرانے والا آیا تو اُس نے اُن میں اضافہ نہیں کیا سوا وحشت کے، دنیا میں گھمنڈ اور بُری طرح کی سازشوں کی صورت میں اور بری قسم کی سازش ضرر نہیں پہنچاتی مگر اپنے کرنے والے کو تو انہیں کیا انتظار ہو سکتا ہے سوا اگلے والوں کو پیش آنے والے دستور کے، اس لئے کہ تم ہرگز اللہ کے دستور میں تبدیلی نہیں پاؤ گے اور نہ کبھی اللہ کے دستور میں تغیر پاؤ گے‘‘۔

وہ دستور کیا رہا ہے؟ یہ کہ بداعمالیوں پر عذاب میں گرفتار ہوں تو انہیں بھی اپنی بداعمالیوں پر اس کا منتظر رہنا چاہیے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي

---

[1] بقولهم الاصنام تشفع لهم (جلالين).

www.kitabmart.in

الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾

''کیا وہ اطراف زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ دیکھتے کیا انجام ہوا اُن کا جو ان کے پہلے تھے وہ ان سے زیادہ طاقت ور تھے اور اللہ کو کوئی چیز بے بس نہیں بنا سکتی آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ بڑا جاننے والا ہے، قدرت رکھنے والا''۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

''اور اگر اللہ لوگوں کو اُن کی بداعمالیوں کی وجہ سے گرفت میں (فوراً) لے لیا کرتا تو اس روئے زمین پر کسی نقل و حرکت کرنے والے کو چھوڑتا ہی نہ مگر وہ تو انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دیتا ہے تو جب اُن کی مدت پوری ہوگی تو اللہ اپنے بندوں کا دیکھنے والا تو ہے ہی''۔

گناہ کے بعد فوری سزا ہوتی تو کوئی باقی نہ رہتا

''گرفت میں (فوراً) لے لیا کرتا'' یعنی بس ادھر معصیت سرزد ہوئی اور اُدھر عذاب خداوندی آجایا کرتا۔[۱] تو پھر کوئی متنفس روئے زمین پر باقی ہی نہ رہتا۔

''اللہ اپنے بندوں کا دیکھنے والا تو ہے ہی'' یعنی کہیں جا کر وہ اُس سے چھپ تو سکتے نہیں، جہاں وہ ہوں گے، وہی جس طرح چاہے گا عذاب میں گرفتار کر دے گا اور اُن کے اعمال اُس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ کتنی ہی وہ چھپانے کی کوشش کریں، وہ خوب واقف ہے کہ وہ کیسے عذاب کے مستحق ہیں۔[۲]

---

[۱] ای جزاء علی معیاصیھم عاجلا (تبیان)

[۲] ھو بصیر بمکانھم فیؤاخذھم حیث کانوا وقیل بصیر باعمالھم فیجازیھم علیھا (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ یٰسٓ

مکّیہ ۔۔۔ ۸۳ ۔۔۔ آیات

عام طور پر سورۂ یٰسین کا تعلق ہے حالت احتضار و موت سے سمجھا جاتا ہے، اس لئے عوام کسی اچھے بھلے آدمی کے پاس سورۂ یٰسین پڑھنے سے وہم مانیں گے اور اسے ایک طرح کی بدشگونی سمجھیں گے مگر تفسیر مجمع البیان میں میں نے جو منقولہ احادیث کا مطالعہ کیا جو روایتیں خصوصیات کے ساتھ عالم سکرات یا موت کے وقت پڑھنے سے متعلق ہیں، اُن میں سے کوئی ائمہ معصومینؑ کے ذریعہ سے نہیں ہیں بلکہ ایک روایت جناب ابی بن کعب پر ختم ہو جاتی ہے اور یہ کے راوی خلیفہ اول جناب ابو بکر ہیں اور جو حدیث معصومؑ کی ہے، اُس میں اس سورے کو صحیح و سالم آدمی کے لئے ذریعہ سلامتی و طول عمر بتاتا ہے۔ ہاں اُس بیمار کے لئے جس کی قضا آئی ہو، باعث مغفرت قرار دیا ہے۔ اس حدیث سے بجائے خود بھی اس سورے کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ ابو بصیر کی روایت ہے امام جعفر صادقؑ سے جس کے ابتدائی جملے جو مقصود پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہیں، حسب ذیل ہیں:۔

انّ لکلّ شیء قلبا وقلب القرآن یٰسٓ فمن قرأ یٰسٓ فی نہارہ قبل ان یمسی کان فی نہارہ من محفوظین والمرزوقین حتّی یمسی ومن قرأنی لیلۃ قبل ان ینام وکلّ بہ الف ملك یحفظونہ من کلّ شیطان رجیم ومن کلّ اٰفۃ (مجمع البیان)

ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یٰسین ہے تو جو دن کو شام ہونے سے پہلے یٰسین پڑھے، وہ اُس دن محفوظ اور رزق سے بہرہ یاب ہوگا اور جو رات کو سونے سے پہلے پڑھے تو ایک ہزار فرشتے اس پر مقرر ہوں گے جو اُس کی ہر شیطان سے اور ہر آفت سے حفاظت کریں گے۔

سورہ یٰسین کے خاص خاص مضامین:

۱۔ ہمارے پیغمبرؐ کے پہلے زمانہ فترت تھا یعنی مدت سے خدا کی طرف سے کوئی رہ نمانہ آیا تھا۔

۲۔ ہر شے کا امام مبین میں سمایا ہونا۔

۳۔ حضرت عیسیٰؑ کے دور کے کچھ مبلغین حق کا تذکرہ۔

۴۔ ایک داعیٔ حق کا تذکرہ اور اُس کا انجام۔

۵۔ خلق خدا کا داعیان حق کے ساتھ افسوس ناک رویہ۔

۶۔ ہر چیز میں نر اور مادہ کی طرف اشارہ۔

۷۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ اجرام سماوی کسی ٹھوس جسم میں جڑے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ایک خلا میں گردش کرتے ہیں۔

۸۔ مناظر قیامت۔

www.kitabmart.in

۹۔دہنوں کا خاموش ہونا اور اعضائے جسم کا کلام کرنا۔

۱۰۔عمر طولانی ہونے کے الٰہی تقاضے۔

۱۱۔پیغمبرؐ خدا کا شاعری سے بے تعلق ہونا۔

۱۲۔حیات بعد الموت کے منکروں کی طرح طرح فہمائش۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے"

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴﴾ تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ﴿۵﴾ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُہُمۡ فَہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۶﴾

"یٰسین۔ قسم اس باحکمت قرآن کی، بلا شبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں سیدھے راستے پر یہ اتارا ہوا ہے اُس عزت والے کا جو بڑا مہربان ہے تاکہ آپ ڈرائیے اُس قوم کو جس کے باپ دادا کو ڈرایا نہیں گیا تھا تو وہ بے خبری کے عالم میں ہیں"۔

"باپ دادا کو نہیں ڈرایا گیا تھا" یعنی قریبی باپ دادا کو جن کے سامنے نمایاں طور پر کوئی ہادی دین نہ تھا۔[1]

چونکہ ان کے قبل والے آبا و اجداد نے ہادیان دین کو جھٹلایا اور اُن کے ساتھ بدسلوکی سے کام لیا، اس لئے یہ نعمت سلب ہوگئی اور ہادیان دین پوشیدہ کر دیئے گئے۔

لَقَدۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ عَلٰۤی اَکۡثَرِہِمۡ فَہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷﴾ اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ اَغۡلٰلًا فَہِیَ اِلَی الۡاَذۡقَانِ فَہُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ ﴿۸﴾ وَجَعَلۡنَا مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ سَدًّا وَّمِنۡ خَلۡفِہِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَیۡنٰہُمۡ فَہُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکۡرَ وَخَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ ۚ فَبَشِّرۡہُ بِمَغۡفِرَۃٍ وَّاَجۡرٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۱﴾

"اُن میں سے زیادہ افراد کو عذاب کا استحقاق ہو چکا ہے تو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں تو انہوں نے اُن کی ٹھڈیوں تک کو کس لیا ہے تو وہ مجبوراً سر اٹھائے ہوئے ہیں اور ہم نے اُن کے آگے دیوار کھڑی کر دی ہے اور اُن کے پیچھے دیوار کھڑی کر دی ہے تو ہم نے اُن کو ڈھانپ دیا ہے تو اُنہیں

---

[1] ای لم ینذروا فی زمن الفترۃ (جلالین)

www.kitabmart.in

دکھائی نہیں دیتا اور اُن پر برابر ہے، خواہ آپ اُنہیں ڈرائیں یا آپ اُنہیں نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے، آپ تو اُسے ڈرا سکتے ہیں جو یاددہانی سے اثر لے اور بے دیکھے خدائے رحمن کا تصور رکھے تو اُسے خوش خبری دیجئے۔ بخشش اور باعزت ثواب کی''۔

آخر کے جملے سے بات صاف ہوگئی کہ پہلے کی سب باتیں اُن کی اختیاری بے اعتنائی اور حق سے روگردانی کی بنا پر ہیں، نہ یہ کہ وہ باتیں باعث ہوئی ہیں اُن کے اثر قبول نہ کرنے کی۔

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَنَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ ؕ وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾

''بلاشبہ ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں اُسے جو وہ کر چکے اور جو اُن کے اثرات ہیں اور ہر چیز کا احاطہ کیا ہے ہم نے روشن مرتبے والے امام ہیں''۔

''امام مبین'' کی تشریح عام طور پر مفسرین ''لوح محفوظ'' کے ساتھ کرتے ہیں جس میں ہمارے مفسرین بھی داخل ہے۔[1] اور لوح محفوظ کو امام کہنا اس لحاظ سے ہے کہ وہ مرکزی محل ہے جہاں خالق نے اپنے علم و مشیئت کو محفوظ کیا ہے۔ یوں ہماری قدیم تفسیر میں یہ ہے کہ اس سے مراد امیرالمومنین ہیں۔[2] اور پھر لازماً ہر دور کا امام معصومؑ۔ غور کیا جائے تو پہلا مفہوم اصل لفظ سے دور مگر سیاق کلام کے مطابق ہے اور دوسرا اصل لفظ سے قریب مگر سیاق کلام سے دور ہے۔

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا اَصۡحٰبَ الۡقَرۡیَةِ ۘ اِذۡ جَآءَهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمُ اثۡنَیۡنِ فَکَذَّبُوۡهُمَا فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَیۡکُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۙ وَمَاۤ اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَیۡءٍ ۙ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَکۡذِبُوۡنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوۡا رَبُّنَا یَعۡلَمُ اِنَّاۤ اِلَیۡکُمۡ لَمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَیۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوۡۤا اِنَّا تَطَیَّرۡنَا بِکُمۡ ۚ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهُوۡا لَنَرۡجُمَنَّکُمۡ وَلَیَمَسَّنَّکُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوۡا طَآئِرُکُمۡ مَّعَکُمۡ ؕ اَئِنۡ ذُکِّرۡتُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾

''اور اُن کے سامنے بطور مثال حال بیان کیجئے ایک خاص بستی والوں کا، جب اُن کے پاس بھیجے ہوئے پیغام رساں

[1] معناہ احصیناہ فی کتاب ظاہر وھو اللوح المحفوظ۔ (تبیان)
[2] ذکر ابن عباس عن امیر المؤمنین علیہ السلام انہ قال انا واللہ الامام المبین (علی بن ابراھیم)

www.kitabmart.in

آئے، جب ہم نے ان کی جانب دو بھیجے تو اُنھوں نے اُن دونوں کو جھٹلایا تو تقویت کی ہم نے تیسرے کے ساتھ تو انھوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، اُن لوگوں نے کہا کہ تم نہیں ہو مگر ہمارے ایسے انسان اور خدائے رحمٰن نے کوئی چیز اتاری وتاری نہیں ہے، تم نہیں ہو مگر جھوٹ بولتے، اُنھوں نے کہا ہمارے ذمہ نہیں ہے مگر صاف صاف تبلیغ کر دینا، اُنھوں نے کہا ہم نے تو نحوست محسوس کی ہے تمہارے سبب سے۔ اگر تم باز نہ آؤگے تو ہم تمہیں سنگ سار کریں گے اور ہماری طرف سے تمہیں دردناک سزا ملے گی، اُنھوں نے کہا تمہاری نحوست تمہارے ساتھ۔ کیا اگر تمہیں نصیحت کی جائے (تو تمہیں یہی کرنا چاہیے) بلکہ تم ظلم وتعدی سے کام لینے والے لوگ ہو"۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

"اور آیا شہر کے دور ترین حصے سے ایک شخص دوڑتا ہوا، کہا اے میری قوم والو! ان پیغمبروں کی بات مانو! پیروی کرو ایسے شخص کی جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا اور وہ ہدایت کے راستے پر ہیں"۔

ایک خاص داعیِ حق کے تذکرہ کا آغاز

اس آنے والے کا نام اہلِ تفسیر نے حبیب نجار بتایا ہے۔[1] اور یہ حضرت عیسیٰؑ کے دور کا ذکر ہے۔

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾

"اور مجھے کیا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اُس کی جس نے مجھے پیدا کیا اور اُسی کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے کیا میں اُسے چھوڑ کر ایسے خداؤں کو اختیار کروں کہ اگر خدائے رحمٰن مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو اُن کی سفارش مجھے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچائے میں ایمان لایا ہوں تمہارے پروردگار پر تو میری بات کان لگا کر سنو"۔

دعوتِ حق دینے والے مومن کی گفتگو کا تتمہ

جو شخص اس پارے کو (جب کہ وہ علیحدہ ہو) اٹھا کر اس کے شروع کی ان آیتوں کو پڑھے یا ان کو ترجمہ دیکھے، اُس کی کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ یہ کون کہہ رہا ہے؟ مگر یہ قرآن کو پارہ پارہ کرنے والے تیس حصوں میں تقسیم کرنے والوں کی بدسلیقگی کا نتیجہ ہے جنھوں نے اس سلسلے کی پہلی آیت کو بائیسویں پارے کا جزء بنا دیا۔ اُسے ملا کر دیکھیے تو سمجھ میں آئے گا کہ یہ اس شخص کے قول کا جزء ہے جو بیرون شہر سے آیا تھا اور کہا تھا کہ "حق

---

[1] عن ابن عباس و جماعت من المفسّرین (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

کا پیغام لانے والوں کو قتل نہ کرو بلکہ اُن کی پیروی کرو''۔

قِيۡلَ ادۡخُلِ الۡجَـنَّةَ ‌ؕ قَالَ يٰلَيۡتَ قَوۡمِىۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِىۡ رَبِّىۡ وَجَعَلَنِىۡ مِنَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ﴿۲۷﴾

''کہا گیا کہ بہشت میں داخل ہوجا، اس نے کہا کاش میری قوم والے جانتے کہ کاہے سے میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے معزز لوگوں میں قرار دیا''۔

اُس مومن کی حق گوئی کا نتیجہ

مومن مذکور کی گفتگو کے بعد بلافاصلہ یہ ارشاد کہ بہشت میں داخل ہوجا مفسرین کے اس خیال سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے کہ اُس گفتگو کے نتیجہ میں اُن بے دینوں نے اُس مومن کو شہید کرڈالا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُسے یہ نوید مل رہی ہے کہ بہشت میں داخل ہوجا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ شہادت کا صلہ یہ ہے کہ اُس انسان سے پھر حساب کتاب کچھ نہ ہو بلکہ عالم برزخ کے منقضی ہونے کے انتظار کی ضرورت بھی نہ ہو اور وہ اُسی وقت بہشت میں داخل کردیا جائے۔

اس موقع پر سورہ والفجر کی وہ آخری آیت بھی یاد کرلیجئے کہ:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۡ ﴿٢٩﴾ وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِى ﴿٣٠﴾

اور اُس کی یہ تفسیر کہ یہ امام حسین علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

ایک دوسرا تصور یہ ہے کہ یہ بات فوراً ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کے بعد جب بھی وہ دنیا سے اٹھا تو اُس کی موت کے ساتھ یہ حکم ہوا۔

تیسرا یہ کہ درمیان میں شہادت کا ہونا بھی حد فاصل نہیں بلکہ اُس کی اس دعوت حق کے ساتھ ہی دنیا سے اٹھا لیا گیا اور اُسے زندگی ہی میں بہشت میں داخل کردیا گیا۔

افسوس ہے کہ حدیث معصوم موجود نہیں، اس لئے وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنۡزِلِيۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ﴿۲۹﴾

''اور نہیں اُتارا ہم نے اُس کی قوم پر اُس کے بعد کوئی لشکر آسمان اور نہ ہم اُتارنے والے ہیں۔ نہ تھی مگر ایک مہیب آواز جس سے وہ ایک دم بجھ کر رہ گئے''۔

اس قوم کا انجام

ترتیب آیات کے مطابق تنزیل ہونے کی صورت میں جو یہاں پر باعتبار مضمون بعید نہیں ہے، اُسی مومن کی قوم کا ذکر ہے جس نے

www.kitabmart.in

دعوتِ حق دی تھی اور پھر شہید ہوکر فوراً یا زندگی ہی میں اُس کے بعد داخل بہشت کردیا گیا اور اب یہ اُس کی قوم کا انجام ہے کہ وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئی جس کے لئے ارشاد ہورہا ہے کہ یہاں فرشتے عذاب نازل کرنے کے لئے نہیں اتارے گئے بلکہ بس قدرت نے ایک مہیب صدا پیدا کرکے انہیں ہلاک کردیا۔ ظاہر ہے کہ خدا عذاب نازل کرنے کے لئے لاؤ لشکر کا محتاج نہیں ہے ''نہ ہم اتارنے والے ہیں'' اس کا مطلب یہی ہے کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے، ہماری قدرت ان اسباب کی محتاج نہیں نہ یہ کہ وہ ایسا کرنہیں سکتا، یا اس کا کوئی عہد و پیمان ہے کہ وہ ایسا کبھی نہ کرے بلکہ جو اُس کی مصلحت متقاضی ہوئی تو اس نے ایسا کربھی دیا جیسا کہ قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے فرشتے بھیجے گئے تھے۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ اِلَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٠﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٣٢﴾

''ہائے افسوس ان بندوں کے حال پر، کوئی پیغمبر ان کے پاس نہیں آتا مگر یہ کہ وہ اُس کا مذاق اڑاتے رہے ہیں، کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان کے پہلے کتنی نسلیں ہم نے ختم کردیں وہ اب اُن کی طرف پلٹ کر نہیں آئیں گے، کوئی اُن میں نہیں ہے مگر یہ کہ سب ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے''۔

خالق کا افسوس اور اس کا مطلب

بعض مفسرین نے افسوس والی آیت کو تتمہ قرار دیا ہے اسی مومن کے قول کا جس کا ذکر قبل والے پارے کے آخر سے شروع ہوا تھا اور اس پارے کے شروع والی آیت اسی کے تتمہ کی تھی۔ [1] مگر ہمیں اس کے قبول کرنے میں موجودہ ترتیب قرآن کے لحاظ سے اگر وہ موافق تنزیل ہو جو اس مقام پر مضمون آیات کے لحاظ سے بعید نہیں ہے، یوں تامل ہے کہ اُس مومن کی تقریر اس پارے کے شروع والی آیتوں پر جو ہم نے یکجائی درج کی ہیں، ختم ہوگئی اور اس کے بعد کی آیتوں میں خالق کا ارشاد ہے تو کیوں نہ اسے بھی خالق ہی کی زبانی مانا جائے اور یہ تصور کہ یہ خداوند عالم کو افسوس کیوں کر ہوتا ہے۔ یہ تو ایک تاثر کا نام ہے جس سے خالق کی ذات کو بری ماننا چاہیے، بے بنیاد ہے اس بنا پر کہ رحمت اور غضب وغیرہ سب ہی کیفیات از قبیل تاثرات ہوتے ہیں اور انفعالات نفسانی کی حیثیت رکھتے ہیں جس طرح ان سب کی نسبت خداوند عالم کی طرف تصرّف عقلی کے ساتھ ہوتی ہے، ویسے ہی افسوس جو خالق کے وصف کے طور پر بیان نہیں ہورہا ہے بلکہ اُن کے حال کے بجائے خود قابل افسوس ہونے کا اظہار ہے۔ [2]

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُونَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿٣٤﴾ لِيَاْكُلُوا

---

[1] قیل ھو قول الّذی جآء من اقصی المدینۃ (تبیان)

[2] ھٰذا من قول اللہ سبحانہ والمعنی اللھمّ حلّوا محلّ من یتحسّر علیہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

''اورایک بڑی نشانی ہےاُن کے لئے وہ مردہ زمین جسے ہم نے زندہ کردیااوراس سے برآمدکیااُن کے لئے اناج تواس سے وہ غذا حاصل کرتے ہیں اورہم نے اُس میں قرار دیئے ہیں باغ کھجوراورانگوروں کےاوراُس میں سے ہم نے چشمے جاری کیے ہیں تاکہ وہ اس کے پھلوں سے کھائیں اوراسے ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا ہےتو وہ پھر بھی شکرگزارنہیں ہوتے''۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

''پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑے پیداکیے زمین کےنباتات میں اورخوداُن میں اوراُن چیزوں میں سے جووہ نہیں جانتے''۔

ہرچیز میں جوڑے

چونکہ سابق زمانہ میں سواکھجور کے عام نباتات میں نراور مادہ کا تصورنہ تھااس لئے ازواج کے معنی اقسام وانواع کےقرار دے لئے گئے۔[1] مگراب علم جدیدنے بہت حدتک اُس مفہوم کی پردہ کشائی کردی ہے جسے قرآن مجیدنے آج سے چودہ سوبرس قبل اپنی معجزبان میں پیش کردیا تھا۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

''اوران کے لئے ایک خاص نشانی رات ہے جس سے دن کی کھال کھینچ کرہم الگ کردیتے ہیں تو ایک دم اُن پر تاریکی چھاجاتی ہےاورسورج چل رہاہےاپنی قرارگاہ پر۔یہ فیصلہ ہےاُس صاحب عزت کا جو باخبرہےاور چاندکی ہم نے منزلیں مقررکردی ہیں یہاں تک کہ وہ پلٹتاہےایسی صورت میں جیسے پرانی ٹہنی، نہ سورج کے لئے یہ صحیح ہے کہ وہ چاندکو پاجائے اورنہ یہ کہ رات دن سے آگے نکل جائے اورسب ایک خاص حلقے میں تیررہے ہیں''۔

---

[1] خلق الاصناف والاشکال من الاشیاء (مجمع البیان) الاصناف کلھا (جلالین) اجناس راتمام آن (شاہ ولی اللہ)

www.kitabmart.in

آسمانوں کے ٹھوس جسم نہ ہونے کا ثبوت

آخری فقرے پر تیرہویں صدی کے شروع کے علماء میں شاہ عبدالقادر کا تبصرہ قابل قدر ہے:۔

''ہر ستارہ ایک ایک گھیر ارکھتا ہے، اُسی راہ پر تیرتا ہے معلوم ہوا کہ ستارے آپ چلتے ہیں، یہ نہیں کہ آسمان میں گڑے ہوں اور آسمان چلتا ہے۔نہیں تو تیرنا نہ فرماتے'' (موضح القرآن) یہ تبصرہ اس لئے بہت قابل قدر ہے کہ اُس دور میں ہر فرقہ کے علماء جس علم ہیئت کو پڑھتے تھے، اُس میں یہی پڑھایا جاتا تھا کہ ستارے آسمان میں جڑے ہوئے ہیں اور آسمان گردش کرتے ہیں۔ اُس اپنی نصابی تعلیم کے بندھن سے آزاد ہو کر الفاظ قرآنی سے یہ استفادہ کرنا یقیناً آزاد ذہن سے سوچنے کی بہت بڑی علامت ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿٤٣﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿٤٤﴾

''اور اُن کے لئے ایک نشانی قدرت کی یہ ہے کہ ہم نے اِن کی نسل کو سوار ہونے کا موقع دیا بھری ہوئی کشتی میں اور اُن کے لئے اسی طرح کی اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوں اور اگر ہم چاہیں تو انہیں ڈبو دیں تو نہ کوئی اُن کی فریاد کو پہنچنے والا ہو اور نہ وہ چھڑائے جا سکیں سوا ہماری رحمت اور ایک مدت تک مہلت دینے کے''

بعض مفسرین نے بھری ہوئی کشتی سے مراد کشتی نوح لی ہے اور ''اس طرح کی اور چیزیں'' اس سے مراد دوسری کشتیاں اور جہاز وغیرہ ہیں جو اُسی صورت پر بنائے جاتے ہیں۔[1] یہ قول شروع والی صدیوں کے بعض مفسرین کی طرف بھی منسوب ہے۔[2] لیکن زیادہ واضح تفسیر یہ ہے کہ کشتی سے مراد بطور اسم جنس عام کشتیاں ہی ہیں۔[3] اور ''اس طرح کی چیزیں'' اس سے مراد دوسری سواریاں ہیں خواہ وہ زمین پر چلنے والی ہوں۔[4]

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٦﴾

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ ڈرو اُس سے جو تمہارے آگے ہے اور اُس سے جو تمہارے پیچھے ہے۔شاید کہ رحمت الٰہی تمہارے شامل حال ہو اور ان کے پاس کوئی آیت اُن کے پروردگار کی آیتوں میں سے نہیں آتی مگر یہ

---

[1] ای سفینۃ نوح ___ مثلہ ای مثل فلك نوح و ما عملوہ علی شکلہ (جلالین)
[2] قال قتادۃ و الضحاك المعنی بقولہ سفینۃ نوح (تبیان)
[3] ھی السفن الجاریۃ فی البحار (مجمع البیان)
[4] ھی الدّواب و الانعام (علی بن ابراھیم)

www.kitabmart.in

کہ وہ اس سے روگرانی کرتے ہیں‘‘۔

’’جو تمہارے آگے ہے‘‘ اور ’’جو تمہارے پیچھے ہے‘‘ اس میں قدیم مفسرین کے دو قول ہیں جنہیں جناب شیخ الطائفہؒ نے بلا تبصرہ نقل کردیا ہے۔ ایک یہ کہ ’’جو تمہارے آگے ہے‘‘ اس سے مراد وہ عذاب ہیں جو قبل کی اُمتوں پر آچکے ہیں اور اس سے ڈرنا یہ ہے کہ تم ویسے اعمال نہ کرو اور ’’جو تمہارے پیچھے ہے‘‘ یعنی آخرت۔ دُوسرے ’’جو تمہارے آگے ہے‘‘ یعنی جو گناہ آئندہ تمہارے تصور میں ہوں، اُن سے پرہیز کرو اور ’’جو پیچھے ہے‘‘ یعنی جو گناہ پہلے کر چکے ہو، اُن سے ڈر کر بارگاہ الٰہی میں توبہ کرو۔ علامہ طبرسیؒ نے امام جعفر صادقؑ کی ایک حدیث نقل کی ہے وہ پہلے جز میں اس سے متفق ہے یعنی ’جو آگے بنے‘ اس سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا کرنا پیش نظر ہے اور جو تمہارے پس پشت ہے، اس کے لئے معصومؑ نے فرمایا خَلۡفَکُمۡ مِنَ الۡعُقُوۡبَۃِ اس سے مراد وہ سزا ہے جو اس پر مرتب ہوگی۔

وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ اَطۡعَمَہٗۤ ٭ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۴۷﴾

’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خیرات کرو اُس سے جو اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے تو وہ کافر ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ کیا ہم کھلائیں اسے جسے اللہ چاہتا تو کھلا ہی دیتا تم نہیں ہو مگر کھلی ہوئی گمراہی میں‘‘۔

غریبوں کی خبرگیری کے خلاف جواب میں دھاندلی

یعنی قدرت کی طرف سے جب ان کی تقدیر میں محتاجی لکھی ہے تو ہم پر ان کے پیٹ بھرنے کی ذمہ داری کیوں کر عائد ہوسکتی ہے۔

اس منطق کو دوسرے لفظوں میں یوں پیش کیا جاسکتا ہے کہ اگر اللہ کو ان کی شکم پری منظور ہوتی تو وہ خود انہیں رزق عطا کرتا جب اس نے انہیں محروم رکھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُسے ان کا بھوکا رکھنا منظور تھا تو پھر ہم انہیں دے کر ان کے پیٹ بھرنے کا سامان کیوں کریں؟[1] مگر یہ غلط ہے اس لئے کہ اُسی نے ان کے اموال میں ان محروموں کا حق قرار دیا ہے تو انہیں اُس کے روکنے کا کیا حق ہے؟

وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ہٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۸﴾ مَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً تَاۡخُذُہُمۡ وَہُمۡ یَخِصِّمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ تَوۡصِیَۃً وَّلَاۤ اِلٰۤی اَہۡلِہِمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۵۰﴾ وَنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَاِذَا ہُمۡ مِّنَ الۡاَجۡدَاثِ اِلٰی رَبِّہِمۡ یَنۡسِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا ٜ ؃ ہٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ وَصَدَقَ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۵۲﴾ اِنۡ کَانَتۡ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً فَاِذَا ہُمۡ جَمِیۡعٌ لَّدَیۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۵۳﴾

---

[1] اذا لم یطعمہ دلّ علی انّہ لم یشا اطعامہ فنحن اذا حقّ بذلک (تبیان)

www.kitabmart.in

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ وعید کب سامنے آئے گا اگر تم لوگ سچے ہو، وہ نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر ایک مہیب آواز کا جو اُنہیں اپنی گرفت میں لے لے اسی عالم میں کہ وہ یونہی جھگڑا کرنے میں مصروف ہوں تو وہ نہ وصیت کر سکیں اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جا سکیں اور صور پھونکا جائے گا تو ایک دم وہ اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف دوڑتے ہوں گے اور کہیں گے وائے ہو ہمارے حال پر، کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اُٹھایا؟ یہ وہ ہے جو خدائے رحمٰن نے وعدہ وعید کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ سچ بتایا تھا۔ نہ تھی سوا ایک مہیب آواز کے جس کے بعد ایک دم وہ ہماری بارگاہ میں حاضر تھے تو آج کسی متنفس کے حق میں کچھ کمی نہ ہوگی اور نہ تمہیں سزا ملے گی سوا اُس کے جو تم اعمال کرتے تھے''۔

قیامت کے جسمانی ہونے پر تمام انبیاء کا اتفاق

حشر میں اٹھائے جانے کے بعد اُن کا یہ قول کہ یہ وہ ہے جو خدائے رحمٰن نے وعید کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ سچ بتایا تھا'' یا ایک تفسیر کے مطابق فرشتوں کا یہ کہنا۔[۱] اس کی دلیل ہے کہ تمام پیغمبروں نے ہمیشہ حشر و نشر کی یہی صورت بتائی ہے جسے تمام مسلمان مانتے ہیں اور ترقی یافتہ آزاد ذہن والے مفکرین جو اس سے الگ کوئی تصور جزا و سزا کا پیش کرتے ہیں، وہ انبیاء مرسلین کی بتائی ہوئی کیفیت کے بہر حال خلاف ہے لہٰذا اسلام میں اس کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِىْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِىْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

''بلاشبہ بہشت والے اس دن اپنے اپنے مشغلے میں خوش ہوں گے، وہ اور اُن کی بیویاں سائبانوں میں تختوں کے چوکوں پر لگے بیٹھے ہوں گے۔ اُن کے لئے اُس میں پھل ہوں گے اور اُن کے لئے جو وہ فرمائش کریں مہیا ہوگی۔ مہربان پروردگار کی زبانی اُن پر سلام ہوگا اور تم الگ ہو جاؤ اے گنہ گارو''!

یدعون کا ترجمہ ''آرزو کریں گے'' کے ساتھ محاورۂ عرب کے مطابق کیا تو جا سکتا ہے مگر اس محاورہ ہی کی بنا پر اس آرزو کے ساتھ دوسرے پر اُس کے اظہار کا جز مضمر ہوتا ہے۔[۲] لہٰذا میں نے ترجمہ میں ''فرمائش'' کے لفظ کو زیادہ مناسب سمجھا ہے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾

---

[۱] قالت الملئکة (علی بن ابراھیم)

[۲] قال ابو عبیدة تقول العرب: ادع علیّ ما شئت ان تمنّ ما شئت (تبیان)

www.kitabmart.in

وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٢﴾

''کیا میں نے تم سے پہلے سے نہیں کہہ دیا تھا اے اولاد آدم کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور یہ کہ میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے اور اس نے (پھر بھی) گمراہ کر دیا تم میں سے بہت سی مخلوق کو تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے''۔

یعنی پہلے سے جانتے تھے کہ یہ تمہارا دشمن ہے جسے خلقت آدم وحوا کے بعد ہی خالق نے بتا دیا تھا اور شیطان کی دشمنی سے ڈرایا تھا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے پھر تم جانتے بوجھتے ہوئے اس کے کہنے میں آ کر گمراہ کیوں ہوئے؟

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٦٤﴾

''یہ ہے وہ دوزخ جس سے تم کو ڈرایا جاتا تھا۔ آج اس کی گرمی کو اٹھاؤ سزا میں اس کی جو تم انکار کرتے تھے''۔

ماضی اور حال کے صیغوں کے اختلاف سے صاف نمایاں ہے کہ وہ دور اور تھا جس میں آج کی خبر دے کر ڈرایا جاتا تھا اور وہ بھی ''جاتا تھا''، ماضی استمراری کے عنوان سے جس کا مطلب یہ ہے کہ برابر ایسا ہوتا رہتا تھا جس میں ایک لاکھ چوبیس ہزار اور قیامت تک کے اُن کے جانشینوں کا دور ہے۔[1] اور یہ اس کے بعد کا دوسرا دور ہے جو ''آج'' ہے اور جس کے مناظر اُن کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٦٥﴾

''آج ہم مہر لگا دیں گے اُن کے دہنوں پر اور بات کریں گے ہم سے اُن کے ہاتھ اور گواہی دیں گے اُن کے پیر اُن اعمال کی جو وہ کرتے تھے''۔

زبانوں کی بجائے ہاتھ پیروں کی گواہی کی نوعیت

یعنی ان کی زبانیں خاموش ہو جائیں گی تو ہاتھ پیر جن کا کام دنیا میں بات کرنا نہ تھا، ان کے خلاف اُن کی بداعمالیوں کی گواہی دے رہے ہوں گے۔[2] اب یہ گواہی کیوں کر دے رہے ہوں گے؟ خالق اُن میں قوت گویائی پیدا کر دے گا؟ یا اُن میں آواز خلق فرما دے گا؟ یہ زبان مقال سے نہیں ہوگا بلکہ کچھ ایسے علامات اُن میں ظاہر ہوں گے جو اُن بداعمالیوں کا ثبوت ہوں؟ جناب شیخ الطائفہؒ نے کہا ہے کہ ان میں سے ہر بات ممکن ہے۔[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کیفیت کے بارے میں یقینی طور پر کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

---

[1] كنتم توعدون بها فى دار التكليف (تبيان و مجمع البيان)
[2] اى نستنطق الاعضاء الّتى لاتنطق فى الدّنيا تشهد عليهم و تختم على افواههم الّتى عهد منها النّطق (مجمع البيان)
[3] كل ذٰلك جائز (تبيان)

www.kitabmart.in

وَلَوۡ نَشَآءُ لَطَمَسۡنَا عَلٰۤى اَعۡيُنِهِمۡ فَاسۡتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ لَمَسَخۡنٰهُمۡ عَلٰى مَكَانَتِهِمۡ فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مُضِيًّا وَّلَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۶۷﴾

''اور اگر ہم چاہتے تو اُن کی آنکھوں کو ناپید کر دیتے پھر وہ دوڑ کر راستہ چلنا چاہتے تو انہیں دکھائی کہاں سے دیتا اور اگر ہم چاہتے تو اُن کی جگہ پر اُنہیں مسخ کر دیتے تو وہ نہ آگے بڑھ سکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے''۔

مطلب یہ ہے کہ رحمت الٰہی اس کی متقاضی ہے کہ مختتم عذاب میں ہو ورنہ سزا دینے کی بہت صورتیں تھیں جن میں سے بعض کا یہاں تذکرہ ہے۔[۱]

وَمَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُنَكِّسۡهُ فِى الۡخَـلۡقِ‌ؕ اَفَلَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۸﴾

''اور جسے ہم زیادہ عمر دیتے ہیں، اُسے خلقت میں اُلٹ دیتے ہیں تو کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے''؟!

پیرانہ سالی کی کیفیت کو یاد دلانے کا مقصد

اُس کی مناسبت گذشتہ آیت کے مضمون سے جو ذکر آخرت کے سلسلہ میں ہے یوں بیان کیا گیا ہے کہ دیکھو جوانی کے بعد بڑھاپا آتا ہے اور طاقتیں کمال کی منزل پر پہنچ کر رو بہ زوال ہو جاتی ہیں جو خدا اس پر قادر ہے، وہ موت کے بعد زندگی دینے پر بھی قادر ہے۔[۲]

مجھے یہ مناسبت کچھ زیادہ ذہن نشیں محسوس نہیں ہوتی۔ ہماری قدیم تفسیر سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق سابق کے سلسلہ کلام سے نہیں ہے بلکہ وہ رد ہے دہریوں کی جو منکر خدا ہے۔[۳] دہریوں کا تصور یہ ہے کہ مادے کے اجزاء ہی ہیں جن کے اجتماع سے کائنات کی تشکیل ہوتی ہے۔ اس کا ایک انداز تھا جو بعد میں ڈارون کے ''فلسفہ نشوو ارتقا'' کی شکل میں نمودار ہوا۔ رد یوں ہے کہ اگر مادہ کی طبیعت میں ترقی ہے تو انسان شباب کے بعد نشیب کی منزل میں کیوں آتا ہے اور پھر کبھی تو یہ عالم ہو جاتا ہے کہ اُس کی تمام فکر و نظر کی طاقتیں بھی مفقود ہو جاتی ہیں۔ یہ مشاہدہ اس کا ثبوت ہے کہ ارتقاء مادہ کا کوئی طبیعی فعل نہیں ہے بلکہ خالق کے فیض وعطا کا نتیجہ ہے اور اس لئے جب چاہتا ہے۔ اس نعمت کو سلب کر لیتا ہے۔

وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لَهٗ‌ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ وَّقُرۡاٰنٌ مُّبِيۡنٌ ۙ‏ ﴿۶۹﴾ لِّيُنۡذِرَ مَنۡ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الۡقَوۡلُ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۷۰﴾

''اور ہم نے انہیں شاعری نہیں سکھائی ہے اور نہ وہ اِن کے لئے زیبا ہے، وہ نہیں ہے سوا یاددہانی اور صاف روشن قرآن کے تاکہ اُسے خوف دلائیں جس میں زندگی ہو اور حجت تمام ہو جائے کافروں پر''۔

---

[۱] المعنٰی ولو نشآء لعذبنا هم بنوع اٰخر من العذاب (مجمع البیان)

[۲] افلا تتدبرون فی انّ الله تعالٰی قادر علٰی اعادۃ کما قدر علٰی ذٰلك (مجمع البیان) افلا یعقلون انّ القادر علٰی ذٰلك المعلوم عندھم قادر علی البعث فیؤ منون (جلالین)

[۳] ردّ علی الزّنادقة الّذین یبطلون التوحید (علی بن ابراهیم)

www.kitabmart.in

عرب جاہلیت کے یہاں معیار فصاحت و بلاغت شعر تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اسالیب بیان پر قدرت کا سرچشمہ شاعری ہے لہٰذا حکمت الٰہی کا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تقاضا یہ تھا کہ آپ کے خداداد کمالات میں شاعری کی جگہ نہ ہو۔ تاکہ آپ جو قرآن پیش فرما رہے ہیں اور وہ فصاحت کے بلندترین نقطہ پر ہے اُس میں یہ شبہ نہ ہو کہ یہ آپ کے ملکہ شاعری کا نتیجہ ہے جس طرح آپ کا معجزہ چونکہ کتاب کی نوعیت کا تھا لہٰذا آپ کو کتابت کے فن سے الگ رکھا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس سے فن کتابت کی کوئی تنقیص نہیں ہوتی، اسی طرح اس سے کہ ''ہم نے ان کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کے لئے زیبا ہے'' اس فن کی کوئی تنقیص مدنظر نہیں جب کہ رسولؐ کے علاوہ دیگر ہمارے معصومینؑ علیہم السلام کی شعرگوئی مسلم ہے اور خود پیغمبرؐ نے اکثر اشعار کی مدح فرمائی اور کچھ شعراء کی ہمت افزائی فرمائی۔

جناب شیخ الطائفہؒ فرماتے ہیں:۔

ما علّمنٰه الشعر لانّه لو علّمناه ذٰلك لدخلت به الشبهة علٰی قوم فی ما اتٰی به من القراٰن و انّه قدر علٰی ذٰلك لما فی طبعه من الفطنة للشعر (تبیان)

ہم نے انہیں شاعری نہیں سکھائی ہے اس لئے کہ اگر ہم انہیں یہ ملکہ عطا کرتے تو اِس سے ایک طبقہ کو شبہ ہوتا اس قرآن میں جسے وہ لائے ہیں اور وہ یہ سمجھتے کہ آپ اس پر قادر ہوئے اس شاعری کے سلیقہ کی وجہ سے جو آپ کی طبیعت میں ہے۔ علامہ طبرسیؒ نے تحریر فرمایا ہے:

قد صحّ انّه کان یسمع الشعر و یحث علیه و قال لحسان بن ثابت لا تزال یا حسان مؤیدا بروح القدس ما نصرتنا بلسانك (مجمع البیان)

یہ بات پایۂ صحت تک پہنچی ہے کہ آنحضرتؐ اشعار سنتے تھے اور شعر کہنے کی ترغیب دیتے تھے اور آپ نے حسان بن ثابت سے فرمایا اے حسان برابر روح القدس تمہیں مدد دیتے رہیں گے جب تک تم اپنی زبان سے ہماری مدد کرتے رہو گے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُن کے لئے پیدا کیا اُن چیزوں میں سے جنہیں ہمارے ہاتھوں نے بنایا چوپایوں کو تو وہ اُنہیں اپنی ملکیت میں رکھتے ہیں اور ہم نے اُنہیں اُن کے قابو میں دیا تو اُن میں سے اُن کی سواری میں کام آنے والے بھی ہیں اور اُن میں بعض میں سے اُن کی غذا بھی ہے اور اُن کے لئے اُن میں مختلف فائدے کی چیزیں اور پینے کے دودھ بھی ملتے ہیں تو وہ کیوں شکرگزار نہیں ہوتے''؟

چونکہ کھانے اور پینے کا جو گوشت اور دودھ سے متعلق چیزیں ہیں، ذکر صراحتاً پہلے اور بعد ہوا ہے اور سوار ہونے کا بھی تو اب جو اُس کے علاوہ مختلف فائدہ والی چیزیں کہا گیا تو یہ پہننے، اوڑھنے اور بچھانے کے کام کی چیزیں ہوں گی جیسے کھال، اون اور بال۔[1]

---

[1] من منافعها لبس اصوافها و اشعارها و اوبارها (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اٰلِـہَۃً لَّعَلَّہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۷۴﴾ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَہُمۡ ۙ وَ ہُمۡ لَہُمۡ جُنۡدٌ مُّحۡضَرُوۡنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا یَحۡزُنۡکَ قَوۡلُہُمۡ ۘ اِنَّا نَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَ مَا یُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۶﴾

"اورانہوں نے اللہ کو چھوڑ کر بہت خدا بنا لئے کہ شاید انہیں مدد مل سکے، وہ اُن کی مدد پر قدرت نہیں رکھتے اور اُن کی پوری فوج اُن کے لئے موجود ہے تو اُن کی باتیں آپ کے لئے رنج کا باعث نہ ہوں، بلا شبہ ہم جانتے ہیں اُسے جو وہ چھپاتے ہیں اور اُسے جو وہ ظاہر کرتے ہیں"۔

"اُن کی پوری فوج اُن کے لئے موجود ہے" کس کی فوج کس کے لیے؟ بعض نے پہلی ضمیر بتوں کی طرف پلٹائی ہے اور دوسری بُت پرستوں کی طرف جس سے اُن بتوں کی کثرت کا اظہار ہے۔[1] اور مُحۡضَرُوۡنَ "ان کے لئے موجود ہے" اس کا مطلب یہ کہا گیا ہے کہ وہ بھی اُن کے ساتھ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔[2] دوسری تفسیر یہ ہے کہ پہلی ضمیر بت پرستوں کی طرف راجع ہے اور دوسری بتوں کی طرف مطلب یہ ہے کہ وہ بت تو اُن کی پوری فوج اُن بتوں کی مدد کے لئے کمر بستہ رہتی ہے۔[3] حقیقت یہ ہے کہ باتیں بحیثیت واقعہ یہ سب درست ہیں، وہ بت ان کے واقعی اتنی کثرت کے ساتھ ہیں کہ ایک اچھی خاصی فوج کی حیثیت رکھتے ہیں مگر باوجود اس کثرت کے انہیں فائدہ نہیں دے سکتے۔ یہ بھی قرآن مجید کی دوسری آیتوں سے ثابت ہے کہ وہ بت بھی اُن کے ساتھ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور ان کے سامنے وہاں حاضر و موجود ہوں گے۔ یہ بھی کہ یہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ہر وقت اُن بتوں کی حمایت پر کمر بستہ رہتے ہیں مگر یہ بھی اُنہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ سب باتیں ٹھیک ہیں۔[4] اور ہر ایک پر الفاظ قرآنی بلاتکلّف منطبق ہیں مگر الفاظ قرآن سے بوقت واحد دونوں رخ مراد نہیں ہو سکتے لہٰذا یہ کہ مراد الٰہی ان الفاظ سے کیا ہے؟ اس کے لئے ہم العلم عند اللہ کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے۔

اَوَ لَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۷﴾ وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلۡقَہٗ ؕ قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَ ہِیَ رَمِیۡمٌ ﴿۷۸﴾ قُلۡ یُحۡیِیۡہَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ وَ ہُوَ بِکُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمُۨ ﴿۷۹﴾ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنۡتُمۡ مِّنۡہُ تُوۡقِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾ اَوَ لَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

---

[1] ایں بتاں برای ایشاں لشکری حاضر کردہ شدہ اند (شاہ ولی اللہ)
[2] محضرون فی النّار معھم (جلالین)
[3] ھم لھم ای للآلھۃ جند محضرون (علی بن ابراھیم) قال قتادۃ یعنی ھم یغضبون للاوثان فی الدّنیا (تبیان)
[4] فلا الجند یدفعون عنھا الاحراق ولا ھی تدفع عنھم العذاب (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾

''کیا آدمی نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُسے نطفے سے پیدا کیا جس کے بعد اب وہ زیادہ بحث کرنے والا ہے اور اس نے ہمارے لئے ایک مثال پیش کی اور خود اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ کون زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جب کہ وہ بالکل بوسیدہ ریزہ ریزہ ہیں؟ کہیئے کہ انہیں زندہ کرے گا وہی جو انہیں پہلی دفعہ وجود میں لا یا تھا اور وہ ہر مخلوق سے خوب واقف ہے وہ جس نے تمہارے لئے سرسبز و شاداب درخت سے آگ پیدا کی تو ایک دم تم اُسے سلگا کر بھڑکاتے ہو، کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان کے ایسے اور پیدا کردے؟ کیوں نہیں جب کہ وہ بڑا پیدا کرنے والا بڑا جاننے والا ہے''۔

مشرکین کے اعتراض کی نوعیت جو معاد جسمانی کا ثبوت ہے

مشرکین کے اعتراضات و استبعادات جو جابجا قرآن مجید میں موجود ہیں اور جس جس طرح قرآن نے ان کا جواب دیا ہے اور مثالوں سے واضح کیا ہے، سب اُسی معاد کی قطعی دلیل ہیں جسے عام مسلمان مانتے ہیں۔ نہ جو ترقی پسند فلسفی قسم کے بخیال خود ''ذی علم مسلمان'' اُس کا تصور پیش کرتے ہیں۔

اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

''اس کی بات تو بس یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو چاہتا ہے، کہہ دیتا ہے ''ہوجا'' اور فوراً ہی وہ ہو جاتی ہے تو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اقتدار ہے اور اُسی کی طرف تم پلٹ کر جاؤ گے''۔

یوں الگ سے بھی ان آیات کا مفہوم مکمل ہے جس کے تمام اجزاء دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں موجود ہیں لیکن گذشتہ سلسلۂ کلام کے ربط سے یہ اُس کا تتمہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو ہر بات پر قادر اس طرح کہ اُس کے ارادہ کے ساتھ ہی جو اُس کا مقصد ہو، وہ بلا فاصلہ وجود میں آجائے تو دوبارہ اس خلق کا وجود میں لانا اُس کے دائرہ قدرت سے باہر کیوں کر سمجھا جا سکتا ہے۔[1]

---

[1] من قدّر علیٰ کلّ شئی قدر علیٰ احیاء العظام الرّمیم و علیٰ خلق کلّ شئی و افنائه و اعادته (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ

مکّیہ۔۔۔۔۱۸۲۔۔۔۔آیات

اس سورہ میں بسم اللہ کے بعد پہلا ہی لفظ ''والصافات'' ہے اسی پر اس کا نام ہو گیا۔

سورۂ صافات کے خاص خاص مضامین:

۱۔خدا مشرقوں کا پروردگار ہے جس سے مشرقوں کی کثرت اور ضمناً سورجوں کی کثرت ظاہر ہوتی ہے جس سے تھوڑے ہی عرصے پہلے تک دنیا بے خبر تھی۔

۲۔سیاروں کے ذریعے شیطانوں کے لئے عالم بالا پر جانے سے رکاوٹ کا سامان اور ''شہاب ثاقب'' کا تیر باران۔

۳۔پیشواؤں اور پیرووں کی ایک دوسرے کو لعنت ملامت جس کا ذکر طرح طرح سے قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی ہے۔

۴۔اہل بہشت کی بہشت میں جانے پر بالیدگی اور آپس کی گفتگو۔

۵۔بہشت سے دوزخ کا منظر دیکھنے کا امکان اور منکر آخرت کے انجام کا مشاہدہ۔

۶۔درخت زقّوم کا ذکر جو اس کے بعد سورۂ واقعہ میں بھی ہے۔

۷۔حضرت نوحؑ کی فریاد اور اس کی بنا پر خالق کا اُنہیں اور اُن کے ساتھ والوں کو نجات دینا۔

۸۔حضرت ابراہیمؑ کی اپنی قوم سے گفتگو، پھر بت شکنی اور نتیجتاً آگ میں پھینکا جانا۔

۹۔قربانی جناب اسماعیلؑ کا مفصل تذکرہ اور فدیہ کا آنا۔

۱۰۔ذبح عظیم۔

۱۱۔جناب الیاسؑ کا ذکر۔

۱۲۔جناب یونسؑ کا ذکر اور آپ کی قوم کی کثرت تعداد، عذاب آنے کے بعد اس کا رد ہونا اور اُن کا ایمان لانا۔

۱۳۔متعدد انبیاء پر باری باری سلام۔

۱۴۔نتیجہ میں پیغمبروں کے مشن کی مختتم کامیابی کا اعلان جس کا پورا نتیجہ سامنے آنا باقی ہے اور اُسی کا اہل ایمان کو انتظار ہے۔

۱۵۔ختم سورہ پر وہ آیات جو بطور آداب تلاوتِ قرآن کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''

www.kitabmart.in

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾

''قسم ہے پورے طور پر صف باندھنے والی ہستیوں کی، پھر بڑی شدت کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کرنے والیوں کی، پھر ذکر الٰہی کی تلاوت کرنے والیوں کی کہ یقیناً تمہارا خدا ایک ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور اُن کے درمیان کی چیزوں کا مالک اور تمام مشرقوں کا پروردگار ہے''۔

آفتابوں کی کثرت

یہ اوصاف جنہیں سرنامہ قرار دے کر قسم کھائی گئی ہے، بظاہر فرشتوں سے متعلق ہیں جو مختلف فرائض اور انتظامات پر مامور ہیں۔

ان کے وصف ''صف بستہ'' میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ عبادات الٰہی میں صف بستہ رہتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اپنے پر و بال کو ملا کر ہوا میں پرواز کرتے ہیں۔[۱] اور ڈانٹ ڈپٹ سے مراد یہ لی گئی ہے کہ وہ بادلوں کو ڈانٹ ڈانٹ کر اُن کے راستوں پر لگاتے ہیں۔ (۱) مگر ہماری قدیم تفسیر جو اکثر و بیشتر روایات معصومینؑ پر مبنی ہے، یہ بتلاتی ہے کہ اس میں انبیاء و مرسلین اور تمام عبادات گزار فرض شناس بھی داخل ہیں کہ وہ عبادات الٰہی میں صف بستہ ہوتے ہیں اور ہر ایک کو معاصی الٰہیہ پر نہی عن المنکر کے طور پر حسب ضرورت ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیتے ہیں۔[۲]

آیات مذکورہ کے آخر میں جو ہے: ورب المشارق ''تمام مشرقوں کا پروردگار'' تو جب تک دنیا کا یہ تصور تھا کہ سورج بس ایک ہے اور اس لئے منطق میں اس کلی کے لئے جو فرد واحد میں منحصر ہو، مثال میں آفتاب ہی کا نام لیا جاتا تھا، اس وقت تک علمائے تفسیر مجبوراً ''تمام مشرقوں'' سے مراد اسی آفتاب کے موسموں کے اختلاف کے ساتھ مختلف نقاط سے طلوع ہونے کے مقامات لیتے تھے۔[۳] مگر اب جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ جتنے تارے ثوابت کہلاتے ہیں، وہ سب درحقیقت اپنے اپنے نظام سیارات کے لئے آفتاب کی حیثیت رکھتے ہیں تو اب مشرقوں کی کثرت کا تصور بالکل آسان ہو گیا ہے اور تیرہ سو برس پہلے ہمارے رہنمایان دین نے بھی آفتابوں کی کثرت کا پتہ دے دیا تھا۔[۴]

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ

[۱] اختلف فی معنی الصّافات علی وجوہ احدھا انّھا الملائکۃ تصفّ انفسھا صفوفاً فی السّماء کصفوف المؤمنین فی الصّلوٰۃ وثانیھا تصفّ اجنحتھا فی الھواء (مجمع البیان)

[۲] الملئکۃ نزجوا السحاب (جلالین)

[۳] الملئکۃ والانبیاء ومن یصفّ للہ وعبدہ فالزّاجرات زجراً الّذین یزجرون الناس والتّالیات ذکراً الذین یقرءون الکتاب (علی بن ابراھیم)

[۴] لھا کلّ یوم مشرق ومغرب (جلالین)

www.kitabmart.in

عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

''بلاشبہ ہم نے نیچے والے آسمان کو آراستہ کیا خاص آرائشی ستاروں سے اور حفاظت کے واسطے ہر سرکش شیطان سے، وہ کان نہیں لگا سکتے عالم بالا کی باتوں کی طرف اور اُنہیں تیر پڑتے ہیں ہر طرف سے دفع کرنے کے لئے اور اُن کے لئے لازمی سزا ہے سوا اُس کے جو ایک دم اچک لے جائے تو اس کا پیچھا کرتا ہے ایک ٹوٹنے والا تارا''۔

دوسرے آیات قرآنی کی بنا پر عام طور سے ذہن میں یہی رہا ہے کہ ''شہاب ثاقب'' جو ٹوٹنے والے تارے ہیں، انہی کو شیطانوں کے لئے آسمانوں پر جانے سے رکاوٹ کا ذریعہ بنایا گیا ہے اور وہی وہ تیر ہیں جو شیطانوں پر پڑتے ہیں مگر یہاں کے مذکورہ آیات میں ستاروں کو جو آسمانوں کی آرائش کا ذریعہ ہیں۔ شیطان سے حفاظت اور عالم بالا کی باتوں کے سننے سے رکاوٹ کا ذریعہ بتانے کے بعد ''شہاب ثاقب'' یعنی ٹوٹنے والے تارے کا ذکر الگ سے کیا گیا ہے کہ وہ آسمانی راز کو اچک لے جانے کے بعد شیطان کا پیچھا کرتا ہے۔ یہ اجمالی طور پر قرآن کا مفہوم یقینی ہے لیکن اُس کی تفصیلی کیفیت سمجھنا ہمارے بس کی بات معلوم نہیں ہوتی۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

''تو اُن سے خود پوچھو کیا وہ خلقت میں زیادہ طاقت ور ہیں یا اور جو ہم نے پیدا کیے؟ ان کو ہم نے لیسدار مٹی سے پیدا کیا مگر آپ حیرت میں ہیں اور وہ مذاق اڑاتے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اثر نہیں لیتے اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ہنسی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہے کچھ سوا کھلے ہوئے جادو کے، کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈیوں کی شکل میں ہوں گے تو ہم زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے پہلے کے باپ دادا بھی؟ کہئے کہ ہاں اور تم ذلیل وخوار ہوگے بس وہ ایک نعرہ ہوگا جس کے بعد وہ ایک دم دیکھ رہے ہوں گے اور کہیں گے کہ ارے وائے ہو ہم پر یہ جزا وسزا کا دن ہے؟ (ہاں) یہ وہ فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے''۔

''آپ حیرت میں ہیں اور وہ مذاق اڑاتے تھے'' یعنی اتنے کھلے ہوئے دلائل حقانیت کے ہوتے ہوئے اُن کا انکار ایسی خلاف توقع

www.kitabmart.in

بات ہے کہ آپ حق بجانب طور پر اُس سے حیرت میں ہیں کہ یہ ایسی کھلی ہوئی حقیقتوں کو تسلیم نہیں کرتے اور اُن کی بوا لعجبی یہ ہے کہ وہ آپ کی اس حیرت پر آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔[۱]

اُن کا یہ کہنا کہ جب ہم مرجائیں گے اور خاک اور ہڈیوں کی شکل میں ہوں گے تو کیا ہم زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے، جو یہیں نہیں بلکہ ذرا ذرا سے اختلاف الفاظ کے ساتھ متعدد جگہ ہے اور ہر جگہ ہم نے اس پہلو پر توجہ دلائی ہے، یہ اس کی دلیل ہے کہ انبیاؑ مرسلین قیامت کا جو تصور پیش کرتے تھے، وہ یہی تھا جسے عام مسلمان متفقہ طور پر مانتے ہیں اور فلسفی حضرات یا اس زمانے کے بخیال خود روشن خیال جس جس طرح اُس کا تصور پیدا کرتے ہیں، وہ تعلیم انبیاء کے خلاف ہے، ورنہ قرآن کا اُن کے استعبادات کے جواب میں یہ کہہ دینا کافی تھا کہ ہم کب کہہ رہے ہیں کہ یہ جسم بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ اٹھایا جائیگا؟ بس جھگڑا ختم ہوجاتا مگر قرآن طرح طرح سے یہی سمجھا رہا ہے کہ ہاں ایسا ہی ہوگا اور وہ قدرتِ الٰہی سے بعید نہیں ہے۔

اُحۡشُرُوا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا وَاَزۡوَاجَهُمۡ وَمَا كَانُوۡا يَعۡبُدُوۡنَ ۝۲۲ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ
فَاهۡدُوۡهُمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡجَحِيۡمِ ۝۲۳ وَقِفُوۡهُمۡ اِنَّهُمۡ مَّسۡئُوۡلُوۡنَ ۝۲۴ مَا لَـكُمۡ لَا
تَنَاصَرُوۡنَ ۝۲۵ بَلۡ هُمُ الۡيَوۡمَ مُسۡتَسۡلِمُوۡنَ ۝۲۶

''اکھٹا کرکے لے جاؤ ان کو جو ظلم کرتے رہے، اُن کے تمام ہم جنسوں اور اُنہیں جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو اُنہیں راستہ دکھاؤ دوزخ کا اور ٹھہراؤ انہیں۔ یقیناً اُن سے پوچھ گچھ ہوگی کہ کیا بات ہے اب تم ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کرتے بلکہ وہ تو اب سر جھکائے ہوئے ہیں''۔

یہ تفصیلات دیکھیے اور اپنے ضمیر سے فیصلہ لیجئے کہ کیا ان میں کسی تاویل، مجاز اور استعارہ کے تصور کی گنجائش ہے؟

اَلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا کے ساتھ جو ہے: وَاَزۡوَاجِهِمۡ اُس کے کھلے ہوئے معنی تو ہیں ''اور اُن کی بیویوں کو'' جو ایک قول ہے مگر اہل تحقیق کی اکثریت نظائرِ قرآنی کی مدد سے اُس کا مفہوم یہ لیتی ہے کہ یہ ہر گنہ گار کو اُس کے قبیل کے دوسرے مجرموں کے جتھے میں محشر میں لائے جانے کا حکم ہے۔[۲] اور اسی لحاظ سے ہم نے ترجمہ کیا ہے۔

وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ۝۲۷ قَالُوۡۤا اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَاۡتُوۡنَنَا عَنِ
الۡيَمِيۡنِ ۝۲۸ قَالُوۡا بَلْ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ۝۲۹ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ
سُلۡطٰنٍ‌ ۚ بَلۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا طٰغِيۡنَ ۝۳۰ فَحَقَّ عَلَيۡنَا قَوۡلُ رَبِّنَآ ‌ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوۡنَ ۝۳۱

---

[۱] عجبت یا محمد رضی اللہ عنہا من تکذیبھم ایاک وھم یسخرون من تعجبک (مجمع البیان)

[۲] فیکون معنی ان صاحب الزّنا یحشر مع اصحاب الزّنا وصاحب الخمر مع اصحاب الخمر الی غیر ھم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

فَاَغۡوَیۡنٰکُمۡ اِنَّا کُنَّا غٰوِیۡنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّہُمۡ یَوۡمَئِذٍ فِی الۡعَذَابِ مُشۡتَرِکُوۡنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا کَذٰلِکَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۴﴾

''اوراُن میں سے ایک دوسرے کی طرف مڑا آپس میں سوال وجواب کرتے ہوئے، کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس دائیں جانب سے آتے تھے۔انہوں نے کہا بلکہ تم ایمان لانے کے لئے تیار ہی نہ تھے اور ہمیں تم پر کوئی زور تھوڑی تھا تو ہم پر ہمارے پروردگار کی بات پوری ہوگئی۔اب ہم بھی مزہ چکھ رہے ہیں، تو ہم نے تمہیں بہکایا، بے شک ہم خود بھی بہکے ہوئے تھے۔اس طرح وہ سب عذاب میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں، یقیناً ہم ایسا ہی کرتے ہیں گنہ گاروں کے ساتھ''۔

''دائیں'' اور ''بائیں'' کو عربی میں یمین ویسار اور یمین و شمال کہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ جسے اُس کا نامۂ عمل بائیں دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور اُس کے مقابل میں: من اوتی کتابہ بشمالہ ''جسے اُس کا نامۂ عمل بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور نجات یافتہ گروہ کو اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ'' اور دوسروں کو اصحاب الشمال کہا گیا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یمین یعنی دائیں جانب ''یمن وبرکت'' اور خیر وفلاح کی علامت ہے تو یہاں جو کہا گیا ہے کُنۡتُمۡ تَاۡتُوۡنَنَا عَنِ الۡیَمِیۡنِ ''تم ہمارے اس دائیں جانب سے آتے تھے'' اس کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ تم اس طرح ہمیں نصیحت کے انداز میں سمجھاتے تھے کہ جیسے وہ بڑے خیر وبرکت کی باتیں ہیں۔[۱]

دوسرا تصور یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں قوت ہوتی ہے تو مطلب یہ ہے کہ تم بڑے زور وشور سے ہمارے گمراہ کرنے کو آتے تھے۔[۲] مگر میرے نزدیک اس صورت میں تاتو ننا بالیمین ہوتا جیسا کہ دوسری جگہ قرآن میں ہے: فَرَاغَ عَلَیۡہِمۡ ضَرۡبًۢا بِالۡیَمِیۡنِ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے بڑے زور سے اُن بتوں پر ضرب لگائی، مگر یہاں عن الیمین ہے۔ یہ عن کا لفظ سمت ہی کا اظہار کرتا ہے۔

علامہ طبرسیؒ نے یہ دونوں مطلب بغیر کسی تبصرہ کے درج کر دیئے ہیں۔

تیسرا مطلب جو مجھے کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے، یہ کہا گیا ہے کہ دائیں میں بایاں بھی داخل ہے مطلب یہ ہے کہ ادھر اُدھر ہر طرف سے تم آکر ہمیں گھیرتے تھے اور گمراہ کرتے تھے۔[۳]

آخر میں چوتھا مطلب جو ہے، وہ اس پر مبنی ہے کہ یمین یہ دائیں بائیں والا ہے ہی نہیں بلکہ وہ قسم کے معنی میں ہے یعنی قسمیں کھا کھا کر تم ہمیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتے تھے اور اُسے عَنۡ کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے جو سمت کو بتلاتا ہے یوں کہا گیا ہے کہ تم قسموں کے رخ سے ہماری طرف آتے تھے تاکہ ہم تم پر اطمینان کر لیں۔[۴] یہ بھی کچھ زبردستی کی ذہنی کاوش معلوم ہوتی ہے۔

---

[۱] العرب تتیمّن بما جاء من جهة الیمین (تبیان)

[۲] یعنی ہم پر چڑھے آتے تھے بہکانے زور سے اور رعب سے۔داہنا ہاتھ زور کا ہے۔(موضح القرآن)

[۳] یعنی واز جانب چپ نیز بجهت گمراہ کردن (فتح الرحمن)

[۴] عن الیمین عن الجهة الّتی کنّا نامنکم منها بحلفکم انّکم علی الحق (جلالین)

www.kitabmart.in

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا
لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ
لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ
اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

”وہ ایسے لوگ تھے کہ جب اُن سے کہا جاتا تھا سوا اللہ کے کوئی خدا نہیں تو وہ گھمنڈ سے کام لیتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے خداؤں کو ایک دیوانے شاعر کی خاطر سے چھوڑ دیں؟ بلکہ وہ حق کے ساتھ آیا ہے اور اس نے پیغمبروں کی سچائی ثابت کی ہے۔ یقیناً تم لوگ دردناک عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو اور تمہیں سزا نہیں ملے گی سوا اُس کے جو تمہارے اعمال تھے مگر اللہ کے نکھارے ہوئے بندے“۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾
عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ
لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ
عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

”یہ وہ ہیں جن کے واسطے معینہ روزی ہے طرح طرح کے پھل اور وہ نوازے ہوئے ہیں باغہائے بہشت میں تختوں پر ایک دوسرے کے مقابل، اُن پر لطیف شراب کے جام گردش کر رہے ہوں گے سفید سفید پینے والوں کے لئے سراسر لذت، نہ اُس میں بدحواسی ہے اور نہ اُس سے اُن میں بہکنے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اُن کے پاس نگاہوں کو مقید رکھنے والی بڑی آنکھوں والیاں ہوں گی جو پردوں میں چھپے ہوئے شترمرغ کے انڈوں کی سی ہوں گی“۔

ہمارے ہندوستانی مذاق میں حسین چہرے کے رنگ کی تعریف سرخ و سفید ہوتا ہے، عرب میں زردوسفید رنگ بہت اچھا سمجھا جاتا تھا اور شترمرغ کے انڈوں کا رنگ ایسا ہی ہوتا ہے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ
قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ
تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ

www.kitabmart.in

بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾

''تو اُن میں کا ایک دوسرے کی طرف مڑے گا آپس میں سوال و جواب کرتے ہوئے، اُن میں سے ایک نے کہا کہ میرا ایک رفیق تھا، وہ کہتا تھا کہ کیا تم سچ مانتے ہو کہ جب ہم مرجائیں گے اور خاک اور ہڈیوں کی صورت میں ہوں گے تو کیا ہمیں جزا وسزا ملے گی؟ کہے گا کہ کیا تم جھانک کر دیکھو گے؟ اب اُس نے جھانک کر دیکھا تو اُسے بیچوں بیچ دوزخ میں پایا، کہا خدا کی قسم تو مجھے ہلاک کیا ہی چاہتا تھا اور اگر میرے پروردگار کا فضل و کرم نہ ہوتا تو میں بھی اسی گروہ میں موجود ہوتا تو (اب بتا) کیا ہم نہیں مرنے والے ہیں مگر بس پہلی دفعہ والی موت اور کیا ہم سزا پانے والوں میں نہیں ہیں''؟

صاف یہ آیت جزا وسزا کے اُسی تصور کی تصدیق کرتی ہے جو عموماً مسلمانوں کے مذہبی طبقے میں عوام اور تقریباً تمام خواص میں مسلّم ہے اور ضروریات دین اسلام میں سے ہے اور اب ہر فلسفی قسم کا تصور کتنے ہی ترقی یافتہ غلافوں میں لپیٹ کر اس کے علاوہ پیش کیا جائے، قرآن مجید کے انہی تازیانوں کی زد میں ہوگا، جن کا اس مکالمے کی شکل میں اُس جزا وسزا کی تکذیب کرنے والوں یا مشکوک بنانے والوں کی تنبیہ کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾

''بلاشبہ یہ ہے بڑی کامیابی، یہ ایسی چیز ہے جس کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے کیا یہ مہمانی کے طور پر بہتر ہے یا زقوم کا درخت؟ یقیناً ہم نے اُسے مصیبت بنایا ہے ظالموں کے لئے۔ وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی تہہ سے برآمد ہوتا ہے، اُس کی پھنگی ایسی ہے جیسے شیطانوں کے سر۔ وہ اُس میں سے کھائیں گے تو اُس سے پیٹ بھریں گے، پھر اُن کے لئے اُس پر سے گرم پانی کی آمیزش ہوگی پھر اُن کی دوزخ کی طرف بازگشت ہوگی''۔

''یہ'' یعنی آخرت کی جزاوسزا کا تصور اس دنیا میں قائم رکھنا جو منکر معاد سے تخاطب میں سابق کے آیات سے نمایاں ہوتا ہے اور اُس کے نتیجہ میں وہ جزاء جس کا بطور سامان ضیافت اُس سے قبل کے آیات میں ذکر آیا ہے، بہت بڑی کامیابی ہے اور پھر ایک تازیانۂ تنبیہ کے طور پر یہ سوال ہے کہ یہ سامانِ ضیافت اچھا ہے یا وہ سامان جس کا بطور سزا بعد میں ذکر ہو رہا ہے؟

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ

www.kitabmart.in

أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٧١﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِم مُّنذِرِينَ ﴿٧٢﴾ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴿٧٣﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٧٤﴾

''اُنہوں نے اپنے باپ داداؤں کو گمراہ پایا تو وہ بھی بے تحاشا اُنہی کے نقش قدم پر دوڑتے رہے حالانکہ ان کے پہلے والے زیادہ تر لوگ گمراہ ہی تھے اور بے شک ہم نے اُن میں خوف دلانے والے (پیغمبر) بھیجے تھے تو دیکھو کیا انجام ہوا اُن کا جنہیں خوف دلایا گیا تھا سوا اللہ کے اُن بندوں کے جو نکھارے ہوئے ہیں''۔

''باپ دادا گمراہ تھے'' تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اُن کے پیچھے دوڑنے سے گمراہ ہی قرار پائیں گے اور اس پر اُن کا سرمایہ استدلال فقط باپ دادا کی اندھا دھند تقلید تھی جیسا کہ اُن کا قول قرآن مجید میں کئی جگہ یہی نقل ہوا ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو یہی کرتے دیکھا اور دیکھا جائے تو ہر دور میں باطل پرست عوام اپنے عمل کی صحت کے لئے یہی دلیل پیش کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿٧٥﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿٧٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٧٨﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿٧٩﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٨٢﴾

''اور ہمیں صدا دی نوح نے تو کتنے اچھے ہم لبیک کہنے والے تھے اور ہم نے اُنہیں اور اُن کے گھر والوں کو سخت تکلیف سے نجات دی اور اُن کی نسل ہی وہ تھی جنہیں ہم نے قائم و برقرار رکھا اور اُن کا ذکر خیر بعد والوں میں باقی رکھا۔ سلام ہو نوح پر تمام جہانوں میں۔ اسی طرح ہم اچھے کردار والوں کو جزا دیتے ہیں بلا شبہ وہ ہمارے باایمان بندوں میں سے تھے، پھر دوسروں کو ہم نے غرق کر دیا''۔

تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ جو اس سورے میں برابر ہر تذکرہ کے بعد آیا ہے، اس کا یہ ترجمہ کہ ''اُن کا ذکر خیر ہم نے بعد والوں میں باقی رکھا''۔ یہ ایک تفسیر کے مطابق ہے جو مجھے ذہن سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔[1]

دوسرا مفہوم یہ کہا گیا ہے کہ ہم نے اُن کے لئے آخری زمانہ والوں میں یہ شرف رکھا کہ اُن پر سلام ہوگا یعنی یہ جملہ ہر رسول کے تذکرہ کے بعد اُس کی تمہید ہے جس پر یہ ذکر ختم ہوا ہے۔

وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ﴿٨٣﴾ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٤﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٨٥﴾ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ

[1] ای ترکنا علیہ ذکرا جمیلا واثنینا علیہ فی امّۃ محمّد ﷺ عن ابن عباس و مجاھد وقتادۃ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾

''اور اُنہی کے پیروں میں ابراہیم تھے، جب وہ اپنے پروردگار کے سامنے آئے صحیح وسالم دل لئے ہوئے جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم والوں سے کہا کہ تم کا ہے کی عبادت کرتے ہو؟ کیا اللہ کو چھوڑ کے دوسرے خداؤں کو تم نے مقصود بنالیا ہے تو کیا خیال ہے تمہارا تمام جہانوں کے پروردگار کے بارے میں''؟

ترتیب لفظی کے لحاظ سے وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ کی ضمیر حضرت نوحؑ کی طرف راجع ہے کہ جو ہر مقصد کے لحاظ سے اُنہی کے راستے کے سالک حضرت ابراہیمؑ بھی تھے اور اس سے حضرت نوحؑ کی افضلیت حضرت ابراہیمؑ سے ضروری طور پر ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ حقیقت میں سب پیرو، اس حق کے ہیں جو ازل سے ایک ہی ہے اور اُسی کے پیرو تمام انبیا و مرسلین ہیں لہٰذا ترتیب زمانی کے لحاظ سے ہر بعد والے کو قبل والے کا پیرو کہنا درست ہے۔ نوحؑ کو کہہ دیجئے کہ آدمؑ کے پیرو تھے تو اس سے حضرت آدمؑ کی باعتبار فضیلت اوصافِ کمال بلندی کا اظہار مقصود نہ ہوگا۔ اسی طرح حضرت نوحؑ کا پیرو حضرت ابراہیمؑ کو کہہ دیا ہے تو اس سے باعتبار فضیلت حضرت نوحؑ کی برتری ثابت نہیں ہوتی اور اسی صورت سے ہمارے رسولؐ کو مخاطب کر کے قرآن مجید میں جو ارشاد ہوا ہے:۔

وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا:۔ پیروی کیجئے ابراہیم کی ملت کی جو غلط راستوں سے ہٹے ہوئے تھے۔

اس سے جناب ابراہیمؑ کی افضلیت کا اظہار مقصود نہیں ہے جب کہ حقیقت ثابت یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے قبل کے پیغمبروں سے افضل و برتر ہیں اور ہمارے پیغمبرؐ بلا استثناء افضل الانبیاء والمرسلین ہیں۔

ایک قدیم مفسر نے غالباً ترتیب آیات کو لازمی طور پر موافق تنزیل نہ سمجھتے ہوئے جو ایک حقیقت ثابت ہے من شیعته کی ضمیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرف راجع کی ہے اور ہمارے یہاں کے بعض روایات میں ضمیر حضرت امیر علی بن ابی طالبؑ کی طرف راجع بتائی گئی ہے۔[۱] بہر حال نتیجہ سب کا ایک ہے جب کہ اصل راستہ سب ہی کا متحد ہے۔ آخر میں جو ہے ''تو کیا خیال ہے تمہارا تمام جہانوں کے پروردگار کے بارے میں'' اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ تم جو اُس کے ساتھ شریک کر رہے ہو تو کبھی یہ سوچو کہ وہ جو خالق کائنات اور اصل پروردگار ہے، اس کی تمہیں کیا سزا دے گا؟

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کیا تم نے اُسے ایسا ہی عاجز و قاصر سمجھ رکھا ہے جیسے تم نے بت بنا رکھے ہیں یہ دونوں مفہوم اس جملے کے بیان کیے گئے ہیں۔[۲]

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ

---

[۱] قال الفراء معناد وانّ من شیعته محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم لابراهیم وقدوری عن اهل البیت علیهم السلام انّ من شیعته علیّ لابراهیم (تبیان)

[۲] ای لیصنع بکم مع عبادتکم غیره ___ وقیل ماتظنّون بربکم انّه علی ایّ صفة ___ حین شبهتم بهٰذه الاصنام (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اِلٰۤى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًاۢ بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْۤا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

''اس کے بعد اُنہوں نے ستاروں پر ایک نگاہ ڈال کر کہا کہ میں بیمار پڑنے والا ہوں، اس پر وہ لوگ پیٹھ پھرا کر اُن کے پاس سے چلے گئے، تب انہوں نے اُن کے خداؤں کی طرف پوشیدہ طور پر رخ کیا، کہا کیوں تم کھاتے نہیں تمہیں کیا ہے کہ تم بولتے نہیں؟ اس کے بعد اُن کی طرف متوجہ ہوئے مارتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ سے تو وہ لوگ اُن پر ٹوٹ پڑے۔ اُنہوں نے کہا کہ کیا تم لوگ عبادت کرتے ہو اُس کی جو تم خود تراشتے ہو حالانکہ اللہ نے پیدا کیا ہے تمہیں بھی اور انہیں بھی جو تم بناتے ہو''۔

ستاروں کی طرف نگاہ ڈالنے کے پس منظر کے لئے جلالین نے لکھا ہے:۔

وکانو انّجامین : وہ لوگ نجومی تھے۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:۔

''وہ لوگ نجومی تھے، اُن کے دکھانے کو تاروں کی طرف دیکھ کر کہا یا نجوم کی کتاب میں دیکھ کر کہا میں بیمار ہوں یا ہوا چاہتا ہوں (موضح القرآن)

اب کون کہہ سکتا ہے کہ جناب ابراہیمؑ کو اس کے بعد کسی طرح کی علامت پیدا نہیں ہوئی مگر صحیح بخاری میں حضرت ابراہیمؑ کے لئے یہ آ گیا ہے کہ کذب ثلٹ کذبات'' انہوں نے (معاذ اللہ) تین جھوٹ بولے اُن میں سے ایک موقع یہ ہے۔ بہرحال صحیح بخاری پر ایمان رکھنے والے اپنے ایمان کے ذمہ دار ہیں۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ انبیاء ومرسلین معصوم ہوتے ہیں اور دروغ بیانی معیار عصمت کے خلاف ہے۔ اس لئے ہم اس روایت کو قبول کرنے سے قاصر ہیں۔ [۱]

جناب شاہ صاحب رقم طراز ہیں کہ:۔

''یہ ایک جھوٹ ہے اللہ کی راہ میں، عذاب نہیں ثواب ہے'' (موضح القرآن)

ہم تو جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا اسے جھوٹ ماننے کے لئے تیار ہی نہیں اور ایسی حدیث کو جو خلیل حق کی طرف جھوٹ کی نسبت دے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ مگر سچائی کے بلند بانگ دعویداروں کو جو تقیہ کو جھوٹ کہہ کر جماعت شیعہ پر اعتراض کیا کرتے ہیں، شاہ صاحب کے اس افادۂ عالیہ کو یاد تو رکھنا ہی چاہیے کہ جھوٹ بھی کبھی اللہ کی راہ میں ہوتا ہے اور وہ عذاب نہیں ثواب ہوتا ہے۔ جناب ابراہیمؑ کا بتوں سے بطور طنز واستہزاء یہ کہنا کہ ''کیوں! تم کھاتے نہیں ہو'' اس کا پس منظر یہ بتایا گیا ہے کہ اُس دن ان کا کوئی تہوار تھا جس میں وہ عیدگاہ گئے ہوئے تھے اور کھانا بتوں کے سامنے رکھ گئے تھے بطور تبرک کہ جب وہ واپس آئیں گے تو اس کھانے کو سب کھائیں گے۔

---

[۱] لا یجوز ذٰلک علی الانبیاء لانّہ یرفع الثقۃ بقولھم جلّ امناء اللہ تعالیٰ واصفیاءہ عن ذلک (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

''اُن لوگوں نے کہا ہے کہ اس شخص کے لئے ایک عمارت بنواؤ تو اس کو آگ میں ڈال دو، اس طرح انہوں نے ان کے لئے ایک منصوبہ بنایا جس کے نتیجہ میں ہم نے اُنہی لوگوں کو پست کیا اور انہوں نے کہا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں، وہ مجھے منزل تک پہنچائے گا۔

پروردگار! مجھے نیک قسم کی اولاد عنایت فرما''۔

عمارت بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ایک خاص احاطہ تیار کرو جس میں لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کرو۔[1]

شہرت عامہ میں اُس آگ کو ''آتش نمرود'' کہا جاتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر اقبال نے بھی کہہ دیا ہے:۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

مگر قرآن مجید نے نمرود کے تعلق سے بس حضرت ابراہیمؑ کا مکالمہ درج کیا ہے جب انہوں نے کہا میرا پروردگار جلاتا ہے اور مارتا ہے، اُس نے کہا میں بھی ایسا کرسکتا ہوں، اُنہوں نے کہا اللہ آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال دے، اس پر وہ لاجواب ہو گیا لیکن آگ میں جلانے کی نسبت قرآن نے ہر جگہ قوم کی طرف دی ہے، یہاں بادشاہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اُس کے بعد کیا نتیجہ ہوا؟ یہاں صرف اُن کے منصوبہ کی ناکامی کا ذکر ہے لیکن وہ کیوں کرنا کام ہوا؟ اُس کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے۔ دوسری جگہ آگ کے سرد ہونے کا ذکر ہے۔

یہاں بے شک سلسلہ کلام سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بس اس کے بعد اُنہوں نے وہاں سے ہجرت کا فیصلہ کرلیا مگر اس ہجرت کے ساتھ ہی انہوں نے اولاد کی دعا کیوں کی؟ اس کے متعلق مجھے ابھی تک تفاسیر میں کچھ نہیں ملا۔ ممکن ہے اس وقت اپنی تنہائی کا احساس ہوا ہو لیکن ظاہر ہے کہ اولاد ہوتی بھی تو وہ پوری قوم کا مقابلہ کر کے اُن کی حفاظت کہاں کرسکتی تھی۔ ہاں ممکن ہے یہ تصور ہوا ہو کہ اگر عنایت الٰہی خصوصی انتظام حفاظت کے ساتھ شامل حال نہ ہوتی تو میں بے نام ونشان دنیا سے گزر جاتا اور میرے اس مشن کو باقی رکھنے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔ اس لئے دل میں تمنا پیدا ہوئی ہو کہ کاش میرے اولاد ہو جائے تو اگر مجھے ختم بھی کر دیا جائے تو میری اولاد میرے بعد اس مشن کو برقرار رکھے اور اسی لئے اولاد میں جس کی بارگاہ الٰہی میں تمنا کی من الصالحین کی قید لگائی کہ اگر اولاد ایسی ہوئی جو میرے مقصد کو پورا نہ کرسکے تو بے کار ہے۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ

---

[1] ابنوا له بنيانا فاملؤه حطبا واضرموه بالنّار (جلالین) یعنی آنجا آتش بیسار جمع نمائید (فتح الرحمٰن)

www.kitabmart.in

اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ
اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ
صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾
وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾
كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ
نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ
وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ ﴿۱۱۳﴾

''تو ہم نے اُنہیں بشارت دی ایک بڑے قوت برداشت رکھنے والے بیٹے کی۔ اس کے بعد جب وہ ذرا دوڑ دھوپ کے سن تک پہنچا تو انہوں نے کہا اے بیٹا! میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب تم غور کرو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا اے بابا! کیجئے جو آپ کو حکم ہو رہا ہے، اللہ نے چاہا تو مجھے آپ صبر کرنے والوں میں پائیے گا۔ تو جب وہ ہمہ تن اطاعت پر تیار ہو کر آئے اور انہوں نے ان کو پیشانی کے بھل لٹایا اور ہم نے اُنہیں صدا دی کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا، بلا شبہ ہم یونہی جزا دیتے ہیں نیکوکاروں کو یقیناً یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے اُن کا فدیہ بھیج دیا ایک عظیم قربانی کے سبب سے اور ہم نے اُس کی یاد قائم رکھی بعد والوں میں۔ سلام ہو ابراہیمؑ پر ہم یونہی جزا دیتے ہیں نیکوکاروں کو، یقیناً وہ باایمان بندوں میں سے تھے اور ہم نے اُنہیں خوشخبری دی اسحاق کی جو نبی ہو گا اچھے آدمیوں میں سے اور برکت عطا کی اُنہیں اور اسحاق کو اور اُن کی اولاد میں نیکوکار بھی ہونگے اور کھلے ہوئے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے بھی''۔

ذبح عظیم

ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ کی اُس قربانی کا تذکرہ ہے جو انہوں نے اپنے فرزند کے ذبح پر تیار ہو کر پیش کی تھی۔
یہود او رنصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ یہ فرزند جناب اسحاقؑ تھے لیکن اسلامی روایات اس بارے میں مختلف ہیں جو ہمارے علماء کے یہاں بھی وارد ہیں مگر زیادہ قوت اسی کو ہے کہ وہ حضرت اسماعیلؑ تھے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مورث اعلیٰ ہیں۔
بعض اہل نظر و تلاش کو بائبل میں بھی اس کی تائید ملی ہے اس بنا پر کہ اس فرزند کی قربانی کے وقت جناب ابراہیمؑ کی جو مناجات مذکور ہے، اس کے الفاظ یہ بیان کیے جاتے ہیں کہ ''میں اپنا اکلوتا بیٹا تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں'' اور یہ متفقہ حقیقت ہے کہ جناب اسماعیلؑ پہلے پیدا ہوئے تھے۔ بالکل ظاہر ہے کہ چھوٹا بیٹا کبھی ''اکلوتا'' قرار نہیں پاتا۔ ہاں جب تک چھوٹے کی ولادت نہ ہو، بڑا اکلوتا فرزند ہوا کرتا ہے اور جناب ابراہیمؑ

www.kitabmart.in

اس فرزند کو جسے قربانی کے لئے لا رہے ہیں "اکلوتا" کہہ رہے ہیں تو اس سے ظاہر ہے کہ وہ جناب اسماعیلؑ ہیں، جناب اسحاقؑ نہیں ہیں۔

پھر جیسا کہ میں نے "تاریخ اسلام" حصہ اول میں لکھا ہے "اگر یہ قربانی" جناب اسحاقؑ سے متعلق ہوئی تو اُس کی یادگاریں بنی اسرائیل کے مذہبی رسوم میں ہوتیں اور اُس کے آثار شام و فلسطین کی سرزمین پر پائے جاتے مگر ایسا نہیں ہے۔ اُس قربانی کی یادگار "عید قربان" کی صورت میں مسلمانوں ہی میں قائم ہوئی اور اُس کے آثار عرفات اور منیٰ وغیرہ میں سرزمین مکہ پر پائے جاتے ہیں جہاں جناب اسماعیلؑ کی بود و باش تھی۔ اس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ یہ قربانی جناب اسماعیلؑ سے متعلق تھی مگر قرآن مجید میں چونکہ واقعہ قربانی کے پہلے بشارت فرزند کا ذکر ہے اور دوسرے مقام پر بشارت کا ذکر جناب اسحاقؑ کے متعلق کیا گیا ہے، اس لئے بعض لوگ تو ہم کرتے ہیں کہ قربانی کا تعلق جناب اسحاقؑ سے ظاہر ہوتا ہے مگر یہ اس سلسلہ کے تمام مذکورہ آیات کو جو ہم نے اسی لئے ایک ساتھ درج کیے ہیں، پیش نظر نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ان آیات میں بشارت کا ذکر دو دفعہ ہے۔ ایک دفعہ **غلام حلیم** "قوت برداشت رکھنے والے فرزند" کی بشارت ہے جس کے سلسلہ میں قربانی کا واقعہ درج ہے اور دوسری دفعہ اس قربانی کے بعد بشارت کا ذکر ہے جو صراحتاً اسحاقؑ سے متعلق ہے۔ اس لئے قرآن کے اس بیان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ پہلی بشارت اور قربانی کا تذکرہ اسحاقؑ سے پہلے پیدا ہونے والے جناب اسماعیلؑ سے متعلق ہے اور بعد میں پھر جو بشارت ہوئی ہے، وہ جناب اسحاقؑ سے متعلق ہے۔

علامہ طبرسیؒ نے اس کے علاوہ مزید دو دلیلیں پیش کی ہیں:۔ ایک یہ کہ قرآن میں ایک جگہ جناب اسحاقؑ کی بشارت کے ساتھ ارشاد ہوا ہے:۔ **وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ** یعنی اُسی بشارت میں جناب اسحاقؑ کے فرزند یعقوبؑ کی بشارت ہوگئی تھی، اس کے معنی یہ ہیں کہ اُسی وقت اس فیصلے کا اظہار ہو گیا تھا کہ جناب اسحاقؑ زندہ سلامت باقی رہیں گے، یہاں تک کہ اُن کی شادی ہوگی اور فرزند متولد ہوگا، پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ بچپنے ہی کے دور میں اُن کے ذبح کا حکم ہو؟!

دوسرے حضرت پیغمبر خدا ﷺ کا یہ ارشاد پایہ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے کہ **انا ابن الذبیحین** یعنی میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں۔ اس میں ایک ذبیح جناب اسماعیلؑ ہیں اور دوسرے آپ کے والد جناب عبداللہ، وہ بھی ذبح سے فدیہ کے ذریعہ سے بچ گئے تھے۔ اگر پہلے ذبح کا واقعہ جناب اسحاقؑ سے متعلق ہو تو حضرتؐ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا؟

بڑا اہم فقرہ اس سلسلۂ آیات میں **فدیناہ بذبح عظیم** کا ہے۔ اس کی تفسیر میں عموماً مفسرین اہل سنت "ذبح عظیم" سے مراد وہ دنبہ لیتے ہیں جو بطور فدیہ آیا تھا مگر کہاں "ذبح عظیم" کا پُر عظمت لفظ اور کہاں ایک دنبہ، وہ چاہے جنت کا کیوں نہ ہو، **عظیم** کے لفظ سے ذہن میں تو مرتبہ ہی کی عظمت آتی ہے اس لئے دنبے کے ساتھ یہ **عظیم** کا لفظ بظاہر کھپتا نہیں، اس کے کھپانے کے لئے ان حضرات کو کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ اس "ذبح عظیم" ایسا دو لفظی لفظ کا ترجمہ اتنا طویل الذیل فرماتے ہیں:۔

"گوسفندی مہیا برائے ذبح، بزرگ جثہ" اے سبحان اللہ خود اُن کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر کو "یہ بزرگ جثہ" ترجمہ دل کو نہیں لگا تو انہوں نے لکھا "یعنی بڑے درجہ کا بہشت سے آیا" (موضح القرآن) مگر کیا بہشت سے آنے کی وجہ سے دنبے کا ایسا درجہ ہو گیا کہ وہ نبی زادے کے مقابلہ میں عظیم بن جائے؟

اس کے مقابل شیعی عام تصور یہ ہے کہ "ذبح عظیم" سے حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام مراد ہیں جس کے لحاظ سے ڈاکٹر اقبال

www.kitabmart.in

نے کہا ہے:۔

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنی ''ذبح عظیم'' آمد پسر

اب ''عظیم'' کے لفظ کا اطلاق تو بالکل برمحل معلوم ہوتا ہے مگر حضرت امام حسینؑ کا فدیہ اسماعیل ہونا ذہن کے لئے قابل قبول معلوم نہیں ہوتا لیکن میرے خیال میں دشواری بذبح عظیم کی ''ب'' کو صلہ کا لینے سے ہو رہی ہے جو فدیہ کا مفہوم پیدا کرتا ہے، کیوں نہ اسے سببیّہ لیا جائے جس کے موافق ہم نے ترجمہ کیا ہے ''ایک عظیم قربانی کے سبب سے'' مطلب یہ ہے کہ چونکہ اسماعیل ہی کی نسل میں وہ عظیم تر قربانی ہونے والی تھی جو خالق کی طرف سے مکمل مثالِ قربانی بن سکے اور ابھی وہ نسل عالم وجود میں آنا باقی تھی لہٰذا اس قربانی کو محل عزم تک لا کر فدیہ بھیج دیا گیا۔ اب کوئی دشواری نہیں ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾
وَ نَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَ اٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ
هَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى
مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

''اور بلاشبہ ہم نے اپنا فضل و کرم مبذول کیا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پر اور انہیں اور اُن کی قوم کو سخت اذیت و تکلیف سے چھٹکارا دیا اور ہم نے اُن کی مدد کی تو فتح پانے والے وہی ثابت ہوئے اور اُن دونوں کو ہم نے واضح کتاب عطا کی اور اُن کو سیدھے راستے پر لگایا اور اُن کا ذکر خیر ہم نے بعد والوں میں باقی رکھا۔ سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر، یقیناً ہم یونہی جزا دیتے ہیں نیکوکاروں کو بلاشبہ وہ دونوں ہمارے باایمان بندوں میں سے تھے۔''

ہر پیغمبر کے حال کے بعد ایسا جملہ ہے جس کا ترجمہ ایک تفسیر کے لحاظ سے جسے ہم نے ترجیح دی یہ ہے کہ ''ہم نے اُن کا ذکر خیر باقی رکھا بعد والوں میں۔ دوسری تفسیر کی بنا پر ترجمہ یہاں یہ ہوگا کہ ہم نے اُن کا ذکر بعد والوں میں اس طرح رکھا کہ سلام ہو موسیٰؑ اور ہارونؑ پر۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا
وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ
لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى
اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

www.kitabmart.in

''اور یقیناً الیاسؑ بھی پیغمبروں میں سے تھے، جب اُنہوں نے اپنی قوم والوں سے کہا کہ کیوں تم پرہیزگاری اختیار نہیں کرتے؟ کیا تم بعل (بت) کی پرستش کرتے ہو اور اُس بہترین خالق اللہ کو چھوڑے ہوئے ہو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے والے آباؤ اجداد کا بھی پروردگار ہے تو اُن لوگوں نے انہیں جھٹلایا تو بلاشبہ وہ لوگ عذاب میں لائیں جائیں گے سوا اللہ کے اُن بندوں کے جو نکھارے ہوئے ہوں اور ہم نے اُن (الیاس) کا ذکر خیر بعد والوں میں باقی رکھا۔ سلام ہو آلِ یاسین پر۔ یقیناً ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیکوکاروں کو بلاشبہ وہ ہمارے باایمان بندوں میں تھے''۔

آل یاسین پر سلام

اس میں جو ال یاسین ہے، اس کے اندر ایک عجیب ذہنی کش مکش پیدا ہوتی ہے، چونکہ یہ الیاس (پیغمبر) کے ذکر میں ہے اور بالکل اُس محل پر ہے جہاں اُس کے قبل برابر اُس پیغمبر کا نام لے کر سلام ہوتا تھا تو بلاشبہ ذہن میں یہی آتا ہے کہ یہ جناب الیاس پر سلام ہے مگر یہ خود لفظ اپنے حروف اور متفقہ رسم الخط کے اعتبار سے قواعد کتابت کے لحاظ سے بالکل الیاس سے الگ ہے۔ ایک تو اس میں آخر میں ی اور ن زائد ہے جو الیاس میں نہیں ہے۔ دوسرے الیاس الف لام داخل لفظ ہے اس لئے ملا کر لکھا جاتا ہے لیکن ال یاسین میں ''ال'' پڑھے گا اور یٰس وہ لفظ ہے جس کے نام کا ایک سورہ قرآن میں موجود ہے اور اُس کے آغاز میں یہی لفظ ہے اس طرح کہ یٰس والقرآن الحکیم انك لمن المرسلین اور چونکہ یٰس اور قسم کے بعد بلا فاصلہ تخاطب ہمارے رسولؐ سے ہے، اس لئے عام طور پر مسلمانوں میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے القاب میں درج ہوتا ہے۔

اب علمائے اہل سنت سیاق وسباق کلام میں قبل و بعد الیاس کا ذکر ہونے اور اس سے اس جملہ کے چسپاں ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ ''الیاس پر سلام ہو'' کے ساتھ کر دیتے ہیں۔ [۱] اور آخر میں ی اور ن جو زائد ہے، اُس کے لئے کہا جاتا ہے کہ یہ الیاس ہی کا دوسرا تلفظ ہے۔ [۲] اور کوئی کہتا ہے کہ الیاس اور اُن کے تابعین مل کر بہت سے الیاس ہو گئے تو اُنہیں الیاسین کہہ دیا گیا۔ [۳] لیکن آخر یہیں ایسا کیوں ہوا؟ نوحؑ اور اُن کے تابعین مل کر نوحین اور ابراہیم اور اُن کے تابعین مل کر ابراہمیں کیوں نہیں ہوئے؟

ہماری احادیث دوسرے پہلو کو ترجیح دیتی ہیں اور جو قرآنی رسم الخط سے یہ لفظ سمجھ میں آتا ہے ال یاسین اُسی کو درست بتاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ال یٰس سے مراد آل محمد علیہم السلام قرار پاتے ہیں اور صدر اسلام کے قاریان قرآن کی ایک جماعت اس لفظ کو اسی طرح پڑھتی تھی۔ [۴] اور ترجمان القرآن جناب ابن عباس رضوان اللہ علیہ کی رائے اس کے مطابق ہے۔ [۵]

---

[۱] سلام باد برالیاس (شاہ ولی اللہ) سلام ہو جیو او پر الیاس کے (رفیع الدین)
[۲] الیاس کو الیاسین بھی کہتے ہیں جیسے طور سینا اور طور سینین (موضح القرآن)
[۳] قیل ھو ومن اٰمن معه فجمعوا معه تغلیبا (جلالین)
[۴] قرأ نافع وابن عامر ویعقوب سلام علی ال یاسین (تبیان)
[۵] قال ابن عباس ال یاسین ال محمد رضی اللہ عنہما یاسین من اسمائه رضی اللہ عنہما (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

بعض اہل سنت نے اس قرأت کی صورت میں بھی اُسے جناب الیاس علیہ السلام سے متعلق کرنا چاہا ہے، اس طرح کہ یاسین اُن کے باپ کا نام تھا[1] مگر الیاس کے باپ کا نام یاسین ہونا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے۔

وَاِنَّ لُوۡطًا لَّمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۱۳۳ اِذۡ نَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اَجۡمَعِيۡنَ ۱۳۴ اِلَّا عَجُوۡزًا فِى
الۡغٰبِرِيۡنَ ۱۳۵ ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ ۱۳۶ وَاِنَّكُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مُّصۡبِحِيۡنَ ۱۳۷
وَبِالَّيۡلِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۱۳۸

''اور بلاشبہ لوط علیہ السلام بھی پیغمبروں میں سے تھے جب کہ ہم نے اُنہیں اور اُن کے گھر والوں کو چھٹکارا دیا سوا ایک بڑھیا (ان کی بیوی) کے جو رہ جانے والوں میں سے تھی، پھر دوسروں کو ہم نے تہس نہس کر دی اور تم لوگ خود اُن کی طرف سے گزرتے ہو، صبح کو بھی اور رات کو بھی تو کیا پھر بھی نہیں سمجھتے''۔

چونکہ قوم لوط کی بستیاں مشرکین کی تجارتی شاہ راہ میں پڑتی تھیں، جب وہ شام کے ملک کی طرف جاتے تھے، اس لئے اُنہیں مخاطب کر کے توجہ دلائی گئی کہ تم اُن تباہ شدہ بستیوں کے نشان بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو، پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔[2]

وَاِنَّ يُوۡنُسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۱۳۹ اِذۡ اَبَقَ اِلَى الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ۱۴۰ فَسَاهَمَ فَكَانَ
مِنَ الۡمُدۡحَضِيۡنَ ۱۴۱ فَالۡتَقَمَهُ الۡحُوۡتُ وَهُوَ مُلِيۡمٌ ۱۴۲ فَلَوۡلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ
الۡمُسَبِّحِيۡنَ ۱۴۳ لَلَبِثَ فِىۡ بَطۡنِهٖۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ۱۴۴ فَنَبَذۡنٰهُ بِالۡعَرَآءِ
وَهُوَ سَقِيۡمٌ ۱۴۵ وَاَنۡۢبَتۡنَا عَلَيۡهِ شَجَرَةً مِّنۡ يَّقۡطِيۡنٍ ۱۴۶ وَاَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلۡفٍ اَوۡ
يَزِيۡدُوۡنَ ۱۴۷ فَاٰمَنُوۡا فَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ ۱۴۸

''اور یقیناً یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے جب کہ وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف مضطربانہ گئے، اس کے بعد قرعہ پڑا تو وہ پھینک دیئے گئے تو اُنہیں مچھلی نے نگل لیا اس عالم میں کہ وہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے تو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو اُس کے پیٹ میں رہتے اُس دن تک کہ جب سب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے تو ہم نے اُن کو (نکال کر) خشک زمین پر ڈالا اس حال میں کہ وہ نڈھال تھے اور اُن پر ہم نے اگا یا کدو کا ایک درخت

---

[1] ال یاسین بھی پڑھا ہے کسی نے تو یاسین اُن کے باپ کا نام ہے (موضح القرآن) علیٰ قراءۃ اٰل یاسین بالمد ای اھل والمراد بہ الیاس ایضا (جلالین)

[2] خطاب لمشرکی العرب ای تمرّون فی ذھابکم و مجیئکم الی الشام علیٰ منازلھم۔ (مجمع البیان) قوم لوط کی بستیاں الٹی ہوئی نظر آتی تھیں شام کی راہ میں (موضح القرآن)

www.kitabmart.in

اور اُنہیں ہم نے بھیجا ایک لاکھ یا اس سے زیادہ کی طرف چنانچہ وہ ایمان لائے تو ہم نے اُن کو ایک مدت تک پھلنے پھولنے کا موقع دیا"۔

یہ جناب یونسؑ کا واقعہ ہے جس کی شروع اور درمیان کی بہت سی کڑیاں بنظرِ اختصار قرآن مجید نے یہاں پر چھوڑ دی ہیں اور بعض کو خود دوسرے مقامات پر بیان کیا ہے اور بعض کا حدیثوں میں بیان ہوا ہے۔

قرعہ کیوں ڈالا گیا؟ اس کا پتہ قرآن مجید سے نہیں چلتا۔ مفسرین نے دو وجہیں لکھیں ہیں:۔ ایک یہ کہ کشتی طوفانی ہوئی، اس پر اُن لوگوں کے ذہن میں یہ آیا کہ کوئی آدمی اس پر ایسا سوار ہے جس کے سبب سے یہ کشتی طوفانی ہوئی ہے، اُسے دریا میں پھینک دیا جائے تو سب لوگ محفوظ ہوجائیں گے۔

دوسرے یہ کہ مچھلی سامنے آئی منہ کھولے ہوئے اس طرح جیسے کسی کی طلبگار ہے اور اس طرح قرعہ ڈالا گیا اور وہ جناب یونسؑ کے نام پر نکلا۔ یہ دونوں قول جناب شیخ الطائفہؒ نے تبیان میں نقل کیے ہیں علامہ طبرسیؒ نے بھی دو قول کیے ہیں:۔

پہلا یہ کہ کشتی ڈوبنے کے قریب ہوئی، اُس وقت یہ ہوا۔

دوسرے یہ کہ کشتی رک گئی، چلتی نہ تھی، کسی بڑے بوڑھے نے کہا کہ کوئی اس میں اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہے، اس بنا پر قرعہ ڈالا گیا اور تین دفعہ قرعہ پڑنے پر ہر دفعہ جناب یونسؑ کے نام پر نکلا۔

"ایک لاکھ یا اس سے زیادہ"............ چونکہ کلام الٰہی میں کوئی لفظ اظہار تردد کے لئے نہیں ہوسکتا اور کلام عرب میں او بل یعنی "بلکہ" کے معنی میں آتا ہے لہٰذا یہاں بھی یہی معنی ہیں، نتیجہ کلام یہی ہے کہ وہ ایک لاکھ سے زیادہ تھے۔ اب اس سے کتنے زیادہ؟ اس کو بیان نہیں کیا گیا اس لئے کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿١٤٩﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿١٥٠﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٥٢﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿١٥٤﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٥﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥٦﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٥٧﴾

"تو ذرا اُن سے پوچھیے کہ کیا آپ کے پروردگار کے لئے بیٹیاں ہیں اور اُن کے لئے بیٹے ہیں؟ یا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا درحالیکہ وہ لوگ دیکھ رہے تھے، معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اپنی دروغ بافی سے کہتے ہیں کہ اللہ کے اولاد ہے اور وہ بلا شبہ ضرور جھوٹے ہیں، کیا اُس نے بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلہ میں پسند کیا ہے؟ تم لوگوں کو کیا ہے؟ کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ سمجھانے سے سمجھتے کیوں نہیں؟ یا کیا تمہارے پاس کوئی کھلی ہوئی دلیل ہے تو وہ اپنی دستاویز پیش کرو اگر تم سچے ہو"۔

www.kitabmart.in

یعنی اصل اولاد کا تصور ہی اللہ کے لئے غلط ہے خواہ وہ بیٹا ہو یا بیٹی مگر مزید ستم ظریفی اُن کی یہ ہے کہ یہ خود بیٹیوں سے نفرت کرتے ہیں اور اللہ کے لئے جس اولاد کے قائل ہیں یعنی فرشتے، اُنہیں بیٹیوں کی صنف سے سمجھتے ہیں جو اُن کی حماقت بالائے حماقت یا دروغ اندر دروغ ہے۔ آخر کہاں سے ان کو پتہ چلا کر ملائکہ صنف اناث سے ہیں، یہ ایسی واہی تو اہی باتیں بغیر ثبوت آخر کیوں کرتے ہیں؟!

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۚ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿۱۵۸﴾

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

”اور قرار دیا اُنہوں نے اس کے درمیان اور جنات کے درمیان رشتہ ناتا، حالانکہ خود جنات خوب جانتے ہیں کہ وہ (جزا و سزا کے لیے) حاضر کیے جائیں گے، پاک ہے اللہ اُس سے جو وہ بیان کرتے ہیں سوا اللہ کے نکھارے ہوؤں کے“

یعنی یہ اللہ کے نکھارے ہوئے بندے جو اوصاف اللہ کے بیان کرتے ہیں، وہ اس کی شان کے لائق ہیں۔ [۱]

جنات کے ظاہری معنی تو یہی قوم جن کے ہیں جیسا کہ اکثر مترجمین ترجمہ کرتے ہیں۔ [۲] مگر بعض مفسرین کا خیال ہے کہ جنات سے مراد یہاں فرشتے ہیں چونکہ جن کے لغوی معنی پوشیدہ ہونے کے ہیں اور فرشتے بھی نظر سے پوشیدہ ہیں، اس لئے اُنہیں بھی جن کہا جاتا ہے، اس طرح اس آیت میں گزشتہ آیات والے مضمون کی تکرار ہے اور کچھ نہیں۔

یہ سمجھنے کی شاید ان مفسرین کو اس لئے ضرورت پڑی کے مشرکین قریش کے عقائد میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ جنوں کو اللہ کی اولاد قرار دیتے تھے مگر چونکہ مشرکین کے عقائد کا کوئی ذخیرہ خود ان کا لکھا ہوا ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے تو قرآن کے اس بیان کو ہم اس تاریخی واقعیت کی دلیل کیوں نہ سمجھیں کہ مشرکین کا کوئی گروہ شیاطین و جنات کے متعلق بھی اس طرح کا تصور رکھتا تھا کہ اُن میں اور خدا میں کوئی رشتہ ہے چنانچہ بعض مفسرین نے ایک لامذہب گروہ کا ایسا تصور بیان کیا ہے۔ [۳]

جب کہ ملائکہ کے بناتِ الٰہی ہونے کے متعلق اُن کے غلط عقیدہ کا ابھی تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے تو پھر حرف عطف کے ساتھ جو مغایرت کا پتہ دیتا ہے ان الفاظ سے کہ ”اور انہوں نے جنات اور اللہ کے درمیان رشتہ قرار دیا ہے“ یہ کیوں سمجھا جائے کہ یہ پہلی ہی والی بات ہے جسے دوبارہ کہا جا رہا ہے، پھر بعد کا جملہ کہ جنات خوب جانتے ہیں کہ وہ حاضر کیے جائیں گے اور دوسرے مقامات پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ **محضرون** کا لفظ زیادہ تر عذاب کے محل پر صرف ہوتا ہے یعنی سزا دینے کے لئے لائے جائیں گے، یہ جملہ ملائکہ پر جو اطاعت کے سوا معصیت سے واقف نہیں ہیں اور ان کے یہاں ثواب و عذاب بلکہ حساب و کتاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کسی طرح چسپاں معلوم نہیں ہوتا، غالباً اسی وجہ

---

[۱] یعنی بیان ایشاں موافق واقع است ــــ (فتح الرحمن)

[۲] میان خدائی تعالیٰ ومیان جنّیاں (شاہ ولی اللہ) درمیان خدا کے اور درمیان جنوں کے (شاہ رفیع الدین)

[۳] قول الزنادقة ان الله تعالٰی وابلیس اخوان وان الله خلق النور والخیر والحیوان النافع و ابلیس خلق الظلمة والشر و الحیوان الضّار عن کلبی وعطیّة (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سے اس قول کے قائل نے اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ کی ضمیر کو کہ "وہ حاضر کیے جائینگے" جنات سے ہٹا کر اُن کہنے والوں کی طرف عائد کیا ہے جس کی بنا پر معنی یہ ہوں گے وہ جنات جانتے ہیں کہ اس بات کے کہنے والے عذاب میں گرفتار کیے جائیں گے۔ [۱] مگر مجھے یہ تمام تکلفات بلاضرورت اور خلاف حقیقت معلوم ہوتے ہیں۔

کچھ مفسرین نے جنات کے ساتھ رشتے کو ملائکہ کے دختران الٰہی ہونے کے تصور سے الگ مگر اُسی کے ضمیمہ کے طور پر مانا ہے اس طرح کہ اُن کا مزعومہ یہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جنیہ عورتوں کے بطن سے یعنی اللہ اور جنات کی شرکت سے فرشتے پیدا ہوئے ہیں۔ [۲] مگر اُن کے اس مبینہ خیال کی رد مقصود ہوتی تو یہ سلبی رشتہ ویسا ہوتا جسے عربی میں "مھر" کہتے ہیں، نسبی رشتہ نہ ہوا اور قرآن کہہ رہا ہے کہ اُنہوں نے اللہ اور جنات کے درمیان "نسب" قرار دیا ہے۔

نسب اور مھر الگ الگ چیزیں ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے:۔

خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۱(فرقان۔ ۵۴)

لہٰذا یہ بیان بھی قابل قبول نہیں ہے۔

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾

"یقیناً تم اور جس چیز کی تم عبادت کرتے ہو، تم سب اُس پر گمراہ نہیں کر سکتے سوا ایسے کے کہ جو دوزخ کی گرمی کا اٹھانے والا ہو"۔

یعنی گمراہ کرنے والے ہمیشہ جسے گمراہ کرتے ہیں، وہ وہی ہوتا ہے جو اپنی بدباطنی سے گمراہ ہونے کے لئے تیار ہوتا ہے، اس لئے کسی کے گمراہ کرنے سے جو شخص گمراہ ہوا ہے گمراہ ہونے کی ذمہ داری سے یہ کہہ کر بچ نہیں سکتا کہ میں کیا کروں؟ فلاں شخص نے مجھے گمراہ کیا۔ [۳] ارے وہ لاکھ گمراہ کر رہا تھا! یہ کیوں گمراہ ہوا؟ لہٰذا گمراہ ہونا خود اُس کا فعل ہے جس پر یہ مستحق سزا ہے اور وہ گمراہ کرنے والا بھی سزا کا مستوجب ہے کہ اُس نے کیوں گمراہ کیا؟

بعض مفسرین جو انسانی افعال کی ذمہ داری خدا پر عائد کرنا چاہتے ہیں، اُنہوں نے یہ مطلب قرار دیا ہے کہ تم گمراہ نہیں کر سکتے مگر اُسے جو اللہ کے علم میں گمراہ ہونے والا ہے۔ [۴] گویا اس کا گمراہ ہونا علم الٰہی کی وجہ سے ہے۔ تمہارے گمراہ کرنے سے نہیں مگر اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ اس گمراہ کرنے والے کو سزا ملنا چاہیے اور نہ گمراہ ہونے والے کو، اس لئے کہ یہ عدل الٰہی کے خلاف ہوگا۔ [۵]

---

[۱] انّهم ای قائلی ذٰلك (جلالین)

[۲] کافر کہتے ہیں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جنوں کی عورتوں سے پیدا ہوئیں۔ (موضح القرآن)

[۳] المعنی انّ من یقبل هذا القاتن وینقادلة فهو یصلی الحجم (تبیان)

[۴] من هو صال الجحیم فی علم الله تعالیٰ (جلالین)

[۵] یعنی تم انسان اور تمہارے تئیں شیطان کے مرضی اللہ کے گمراہ نہیں کر سکتے گمراہ وہی ہوگا جسکو اُس نے دوزخی لکھدیا ہے۔ (موضح القرآن)

www.kitabmart.in

تعجب ہے کہ علامہ طبرسیؒ نے دونوں مفہوم بغیر کس محاکمہ کے درج کر دیئے ہیں جسے ''ترک اولیٰ'' تو ضرور سمجھا جا سکتا ہے۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

''اور ہم میں سے کوئی نہیں مگر یہ کہ اُس کا ایک خاص مقام ہے اور بلاشبہ ہم پرے جمائے ہوئے ہیں اور بلاشبہ ہم تسبیح کرنے والے ہیں''۔

چونکہ ترتیب قرآن مطابق تنزیل نہیں ہے، اس لئے نہیں سمجھا جا سکتا کہ یہ آیتیں کس موقع کی ہیں اور اُن کے پہلے کون سی آیات تھیں جن سے ان کا ربط ہے؟ بہرحال یہ خود ان آیات کے مضمون سے ظاہر ہے کہ یہ فرشتوں کی زبانی کلام ہے اور مترجمین مفسرین سب ہی کو یہ محسوس ہوا ہے کہ ان آیتوں کا تعلق یہاں قبل کی آیتوں سے کوئی نہیں اس لئے اُنہیں یہ اضافہ کرنا پڑا ہے کہ فرشتوں نے یہ کہا؟ مگر انہوں نے کب اور کیوں کہا؟ اس کہنے کا پس منظر کیا ہے؟ اس کا کچھ پتہ نہیں، شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں: ''یہاں سے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبان سے فرمایا جیسے دعائیں فرمائی ہیں آدمیوں کی زبان سے''

پھر گذشتہ آیات سے ربط قائم کرنے کی یوں کوشش کی ہے کہ ''کافر کہتے ہیں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جو جنوں کی عورتوں سے پیدا ہوئیں، سو جنوں کو اپنا حال معلوم ہے اور فرشتے یوں کہتے ہیں''۔[۱] (موضح القرآن) مگر کافروں کا یہ مزعومہ ہونا خود ثابت نہیں اور قرآن مجید کے الفاظ کے خلاف ہے جس پر پہلے روشنی ڈالی جا چکی ہے پھر جیسے پہلے الجنۃ نام لے کر اُن کے علم کا اظہار ہوا ہے، ویسے ہی اس کے بعد فرشتوں کا نام لے کر اس قول کا ذکر ہونا چاہیے تھا، پہلے بیان ہو جنات کا اور پھر فرشتوں کا ذکر ہوئے بغیر قول نقل ہو فرشتوں کا یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

''اور یقیناً وہ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی یادداشت ہوتی پہلے والوں کی طرف سے تو ضرور ہم اللہ کے نکھارے ہوئے بندے ہوتے، اب انہوں نے اس کا انکار کیا تو اُنہیں (اس کا انجام) معلوم ہوگا''۔

پھر اب یہ اُس فرشتوں کے ذکر سے غیر متعلق تذکرہ شروع ہو گیا مشرکین کا[۲] یعنی یہ جب بنی اسرائیل وغیرہ کے انبیاء کا ذکر سنتے تھے تو کہتے تھے کہ ہمارے پاس بھی ایسی ہدایتیں آئی ہوتیں تو ہم میں ایمان اور عمل کی کمی نہ ہوتی مگر اب جب اُن میں نبی مبعوث ہوا تو اُنہوں نے اُسے نہ مانا اور کفر اختیار کیا۔ المخلصین لام کے فتحہ کے ساتھ ہے، اس لئے ہم نے ترجمہ کیا ''نکھارے ہوئے''۔ مگر تعجب ہے کہ جلالین نے اس کو لام کے کسرہ کے ساتھ قرار دے کر اُس کی شرح یوں کی ہے کہ: المخلصین العبادۃ لہ عبادت کو خالص کرنے والے اُس کے لئے اور اس سے

---

[۱] فرشتگان گفتند (شاہ ولی اللہ)

[۲] یعنی اهل مکّة کانوا یقولون (مجمع البیان) ہمہ آئینہ کافران عرب می گفتند (شاہ ولی اللہ)

www.kitabmart.in

زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ جناب شیخ طوسیؒ نے بھی یوں تشریح کی ہے کہ:۔الّذین اخلصوا العبادۃ لہ (تبیان) جنہوں نے عبادت کو اس کے لئے خاص رکھا اور علامہ طبرسیؒ نے بھی بس اخلصوا کو یخلصون کرکے اُسی کو دہرا دیا، بہرحال اصل قرآن میں جب تک المخلصین کو الخلصین سے نہ بدلا جائے، اس وقت تک ہم اس کے موافق ترجمہ کرنے سے قاصر ہیں۔

وَلَقَدۡ سَبَقَتۡ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمۡ لَهُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنۡدَنَا لَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبۡصِرۡهُمۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمۡ فَسَآءَ صَبَاحُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبۡصِرۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۸۲﴾

''اور ہمارا قول پہلے ہو چکا ہے اپنے بندوں کے لئے جو پیغمبر بنائے گئے ہیں کہ فتح وظفر اُنہی کی ہوگی اور بلاشبہ ہماری ہی فوج وہ ہے جو غالب آئے گی تو ان سے ایک مدت تک بے اعتنائی کیجئے اور اُنہیں دیکھتے رہیے عنقریب وہ خود دیکھیں گے تو کیا وہ ہمارے عذاب کے لئے جلدی کرتے ہیں تو جب وہ اُن پر نازل ہوجائے گا تو بڑی بری صبح ہوگی اُن کی جو ڈرائے جاتے ہیں اور (ہاں) ایک مدت تک اُن سے بے اعتنائی کیجئے اور دیکھیے کہ عنقریب وہ خود دیکھیں گے، پاک ہے آپ کا پروردگار جو غلبہ کا مالک ہے اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور شکر ہے اللہ کا جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔

یہ قول الٰہی جو پیغمبروں کے لئے اگر شخصی طور پر ہر ہر فرد کے لئے مانا جائے تو اکثر وہ مشاہدہ کے خلاف نظر آئے گا لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ یہ قول مجموعی طور پر سلسلہ مرسلین کے لئے ہے کہ اُن کا مشن یعنی دین حق غالب آکر رہے گا جس کے ظہور کی دنیا منتظر ہو یا نہ ہو، ہم یقینی طور پر منتظر ہیں۔

آخری فقرات:

سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ یوں تو تلاوت قرآن کے اختتام پر کہے جاتے ہیں مگر حدیث یہ ہے کہ انسان ہر محل ومجلس میں گفتگو ختم کرکے یہ جملہ کہے تو ثواب عظیم حاصل ہوگا۔[1]

---

[1] روی الاصبغ بن نباتۃ عن علیؑ وقدروی ایضاً مرفوعاً عن النبیؐ قال من اراد ان یکتال بالمکیال الاوفیٰ من الاجر یوم القیٰمۃ فلیکن اٰخر کلامہ فی مجلسہ: سبحان ربّک ربّ العزّۃ عمّا یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ صٓ

مکّیہ----۸۸----آیات

صٓ ایک حرف ہے مقطعات قرآنیہ میں سے جس سے اس سورہ کی ابتدا ہوئی ہے اس لئے اس سورہ کا نام یہی ہو گیا ہے۔

سورۂ ص کے خاص خاص مضامین:

۱۔مشرکین کو اللہ کے ماننے سے انکار نہ تھا اُسے ایک'' ماننا اُن سے نزدیک عجیب بات تھی۔

۲۔مشرکین کی دلیل کہ یہ ہم نے پہلے کسی سے نہیں سنا۔

۳۔مشرکین کی حیرت کہ آخر یہ ایک آدمی (یعنی رسولؐ) کیا خصوصیات رکھتا ہے کہ اللہ نے اس پر اپنا کلام اتارا ہے؟

۴۔حضرت داؤدؑ کے پاس دو فریقوں کا آکر مقدمہ پیش کرنا حضرت داؤدؑ کا فیصلہ اور اُس پر اُن کو انتباہ۔

۵۔بائبل کے بیان کردہ واقعہ اور ریائے حتّی کی تصحیح اور جناب داؤد کی عصمت کردار کا تحفظ۔

۶۔مساوات کلی خلاف عدل۔

۷۔جناب سلیمانؑ کا تفصیلی تذکرہ۔

۸۔گھوڑوں کے معائنہ اور آفتاب کے پلٹنے کا بیان۔

۹۔عطائے ملک کے لئے دعا اور اُس کی قبولت۔

۱۰۔جناب ایوبؑ اور اُن کے صبر کا تفصیلی تذکرہ جو اس سورے کے مختصات میں سے ہے۔

۱۱۔بعض غیر معروف انبیاء جیسے یسعؑ اور ذوالکفل کا اجمالی ذکر۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''

صٓ وَالۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ① بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّشِقَاقٍ ② کَمۡ اَھۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِھِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا وَّلَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ ③

''صاد قسم قرآن کی جو نصیحت کا حامل ہے بلکہ وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا سرکشی اور پھوٹ ڈالنے میں مصروف ہیں کتنی ہی نسلیں ان کے پہلے ہم نے ہلاک کیں تو اُنہوں نے پکارا اور اب چھٹکارے کا وقت نہ تھا''۔

www.kitabmart.in

صٓ تو حروف مقطعات سے ہے جو قدرت کے سربستہ راز ہوتے ہیں، اس کے بعد قسم کھائی ہے، اگر اس قسم پر وقف مطلق نہ ہوتا تو سمجھ میں یہ آتا کہ اس کے بعد درمیان میں ایک جملہ معترضہ ہے کہ باوجودیکہ یہ قرآن نصیحتوں کا حامل ہے، پھر بھی کافر سرکشی سے کام لیتے ہیں اور اختلاف کا ذوق رکھتے ہیں اس لئے تسلیم نہیں کرتے۔

''نصیحت کا حامل'' یہ ترجمہ ایک تفسیر کے مطابق ہے لیکن قرآن مجید میں بعض جگہ ذکر کا عزوشرف کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے انه لذ کرلك ولقومك (یعنی) ''یہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے عزوشرف ہے'' اور اس لئے ذی الذ کر کر کے ایک معنی کہے گئے ہیں ''عزوشرف والا''۔[1]

اب اس کے بعد جو شے قسم کھا کے کہی جارہی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے پہلے اپنی بداعمالیوں سے بہت قومیں ہلاک ہوئیں اور جب ہلاکت کے آثار آنکھوں کے سامنے بالکل آگئے تب انہوں نے فریادی کی مگر اب تلافی مافات کا وقت گزر چکا تھا، اس لئے چیخ پکار سے کچھ نہ ہوا۔ اسی طرح تمہاری بھی ابھی آنکھیں نہیں کھلتیں، جب عذاب آجائے گا، اس وقت چیخو چلاؤ گے جس کا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

یہ مفہوم اس پورے کلام کا اُس وقت درست ہوگا، جب والقرآن ذی الذ کر پر وقف نہ ہو مگر یہاں تمام قرآنوں میں وقف مطلق کی علامت بنی ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلا کلام یہاں پر ختم ہو گیا ہے اس کے بعد مستقل جملہ ہے لہذا بعض لوگوں نے قسم کھا کر جو بات کہی جارہی ہے، اُسے محذوف مانا ہے مگر اُس میں اختلاف ہے، کوئی یہ مانتا ہے کہ قسم ہے اس قرآن کی کہ جو آپ کا پیغام ہے وہ بالکل حق ہے۔[2] اور کوئی یہ کہ قسم اس قرآن کی کفار مکہ جو بہت سے خدا مانتے ہیں، وہ غلط ہے۔[3]

ہمارے نزدیک اگر درمیان کے اُس وقف کو نظرانداز کر دیا جائے اس بنیاد پر کہ ان علامات اوقاف کو تعبدا قبول کرنے کا لزوم ثابت نہیں ہے تو وہی پہلی تشریح درست ہے کہ اصل مورد قسم یہ جملہ ہے کہ ''اپنی بداعمالیوں سے اس کے پہلی کئی قومیں ہلاک ہوئیں یہ مفہوم قدیم مفسرین میں سے بعض کی زبانی ایک قول کی صورت میں نقل ہوا ہے۔

اس پر قواعد نحوی کے لحاظ سے یہ اعتراض دوراز کار ہے کہ جواب قسم میں لا نا ہونا چاہیے یہاں ہے کم اهلكنا من قبلهم من قرن یوں نہیں ہے لكم اهلكنا الخ اور کم کا لفظ چونکہ کے مفعول ہے، اس پر لام تاکید آنہیں سکتا کیوں کہ اہل نحو ہر چیز کو جس طرح چاہتے ہیں کچھ نہ کچھ پوشیدہ مان کر اپنے قواعد کے مطابق کر لیتے ہیں یہاں وہ ایسا کیوں نہیں کر سکتے، اس لئے کہ وہ کم کو مبتدا مان لیں اور اهلكنا میں ضمیر مفعول کو پوشیدہ مان لیں، اس طرح تقدیر کلام یہ ہوگی کہ لكم اهلكنا من قبلهم احزاب ان کی مبینہ نحوی دشواری دور ہو جائے گی لیکن جب کہ حسب ذیل امور کو پیش نظر رکھا جائے:

(۱) صٓ پر کوئی وقف علامت نہیں ہے جب کہ بعض مقامات پر مقطعات قرآنیہ کے جو حروف ہیں، اُن پر قرآن مجید میں وقف ہے یہاں اس کے بعد والقرآن ذی الذ کر پر وقف مطلق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صٓ سے لے کر یہاں تک ایک بات کہی گئی ہے جو یہاں

---

[1] ای ذی الشرف عن ابن عباس رضی اللہ عنہ (مجمع البیان)

[2] قسم القرآن ــــــ کہ آنچہ بآں دعوت می کنی راست است (شاہ ولی اللہ)

[3] جواب هذا القسم محذوف ایها الامر کما قال اهل مكة من تعدّد الالهة (جلالین)

www.kitabmart.in

پر پوری ہوئی ہے۔

(۲) بعید نہیں ہے کہ فرمان معصوم اقرأو کما یقرأ الناس اوقاف کو بھی شامل ہو جس پر عام طور سے افراد ملت حقہ اثناعشریہ کا عمل ہے۔

(۳) مقطعات قرآنیہ کے متعلق قول معصومؑ یہی ہے کہ وہ اسرار ربانی ہیں، صٓ بھی اُنہی مقطعات قرآنیہ میں سے ہے۔ اور اس کے بعد بس قسم پر بات ختم ہوگئی ہے اور کوئی دوسرا جملہ نہیں ہے۔ ان تمام امور کی بنا پر میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ یہاں اصل جملہ جو قسم کے ساتھ کہا گیا ہے، وہ یہی ہے جو حرف صٓ کے اندر مضمر ہے اور جو بصورت راز پیغمبر خدا ﷺ تک پہنچایا گیا ہے اور جس کے سمجھنے کی عام لوگوں کو ضرورت نہیں ہے لہٰذا اُن کو اُس کے سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرنا چاہیے۔

وَعَجِبُوٓا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ ۫ وَقَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۖ ۝۴ اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عُجَابٌ ۝۵ وَانۡطَلَقَ الۡمَلَاُ مِنۡهُمۡ اَنِ امۡشُوۡا وَاصۡبِرُوۡا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمۡ ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ يُّرَادُ ۖ ۝۶ مَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِى الۡمِلَّةِ الۡاٰخِرَةِ ۖۚ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا اخۡتِلَاقٌ ۖ ۝۷ ءَاُنۡزِلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ مِنۡۢ بَيۡنِنَا ؕ بَلۡ هُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّنۡ ذِكۡرِىۡ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوۡقُوۡا عَذَابِ ۝۸

''اور انہوں نے تعجب کیا اس سے کہ اُن کے پاس ایک ڈرانے والا (پیغمبر) انہی میں سے آیا اور کافروں نے کہا یہ بڑا جھوٹا جادوگر ہے، کیا اس نے بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا، یقیناً یہ ضرور ایک عجیب چیز ہے اور اُن میں کے بڑے لوگ آئے کہ چلو اور اپنے خداؤں پر صبر و برداشت کے ساتھ قائم رہو، یقیناً یہی چیز ہے جسے نصب العین ہونا چاہیے۔ ہم نے یہ بات نہیں سنی اس بعد والی نسل میں یہ نہیں مگر گڑھی ہوئی ایک چیز۔ کیا ہم میں سے اُس پر کتاب اُتاری گئی ہے؟ بلکہ وہ میری کتاب سے شک میں ہیں بلکہ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا ہے''۔

اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ يُّرَادُ کا ترجمہ ہم نے کیا ہے کہ ''یقیناً یہی ایک چیز ہے جسے نصب العین ہونا چاہیے'' یہ اس پر مبنی ہے کہ ھذا کا اشارہ اس بات کی طرف ہو جو اُنہوں نے کہی تھی کہ ''اپنے خداؤں پر صبر و برداشت کے ساتھ قائم رہو'' اور چونکہ یہی اس کے پہلے بلا فاصلہ مذکور ہے لہٰذا اس کا مشارالیہ ہونا ذہن سے زیادہ قریب ہے مگر دوسری تفسیر یہ ہے کہ ھذا کا اشارہ اُس بات کی طرف موجود رسولؐ اپنے پیام کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ رسولؐ کا اس میں کوئی منصوبہ ہے مثلاً غلبہ و اقتدار کا حاصل ہونا اور قوم کو اس پیغام کے ذریعہ سے اپنا تابع بنانا۔[1]

علامہ طبرسیؒ نے اس کے علاوہ بھی کئی مطلب درج کیے ہیں، مگر میرے نزدیک سب بعید ہیں، جو صاف سیدھا مطلب ہے، وہ وہی ہے۔

---

[1] معناه هٰذا الّذی یدعیه محمّد ﷺ و یدعوهم الیه لشیء یراد به امر ما من الاستعلاء علینا و الریاسة فینا و القهر لنا (تبیان)

www.kitabmart.in

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۚ﴿۹﴾ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۣ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ﴿۱۰﴾ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ
مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۱﴾

'کیا ان کے پاس تمہارے باعزت، عطابخش پروردگار کی رحمت کے خزانے ہیں؟ یا کیا اُن کے لئے سلطنت ہے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کی تو پھر چڑھیں رسیوں کو پکڑ کے یہاں تو بس شکست خوردہ گروہوں کی قسم سے ایک لشکر سامنے نظر آرہا ہے"۔

مفسرین کا غالباً اس بنا پر کہ یہ سورۂ مکہ کا نازل شدہ ہے، یہ بیان ہے کہ مشرکین کو بطور پیشین گوئی خبر دی گئی ہے کہ یہ لاؤ لشکر جو نظر آرہا ہے، نتیجہ میں شکست کھائے گا جس کا وقوع بعد میں بدر کی جنگ میں ہو گیا اور ھنالك جس سے اشارہ ایسے منظر کی طرف ہوتا ہے، جو سننے والے کی آنکھوں کی سامنے ہو، اس سے اشارہ اسی آیندہ کے منظر کی طرف ہے جب اُن کے بڑے بڑے سورماؤں کے لاشے زمین پر پڑے ہونگے۔ [1]

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۙ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ
وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ۭ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ
عِقَابِ ۧ﴿۱۴﴾ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا
عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

''اُن کے پہلے جھٹلایا نوح کی قوم نے اور قبیلہ عاد نے اور فرعون نے جو میخوں والا تھا اور قبیلہ ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ والوں نے، یہی سب گروہ تھے، کوئی نہیں مگر یہ کہ اُس نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو وہ میری سزا کا مستوجب ہوا اور (اب) یہ نہیں انتظار کر رہے ہیں، سوا ایک سخت نعرے کے جس کے بعد کچھ دیر نہ ہو گی اور انہوں نے کہا کہ پروردگار! جو ہماری تقدیر ہو وہ حساب کتاب سے پہلے ہی ہمارے سامنے لے آ''۔

فرعون کے ساتھ ''میخوں والا'' کا لفظ جس انداز میں ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ نزول آیت کے وقت فرعون کے ساتھ میخوں کا تصور شہرت عام کی حیثیت رکھتا تھا مگر بعد میں امتداد زمانہ سے وہ چرچے گم ہو گئے تو مفسرین کے لئے یہ میخیں نا قابل فہم ہو گئیں، اس لئے کثرت اقوال سے جن میں کوئی بھی قول مستند نہیں ہے، اُن کی نوعیت کے متعلق کچھ بھی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اب تو اسے فرعون کا بس ایک لقب سمجھا جا سکتا ہے جس کی وجہ تسمیہ ہمیں معلوم نہیں۔

قرآنی رسم الخط میں بعض جگہ بڑا عجوبہ معلوم ہوتا ہے مگر عجوبہ سمجھتے ہوئے بھی اُس کی پابندی کرنا پڑتی ہے چنانچہ یہ لفظ جس کا ترجمہ ہوا

---

[1] اخبر الله سبحانه وهو بمكة انه سيهزم جند المشركين فجاء تاويلها يوم بدر وهناك اشارة الىٰ بدر و مصارعهم بها ر (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

”ایکہ والوں“ اسے فطری طور پر کوئی بھی عربی داں لکھے تو اصحاب الایکۃ لکھے گا جو بالکل درست ہوگا مگر معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں کاتب یہاں اصحاب کے بعد الف لکھنا بھول گیا اس لئے یہاں پر یہ لفظ اصحب لیئکۃ بغیر درمیانی الف کے ہی لکھی جائے گی۔

یہ تذکرہ بہت جگہ قرآن مجید میں ہے کہ کافر لوگ عذاب آنے کا مطالبہ کرتے ہیں اس کی نوعیت کا سمجھا لب ولہجہ سے متعلق ہے جو ظاہر ہے کہ صفحہ کاغذ پر نہیں آتا، اس میں ایک جھنجھلاہٹ کی کیفیت سمجھ میں آتی ہے جیسے انبیا سے بار بار عذاب کی خبروں کو سن کر وہ غصے سے کہیں کہ کان پک گئے سنتے سنتے کہ عذاب آئے گا اور وہ ایسا ہوگا اور ویسا ہوگا، آخر وہ عذاب آہی کیوں نہیں جاتا۔

اور دھیمی آواز میں یہ ایک تمسخر کا پیرایہ ہوسکتا ہے کہ عذاب، عذاب، یہ عذاب آہی جائے کہ دیکھ لیں اور وہ کیسا ہوتا ہے۔

اِصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ ۚ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرۡنَا
الۡجِبَالَ مَعَہٗ یُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِیِّ وَالۡاِشۡرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّیۡرَ مَحۡشُوۡرَۃً ؕ کُلٌّ لَّہٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾
وَشَدَدۡنَا مُلۡکَہٗ وَاٰتَیۡنٰہُ الۡحِکۡمَۃَ وَفَصۡلَ الۡخِطَابِ ﴿۲۰﴾

”جو یہ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور ہمارے طاقت والے بندے داؤد کو یاد کیجئے، بلا شبہ وہ بڑا لو لگانے والا تھا۔ ہم نے پہاڑوں کو اُس کے قبضے میں کیا تھا کہ وہ تسبیح کرتے تھے شام اور صبح کے اوقات میں اور پرند تمام اکٹھا ہوجاتے تھے، سب اُس کی آواز میں آواز ملاتے تھے اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا تھا اور اُسے حکمت اور فیصلہ کن گفتگو عطا کی تھی“۔

وَہَلۡ اَتٰىکَ نَبَؤُا الۡخَصۡمِ ۘ اِذۡ تَسَوَّرُوا الۡمِحۡرَابَ ﴿۲۱﴾ اِذۡ دَخَلُوۡا عَلٰی دَاوٗدَ فَفَزِعَ
مِنۡہُمۡ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ۚ خَصۡمٰنِ بَغٰی بَعۡضُنَا عَلٰی بَعۡضٍ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَنَا بِالۡحَقِّ
وَلَا تُشۡطِطۡ وَاہۡدِنَاۤ اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ اِنَّ ہٰذَاۤ اَخِیۡ ۟ لَہٗ تِسۡعٌ وَّتِسۡعُوۡنَ نَعۡجَۃً
وَّلِیَ نَعۡجَۃٌ وَّاحِدَۃٌ ۟ فَقَالَ اَکۡفِلۡنِیۡہَا وَعَزَّنِیۡ فِی الۡخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدۡ ظَلَمَکَ
بِسُؤَالِ نَعۡجَتِکَ اِلٰی نِعَاجِہٖ ؕ وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡخُلَطَآءِ لَیَبۡغِیۡ بَعۡضُہُمۡ عَلٰی
بَعۡضٍ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیۡلٌ مَّا ہُمۡ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا
فَتَنّٰہُ فَاسۡتَغۡفَرَ رَبَّہٗ وَخَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ السجدۃ فَغَفَرۡنَا لَہٗ ذٰلِکَ ؕ وَاِنَّ لَہٗ عِنۡدَنَا
لَزُلۡفٰی وَحُسۡنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

”اور کیا آپ تک پہنچی اُن متخاصمین کی خبر جب وہ دیوار پھاند کر محراب عبادت میں پہنچے جب وہ داؤد کے پاس اندر

www.kitabmart.in

پہنچ گئے تو وہ اُن سے ڈر گئے، انھوں نے کہا ڈریئے نہیں، ہم متخاصمین ہیں جن میں ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے اور کسی کی رو رعایت نہ کیجئے اور ہمیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت کیجئے۔ یہ میرے بھائی ہیں، ان کے پاس ننانوے گوسفند ہیں اور میرے پاس ایک ہی گوسفند ہے، اس پر بھی انھوں نے کہا کہ یہ مجھے دے دو اور گفتگو میں میرے اوپر چھا گئے (داؤدؑ) نے کہا کہ یہ ان کی تم پر زیادتی ہے جو اپنے (اتنے) گوسفندوں کے ہوتے ہوئے تمہارا گوسفند طلب کیا اور یقیناً بہت سے میل جول رکھنے والے ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوا اُن کے جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں اور بہت کم ہیں اور اب خیال کیا داؤد نے کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے بخشش کے طلب گار ہوئے اور سجدے میں گر گئے اور توبہ وانابت کرنے لگے تو ہم نے اُن کے لئے اسے معاف کر دیا اور یقیناً اُن کے لئے ہمارے یہاں تقرب ہے اور انجام کی بہتری"۔

حضرت داؤدؑ کا فیصلہ اور اُس پر ان کو انتباہ

یہ وہی اوریائے حتی کی بیوی کا واقعہ ہے جسے مروجہ توریت میں ایسے عنوان سے پیش کیا گیا ہے کہ نبی خدا کی عصمت اُس سے ختم ہو جاتی ہے یعنی معاذ اللہ انھوں نے ناجائز طور پر اُس کی بیوی پر قبضہ کر لیا اور پھر حکمت عملی سے اُس شخص کو قتل کرا دیا اور عدہ گزرنے سے پہلے اس کے ساتھ عقد کر لیا۔ اسرائیلیات کے اثر سے مسلمانوں کے کتب میں بھی یہ تذکرہ آ گیا ہے مگر روایت کا قرآن کے مقابلہ میں کیا اعتبار؟ اور قرآن مجید میں اُس کی جتنی اصلیت ہے وہ پیش کر دی گئی ہے اور وہ ایسی ہے جس سے کسی ایسے فعل کا صدور جو خلاف قانون اور خلاف شرع ہو جناب داؤدؑ سے ظاہر نہیں ہوتا۔[۱]

صرف ایسی خواہش ظاہر ہوتی ہے جس کا نہ ہونا بہتر تھا لہٰذا اس کا بس "ترک اولیٰ" کہہ سکتے ہیں۔ گناہ کسی طرح نہیں کہہ سکتے اور اسی لئے قرآن مجید نے اُس کے تذکرہ کے ختم کرتے ہی اعلان فرما دیا کہ یہ ایک ایسا امر تھا جس سے اُن کے تقرب میں کوئی کمی آئی اور نہ حسن انجام میں کسی طرح کا نقص واقع ہوا بلکہ اگر ترتیب تنزیل مانی جائے تو فوراً اس کے بعد اُن کے لئے ایک منصب کا اعلان ہو گیا کہ **یاداؤد انا جعلنا خلیفۃ فی الارض** جس کی تفسیر ابھی آتی ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اصل قضیہ میں جناب داؤدؑ سے کوئی ترک اولیٰ بھی قرآن سے ظاہر نہیں ہوتا بلکہ صرف مستغیث کا بیان سن کر بغیر دوسرے فریق کا بیان سنے ہوئے، آپ نے جو حکم جاری کر دیا، یہ وہ ترک اولیٰ تھا جس پر وہ متنبہ ہو کر استغفار کرنے لگے، جناب شیخ الطائفہؒ نے اپنے مختار کی حیثیت سے اس کو ترجیح دی ہے۔[۲]

میرے خیال میں اگر اوریائے حتی کا واقعہ توریت میں موجود نہ ہوتا اور اُس کا اہل کتاب میں عموماً چرچا نہ ہوتا جس کے اثر سے علمائے

---

[۱] اس میں کسی کا خون نہیں کیا، بے ناموسی نہیں کی (موضح القرآن)

[۲] اولی الوجوہ ما قدّمناہ ترك النّدب فی ما یتعلّق بآداب القضاء (تبیان)

www.kitabmart.in

اسلام نے بھی ایسی روایات درج کردی ہیں یعنی اس واقعہ سے باکل خالی الذہن ہوتے تو واقعی الفاظ قرآنی سے ہماری سمجھ میں کسی ایسے عمل کا وقوع ثابت نہ ہوتا جو قابل بحث ہوا اور پھر ہم ترک اولیٰ اُسی کو سمجھتے جو جناب شیخ الطائفہؒ نے اختیار کیا ہے مگر جب کہ یہ واقعہ ہے کہ وہ حکایت اُس وقت موجود تھی اور ذہن کا اُس سے خالی ہونا ممکن نہیں ہے تو اب ذہن میں اس سے زیادہ قریب تصور یہی ہے کہ قرآن مجید کو اُس واقعہ کی اصل شکل کا پیش کرنا منظور تھا اور متخاصمین کے بیان کردہ مقدمہ کی روئداد سے وہ صورت واقعہ سمجھ میں آتا ہے جسے جناب داؤدؑ کا ترک اولیٰ سمجھا جاسکتا ہے۔

جناب داؤدؑ کی نسبت اُس غلط حکایت کا خود مسلمانوں میں کتنی شدت سے چرچا مدت تک رہا، اُس کا ثبوت خود جناب شیخ طوسیؒ کی درج کردہ حدیث سے ہوتا ہے جس میں جناب امیرؑ کو شدت کے ساتھ اس روایت کے بیان کرنے والوں کو تہدید فرمانا پڑی ہے اس طرح کہ آپ نے فرمایا کہ جو ایسا کہے گا، اُس پر میں دو طرح کی حد شرعی جاری کروں گا، ایک وہ جو کسی پر زناکاری کی تہمت لگانے سے جاری ہوتی ہے اور ایک جو کسی پیغمبر کی توہین پر جاری ہونا چاہیے۔[1]

علامہ طبرسیؒ نے بھی اس حکایت کی سختی کے ساتھ رد فرمائی ہے اور کہا ہے کہ اس میں حضرت داؤدؑ کا جو کردار بتایا گیا ہے وہ ایک شخص عادل کی عدالت کے منافی ہے، چہ جائیکہ شانِ نبوت جس میں عصمت جز لازم ہے۔[2]

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

''اے داؤدؑ ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے بلاشبہ جو لوگ بھٹکتے ہیں اللہ کے راستے سے اُن کے لئے سخت عذاب ہے اس سے کہ اُنہوں نے حساب کے دن کو بھلادیا''۔

خلیفہ کا ترجمہ جناب شاہ ولی اللہ نے ''بادشاہ'' کے لفظ سے کردیا جس سے خود اُن کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین مطمئن نہیں ہوئے اور اُنہوں نے ''نائب'' کے لفظ کے ساتھ ترجمہ کیا جو زیادہ حقیقت سے قریب ہے مگر اس کے ساتھ اقتدار سلطنت کا مفہوم بھی ملحوظ رکھنا ہوگا ورنہ بحیثیت رہنمائے خلق سر سلسلہ انبیاء جو حضرت آدمؑ ہیں، اُنہی کے لئے اعلان ہوگیا تھا اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ''میں زمین میں ایک نائب مقرر کرنے والا ہوں'' تو پھر جناب داؤدؑ کی خصوصیت کیا ہے؟ اس لئے یہاں بقرینہ مقام و بقرینہ تخصیص خلیفہ کے مفہوم میں بہ نیابت الٰہی اقتدار سلطنت کو مضمر ماننا پڑے گا۔

---

[1] روی عن علی علیہ السلام انہ قال لا اولیٰ برجل یقول ان داؤد ارتکب فاحشۃ الا ضربتہ حدّین احدھما القذف والاٰخر لاجل النبوّۃ (تبیان)

[2] جلّ انبیاء اللہ عن ذٰلک (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

''اور ہم نے پیدا کیا آسمان اور زمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو غلط طور پر یہ گمان ہے اُن لوگوں کا جو کافر ہیں، وائے ہواُن کے لئے جو کافر ہیں آتش جہنم سے۔کیا ہم اُنہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے مثل زمین میں فساد پھیلانے والوں کے قرار دیں یا پرہیز گاروں کو مثل فاسق وفا جرلوگوں کے قرار دیں''؟

اس میں قرآن مجید نے دوحیثیتوں سے خالق کے لئے وجوب عدالت کا اظہار کیا ہے اور کافروں سے تخاطب کر کے یہ کہا کہ کیا ہم ایسا کریں گے؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ عقل عدالت کو خالق کے لئے لازم قرار دیتی ہے اور خالق عقل کے اس فیصلے کو مستند قرار دیتا ہے۔ یہ بھی اس سے ظاہر ہے کہ خالق کی عدالت کا انکار، اُس کے لئے فعل عبث کی تجویز اور ظلم کی نسبت کفار کا شیوہ ہے۔اہل ایمان کی شان یہ نہیں ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

''یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے، بابرکت تا کہ وہ اُس کی آیتوں میں غور کریں اور تا کہ عقل والے نصیحت حاصل کریں''۔

قرآن کے بابرکت ہونے کے معنی

''برکت'' کے معنی عربی میں ''دیر پا'' ہونے کے ہیں، اس لئے کتاب کے بابرکت ہونے میں یہ پہلو بھی مضمر ہے کہ وہ تا عمر زمانہ باقی رہنے والی ہے، کبھی منسوخ ہونے والی نہیں اور یہ بھی کہ وہ فنا ہونے والی نہیں بلکہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے جسے دوسری جگہ ان الفاظ میں کہ انا له لحافظون (حجر۔۹)۔(یقیناً ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) سے ظاہر کیا گیا اور یہ بھی کہ جتنا غور کیا جاتا رہے اس کے حقائق ونکات کا انکشاف ہوتا رہے گا، وہ کبھی ختم ہونے والے نہیں جسے کلام معصوم میں ان الفاظ میں کہا گیا ہے کہ:۔

لا تنقضی عجائبه ولا تغنی غرائبه: اُس کے عجیب عجیب مطالب ختم ہونے والے نہیں، اس کے نادر مضامین فناپذیر نہیں ہیں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

''اور ہم نے داؤدؑ کو سلیمانؑ (کا ایسا بیٹا) عطا کیا، وہ بہت اچھا بندہ تھا، جب اُسے شام کے وقت تیز رفتار گھوڑوں کا معائنہ کرایا جارہا تھا تو اُس نے کہا کہ میں نے ان گھوڑوں کی محبت کو اختیار کیا اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہوکر

www.kitabmart.in

یہاں تک کہ وہ (سورج) پردے میں چھپ گیا۔ واپس لاؤ اُنہیں میری طرف تو وہ اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں کو قطع کرنے لگا''۔

گھوڑوں کے معائنہ اور آفتاب کے پلٹنے کا بیان

خیر کا لفظ بعض جگہ قرآن مجید میں مال و دولت کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے، اس لئے یہاں بھی ترجمہ مال و دولت کے ساتھ ہوسکتا ہے اور کیا گیا ہے۔[1]

مگر جناب شیخ الطائفہؒ نے اکابر مفسرین کا قول کلام عرب کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ خیر کا لفظ عربی محاورے میں **خیل** یعنی گھوڑوں کے معنی میں آتا ہے۔[2] اور علامہ طبرسیؒ نے اس کے لئے کلام عرب سے کئی شاہد درج کیے ہیں، بہرحال صورت واقعہ یہ بتائی گئی ہے۔ جو الفاظ قرآن سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جناب سلیمانؑ گھوڑوں کے معائنے میں ایسے محور ہے کہ نماز عصر کا وقت گزر گیا اور سورج غروب ہوگیا۔ اس پر وہ پشیمان ہوئے اور اب اس غفلت کے کفارے کے طور پر انہوں نے ان سب کی قربانی کر کے گوشت راہ خدا میں تقسیم کر دیا۔ اکثر مفسرین کا خیال یہی ہے[3] اور یہی مفہوم ذہن سے زیادہ قریب ہے۔ بعض لوگوں نے معنی یہی کہے ہیں کہ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگے[4] مگر قبل کی صورت حال سے اس کا تعلق سمجھ میں نہیں آتا۔

ہاں ایک تفسیر آیت کی جس کی موافقت میں امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی زبانی روایت آئی ہے۔ اگر مان لی جائے تو **مسحا بالسوق والاعناق** کا یہ مفہوم بھی ذہن سے قریب ہوسکتا ہے وہ تفسیر یہ ہے کہ جیسے توارت کی ضمیر آفتاب کی طرف راجع ہے، ویسے ہی ردوھا کی ضمیر بھی آفتاب کی طرف عائد ہے مطلب یہ ہے کہ جب انہیں احساس ہوا کہ سورج ڈوب گیا اور نماز عصر ان کی قضا ہوگئی تو انہوں نے خدا سے دُعا کی کہ آفتاب ان کے لئے پلٹادیا جائے چنانچہ آفتاب پلٹا اور انہوں نے نماز عصر ادا کی۔[5]

مجھے جناب امیرؑ کی طرف اس روایت کی نسبت میں تأمل یوں ہے کہ اس صورت میں **ردھا علی** ہونا چاہیے تھا (یعنی)، اے اللہ! پلٹا دے اسے مجھ پر، نہ کہ **ردوھا علی** جو جمع حاضر کو صیغہ ہے کہ ''پلٹادو اُسے مجھ پر''۔ یہ کون ہیں جن سے وہ آفتاب پلٹانے کے لئے کہیں؟

وَلَقَدۡ فَتَنَّا سُلَيۡمٰنَ وَاَلۡقَيۡنَا عَلٰى كُرۡسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝٣٤ قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ وَهَبۡ لِىۡ مُلۡكًا لَّا يَنۡۢبَغِىۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِىۡ‌ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ۝٣٥ فَسَخَّرۡنَا لَهُ

---

[1] دوست داشتم ایں اسپاں را از قبیل رغبت مال (شاہ ولی اللہ) دوست رکھا محبت مال کو (رفیع الدین)
[2] العرب تسمّی الخیل الخیر (تبیان) حبّ الخیر ای الخیل (جلالین)
[3] ای ذبحھا و قطع ارجلھا (جلالین)
[4] ہاتھ پھیرنا بالوں پر اور گردنوں کو (شاہ رفیع الدین)
[5] قیل معناہ انّہ سال اللہ تعالیٰ ان یرد الشمس علیہ فردّھا علیہ حتی صلّی العصر فالھاء فی ردّوھا یة عن الشمس عن علی بن ابی طالبؑ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

الرِّيۡحَ تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖ رُخَآءً حَيۡثُ اَصَابَ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيۡنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ﴿۳۷﴾
وَّاٰخَرِيۡنَ مُقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِكۡ بِغَيۡرِ
حِسَابٍ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰى وَحُسۡنَ مَاٰبٍ﴿۴۰﴾

''اورہم نے سلیمانؑ کی آزمائش کی اورڈال دیا اُن کے تخت پرایک جسم، پھرانہوں نے اللہ کی طرف رجوع کی، کہا پروردگار! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کردے جومیرے بعد کسی کی شان کے لائق نہ ہو، یقیناً توبڑا عطا کرنے والا ہے توہم نے ہوا کواُن کے قبضے میں دے دیا کہ وہ اُن کے حکم پرجہاں وہ چاہیں آہستگی رواں ہوتی تھی اورشیطانوں کوجن میں ہرعمارت بنانے والا اورغوطہ لگانے والا تھااوردوسرے جوزنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ یہ ہماری عطاہےتوخوب احسان کرویابےاندازہ روک رکھو، بلاشبہ اُن کے لئے ہمارے یہاں تقرب کا درجہ تھااورانجام کی بہتری''۔

ان تمام آیتوں کی تشریح کے لئے واقعہ کے مستندتفصیلات کی ضرورت ہے جوافسوس ہے کہ ہمارے دسترس میں نہیں ہے۔تفسیری روایات جوان امورمیں واردہوئی ہیں، وہ اتنی غیرمستندہیں کہ اُن سے کوئی وثوق حاصل نہیں ہوسکتا۔ان میں سے ایک جوکسی حدتک قابل قبول ہے، یہ ہے کہ اُنہوں نے ایک دفعہ یہ کہہ دیا کہ میری ستربیویاں ہیں، ہرایک کے پاس جاؤں گا تومیرے ستربیٹے ہوں گے مگراس کے ساتھ انشاء اللہ نہیں کہا۔یہی بات قدرت کوناپسندہوئی اوراُن تمام بیویوں کے پاس جانے پران میں سے کسی کے یہاں اولادنہیں ہوئی اورایک کے یہاں ہواتومردہ بچہ جسےاُن کے تخت پرلاکرڈال دیا گیا۔اب اُنہیں توجہ ہوئی کہ میں نے انشاء اللہ نہیں کہا تھااوراس پرانہوں نےتوبہ وانابت کی ،اس کےعلاوہ بعض قصے بیان ہوئے ہیں جوزیادہ مہمل ودل حزن ہیں۔

بہرحال جوچیزقطعی دلائل سے ثابت ہےیعنی عصمت انبیاءاُس کےخلاف افواہی باتیں جن کا کوئی معتبر ماخذنہیں، وزن ہی کیارکھتی ہیں؟ جناب شیخ الطائفہؒ نےبھی ان افواہی باتوں کوبیان کرکےبس اس مسلمہ دینی حقیقت یعنی عصمت انبیا کویاددلایاہےاورپھراُن بیانات پرکوئی محاکمہ نہیں کیاہے۔

ایک بات آدمؑ سے لےکرسلیمانؑ تک برابردیکھنے کی ہے کہ جوترکِ اولیٰ اُن سے ایساہوااوراُنہوں نےتوبہ وانابت کی، اُس کے بعد بجائےسزاکےوہ اُن کےمنصب پرٹبیھج دیئے گئے جیسےحضرت آدمؑ یااُس کےبعداُن کےلئےکسی منصب خاص کااعلان ہوگیاجیسےجناب داؤدؑاور یہاں جناب سلیمانؑ باوجودیکہ باپ والی حکومت کے مالک تھے،اب اُنہوں نےوہ سلطنت طلب کی جواُن کےمخصوصات میں سےہواورخداوند عالم نےنہ صرف اُن کی درخواست کوقبول فرمایابلکہ اس کےساتھ اُن کےلئےتقرب خاص اورحسن انجام کااعلان بھی فرمادیا۔

وَاذۡكُرۡ عَبۡدَنَاۤ اَيُّوۡبَ ۘ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الشَّيۡطٰنُ بِنُصۡبٍ وَّعَذَابٍ﴿۴۱﴾
اُرۡكُضۡ بِرِجۡلِكَ ۚ هٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ﴿۴۲﴾ وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اَهۡلَهٗ وَمِثۡلَهُمۡ

www.kitabmart.in

مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

''اور یاد کرو ہمارے بندے ایوبؑ کو جب اُنہوں نے پکارا اپنے پروردگار کو کہ مجھے گرفتار کیا ہے شیطان نے سختی اور تکلیف میں۔ اپنا پیر مارو، یہ نہانے کے لئے پانی ہے ٹھنڈا اور پینے کا اور ہم نے اُنہیں عطا کی اُن کی آل اولاد اور اُن ہی کے ایسے اُن کے ساتھ اپنی رحمت سے اور یادگار صاحبانِ عقل کے لیے''۔

جناب ایوب علیہ السلام اور ان کے صبر کا تفصیلی تذکرہ

''مجھے گرفتار کیا ہے شیطان نے'' اس کا کیا مطلب؟ چونکہ ہمیں جو اُن کی تکلیف معلوم ہے عوارض جسمانی اور آفات ارضی وسماوی کے قبیل سے ہے تو اس شیطان کا کیا دخل؟ اس لئے بعض نے یہ کہا ہے کہ یہاں یہ عوارض اور مصائب و آلام مراد نہیں ہیں بلکہ ذہنی کشاکش جو سابق اللہ کی نعمتوں کے زوال اور مصائب کی فراوانی کے تصور سے ہوتی ہے جس میں انسان کو اپنے ایمان میں تزلزل محسوس ہوتا ہے، وہ مراد ہے۔ اسے وہ شیطان کی وسوسہ انگیزی کہہ رہے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ وہ ان تصورات کو بے جا اور اس فکر کو غلط سمجھتے ہیں۔[۱] مگر اس صورت میں ان کی مناجات کے جواب میں صرف ان تکلیفوں کے زوال کا بیان جیسے کافی معلوم نہیں ہوتا بلکہ مزید کچھ ان کے استحکام ایمان کے سلسلہ میں اطمینان دہانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ شیطان کی وسوسہ انگیزی کو اُنہوں نے اپنے متعلق نہیں کہا ہے بلکہ شیطان کی وسوسہ انگیزی نے عام لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ اُن کی بیماری کی وجہ سے اُن کو اچھوت سمجھ لیں اور اُن کے قریب جانے سے پرہیز کریں۔ اس قول کے باوجود یکہ نسبت امام جعفر صادقؑ کی طرف بھی ہے مگر ہمارے علماء نے اُسے قبول نہیں کیا ہے اس تصور کی بنا پر کہ انبیاء کو کسی ایسے مرض میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے جس سے لوگ نفرت کریں۔[۲] لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ اگر مرض واقعی قابل نفرت نہ ہو مگر لوگ پروپیگنڈے کی بنا پر اور عداوت وعناد سے بے جا طور پر الگ رہنے لگے ہوں اور دوسرے لوگوں کو الگ رہنے کو کہتے ہوں جیسا کہ شیطان کی طرف اُس کے اسناد سے ظاہر ہے تو اس میں شانِ رسالت پر کیا اثر پڑتا ہے جب کہ اُس میں شانِ عصمت کا تحفظ ہو رہا ہے۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

''اور اپنے ہاتھ میں ایک گھچا لے کر اُسے مارو اور اپنی قسم کی مخالفت نہ کرو، بے شک ہم نے اُسے صبر کرنے والا پایا بڑا اچھا بندہ، یقیناً وہ لو لگانے والا تھا''۔

ان واقعات کے بیان میں قرآن مجید کے اندازِ تذکرہ سے ظاہر ہے کہ یہ واقعات بوقت نزول قرآن مجید عام طور پر معلوم ومشہور تھے۔

---

[۱] مسّنی الشیطان ای وسوسنی وذکّرنی ما کنت فیه من نعم الله فی الاهل والولد والمال وکیف زال ذٰلك کلّه (تبیان)
[۲] قال اهل التحقیق انّه لا یجوز ان یکون بصفة یستقذره النّاس علیها لانّ فی ذٰلك تنفیرا (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اس لئے قرآن صرف اجمالاً بلکہ اشارۃً اُن کا ذکر کر کے آگے بڑھ جاتا ہے جس سے وہ لوگ جو اُس پر مطلع نہیں ہیں، پورے واقعہ کو سمجھ نہیں سکتے۔ ہم ایسے دور افتادہ افراد تفصیلات کے لئے اب روایات کے دست نگر ہو گئے ہیں چنانچہ اس واقعہ کے سلسلے میں جو معلوم ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی بات پر حضرت ایوبؑ نے اپنی زوجہ کے لئے قسم کھائی تھی کہ وہ سو چھڑیاں یا تازیانے لگائیں گے لیکن وہ بیوی بظاہر مقربانِ الٰہی میں سے تھیں لہٰذا خالق نے ایسی صورت بتائی ہے کہ اُن کی قسم بھی پوری ہو جائے اور اُس خاتون کو کوئی خاص تکلیف بھی نہ ہو۔[1]

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾

"اور یاد کرو ہمارے بندگانِ خاص ابراہیمؑ و اسحاقؑ اور یعقوبؑ کو جو خاص دسترسوں اور نگاہوں والے تھے۔ ہم نے اُنہیں عالمِ آخرت کی یاددہانی کی پر خلوص صفت کے ساتھ مخصوص کیا اور بلا شبہ وہ ہمارے نزدیک نیک آدمیوں میں تھے اور یاد کرو اسماعیل، یسع اور ذوالکفل کو اور ہر ایک نیک آدمیوں میں سے تھا"۔

بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ کی ترکیب نحوی اور اُس کے مضمرات میں بہت سے پہلو میں جنہیں علامہ طبرسیؒ نے درج فرمایا ہے لیکن واضح مفہوم یہی ہے کہ الدار سے مراد عالمِ آخرت ہے اور اُس کی یاددہانی اُن کا امتیازی وصف ہے جسے **خالصۃ** کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اس طرح ذکری الدار خالصۃ کے ابہام کی تشریح ہے۔ اس کے موافق نے ترجمہ کیا ہے۔[2]

هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾

"یہ بڑا اہم تذکرہ ہے اور بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے انجام کی بہتری ہے۔ وہ جاودانی بہشت جس کے دروازے اُن کے لئے کھلے ہوں گے۔ وہ تکیوں سے لگے ہوئے بیٹھے ہوں گے، منگوارہے ہوں گے اُن میں بکثرت فواکہ اور پینے کے شرابت اور اُن کے پاس نگاہوں کو محدود رکھنے والی ہم عمر حوریں ہوں گی۔ یہ وہ ہے جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے حساب کے دن کے واسطے۔ یقیناً یہ ہماری طرف کا مخصوص رزق ہے جس کے لئے ختم ہونا نہیں ہے"۔

---

[1] قیل انّه کان خلف علیٰ امرأته لامر انکوه لئن عوفی لیضربنها مائة (تبیان)

[2] الخالصة بمعنی الخلوص والذّکری بمعنی التذکیر ای خلص لهم تذکیر الدّار وهو انّهم کانوا یذکرونها بالتأهب لها ولیزهدون فی الدّنیا کما هو عادة الانبیاء (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

”یہ ایک بڑا اہم تذکرہ ہے“۔ یہ ترجمہ ایک تفسیر کے مطابق ہے۔[1] اس کے علاوہ بعض مقامات پر ذکر کے معنی شرف اور درجہ امتیازی کے بھی آئے ہیں۔ اس طرح انبیاء کے تذکرہ کے بعد اس لفظ کا یہ مطلب ہوگا یہ جوان بزرگوں کو خصوصیات حاصل تھے، یہ اُن کے لئے ایک خاص عزت و امتیاز کی حیثیت رکھتے تھے۔[2] اور یوں اس کے علاوہ انجام کی بہتری کلیۃً حسن عمل سے وابستہ ہے جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ بعد کو ہوا ہے۔ حوروں کے لئے متعدد جگہ اس طرح کے وصف سے جس کے لئے یہاں **قاصرات الطرف** کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے کیا ”نگاہوں کو محدود رکھنے والی“۔[3]

اور سورۂ رحمن میں اس کے علاوہ **مقصورات فی الخیام** ”خیموں کے اندر محدود رہنے والیاں“ اس طبقہ (صنف نازک) کے لئے خالق کی نظر میں جو پسندیدہ معیار ہے، اس کا ثبوت ملتا ہے کہ اس صنف کے لئے خالق کی نگاہ میں وہ کوئی خوبی نہیں ہے جسے آج کل ”ایڈوانس“ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے ”سوشل“ کہہ کے تعریف کی جاتی ہے جو موجودہ دور ارتقاء کی ذہنیت کی ترجمان ہے۔

هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝۵۵ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۵۶
هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝۵۷ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ۝۵۸ هٰذَا فَوْجٌ
مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝۵۹

”یہ تو ہے (ایک طرف) اور یقیناً سرکشوں کے لئے انجام کی برائی ہے، دوزخ جس کی گرمی وہ اٹھائیں گے تو کیا برا وہ ٹھکانا ہے۔ اب یہ ہے تو اُسے انہیں چکھنا ہے، گرم پانی اور پیپ اور اسی صورت کی ملتی جلتی ہوئی چیزیں۔ یہ ایک بڑا انبوہ ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہا ہے۔ کوئی ”خوش آمدید“ ان کے لئے نہیں ہے انہیں تو اس آگ کی گرمی برداشت کرنا ہے“۔

”یہ ایک بڑا انبوہ ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہا ہے“ اس سے ظاہر ہے کہ پہلا عذاب جو بیان ہوا ہے، وہ لیڈروں اور غلط پیشواؤں کا ہے اور وہ جو اُن کے ساتھ داخل ہونے والے ہیں بے چارے اُن کے پیرو ہیں۔ بعد کی آیت سے کچھ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ **لا مرحباً بهم** ”کوئی خوش آمدید ان کے لئے نہیں ہے“ یہ ان لیڈروں کا قول ہے جن سے خطاب ہوا تھا کہ ”یہ ایک بڑا انبوہ ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہا ہے“ اسے سن کر جیسے وہ کہتے ہیں۔[4] کہ ہمیں اس انبوہ سے کوئی غرض نہیں ہے، کوئی ”خوش آمدید“ ان کے لئے نہیں ہے۔ یہ کم بخت تو دوزخ کے مستحق ہے، اس پر وہ اُن سے کہیں گے جو بعد کو ہے۔

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۶۰

---

[1] هٰذا ذکر لهم بالثناء الجمیل هنا (جلالین)
[2] ای شرف لهم وذکر جمیل وثناء حسن یذکرون به فی الدّنیا ابدا (مجمع البیان)
[3] ما بسات العین علیٰ ازواجهنّ (جلالین)
[4] انّ القادة والرؤساء یقولون للاتباع لا مرحبا بهؤلاء انّهم یدخلون النّار (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝٦١

''انہوں نے کہا بلکہ تم، تمہارے لیے ''خوش آمدید'' نہ ہو، تم ہی یہ دن ہمارے سامنے لائے تو کیا برا ٹھکانا ہے (پھر کہا) اے ہمارے پروردگار! جو ہمارے سامنے اُسے لایا اسے دردناک عذاب کر اس آگ میں''۔

چونکہ لیڈروں نے اصل دوزخی ان اپنے پیروؤں کو قرار دیا تھا، اس لئے اب یہ اُن کی جانب سے اُس کا جواب ہے۔[1] جو بل سے شروع ہو رہا ہے، یعنی ہم اصل دوزخی کیوں ہونے لگے، بلکہ تم نے ہمیں گمراہ کیا اور تمہاری اطاعت سے یہ روز بد ہمارے سامنے آیا ہے۔[2] اور اس لئے وہ پروردگار عالم سے کہہ رہے ہیں کہ انہیں دونی سزا دے۔ خود ان کی گمراہی کی بھی اور ہمارے گمراہ کرنے کی بھی۔

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝٦٢ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۝٦٣ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝٦٤

''اور انہوں نے کہا کہ کیا بات ہے، ہم اُن اشخاص کو نہیں دیکھتے جنہیں ہم بہت برے آدمیوں میں شمار کرتے تھے۔ ہم نے اُن کا (بلاوجہ) مذاق اڑایا تھا یا نظریں اُن کے دیکھنے سے چوک رہی ہیں؟ یقیناً ایسا ہی واقع ہونا ہے دوزخ والوں کا آپس کا جھگڑا''۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝٦٥ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝٦٦

''کہہ دیجیے کہ میں تو بس ڈرانے والا ہوں، اور کوئی خدا نہیں سوا اللہ کے جو یکتا، زبردست، آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کا پروردگار، عزت کا مالک، بخشنے والا ہے''۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝٦٧ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝٦٨ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝٦٩ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧٠

''کہئے یہ بہت بڑی خبر ہے جس سے تم بے اعتنائی اختیار کرتے ہو مجھے تو کوئی علم نہیں تھا عالم بالا کے رہنے والوں کا جب وہ سوال و جواب کر رہے تھے، میری طرف وحی نہیں ہوتی سوا اس کے کہ میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں''۔

اس کو اگر قبل کے تذکرہ سے متعلق کیا جائے تو وہ سوال و جواب اہل دوزخ کے تابعین و متبوعین کا ہوگا مگر ملا اعلیٰ کا لفظ اُس پر زیادہ

---

[1] تابعان گویند (شاہ ولی اللہ) پہلے وہ تھے جو دنیا میں سردار تھے، پچھلے وہ جو ادنیٰ تھے (موضح القرآن)

[2] ای حملتمونا علی الکفر الّذی اوجب لنا هذا العذاب (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

منطبق نہیں اور اگر بعد کے تذکرے سے متعلق سمجھا جائے تو ملا اعلیٰ سے مراد فرشتے ہوں گے جن میں اور ابلیس میں سجدہ آدم کے باب میں اختلاف عمل نمودار ہوا اور پھر خالق اور ابلیس کے درمیان سوال و جواب ہوا۔ بعض لوگوں نے اُسے اُس سوال سے متعلق کیا ہے جو فرشتوں کی طرف سے اعلان خلافت آدمؑ کے متعلق ہوا۔[1] مگر ملائکہ کی عصمت کو دیکھتے ہوئے اس سوال و جواب کو اختصام یعنی آپس کے جھگڑے کے لفظ سے تعبیر کیا جانا دل کو لگتی ہوئی بات نہیں ہے، پھر جب کہ خلافتِ آدمؑ والے اعلان کا یہاں قبل اور بعد میں کہیں ذکر نہیں ہے لیکن اس کے بعد بلا فاصلہ سجدہ آدمؑ کے حکم اور ابلیس کے انکار کا ذکر موجود ہے، تو بلا وجہ اسے کسی دوسرے واقعہ سے متعلق کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝۷۱ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ
مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝۷۲ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝۷۳ اِلَّآ
اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝۷۴ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ
لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ۝۷۵ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ
خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝۷۶ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ۝۷۷ وَّاِنَّ
عَلَیْكَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۷۸ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝۷۹ قَالَ
فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝۸۰ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝۸۱ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ
لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۸۲ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝۸۳ قَالَ فَالْحَقُّ ؗ وَالْحَقَّ
اَقُوْلُ ۝۸۴ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۸۵

’’جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک انسان مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں تو جب میں اسے تیار کرلوں اور اُس میں اپنی خاص روح میں کا ایک جزء پھونک دوں تو اُس کے سجدے میں گر جانا تو جتنے فرشتے تھے سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے اُس نے گھمنڈ کیا اور وہ کافروں میں سے تو تھا ہی۔ ارشاد ہوا اے ابلیس! کون امر تجھے مانع ہوا اس سے کہ تو سجدہ کرے اُسے جسے میں نے خود اپنی قدرت خاص سے پیدا کیا ہے؟ تو کیا تو نے گھمنڈ سے کام لیا ہے یا تو واقعی اونچے طبقے والے افراد میں سے تھا؟ اُس نے کہا میں اُس سے بہتر تو ہوں ہی، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا تھا اور اُسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اس پر ارشاد ہوا تو نکل جا اُس میں سے کہ تو (ہمیشہ کے لیے) راندا ہوا ہے اور یقیناً تجھ پر میری لعنت ہے روز قیامت تک۔ اُس نے کہا پروردگار! مجھے مہلت

---

[1] یعنی بالملا الا علی الملائکة اختصموا فی اٰدم حین قیل لهم: انّی جاعل فی الارض خلیفة فی قول ابن عباس وقتادة والسدی (تبیان) یختصمون فی شان آدم حین قال اللہ: انّی جاعل فی الارض خلیفة (جلالین)

www.kitabmart.in

دے اُس دن تک کہ جب سب دوبارہ زندہ ہوں گے۔ کہا تجھے موقع دیا جاتا ہے مقررہ وقت والے دن تک۔ اُس نے کہا تو قسم ہے تیرے عزت و جلال کی کہ میں اُن سب کو گمراہ کروں گا سوا تیرے خاص نکھارے ہوئے بندوں کے۔ ارشاد ہوا کہ پھر یہ حقیقت ہے اور جو حقیقت ہو وہی میں کہتا ہوں کہ میں لازماً بھر دوں گا دوزخ کو تجھ سے اور اُن سے جو اُن میں سے تیری پیروی کریں گے“۔

اَسۡتَکۡبَرۡتَ اَمۡ کُنۡتَ مِنَ الۡعَالِیۡنَ کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے کہ تو نے گھمنڈ سے کام لیا ہے یا واقعی تو اونچے طبقے والے افراد سے تھا، اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ کوئی اونچا طبقہ ایسا تھا جو سجدہ آدمؑ پر مامور نہ تھا مگر بعض حضرات نے اس عالین کے لفظ کو اس مفہوم میں لیا ہے جیسے فرعون کیلئے قرآن میں آیا ہے: علا فی الارض ”اُس نے روئے زمین پر بڑا بننے کی کوشش کی“ اسی طرح ایک جگہ ہے: تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِيۡنَ لَا يُرِيۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِی الۡاَرۡضِ ”وہ آخرت کا گھر اُن کے لئے ہے جو روئے زمین پر بڑا بننے کی کوشش نہیں کرتے۔[1] مگر اس صورت میں اُس کا مفہوم استکبرت ”کیا تو نے تکبر کیا“ سے ملتا جلتا ہوگا تو اُسے حرف عطف کے ساتھ یوں ہونا چاہیے تھا کہ استکبرت و کنت من العالین مگر وہاں ام کے لفظ کے ساتھ آیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ استکبار کے مقابل کی کوئی چیز ہے اور بعض مستند مفسرین کی تشریح ہمارے موافق ہے۔[2]

قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِيۡنَ ﴿۸۶﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعۡلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِيۡنٍ ﴿۸۸﴾

”کہئے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ اس پر نہیں مانگتا اور نہ میں زبردستی کی باتیں کرنے والوں میں سے ہوں۔ یہ نہیں ہے سوا نصیحت و ہدایت کے تمام دنیا جہان کے لئے اور کچھ مدت کے بعد تمہیں اس کا حال معلوم ہوگا“

”نہ میں زبردستی کی باتیں کرنے والوں میں سے ہوں“ یعنی بغیر مستحکم دلائل کے خواہ مخواہ ادعائے رسالت کروں، ایسا نہیں ہے۔[3] اور ایک مفہوم یہ کہا گیا ہے کہ میں خالق کی طرف سے مامور ہوا ہوں ورنہ میں بلا وجہ از خود یہ زحمت کیوں اُٹھاتا۔[4]

---

[1] استکبرت یا ابلیس ای طلبت المتکبّر با متناعك من السّجود له ام کنت من العالمین الّذین یعلون علی الحقّ تجبّرا و تکبرا (تبیان)

[2] ام کنت من الّذین تعلوا اقدارهم عن السّجود فتعالیت عنه (مجمع البیان)

[3] ای و لست ممن یتعسّف فی طلب الامر الّذی لا یقتضیه العقل (تبیان) المتقوّلین القراٰن من تلقاء نفسی (جلالین)

[4] من المتکلفین لهذا القراٰن من تلقاء نفسی و قیل معناه انّی ما اٰتیتکم رسولا من قبل نفسی و لم اتکلّف هٰذا الّا بامر امرت به (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ الزُّمَرِ

مکّیہ ----۷۵---- آیات

''زُمر'' زُمرہ کی جمع ہے جس کے معنی گروہ کے ہیں، چونکہ اس سورہ کے دوران میں اہل جنت اور اہل جہنم دونوں کے لئے کہا گیا ہے کہ بصورت زمر یعنی گروہ در گروہ اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف جائیں گے، اس لئے اس سورے کا نام زُمر ہوا۔

سورۂ زمر کے خاص خاص مضامین:

۱۔ مشرکین کی اپنی بت پرستی کے لئے یہ توجیہ کہ ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے قریب کریں جیسا اپنے الفاظ میں اس وقت کے تعلیم یافتہ بت پرست بھی اکثر اپنی بت پرستی کی توجیہ میں کہا کرتے ہیں۔

۲۔ انسانوں کی تین تاریکیوں کے اندر درجہ بدرجہ تخلیق۔

۳۔ کوئی دوسرے کا بار نہیں اٹھائے گا۔

۴۔ عالم اور جاہل برابر نہیں۔

۵۔ صبر کرنے والوں کے لئے اجر بے حساب۔

۶۔ سب کی سننا چاہیے اور اُس میں جو بہتر ہو اُسے قبول کرنا چاہیے۔

۷۔ رسولؐ سے خطاب کہ آپ کو بھی سب کی طرح موت سے دوچار ہونا ہے۔

۸۔ وفات بصورت موت اور بصورت خواب۔

۹۔ گناہ گاروں کو ناامید نہ ہونا چاہیے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ
فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ﴿۲﴾ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُہُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ بَیْنَہُمْ

www.kitabmart.in

فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③

''کتاب کا اتارا جانا ہے اللہ کی طرف سے جو عزت والا، صحیح کام کرنے والا ہے یقیناً ہم نے آپ پر یہ کتاب اُتاری ہے سچائی کے ساتھ تو اللہ کی عبادت کیجئے خالص رکھتے ہوئے دین کو اُس کے لئے۔ معلوم رہے کہ خالص دین کا مرکز صرف اللہ ہے اور جنہوں نے اُس کے علاوہ سرپرست بنا لئے ہیں (کہتے ہیں کہ) ہم اُن کی عبادت نہیں کرتے ہیں مگر اس لئے کہ ہم کو اللہ کی بارگاہ میں قریب کریں، بلاشبہ اللہ فیصلہ کرے گا اُن کے درمیان اُس میں کہ جس کے بارے میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔ یقیناً اللہ منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا ایسے کو جو جھوٹا بڑا ناشکرا ہو''۔

تحقیق کا دامن چھوڑنا غلط

اہل حق کی جزا اور اہل باطل کی سزا ہی وہ مختتم فیصلہ ہے جس کے لئے قیامت کی پوری کارگاہ ہے۔ اس فیصلے کے لئے قیامت کا حوالہ بہت سے مقامات پر قرآن میں ہے جس میں رواداری بھی ہے اور حقانیت کے ایک خاص پہلو کا اظہار بھی۔ رواداری تو یہ ہے کہ یہ معاملہ جب قیامت میں طے ہونا ہے تو دنیا میں اس سوال پر جنگ وجدال سے کیا فائدہ ہے؟ ''موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدین خود'' پر عمل کرو اور آپس میں مل جل کر رہو۔ مذہب کی بنا پر لڑائی جھگڑا بالکل بے کار کی بات ہے۔ اس کے ساتھ حقانیت کے جس پہلو کا اظہار ہے، وہ یہ ہے کہ آج کل کے بعض ترقی یافتہ افراد کا یہ کہنا کہ مذاہب سب درست ہیں۔ اعمال بس درست ہونا چاہئیں، یہ بالکل غلط ہے۔ حق ان میں سے ایک ہی ہے جس کا فیصلہ جزا وسزا کی شکل میں روز قیامت سامنے آئے گا لہٰذا اس دنیا میں تحقیق کا دامن چھوڑنا غلط ہے اور جسے اُن کا ضمیر مستحکم دلیل کے ساتھ حق بتائے، اُس حق سے دوسروں کو متعارف بنانا بھی خلق خدا کے ساتھ خیر خواہی ہے لہٰذا اہل حق کو مذہب حق کی تبلیغ کرنا بھی درست ہے مگر اُنہی حدود میں جو قرآن مجید کے انداز بیان سے جا بجا سامنے آتے ہیں۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤

''اگر اللہ چاہتا کہ کوئی اولاد اختیار کرے تو اپنی مخلوقات میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا۔ پاک ہے اُس کی ذات وہ تو بس ایک بڑا غالب وقاہر اللہ ہے۔ اُس نے آسمانوں اور زمین کو سچائی کے ساتھ پیدا کیا۔ وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور وہ قابو میں رکھے ہوئے ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک چل رہا ہے ایک مقررہ مدت تک معلوم رہے کہ وہ عزت والا بڑا بخشنے والا ہے''۔

آغاز آیت مثل بعض دیگر آیات کے یہ بتاتا ہے کہ وہ بطور متبنّٰی بیٹا بنانے کی نفی میں ہے مگر اُس کے ساتھ سبحٰنہ کا لفظ اور پھر اُس

www.kitabmart.in

کے خدائے واحد ہونے کا تذکرہ بتاتا ہے کہ وہ حقیقی اولاد کی نفی ہے جو شانِ الوہیت کے خلاف ہے بہرحال نتیجتاً دونوں تصورات کی رد ہو جاتی ہے خواہ کوئی کہتا ہو کہ واقعی عیسیٰؑ اُس کے بیٹے ہیں یا یہ کہتا ہو کہ اُس نے اُنہیں بیٹا بنایا ہے۔ ہیں دونوں ہی باتیں غلط۔

خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَاَنۡزَلَ لَـكُمۡ مِّنَ الۡاَنۡعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزۡوَاجٍ ؕ يَخۡلُقُكُمۡ فِىۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ خَلۡقًا مِّنۡۢ بَعۡدِ خَلۡقٍ فِىۡ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰ لِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ لَـهُ الۡمُلۡكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصۡرَفُوۡنَ ⑥

''اُس نے تم سب کو پیدا کیا ایک متنفس سے، پھر اُس سے اُس کے شریک زندگی کو پیدا کیا اور تمہارے لئے اُتارا چوپایوں میں سے آٹھوں قسموں کو، وہ تمہیں پیدا کرتا ہے تمہاری ماؤں کی شکموں میں ایک طرح کی تخلیق، پھر دوسری طرح کی تخلیق کے ساتھ تین اندھیرے پردوں میں۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار۔ اُس کے لئے سلطنت ہے، کوئی خدا نہیں سوا اُس کے، تو کدھر منحرف ہوتے ہو''۔

چوپایوں کی آٹھ قسمیں: گائے، بھینس، اونٹ، بکری اور بھیڑ، ہر ایک میں نر اور مادہ جن کا ذکر سورۂ انعام میں ہو چکا ہے۔[1]

اِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنۡكُمۡ ۟ وَلَا يَرۡضٰى لِعِبَادِهِ الۡكُفۡرَ ۚ وَاِنۡ تَشۡكُرُوۡا يَرۡضَهُ لَـكُمۡ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ مَّرۡجِعُكُمۡ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ⑦

''اگر تم ناشکرا پن اختیار کرو تو یقین جانو اللہ تم سے بے نیاز ہے اور روہ اپنے بندں کے لئے ناشکرے پن کو پسند نہیں کرتا اگر تم شکر گزاری کرو تو وہ تمہارے لئے اُسے پسند کرتا ہے اور کوئی ایک بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تمہارے پروردگار کی طرف تم سب کی رجوع ہوگی اور وہ تمہیں بتائے گا جو کرتے تھے، یقیناً وہ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے''۔

''اللہ تم سے بے نیاز ہے'' یعنی تمہاری شکر گزاری سے اُس کا کوئی فائدہ نہیں اور ناشکرے پن سے، اس کا کوئی نقصان نہیں ہے'' وہ اپنے بندوں کے لئے ناشکرے پن کو پسند نہیں کرتا'' یعنی بحیثیت مربی کے وہ اُس کے درپے ہے کہ اس کے بندے خصائل حسنہ سے آراستہ ہوں اور یہ بُری خصلتوں سے دور ہوں اور ناشکرا پن بری چیز ہے اور وہ ان کے لئے اسے ناپسند کرتا ہے، بے شمار آیات قرآن کی طرح انسان کے فاعل مختار ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ جب وہ کفرانِ نعمت سے راضی نہیں اور شکر گزاری سے راضی ہے تو اگر افعالِ انسانی اُس کے جبر سے ہوتے تو کفرانِ نعمت کا وجود ہی ناممکن ہے۔

---

[1] ھی الّتی فسّرناھا فی سورۃ الانعام (علی بن ابراھیم)

www.kitabmart.in

وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيۡبًا اِلَيۡهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعۡمَةً مِّنۡهُ نَسِىَ مَا كَانَ يَدۡعُوۡۤا اِلَيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنۡدَادًا لِّيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ قُلۡ تَمَتَّعۡ بِكُفۡرِكَ قَلِيۡلًا ۖ اِنَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ ﴿۸﴾

''اور جب آدمی پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اپنے پروردگار کو پکارتا ہے اُس سے لو لگاتے ہوئے، پھر جب وہ اپنی طرف سے اُسے کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے اُسے جس کے واسطے وہ پہلے پکار رہا تھا اور اللہ کے لئے شریک قرار دیتا ہے کہ اُس کے راستے سے گمراہ کرے۔ کہو کہ فائدہ اٹھا لو اپنے ناشکرے پن سے تھوڑے دن یقیناً تو دوزخ والوں میں سے ہے''۔

''کہو'' یہ کسی شخص خاص سے خطاب نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بات اس سے کہی جائے تو بالکل درست ہے لیکن عام طور پر مفسرین ایسے خطاب کا مخاطب رسولؐ کو قرار دیا کرتے ہیں چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی کیا ہے۔[۱] جو میرے نزدیک درست نہیں ہے۔ پھر ''فائدہ اٹھالے'' یہ کہنا حکم کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ تجھ کو اس دنیا میں تھوڑے دن فائدہ اٹھا لینے دیا جائے گا پھر اُس کے بعد دوزخ میں جلنا ہے۔[۲]

اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيۡلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَيَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۹﴾

''آیا وہ شخص جو عبادت کرنے والا ہے، رات کے لمحات میں سجدے کی حالت میں اور قیام میں کہ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے؟ کہئے کہ کیا برابر ہیں وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے؟ بس نصیحت تو صاحبان عقل ہی قبول کرتے ہیں''۔

اکثر آیتوں میں اس طرح کے سوال سے آغاز ہوا ہے جس کا اندازہ بتاتا ہے کہ اس کے قبل بھی ایسا ہی کچھ سوال تھا مگر موجودہ ترتیب میں وہ نظر نہیں آتا، اس لئے اُس سوال کے مقابل کا رُخ الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتا۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرا رخ سننے والے کے ذہن پر چھوڑ دیا گیا ہو بہر حال اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص اور وہ جو ایسا نہیں ہے، برابر نہیں ہیں۔[۳]

قُلۡ يٰعِبَادِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ؕ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا

---

[۱] قال اللہ تعالیٰ لنبیّہ قل لہ یا محمدؐ علی سبیل التھدید (تبیان)
[۲] ھذا امر معناہ الخبر کقولہ اذا لم تستحی فاصنع ما شئت (مجمع البیان)
[۳] آیا آن ناسپاس مشرک بہتر است یا کسی کہ (شاہ ولی اللہ) فانہما لایستاویان ابدا (تبیان)

www.kitabmart.in

حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

''کہہ دیجئے کہ اے وہ میرے بندو جو ایمان لائے ہو، اپنے پروردگار سے ڈرو، ان کے لئے جنھوں نے نیک کام کیے اس دنیا میں بھلائی ہے اور اللہ کی زمین وسیع ہے، صبر کرنے والوں کا ثواب بس پورا پورا اُن کے اندازے سے زیادہ ہی دیا جائے گا''۔

اکثر آیتوں میں قُل کے بعد جو بات ہوتی ہے، وہ رسولؐ کی زبانی ہوتی ہے جیسے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ کہیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو''۔ یہاں ''میری'' کے معنی ہیں رسول کی پیروی قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی کہیے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ خدمات کا نہیں مانگتا سوا صاحبان قرابت کی محبت کے' یہ مانگنا رسولؐ کا مانگنا ہے اور صاحبان قرابت رسولؐ کے صاحبان قرابت ہیں مگر بعض مقامات پر قُل کے بعد والی بات خود اللہ کی زبانی ہوتی ہے، تب اس میں یہ جز مضمر ماننا پڑے گا کہ آپ میری طرف سے کہئے، یہاں ایسا ہی ہے ''کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو''۔ یہ خدا کی طرف سے تخاطب ہے کیوں کہ وہ بندے اُسی کے ہیں۔ رسولؐ اپنی طرف سے کہتے تو عباداللہ کہتے عبادی نہ کہتے، تعجب ہے کہ اکابر مفسرین نے اس پہلو پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے۔

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

''کہہ دیجئے کہ مجھے حکم یہ ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اُس کی خالص اطاعت کرتے ہوئے اور مجھے حکم ہے کہ میں اول نمبر کا مسلمان ہوں، کہئے کہ میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے پروردگار کی، ایک بڑے دن کے عذاب سے، کہئے کہ میں صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں اس کے لئے اپنی عبادت کو خالص رکھتے ہوئے تو تم اُسے چھوڑ کر جس کی چاہو عبادت کرو، کہئے کہ گھاٹا اٹھانے والے وہ ہیں جنھوں نے گھاٹا پہنچایا اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کھلا ہوا گھاٹا ہے اُن کے لئے اُن کے اوپر سے سائبان ہیں آگ کے اور اُن کے نیچے سے بھی ایسے ہی تختے ہیں آگ کے یہ ہے جس سے ڈراتا ہے اللہ اپنے بندوں کو۔ اے میرے بندو! تو ڈرو تم مجھ سے''۔

www.kitabmart.in

اول المسلمین کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے "اول نمبر کا مسلمان" اس میں کسی تبصرہ و توجیہ کی ضرورت نہیں ہے اور اس کی نظریں قرآن مجید میں بکثرت ہیں مگر جنہوں نے اس کا ترجمہ "پہلے مسلمان" کے ساتھ کیا ہے یعنی اس اُنہیں کو باعتبار زمانہ قرار دیا ہے اس اولیت میں توجیہ سے کام لینے کی ضرورت پڑی ہے جیسا کہ جناب شیخ الطائفہؒ نے لکھا ہے:۔

انّما امر ان یکون اوّل المسلمین وان کان من قبله مسلمون کثیرون لانّ المراد به اوّل المسلمین من هٰذه الامّة (تبیان)

آپ کو حکم ہوا کہ آپ مسلمانوں میں سب سے پہلے ہوں، حالانکہ آپ کے پہلے بہت مسلمان تھے مگر مقصود یہ ہے کہ اس امت میں سب سے پہلے اسلام کا نمونہ آپ ہوں۔

حالانکہ ممدوح اس کے قبل کے جملے: امرت ان اعبد الله مخلصًا له الدین کے تحت میں لکھ چکے ہیں کہ:۔

الآئة وان توجهت الی النبی ﷺ الّا انّ المراد بها جمیع المکلّفین

آیت کا روئے خطاب اگرچہ رسولؐ کی طرف ہے مگر مراد اس سے تمام افراد مکلّفین ہیں۔

اس صورت میں دوسرے جملے میں: اول المسلمین ہونے کا حکم، اُسے بھی پھر تمام مکلّفین سے متعلق ہونا چاہیے مگر ظاہر ہے کہ مکلّفین میں سے ہر فرد اس امت میں بھی سب سے پہلا مسلمان ہونے والا فرد نہیں ہوسکتا، پھر اس حکم کے کیا معنیٰ؟ ہم نے جو معنیٰ قرار دیئے ہیں اُن میں کوئی دشواری نہیں ہے، اس لئے کہ مطلوب اول خالق کی طرف سے ہر بندے کے لئے یہی ہے کہ وہ اول نمبر کا مسلمان ہو۔ یہ اور بات ہے کہ اس مقصد کو بدرجہ اتم اکمل پورا کرنے والی وہی ذات ہوگی جو اس خطاب کی مخاطب اول ہے۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

"اور جنہوں نے باطل معبودوں سے پرہیز کیا کہ وہ اُن کی عبادت کریں اور اللہ سے لو لگائی اُن کے لئے خوش خبری ہے تو دے دو خوش خبری میرے اُن بندوں کو جو بات غور سے سنتے ہیں تو جو اُس کا بہترین جزء ہے، اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کی اللہ نے خاص طور پر رہنمائی کی ہے اور یہ ہیں صاحبانِ عقل"۔

یہ رجحان کہ انسان اپنے کانوں پر پہرے بٹھائے کہ جو اُس کی دل پسند باتیں ہوں، اُنہی کو سنے اور جن باتوں کو وہ ناپسند کرتا ہے یا سمجھتا ہے کہ وہ میرے نقطہ نظر کے خلاف ہے وہ نہ سُنے۔

قرآن کہہ رہا ہے کہ سنو سب کی، پھر اپنی عقل اور قوت نظر و استدلال سے فیصلہ کرو کہ کیا ماننے کے قابل ہے تو اسے قبول کرو اور کیا مسترد کرنے کے لائق ہے تو اُسے مسترد کر دو۔

www.kitabmart.in

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۖ أَفَأَنتَ تُنقِذُ مَن فِي النَّارِ ﴿١٩﴾

''کیا جس پر عذاب کا فیصلہ قلم بند ہو گیا ہے تو کیا آپ اُسے چھڑا دیں گے جو آگ میں ہے''۔

یہ بھی ایک انداز کلام ہے، پہلے جملے کا بس مبتدا کہہ کر کہ جیسے کلام کو نا تمام چھوڑ دیا گیا ہو، پھر دوبارہ ایک نئے جملے سے اُس کی خبر کا اظہار کیا گیا۔

پہلے جیسے یہ کہا جا رہا تھا کہ کیا جس پر عذاب کا فیصلہ ہو چکا، وہ بھلائی بھی سکتا ہے؟ مگر یہ فیصلہ تو اس شخص کے عناد اور اُس کی بداعمالی کی بنا پر ہوتا ہے جس میں وہ مستقل طور پر مبتلا ہے تو کہا جا رہا ہے کہ وہ تو اپنے ہاتھوں خود جیسے جہنم میں اسی وقت پڑا ہوا ہے۔ آپ کا اس میں اختیار ہی کیا ہے؟[1] آپ کے بس میں اُس کا بچانا تھوڑی ہے جو آپ اس غم میں گھلے جا رہے ہیں کہ یہ لوگ ہدایت قبول کیوں نہیں کرتے۔[2]

لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّن فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِيعَادَ ﴿٢٠﴾

''مگر وہ جو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے اُن کے لئے بالائی منزل پر کے محل ہیں جن پر اور محل بنے ہوئے ہیں جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا''۔

چونکہ اس کے پہلے بداعمال جماعت کے عذاب میں یہ آیا تھا ''اُن کے اوپر سے سائبان ہیں آگ کے اور اُن کے نیچے سے بھی ویسے ہی تختے ہیں آگ کے'' تو اس آیت میں جیسے اُس کے بالمقابل خوف الٰہی رکھنے والوں کے منازل کی یہ مرقع کشی کی گئی ہے کہ ''اُن کے لئے بالائی منزل پر کے محل ہیں جن پر اور محل ہیں''۔ وہاں اس کے بعد تھا ''یہ وہ ہے جس سے ڈراتا ہے اللہ اپنے بندوں کو'' یہاں اس کے بعد ہے ''یہ اللہ کا وعدہ ہے، اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا''۔[3]

یہاں ان دونوں آیتوں کے مضمون کا باہمی تناسب اس کی گواہی دیتا ہے کہ آیات کا یہ سلسلہ اسی ترتیب سے نازل ہوا تھا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٢١﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان کی طرف سے پانی اُتارا تو اُسے روانہ کر دیا چشموں کی صورت سے زیر

---

[1] اقیم فیہ الظّاھر مقام المظمو ــــــ والمعنی لاتقدر علیٰ ھدایتہ فتنقذہ من النّار (جلالین)۔

[2] انما قال ذٰلک للنّبی ﷺ لحصرہ علیٰ اسلام المشرکین والمعنی انّک لاتقدر علیٰ ادخال الاسلام فی قلوبھم نسآء والام ابو افلا علیک اذلم یؤمنوا فانّما اتوا ذٰلک من قبل نفوسھم (مجمع البیان)

[3] لھم غرف من فوقھا غرف فی مقابلۃ ما قال للکافرین: لھم من فوقھم ظلل من الحّار و من تحتھم ظلل (تبیان)

www.kitabmart.in

زمین، پھر اُس سے کھیتی برآمد کرتا ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں پھر وہ خشک ہوجاتی ہے تو اُسے زرد دیکھو گے، پھر وہ اُسے ریزہ ریزہ کردیتا ہے، یقیناً اس میں یاد دہانی ہے صاحبانِ عقل کے لئے''۔

اس میں یاد دہانی کا ہے کی ہے؟ فاعل مختار۔ باقتدار خالق کے وجود کی بھی اور انسان کے اس دار دنیا میں بچپن، جوانی اور پیری کے انقلابات سے گزر کر آخری انجام کی بھی۔ [۱]

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٢﴾

''تو کیا پوچھنا اُس کا جس کے سینے کو اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک اُجالے کے اوپر ہے۔ اب وائے ہے اُن پر جن کے دل یادالٰہی کی طرف سے سخت رہیں۔ یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں''۔

''سینے کو اللہ نے کھول دیا ہے'' یعنی اپنی توفیق شامل حال کرکے اُسے ایسا حوصلہ عنایت کیا کہ وہ شبہات و وساوس، تقلید آباء، ماحول کے دباؤ، ہمرنگی جماعت ان تمام جذبات اور اُن کے دباؤ سے آزاد ہوکر حق کو قبول کرلے۔ [۲]

قرآن مجید کے ان الفاظ اور اُن کے مفہوم کو سامنے رکھا جائے جو متعدد مقامات پر قرآن میں موجود ہیں تو پھر سورۂ الم نشرح میں رسولؐ کو مخاطب کرکے جو یہی الفاظ صرف کیے گئے ہیں، اُن کی وہ تفسیر غلط ثابت ہوگی جو صحیح بخاری وغیرہ کے احادیث سے ثابت ہوتی ہے کہ ملک نے اگر رسولؐ کے سینے کو چاک کیا اور دل کو نکال کر اُسے (معاذاللہ) آلائشوں سے پاک کیا جو شان رسولؐ کے خلاف بھی ہے اور محاورات عرب اور استعمالات قرآنی کے مخالف بھی ہے۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾

''اللہ نے بہترین کلام اُتارا ہے، وہ کتاب ایک جو پوری ایک ہی طرح کی ہے، برابر دُہرائی جانے والی جس سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جسم پر اُن کے جو اپنے پروردگار کا خوف رکھتے ہیں، پھر اللہ کی طرف سے اُن کی

---

[۱] اذا تفکّروا فی ذٰلک عرفوا الصّانع المحدث وعلموا صحۃ الابتدآء والبعث والاعادۃ (مجمع البیان)

[۲] ای من لطف اللہ علیہ حتی امن وعرف اللہ ووحّدہ وسندق نبیّہ (تبیان) شرح الصّدر یکون بثلثۃ اشیآء احدھا بقوۃ الادلۃ الّتی نصبھا اللہ تعالیٰ وھٰذا یختصّ بالعلمآء والثانی بالطاف الّتی تجدّدلہ حالا بعد حال کما قال: والذین اھتدوا زادھم ھدی والثالث بتوکید الادلّہ وحل الشبعہ والقاء الخواطر (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

کھالیں اور اُن کے دل نرم ہوجاتے ہیں، اللہ کی یاد کی طرف۔ یہ اللہ کی طرف کی رہ نمائی ہے جس سے وہ منزل مقصد تک پہنچاتا ہے جسے چاہتا ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑ دے، اس کا کوئی رہ نما نہیں ہے"۔

"مقدمہ تفسیر" اور نیز "تفسیر قرآن" میں محکم اور متشابہات کی بحث میں ہم نے اس آیت کو پیش کیا ہے کہ پوری کتاب کو یہاں "متشابہ" کہا گیا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اُس کے سب اجزاء ایک دوسرے کے مانند ہیں۔ اُن میں کوئی فرق نہیں ہے۔[1]

اس مفہوم کو ترجمہ میں ہم نے یہاں مدنظر رکھا ہے مثانی کی تشریح بھی پہلے ہوچکی ہے۔

اَفَمَنۡ یَّتَّقِیۡ بِوَجۡهِهٖ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ وَ قِیۡلَ لِلظّٰلِمِیۡنَ ذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَکۡسِبُوۡنَ ﴿۲۴﴾

"تو کیا پوچھنا اُس کا جو اپنے کو بچائے عذاب کی برائی سے قیامت کے دن، اور کہا جائے گا ظالموں سے کہ چکھو اُسے جو تم کرتوت کرتے تھے"۔

آیت کے ابتدائی الفاظ سے جو ہماری اور بعض دوسرے مترجمین ومفسرین کی سمجھ میں آیا ہے وہ تو یہی ہے کہ پرہیزگاروں کا ذکر ہے۔[2] مگر بعض مفسرین نے اس کا مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ جو اپنے چہرے کو سپر بنائے عذاب کی برائی کا روز قیامت یعنی منہ کے بل اُس میں گرا دیا جائے۔[3] جناب شیخ طوسیؒ کی تفسیر بھی یہی ظاہر کرتی ہے۔[4] اور علامہ طبرسیؒ کی تشریح بھی اس کے مطابق ہے۔[5] مگر ابھی تک میری سمجھ میں آیت سے یہ مفہوم نہیں آتا ہے۔

اس دوسری تفسیر کے لحاظ سے قِیۡلَ لِلظّٰلِمِیۡنَ میں الف لام عہد کا لینا چاہیے یعنی اُنہی ظالموں سے یہ کہا جائے گا کہ چکھو اسے اور ہمارے ترجمے کے لحاظ سے پہلی جماعت نیکوکاروں کی ہے جو نجات یافتہ ہے اور یہ اُس کے مقابل والی جماعت ہے جس سے یہ کہا جائے گا۔

کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَاَتٰىهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الۡخِزۡیَ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَکۡبَرُ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾

"جھٹلایا اُنہوں نے جو اُن کے پہلے تھے تو آ گیا اُن پر عذاب ایسی صورت سے جس کا اُنہیں کوئی تصور بھی نہ تھا تو اللہ نے چکھایا اُنہیں رسوائی کا مزہ اس دنیاوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب ضرور اور بھی بڑا ہے کاش وہ

---

[1] ای یشبه بعضه بعضا (جلالین)۔
[2] احتراز می کند روئے خود (شاہ ولی اللہ) جو کوئی بچاتا ہے منہ اپنے کو (رفیع الدین)
[3] یتّقی یلقی ـــ بان یلقی فی النار مغلولة یدہ الی عنقه (جلالین)
[4] فی التفسیر انّ الکافر یلقی فی النّار مغلولا لا یمکنه ان یتّقی النار الّا بوجهه (تبیان)
[5] تقدیرہ افحال من یدفع عذاب اللہ بوجهه یوم القیمة کحال من یاتی اٰمنا لا تمسه النّار (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

جائیں“۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾

”اور ہم نے پیش کی ہیں لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں، شاید کہ وہ نصیحت قبول کریں، عربی زبان کا قرآن جس میں کوئی کجی نہیں، شاید کہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں“۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾

”بیان کی ہے اللہ نے ایک مثال کہ ایک آدمی ہے جس کے مالک کئی پست اخلاق اشخاص ہیں آپس میں جھگڑا کرنے والے اور ایک آدمی ہے جو بس ایک شخص کا ہے کیا یہ دونوں یکساں ہیں؟ شکر خدا کا بلکہ اُن میں کے زیادہ لوگ جانتے نہیں“۔

یہ ایک انداز بیان قرآن کا ہے۔ایک سوال کیا اور پھر جیسے اُس کا جواب اُدھر والوں نے حسب ذیل خواہ دیا یا زبان سے چپ رہے مگر اُن کے ضمیر نے اُس کا اقرار کیا جو فطرت کا تقاضا ہے اور اس کے بعد ارشاد ہوا: الحمدللہ جو ہم چاہتے تھے تم نے مان لیا۔اب تم نتیجہ خود سمجھ لو۔

یہاں جو سوال ہے وہ یہ ہے کہ جسے ایک مالک کے سامنے سر جھکانا ہے، وہ بہتر ہے یا وہ جو بہت سے افراد کی ملکیت کے شکنجہ میں ہے اور کش مکش میں گرفتار ہے؟ جواب اس کا صرف ایک ہے کہ وہ پہلا بہتر ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک خدا کے بندے بہتر ہیں اُن سے جو بہت سے معبودوں کے سامنے سر جھکاتے ہوں۔یہی اس سوال کا مقصد ہے۔[1] اقبال نے اسے یوں کہا ہے:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

”آپ کو بھی دنیا سے اٹھنا ہے اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں، پھر تم لوگ قیامت کے دن اپنے پروردگار کے یہاں تصفیہ کرلو گے“۔

اس کے پہلے جز کے ذیل میں جو ایک تو ہم ”حیات النبیؐ کے مسئلے سے متعلق پیدا ہوتا ہے یا کچھ لوگ غلط فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اُس پر امامیہ مشن لکھنؤ سے رسالے کی صورت میں میری ایک تقریر شائع ہوئی ہے جس کا عنوان ہے ”مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“ اور واقعۂ وفات رسولؐ“

[1] شبہ الکافر بشرکآء متنازعین مختلفین والمؤمن عبد الٰھاً واحداً (تبیان)

www.kitabmart.in

اُس میں اُس کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ موجود ہے۔

آخری فقرے سے صدر اوّل کے بعض مفسرین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بعد رسولؐ خود امت رسولؐ کے درمیان جو تفرقے پیدا ہونے والے تھے، اُن کے متعلق کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن اُن کا تصفیہ ہوگا اب یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ ان جھگڑوں سے اگر نجاتِ آخرت کا کوئی تعلق نہ ہو تو پھر روز قیامت اُن کے تصفیے کے کیا معنی رہتے ہیں؟

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدۡقِ اِذۡ جَآءَهٗ ؕ اَلَيۡسَ فِىۡ جَهَنَّمَ مَثۡوًى لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۳۲﴾

''تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ لگائے اور سچائی کو جب وہ اُس کے پاس آئے جھٹلائے ۔ کیا دوزخ میں ٹھکانا کافروں کا نہیں ہے''؟

دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں اس مضمون کے ادا کرنے میں او کا لفظ ہے یعنی کون ظالم ہوگا اُس سے زیادہ جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا سچائی کا انکار کرے جب وہ اُس کے پاس آئے؟ اس صورت میں یہ جملہ قرآن کی اُس ''تہذیب گفتگو اور معیار رواداری'' کے تحت میں ہوگا۔ جس پر ہمارا ایک مستقل رسالہ ''امامیہ مشن لکھنو'' سے شائع ہو چکا ہے۔ اس طرح قرآن مجید خود فریق مخالف کے لئے لمحہ فکر یہ پیدا کرتا ہے کہ خود اُن کے ضمیر کی خلش اُن کو حق اور باطل پر غور کرنے کی تحریک کرے یہ رواداری اس لئے ہے کہ حقیقت یہی تھی کہ وہ لوگ سچائی کو جھٹلا رہے تھے مگر کھل کر یہ نہیں کہا جاتا بلکہ رسولؐ کو اُن کے برابر کی سطح پر رکھ کر کہا جاتا ہے کہ اگر (معاذ اللہ) انہوں نے غلط طور پر رسالت کا دعویٰ کیا ہے تو ان سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اور اگر تم سچائی آنے کے بعد اس کا انکار کرتے ہو تم سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اور جو ظالم ہو وہی کافر بھی ہے اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اب تم غور کرو کہ دوزخ میں جانے کا مستحق کون ہے؟ مگر یہاں والی آیت میں چونکہ اَو نہیں ہے وَ ہے، اس لئے مفسرین نے دونوں فقروں کو اسی فریق مخالف سے متعلق قرار دیا ہے کہ وہی خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں اور وہی سچائی کو جھٹلاتے ہیں۔

وَالَّذِىۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِىۡ عَمِلُوۡا وَيَجۡزِيَهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ الَّذِىۡ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۵﴾

''اور جو سچائی کو لے کر آئے اور اُس کی تصدیق کرے تو یہ لوگ اصل پرہیزگار ہیں اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے یہاں وہ ہے جو وہ چاہیں، یہ صلہ ہے اچھے اعمال والوں کا تاکہ اللہ اُن کے بُرے سے بُرے کاموں کو جو انہوں نے کیے تھے نظر انداز کر دے اور اُنہیں اُن کا اجر دے اُن بہترین اعمال کے معیار پر جو اب وہ کرتے رہے''۔

''سچائی کو لے کر آئے اور اُس کی تصدیق کرے'' یہاں بعض مفسرین نے ان دونوں صفتوں کا موصوف الگ الگ قرار دیا ہے۔ کسی نے کہا ''جو سچائی کو لے کر آئے'' یعنی پیغمبر اور ''جو اُس کی تصدیق کرے'' یعنی مومنین، کسی نے کہا ''جو سچائی کو لائے'' وہ جبرئیلؑ ہیں اور ''جنہوں نے

www.kitabmart.in

تصدیق کی'' وہ رسولؐ ہیں لیکن جناب شیخ طوسیؒ کو اس سے اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ الذی جو اسم موصول ہے اگر دہرایا گیا ہوتا تو دو موصوف تلاش کیے جاتے، یہاں ایک الذی ہے جس کی دو صفتیں ہیں لہٰذا سچائی کو لانے والا اور اُس کی تصدیق کرنے والا ایک ہی شخص ہے اور وہ رسولؐ ہیں۔[۱]

علامہ طبرسیؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔[۲]

مگر مجھے اس مبتداء کی خبر: اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ جو ایک جیسا کلام معلوم ہوتا ہے اور جس میں ترتیب موافق تنزیل نہ ہونے کی بحث پیدا کرنا زبردستی کا کام ہے، جس کا ترجمہ ہو چکا ہے کہ ''یہی پرہیز گار لوگ ہے، اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے یہاں وہ ہے جو اچھے اعمال والوں کا صلہ ہے''۔ اور پھر یہ کہ ''اللہ اُن کے بُرے سے بُرے کاموں کو جو اُنہوں نے کیے تھے نظر انداز کردے گا اور اُنہیں اجر دے گا اُن کے بہترین اعمال کے معیار کو سامنے رکھتے ہوئے''۔

اس سب پر نظر کرتے ہوئے وہی قول درست معلوم ہوتا ہے کہ اَلَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ ''جو سچائی کو لائے'' رسولؐ ہیں اور لصدق بہ ''جو اُس کی تصدیق کرے'' وہ سچے قسم کے مومنین ہیں جب ہی یہ بعد والے فقرات چسپاں ہوں گے لیکن اگر اَلَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ پورے سے رسولؐ کی ذات مراد لے لی جائے تو بعد کی خبر کو آپ ہی کی ذات سے وابستہ کرنا پڑے گا جس میں اول تو واحد کو جمع سے تبدیل کرنے کے لئے کوئی نکتہ سمجھ میں نہیں آیا۔ دوسرے یہ اوصاف مجھے شان رسولؐ کے مطابق نظر نہیں آتے لہٰذا میں الذی کے دوبارہ دہرائے جانے کو ایسی اہم بات نہیں سمجھتا جتنی اُن آخری فقرات کی نوعیت کو اہم سمجھتا ہوں۔

لطف یہ ہے کہ علامہ طبرسیؒ ان فقرات کی شرح میں جیسے یہ بھول گئے کہ وہ اس پورے کلام کے سرنامہ کو رسولؐ سے متعلق کر چکے ہیں لہٰذا یکفر اللہ عنھم اسوأ الذی عملوا کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ای اسقط اللہ عنھم عقاب الشرك والمعاصی الّتی فعلوھا قبل ذٰلك بایمانھم واحسانھم ورجوعھم الی اللہ تعالیٰ

یعنی اللہ نے اُن سے شرکت اور اُن گناہوں کی سزا کو جو وہ پہلے کر چکے تھے معاف کردیا، اس ایمان اور حسن عمل اور اللہ کی طرف پلٹ کر آجانے سے جو اب اُنہوں نے اختیار کیا۔

اس کے بعد ہر ذی حس مسلمان یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس کا تعلق معاذ اللہ رسولؐ کی ذات کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي

---

[۱] لو کان غیرہ لقال: والذی جاء بالصّدق والّذی صدّقہ بہ۔ (تبیان)

[۲] ھٰذا اقوی الاقوال (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

انۡتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

''کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟ اور آپ کو وہ اُس کے سوا دوسروں سے ڈراتے ہیں اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے، اُسے کوئی منزل تک پہنچانے والا نہیں اور جسے اللہ منزل تک پہنچائے، اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، کیا اللہ سب سے زبردست سخت بدلا لینے والا نہیں ہے''۔

چونکہ جیسا اس کے بعد کی آیت میں آئے گا اور قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر بکثرت آیات سے ثابت ہے، وہ اللہ کے وجود کے قائل تھے تو پہلے جملے میں کہ کیا اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہے؟ توحید پر ایک عقلی استدلال ہے کہ جب خدا کا وجود دلائل عقلی کی بنا پر ماننا ضروری ہے تو وہ ضرورت ایک خدا کے ماننے سے پوری ہو جاتی ہے جس کے تم بھی قائل ہو تو پھر دوسرے خداؤں کے ماننے کی ضرورت کیا ہے؟

اس کے علاوہ مشرکین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈراتے رہتے تھے کہ ہمارے معبودوں کی جو تم مخالفت کرتے ہو، اچھا نہ ہوگا۔[1] یا جیسا کہ سورہ ہود میں ہے جناب ہودؑ سے کہا:

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے بعض خداؤں نے تم کو کچھ نقصان پہنچا دیا ہے۔

یعنی تم جذبہ انتقام میں ہمارے معبودوں کی مخالفت کرتے ہو، تو اُن کے ذہن کو اُس حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ جب میرا پروردگار وہ اللہ ہے جسے تم بھی مانتے ہو تو تمہارے طبع زاد معبود کیا بنا سکتے ہیں؟

اس صورت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لینے کے بجائے عبدہ کہنے میں وہ خصوصیت مضمر ہے جو آیہ معراج سبحان الذی اسری بعبدہ میں نظر آتی ہے۔[2]

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلۡ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلۡ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوۡ اَرَادَنِىۡ بِرَحۡمَةٍ هَلۡ هُنَّ مُمۡسِكٰتُ رَحۡمَتِهٖ ؕ قُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ ؕ عَلَيۡهِ يَتَوَكَّلُ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ﴿۳۸﴾

''اور اگر ان سے پوچھیے کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے اللہ نے، کہئے تو پھر کیا تم نے دیکھا ہے اُنہیں جن کی تم دہائی دیتے ہو، اگر اللہ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا، یہ اُس کی طرف کے نقصان کو دور کر دیں گے یا وہ میرے ساتھ رحمت شامل حال کرنا چاہے تو کیا یہ اُس کی رحمت کو رد کر دیں گے؟ کہئے کہ اللہ میرے لئے کافی ہے، اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں کرنے والے''۔

[1] یخوفونك بالذین من دونه خطاب للنبی بان الکفّار یخوفه بالاوثان الّتی کانوا یعبدونها (تبیان)

[2] یعنی به محمدا رضی اللہ عنہا یکفیه عداوۃ من یعادیه ویناویه (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٤٠﴾

''کہئے اے میری قوم والو،تم اپنی جگہ کام کرتے رہو، میں اپنا کام کرتا ہوں اس کے بعد معلوم ہوگا کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اُسے رسوا کرے اور کس پر آتا ہے وہ عذاب جو برقرار رہنے والا ہے''۔

''اپنی جگہ اپنے کام کرتے رہو'' یعنی جس جس طرح میری مخالفت اور مزاحمت کر رہے ہو کرتے رہو جس میں اُن کا ظلم وتشدد جو وہ رسولؐ اور آپ کے متبّعین کے ساتھ کرتے تھے، سب داخل ہے۔[1] اور میں اپنا کام کرتا رہوں گا' اس کے بعد انجام دیکھو کیا ہوتا ہے؟

اس چیلنج میں دلیل حقانیت میں مضمر ہے اور ایک لرزہ براندام کر دینے والی تہدید وتخویف بھی ہے ''رسوا کرنے والا عذاب' دنیا کا اور ''برقرار رہنے والا'' آخرت کا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٤١﴾

''یقیناً ہم نے آپ پر کتاب تمام انسانوں کے لئے حق کے ساتھ اُتاری تو جو ہدایت حاصل کرے گا وہ اپنے لئے اور جو گمراہی اختیار کرے گا، وہ اپنا نقصان کرے گا اور آپ کوئی ان کے ٹھیکیدار نہیں ہیں''۔

یعنی زبردستی اُنہیں مومن بنانا آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ کا کام ہدایت کرنا ہے۔ اُن کے ایمان لانے سے آپ کا ذاتی کوئی فائدہ نہیں ہے اور اُن کے کفر اختیار کرنے سے آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ آپ کا کہنا ماننے سے اُنہی کا فائدہ ہے اور نہ ماننے سے اُنہی کا نقصان ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾

''اللہ لیتا ہے جانوں کو اُن کے مرنے کے وقت اور جنہیں موت نہیں آئی، اُن کے سونے کے عالم میں تو روک لیتا ہے اُسے جس پر موت کا فیصلہ کر دیا اور چھوڑ دیتا ہے دوسری کو ایک مقررہ مدت تک، یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن کے لئے جو غور وفکر سے کام لیں''۔

اس آیت سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ توفی کے معنی موت کے نہیں ہیں بلکہ یہ لفظ اس عالم حواس ظاہری سے نفس کو بے تعلق بنانے کے لئے آتی ہے، اس لئے سونے میں بھی کہا گیا ہے کہ اللہ توفی کرتا ہے یعنی جاگنے میں جیسا تعلق اس دنیا سے تھا وہ ایک حد تک قطع ہو جاتا ہے، جب

---

[1] علی قدر جھدکم وطاقتکم فی ھلاکی وتضعیف امری (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اس قطع تعلق کو اس سرزمین کے عالم سے قرآن توفی سے تعبیر کر رہا ہے تو اگر عیسیٰؑ کے لئے دنیا سے آسمان پر اٹھائے جانے کے لئے توفی کا لفظ کا استعمال ہو تو یہ اُن کے لئے موت کی دلیل ہوگی۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ ۚ قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٣﴾ قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۖ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٤٤﴾

''کیا اُنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور سفارشی بنائے ہیں، کہئے کہ کیا چاہے وہ ایسے ہوں کہ جو نہ کسی چیز پر قدرت رکھتے ہوں؟ اور نہ عقل وشعور رکھتے ہوں کہئے کہ سفارش پوری کی پوری اللہ کے قبضے میں ہے اسی کے لئے مخصوص ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے''۔

یہ فقرہ کہ ''سفارش پوری اللہ کے قبضے میں ہے'' غور طلب ہے، ظاہر ہے کہ اللہ سے اوپر کوئی طاقت نہیں ہے جس سے اللہ سفارش کرے ماننا پڑے گا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے یہاں سفارش کرنے والے وہی ہیں جنہیں اُس نے مقرر کیا ہے اور وہ بھی اُس کی اجازت سے سفارش کرتے ہیں۔[۱] جیسا کہ دوسری جگہ ہے: لَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ اور مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ اس طرح یہ آیت بھی کلی طور پر نفی شفاعت کے بجائے ثبوت شفاعت کی دلیل ہے۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٤٥﴾ قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٤٦﴾

''اور جب اللہ کا وحدت کے ساتھ ذکر ہوتا ہے تو جز بز ہوتے ہیں اُن کے دل جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اُن کا ذکر ہوتا ہے جو اُس کے علاوہ ہیں تو وہ ایک دم خوش ہوجاتے ہیں کہو کہ اے خدا! اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے دکھائی دینے والی اور نہ دکھائی دینے والی چیزوں کے جاننے والے! تو اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا اُس میں کہ جس میں وہ باہم اختلاف رکھتے تھے''۔

قُل کا تخاطب ضروری نہیں کہ رسولؐ سے ہو، اس لئے اُس کا ترجمہ ہم نے ''کہو'' کے ساتھ کیا، جو لوگ رسولؐ کو مخاطب قرار دیتے ہیں، وہ بھی کہتے ہیں کہ مقصود اُس سے سب ہی لوگ ہیں۔[۲]

---

[۱] ای لا یشفع احد الّا باذنہ (مجمع البیان)

[۲] ھذا امر من اللہ تعالیٰ لنبیّہ محمد ﷺ والمراد بہ جمیع المکلّفین (تبیان)

www.kitabmart.in

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

”اور اگر اُن کے پاس جنھوں نے ظلم سے کام لیا سب کچھ ہو جو روئے زمین پر ہے، پھر ایسا ہی اُس کے ساتھ مزید ہو اور ہو تو وہ اُس عذاب سے بچنے کے لئے جو قیامت کے دن ہوگا، اُسے تاوان میں دے دیں اور اُن کے سامنے آئے گا اللہ کی طرف سے وہ دن جس کا اُنہیں خیال بھی نہیں تھا اور ظاہر ہوں گی اُن کے سامنے برائیاں اُس کی جو اُنہوں نے کیا تھا اور اُن کے سر پر آیا ہوگا وہی (عذاب) جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے“۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾

”تو جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اُسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ مجھے بس ایک خاص ہنر کی وجہ سے ملی ہے بلکہ وہ ایک آزمائش ہے مگر اُن میں سے زیادہ تر لوگ نہیں جانتے۔ ایسا ہی کہا اُن لوگوں نے جو اُن کے پہلے تھے تو نہیں کچھ فائدہ نہیں دیا اُس نے جو وہ کرتے تھے تو اُنہیں پہنچیں گی برائیاں اُس کی جو انہوں نے کیا ہو اور یہ بے بس کرنے والے نہیں ہیں“۔

”مجھے تو ایک خاص ہنر کی وجہ سے ملی ہے“ یہ اس کا ایک ترجمہ ہے جو پہلی دفعہ اس فقرے کو دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے اور صدر اول کے بعض مفسرین کے قول کے مطابق ہے۔[۱]

لیکن اس کے ایک معنی یہ بھی کہے گئے ہیں اور ہو سکتے ہیں کہ مجھے یہ نعمت جو ملی ہے، وہ خاص بات نہیں ہے۔ وہ تو قرآن بھی بتا رہے تھے اور میں جانتا تھا کہ یہ مجھے ملے گی اور ایک تیسرے معنی یہ کہے گئے ہیں اور وہ میرے نزدیک بعید ہیں کہ اللہ جانتا تھا کہ میں اس کا مستحق ہوں۔ اسی طرح یہ مفہوم کہ یہ نعمت مجھے ملی ہے اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ خدا مجھ سے راضی وخوشنود ہے، جب ہی مجھے نعمتوں سے نوازتا ہے۔[۲]

---

[۱] قال الحسن معناه انّی اوتيته بحيلتی وعملی (تبيان)
[۲] علی علمی برضاه عنّی فلذلك اتانی ما اتانی من النّعم (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾

''اور کیا انھیں نہیں خبر کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت دیتا ہے اور (وہی جب چاہتا ہے) تنگی دیتا ہے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائیں''

اگر یہ آیت مقام تنزیل میں پہلے سے متّصل ہے تو یہ مطلب ہے کہ ہنر سے کچھ نہیں ہوتا۔ خوش حالی اور تنگ دستی مشیت الٰہی سے وابستہ ہے اور بعد والے دونوں معنوں کے ساتھ جو گزشتہ آیات میں درج ہیں اس آیت کا مضمون یوں چسپاں ہے کہ خوش حالی اور تنگ دستی رضائے الٰہی کی دلیل نہیں ہے وہ تو اور وجوہ سے مثلاً آزمائش کے طور پر بھی ہوسکتی ہے۔ اسے نہ حق دار سمجھنے کی دلیل سمجھا جاتا ہے، نہ رضامندی خدا کی۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٥٣﴾

''کہہ دیجئے کہ اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، یقیناً اللہ سب ہی گناہوں کو بخش دیا کرتا ہے یقیناً وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے''۔

گناہ گاروں کو ناامید نہ ہونا چاہئے رحمت خدا سے

اس طرح کی ایک آیت جو گذشتہ پارے میں آچکی ہے: قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ''کہہ دیجئے کہ اے وہ میرے بندو جو ایمان لائے ہو، اپنے پروردگار سے ڈرو'' وہاں یہ لکھا جاچکا ہے کہ قل یعنی کہئے' یا ''کہہ دیجئے'' کے بعد جو قرآن میں آتا ہے، وہ کبھی تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی ہوتا ہے جیسے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی ''کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو'' اور قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ''کہئے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ خدمات کا نہیں مانگتا سوا صاحبان قرابت کی محبت کے'' یہاں کہیے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ رسول مخاطب افراد سے اپنی جانب سے یہ کہیں اور کبھی قل کے بعد کا کلام اللہ کی زبانی ہوتا ہے مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ رسول مخاطب افراد تک خدا کی جانب سے یہ پیغام پہنچا دیں۔ یہاں ایسا ہی ہے یعنی رسولؐ اطلاع دیتے ہیں کہ خالق یہ ارشاد فرمارہا ہے کہ اے میرے ایسے بندو جنھوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے یعنی گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، اللہ کی رحمت سے نااُمید نہ ہو۔

اس آیت کو قرآن مجید کی تمام آیتوں میں سب سے زیادہ سرمایہ امید بتایا گیا ہے۔[1] جو اس کے مضمون سے ظاہر ہے مگر یہ اُس وقت ہے جب بعد کی آیتوں کا تعلق اس سے نہ مانا جائے جو لب ولہجہ کے اختلاف سے بعید نہیں ہے۔

---

[1] قال عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ ارجی اٰیۃ فی کتاب اللہ وھو المروی عن علیؑ ایضاً (تبیان) عن امیر المومنین علیؑ انہ قال مافی القرآن اٰیۃ اوسع من یاعبادی الذین اسرفوا الاٰیۃ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾

''اور اپنے پروردگار کی طرف توبہ وانابت کرو اور اُس کے سامنے سر جھکاؤ اس سے پہلے تم پر عذاب آئے اور پھر تمہاری مدد نہ ہوگی اور پیروی کرو اُس بہترین پیغام کی جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں احساس بھی نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ کوئی متنفس کہے ہائے افسوس اُس پر جو میں نے اللہ کے معاملہ میں کمی کی اور یہ کہ میں تو مذاق اڑاتا تھا یا کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں پرہیزگاروں میں سے ہوتا یا کہے اس وقت جب عذاب کو دیکھے کہ کاش میرے لئے واپسی ہو تو میں اب اچھے اعمال والوں میں سے ہوں ہاں کیوں نہیں! تیرے پاس میری آیتیں آئیں تو تو نے اُنہیں جھٹلایا اور گھمنڈ سے کام لیا اور تو کافروں میں سے تھا''۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾

''اور قیامت کے دن اُن لوگوں کو جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، دیکھو گے کہ اُن کے منہ کالے ہوں گے، کیا گھمنڈ رکھنے والے کے رہنے کا ٹھکانا دوزخ نہیں ہے؟ اور اللہ اُنہیں جو پرہیزگار رہے، اللہ کامیابی کے ساتھ نجات دے گا، اُنہیں کوئی برائی چھو بھی نہیں جائے گی اور نہ اُنہیں کوئی صدمہ وملال ہوگا''۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾

www.kitabmart.in

''اللہ ہر چیز کو وجود میں لانے والا ہے اور وہ ہر چیز پر صاحب اختیار ہے، اس کے لئے کنجیاں ہیں آسمان اور زمین کی اور جنھوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر اختیار کیا، یہی وہ ہیں جو گھاٹا اٹھانے والے ہیں''۔

''مفاتیح'' اور ''مقالید'' دونوں لفظوں کے معنی کنجیوں کے ہیں یوں تو عام طور پر دونوں لفظوں میں یہ فرق بتایا گیا ہے کہ مفتاح کھولنے والی کنجی کو کہتے ہیں اور مقلاد جس کی جمع مقالید ہے بند کرنے والی کنجی کو مگر اکثر بغیر اس خصوصیت کو مدنظر رکھے ہوئے دونوں لفظوں کا ایک ہی عام یعنی کنجی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، یہاں ایسا ہی ہے۔[1] ''اُس کے ہاتھ میں کنجیاں ہیں'' یعنی روزی اور رحمت کے دروازے اُسی کے ارادے سے کھلتے ہیں۔[2]

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

''کہئے تو کیا تمہارا مطالبہ مجھ سے یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کروں اے جاہلو!؟ اور بے شک وحی بھیجی گئی ہے آپ کی طرف اور اُن کی طرف بھی جو آپ سے پہلے تھے کہ اگر تم شرک کرو تو تمہارے سب اعمال اکارت جائیں گے اور تم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوگے بلکہ بس اللہ ہی کی عبادت کیجیے اور شکر گزاروں میں سے ہو جایئے''۔

کسی بھی نبی کی طرف جو یہ وحی ہوئی اور پھر ہمارے نبیؐ کی طرف اس میں حکیمانہ انداز سے نبیؐ کو مخاطب کر کے دوسروں کے لئے سرمایہ انتباہ فراہم کیا جاتا تھا یعنی بظاہر نبیؐ مخاطب ہوتا تھا اور مقصود اس سے دوسرے ہوتے تھے جیسا کہ ہمارے قدیم مفسرین نے صراحتاً تشریح کی ہے اور صرف طبع زادطور پر نہیں بلکہ حدیث معصومؑ کی سند کے ساتھ جو بالکل فیصلہ عقل کے مطابق ہے۔[3] اور اسی کے موافق جناب ابن عباسؓ کی تشریح بھی ہے۔[4]

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾

''اور اُنہوں نے اللہ کی شان کا ویسا اندازہ نہیں کیا جیسا کرنا چاہیے اور (واقعہ یہ ہے کہ) زمین پوری اُس کی مٹھی

---

[1] يعنى مفاتيح السّمٰوت والارض (على بن ابراهيم) المقاليد المفاتيح (تبيان)

[2] يريد مفاتيح السّمٰوت والارض بالرزق والرحمة على ابن عباس (مجمع البيان)

[3] قال الصادق عليه السلام ان الله تعالىٰ بعث نبيه باياك اعنى واسمعى يا جاره (على بن ابراهيم)

[4] قال ابن عباس هٰذا ادب مر الله تعالىٰ لنبيّه وتهديد لغيره ان الله تعالىٰ من الشرك ومداهنة الكفار (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان سب بھی لپٹے ہوئے ہوں گے اُس کے ہاتھ میں پاک ہے وہ اور بالاتر ہے اُس سے جو وہ شرک کرتے ہیں"۔

عربی میں بھی اور ہماری اُردو میں بھی مٹھی میں ہونا اور ہاتھ میں ہونا کنایہ ہوتا ہے قبضہ وقدرت وملکیت سے۔ مثلاً ہم یہ کہتے ہیں پورا شہر میری مٹھی میں ہے یا وہ آدمی بالکل میرے قبضے میں ہے تو اس کا یہ مطلب تھوڑی ہوتا ہے کہ جسمانی طور پر وہ آپ کے ہاتھ یا مٹھی میں ہو، بس ایسا ہی یہاں سمجھنا چاہیے۔[1]

اس سے ہرگز اُس کی ذات کے لئے جسمیت کا تصور درست نہیں ہے جیسا کہ نجدی جماعت کے مورث اعلیٰ ابن عبدالوہاب نے اپنے پیشوا ابن تیمیہ کی پیروی میں اپنے یہاں کے مزعومہ صحاح کے بعض احادیث کی بنا پر کیا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾

"اور صور پھونکا گیا ہوگا تو وہ جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں سب ہی بے حس وحرکت ہوکر گر گئے سوا اُن کے جنہیں اللہ چاہے، پھر وہ دوبارہ پھونکا گیا تو وہ ایک دم کھڑے ہوکر دیکھنے لگے"۔

مشہور یہ ہے کہ صور پھونکا جائے گا تو سب بلا استثناء فنا ہوجائیں گے، قرآن سے کسی ایسے صور کا پتہ نہیں چلتا، آخری صور کے پہلے جو زندہ کرکے کھڑا کرنے والا ہے، قرآن مجید میں دو صوروں کا ذکر ہے ایک کا ذکر یوں ہے کہ وہ پھونکا گیا ہوگا فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (سورۂ نمل۔۸۷) آسمان اور زمین میں جتنے تھے وہ سب پریشان اور مضطرب ہوگئے وہاں بھی استثناء ہوا ہے کہ الامن شاء اللہ "سوا اُن کے جنہیں اللہ چاہے" پھر دوسرا صور یہ ہے جس کا اثر بتایا گیا ہے۔ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ۔ (سورۂ زمر۔۶۸) جس کا ترجمہ ہم نے یہ کیا کہ "بے حس وحرکت ہوکر گر جائیں گے" جو یہاں موت کی نوعیت سے ہے۔[2] اور اس کا استعمال بے ہوشی کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ ہے: خر موسٰی صعقا "موسیٰ بے ہوش ہوکر گر گئے" یہاں بھی استثناء موجود ہے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نفوس مطمئنہ ایسے ہیں جن پر اُس مضطرب کرنے والے صور کا اثر نہیں، اور کچھ نفوس باقیہ ایسے ہیں جن پر اس دوسرے بے جان کرنے والے صور کا اثر نہیں پھر وہ کون سا صور ہے جس میں بلا استثناء سب فنا ہوجائیں گے؟

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:۔

"ایک بار نفخ صور ہے عالم کے فنا ہونے کا، دوسرا ہے زندہ ہونے کا، تیسرا ہے بے ہوشی کا، بعد حشر کے چوتھا خبردار ہونے کا، اس کے بعد اللہ کے سامنے جائیں گے" (موضح القرآن)

---

[1] معنى الآية ان الارض باجمعها مقدورة كما يقبض عليه القابض فيكون فى قبضته و كذلك قوله والسّمٰوت مطويّات بيمينه اى فى مقدوره طيها (تبيان)

[2] اى مرت من شدّة تلك الصيحة ____ يقال صعق فلان اذا مات بحال هائلة شبيهة بالصيحة العظيمة (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

مگر قرآن مجید سے اس کا پتہ کہیں نہیں چلتا۔

نُفِخَ. فَزِعَ اور صَعِقَ وغیرہ کی صورت کے الفاظ میں جو ہر جگہ ماضی کا صیغہ ہے، اس کی نظیریں واقعات قیامت کے بیان میں قرآن مجید کے اندر بکثرت ہیں، ان سب میں مستقبل کے واقعات کو یقینی ہونے کی بنا پر بصورت ماضی بیان کیا گیا ہے لیکن مقصود اُس سے مستقبل ہی ہوتا ہے، اس لئے بعض مترجمین نے ترجمہ میں ماضی کا ترجمہ مضارع یا مستقبل کے الفاظ سے کیا ہے۔[1]

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾

''اور چمک اٹھی زمین اپنے پروردگار کے نور سے اور رکھ دیے گئے نامہ ہائے اعمال اور پیغمبر اور تمام گواہ حاضر کیے گئے اور فیصلہ کر دیا گیا اُن کے درمیان حق کے ساتھ اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور ہر متنفس کو پورا پورا دیا گیا اُس کے اعمال کا بدلا اور وہ خوب واقف ہے اُس سے جو وہ کیا کیے ہیں''۔

یہاں شروع میں عدالت الٰہی کی تصویر کشی میں بالکل ایک کچہری کا منظر پیش کیا گیا ہے اور آخر میں جو ہے ''وہ خوب واقف ہے اس سے جو وہ کیا کیے ہیں''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب مظاہرہ دنیا کو عدل الٰہی کا مشاہدہ کرانے کے لئے ہے ورنہ اللہ خود ہر ایک کے کردار اور جزا و سزا کے معیار سے واقف ہے۔

پہلا جملہ ایسا تصور پیش کرتا ہے کہ جیسے عدالت کی کرسی پر جج آ کر بیٹھ گیا، اس مرقع کشی میں بھی مستقبل کا ذکر بصیغہ ماضی کیا گیا ہے۔

گواہ ہونا امت پر اُن روحانی پیشواؤں ہی کا کام ہے جو خود گناہوں سے بری ہوں چنانچہ انبیاء اپنی اُمتوں کے شاہد تھے جیسا کہ ارشاد ہوا:

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ (مزمل)

یقیناً ہم نے تمہاری طرف ایک پیغمبر بھیجا تھا جو تم پر گواہ ہے اُسی طرح جیسے فرعون کی طرف پیغمبر بھیجا تھا۔

اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ہے:

وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ

اور میں اُن پر اُس وقت تک کا گواہ ہوں جب تک میں اُن میں موجود تھا۔

اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ارشاد ہوا:

اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا ﴿۴۱﴾ (نساء)

جس وقت ہم ہر امت کے گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو اُن کا گواہ بنا کر لائیں گے۔

---

[1] دمیدہ شود صور (شاہ ولی اللہ) پھونکا جاوے گا صور (شاہ رفیع الدین)

www.kitabmart.in

اب اگر شھدا کا انحصار انبیاء ہیں ہوتا تو زیرِ تحریر آیات میں بالنبیین کہہ دینا کافی تھا لیکن یہاں النبیین کے ساتھ حرف عطف کے ساتھ الشھداء کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبروں کے علاوہ بھی اس معیار پر کچھ افراد ہیں جنہیں یہ گواہی کا منصب عطا کیا گیا ہے۔

جمہورِ اُمت ''شہدا'' یعنی گواہوں کے تصور سے محروم ہے مگر ہم ان ''شہدا'' کو جانتے ہیں جو اصطلاحی طور پر نبی نہیں ہیں مگر معیارِ کمال عصمت پر فائز ہیں، یہ ہیں خاتم الانبیاء کے حقیقی جانشین ائمہ طاہرین علیہم السلام یہی وہ شہداء ہیں جو علاوہ انبیاء کے گواہی کے لئے لائے جائیں اور وہی قرآن میں دوسری جگہ اس خطاب کے مخاطب صحیح ہیں کہ:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (بقرہ..۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی گروہ قرار دیا تاکہ تم تمام لوگوں پر گواہ ہو اور پیغمبر تمہارے اوپر گواہ ہوں۔

جس کی تفسیر پہلے آچکی ہے۔[۱]

دوسرے لوگ جو ایسے معصومین کے وجود کا تصور نہیں رکھتے، وہ اسے عام نیک آدمیوں کے معنی میں لیتے ہیں مگر غیر معصوم کیسا ہی نیک آدمی ہو، خود اُس کے اعمال میں صحیح وغلط اور جائز وناجائز کی آمیزش ہوگی تو اُسے خود گواہی کی زد میں آنا ہے، پھر وہ گواہ ہونے کے قابل کیوں کر ہوسکتا ہے؟

ان میں سے بعض مفسرین نے اس سے مراد اُمت محمدؐ یہ کو لیا ہے مگر عام اُمت کے کردار کو دیکھ کر حافظ شیرازی کی ہم نوائی کرتے ہوئے کہنا پڑتا ہے ''وائے گر در پس امروز بود فردائی''۔

اُمت محمد یہ ہے بھی تو گواہی کے لائق ان میں کے وہی افراد ہو سکتے ہیں جو خالق کی نظر میں مثالی کردار کے حامل ہوں۔

بعض نے پوری امت کو گواہ بنانے کی خاطر گواہی کی نوعیت کو بدل دیا ہے کہ امت محمدیہ بحیثیت گواہ خود انبیاء کی خدمات کی تصدیق کے لئے آئے گی۔[۲]

سبحان اللہ! اس صورت میں بعد کے فقرے کو کیا کہا جائے گا کہ قضی بینهم بالحق ''فیصلہ کردیا جائے گا اُن کے درمیان حق کے ساتھ''۔ کیا پیغمبروں اور اس امت کے درمیان کوئی جھگڑا ہو رہا تھا جس کے فیصلے کا اعلان کیا جارہا ہے؟

حقیقت میں یہ سب باتیں حق ناشناسی پر مبنی ہیں۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ
وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى

---

[۱] الشهداء الائمة عليهم السلام (علی بن ابراهیم)
[۲] ای امّة محمّد ﷺ يشهدون الرّسل بالابلاغ (جلالین)

www.kitabmart.in

الْكٰفِرِيْنَ﴿۷۱﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴿۷۲﴾

''اورلے جائے گئے وہ جنہوں نے کفراختیار کیا تھا دوزخ کی طرف گروہ در گروہ، یہاں تک کہ جب وہ وہاں آئے تو اُس کے دروازے کھل گئے اوراُن سے اُس کے محافظوں نے کہا کہ کیا نہیں آئے تمہارے پاس کچھ پیغمبر تم میں کے جو تمہیں پڑھ کر سنائیں تمہارے پروردگار کی آیتیں اور تمہیں ڈرائیں تمہارے اس دن کے سامنے آنے سے؟ اُنہوں نے کہا کیوں نہیں مگر کافروں پر قدرت کی طرف سے عذاب کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ کہا گیا کہ داخل ہو دوزخ کے دروازوں میں وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہتے ہوئے، کتنا برا ٹھکانا ہے گھمنڈ کرنے والوں کا''۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴿۷۴﴾

''اورلے جائے گئے وہ جو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے تھے بہشت کی طرف گروہ در گروہ یہاں تک کہ جب وہ وہاں آئے اور اُس کے دروازے کھولے جا چکے تھے اور اُن سے اُس کے محافظوں نے کہا سلام ہو تم پر تم پاک رہے، اب تم داخل ہو یہاں ہمیشہ کے لئے اور انہوں نے کہا شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں حق دار بنایا اس سرزمین کا کہ ہم بہشت میں جہاں چاہیں ٹھہریں تو کتنا اچھا ہے صلہ عمل کرنے والوں کا''۔

یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں سلام ہے کہ الفاظ ہیں جو شیعوں کے یہاں رائج ہیں معلوم نہیں مسلم اکثریت نے اسے ترک کر کے السلام علیکم ہی کو اپنا شعار کیوں بنالیا ہے؟

''ہمیں حق دار بنایا ہے اس سرزمین کا'' یعنی سرزمین بہشت کا اس لئے کہ زمین وہی تو نہیں ہے، جس پر ہم ہیں بلکہ ہر شے جس پر کسی کے قدم ہوں، وہ اُس کے لئے زمین ہے۔ اس لئے ہمارے لئے یہ زمین ہے اور جو ہمارا آسمان ہے، اہل آسمان کے لئے وہ زمین ہے تو جو اہل بہشت ہوں گے، اُن کے لئے بہشت کی وہی سطح جس پر اُن کے قدم ہوں گے زمین کی حیثیت رکھتی ہوگی۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۷۵﴾

''اور دیکھو گے فرشتوں کو عرش کے ارد گرد گھیرا کیے ہوئے کہ وہ تسبیح کرتے ہیں اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ

www.kitabmart.in

اوران کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا گیا اور کہا گیا شکر ہے اللہ کا جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔
ہم تو سمجھتے ہیں یہ آیت بھی قیامت کے متعلق ہے اور ''اُن کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا گیا'' یہ ''اُن'' کی ضمیر فرشتوں کی طرف راجع نہیں ہے بلکہ سابق میں جو اہل جنت اور اہل نار دونوں فریقوں کا ذکر ہوا تھا اُن سے متعلق ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے سمجھا ہے۔[1] اور بعض نے اُسے مجمل طور پر خلائق سے متعلق کیا ہے۔[2]
علامہ طبرسیؒ نے کئی احتمال بطور تردید و تردد نقل کر دیئے ہیں مگر کسی میں اسے فرشتوں سے متعلق قرار نہیں دیا ہے۔[3] لیکن شاہ ولی اللہ نے ضمیر کو فرشتوں کی طرف راجع کر دیا ہے، اور حاشیہ پر لکھ دیا ہے ''یعنی در اختصام ملا اعلیٰ'' (فتح الرحمٰن)
مطلب یہ ہے کہ اور جگہ یہاں سے کافی دور پر ایک سورے میں جو قرآن میں ''ملا اعلیٰ'' کے جھگڑے کا ذکر ہے، اُس سے متعلق ہے حالانکہ ''اختصام'' یعنی جھگڑا جس کا حوالہ دیا ہے، اُس کا یہاں اس سے پہلے کہیں ذکر نہیں ہے۔
اُن کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر بھی مرجع ضمیر میں ان سے متفق ہیں مگر اس کی تشریح وہ عجیب و غریب انداز میں یوں کرتے ہیں کہ:۔
''فرشتوں میں فیصلہ یہ کہ ہر ایک اپنے قاعدے پر ایک تدبیر بولتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ایک کی بات جاری کرتا ہے، وہی ہوتی ہے حکمت کے موافق یہ فیصلہ اب بھی ہے اور قیامت میں بھی'' (موضح القرآن)
مطلب یہ ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک فرشتے اللہ کو طرح طرح کی رائیں دیتے ہیں، وہ کسی کو منظور کر لیتا ہے اور کسی کو رد مگر قرآن مجید نے تمام فرشتوں کو یہ سند عطا کی ہے کہ:۔
لَا يَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ يَعۡمَلُوۡنَ۝۲۷ (انبیاء)
وہ اللہ پر کچھ کہنے میں سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں۔
پھر یہ تصور کہ وہ غلط رائے بھی دے جاتے ہیں جنہیں خداوند عالم رد کر دیتا ہے، کہاں درست ہوسکتا ہے؟ خدا اور فرشتوں میں فرمان روائی اور فرمان برداری کا رشتہ ہے، نہ کہ وہ اُس کی پارلیمنٹ کے ممبر ہیں جو اُسے طرح طرح کی رائیں دیتے ہیں۔

---

[1] ای قضی بین الخلائق بالحق ای العدل فیدخل المؤمنون الجنّة والکافرون النّار (جلالین)
[2] ای فصل بین الخلائق بالعدل لا ظلم فیه علی احد (تبیان)
[3] ای فصل بین الخلائق بالحق و قیل بین الانبیاء و الامم و قیل بین اهل الجنّة و النّار (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ الۡمُؤۡمِنِ

مکیّہ ----۸۵---- آیات

چونکہ اس سورے میں ''مومن آل فرعون'' کا تفصیلی تذکرہ ہے اس لئے اس سورے کا نام یہ ہوا۔ اس کے علاوہ اس سورے میں حسب ذیل مضامین ہیں خواہ مستقل طور پرا ور خواہ اُسی مؤمن کی زبانی۔

۱۔ حاملانِ عرش کا ذکر اور اُن کا اہل ایمان کے لئے استغفار۔

۲۔ دو دفعہ کی موت اور دو دفعہ کی زندگی۔

۳۔ قدرت کی طرف سے حق بجانب لمن الملك کی صدا اور کائنات کے سناٹے کا بزبان خاموشی معترفانہ جواب۔

۴۔ فرعون کی طرف سے حضرت موسیٰؑ پر بے دینی اور فساد پھیلانے کا الزام۔

۵۔ جناب یوسفؑ کے بعد لوگوں کا غلط تصور کرنا ان کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔

۶۔ فرعون کا ہامان کو ایک اونچے محل کے بنانے کا حکم تاکہ خدائے موسیٰؑ کا پتہ لگایا جائے۔

۷۔ اہل دوزخ کی وہاں کے محافظوں سے التجاء اور اُن کا جواب۔

۸۔ خدا کی طرف سے اپنے پیغمبروں کی امداد کا قطعی وعدہ۔

۹۔ دعا کا حکم اور اُس سے انکار کرنے والوں کی شدید تہدید۔

۱۰۔ کوئی پیغمبر کوئی معجزہ بغیر حکم الٰہی نہیں دکھا سکتا۔

۱۱۔ خالق کی سنت قدیم کہ عذاب آنے کے بعد ایمان لانا بے سود ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَ قَابِلِ
التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۳﴾

''حا۔میم۔ اس کتاب کا اُتارا جانا ہے اللہ کی طرف سے جو عزت والا، علم والا ہے، جو گناہ معاف کرنے والا اور توبہ

www.kitabmart.in

قبول کرنے والا، سخت سزا والا، بخشش وعطا والا ہے، سوا اُس کے کوئی خدا نہیں، اسی کی طرف آخر کار جانا ہے"۔

قابل التوب کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے "توبہ قبول کرنے والا" یہ اس تصور پر مبنی ہے کہ توب کا لفظ تَابَ یَتُوْبُ کے مصدر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ توبہ کی جمع ہے جیسے کَلِمَۃ کی جمع کَلِم اس کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ "توباؤں کا قبول کرنے والا ہے۔[1]

مجھے پہلا ترجمہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ علامہ طبرسیؒ بھی بظاہر اسی سے متفق ہیں۔[2]

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿٤﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٥﴾ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿٦﴾

"بلا وجہ بحث وتکرار نہیں کرتے آیات الٰہی کے بارے میں مگر وہی جو کافر ہوں تو تمہیں دھوکا نہ دے اُن کا مختلف شہروں میں دندناتے پھرنا۔ اُن کے پہلے نوح کی قوم اور اُن لوگوں کے بعد بہت سی جماعتوں نے جھٹلایا اور ہر قوم نے اپنے پیغمبر کے بارے میں ارادہ کیا کہ وہ اُسے گرفت میں لے لے اور باطل کے سہارے پر بحث تکرار کی تاکہ شکست دیں اُس سے حق کو تو میں نے اُنہیں گرفت میں لے لیا تو کیسا تھا میرا عذاب اور یونہی تمہارے پروردگار کی بات پوری ہونا ہے ان کے بارے میں اور جنہوں نے کفر اختیار کیا، وہ سب دوزخی لوگ ہیں"۔

"تمہیں دھوکا نہ دے اُن کا مختلف شہروں میں دندناتے پھرنا" یہ جملہ دوسری جگہ بھی آیا ہے جس کا مفاد ہر مقام پر یہ ہے کہ دنیوی قہر وغلبہ کو دلیل حقانیت نہ سمجھنا چاہیے، اس کے لئے عاد وثمود وغیرہ مثالیں دی گئی ہیں کہ اُنہیں بھی تو اقتدار حاصل تھا، پھر کس طرح وہ سب تباہ برباد ہو گئے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٧﴾ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ

---

[1] التّوب يحتمل وجهين (تبيان)

[2] يقبل توبة من تاب اليه من المعاصي (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣ الَّتِیۡ وَعَدۡتَّہُمۡ وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِہِمۡ وَاَزۡوَاجِہِمۡ وَذُرِّیّٰتِہِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۙ﴿۸﴾ وَقِہِمُ السَّیِّاٰتِ ؕ وَمَنۡ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمۡتَہٗ ؕ وَذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ٪﴿۹﴾

''وہ جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اُس کے اردگرد ہیں، تسبیح کرتے ہیں اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور بخشش کی دعا کرتے ہیں اُن کے لئے جو ایمان لائے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! تو حاوی ہے ہر چیز پر رحمت اور علم کے ساتھ تو بخش دے اُنہیں جو تجھ سے لو لگائے ہیں اور جنہوں نے پیروی کی ہے تیرے راستے کی اور بچا اُن کو دوزخ کے عذاب سے اور اے ہمارے پروردگار! اُنہیں داخل کر ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے بہشتوں میں جن کا تو نے وعدہ کیا ہے اور جو اُن کے آباؤ اجداد اور بیوی بچوں میں سے اس لائق ہوں، یقیناً تو عزت والا ہے، حکمت والا اور اُنہیں غلطیوں سے بچا اور اُس دن جسے تو نے غلطیوں سے بچایا، اُس پر تو مہربان ہو اور یہی بڑی کامیابی ہے''۔

ملائکہ کی دعاؤں میں یہ فقرہ کہ قهم السيئات اُس کے لفظی معنی وہی ہیں جو ہم نے ترجمہ کیا ہے کہ اُنہیں غلطیوں سے بچا اور اس مناسبت سے یومئذ کا ترجمہ ہونا چاہیے ''آج'' یعنی اس دار دنیا میں لیکن دوسرا تصور یہ ہے کہ قهم السيات کے معنی یہ ہیں کہ برائیوں کی سزا سے بچا۔ اس صورت میں یومئذ کے معنی ہوں گے اُس دن یعنی آخرت میں۔ اس صورت میں حذف کے ماننے کی ضرورت ہوتی ہے۔[1] جس کی بادی النظر میں کوئی خاص وجہ معلوم نہیں ہوتی لیکن اس مفہوم کو تقویت پہنچتی ہے اس فقرے کے محل وقوع سے کیوں کہ اس کے پہلے سب دعائیں آخرت سے متعلق ہیں۔ ''بخش دے'' اور ''اُنہیں عذاب جہنم سے بچا اور اُن کے باپ داداؤں اور اولاد میں سے جو اس لائق ہوں، اُنہیں بہشت میں داخل کر، یہ سب چیزیں بعد والی منزل سے متعلق ہیں جو انجام کار ہے۔ اس کے بعد یہ کہ اُنہیں گناہوں سے بچا' یہ دار دنیا کی اس زندگی سے متعلق ہے تو جیسے یہ رفتار کلام میں آگے بڑھ کر پیچھے کی طرف پلٹتا ہے مگر اس صورت میں جب کہ اس سے گناہوں کی سزا مراد ہو، ایک طرح کی تکرار محسوس ہوتی ہے کہ پہلے آچکا ہے قِهِمۡ عَذَابَ الۡجَحِيۡمِ ''اُنہیں بچا دوزخ کی سزا سے'' تو اب پھر یہ کیوں کہا جا رہا ہے کہ گناہوں کی سزا سے بچا کیوں کہ وہ سزا عذاب دوزخ ہی تو ہے۔

ہاں اس صورت میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دوزخ تو بڑے بڑے گناہوں کی سزا ہے لیکن سیات جیسا کہ بعض جگہ الفاظ قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے، وہ معمولی گناہ ہیں جن کی سزا دوزخ میں مستقل طور پر داخل نہیں ہے بلکہ اس سے کم تر سزا مثلاً دنیا میں کسی مصیبت کی صورت میں سزا دے دی جائے، یا عذاب قبر کی صورت میں تو دوزخ کی سزا سے بچانے کی دعا کے بعد قدم آگے بڑھا کر جیسے غلطیوں کی نتائج بد سے بچانے کی دعا کی گئی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُنہیں برے کاموں کے برے انجام سے بچا اور اس کے بعد کہا گیا ہے کہ یہ بڑی کامیابی ہے۔

---

[1] وقهم السّيّات معناه وقهم عذاب السّيّات (تبيان)۔

www.kitabmart.in

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُنَادَوۡنَ لَمَقۡتُ اللّٰہِ اَکۡبَرُ مِنۡ مَّقۡتِکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ اِذۡ تُدۡعَوۡنَ اِلَی الۡاِیۡمَانِ فَتَکۡفُرُوۡنَ ﴿۱۰﴾

''بلاشبہ وہ جنھوں نے کفر اختیار کیا، اُنہیں پکار کر کہا جائے گا کہ اللہ کی ناراضگی زیادہ بڑی چیز ہے خود اپنے سے تمہاری ناراضگی سے جب کہ تمہیں بلایا جاتا تھا ایمان کی طرف تو تم کفر اختیار کرتے تھے''۔

اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ تم اپنی مرضی کے خلاف کرتے، بہتر تھا اس سے کہ تم نے خدا کی مرضی کے خلاف عمل کیا جس کے نتیجہ میں آج مستوجب عذاب ہوئے۔اس کے علاوہ دوسرے مفہوم قرار دیئے گئے ہیں جو الفاظ قرآنی سے کچھ بعید نہیں ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:۔

یعنی دردوزخ بدخود دعائے بدمی کنندوی گویندکاشکے معدوم شدند

یعنی وہ اپنے کو خود دوزخ میں کوستے ہوں گے کہ کاش وہ نیست و نابود ہوجائیں۔

پھر کہا ہے کہ دوسرے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ:۔

یعنی قبول نہ کردن ایمان عداوت باخود است اگرچہ ایں را نہ نمی دانستند پس جزائے ایں عداوت نفس خود عداوت خدا شد ایشاں را (فتح الرحمن)

یعنی ایمان کا قبول نہ کرنا خود اپنے سے ایک دشمنی ہے اگرچہ وہ اس کو جانتے نہ تھے اب اُسی اپنے ساتھ دشمنی کی سزا خدا کی عداوت کی صورت میں ملی ہے۔

زیادہ تر مفسرین کا ذہن اسی طرف گیا ہے کہ یہ اُن کی اپنے نفس سے ناراضگی آخرت میں ہے جب کہ اُنہوں نے اپنی دنیا کی بداعمالیوں کی سزا اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔[1]

شاہ صاحب نے جو پہلا مطلب لکھا ہے اس کا ماحصل بھی یہ ہے۔

دوسرا مطلب جو اُنہوں نے لکھا ہے، اُس کے موافق جناب شیخ الطائفہؒ نے ایک قدیم مفسر کا قول یوں نقل کیا ہے کہ:۔

قال البلخی لمّا ترکوا الایمان و صاروا الی الکفر فقدمقتوا انفسھم۔

بلخی نے کہا ہے کہ جب اُنہوں نے ایمان ترک کیا اور کفر کی طرف گئے تو انہوں نے اپنے ساتھ دشمنی کی۔

ہمیں اس مفہوم کے قبول کرنے میں اس لئے تامل ہے کہ پھر اللہ کا اُن سے ناراض ہونا تو نتیجہ ہوا اُن کی اس اپنے نفس کے ساتھ عداوت کا۔اُسے اُس کے بالمقابل قرار دے کہ مقۃ اللہ اکبر''اللہ کا ناراض ہونا تم سے اُس سے بڑھ کر ہے جتنا تم اس سے ناراض ہو'' کہنا بے محل ہو گا۔ہم نے پہلے جو مفہوم لکھا ہے، اُس کا ماحصل یہ ہے کہ دار دنیا میں تم اپنے افعال سے خود دشمنی اختیار کر لیتے، وہ آسان تھا اس سے کہ تمہارے اعمال کے نتیجہ میں اللہ تم سے ناراض ہو جس کا نتیجہ اب تمہیں آنکھوں سے نظر آ رہا ہے۔

شیخ الطائفہؒ نے کچھ لوگوں کی زبانی ایک قول اس سب سے الگ یوں نقل کیا ہے:۔

---

[1]۔قال مجاھد و قتادۃ و السّدی و ابن زید مقتوا انفسھم و ھین عاینوا العذاب (تبیان)

www.kitabmart.in

قال قوم لمقت الله اکبر من مقت بعضکم لبعض (تبیان)

ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ کی دشمنی اُس سے بڑی ہے جتنا آپس میں تم ایک دوسرے کو دشمن رکھتے ۔

ہمارے نزدیک یہ مفہوم بہت بعید ہے جس پر الفاظ آیت کو محمول نہیں کیا جا سکتا۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿١١﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿١٢﴾

''اُنہوں نے کہا اے ہمارے مالک! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندہ کیا تو ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں، اب کیا نکلنے کی کوئی صورت ہے؟ یہ اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ جب اللہ کو اُس کی وحدت کے اظہار کے ساتھ پکارا جاتا تھا تو ہم انکار کرتے تھے اور اگر اُس کے ساتھ شرک کیا جائے تو تم مان لیتے تھے تو اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جو بلند ہے، بزرگ''۔

دو دفعہ موت اور دو ۲ دفعہ زندگی، اس کی تشریح شاہ عبدالقادر یوں کرتے ہیں: ''پہلے خاک تھے یا نطفہ تو مردے ہی تھے، پھر جان پڑی تو جی گئے، پھر مرے پھر جیے، یہ ہوئیں دو موتیں اور دو حیاتیں'' (موضح القرآن)

لیکن رجعت کی بنا پر جو احادیث اہل بیتؑ بتواتر ثابت ہے، یہ دو موتیں اور دو زندگیاں بالکل ظاہر ہیں۔ پہلی موت قبل رجعت اور دوسری بعد رجعت پہلا زندہ ہونا اُس موت سے رجعت میں اور دوسرا دوسری موت سے قیامت میں، چنانچہ ہمارے یہاں کی ایک حدیث اس آیت کو متعلق بہ رجعت قرار دیتی ہے مگر جناب شیخ طوسیؒ اُس حدیث کو بظاہر نا قابل لحاظ قرار دیتے ہیں اور اُنہوں نے بطور ایک قول کے نقل کرتے ہوئے اُس سے اختلاف کا رجحان ظاہر کیا ہے اور بعد بحث وتمحیص اسے بطور احتمال قبول کیا ہے مگر دوسرا برابر کا احتمال یہ ہے کہ پہلی موت اس دار دنیا کی زندگی کے بعد والی موت ہے اور اس کے بعد کی زندگی جو سوال منکر ونکیر کے لئے قبر میں ہوں گے جس کے بعد پھر موت طاری ہوگی اور اُس کے بعد قیامت میں جزا وسزا کے لئے مختتم زندگی ہوگی، اس احتمال کے موجود ہونے کے بعد کم از کم اس آیت سے استدلال رجعت پر نہیں ہوسکتا اور علامہ طبرسیؒ نے اس مفہوم کو جو رجعت سے متعلق ہے بطور احتمال یا نقل قول بھی درج نہیں کیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾

''وہ وہ ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے روزی اُتارتا ہے اور نہیں نصیحت حاصل کرتا مگر وہ جو اللہ سے لو لگائے تو پکارو اللہ کو اُس کی خالص عبادت کرتے ہوئے چاہے کافر لوگ ناپسند کریں''۔

www.kitabmart.in

”آسمان سے روزی اُتارتا ہے“ یعنی بارش جس سے روزی پیدا ہوئی ہے۔[۱]

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

”اونچے درجوں والا، عرش کا مالک، اُتارتا ہے خاص روح کو اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے تاکہ وہ ڈرائے بارگاہ الٰہی میں حاضری والے دن سے، جس دن وہ باہر نکلیں گے، اللہ پر اُن کی کوئی بات چھپی ہوئی نہ ہوگی، آج سلطنت کس کی ہے؟ ایک اکیلے غالب، زبردست اللہ کی۔ آج ہر متنفس کو معاوضہ ملے گا اُس کا جو اُس نے کیا ہے، آج کوئی ظلم نہیں ہے، یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے“۔

رفیع الدرجت جس کے معنی ہوئے ’اونچے درجوں والا‘ اس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ خود اُس کے درجے بہت بلند ہیں کیوں کہ وہ لامحدود ذات ہے جہاں درجوں کا تصور ہی نہیں ہوسکتا بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے بندگانِ خاص کو جو عطا فرماتا ہے، وہ بڑے اونچے درجے ہیں۔[۲] اس لئے بعض نے اُس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ وہ درجوں کا بلند کرنے والا ہے۔[۳]

یہ لفظی طور پر تو **رافع الدرجات** کے معنی ہوتے ہیں مگر اُس عقلی قرینے کی بنا پر تصرّف ذہنی کے ساتھ لازم معنی یہ ہوتے ہیں جنہیں بطور ترجمہ قرار دے دیا گیا ہے۔ میرے خیال میں اس سے زیادہ سیدھی بات یہ ہے کہ درجوں کے لفظ میں چونکہ صریحی ارتقاء محسوس ہوتا ہے بس اُسے نظر انداز کر کے اُس کا مطلب یہ لیا جائے کہ اُس کے اوصاف کمال انتہائی بلند و برتر ہیں جسے علامہ طبرسیؒ نے ایک قول کے طور پر درج کیا ہے۔[۴] ”اُتارتا ہے خاص روح کو اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے“ ان بندوں سے مراد انبیاء ہیں، خواہ روح سے مراد وحی ہو اور خواہ خاص فرشتہ جو وحی لاتا ہے اور خواہ نبوت، نتیجہ سب کا ایک ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ڛ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾

---

[۱] من الغیث و المطر الّذی ینبت ما ھو رزق للخلق (تبیان و مجمع البیان)

[۲] قیل معناہ رفیع طبقات الثّواب التی یعطیھا الانبیآء و المؤمنین فی الجنّة (تبیان)

[۳] بلند کنندۂ مراتب (شاہ ولی اللہ)

[۴] قیل معناہ انّہ علی الصفات (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

"اور اُنہیں ڈرائیے قیامت کے دن سے [1] جب کہ دل کھینچ کر گلوں میں آ گئے ہوں گے غم وغصہ سے بھرے ہوئے، ان ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا جس کا حکم مانا جائے"۔

قیامت کو ازفۃ کہنا اس لحاظ سے ہے کہ اُسے دور نہ سمجھنا چاہیے، وہ قریب ہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ ہے: ازفت الازفۃ یعنی قیامت نزدیک ہو چکی ہے، اس لئے کہ عمر عالم کے لحاظ سے ہزاروں برس کا فاصلہ بھی کوئی چیز نہیں ہے، اس لئے آج سے ایک ہزار برس پہلے بھی وہ قریب تھی اور آج بھی قریب ہے پھر بھی ہم اُسے کسی اپنے حساب والی مدت میں محدود نہیں کر سکتے۔

جیسا کہ دوسرے مقامات پر نفی شفاعت کے ساتھ الا نے آ کر مثبت شفاعت کا تصور قائم رکھا ہے اُسی طرح یہاں نفی شفاعت کے ساتھ یطاع کے لفظ نے یہ معنی پیدا کیے ہیں کہ خالق کی نگاہ میں اُس سے بالاتر ذات کوئی نہیں ہے جو بطور حکم سفارش کرے اور خدا اُس کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہو بلکہ جو شفیع ہوں گے وہ اُس کے بندے ہوں گے جو اُس کی مرضی کے حدود کے اندر شفاعت کریں گے۔ [2]

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٢٠﴾

"وہ جانتا ہے آنکھوں کی مجرمانہ جنبش اور جو سینوں میں باتیں چھپی ہوں اور اللہ فیصلہ کرتا ہے حق کے ساتھ اور جنہیں وہ پکارتے ہیں، اُس کے سوا وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے یقیناً اللہ سننے والا ہے، دیکھنے والا"۔

خائنۃ الاعین جس کا ترجمہ ہم نے "مجرمانہ جنبش" کیا ہے، اُس کی تشریح میں مفسرین نے یہ پہلو بھی لکھا ہے کہ جنبش پوشیدہ طور پر ہے جس میں کسی کو دھڑکا ہو کہ کوئی دوسرا دیکھ نہ لے۔ [3] حالانکہ لفظ خائنۃ الاعین میں "پوشیدہ" کا مفہوم ہمیں محسوس نہیں ہوتا کیوں کہ اصطلاح قرآنی میں ہر گناہ ایک خیانت کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ قرآن میں ارتکاب گناہ کرنے کی ایک جگہ تعبیر تختانون انفسکم کے لفظوں سے کی گئی ہے اسی لئے ہم نے ترجمہ میں صرف "مجرمانہ" کا لفظ لکھا ہے۔

ہاں ممکن ہے کہ اللہ کے لئے خصوصی علم کے اظہار سے یہ مطلب نکل آئے کہ وہ جنبش نظر اس طرح تھی کہ عام افراد اُسے اکثر محسوس نہیں کر سکتے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٢١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

---

[1] یوم الأزفۃ یعنی یوم القیامۃ (علی بن ابراھیم)

[2] انما ارادنفی شفیع یطاع ولیس فی ذلک نفی شفیع یجاب (مجمع البیان)

[3] ای یعلم ما یختان بہ الاعین من النظر الی غیر ما یجوز النظر الیہ علی وجہ السرقۃ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

رُسُلُهُم بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

''کیا وہ اطراف زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کیا انجام ہوا اُن کا جوان سے پہلے تھے؟ وہ ان سے زیادہ تھے قوت میں اور دنیا میں اپنی نشانیوں کے لحاظ سے تو اللہ نے اُن لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیا اُن کے گناہوں کی سزا میں اور اُنہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔ یہ اس لئے کہ اُن کے پاس اُن کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے جس پر انہوں نے کفر اختیار کیا تو اللہ نے اُنہیں گرفت میں لے لیا، یقیناً وہ طاقت ور ہے، سخت سزا دینے والا''۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

''اور بلاشبہ ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور کھلی ہوئی دلیل کے ساتھ فرعون، ہامان، اور قارون کی طرف تو اُنھوں نے کہا یہ بڑا جادوگر ہے جھوٹا تو جب وہ آئے اُن کے پاس ہماری طرف سے حق کو لے کر تو اُنہوں نے کہا کہ جنھوں نے ان کے ساتھ ایمان اختیار کیا، ان کے بیٹوں کو قتل کردو اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھو اور نہیں ہے کافروں کی منصوبہ بندی مگر گمراہی میں''۔

فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنا، ایک تو جناب موسیٰؑ کی ولادت سے پہلے تھا اس پیش گوئی کے پیش نظر کہ ان میں ایک وہ بچہ پیدا ہونے والا ہے جس سے فراعنہ کی سلطنت کا زوال ہوگا اور اسی لئے جناب موسیٰؑ کی حفاظت کے لئے خالق کی طرف سے یہ انتظام ہوا کہ اُنہیں دریا میں بہا دیا جائے اور اس طرح فرعون کے منصوبے کو شکست ہوگئی، دوسری دفعہ جس کا اس مقام پر تذکرہ ہے، جناب موسیٰؑ کی بعثت کے بعد بنی اسرائیل کے لئے بطور سزا یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان کے بیٹوں کو قتل کیا جائے اور ان کی عورتوں کو کنیز بنا کر رکھ لیا جائے۔ [۱]

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

''اور فرعون نے کہا کہ مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو اور وہ اپنے پروردگار کو مدد کے لئے پکاریں، مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل نہ دیں یا یہ کہ اس سرزمین پر فساد رونما کریں اور موسیٰ نے کہا کہ میں مانگتا ہوں اپنے پروردگار

---

[۱] اقتلوا ابناء الّذین امنوا بموسیٰ و من معه: قال قتادة کان هذا الامر بقتل الابناء والاستحیاء للنسّاء امرا من فرعون بعد الامر الاوّل (تبیان) هذا القتل غیر القتل الاوّل لئلا ینشأ منهم من یزول ملکه علیٰ یده ثم ترک ذلک فلمّا ظهر موسیٰ علیہ السلام عاد علیٰ تلك العادة (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اور تمہارے پروردگار سے پناہ ہر اُس گھمنڈ والے سے جو روز حساب پر ایمان نہ رکھتا ہو‘‘۔

فرعون کی طرف سے حضرت موسیٰؑ پر بے دینی اور فساد پھیلانے کا الزام

یوں تو جیسا اس کے پہلے سورۂ اعراف میں آیا ہے فرعون کے یہاں کے عمائد نے جیسے فرعون سے خود تقاضا کیا تھا کہ موسیٰؑ کے خلاف تدارک کی کاروائی کی جائے ان الفاظ میں کہ:۔

کیا موسیٰ اور اُن کی قوم والوں کو چھوڑ دیجیے گا کہ وہ لوگ اس سرزمین میں فساد پھیلائیں اور وہ آپ کو اور آپ کے خداؤں کو چھوڑ دیں‘‘۔

اُن کے جواب میں فرعون نے یہی ارادہ ظاہر کیا تھا کہ:

ہم اُن کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھ لیں گے اور ہم اُن پر پورا قابو رکھتے ہیں۔

مگر یہاں یہ الفاظ کہ ’’مجھے موسیٰؑ کو قتل کرنے دو‘ ‘یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ سب یا اُن میں سے کچھ خود موسیٰؑ کے قتل کرنے سے اختلاف رکھتے تھے۔[1]

بلکہ یہ بھی کچھ پتہ چلتا ہے کہ جیسے وہ یہ تصور بھی رکھتے تھے کہ شاید جناب موسیٰؑ جس خدا کی طرف دعوت دے رہے ہیں، وہ حقیقتاً درست ہو اور وہ اُس سے بددعا کرکے فرعون کا تختہ نہ الٹ دیں، جب ہی اس نے اُن کے جواب میں کہا کہ ’’مجھے اُنہیں قتل کرنے دو اور وہ کریں اپنے خدا سے دعا‘‘، یعنی اطمینان رکھو کہ وہ بددعا کرکے میرا کچھ نہیں بنا سکتے۔[2] اور اسی بنا پر اُسے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ اُس کے گردو پیش والوں پر اثر انداز نہ ہو رہے ہوں، اس لئے اُس نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل نہ دیں، دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ کچھ لوگ اُن سے متاثر ہو کر گرویدہ ہو جائیں اور کچھ فرعون کے طرف دار ہو جائیں اسی طرح اُس قوم میں انتشار اور باہمی تصادم ہو، اس خطرے کے احساس سے اُس نے دوسرا فقرہ کہا کہ ’’یا وہ اس سرزمین پر فساد رونما کریں‘‘۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٨﴾

’’کہا ایک باایمان شخص نے فرعون کے خاندان والوں میں سے جو اپنے ایمان کو چھپائے رکھتا تھا کہ کیا ایک شخص کو اس بات پر قتل کرو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے معجزے بھی لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اُس کے جھوٹ سے اُسی کو نقصان پہنچے گا اور اگر وہ سچا ہوا تو تم کو پہنچے

[1] لأنهم كانوا يكفونه عن قتله (جلالین)

[2] يدلّ علىٰ ان فى خاصة فرعون كان قوم يمنحونه من قتل موسىٰ علیہ السلام و من معه و يخوّفونه ان يدعو ربه فيهلك (تبیان)

www.kitabmart.in

گا کچھ وہ عذاب جس کی تمہارے لئے وہ پیشن گوئی کرتا ہے، بلا شبہ اللہ منزل تک نہیں پہنچاتا ہے اُسے جو حد سے تجاوز کرنے والا، بڑا جھوٹا ہو"۔

مومن آل فرعون کا تذکرہ

ہم نے جو ترجمہ کیا ہے وہ اس پر مبنی ہے کہ مِنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ کا لفظ رجل مؤمن کا وصف ہے مگر دوسرا قول یہ ہے کہ مِنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ کا لفظ بعد والے یَکۡتُمُ اِیۡمَانَہٗۤ سے متعلق ہے یعنی وہ شخص جو بنی اسرائیل میں تھا اور اپنے ایمان کو فرعون والوں سے چھپائے ہوئے تھا، اس بنا پر رَجُلٌ مُّؤۡمِنٌ کے لفظ پر ایک طرح کے وقف کی علامت بنائی گئی ہے اور اس صورت میں مِنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ کو یَکۡتُمُ اِیۡمَانَہٗۤ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے گا۔

پہلا مفہوم ظاہر الفاظ سے زیادہ سمجھ میں آتا ہے اور اس لئے اکابر مفسرین نے اُسی کو قوت دی ہے۔[1] جناب ابن عباسؓ وغیرہ قدیم مفسرین کے اقوال بھی اُس کے موافق ہیں۔

ہاں، اس میں اختلاف ہے کہ یہ وہی مومن ہے جس کا دوسری جگہ قرآن میں ذکر ہے کہ اُس نے جناب موسیٰؑ کو اُن کے قتل کے منصوبے سے آگاہ کیا جس پر وہ مصر سے باہر نکلے یا وہ ایک دوسرا مومن تھا[2] میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ ان دونوں واقعوں میں بڑا فاصلہ ہے۔ وہ قتل کے منصوبے سے آگاہ کرنے والا واقعہ اُس دور سے متعلق ہے جب حضرت موسیٰؑ قصر فرعون میں پرورش پا کر ابھی مصر ہی میں تھے اور مدین نہیں گئے تھے اور یہ "مومن ال فرعون" کا وعظ و نصیحت اس دور کا ہے جب وہ مدین سے واپس آ کر اب دعوتِ دین دینے لگے ہیں۔ پھر وہ واقعہ جناب موسیٰؑ کی بعثت کے پہلے کا ہے، اس لئے وہاں اُس شخص کے ذکر میں قرآن کے اندر بس رَجُلٌ "ایک آدمی" کا لفظ ہے۔ مومن کا لفظ نہیں ہے اور یہ واقعہ بعد بعثت کا ہے اس لئے یہاں رجل مومن کا لفظ ہے لہٰذا ان دونوں کو ایک سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ بہرصورت خالق نے جو اُس مؤمن کا وصف یَکۡتُمُ اِیۡمَانَہٗۤ کے ساتھ یعنی وہ اپنے ایمان کو چھپائے رکھتا تھا' کہا ہے، مدحیہ انداز رکھتا ہے"۔

یہی کتمانِ ایمان بشرط ضرورت "تقیہ" کہلاتا ہے جس کا جواز و استحسان ازروئے قرآن ناقابل انکار ہے۔

یٰقَوۡمِ لَکُمُ الۡمُلۡکُ الۡیَوۡمَ ظٰہِرِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۫ فَمَنۡ یَّنۡصُرُنَا مِنۡۢ بَاۡسِ اللّٰہِ اِنۡ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرۡعَوۡنُ مَاۤ اُرِیۡکُمۡ اِلَّا مَاۤ اَرٰی وَ مَاۤ اَہۡدِیۡکُمۡ اِلَّا سَبِیۡلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

"اے میری قوم والو! تمہیں سلطنت حاصل ہے اس قلم رو میں غلبہ رکھے ہوئے مگر کون ہماری مدد کرے گا اللہ کے عذاب کے سامنے اگر وہ آجائے۔ فرعون نے کہا میں تمہیں رائے نہیں دیتا سوا اُس کے جو میں سمجھتا ہوں اور میں

---

[1] الاوّل اظہر فی اقوال المفسّرین (تبیان)

[2] قال ابن عباس لم یکن من اٰل فرعون مؤمن غیرہ وغیر امرأۃ فرعون وغیر المؤمن الّذی جاء من اقصی المدینۃ یسعیٰ قال انّ الملأ یأتمرون بك لیقتلوك وقال السّدی ومقاقل کان ابن عم فرعون کان اٰمن بموسیٰ وھو الذی جاء من اقصی المدینۃ یسعیٰ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

نہیں بتا تا تمہیں سوا صحیح راستے کے"۔

اس مومن نے اپنے ایمان کو کسی حد تک چھپاتے ہوئے جو حکیمانہ انداز نصیحت اور حضرت موسیٰؑ کے خلاف کسی تشدد کا قدم اٹھانے سے روکنے کا اختیار کیا، اُس میں خیر خواہانہ طریقہ پر اُنہیں مخالفت حق کے انجام سے ڈرایا ہے کہ کہیں یہ تمہاری تباہی اور تمہاری سلطنت کے زوال کا باعث نہ ہو جائے۔

فرعون کے جواب میں نمایاں کمزوری نظر آتی ہے کہ وہ اُس مومن کے عقلی استدلال کا جواب نہیں دے سکا اور اُس نے صرف اپنی "انا" کو نمایاں کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ میں اسی کو صحیح سمجھتا ہوں جو میں کر رہا ہوں۔

فرعون نے کہا تھا کہ مَآ اَهۡدِيۡكُمۡ اِلَّا سَبِيۡلَ الرَّشَادِ "میں ہدایت نہیں کرتا مگر صحیح راستے کی طرف" اس کے مقابلے میں دوسری جگہ قرآن مجید میں آیا ہے:۔ وَاَضَلَّ فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾ "فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہدایت نہیں کی" (طٰہٰ)

وَقَالَ الَّذِىۡۤ اٰمَنَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ مِّثۡلَ يَوۡمِ الۡاَحۡزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثۡلَ دَاۡبِ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ وَالَّذِيۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ‌ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوۡمِ اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ يَوۡمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوۡمَ تُوَلُّوۡنَ مُدۡبِرِيۡنَ‌ ۚ مَا لَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ عَاصِمٍ‌ ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۳۳﴾

"اور وہ جو ایمان لا یا تھا کہنے لگا کہ اے میری قوم والو! میں تمہارے لئے ڈرتا ہوں دوسرے گروہوں کے ایسے دن سے جیسا حال ہوا نوح کی قوم کا اور عاد اور ثمود اا ور اُن کا جو اُن کے بعد تھے اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں چاہتا اور اے میری قوم والو! میں ڈرتا ہوں تمہارے لئے اُس دن سے جب ایک دوسرے کو پکارتا ہوگا جس دن پیٹھ پھراؤ گے بھاگتے ہوئے۔ تمہارا اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اُسے ہدایت کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا"۔

"دوسرے گروہوں کے ایسے دن سے" انہی گروہوں کا بیان بعد کو ہے! قوم نوح، عاد اور ثمود وغیرہ نہ یہ کہ الاحزاب ان کے علاوہ کوئی اور جماعت ہے۔[۱]

"جس دن پیٹھ پھراؤ گے-----یہ وہ دنیا والے میدان جنگ کا فرار نہیں ہے بلکہ میدان قیامت کا ذکر ہے کہ یہ کافر آگ کے شعلوں کو دیکھ کر یا حساب کی سختی سے بھاگنے کی کوشش کریں گے۔[۲] مگر ظاہر ہے کہ وہاں بھاگنے کی گنجائش کہاں ہوگی؟ کہاں بھاگ کر جائیں گے؟ اس کو کہا گیا ہے کہ" تمہارا اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا"۔

---

[۱] فسر ذلك فقال مثل داب قوم نوح (تبیان)

[۲] یوم تولّون مدبرین عن موقف الحساب الی النّار (جلالین)

www.kitabmart.in

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

''اور اس کے قبل یوسفؑ تمہارے پاس کھلی ہوئی دلیلوں کے ساتھ آئے تو برابر تم شک وشبہ میں مبتلا رہے اُس سے جس کے ساتھ وہ آئے تھے یہاں تک کہ جب وہ دنیا سے اُٹھے تو تم نے کہا کہ ہرگز اللہ ان کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ گمراہی میں چھوڑتا ہے اُسے جو حد سے آگے بڑھنے والا، شک وشبہ میں گرفتار ہو، جو آیات الٰہی کے بارے میں تکرار کرتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو اُن کے پاس آئی ہو، یہ بڑی ناپسند چیز ہے اللہ کے نزدیک اور اُن کے نزدیک جو ایمان لائے اسی طرح اللہ مہر لگا دیتا ہے ہر سرکش، گھمنڈ والے کے دل پر''۔

گذشتہ آیات کو دیکھتے ہوئے سمجھ میں یہی آتا ہے کہ یہ مومن آل فرعون ہی کے کلام کا جز ہے مگر معلوم نہیں کیوں مفسرین اسے حضرت موسیٰؑ کا کلام قرار دیتے ہیں۔[1]

بے شک علامہ طبرسیؒ کا خیال یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مومن آل فرعون کے کلام کا جز ہے اس لئے کہ من قبل کی تشریح میں اُنہوں نے لکھا ہے: ای من قبل موسیٰ ان سے پہلے یعنی موسیٰ سے پہلے'' اگر جناب موسیٰؑ کا کلام سمجھتے تو تشریح میں لکھتے: ای من قبلی ''یعنی میرے پہلے''۔

آخر میں جو کہا گیا ہے کہ اللہ مہر لگا دیتا ہے'' تو سیاقِ کلام سے ظاہر ہے کہ سرکشی اور گھمنڈ جس کا نتیجہ ہے احکام الٰہی میں تکرار اور ان سے سرتابی کرنا، یہ جرم ان لوگوں سے سرزد ہو چکا تو اب یہ مہر لگانا جس کے معنی سلب توفیقات کے ہیں اُس کی سزا میں ہے۔[2] نہ کہ یہ مہر اُس سرکشی اور گھمنڈ میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۤءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾

---

[1] ثم قال حاکیا ما قال لهم موسیٰ (تبیان)
[2] یفعل ذلك عقوبة علی کفره (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

''اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک اونچا محل تعمیر کر دو جس سے ممکن ہو کہ میں ان راستوں، آسمان کے راستوں تک پہنچ کر موسیٰؑ کے خدا کو دیکھ لوں اور بلاشبہ یقینی طور پر میں اُسے جھوٹا سمجھتا ہوں اور اس طرح فرعون کی نگاہ میں اُس کی بداعمالی سج گئی تھی اور وہ صحیح راستے سے ہٹ گیا تھا اور فرعون کا منصوبہ نہ تھا مگر تباہی کی راہ میں''۔

ہامان کا بحکم فرعون اونچا محل بنانا تا کہ خدائے موسیٰؑ کا پتہ لگائے

یہ ہامان کون تھا؟ ایک قدیم تصور یہ ہے کہ وہ فرعون کا وزیر تھا۔[1] دوسرا تصور یہ ہے کہ وہ محکمہ تعمیر کا افسر تھا، یہاں جو اُس سے فرعون کی فرمائش ہے، وہ اس تصور کے موافق ہے اور تعمیر کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ معمار ہو جو خود تعمیر کرے بلکہ وہ افسر جو اپنے عملے سے اس کام کو انجام دلوا دے، اُس کا مخاطب ہوسکتا ہے لیکن دوسرے مقامات پر قرآن نے جس اہمیت کی صورت سے فرعون کے ساتھ اُس کا نام لیا ہے اور ایک جگہ افواج کی نسبت ان دونوں کی طرف دی گئی ہے (وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ) [2]۔ اُس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فرعون کے مظالم میں برابر کا شریک اور تقریباً اُس کے برابر اقتدار کا مالک ہے۔ یہ پہلے ہی تصور کی صحت کا پتہ دیتا ہے کہ وہ اُس کا وزیر تھا اور بحیثیت وزیر کے بھی اس تعمیر کا حکم اُسے درست ہے کہ وہ متعلقہ محکمہ کے ذریعے سے اس کام کو انجام دلوا دے۔

اب وہ اُس ماضی بعید کے فرعون کا تصور تھا کہ خدائے موسیٰؑ کو وہ کسی اونچے محل کی چھت پر سے تلاش کرنا چاہتا تھا اور اُس کی صدائے بازگشت ہمیں ماضی قریب میں روس کے خروشچوف کے اس اعلان کے ساتھ سنائی دی کہ ہماری ہوابازوں نے خلا میں جا کر خوب تلاش کیا، خدا کہیں نہیں ملا۔

ان دونوں میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ خدا کو جسم سمجھ کر آسمانوں میں ساکن سمجھتے ہیں لیکن پہلے والے فرعون کی مزید براں یہ حماقت تھی کہ وہ اپنے خدا ہونے کے ادعا کے ساتھ اُس خدا کو بلند عمارت پر سے دیکھنا چاہتا تھا اور اپنا یہ گمان ظاہر کر رہا تھا کہ وہ غلط ہے لیکن اس تلاش سے خود اُس کی خدائی تو یقینی طور پر ختم ہو جاتی ہے اور اُس کے اس گمان سے بھی خود اُس کی خدائی کا غلط ہونا یقینی ہو جاتا ہے کیوں کہ اگر وہ خدا ہوتا تو اُسے دوسرے خدا کے وجود کا تصوّر بحدّ تو ہم بھی کیوں ہوتا۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۚ﴿۳۸﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا
يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى
النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۭ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ

---

[1] قيل انّه كان وزيره (تبيان) هو وزيره وصاحب امره (مجمع البيان)

[2] سورة قصص۔ ٦

www.kitabmart.in

بِهٖ عِلۡمٌ ۫ وَّاَنَا اَدۡعُوۡكُمۡ اِلَى الۡعَزِيۡزِ الۡغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدۡعُوۡنَنِىۡۤ اِلَيۡهِ لَيۡسَ
لَهٗ دَعۡوَةٌ فِى الدُّنۡيَا وَلَا فِى الۡاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ هُمۡ
اَصۡحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذۡكُرُوۡنَ مَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمۡرِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۴۴﴾

''اور وہ جو ایمان لایا تھا کہنے لگا کہ اے میری قوم والو! تم میری پیروی کرو تو میں تمہیں سیدھی راہ کی طرف لے جاؤں گا اے میری قوم والو! یہ دنیوی زندگی بس کچھ وقتی فائدہ ہے اور بلاشبہ آخرت ہی مستقل قیام کا گھر ہے، جو کوئی برائی کرے گا اُسے سزا بس اتنی ہی ملے گی اور جو نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت درحالیکہ باایمان ہو تو یہ لوگ بہشت میں داخل ہوں گے، وہاں بے اندازہ اُنہیں رزق عطا ہوگا اور اے میری قوم والو! کیا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو، تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور شریک کروں اُسے جس کا مجھے کوئی علم نہیں ہے اور میں تمہیں بلاتا ہوں اُس عزت والے کی طرف جو بخشنے والا ہے، یقیناً جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو، اُس کی طرف دعوت نہ کارآمد ہے، دنیا میں نہ آخرت میں اور یقیناً تم سب کو پلٹنا ہے اللہ کی طرف اور بلاشبہ جو حد سے بڑھے ہوئے ہیں آگ والے ہیں تو جلد ہی تم یاد کرو گے اُسے جو میں کہتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ بندوں کا دیکھنے والا ہے''۔

مذکورہ بالا تقریر پر نظر کرتے ہوئے جو بالکل مبلغانہ حیثیت رکھتی ہے پتہ چلتا ہے کہ وہ ماضی کا ایک دور تھا جسے قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے کہ: كَانَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ ''وہ ایمان کو اپنے چھپائے رکھتا تھا'' مگر اس کے بعد ہدایت خلق کو امکانی حد تک اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے رفتہ رفتہ اُس نے تقیہ کے پردے کو چاک کیا اور بہرحال تقیہ میں ان حدود کی مراعات لازم ہے کہ کب تک تقیہ کا محل رہتا ہے اور کب فریضہ دینی اُس کے ترک کا متقاضی ہو جاتا ہے؟

ظاہر ہے کہ داعیان اگر ہمیشہ تقیہ کرتے رہتے تو پیام حق ہم تک پہنچتا ہی کیوں کر؟ اور اس سے ہمارے رہنمایان دین کی سیرت کے سلسلہ میں یہ سوال ختم ہو جاتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے ۶۰ھ میں تقیّہ سے کام کیوں نہیں لیا؟

انہی فرائض کی باعتبار محل تبدیلیوں ہی کی وجہ سے تو کتاب کافی نہیں ہے بلکہ بصیرت دینی والی سوجھ بوجھ رکھنے والے رہنما اشخاص کی قولی وعملی رہنمائی کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید نے بھی اس مومن کی تقریروں کو الگ الگ حصوں میں درج کیا ہے اور اُن کے مضامین سے ظاہر ہے کہ وہ سب ایک ہی وقت کی تقریر کے ٹکڑے نہیں ہیں بلکہ مختلف مواقع کی تقریروں کے مضمون ہیں چنانچہ یہ آخری تقریر جس میں آخر میں یہ جملہ ہے کہ ''جلد ہی تم یاد کرو گے اُسے جو میں کہتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں ''یقیناً اللہ بندوں کا دیکھنے والا ہے'' بالکل اُس وقت کی معلوم ہوتی ہے، جب

www.kitabmart.in

اُس مومن کی جان لینے کا منصوبہ بن گیا ہے جس کا ذکر اس کے بعد کی آیت میں ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

''تو اللہ نے بچایا اُس کو برائیوں سے اُس کی جو اُنہوں نے منصوبہ بنایا تھا اور فرعون والوں کو گھیر لیا برائی نے عذاب کی۔ آگ جس کے سامنے وہ لائے جاتے ہیں صبح اور شام اور جب قیامت برپا ہوگی، داخل کرو فرعون والوں کو سخت ترین عذاب میں''۔

''بچایا اُس کو'' یعنی مومن آل فرعون کو۔ مضمون آیت سے ظاہر ہے کہ اُس مؤمن کی جان لینے کا منصوبہ بنایا گیا مگر اللہ نے اس منصوبے کو ناکام بنادیا۔

ہمارے وہ اکابر مفسرین جیسے جناب شیخ طوسیؒ اور علامہ طبرسیؒ جنہوں نے قدیم ترین علی بن ابراہیم قمیؒ کی تفسیروں کو جو زیادہ تر احادیث معصومینؑ پر مبنی ہیں اپنا ماخذ نہیں بنایا ہے، اُنہوں نے ایک قدیم سنی مفسر قتادہ کا قول نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مومن آل فرعون جناب موسیٰؑ اور اُن کے ساتھ والے بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے نکل کر دریا پار کرکے نجات پا گیا جب کہ فرعون اور اُس کے ساتھ والے غرق ہوگئے۔ [۱]

دوسری روایت علامہ طبرسیؒ نے کسی گمنام شخص کی نقل کی ہے کہ وہ مومن بھاگ کر ایک پہاڑ پر چلا گیا اور فرعون نے اُس کے گرفتار کرنے کے لئے آدمی بھیجے تو اُنہوں نے دیکھا کہ وہ نماز میں مصروف ہے اور جنگل کے جانور اُس کے گرد پہرا باندھے ہوئے حفاظت کر رہے ہیں، اس سے وہ آدمی خوف زدہ ہوکر واپس گئے۔ [۲]

بلا شبہ ان دونوں روایتوں میں سے ہر ایک کا مضمون الفاظ قرآن کے ظاہری مفہوم کے مطابق ہے لیکن تفسیر علی بن ابراہیم میں امام جعفر صادقؑ سے یہ روایت وارد ہوئی ہے کہ اُن ظالموں نے اُس مومن کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا مگر اس کے باوجود اسے دین حق سے منحرف نہیں کر سکے۔ [۳]

اس حدیث کو دیکھتے ہوئے ماننا پڑتا ہے کہ اصل منصوبہ اُس کی جان لینے کا نہ تھا بلکہ یہ تھا کہ بجر و قہر اُسے دین حق سے منحرف کریں لیکن اس میں وہ ناکام ہوئے تو بالآخر اُسے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ قتل کر دینا اُس ظالم کے منصوبے کا کامیاب ہونا نہیں ہوتا بلکہ درحقیقت وہ عملی طور پر شکست کا اقرار ہوتا ہے جیسا کہ حضرت امام حسینؑ کو شہید کر دینے کو یزید کی کامیابی سمجھنا درست نہیں ہے بلکہ وہ حصول بیعت میں اُس کی

---

[۱] قال قتادہ صرف اللہ عنہم سوء مکرھم و کان قبطیا من قوم فرعون فنجا مع موسیٰ (تبیان)

[۲] قیل انّہم همّوا بقتلہ فھرب الیٰ جبل فبعث فرعون لجلین فی طلبہ فوجداہ قائمًا یصلّی و حولہ الوحوش صفوفا فخافا ورجعا ھاربین (مجمع البیان)۔

[۳] قال ابو عبداللہ علیہ السلام واللہ لقد قتلوہ اربا اربا ولکن وقاہ اللہ ان نفتنوہ فی دینہ (علی بن ابراھیم)۔

www.kitabmart.in

ناکامی کا ثبوت ہے۔

آخر میں جو ہے کہ ''فرعون اور اس کے ساتھ والے آگ کے سامنے صبح و شام لائے جاتے ہیں'' اس کے لئے ترتیب کلام سے ظاہر ہے کہ یہ صورت قیامت کے پہلے ہے اُس دور میں جسے عالم برزخ کہتے ہیں۔[1]

وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا فَھَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُلٌّ فِیْھَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَکَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾

''اور جب وہ آتش دوزخ میں آپس میں بحث کرتے ہوں گے تو کمزور لوگ اُن سے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہیں گے کہ یقیناً ہم تمہارے پیچھے پیچھے چلنے والے تھے تو کیا تم آگ کے عذاب سے کچھ بچاؤ گے کہ ہم تو سب ہی اُس میں ہیں یقیناً اللہ نے اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ سنا یا ہے''۔

یہ چھوٹے اور بڑے آدمیوں کی آپس کی گفتگوئیں قرآن مجید میں ہر جگہ خاص انداز میں ہیں اور سب کا نتیجہ یہ ہے کہ آخرت میں یہ لیڈر لوگ جو عوام کو گمراہ کرتے ہیں، اُن بیچارے عوام کے کسی طرح بھی کام نہ آئیں گے۔ اس لئے سادہ لوح عوام کو چاہیے کہ ہر لیڈر کے جوش دلانے پر جوش میں نہ آجایا کریں بلکہ خوب سوچ سمجھ لیں کہ کیا یہ شخص اپنے اوصاف کے لحاظ سے اس لائق ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے بلکہ جہاں تک ممکن ہو دوسروں کی آنکھوں سے دیکھنے کے بجائے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حق و باطل اور صحیح و غلط میں امتیاز کرنے کی کوشش کریں۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَھَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّکُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَکُ تَاْتِیْکُمْ رُسُلُکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰی ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

''اور کہا اُن لوگوں نے جو آگ میں ہیں دوزخ کے نگہبانوں سے کہ اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی دن ہم سے عذاب میں کچھ تخفیف کرے، اُنہوں نے کہا کہ کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آتے نہیں رہے تھے؟ اُنہوں نے کہا کیوں نہیں! کہا پھر خود ہی دعا مانگو اور کافروں کی دعا نہیں ہے مگر گم شدہ''۔

یعنی یہ دعا کسی منزل مقصود تک پہنچنے والی نہیں۔ سفارش کے جواب میں فرشتوں کی طرف سے رسولوں کا تذکرہ کس مناسبت سے ہے؟ اس کے لئے شاہ عبدالقادر کی یہ نکتہ رسی بعید نہیں ہے کہ:۔

''دوزخ کے فرشتے کہیں گے سفارش کرنا ہمارا کام نہیں۔ ہم تو عذاب پر مقرر ہیں، سفارش کام ہے رسولوں کا۔ سو رسولوں سے تو برخلاف

[1] فی الآیۃ دلالۃ علی صحۃ عذاب القبر (تبیان)

ہی تھے''۔(موضح القرآن)

بعض لوگوں کا خیال ہے فرشتوں کا بس یہ مطلب تھا کہ جب تم نے پیغمبروں کی تکذیب کی تو کافر قرار پائے اور کافر کی شفاعت نہیں کی جاسکتی۔[1]

اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيَوۡمَ يَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ ﴿۵۱﴾
يَوۡمَ لَا يَنۡفَعُ الظّٰلِمِيۡنَ مَعۡذِرَتُهُمۡ وَلَهُمُ اللَّعۡنَةُ وَلَهُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

''بلاشبہ ہم اپنے پیغمبروں کی مدد کریں گے اور اُن کی جو ایمان لائے اس دنیا والی زندگی میں بھی اور اُس دن جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے، جس دن ظالموں کو اُن کی عذر خواہی فائدہ نہ پہنچائے گی اور اُن کے لئے لعنت ہے اور اُس آخری منزل کی برائی ہے''۔

دنیا والی زندگی میں نصرت کا حتمی وعدہ ہو رہا ہے مگر اکثر مشاہدات اس بارے میں ذہن کو غیر مطمئن کرتے ہیں۔

ہمارے یہاں کی ایک حدیث ہے کہ یہ وعدہ رجعت میں پورا ہوگا۔[2] اور یہ مشاہدہ اس کی دلیل ہے کہ یہ دار دنیا کے اس پہلے دور حیات سے متعلق نہیں ہے۔

دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ نصرت کے لئے ظاہری غلبہ و فتح کی ضرورت نہیں ہے بلکہ حقانیت کا نمایاں کرنا بھی بڑی نصرت ہے جو بہر حال دنیا اور آخرت دونوں میں خدا پرستوں کے شامل حال رہتی ہے۔

علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں:

یعنی نضرھم بوجوہ النصر قد یکون بالحجّۃ و قد یکون ایضا بالغلبۃ فی المحاربۃ و ذالك یحسب ما تقتضیہ الحکمۃ و یعلمہ سبحانہ من المصلحۃ و یکون ایضاً بالالطاف و التائید و تقریۃ القلب و یکون باھلاك العدوّ و کلّ ھٰذا قد کان الانبیآء و المؤمنین من قبل اللہ تعالٰی فھم منصورون بالحجّۃ علٰی من قالفھم وقد نصروا باھلاك عدوھم و انجاءھم مع من اٰمن معھم و قد یکون بالنصر بالانتقام کما نصر یحیٰی بن زکریّاؑ لمّا قتل بہ من قتل سبعون الفافھم لا محالۃ منصورون فی الدّنیا باحدھٰذا الوجوہ۔(مجمع البیان)

یعنی ہم اُن کی مختلف طرح مدد کرینگے کبھی دلائل کے ذریعہ سے اور کبھی جنگ میں غالب آنے کی صورت سے، جیسا جس وقت حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا ور خداوند عالم مصلحت جانے اور کبھی خاص مہربانیوں اور تائید اور دل کو تقویت پہنچانے کی شکل میں اور کبھی دشمن کو ہلاک کرنے کے طور پر اور یہ سب صورتیں پیغمبروں اور صاحبان ایمان کے لئے اللہ کی جانب سے وقوع میں آتی ہیں کہ دلائل کے ذریعہ سے تو وہ ہمیشہ ہی دشمنوں پر غالب

---

[1] فانالاتشفع الکافر (جلالین)

[2] عن ابی عبداللہؑ ــــــ ذٰلك واللہ فی الرجعۃ اما علمت انّ انبیآء کثیرۃ لم ینصروا فی الدّنیا وقتلوا والائمّۃ بعدھم قتلوا ولم ینصرو اوذلك فی الرجعۃ (علی بن ابراھیم)۔

www.kitabmart.in

رہے اور مخالفین کے مقابلہ میں فتح بھی پائی اور اُن کے دشمنوں کو ہلاک بھی کیا گیا اور اہل ایمان کی معیت میں اُن کو نجات دی گئی اور کبھی مدد ہوئی ہے اس طرح کہ انتقام لیا گیا جیسے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی مدد ہوئی کہ اُن کے عوض میں ستر ہزار آدمی قتل ہوئے بہر حال دنیا میں ایک نہ ایک طریقے پر اُن کی مدد ہوتی رہی۔

جناب شیخ طوسیؒ نے اسے مختصر طور پر اس طرح فرمایا ہے جس میں بس دو صورتوں کا ذکر ہے:

النّصر ای المعونة علی العدوّ هو علی ضربین نصر بالحجة و نصر بالغلبة فی المحاربة بحسب ما یعلم الله تعالٰی من المصلحة و تقتضیه الحکمة.(تبیان)

نصرت یعنی دشمن کے مقابلہ میں مدد، اس کی دو قسمیں ہیں، دلائل کے ذریعہ سے مدد اور جنگ میں غالب آنے کی صورت سے مدد جیسا اللہ مصلحت جانے اور جو اُس کی حکمت کا تقاضا ہو۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡهُدٰى وَاَوۡرَثۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ الۡكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۴﴾

''اور بلاشبہ ہم نے موسیٰؑ کو ہدایت کا سامان عطا کیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کا ورثہ دار بنایا ہدایت اور نصیحت کا سرمایہ بنا کر صاحبانِ عقل کے لیے''۔

عام طور پر الھدیٰ ''ہدایت کا سرمایہ'' بھی توریت کو بتایا گیا ہے اور الکتاب بھی وہی توریت۔[1] مگر جب کہ بعد میں الکتاب یعنی توریت کے لئے پھر ھدیٰ موجود ہے تو پہلا لفظ الھدیٰ سے بھی توریت کا سرمایہ ہونا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ پہلے الھدیٰ سے مراد وہ صلاحیت جوہر ہے جو باعث عطائے نبوت و رسالت ہے جسے دوسری جگہ کہا گیا ہے: اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ۔[2] ''اللہ خوب جانتا ہے اپنی رسالت کا منصب کہاں رکھے'' اور پھر الکتاب سے بے شک توریت مراد ہے جو عملی طور پر خلق کے لئے سرمایہ ہدایت تھی۔

فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِبۡكَارِ ﴿۵۵﴾

''تو صبر سے کام لیجیے یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہ کی مغفرت کے لئے دعا کیجیے اور اپنے پروردگار کے حمد کے ساتھ شام و سحر تسبیح کیجیے''۔

حضرت پیغمبر خداؐ کی مغفرت کی دعا تقاضائے عبودیت

---

[1] الھدیٰ التوریۃ والمعجزات (جلالین)
[2] انعام۔ ۱۲۴

www.kitabmart.in

گناہ ہو یا نہ ہو بارگاہ الٰہی میں مغفرت گناہ کی دعا خود ایک تقاضائے عبودیت ہے جس کی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو تعلیم دی گئی ہے۔ اس سے عقیدۂ عصمت پر کوئی ضرب نہیں لگتی۔

بعض مفسرین اہل سنت نے بھی حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ گناہ سے استغفار کی ہدایت حضرتؐ کو اس غرض سے ہے کہ دوسرے آپ کی پیروی کریں۔[۱] یعنی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ معاذ اللہ آپ سے گناہ سرزد ہوتا ہے۔

ہمارے علماء نے ظاہر ہے کہ اس کو زیادہ پُرزور واضح انداز میں لکھا ہے۔[۲]

''شام وسحر'' تسبیح کے لئے مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد نماز ہائے پنجگانہ ہیں اور شام سے مراد زوال سے لے کر اس کے بعد رات تک کا وقت ہے چنانچہ تفسیر جلالین میں ہے:۔

بالعشي هو من بعد الزوال والابكار الصلوٰة الخمس

شام کو یعنی زوال کے بعد سے اور صبح کو یہ سب پنجگانہ نمازیں ہیں۔

اوقات نماز کی طرف اشارہ

اس صورت میں قابل غور امر یہ ہے کہ چار نمازوں کو ایک ساتھ العشي کے ساتھ ادا کیا ہے اور ابكار کے ساتھ ایک تنہا۔ یعنی صبح کو۔ آخر اس کی کوئی وجہ ہونا چاہیے۔ اس کی وجہ صرف فقہ اہل بیت علیہم السلام کی رو سے سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ چار نمازوں کا وقت یعنی ظہرین و مغربین کا اس طرح مسلسل ہے کہ درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہے جو وقت نماز ہونے سے خارج ہو، اس طرح کہ زوال کے بعد سے مغرب تک ظہرین کا وقت اور مغرب سے نصف شب تک مغربین کا وقت۔ چونکہ یہ پورا وقت کسی نہ کسی نماز کا ہے، اس لئے اس سب کو ایک لفظ بالعشي سے ادا کر دیا ہے اور ایک نماز یعنی صبح جو کہ جدا ہے، نہ اُس کے قبل کوئی اور نماز ہے نہ اُس کے بعد۔ اس لئے اُس کا علیحدہ ذکر کیا ہے جیسا کہ دوسری جگہ زیادہ واضح لفظوں میں ایسا ہی کیا گیا ہے۔ (اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ)۔[۳] لیکن اہل سنت کے مکاتب فقہی کے لحاظ سے ظہر اور عصر کے وقت کے بیچ میں بھی فاصلہ ہے اور مغرب اور عشاء کے بیچ میں بھی فاصلہ ہے۔ اب اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ صبح کی نماز کا علیحدہ ذکر کیا جائے اور ان چاروں نمازوں کو بالعشي کے لفظ میں سمو دیا جائے اس صورت میں بالعشي کے معنی صرف وقت عشاء کے ہوں گے ظہر اور عصر اور مغرب کو اس کے تحت میں داخل کرنے کی کوئی وجہ معقول نہیں ہے اور اس صورت میں اس آیت سے صرف دو نمازوں کا حکم ثابت ہوگا۔ نماز پنجگانہ کا استفادہ اُس سے درست نہیں ہوسکتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾

---

[۱] واستغفر لذنبك ليستنّ بك (جلالين)

[۲] هذا تعبد من الله سبحانه لنبيّه بالدعاء والاستغفار لكي يزيد في الدّرجات والتّصير سنّة لمن بعده (مجمع البيان)

[۳] بنی اسرائیل۔ ۷۸

www.kitabmart.in

''یقیناً وہ لوگ جو آپ سے اللہ کی آیتوں کے بارے میں بغیر کسی ثبوت کے جو اُن کے پاس آیا ہو، تکرار کرتے ہیں، اُن کے سینوں میں کچھ نہیں سوا ایک گھمنڈ کے جس میں وہ کامیاب ہونے والے نہیں ہیں تو اللہ سے پناہ مانگیے، یقیناً وہ سننے والا ہے، دیکھنے والا''۔

''اللہ سے پناہ مانگئے'' یعنی اُن کے گھمنڈ کے مقابلہ میں آپ بھی ویسا ہی طرز عمل اختیار نہ کیجیے بلکہ اُن کے منصوبوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ سے پناہ طلب کیجیے۔[1] اور خود ہدایت ربانی کے مطابق حکمت اور موعظہ حسنہ وغیرہ کے طریقے کے پابند رہیے، آپ کی اور اُن کی باتیں خدا سنتا اور آپ کے اور اُن کے طرز عمل کو وہ دیکھتا ہے۔

لَخَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَكۡبَرُ مِنۡ خَلۡقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۵۷

''بلاشبہ آسمان اور زمین کا پیدا کرنا آدمیوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑی چیز ہے لیکن زیادہ تر لوگ جانتے نہیں''۔

یعنی قیامت میں دوبارہ پیدا کرنا انسانوں کو اُس کے لئے کونسا مشکل ہے جس نے پوری کارگاہ عالم علوی و سفلی اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کی ہے مگر ''زیادہ تر لوگ جانتے نہیں'' یعنی اپنی جہالت سے معاد کا انکار کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ استدلال اُنہی کے مقابلہ میں ہے جو کہ کائنات کا خالق اللہ کو مانتے ہیں لیکن پھر حیات بعد الموت کے جسے ''معاد'' کہتے ہیں، منکر تھے جیسا کہ مشرکین عرب تھے۔[2]

آج کل کے لامذہبوں کے مقابلے میں یہ استدلال نہیں ہے جو تخلیق کائنات کے لئے اُس باشعور ذات کا تصور ہی نہیں رکھتے جسے خدا کہا جاسکے۔

وَمَا يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ ۙ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الۡمُسِىۡٓءُ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَتَذَكَّرُوۡنَ ۝۵۸

''اور یکساں نہیں اندھا اور آنکھوں والا اور جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں اور وہ جو بداعمال ہوں، بہت کم تم لوگ نصیحت قبول کرتے ہو''۔

نصیحت قبول کرنے کا مطلب خود اس حقیقت کو اپنی اصلاح نفس کے لئے سمجھنا بھی ہے کہ بداعمالیاں ترک کر کے اچھے اعمال سے آراستہ ہوں تاکہ اچھے انسان بنیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں ظہور نتیجہ کے دن یعنی روز جزاء کی طرف ذہن کو منتقل کرنا ہو جیسا کہ شاہ

---

[1] امر نبیّہ بان یستعیذ باللہ من شرّ ھؤلاء المخاصمین (تبیان)

[2] انّھم اذا اقرّوا بان اللہ تعالیٰ خلق السّمٰوات والارض فکیف انکروا قدرتہ علیٰ احیاء الموتیٰ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

عبدالقادر نے لکھا ہے:۔

”یعنی ایک دن چاہیے کہ ان کا فرق کھلے“ (موضح القرآن)

اس کے بعد کی آیت مقام تنزیل میں اس سے متصل ہو تو وہ اس پہلو کو تقویت پہنچاتی ہے۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

”یقیناً قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں مگر زیادہ تر لوگ ایمان نہیں رکھتے“۔

لَا رَيْبَ فِيْهَا ”اس میں کوئی شک نہیں“ یہ ویسا ہی ہے جیسے سورۂ بقرہ کے آغاز میں قرآن کے لئے ہے۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ اس کے یہ معنی نہیں کہ اس میں کوئی شک کرنے والا نہیں ہے۔ شک کرنے والے تو ہیں مگر مطلب یہ ہے کہ حقیقت ایسی ہے کہ اس میں شک کسی کو ہونا نہیں چاہیے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

”اور تمہارے پروردگار نے کہا کہ مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بلاشبہ جو میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں، وہ ذلت وحقارت کے ساتھ دوزخ میں داخل ہوں گے“۔

دُعا سے انکار کرنے والوں کو شدید تہدید

سیاق آیت سے صاف ظاہر ہے کہ دعا کرنا تقاضائے عبودیت ہونے کی بنا پر خود ایک بڑی عبادت ہے اور خدا سے دعا کو گویا اپنی شان کے خلاف سمجھ کر بے نیازی اختیار کرنے والوں کو دوزخ کا حق دار بتایا جارہا ہے۔

دعا کی قبولیت کا وعدہ تو حتمی طور پر ہے لیکن دعا کرنے والا اگر حکمت وعدل الٰہی پر ایمان رکھتا ہے تو بوقت دعا خواہ وہ لفظوں میں کہے یا اُس کے ذہن میں ہو جو اُس کے اس ایمان کا تقاضا ہے کہ میرا مطلب اگر تیرے نظامِ عالمی کے مصالح کے خلاف نہیں ہے تو اُس کو پورا کردے۔ اگر دعا اس تقاضائے ایمانی کے تحفظ کے ساتھ ہے تو پھر مقصد حاصل نہ ہو تو سمجھنا چاہیے کہ وہ حکمت الٰہی کے تقاضا کے خلاف ہے لہٰذا اُس کا پورا نہ ہونا اس کی دعا کو قبول کرنے کے کسی وقت بھی منافی نہیں ہے کیونکہ دعا ہی اس شرط کے ساتھ تھی کہ خالق کے تقاضائے حکمت کے خلاف نہ ہو۔[۱]

بعض لوگوں نے عبادت کو اُس کے اصل معنی میں رکھ کر قبل کے لفظ دعائیں تصرف کیا ہے کہ اُس کے معنی عبادت کے ہیں اور ”قبول کروں گا“ کے معنی اُس پر ثواب عطا کرنے کے ہیں۔[۲] اس طرح اُس سے دعا کرنے کا لزوم ثابت نہیں ہوگا مگر ہمارے خیال میں یہ ظاہر کے

[۱] من یدعو اللہ ویسألہ فلا بدّ لہ ان یشترط المصلحۃ امّا لفظا او اضمادا (مجمع البیان)

[۲] ادعونی استجب لکم ای اعبدونی اثیبکم بقرینۃ ما بعدہ (جلالین)

www.kitabmart.in

خلاف ہے، زیادہ ذہن سے قریب وہی پہلا مفہوم ہے اور احادیث معصومین علیہم السلام اُس کی موافقت میں ہیں ۔اس ذیل میں علامہ طبرسیؒ نے حسب ذیل احادیث درج کی ہیں:

معوية بن عمّار قال قلت لابی عبداللهؑ جعلنی الله فداك ما تقول فی رجلین دخل المسجد جمیعا کان احدهما اکثر صلوة و الاٰخر اکثر دعآء ایّهما افضل قال کل حسن قلت قد علمت و لکن ایهما افضل قال اکثرهما دعاء لا تسمع قول الله ادعونی استجب لکم الی آخر الاٰیة قال وهی العبادة الکبری.

معاویہ بن عمار کی روایت ہے میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا: آپ پر قربان! کیا ارشاد ہے؟ آپ کا اُن دواشخاص کے بارے میں جو ایک ساتھ مسجد میں داخل ہوئے۔ ایک نے نمازیں زیادہ پڑھیں اور دوسرے نے دعا زیادہ مانگی۔ان میں کون زیادہ بہتر ہے؟ فرمایا دونوں ہی باتیں ٹھیک ہیں میں نے کہا یہ تو مجھے معلوم ہے لیکن ان میں بہتر کون ہے؟ فرمایا جس نے دعا زیادہ مانگی کیا سن نہیں رہے ہو ارشاد خداوندی کہ مجھ سے دعا مانگو میں قبول کرونگا تا آخر آیت پھر فرمایا کہ یہ سب سے بڑی عبادت ہے۔

روی زرارة عن ابی جعفرؑ فی هٰذه الاٰیة قال هو الدّعا فافضل العبادة الدّعاء.

زرارہ کی روایت ہے امام محمد باقرؑ سے اس آیت کے بارے میں فرمایا یہ دعا ہے تو بہترین عبادت دعا ہے۔

روی حنان بن سلمان عن ابیه قال قلت لابی جعفر ایّ المعبادة افضل قال ما من شئی احبّ الی الله من ان یسأل و یطلب ما عنده و لا یحبّ الله عزّ و جلّ من یستکبر عن عبادته و لا یسأل ما عنده.

حنان بن سلیمان کی روایت ہے اپنے والد کی زبانی اُنہوں نے کہا میں نے امام محمد باقرؑ سے کہا کونسی عبادت سب سے بہتر ہے فرمایا اللہ کو اس سے زیادہ کوئی بات پسند نہیں کہ اُس سے سوال کیا جائے اور اُس کی نعمت کو طلب کیا جائے اور اللہ اُسے دوست نہیں رکھتا جو اُس کی عبادت کے مقابلے میں گھمنڈ کرے اور اُس کی نعمت کا سوال نہ کرے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾

''اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی ہے تاکہ تم اُس میں سکون حاصل کرو اور دن کو دیکھنے والا بنایا ہے یقیناً اللہ انسانوں پر بڑے فضل و کرم والا ہے مگر زیادہ تر لوگ شکر ادا نہیں کرتے''۔

''دن کو دیکھنے والا بنایا'' یعنی روشن جس میں چیزیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾

''یہ ہے تمہارا پروردگار جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، کوئی خدا نہیں سوا اُس کے تو کہاں منحرف ہوتے ہو؟ اس طرح تو وہ منحرف ہوتے ہیں جو آیات خداوندی کا جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں''۔

www.kitabmart.in

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَىُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

''اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو محل قیام اور آسمان کو بطور عمارت قرار دیا اور تمہاری صورت گری کی تو اچھی اچھی صورتیں تمہاری بنائیں اور تمہیں طرح طرح کی پاک صاف غذائیں عطا کیں۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار تو قائم و برقرار ہے وہ اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، وہ زندہ، سوا اُس کے کوئی خدا نہیں تو اُس کو پکارو عبادت کو اُس سے مخصوص رکھتے ہوئے۔ تعریف ہے اُس اللہ کی جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔

قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِىَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّىْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾

''کہہ دیجیے کہ مجھے ممانعت ہوئی ہے اس سے کہ میں عبادت کروں اُن کی جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو، جب کہ میرے پاس میرے پروردگار کے پاس سے کھلی ہوئی دلیلیں آ چکیں اور مجھے حکم ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کی بارگاہ میں اسلام اختیار کروں''۔

''اسلام اختیار کرو'' یعنی کلی اطاعت اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اس ممانعت اور حکم کو بطور تکلیف شرعی اس دور کی پیداوار سمجھا جائے بلکہ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے پہلے آچکا ہے:۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ (سورۂ بقرہ) جب اُن سے اُن کے پروردگار نے کہا اسلام اختیار کرو انہوں نے کہا میں نے اسلام اختیار کیا تمام جہانوں کے پروردگار کے لئے اس کی تشریح ہم نے اس آیت کے ذیل میں کی ہے کہ وہ قول لفظی نہیں ہے جو کسی خاص وقت پر ہوا ہو بلکہ وہ حکم کُن کی طرح کا اشارہ قدرت ہے جس کے بعد یہ سوچنے کا سوال نہیں کہ اُس کی تعمیل کب سے ہوئی ویسا ہی یہاں امر اور اُسی کے تناسب سے اُس کے قبل کی نہی کو سمجھنا چاہیے۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰى

www.kitabmart.in

اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۶۸﴾

''وہ وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر تمہیں بچے کی صورت میں باہر لاتا ہے، پھر (رکھتا ہے) یہاں تک کہ تم سن بلوغ تک پہنچو، پھر یہاں تک کہ تم بوڑھے ہوا ور تم میں کوئی پہلے ہی اُٹھالیا جاتا ہے اور اُس وقت تک کہ تم مقررہ عمر تک پہنچو اور شاید تم عقل سے کام لو۔ وہ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو جب کسی بات کا فیصلہ کر دیتا ہے تو بس اُس سے کہتا ہے ہو جا، وہ ہو جاتی ہے''۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں: ''یعنی اتنے احوال تم پر گذرے، شاید ایک حال اور بھی گزرے اور وہ مر کر جینا'' (موضح القرآن)

اس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ مختلف مراتب تخلیق پر توجہ دہانی اعتقاد کی منزل میں ایمان بالآخرۃ کی دعوت کے مقصد سے ہے۔

علامہ طبرسیؒ نے تمام فقروں کی تشریح کے بعد لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ کے تحت میں لکھا ہے:

فتعقلوا ما انعم اللہ بہ علیکم من انواع النّعم و ارادمنکم اخلاص العبادۃ.

تم عقل سے کام لے کر سمجھو اللہ کی ان گونا گوں نعمتوں کو اور جو اللہ تم سے چاہتا ہے کہ تم خالص عبادت اُس کی کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اصلاح عمل کی دعوت ہے اور عبادت میں شرک سے روکنا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ان دونوں پہلوؤں میں باہم کوئی تضاد نہیں ہے لہٰذا نتیجتاً آیت کو ان دونوں پہلوؤں پر حاوی سمجھا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ ؕ اَنّٰی یُصۡرَفُوۡنَ ﴿۶۹﴾ۚۛ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِالۡکِتٰبِ وَ بِمَاۤ اَرۡسَلۡنَا بِہٖ رُسُلَنَا ۟ۛ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۰﴾ۙ اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ وَ السَّلٰسِلُ ؕ یُسۡحَبُوۡنَ ﴿۷۱﴾ۙ فِی الۡحَمِیۡمِ ۬ۙ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسۡجَرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ۚ ثُمَّ قِیۡلَ لَہُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تُشۡرِکُوۡنَ ﴿۷۳﴾ۙ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا بَلۡ لَّمۡ نَکُنۡ نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ شَیۡئًا ؕ کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَمۡرَحُوۡنَ ﴿۷۵﴾ۚ اُدۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ۚ فَبِئۡسَ مَثۡوَی الۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۷۶﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جو آیات خداوندی کے بارے میں بے جا تکرار کرتے ہیں، کیسے منحرف ہو رہے ہیں جنہوں نے کتاب کو جھٹلایا اور اُس پیغام کو جس کے ساتھ ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا تو اُنہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا، جب طوق اُن کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں وہ کھینچے جاتے ہوں گے۔ گرم پانی میں پھر آگ میں جھونکے جائیں گے۔ پھر اُن سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر شریک مانتے تھے، اُنہوں نے کہا

www.kitabmart.in

وہ تو ہم سے غائب ہو گئے بلکہ ہم اس کے پہلے کسی چیز کو (خدا کہہ کر) پکارتے ہی نہ تھے۔اس طرح اللہ گمراہی کا نتیجہ دکھائے گا کافروں کو۔ یہ اس لئے کہ تم دنیا میں ناحق خوش ہوتے تھے اور اتراتے پھرتے تھے، داخل ہو دوزخ کے دروازوں میں ہمیشہ وہاں رہتے ہوئے تو کتنا بُرا ٹھکانا ہے گھمنڈ کرنیوالوں کا"۔

یہ سلسلہ تفصیلی حالات آخرت کا مثل دوسرے مقامات کے بہت سے سلسلہ وار آیات کے جو تفصیلات پر مشتمل ہیں اُن خیالات کا قلع قمع کرانے کے لئے کافی ہے جو قدیم وجدید فلسفیوں کی بلند پروازی ذہن نے اختراع کیے ہیں وہ اس لئے کہ قرآن کا صریحی انکار لازم نہ آئے اور عذاب اُخروی کی اُس شکل کو جو اُن کے مزعومہ عقلی تصورات کے خلاف ہے، ماننا بھی نہ پڑے، قرآن مجید کے اُن تذکروں کو جو اُخروی نعمت یا عذاب سے متعلق ہیں، مختلف طرح مجاز یا تمثیل پر محمول کر کے بظاہر اپنے اسلام کو سنبھالتے ہیں لیکن قرآن کے درج کردہ تفصیلات کو دیکھنے کے بعد کوئی معقول ذہن اُن کے اس تصور کو قبول نہیں کر سکتا بلکہ آزاد عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ یا تو اُن حضرات کے ان تاویلات وتصورات کو لغو ولائل سمجھا جائے یا قرآن مجید کے بیانات کو معاذ اللہ مہمل سمجھا جائے۔ اب ہر نام نہاد مسلمان فیصلہ کرے کہ اُس کا اسلام ان میں سے کس کو گوارا کرتا ہے؟

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾

"تو صبر وبرداشت سے کام لیجیے، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے تو خواہ وہ انجام جس کی ہم اُنہیں اطلاع دیتے رہے ہیں، ہم آپ کو آنکھوں سے دکھلا دیں اور خواہ آپ کو (اس سے پہلے) دنیا سے اُٹھا لیں۔ بہرصورت انہیں ہماری طرف پلٹنا ہے"۔

یعنی عذاب آخرت تو کہیں گیا نہیں ہے۔[1] بالفرض اس دنیا میں ان پر عذاب نہ آئے، وہاں کے عذاب میں تو اُنہیں مبتلا ہونا ہی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِیَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾

"اور ہم نے آپ سے پہلے بہت پیغمبر بھیجے، ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا ذکر ہم نے آپ سے کیا ہے اور اُن میں سے کچھ وہ ہیں جن کا ذکر آپ سے نہیں کیا اور کسی پیغمبر کو یہ مقدور نہیں تھا کہ وہ کوئی معجزہ پیش کرے مگر اللہ کے حکم سے تو جب اللہ کی طرف کا حکم آ جاتا ہے تو سچائی کے ساتھ فیصلہ ہو جاتا ہے اور اس موقع پر وہ جو باطل پر ہیں گھاٹا اٹھاتے ہیں"۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا

[1] الینا یرجعون یوم القیامة فنفعل بھم ما یستحقونه من العقاب (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

مَنَافِعُ وَلِتَبۡلُغُوۡا عَلَيۡهَا حَاجَةً فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ وَعَلَيۡهَا وَعَلَى الۡفُلۡكِ تُحۡمَلُوۡنَ ؕ﴿۸۰﴾
وَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَىَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنۡكِرُوۡنَ ﴿۸۱﴾

''اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چو پائے بنائے ہیں تا کہ اُن میں سے کچھ پر تم سوار ہوا ور کچھ سے تم غذا حاصل کرو اور تمہارے لئے اُس میں فائدے ہیں اور یہ مقصد ہے کہ تم اُن پر جو تمہارے دلوں میں ارادہ ہو، اُس تک پہنچ سکو اور اُن پر اور کشتیوں پر تم سوار ہوتے ہو اور وہ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تو کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے''؟

''اُن پر جو تمہارے دلوں میں ارادہ ہو، اُس تک پہنچ سکو'' خواہ بار برادری مقصود ہو تو دوسری چیزیں اُن پر لاد کر پہنچا سکو۔[۱] اور خواہ خود جانا ہو تو سوار ہو کر وہاں پہنچ سکو جس منزل مقصد تک پہنچنے کی تمہاری نیت ہو۔[۲]

اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡهُمۡ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الۡاَرۡضِ فَمَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحۡدَهٗ وَكَفَرۡنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشۡرِكِيۡنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمۡ يَكُ يَنۡفَعُهُمۡ اِيۡمَانُهُمۡ لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ قَدۡ خَلَتۡ فِىۡ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾

''تو کیا وہ اطراف زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھیں کیا ہوا انجام اُن کا جو ان کے پہلے تھے، جو تعداد میں ان سے زیادہ اور طاقت میں اور دنیا میں چھوڑے ہوئے نشانوں کے لحاظ سے ان سے بڑھے ہوئے تھے تو کوئی فائدہ اُنہیں پہنچایا اُس نے جو وہ دولت کماتے رہے تھے تو جب اُن کے پاس اُن کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تو وہ اپنے پاس جو علم تھا اُس میں مگن رہے اور مبتلا ہو گئے اُس (عذاب) میں جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے تو جب ہمارے عذاب کے آثار آنکھوں سے دیکھے تو کہنے لگے کہ ہم اللہ پر جو ایک ہے ایمان لاتے ہیں اور جسے اُس کے ساتھ شریک کرتے تھے، اُس کا انکار کرتے ہیں تو اُنہیں کچھ فائدہ نہ پہنچاتا تھا یہ ایمان اُن کا جب کہ اُنہوں نے عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیا یہی طریقہ ہے اللہ کا جو جاری رہا ہے اُس کے بندوں میں اور اُس موقع پر کافر لوگ

---

[۱] هی حمل الاثقال الی البلاد (جلالین)

[۲] ای ترکیوها وتبلغوا المواضع التّی تفصدو نہالحوا یجکم (تبیان)

www.kitabmart.in

گھاٹا اٹھاتے ہیں“۔

عذاب آنے کے بعد ایمان لانا بے سود

”اپنے پاس جو علم تھا“ اُس میں مگن رہے، یعنی حصول دنیا کے طریقوں میں جو اُنہیں مہارت تھی اُسے وہ اپنا بہترین جوہر سمجھ کر خوش رہے۔ اس صورت میں عندهم کی ضمیر خود اُن قبل والے لوگوں کی طرف راجع ہے اور بعض مفسرین کا یہی خیال ہے۔[1]

ضمیروں میں اس قول سے اتفاق رائے کے ساتھ ”اُن کے پاس جو علم تھا“ اُس کی تشریح میں دو قول اور نقل ہوئے ہیں:۔ ایک یہ کہ وہ اُس میں مگن رہے جو اُن کا مزعومہ تھا کہ حشر ونشر کچھ بھی نہیں اور یہی دنیا سب کچھ ہے دوسرے یہ کہ جو اُن کا زعم تھا شرک اور انکار توحید کا۔ دونوں صورتوں میں اُن کے اس مزعومہ کا اطلاق اُن کے ”جہل مرکب“ کی بنا پر ہے کہ وہ اُسے علم سمجھ رہے ہیں۔[2] مگر دوسری تفسیر اس کی یہ کی گئی ہے کہ عندهم کی ضمیر رسل کی طرف راجع ہے، اس صورت میں ترجمہ ہوگا کہ ”وہ تفریح کرنے لگے اُس سے جو اُن پیغمبروں کے پاس علم تھا یعنی مذاق اُڑانے لگے۔[3]

تیسری تفسیر یہ ہے کہ فرحوا کی ضمیر پیغمبروں کی طرف راجع ہے یعنی جب پیغمبر معجزات لے کر آئے اور پھر اُنہوں نے تکذیب کی اور خالق نے اُس پر اپنے انبیاء کو اُس عذاب کی اطلاع دی جو اُن جھٹلانے والوں پر نازل ہوگا تو وہ پیغمبر اس اللہ کے دیے ہوئے علم سے خوش ہوئے۔[4]

ہمیں یہ تشریح بہت بعید معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ اس کے درمیان کی کڑیاں الفاظ قرآنی سے بالکل ذہن میں نہیں آتیں۔

---

[1] یعنی علم معاش (فتح الرحمٰن)

[2] فاطلق علیه لفظ العلم علی اعتقادهم (مجمع البیان)

[3] فرحوا ای الکفّار بما عندهم ای الرّسل من العلم فرح استهزآء (جلالین)

[4] فی الکلام حذف و تقدیره لمّا جآء تهم رسلهم بالبیّنات فجحدوها وانکروا دلالتها وعدالله تعلی الرسل باهلاك القوم ونجاة الرسل فرح الرسل بما عندهم من العلم بذلك (تبیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ

مکیہ ـــــ ۵۴ ـــــ آیات

قرآن مجید میں چار سوروں میں ایک ایک آیت ایسی ہے جس کے پڑھنے سننے کے بعد فوراً سجدہ واجب ہوتا ہے، ان سوروں میں پہلی کی ابتداء الٓمٓ سے ہے، اس لئے وہ الٓمٓ سجدہ کہلاتا ہے اور اُس کی پیشانی پر صرف السجدہ نام لکھتے ہیں جو اکیسویں پارے میں ہے اور اس دوسرے سورے کی ابتداء حٰمٓ سے ہے، اس لئے اسے حٰمٓ السجدہ کہتے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا اس سورے کا نام نہیں ہے۔

سورۂ حٰمٓ سجدہ کے خاص خاص مضامین:

۱۔ رسولؐ کی بشریت کا اعلان اُنہی لفظوں میں جو اس کے پہلے سولھویں پارے میں سورۂ کہف کے آخر میں آچکی ہیں۔
۲۔ آسمان مبداءِ تخلیق میں دھویں کی صورت میں تھا۔
۳۔ قبیلۂ ثمود کی اللہ نے ہدایت کی تو اُنہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی جس سے ظاہر ہے کہ اللہ کی ہدایت جبری طور پر نہیں ہوتی۔
۴۔ آنکھوں، کانوں اور کھالوں کا مجرموں کے خلاف گواہی دینا۔
۵۔ صبر وضبط اور رواداری کی تعلیم اور یہ کہ صفت بڑے ہی خوش نصیب لوگوں کا حصہ ہے۔
۶۔ آیات الٰہی کے ذیل میں ایک پلہ میں تمام آفاق اور ایک پلہ میں نفس انسانی۔
باقی دوسرے مضامین ہیں ایسے جو بہت سے سوروں میں آتے رہتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''

حٰمٓ ۝١ تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝٢ كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝٣ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ۝٤ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِىۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ وَفِىۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَيۡنِنَا وَبَيۡنِكَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ۝٥

''حا۔میم۔ یہ نازل شدہ ہے اُسی سب کو فیض پہنچانے والے بڑے مہربان کی طرف سے، ایسی کتاب جس کی

www.kitabmart.in

آیتیں کھلی ہوئی صاف صاف قرار دی گئی ہیں عربی زبان کے قرآن کی شکل میں اُن لوگوں کے لئے جو واقف ہیں، خوش خبری دینے والا اور (عذاب) ڈرانے والا تو اُن میں سے اکثر نے روگردانی کی اور وہ سنتے ہی نہیں اور اُنہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اُس سے جس کی طرف آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے آپ کے درمیان پردہ حائل ہے تو آپ اپنی سی کیجیے۔ہم اپنی سی کیے جائیں گے"۔

آخر کے جملے میں جو مضمون اُن کی زبانی ہے، وہ بعض جگہ خالق نے خود اُن کے لئے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے جان بوجھ کر انکار، ہٹ دھرمی اور تعصب کی وجہ سے سمجھنا چاہیے کہ اُن کے دلوں پر مہر ہے، اُن کے کانوں پر پردے ہیں وغیرہ وغیرہ۔یعنی صلاحیت اُن میں باقی نہیں ہے۔اگر یہ خالق کے ارشادات اُن کے گوش زد ہوئے ہیں تو اُن کا یہ سب کچھ کہنا رسولؐ سے بطور طنز بھی ہوسکتا ہے کہ جب آپ ہمارے لئے یہ سب کچھ کہہ چکے تو اب ہمیں کیوں سمجھاتے ہیں؟ ہم سمجھنے والے ہیں ہی نہیں اور ہوسکتا ہے، اُنہوں نے خود ہی اپنے انکار کو عزم بالجزم کے طور پر قائم رکھنے کے لئے بطور استعارہ یہ سب الفاظ کہے ہوں۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِيۡمُوۡۤا اِلَيۡهِ وَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ؕ وَوَيۡلٌ لِّلۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۷﴾

"کہئے کہ میں تمہاری ہی طرح کا ایک بشر ہوں (مگر) ایسا کہ میری جانب پیغام بھیجا جاتا ہے کہ تم سب کا خدا بس ایک ہی خدا ہے تو اُس کی طرف سیدھا رُخ رکھو اور اُس سے بخشش کے طلب گار ہو اور وائے ہو اُن مشرکوں کے لئے جو خیرات نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں"۔

چونکہ خیرات نہ دینے کا ذکر مشرکین کے ساتھ متعلق ہونا سمجھ میں نہیں آتا اس لئے بقول شاہ عبدالقادر:۔

"بعض کہتے ہیں یہاں زکوٰۃ سے کلمہ کہنا مراد ہے، زکوٰۃ کے معنی ستھرائی" (موضح القرآن)

مگر یزکون یا یتزکون ہوتا تو اس مفہوم کی گنجائش نکل بھی سکتی تھی، یؤتون کے ساتھ جس کے معنی ہیں 'دیتے ہیں' الزکوۃ کا لفظ صاف اس حق مالی کے دینے کا اظہار کرتا ہے جس کا نام "زکوٰۃ" ہے اس صورت میں مفسرین کے اندر کافی پریشان خیالی محسوس ہوتی ہے۔

بعض نے یہاں اُس علم کلام کے مسئلہ سے کام لیا ہے کہ کفار فروع کے ساتھ بھی مکلف ہیں، پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے نہ دینے کا ذکر خاص طور پر کیوں ہورہا ہے؟ وہ نماز کب پڑھتے ہیں جو زکوٰۃ دیا کریں۔

بعض نے کہا ہے کہ قریش والے حاجی پر کافی خیرات کرتے تھے مگر مسلمانوں کو محروم رکھتے تھے [1] اس کا شکوہ کیا جارہا ہے۔

---

[1] قال القراء (تبیان)

www.kitabmart.in

اور بھی بعض اقوال علامہ طبرسیؒ نے درج کیے ہیں۔[1]

سیاق الفاظ اجازت نہیں دے رہے ہیں، ورنہ اس زحمت سے رہائی مل جائے اگر ہم یہ مان لیں کہ اس سے خاص الخاص مشرکین جو غیر مسلم ہوں مراد نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ جو کسی نہ کسی طرح شرک وکفر کا مرکب ہے جسے ابان بن تغلب کی ایک روایت بتارہی ہے جو امام جعفر صادقؑ کی طرف نسبت رکھتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۸

''بلاشبہ وہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اُن کے لئے اُن کا صلہ ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے''۔

''جو ختم ہونے والا نہیں'' یہ لفظ **غیر ممنون** کا ترجمہ اس بنا پر ہے کہ **ممنون** کے معنی لئے جائیں ''قطع ہوجانے والا''۔[2]

دوسری تفسیر یہ ہوئی ہے کہ اللہ اُن کی جزاء بطور استحقاق عطا کرے گا۔ کسی احسان کے طور پر نہیں جو اُن پر جتایا جائے۔[3] کیوں کہ احسان کا جتایا جانا احسان کی خوش گواری کو ختم کردیتا ہے۔[4]

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ
ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ
اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۱۰ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ
دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۝۱۱
فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ
الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝۱۲

''کہئے کہ کیا تم لوگ انکار کرتے ہو اُس ذات کا جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور اُس کے لئے برابر دار مقرر کرتے ہو؟ وہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور اُس نے اُس (زمین) میں اُس کے اوپر سے پہاڑ بنائے اور اُس میں برکت عطا کی اور اُس میں اُس کی روزی کے سامان چار دن کی مدت میں مقرر کیے۔ یہ تمام دریافت کرنے والوں کے لئے یکساں طور پر جواب ہے۔ پھر اُس نے آسمان کی طرف رخ کیا، اس حالت میں کہ اُدھر دھواں ہی دھواں تھا تو کہا اُس سے اور زمین سے کہ آؤ خواستہ یا نخواستہ تو دونوں نے کہا ہم آتے ہیں خوشی خوشی تو اُس نے اُن

---

[1] الذین اشرکوا بالامام الاوّل وھم بالائمّۃ الاٰخرین کافرون (علی بن ابراھیم)

[2] ای لم جزاء علیٰ ذٰلك غیر مقطوع بل ھو متصل دائم (مجمع البیان)

[3] ای یلا منّ من اللہ علیھم بما باجرھم بہ (علی بن ابراھیم)

[4] یجوز ان یکون معناہ انّہ لااذی فیہ من المّن الذی یکید الصنیعۃ (تبیان)

www.kitabmart.in

کے سات آسمانوں پر تقسیم ہونے کا انتظام کیا دو دن میں ہر ہر آسمان میں وحی بھیجی اُس کے معاملات کی اور ہم نے نیچے والے آسمان کو چراغوں اور حفاظت کے سامان سے زینت بخشی، یہ بندوبست ہے اُس غلبہ واقتدار والے کا جو بڑا علم والا ہے"۔

چھ دن میں آسمان اور زمین کے پیدا کرنے کا ذکر بائبل میں بھی ہے مگر اُس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ وہ اس لگاتار محنت سے تھک گیا تو ساتویں دن اُس نے کمر سیدھی کی اور آرام کیا۔ قرآن نے بس اس آخری جزو کو جو جلال وکمال الٰہی کے خلاف تھا رد کردیا اور ارشاد کیا:۔

مَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ﴿۳۸﴾ (سورۂ ق) ہمیں تھکن چھو بھی نہیں گئی۔

بے شک چھ دن میں پیدا ہونے کا تذکرہ متعدد مقامات پر قرآن نے بھی کیا ہے جو بظاہران تمام امور کے تدریجی طور پر وقوع میں آنے کا اظہار ہے لیکن دنوں کی پوری حقیقت وکیفیت جب کہ شمس وقمر اُس وقت موجود نہ تھے جن سے ہمارے دن اور رات بنتے ہیں، اسے "متشابہات" میں داخل سمجھا جائے تو بعید نہیں اور جب اس چھ دن کے اصل معنی ہم نہیں سمجھتے تو اس تفریق کو کیوں کر سمجھ یا سمجھا جاسکتے ہیں کہ زمین کے لئے چار دن اور آسمان کے لئے دو دن ہمارے معتبر مفسرین بھی خاموش نظر آتے ہیں۔

"کہا اُن دونوں آسمان اور زمین سے کہ آؤ خواستہ یا ناخواستہ۔ اُنہوں نے کہا کہ آتے ہیں ہم خوشی خوشی" یہ کہنا اور اُن کا جواب دینا لفظی باتیں نہیں ہیں بلکہ وہ کہنا وہی حکم کُن ہے اور یہ جواب بلا توقف اُس کے وقوع میں آنے کی تعبیر ہے۔[1] جیسے امانت کا آسمان وزمین پر پیش کرنا اور اُن کا انکار۔ یہ کسی خاص وقت پر ہونے والے سوال وجواب کا اظہار نہیں بلکہ انسان کے علاوہ اس بار امانت کے اٹھانے سے دوسرے مخلوقات کی عدم صلاحیت فطرت کی تعبیر ہے۔

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُكُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ﴿۱۳﴾ اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ﴿۱۴﴾

"تو اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دیجیے کہ میں نے ڈرادیا تمہیں اُس کے آسمانی عذاب سے جو قبیلہ عاد وثمود والے آسمانی عذاب کا سا ہو، جب اُن کے پاس پیغمبر آئے اُن کے سامنے سے اور اُن کے پیچھے سے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتے اُتارتا تو ہم اُس کے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو منکر ہیں"۔

"اُن کے سامنے سے اور اُن کے پیچھے سے"۔ اس کے ایک معنی یہ کہے گئے ہیں کہ یہ لوگ اُن کی طرف متوجہ ہو کر منہ درمنہ اُن کی بات

---

[1] ليس هناك امر بالقول على الحقيقة ولا جواب لذلك بالقول بل اخبر الله سبحانه بخلقه السّمٰوات والارض وانشائه لهما من غير تعذّر ولا كلفة ولا مشقّة (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

سنیں یا اُن کی طرف سے منہ موڑے رہیں کہ وہ ان کے پسِ پشت سے پکار رہے ہوں۔[۱] وہ بہرصورت پیغام الٰہی ان تک پہنچائے جاتے تھے مگر یہ مفہوم قرآن کے الفاظ سے سمجھ میں آنا مشکل ہے اس سے زیادہ ذہن سے نزدیک یہ مفہوم ہے کہ پیغمبر اُن کے آگے بھی آئے یعنی اُن کے گزرے ہوئے آبا وَاجداد کے پاس اور اُن کے پیچھے یعنی بعد میں بھی آئے۔[۲]

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

’’تو قبیلہ عاد، اُنھوں نے دنیا میں ناحق گھمنڈ سے کام لیا اور کہا کون ہم سے زیادہ ہے طاقت میں؟ کیا اُنھوں نے یہ نہ دیکھا کہ اللہ جس نے اُنہیں پیدا کیا، وہ اُن سے طاقت میں زیادہ ہے اور وہ ہماری آیتوں کا جان بوجھ کر انکار کرتے تھے تو ہم نے اُن پر تیز و تند ہوا بھیجی کچھ خاص منحوس دنوں میں تاکہ اُنہیں رسوائی کی سزا کا مزہ چکھائیں اس زندگی میں اور بلاشبہ آخرت کا عذاب زیادہ سوال کرنے والا ہے اور اُن کی کوئی مدد نہ ہوگی‘‘۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

’’اور قوم ثمود، اُن کی ہم نے رہنمائی کی تو اُنہوں نے اندھے پن کو راہ راست پانے پر ترجیح دی تو اُنہیں ذلت و حقارت کے سخت عذاب نے گرفتار کرلیا اُن کے کرتوتوں کے نتیجے میں اور جو ایمان لائے تھے اور پرہیزگار رہے تھے، اُنہیں ہم نے نجات دی‘‘۔

’’ہم نے رہنمائی کی تو انہوں نے اندھے پن کو ترجیح دی‘‘ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ کا ہدایت کرنا بصورت جبر نہیں ہے، ورنہ اُس سے تکلف ممکن ہی نہ ہوتا۔[۳] اور جہاں کافروں سے ہدایت ربانی کی نفی کی گئی ہے کہ اگر ہم ہدایت کرتے تو سب ہی ایمان لے آتے، وہاں وہ ہدایت ہے جو زبردستی منزل تک پہنچا دینے کے معنی میں ہے مگر اس طرح کا مجبور کرنا اللہ کی شان حکمت اور انسان کی مطلوبہ منزل شرافت کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ ایک درجہ درمیانی ہے جو توفیقاتِ خاصہ کا شامل حال کرنا ہے جس کی رسولؐ سے نفی کی گئی ہے۔ ارشاد ہوا:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

---

[۱] ای مقبلین علیہم و مدبّرین عنہم (جلالین)
[۲] فمنہم من تقدّم زمانہ و منہم من تاخّر عنہ (تبیان)
[۳] فی الاٰیۃ دلالۃ علی بطلان قول المجبّرۃ (تبیان)

www.kitabmart.in

آپ جس کی چاہیں اُس کی ہدایت نہیں کر سکتے، وہ تو اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

مگر یہ 'چاہنا' بلا وجہ نہیں ہوتا بلکہ خود اُس بندے کا ذوق طلب اُسے اس کا حقدار بناتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

جو ہمارے بارے میں جدوجہد کرتے ہیں اُنہیں ہم اپنے خاص راستوں کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔غرض قرآن مجید کے مطالعے سے عقلی تدبر کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کہ ہدایت کے متعدد معنی یا مختلف مدارج ہیں، کوئی عمومی طور پر ثابت ہے خدا کے لئے بھی اور رسولؐ کے لئے بھی، کوئی خدا کے ساتھ مخصوص ہے، رسولؐ کے بس میں نہیں مگر جس کی مطلق طور پر نفی ہوئی ہے اور وہ جبری ہدایت ہے۔کوئی خدا کی طرف سے ہے مگر اُس میں عمومیت نہیں بلکہ صلاحیت ظرف اور مصالح کے ساتھ مشروط ہے۔اس اختلاف معانی یا مراتب کے نظر انداز کرنے سے بہت لوگ پریشان خیالی میں مبتلا ہوتے ہیں۔صحیح یہ ہے کہ محل اور موقع کے لحاظ ہر جگہ اس لفظ کے وہ معنی سمجھنا چاہئیں جو اُس موقع پر موزوں ومناسب ہوں۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

''اور جس دن دشمنانِ خدا قیامت میں آگ کی طرف لے جائے جائیں گے تو انہیں ہر طرف سے لایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ وہاں آئیں گے تو اُن کے خلاف اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں اور اُن کی کھالیں گواہی دیں گے اُس کی جو وہ کرتے تھے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی تو وہ کہیں گے کہ ہمیں گویائی عطا کی اللہ نے جس نے ہر چیز کو گویائی دی ہے اور اُس نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور اُسی کی طرف تمہارا پلٹنا ہے اور تم چھپنے کی کوشش نہیں کرتے تھے اس سے کہ تمہارے خلاف کہیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی نہ دیں مگر تمہارا خیال تھا کہ اللہ بہت سی باتوں سے جو تم کرتے ہو، آگاہ نہیں ہے اور یہی تمہارا خیال جو تم نے اپنے پروردگار کی نسبت کیا تمہارے لئے تباہ کن، بنا تو تم گھاٹا اٹھانے والوں میں

www.kitabmart.in

ہوئے ۔اب اگروہ برداشت کریں تو بھی آگ اُن کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ راضی کرنے کی کوشش کریں تو بھی اُن سے راضی ہوا نہیں جاسکتا“۔

قیامت میں اعضاءِ جسمانی گواہی دیں گے

آنکھوں، کانوں اور جسم کی کھالوں کا گواہی دینا اُس حجت کا سدباب ہے جسے دنیا میں ایک شاعر نے

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پے ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا؟

حدیث معصومؑ بتاتی ہے کہ یہ حجت روزِ قیامت پیش کی جائے گی اور اُس وقت خالق کی طرف سے اُن کی زبانیں بند ہوجائیں گی اور اعضائے جسمانی اُن کی بداعمالیوں کی گواہی دینے لگیں گے، وہ حدیث یہ ہے:۔

قال صادقؑ فیقولون یارب ھٰؤلاء ملآئکتك یشھدون لك ثمّ یحلفون باللّٰہ مافعلوا من ذٰلك شیئاوھوقول اللّٰہ :یوم یبعثھم اللّٰہ جمیعافیحلفون لہ کما یحلفون لکم فعتد ذٰالك یختم اللّٰہ علی السنّتھم وینطق جوارحھم ...(علی ابن ابراھیم)

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ اُس وقت وہ کہیں گے پروردگارا! یہ تیرے ہی تو فرشتے ہیں، وہ تیری سی گواہی دے رہے ہیں، پھر وہ خدا کی قسم کھائیں گے کہ اُنہوں نے یہ کچھ نہیں کیا، چنانچہ قرآن میں ہے: جس دن وہ اُنہیں اٹھائے گا تو وہ اُس کے سامنے اسی طرح قسمیں کھائیں گے جیسے تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تو اُس وقت اللہ اُن کی زبانوں پر مہر لگا دے گا اور اُن کے اعضاء گواہی دیں گے۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

”اور ہم نے اُن کے لئے مقرر کیے کچھ ساتھی تو اُنہوں نے ان کے لئے بنا سنوار کر پیش کیا اُسے جو اُن کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے اور اُن پر بات پوری ہوگئی اُن بہت سی قوموں کے ذیل میں جو جنات اور آدمیوں میں سے ان کے پہلے گزر گئیں، بلاشبہ وہ گھاٹا اُٹھانے والے تھے“۔

”ہم نے ان کے واسطے مقرر کیے کچھ ساتھی“۔ یہ ساتھی حقیقت میں اس مقصد سے تو مقرر نہیں کیے گئے تھے مگر چونکہ اُن ساتھیوں نے کام یہی کیا، اس لئے اس نتیجہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جس کی یہ مثال ایسے موقع پر علماء کے درمیان زبان زد ہے اور اس تفسیر میں بھی بار بار آئی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں کہا گیا: فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (قصص۔۸) ”فرعون کے گھرانے والوں نے اُنہیں دریا سے نکال لیا تا کہ وہ اُن کے لئے دشمن جان اور سببِ رنج وملال ہوں“ حالانکہ فرعون والوں کا مقصد حضرت موسیٰؑ کی پرورش سے یہ نہ

www.kitabmart.in

تھا کہ وہ اُن کے لئے دشمن جان ثابت ہوں، اسی طرح یہاں یہ ساتھی اس لئے اُنہیں نہیں دیے گئے تھے مگر چونکہ نتیجہ یہی سامنے آیا لہٰذا اُسے اس طرح کہا گیا۔

''بات پوری ہوگئ'' وہی جو آغاز آفرینش میں شیطان سے خالق نے کہہ دیا تھا کہ: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ (سورۂ ص)

میں دوزخ کو تم سے اور تیرے پیرووں سے بھر دوں گا۔

''سامنے اور پیچھے'' یعنی دنیا وآخرت کے بارے میں جو ان کے تصورات تھے کہ دنیا سب کچھ ہے اور آخرت کچھ نہیں، اس میں اُن ساتھیوں نے جو اُنہیں تقدیر سے مل گئے تھے، ہاں میں ہاں ملائی بلکہ کبھی انہی لوگوں نے اُنہیں گمراہ کر کے ایسے خیالات پیدا کر دیے۔[1]

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ برے ساتھیوں کا ملنا خود ان کی بداعمالی کے نتیجے میں سلب توفیق کی بناء پر ہوا۔[2] اس کے مقابلہ میں اچھے ماحول اور اچھے ساتھیوں کا ملنا ایک توفیق الٰہی ہوتا ہے اُن کے لئے جن میں اللہ آثار خیر وسعادت پاتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

''اور کہا اُن لوگوں نے جو کافر ہیں کہ اس قرآن کی نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے میں اِدھر اُدھر کی فضول باتیں کیا کرو، شاید تم فتح پاؤ، تو ضرور ضرور ہم چکھائیں گے ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ اور اُنہیں سزا دیں گے ان بدترین اعمال کے لحاظ سے جو وہ کرتے تھے، یہ سزا ہے دشمنانِ خدا کی آگ، جس میں اُن کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گھر ہے، سزا میں اس کی کہ وہ ہماری آیتوں کا جان بوجھ کر انکار کرتے تھے''۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

''اور کہا اُن لوگوں نے جو کافر تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دکھلا اُن دونوں قسم کے اشخاص کہ جنات اور آدمیوں میں سے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا ہم اُنہیں پیروں کے نیچے روندیں تا کہ وہ پستی میں مبتلا ہوں''۔

---

[1] مابین ایدیهم من امرالدّنیا وایتان الشهوات وما خلفهم من امورالاخرة بقولهم لابعث ولاحساب (جلالین)

[2] انّما فعل ذٰلك عقوبة لهم علی مخالفتهم ونظره ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض له شیطانا فهو له قرین (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

بعض مفسرین نے "دونوں قسم کے اشخاص" کے بجائے سوچ کر دو شخصیتیں نکالی ہیں کہ اہل دوزخ اُنہی کو آنکھ سے دیکھنے کا مطالبہ کر رہے تھے، جنات میں سے ابلیس اور آدمیوں میں سے قابیل جس نے سب سے پہلے خونریزی کی بنیاد قائم کی۔ [1]

اس کے لئے کوئی حدیث ثبوت میں مل جائے تو ٹھیک ہے جیسا کہ ایک روایت میں اُس کی نسبت جناب امیر علیہ السلام کی طرف آئی ہے۔ [2] مگر حضرتؑ کی طرف اس ارشاد کا استناد پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا ہے، بہر صورت مقصود اُس سے سب ہی ایسے اشخاص ہیں جو دوسروں کی گمراہی کا سبب ہوں۔ [3]

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝٣٠ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝٣١ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ۝٣٢

"وہ جنھوں نے کہا کہ ہمارا مالک اللہ ہے اور پھر مضبوطی کے ساتھ جمے رہے، اُن پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ افسوس کرو اور خوش ہو اس بہشت سے جس کا وعدہ تم سے ہوتا رہا تھا۔ ہم تمہارے مددگار رہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمہارے لئے اُس میں وہ ہے جو تمہارے نفوس خواہش رکھتے ہوں اور تمہارے لئے وہاں وہ ہے جو طلب کرو سامان ضیافت کے طور پر بڑے بخشنے والے مہربان کی جانب سے"۔

"اُن پر فرشتے اترتے ہیں" یعنی موت کے وقت اُن کو فرشتے آ کر یہ بشارت دیتے ہیں۔ [4]

دوسرا تصور یہ ہے کہ حشر کے موقع پر قبور سے اٹھائے جاتے وقت یہ بشارت اُنہیں مل جاتی ہے۔ [5]

تیسرا قول یہ ہے کہ تین دفعہ ایسا ہوگا، موت کے وقت اور قبروں میں اور پھر قبروں سے اُٹھائے جانے کے وقت۔ [6]

علامہ طبرسیؒ نے پہلے قول کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

روی ذٰلك عن ابی عبدالله عليه السلام (یعنی) اس کی روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آئی ہے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝٣٣

---

[1] ای ابلیس قابیل الّذین منا الکفرو القتل (جلالین)
[2] روی ذٰلك عن علی علیه السلام (تبیان)
[3] ارادبذٰلك کلّ من ابدع الکفرو الضّلالة من الجنّ والانس (مجمع)
[4] عند الموت (جلالین)
[5] قال الحسن تستقبلهم اذا خرجوا من قبورهم فی الموقف بالبشارة (تبیان)
[6] قیل ان البشری تکون فی ثلثة مواطن: عند الموت و فی القبر و عند البعث (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿٣٤﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿٣٥﴾

''اورکون ہوگا بات میں بہتر اُس سے کہ جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک اعمال بجالائے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں اور بھلائی اور بُرائی یکساں نہیں ہے، تم برائی کا دفعیہ زیادہ سے زیادہ بھلائی سے کروتو ایک دم یہ نتیجہ ہوگا کہ تمہارے اور جس کے درمیان دشمنی ہے، وہ ایسا ہوجائے جیسے وہ بڑا اجگری دوست ہے اور یہ طریقہ کا رسکھا یا نہیں جاتا مگر اُن کو جو برداشت سے کام لیں اور اسے نہیں سکھایا جاتا مگر اُسے جو بڑے نصیب والا ہو''۔

اس قرآن کی آیت میں عدم تشدد والے مقابلے کا پورا فلسفہ موجود ہے مگر عوام کو لازمی طور پر اس کا پابند نہیں بنایا جاسکتا، اس لئے شریعت اسلام نے قصاص اور مقابلہ بمثل کا حق دیا ہے، یہی اسلام کی وہ جامیعت اور اعتدال کی خصوصیت ہے جو اس کی ہمہ گیر اور دائمی ہونے کی ذمہ دار ہے۔ معصوم رہنمایان دین نے یہ توضیح فرمائی ہے کہ ہر شخص کے مقابلہ میں یہ طریقہ کار کامیاب اور مستحسن نہیں ہوتا بلکہ اس عدم تشدد کے مقابلے کے لئے فریق مخالف میں کچھ شرافت کا جوہر ہو، تب نتیجہ حسب دل خواہ مرتب ہوتا ہے، ورنہ ممکن ہے کہ ظلم کی ہمت افزائی ہو اور ایسی صورت میں یہ طریقہ کا راختیار کرنا صحیح نہ ہوگا۔

ایک تشریح یہ ہے کہ ''برائی'' سے مراد سخت کلامی اور بدزبانی ہے اور ''بھلائی'' سے مراد ''رواداری'' تہذیب اور شائستگی ہے۔ [١] یعنی تمہارا مخالف تم سے بحث میں کیسی ہی سخت کلامی کرے، تم رواداری کا دامن نہ چھوڑ وتو بہت ممکن ہے کہ اُس کی سختی و درشتی بھی پھر نرمی اور رفتہ رفتہ محبت والفت سے تبدیل ہوجائے۔ اس صورت میں اس حکم کو عام بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ عموماً اپنا کردار ایسا ہی رکھنا چاہیے۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٦﴾

''اور اگر شیطان کا ورغلانا تمہیں منحرف کرنا چاہے تو اللہ سے پناہ مانگو، بلاشبہ وہ سننے والا ہے، جاننے والا''۔

سابقہ آیت کے سیاق کی مناسبت سے اگر ترتیب نزول میں بھی یہ آیت اُس سے متصل ہو تو یہاں شیطان کے ورغلانے سے مراد جوش انتقام اور غصے کا غلبہ قرار پاتا ہے۔ [٢] اور اگر سیاق سے قطع نظر کیا جائے تو یہ ایک عام بات ہے کہ جب طبیعت کسی بے راہ روی کی طرف مائل ہو تو اللہ سے پناہ مانگو۔

یہ پناہ حقیقتاً تو تصور صادق کے ساتھ اللہ کو یاد کرلینا ہے اور لفظی مظہر اُس کا یہ الفاظ ہیں کے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم جو تلاوت قرآن میں خاص طور پر وارد ہوئے ہیں اور یوں بھی انسان کو اُنہیں زبان پر جاری کرنا چاہیے۔

---

[١] قیل معنی الحسنة ھٰھنا المدارا ةو السیّئة المرادبھا الغلظة فاذّب اللہ تعالیٰ عبادة بھٰذا الادب(تبیان)

[٢] یعنی کبھی بے اختیار غصہ چڑھ آوے تو یہ شیطان کا دخل ہے (موضح القرآن)

www.kitabmart.in

وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الَّيۡلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ ؕ لَا تَسۡجُدُوۡا لِلشَّمۡسِ وَلَا لِلۡقَمَرِ
وَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ الَّذِىۡ خَلَقَهُنَّ اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسۡتَكۡبَرُوۡا
فَالَّذِيۡنَ عِنۡدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوۡنَ لَهٗ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَهُمۡ لَا يَسۡـَٔمُوۡنَ ﴿۳۸﴾ (السجدة)

''اوراُس کی نشانیوں میں سے رات ہے اوردن اورسورج اور چاند،تم سجدہ نہ کروسورج کواور نہ چاندکواورسجدہ کرو اُس اللہ کوجس نے انہیں پیدا کیا ہے اگرتم بس اُسی کو مستحق عبادت سمجھتے ہوتو اگر وہ گھمنڈ سے کام لیں تو بلاشبہ جو تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ رات اوردن اُس کی تسبیح کرتے ہیں اوروہ تھکتے نہیں ہیں''۔

سجدۂ واجب

یعنی وہ تمہاری عبادت سے بے نیاز ہے،اُسے سجدہ کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔

یہ دوآیتیں وہ ہیں جن میں سجدہ واجب ہے،ہمارے علماء کے نزدیک ان میں سے پہلی آیت کی آخری لفظ **تعبدون** پر سجدہ واجب ہے۔[۱] اور یہ اس لئے قرین قیاس ہے کہ اصل سجدہ کا حکم **واسجدوا** یعنی سجدہ کرو اسی میں ہے،بعد والی آیت تو اس کا ایک طرح کا تتمہ ہے اور جمہور کے علماء زیادہ تر دوسری آیت کے آخری لفظ **لا یسئمون** پر سجدہ واجب جانتے ہیں کہ پورا مضمون مع تتمہ ختم یہاں پر ہوتا ہے۔

ہمارے علماء کے قول کی موافقت میں ہمارے ائمہ معصومینؑ کے ارشادات ہیں اور بعض صحابہ کا قول بھی ہے اورقراءسبعہ میں سے ایک قاری کا وہ مسلک بھی ہے۔[۲] فقہی حیثیت سے احتیاط یہ ہے کہ دونوں جگہ سجدہ کرلے،پہلا بقصد وجوب اور دوسرا بطور احتیاط اوراگر دونوں میں قصد قربت پراکتفاء کرے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الۡاَرۡضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ
وَرَبَتۡ ؕ اِنَّ الَّذِىۡۤ اَحۡيَاهَا لَمُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۳۹﴾

''اوراُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم زمین کو دیکھوگے بالکل افسردگی کے عالم میں تو جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہانے لگتی ہے اوراُس میں بالیدگی پیدا ہوجاتی ہے۔ بلاشبہ جس نے اُسے زندگی دی،وہی مردوں کا زندہ کرنے والا ہے یقیناًوہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

ابتداء یہ سب آیتیں تصور مبدأ یعنی خالق کی طرف ذہن کو موڑنے کے مقصد سے تعلق رکھتی تھیں لیکن اس آیت کے آخر میں ذہن کو تصور معاد کی طرف موڑ دیا گیا ہے اورایسے تمثیلات قرآن کی ایک مستحکم دلیل ہیں کہ قرآن اُسی جسمانی تصور قیامت کی طرف رہ نمائی کرتا ہے جو عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے نہ کہ جسے فلاسفہ یا آج کل کے ترقی پسند ذہنیت والے بتاتے ہیں۔

---

[۱] السجود عند اصحابنا عند قوله: ان کنتم ایّاہ تعبدون (تبیان)

[۲] عن ابن مسعود والحسن عند قوله: ان کنتم ایّاہ تعبدون وھو اختیار عمرو بن العلاو ھو المرویّ عن ائمّتنا (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

إِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴۰

''یقیناً وہ لوگ جو ہماری آیتوں کے بارے میں کج روی سے کام لیتے ہیں ہم پر چھپے ہوئے نہیں ہیں تو کیا جو آگ میں ڈال دیا جائے، وہ بہتر ہے یا جو قیامت کے دن امن واطمینان کے ساتھ آئے جو تمہیں منظور ہو، وہ کرو، یقیناً وہ جو تم کرو، اُس کو دیکھنے والا ہے''۔

آیتوں کے بارے میں کج روی یہی ہے کہ اُن پر غور نہیں کرتے اور ایمان اختیار نہیں کرتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝۴۱ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝۴۲

''یقیناً جن لوگوں نے اس قرآن کا انکار کیا جب کہ وہ اُن کے پاس آیا حالانکہ وہ یقیناً ایک باعزت کتاب ہے، باطل کا اُس کے پاس گزر نہیں، نہ اُس کے سامنے سے اور نہ اُس کے پس پشت سے، اُتارا ہوا ہے اُس ذات کی طرف سے جو حکمت والی ہے، ہر تعریف کی حق دار''۔

''جن لوگوں نے انکار کیا'' اس مبتداء کی خبر محذوف ہے بعض لوگوں نے قرینہ کلام سے اُسے معین کیا ہے کہ ''وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔[1] جو اُس کے قبل کی آیت میں کہا گیا تھا، بعض نے کہا ہے کہ ''ہم اُنہیں سزا دیں گے''[2] اور بھی جملے تجویز کیے گئے ہیں جو مقدر مانے جائیں۔[3] ممکن ہے کہ ایسے مقامات پر حذف میں حکمت یہی ہو کہ ایسوں کے لئے جو بھی ایسی سزا تجویز کرے گا، وہ درست ہی ہوگی۔

''باطل کا اُس کے پاس گزر نہیں، نہ سامنے سے اور نہ پس پشت سے'' ہمارے نزدیک تو آخر کا فقرہ بس اُسی ''گزر نہیں'' کے مفہوم میں قوت پیدا کرنے کے لئے ہے یعنی کسی رُخ سے اُس میں غلطی کا امکان نہیں۔ بعض لوگوں نے یہ معنی کہے ہیں کہ نہ اُس کے پہلے کوئی کتاب الٰہی ایسی ہے جو اسے غلط کہے اور نہ اس کے بعد اس کے غلط ہونے کا کوئی ثبوت آیا ہے۔[4] میرے نزدیک یہ مفہوم ذہن نشین نہیں ہے۔

جناب شیخ الطائفہؒ نے اس سلسلہ میں پانچ قول درج کیے ہیں جنہیں علامہ طبرسیؒ نے بھی مجمع البیان میں نقل کردیا ہے۔

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝۴۳

---

[1] پوشیدہ نیستند (شاہ ولی اللہ)

[2] نجازیہم (جلالین)

[3] ھلکوا ابہو فسقوا ابہو نحوہ (تبیان)

[4] ای لیس قبلہ کتاب یکذبہ ولا بعد (جلالین)

www.kitabmart.in

"نہیں کہا جاتا آپ سے مگر وہی جو کہا جاتا رہا اُن پیغمبروں سے جو آپ سے پہلے تھے، بلاشبہ آپ کا پروردگار بخشنے والا بھی ہے اور دردناک سزا والا بھی"۔

یعنی جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور یہ چاہنا بلاوجہ نہیں ہوتا بلکہ معیار استحقاق کے مطابق ہوتا ہے۔[1]

یہ بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دہانی ہے کہ جو دل شکن باتیں آپ سے کہی جاتی ہیں، یہ قبل والے انبیاء سے برابر کہی جاتی رہی ہیں۔[2]

وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِیًّا لَّقَالُوۡا لَوۡلَا فُصِّلَتۡ اٰیٰتُهٗ ؕ ءَاَعۡجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ؕ قُلۡ هُوَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًی وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَیۡهِمۡ عَمًی ؕ اُولٰٓئِكَ یُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّكَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۴۴﴾

"اور اگر ہم اُسے عربی کے علاوہ کسی زبان کا قرآن بنا کر اتارتے تو وہ کہتے کہ اُس کی آیتیں صاف صاف کیوں نہیں رکھی گئیں، یہ غیر عربی زبان کا کلام اور عرب انسان! کہیے کہ وہ اُن کے لئے جو ایمان لائیں ہدایت ہے اور علاج اور جو ایمان نہیں رکھتے، اُن کے کانوں میں گرانی ہے اور وہ اُن کے لئے اندھا پن ہے یہ وہ ہیں جنہیں پکارا جا رہا ہے بہت دور کی جگہ سے"۔

"بہت دور کی جگہ سے پکارا جا رہا ہے" کہ کچھ سنائی دیتا ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہا جا رہا ہے۔[3] یہی عالم اُن کا ہے کہ صدا تو کان میں جا رہی ہے مگر بے توجہی کے سبب سے اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہا جا رہا ہے؟

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡكِتٰبَ فَاخۡتُلِفَ فِیۡهِ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّهُمۡ لَفِیۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِیۡبٍ ﴿۴۵﴾

"اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا کی تو اُس میں اختلاف کیا گیا اور اگر نہ ہوتی اللہ کی طرف کی بات جو پہلے ہی جا چکی تھی تو اُن کے درمیان مختتم فیصلہ ہو گیا ہوتا اور بلاشبہ وہ اُس میں شدید قسم کے شک وشبہ میں گرفتار ہیں"۔

"اگر نہ ہوتی اللہ کی طرف کی بات جو کہی جا چکی ہے" یہ جملہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ہے اور ہر جگہ اُس میں دو تصور ہیں: ایک یہ کہ طے شدہ بات یہ ہے کہ فیصلہ قیامت میں ہوگا۔ دوسرے یہ کہ یہ طے ہو چکا ہے کہ رسولؐ کی بدولت اس امت پر مختتم عذاب نہیں آئے گا یہاں بھی کوئی وہ کہتا ہے۔[4] اور کوئی یہ[5] یہاں موقع کے لحاظ سے ہم یہ محاکمہ کر سکتے ہیں کہ اگر اس جملے کو موسیٰؑ ہی کی قوم سے متعلق رکھا جائے تو پہلے تصور

---

[1] لذو مغفرۃ للمؤمنین وذو عقاب الیم للکافرین (جلالین)

[2] عزّی سبحانہ نبیّہ صلی اللہ علیہ وآلہ علی تکذیبہم (مجمع البیان)

[3] یسمع الصّوت ولا یفھم المعنٰی (تبیان)

[4] لا یعاجلھم بالعقوبۃ وانّہ یؤخّرھم الی یوم القیٰمۃ (تبیان)

[5] فی تاخیر العذاب عن قومک وانّہ لا یعذّبھم وانت فیھم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

کو معین سمجھنا چاہیے اور اگر بعد کا جملہ اس امت سے متعلق قرار دیا جائے تو دوسرے تصور کو قوت حاصل ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

''جو نیک کام کرے، وہ اپنے لئے کرے گا اور جو برائی کرے، وہ اپنے ہی نقصان کا باعث ہو گا اور تمہارا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے''۔

خالق کے ثبوت عدل کی دلیل

بکثرت آیات واحادیث کی طرح یہ بھی ثبوت عدل کی دلیل ہے۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾

''اُسی کی طرف ہر پھر کے پہنچتا ہے قیامت کا علم، اور کوئی پھل اپنے غلافوں سے نمایاں نہیں ہوتے اور کسی ماں کے پیٹ میں کوئی بچہ نہیں ہے اور نہ وہ اُس کے یہاں پیدا ہوتا ہے مگر اُسی (اللہ کے) علم کے ساتھ اور جس دن وہ اُنہیں آواز دے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک؟ وہ کہیں گے ہم تجھے بتا چکے کہ ہم میں سے اس کی گواہی دینے والا کوئی نہیں اور غائب ہو گئے اُن سے وہ جنہیں وہ پہلے پکارا کرتے تھے اور وہ سمجھے کہ اُن کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے''۔

''میرے شریک'' یعنی وہ جنہیں تم میرا شریک قرار دیتے تھے اور یہ قرآنی نظیر بڑی قوی سند ہے، اس کی اکثر غیر کے مزعومات کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ لفظ صرف کر دیا جاتا ہے جو دوسروں کے معتقدات کے مطابق ہے۔ اب اگر کوئی مسلمان مثلاً غلام محمد قادیانی کو اپنے انداز تحریر کی بنا پر ''نبی قادیان'' یا کسی جمہوری نظام والے خلیفہ مسلمین کو ''خلیفہ وقت'' کہہ دے تو اس سے یہ نتیجہ نکالا نہیں جاسکتا کہ وہ خود ان الفاظ کے مطابق اعتقاد رکھتا ہے۔

''وہ آواز دے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک''؟ اب خواہ وہ فضا میں صدا پیدا کر کے ندا دے جس کے یہی الفاظ ہوں یا جیسا کہ جناب شیخ الطائفہؒ کا تصور ہے'' اس کی طرف کا کوئی منادی صدا دے اور وہ کہے کہاں ہیں اللہ کے شریک؟[1] لیکن چونکہ وہ صدا اُس کے حکم سے تھی تو نقل بالمعنی کے طور پر اب اُس نے قرآن میں اُسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ''میرے شریک کہاں ہیں''؟

---

[1] ای ویوم ینادیھم منادا این شرکاء اللّٰہ الّذین کنتم تعبدو نھم من دون اللہ و توجّھون العبادۃ الیھم (تبیان)

www.kitabmart.in

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

''آدمی بھلائی کی دعا کرنے سے تھکتا نہیں اور اگر برائی پہنچ جاتی ہے تو ایک دم نراسا، بے اُمید ہوجاتا ہے اور اگر ہم اُسے اپنی طرف سے کسی مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں، اُس سختی کے بعد جو اُسے درپیش ہوئی تھی تو وہ کہے گا کہ یہ میرا حق ہے اور میں نہیں سمجھتا قیامت کو کہ وہ برپا ہونے والی ہے اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف پلٹایا گیا تو یقیناً میرے لئے اُس کے یہاں بھی بھلائی ہی ہوگی تو ہم بتائیں گے اُنہیں جو کافر رہے کہ اُنہوں نے کیا کیا تھا اور اُنہیں چکھائیں گے سخت سزا کا کچھ مزہ اور جب ہم آدمی کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ روگردانی کرتا ہے اور پہلوتہی سے کام لیتا ہے اور جب اُسے برائی درپیش ہوتی ہے تو لمبی چوڑی دعا کرتا ہے''۔

یہ سب باتیں اُسی وقت کے آدمیوں کا تذکرۂ ماضی نہیں ہیں بلکہ یہ اوصاف کے چوکھٹے ہر دور کے لئے قرآن نے پیش کردیے ہیں کہ ہر زمانے میں اپنے کردار کے محاسبے کی جنہیں توفیق ہو وہ اپنے کردار کی تصویر اس چوکھٹے میں لگا کر دیکھ لیں کہ وہ اُس کے ٹھیک مطابق نہیں ہوتی اور ایسے موقعوں کے پیش کرنے کے موقع پر قرآن نے کوئی جماعتی لقب سرنامہ اوصاف نہیں بنایا ہے بلکہ الانسان کا لفظ کہہ کر بین الاقوامیت پیدا کی ہے کہ اس کے حکیمانہ انتباہ سے ہر مذہب وملت کا آدمی فائدہ اٹھا سکے۔

آخری جملے میں الفاظ قرآنی **ذودعاء عریض** کا لفظی ترجمہ تو ''چوڑی دعا والا'' ہے مگر اردو محاورے کے لحاظ سے ہماری زبان میں دو الفاظ ساتھ ''لمبی چوڑی'' بولے جاتے ہیں تو وہ مفہوم ادا ہوتا ہے اور یہ علمی حقیقت کے بھی مطابق ہے یعنی لمبان کے لئے چوڑان ضروری نہیں ہے مگر چوڑان کے لئے عقلی طور پر لمبان لازمی وصف ہے۔[1]

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾

''کہئے کہ کیا تم نے غور کیا ہے اگر یہ اللہ کی طرف سے ہوا، پھر تم نے اس کا انکار کیا تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو ایسی شدید مخالفت میں مبتلا ہو''۔

---

[1] لانّ العرض یدلّ علی الطّول ولا یدلّ الطّول علی الارض اذقد یصحّ طول ولا عرض لہ ولا یصحّ وعریض لا طول لہ (تبیان)

www.kitabmart.in

صاف یہ کہنے کے بجائے کہ اس صورت میں تم سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا، جو واقعہ ہے اور حقیقت میں یہی کہنا مقصود ہے۔[1] یوں بات کو پھرا کر کہنا کہ اُس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو ایسی شدید مخالفت میں مبتلا ہو، ایک انداز رواداری نہیں ہے تو کیا ہے؟

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿53﴾

''ہم اُنہیں دکھائیں گے اپنی نشانیاں جو تمام کائنات میں ہیں اور خود اُن میں ہیں یہاں تک کہ اُن کے لئے ثابت ہو جائے کہ وہ بالکل حقیقت ہے، کیا تمہارے پروردگار کے لئے یہ امر کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز پر حاضر وناظر ہے''۔

خدا کی قدرت کی نشانیوں میں ایک پلّے میں ہیں آفاق یعنی تمام کائنات اور دوسرے پلّے میں خود نفس انسان۔

بات یہ ہے کہ کائنات کا ادراک کچھ حواس کا محتاج ہے لہٰذا جس کے حواس معطل ہیں یا انہیں کارفرمائی کا موقع نہ ملا ہو، اُس کے لئے کائنات والا ذریعہ کارآمد نہیں ہوتا لیکن نفس انسان اُس سے کسی بھی ہنگام اور کسی محل پر جدا نہیں اور اُس کے ادراک کے لئے کسی حاسّہ کی ضرورت نہیں اس لئے کوئی شخص ایسا تصور میں نہیں لایا جاسکتا جس کے احاطہ ادراک میں یہ آیت الٰہی نہ ہو۔

پھر یہ کہ دوسری کائنات خدا کی مخلوق ہونے کی بنا پر اُس کے وجود کا پتہ دیتی ہے اُس طرح جیسے تصویر مصور کا پتہ دیتی ہے اور عمارت معمار کا یعنی مقام علم میں ذہن کو اُس کی طرف منتقل کرتی ہے مگر نفس انسانی کو اس کے ساتھ ساتھ خالق نے عالم امکان میں کچھ اپنے اوصاف کا آئینہ بنادیا ہے لہٰذا یہ اللہ کی جانب ذہن کو اُس طرح منتقل کرتا ہے جیسے تصویر اس شخص کے پہچاننے کا ذریعہ ہوتی ہے جس کی تصویر ہے۔ اب جتنا نفس کامل ہو، اتنا اُس کی معرفت کا زیادہ ذریعہ ہے، اس لئے ایسے نفوس میں سے ہر ایک ''وجہ اللہ'' کا مصداق ہوجاتا ہے کہ جس طرح چہرہ کسی شخص کی معرفت کا ذریعہ ہوتا ہے، اُسی طرح اس شخص کے اوصاف کو دیکھ کر معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿54﴾

''معلوم ہونا چاہیے کہ وہ لوگ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری کے بارے میں شک وشبہ میں گرفتار ہیں، معلوم ہونا چاہیے کہ یقیناً وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے''۔

تمام اشیاء کو گھیرے ہونا علم وقدرت دونوں لحاظ سے ہے لہٰذا محیط کا لفظ اسمائے حسنیٰ جن کی تعبیر 'صفات ثبوتیہ' سے کی جاتی ہے، اُن میں سے دو وصفوں پر حاوی ہے اور چونکہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری یعنی قیامت کے بارے میں جتنے استبعادات واعتراضات ہیں، اُن میں سے کچھ اُس کے احاطہ علمی کے پیش نظر رکھنے سے دور ہوتے ہیں اور کچھ احاطہ اختیار یعنی قدرت کو یاد رکھنے سے ختم ہوتے ہیں، اگر اس کے علم کلی اور قدرت عمومی دونوں کو سامنے رکھا جائے تو کسی قسم کا اعتراض واستبعاد درست معلوم نہ ہو لہٰذا اس ایک لفظ ''قرانی محیط'' میں اُن تمام کی ردّ مضمر ہے۔

---

[1] ای فلا احد اضلّ منکم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی

مکّیہ ---- ۵۳ ---- آیات

چونکہ اس سورے میں یہ فقرہ ہے "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" جس پر وہاں تبصرہ ہوگا، اس لئے اس سورہ کا یہ نام ہوا۔

سورۂ شوریٰ کے خاص خاص مضامین:

۱۔اصول دین میں تمام انبیاء کا متحد ہونا۔

۲۔رسولؐ کو انتہائی روادارانہ اعلان کی ہدایت کہ اللہ ہمارا بھی پروردگار ہے، تمہارا بھی، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں، تمہارے لئے تمہارے اعمال۔

۳۔آیۂ مودّت جس کا مفہوم ہے ذوی القربیٰ کی محبت کا بطور اجر رسالت مطالبہ۔

۴۔انتقام لینے کے حق کے ساتھ معافی کی تعریف۔

۵۔اقسام کلام الٰہی۔

۶۔پیغمبرؐ کے علم کا بفیض الٰہی ہونا۔وغیرہ وغیرہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے"

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝٤

"حا، میم، عین، سین، قاف۔ اسی طرح وحی بھیجتا ہے آپ کی طرف اور اُن کی طرف جو آپ کے پہلے تھے وہ اللہ جو عزت والا ہے، صحیح کام کرنے والا، اُس کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور بلند ہے، بڑا بزرگ مرتبہ"۔

"اسی طرح" یعنی جیسے اب تک وحی آپ پر آتی رہی ہے، ویسے ہی یہ سورہ آپ پر بذریعہ وحی اُتارا جا رہا ہے، اسی طرح باعتبار رفعت بھی وصف ہوسکتا ہے یعنی جیسی حقائق و معارف سے بھری ہوئی وحی اب تک ہوتی رہی ہے، ویسی ہی یہ ہو رہی ہے۔[1]

[1] معنى التشبيه في كذلك ان بعضه كبعض في انه حكمة وصواب (تبيان)

www.kitabmart.in

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶

''نزدیک ہے کہ آسمان اپنے اوپر سے شگافتہ ہوجائیں اور فرشتے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اُن کے لئے جو دنیا میں ہیں طلب مغفرت کرتے ہیں معلوم ہونا چاہیے۔ کہ یقیناً اللہ وہی بڑا بخشنے والا، مہربان اور جنہوں نے اُس کے سوا سرپرست بنائے ہیں، اللہ اُن سب پر نگران ہے اور آپ اُن کے ذمہ دار نہیں ہیں''۔

کیوں؟ ایک تصور یہ ہے کہ ''آسمان اور زمین شگافتہ ہوجائیں'' کیوں؟ ایک تصور یہ ہے کہ اس سے عظمت الٰہی کا اظہار منظور ہے اور دوسرے یہ کفار و مشرکین کی گستاخیوں اور بداعمالیوں کی شدت کا اظہار ہے کہ یہ ایسی ہیں کہ ان سے آسمان شگافتہ ہوجائیں۔[1]

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝۷

''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجا ہے عربی زبان کا قرآن تا کہ آپ متنبّہ کریں مکّہ اور اُس کے اردگرد والوں کو اور ڈرائیں سب کو اکٹھا کیے جانے کے دن سے جس میں کوئی شک نہیں ایک گروہ بہشت میں جائے گا اور ایک گروہ دوزخ میں''۔

آپ کی ہدایت کا تعلق صرف مکّہ والوں سے نہیں بتایا گیا ہے بلکہ ''اردگرد'' کہہ کے وسعت پیدا کردی گئی ہے، چونکہ جیسا کہ مذہبی روایات بتاتی ہیں اور اُمّ القریٰ کہہ کے یہاں قرآن نے ارشاد کیا ہے مکّہ وسط میں ہے، اس لئے اُس کے اردگرد کا احاطہ تمام معمورۂ ارض پر حاوی ہے بلاتفریق سمت و جہت اور بلااختلاف ملک و اقلیم۔[2]

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸

''اور اگر اللہ چاہتا تو وہ سب کو ایک مذہب پر قرار دے دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی سرپرست ہے اور نہ کوئی مددگار''۔

---

[1] فی معناہ قولان احدھما ____ من عظمۃ اللہ جلّ جلالہ ولثانی ____ استعظاما للکفر باللہ والعصیان لہ (تبیان)

[2] من سائر النّاس وقوی الارض کلھا (مجمع البیان) ای ھل مکّۃ و سائر النّاس (جلالین) آس پاس اُس کے اول عرب، بعد اُس کے ساری دنیا (موضح القرآن)

www.kitabmart.in

''اگر اللہ چاہتا'' یعنی جبری طاقت سے مگر ایسا کرنا اُس کے نظام حکمت اور انسانی شرافت کے خلاف ہے۔[1] جس کا ذکر قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۟ ﴿٩﴾ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿١٠﴾ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ
شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿١١﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٢﴾

''کیا اُنہوں نے اس کو چھوڑ کر سرپرست اختیار کیے ہیں تو اصل سرپرست اللہ ہی ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور کوئی چیز بھی جس کے بارے میں تم میں اختلاف ہو تو اُس میں فیصلہ اللہ کے حوالے ہے۔ یہ ہے اللہ میرا پروردگار، اُس پر میں بھروسا کرتا ہوں اور اُسی سے لو لگاتا ہوں، آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا، اُس نے تمہارے لئے تمہارے نفوس میں سے بیویاں قرار دیں اور چوپایوں میں بھی جوڑے بنائے ہیں اور وہ سننے والا ہے، دیکھنے والا، اُس کی ملکیت میں کنجیاں ہیں آسمانوں اور زمین کی۔ وسعت دیتا ہے رزق میں جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگی بھی کرتا ہے یقیناً وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے''۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ
اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى
الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ
يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾

''اُس نے مقرر کیا ہے تم لوگوں کے لئے وہی دین جس کی اُس نے ہدایت کی تھی نوحؑ کو اور جو بذریعہ وحی ہم نے بھیجا آپ کی طرف اور جس کی ہم نے ہدایت کی ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کہ دین قائم رکھنا اُس کے متعلق تفرقہ میں

---

[1] معناه الاخبار عن قدرته بأنه لوشآء ان يلجئهم الى الايمان ودين الاسلام لكان قادر اعلىٰ ذٰلك وفعل لكنّ ذٰلك يبطل الغرض بالتكليف (تبيان)

www.kitabmart.in

نہ پڑنا، مشرکین کو بہت شاق ہے جس کی طرف آپ اُنہیں دعوت دیتے ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے اپنی بارگاہ میں منتخب کرتا ہے اور جو اُس سے لو لگاتا ہے اُسے وہ اپنی طرف رہبری کرتا ہے''۔

اس سے ظاہر ہے کہ اصول دین میں تمام انبیاء متحد ہیں اور اُن کے پیغام میں اختلاف قطعاً نہیں ہے۔

''اُس کے متعلق تفرقہ میں نہ پڑنا'' یہ فرقہ بندی کی پیش بندی کے طور پر ممانعت تھی۔[1] جس کے روکنے کا خدا اور رسولؐ نے انتظام کیا تھا مگر مسلمانوں نے اُس انتظام کو قبول نہ کیا اور بدنصیبی سے اُس تفرقے میں پڑ گئے جس سے روکے گئے تھے۔

وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡرِثُوا الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۱۴﴾

''اور وہ لوگ تفرقہ میں نہیں پڑے مگر صرف اُس کی ضد سے بعد اس کے کہ اُن کے پاس علم آ گیا اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف کی پہلے سے طے شدہ بات مقررہ مدت تک کے لئے نہ ہوتی تو اُن کے درمیان فیصلہ ہو گیا ہوتا اور یقیناً وہ جنہیں اُن کے بعد کتاب عطا ہوئی تھی اس کے بارے میں شک وشبہ میں گرفتار ہیں''۔

''پہلے سے مقررہ بات'' یعنی یہ کہ اصل سزا کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے یا منظور قدرت یہ ہے کہ اُنہیں کچھ عرصے تک کی مہلت دی جائے۔[2]

فَلِذٰلِكَ فَادۡعُ ۚ وَاسۡتَقِمۡ كَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ ۚ وَقُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنۡ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَيۡنَكُمۡ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ ؕ لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ؕ لَا حُجَّةَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ ؕ اَللّٰهُ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا ۚ وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۵﴾

''تو بس اسی کے لئے آپ دعوت دیتے رہیے اور مضبوطی سے جمے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم ہے اور اُن کے خواہشوں کی پیروی نہ کیجیے اور کہیئے کہ جو کوئی بھی کتاب، اللہ نے اُتاری ہے، میں اُس پر ایمان رکھتا ہوں اور میں مامور ہوں کہ تمہارے درمیان عدالت سے کام لوں۔ اللہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں، کوئی بحث درکار نہیں ہے ہمارے تمہارے

---

[1] لا تختلفوا فیه (مجمع البیان)
[2] ای لولا وعد اللہ تعالیٰ واخبارہ بتبقیتهم الیٰ وقت معلوم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

درمیان۔ اللہ ہم سب کو اکٹھا کرے گا اور اُسی کی طرف بالآخر جانا ہے"۔

بعض لوگوں نے خواہ مخواہ اس قرآنی اعلان کے ساتھ یہ نوٹ دیا ہے کہ یہ حکم جہاد کے قبل کی بات تھی۔[1] حالانکہ اسلامی حکم جہاد کی جو نوعیت قرآن سے ثابت ہوتی ہے، اُس کے لحاظ سے ان آیات میں جو باتیں کہی گئی ہیں، وہ بدلی نہیں ہیں۔

وَالَّذِیۡنَ یُحَآجُّوۡنَ فِی اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا اسۡتُجِیۡبَ لَہٗ حُجَّتُہُمۡ دَاحِضَۃٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَ عَلَیۡہِمۡ غَضَبٌ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ﴿۱۶﴾

"اور وہ جو اللہ کے بارے میں بلاوجہ بحث کرتے ہیں بعد اس کے کہ اُسے قبول کیا جا چکا، ان کی دلیل اُن کے پروردگار کے نزدیک غلط ہے اور اُن پر غضب ہے اور اُن پر سخت عذاب ہے"۔

مِنۡۢ بَعۡدِ مَا اسۡتُجِیۡبَ لَہٗ جس کا ترجمہ ہم نے کیا ہے "بعد اس کے کہ اسے قبول کیا جا چکا اُس کے دو مطلب کہے گئے ہیں اور دونوں ہو سکتے ہیں۔ پہلے یہ کہ بہت سے حقیقت پسند افراد اس دعوت حق کو قبول کر چکے ہیں۔[2] دوسرے یہ کہ اللہ پیغمبرؐ کی دعا کو کہ وہ اُن کی نصرت کرے، قبول کر چکا ہے اور اُس کی بنا پر بدر وغیرہ میں کامیابی عطا فرمائی ہے۔[3]

علامہ طبرسی نے تعیناً پہلے ہی معنی کو اختیار کیا ہے۔[4] اور بظاہر وہ ذہن سے زیادہ قریب ہیں۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَ الۡمِیۡزَانَ ؕ وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیۡبٌ ﴿۱۷﴾ یَسۡتَعۡجِلُ بِہَا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہَا ۚ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡہَا ۙ وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہَا الۡحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُمَارُوۡنَ فِی السَّاعَۃِ لَفِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰہُ لَطِیۡفٌۢ بِعِبَادِہٖ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ ہُوَ الۡقَوِیُّ الۡعَزِیۡزُ ﴿۱۹﴾

"اللہ وہ ہے جس نے اُتارا ہے کتاب کو حق کے ساتھ اور ترازو کو اور تمہیں کیا خبر شاید قیامت نزدیک ہی ہو، جلدی کرتے ہیں اُس کے لئے وہ جو اُس پر یقین نہیں رکھتے اور وہ جو ایمان لائے ہیں، ڈرتے ہیں اُس سے اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے، بلاشبہ وہ جو قیامت کے بارے میں تکرار کرتے ہیں، کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں، اللہ اپنے بندوں پر لطف و کرم والا ہے جسے چاہتا ہے روزی عطا کرتا ہے اور وہ طاقتور ہے، زبردست"۔

اس آیت میں کتاب اور میزان یعنی ترازو کے الفاظ تشریح طلب ہیں کتاب کے جو ظاہری معنی ہیں اور ترازو کا جو ظاہری مفہوم ہے،

---

[1] قبل ان ذٰلك كان قبل الامر بالقتال (تبیان)

[2] یعنی جمعی در دائرہ اسلام داخل شدند (فتح الرحمن)

[3] الثانی معناہ من بعد ما استجیب للنبی دعاؤہ (تبیان)

[4] ای من بعد ما دخل النّاس فی الاسلام (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اُس میں کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی، اس لئے شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:۔

"ترازو فرمایا دین حق کو جس میں بات پوری ہے، نہ کم، نہ زیادہ" (موضح القرآن)

تفسیر جلالین میں ہے: المیزان العدل۔ میزان سے مراد عدالت ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن مجید کی متعدد آیتیں ایسی ہیں جن میں کتاب کے ساتھ حرف عطف ہے اور کسی چیز کو اُس کے ساتھ بتایا گیا ہے جیسے:۔

قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۵﴾ (مائدہ)

تمہارے پاس نور آیا اور کتاب روشن۔

اور یہاں اُس کے ساتھ میزان کو کہا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دین کی تشریح و تکمیل دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ اب پیغمبر خدا ﷺ کے دور میں تو کتاب خدا کے ساتھ خود حضرتؐ کی سنت ہے جس میں قول و عمل وغیرہ حضرتؐ کا ہے لیکن آپ کے بعد پیغمبر خدا ﷺ کی متفق علیہ حدیث نے صاف کتاب کے ساتھ اپنے عترت و اہل بیت کو بتا دیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم الفاظ قرآنی کی تشریح اس کے مطابق نہ کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ کتاب، دین کی وہ تشریح ہے جو بذریعہ الفاظ ہے اور میزان وہ نمونہ عمل ہے جس کا اتباع دین کے کمال کا معیار ہے۔ ہماری قدیم تفسیر جس کے ساتھ بظاہر حدیث معصومؑ کا حوالہ ہے اس تشریح کے مطابق ہے۔ [1]

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَۃِ نَزِدۡ لَہٗ فِیۡ حَرۡثِہٖ ۚ وَ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا وَ مَا لَہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنۡ نَّصِیۡبٍ ﴿۲۰﴾

"جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے، ہم اُس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اُسے ہم اس میں سے عطا کرتے ہیں اور آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا"۔

"جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے" بمقابلہ آخرت یعنی آخرت کا سامان نہ کرنا چاہتا ہے، نہ کرتا ہے، اُس کی دنیا چاہے بن جائے مگر آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا لیکن اگر آخرت کے ساتھ دنیا کا بھی طلبگار ہے تو اُس میں کوئی مضائقہ نہیں اور بہت ممکن ہے کہ اُس کی دنیا بھی قابل رشک طور پر آراستہ ہو اور آخرت بھی قابل غبطہ ہو جیسا کہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:۔

المال والبنون حرث الدّنیا و العمل الصّالح حرث الاٰخرۃ وقد یجمعھما اللہ لاقوام (علی بن ابراھیم)

مال اور اولاد زینۂ دنیا کی کھیتی ہے اور نیک اعمال آخرت کی کھیتی ہیں اور کچھ لوگوں کے لئے اللہ کبھی دونوں کو یکجا کر دیتا ہے۔

اور خود قرآن نے اہل ایمان کی مثالی تمنا بارگاہ الٰہی میں دعا کے طور پر یہی بتائی ہے کہ:۔

رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً (سورۂ بقرہ۔۲۰۱)

پروردگارا ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی۔

لہٰذا آخرت کے ساتھ دنیا کی طلب باعث محرومی آخرت کہاں ہو سکتی ہے؟

---

[1] قال یعنی الامام (علی بن ابراھیم)

www.kitabmart.in

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

''کیا اُن کے کچھ (بنائے ہوئے) شریک ایسے ہیں جنہوں نے اُن کے لئے دین کا کوئی ایسا طریقہ مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے اور اگر فیصلے کے متعلق طے شدہ بات نہ ہوتی تو اُن کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور ظالم لوگ، یقیناً اُن کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

''اگر طے شدہ بات نہ ہوتی'' علماء مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ فیصلہ ہے کہ جزا و سزا قیامت میں ہوگی۔[۱] لیکن اگر یہ ہمیشہ طے شدہ بات ہوتی تو امم سابقہ پر عذاب کیوں آیا کرتا بلکہ اس امت کی خصوصیت ہے کہ وجود پیغمبرؐ مانع عذاب ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال۔۳۳)

اللہ ایسا نہیں کہ اُن پر عذاب نازل کرے درانحالیکہ آپ اُن میں موجود ہیں۔یہی وہ طے شدہ بات ہے۔[۲] اور اس کے بعد ہر دور میں کسی ایسے جانشین رسول کا وجود جو جزرسولؐ ہے مانع عذاب ہے اس لئے ہمارے یہاں کی قدیم تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ **كلمة الفصل** سے مراد ہر زمانے کا امام ہے۔[۳] اور اب ظالم لوگوں سے مراد وہ ہوں گے جو اس کلمے یعنی امام کا انکار کریں۔[۴]

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

''تم دیکھو گے ظالموں کو خوف زدہ اُس سے جو اُنہوں نے کیا اور اُس کا خمیازہ اُنہیں اُٹھانا ہے اور جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، باغہائے بہشت میں ہوں گے اُن کے لئے وہ ہوگا جو وہ چاہیں اُن کے پروردگار کے یہاں، یہی بڑا فضل و کرم ہے۔ یہ وہ ہے جس کی خوشخبری دیتا ہے اللہ اپنے اُن بندوں کو جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کرتے رہیں کہئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا سوا صاحبان قرابت کی محبت کے اور جو کوئی نیک

---

[۱] ای القضاء السّابق بانّ الجزاء یوم القیمة (جلالین)
[۲] ای لولا انّ اللہ حکم بتاخیر العذاب لهٰذه الامه الی الاٰخرة (مجمع البیان)
[۳] الکلمة الامام والدلیل علیٰ ذلك قوله: وجعلها کلمة باقیة فی عقبه لعلّهم یرجعون (علی بن ابراهیم)
[۴] یعنی الّذین ظلموا هٰذه الکلمة (علی بن ابراهیم)

www.kitabmart.in

کام کرے گا ہم اسے اُس میں بھلائی اور زیادہ عطا کریں گے، یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا ہے، قدردان'۔
یہ موجودہ نظم قرآنی میں بالکل نمایاں بات ہے کہ جتنی آیتیں اہل بیت کرامؑ سے خصوصیت رکھنے والی تفسیر اور حدیث کے لحاظ سے متفق علیہ طور پر بطور مستقل آیت کے شہرت رکھتی ہیں جیسے آیہ اکمال دین اور تمام نعمت اور آیہ تطہیر، وہ سب بحالت موجودہ دوسری طویل آیتوں کا جزء بنی ہوئی ہیں اور ان کا مستقل آیت ہونا محسوس نہیں ہوتا چنانچہ آیہ مودت (قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى) مذکورہ بالا دوسری آیت کے اندر اس طرح گھلا ملا کر درج ہوئی ہے کہ اُس کی منفرد حیثیت کوئی محسوس نہیں ہوتی، بہر حال شانِ نزول وغیرہ کی روایات کے لحاظ سے یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ وہ ایک مستقل آیت ہے جو بالانفراد نازل ہوئی ہے اور اپنی ایک خاص شان نزول رکھتی ہے۔
اس کے بعد مرحلہ اُس کے معنیٰ کا ہے۔ مفسرین جمہور اُس کا ترجمہ ایسا کرتے ہیں جس سے اُس کا کوئی تعلق اہل بیت رسولؐ سے نہ رہ جائے چنانچہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:- باید کہ پیش گیرید دوستی درمیان خویشاوندان۔ چاہیے کہ مقدم رکھو دوستی عزیزوں کے درمیان۔ حاشیے میں لکھا ہے "یعنی با من صلہٗ رحم کنید" (فتح الرحمن) مطلب یہ ہے کہ مجھ سے جو تمہاری قرابت ہے اُس کا لحاظ کرو اور اُس کے تقاضے کو پورا کرو۔ پہلے ترجمے میں گنجائش تھی کہ مخاطب مسلمان ہوں اور عزیزوں سے مراد خود مسلمانوں کے رشتہ دار ہوں مگر حاشیے سے پتہ چلا کہ رسولؐ کفار و مشرکین کو اپنی رشتہ داری کا واسطہ دے کر طالب رحم ہیں۔ اُن کے صاحبزادے ترجمہ کرتے ہیں "مگر دوستی بیچ قرابت کے" اس سے تو کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا مگر دوسرے صاحبزادے صاف کر دیتے ہیں کہ "یعنی میں تمہارا بھائی ہوں ذات کا، مجھ سے بدی نہ کرو۔ (موضح القرآن)
جلالین کا پیچیدہ لفظوں میں مطلب کچھ اور معلوم ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

اسألکم ان تودّ و اقرابتی ھی قرابتکم ایضا فان لہ فی کلّ بطن من قریش قرابتہ.

میرا سوال تم سے یہ ہے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو جو تمہارے بھی قرابت دار ہیں اس لئے کہ قریش کے ہر قبیلے میں حضرتؐ کے کچھ عزیز تھے۔ یعنی اُنہیں یہ محسوس ہوا ہے کہ اس سے رسولؐ کے عزیز مراد ہیں مگر اُنہوں نے مشرکین کو مخاطب بناتے ہوئے اسے حضرتؐ کے ان عزیزوں سے متعلق قرار دیا ہے جو مشرکین کے حلقے میں رہ گئے تھے۔

ذوی القربیٰ کی محبّت کا بطور اجر رسالت مطالبہ

یاد رکھنا چاہیے کہ نظریہ، مسلک اور اصول کے اختلاف میں قرابت کا واسطہ دینے کے کوئی معنیٰ نہیں، اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار و مشرکین کو اپنی قرابت کا واسطہ دے کر یہ خواہش کریں کہ میری مخالفت نہ کرو تو اصولاً انہیں بھی اپنی قرابتوں کا واسطہ دے کر حق ہوگا کہ وہ آپ سے کہیں کہ آپ ہمارے بتوں کی مذمت نہ کیجئے اور جو ہمارے طور طریقے ہیں، اُن کی مخالفت نہ کیجیے اور اگر اُن کے لئے اس طرح کا واسطہ دینا صحیح نہیں ہے تو پیغمبر خداؐ کی شان کے بالکل خلاف ہوگا کہ آپ اُنہیں اپنی قرابت کا واسطہ دے کر مخالفت سے روکیں اور (معاذ اللہ) اُن سے رحم کی التجا کریں۔ آپ بطور خود بھی ایسا نہیں کر سکتے، چہ جائیکہ اللہ آپ کو اس پر مامور فرمائے۔
بہر حال ہمارے یہاں متفق علیہ ہے اور کچھ فراخ حوصلہ علمائے اہل سنت بھی اس میں ہم سے متفق ہیں کہ یہاں فی القربیٰ سے مراد

www.kitabmart.in

رسول خداؐ کے وہ ذوی القربیٰ مراد ہیں جنہیں ہم ''آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' اور ''اہل بیت رسولؐ'' کہتے ہیں۔ [1] ایک تصور یہ ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اجر رسالت کچھ مانگا نہیں گیا ہے بلکہ الگ سے جیسے کہا جارہا ہے کہ ہاں بس قرابت داروں سے محبت رکھو مگر یہ تصور دوسرے آیات قرآن کی روشنی میں درست معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ ایک جگہ کہا گیا ہے کہ:

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ : میں نے جو اجر مانگا ہے، وہ تمہارے فائدے کے لئے ہے۔ (سبا۔ ۴۷)

اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے کچھ اجر مانگا ہے اور یہ اسی صورت میں درست ہے کہ جب استثناء کو متصل مابین یعنی آیت کا یہ مطلب لیں کہ میں کوئی دوسرا اجر نہیں مانگتا، بس یہ اجر تم سے طلب کرتا ہوں اور اس دوسری آیت میں شان رسولؐ کا تحفظ کیا گیا ہے کہ کسی معاوضے کا طلب کرنا رسولؐ کے خلوصِ عمل کے خلاف اُس وقت ہوتا ہے جب آپ ایسا اجر مانگتے جس کا فائدہ خود آپ کو حاصل ہو اور جب اجر رسالت ایسا طلب ہوا ہے جو خلق خدا ہی کے فائدے کے لئے ہے تو اس کا طلب کرنا شان رسولؐ کے خلاف نہیں ہے۔ ایک تیسری آیت میں اُس فائدے کی تشریح ہے اجر کی نفی کے ساتھ کہ میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، استثناء کیا گیا ہے یہ کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (فرقان۔ ۵۷) یعنی وہ فائدہ خلق خدا کا یہ ہے کہ اُن کے لئے تقرب الٰہی اور اُس کی مغفرت کا اس طرح ایک ذریعہ ہاتھ آتا ہے یعنی یہ ذوی القربیٰ وہ ہیں جو دنیا کو رسولؐ کے بعد اللہ کی رضا حاصل کرنے کی راہیں بتانے والے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دینی رہنمائی کرنے والے ہیں۔

جب کہ جمہور کے نزدیک یہ پوری آیت ایک ڈال ہے اور بیچ کے جملے یعنی قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ کو وہ مشرکین سے متعلق قرار دیتے ہیں تو آخر کے فقرات کو وہ کیا کریں گے کہ ''جو کوئی نیک کام کرے گا ہم اُس میں بھلائی اور زیادہ عطا کریں گے یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا ہے، قدر دان''؟ جب کہ قرآن مجید نے دوسرے مقامات پر صاف بتلایا ہے کہ مشرکین و کفار کے اعمال جو کارہائے نیک کے قبیل سے ہیں، سب رائیگاں ہیں اور اُن کا کوئی اجر نہیں تو پھر یہ فقرات کفار و مشرکین کے ساتھ تخاطب کے ذیل میں کیوں کر ہوسکتے ہیں؟ لیکن یہ تفسیر جس کی تائید میں خود بیان رسولؐ موجود ہے اور یاد رکھنا چاہیے کہ دوسری تفسیر کوئی ایسی نہیں جس کی موافقت میں خود پیغمبر خداؐ کی کوئی حدیث وارد ہوئی ہو تو مطلب صاف ہے کہ یہی ذوی القربیٰ کی محبت وہ نیک کام ہے جس کی مناسبت سے کہا جارہا ہے کہ جو کوئی نیک کام کرے گا ہم اُسے اور زیادہ عطا کریں گے یعنی اُس شخص کے اعمال خیر میں برکت ہوگی اور ثواب میں اضافہ ہوگا جو مومنین سے اللہ کا دوسرے مقامات پر بھی وعدہ ہے اور ہمارے یہاں معصومؑ کی حدیث اس کی تائید میں موجود ہے۔ [2]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۭ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

''کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ پر تہمت لگائی ہے تو اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے اور اللہ باطل کو

---

[1] قال علی بن الحسین علیہ السلام وسعید بن جبیر و عمرو بن شعیب معناہ الّا ان تردّوا قرابتی وھو المروی عن ابی جعفر و ابی عبد اللہ علیہما السّلام وھو الاختیار عندنا و علیہ اصحابنا (تبیان)

[2] صحّ عن الحسن بن علی علیہ السلام انّہ خطب النّاس فقال فی خطبتہ انّا اھل البیت الّذین افترض اللہ مودّتھم علی کلّ مسلم فقال: قل لّا اسئلکم علیہ اجرا الّا المودّۃ فی القربٰی ومن یقترف حسنۃ نزد لہ فیھا حسنا فاقتراف الحسنۃ مودّتنا اھل البیت (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

مٹاتا ہے اور حق کو اپنی باتوں سے حق ثابت کرتا ہے یقیناً وہ دلوں کے اندر کی باتوں کا جاننے والا ہے"۔

اس آیت میں اتنے مختصر الفاظ میں وہ پوری دلیل اعجاز درج ہے جسے متکلمین طول طویل تقریروں سے پیش کیا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خالق کریم کی طرف غلط طور پر منسوب کرکے اگر معجزانہ شان کی کوئی چیز پیش کی جائے تو وہ قادر مطلق اس کو باطل ثابت کرنے کا سامان ضرور کرے گا اور جب ایسا نہیں ہوا اور اُس کی طرف سے اس کے حق ہونے ہی کے ثبوت پیش ہوتے رہے تو ماننا پڑے گا کہ حقیقاً وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

اس صورت میں کہ جب اسے سابق آیۂ مودت سے غیر متعلق قرار دے کر الگ سے دیکھا جائے تو ہمارے نزدیک قوت اس مفہوم کو ہے اگرچہ شیخ الطائفہؒ نے مفہوم آیت کے متعلق دوسرے اقوال کے ساتھ اسے بطور ایک قول کے درج کیا ہے۔[1] لیکن الفاظ قرآن سے زیادہ موافقت اور دلیل عقلی کی مطابقت اسی مفہوم کو حاصل ہے لیکن اگر اس محل پر ترتیب کے مطابق تنزیل سمجھیں تو بعید نہیں ہے تو اس کا ربط آیہ مودت سے ہوسکتا ہے اُس کے اس مفہوم کے لحاظ سے جو ہمارے نزدیک قطعی حیثیت رکھتا ہے اور جس کو مناسب تشریح کے ساتھ پیش کیا جاچکا ہے اور جس کی بنا پر آیۂ مودت کے مخاطب مشرکین نہیں بلکہ اہل اسلام ہیں تو اب یہ کہنے والے غیر قوم کے افراد نہیں بلکہ مسلمانوں ہی میں کے وہ اشخاص ہوں گے جنہیں ان ذوی القربٰی سے پرُخاش تھی اور وہ اُن کی محبت کے اجر رسالت ہونے کو قبول نہیں کرتے تھے تو اُنہوں نے آپس میں یہ بات کہی ہو یا اپنے دلوں میں کہا ہو کہ اے لیجیے! اُنہوں نے اپنے قرابت داروں کو ہمیشہ کے لئے مسلمانوں پر مسلّط کردیا۔ ہمارے اس تصور کو تقویت آیت کے آخری ٹکڑے سے ہوتی ہے کیوں کہ اگر کھلے ہوئے مشرکین ہوتے تو وہ یہ بات اعلانیہ کہتے، اُن سے اس تتمہ کا تعلق نہیں ہوسکتا کہ "وہ اُن کے دلوں کے اندر کھلے ملے ہوئے ہیں۔ اب اس سلسلہ میں بعد کی آیتیں بھی کھپ جائیں گی جو ابھی آپ کے سامنے آئیں گے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿٢٦﴾

"اور وہ وہ ہے جو اپنے بندوں سے توبہ کو قبول کرتا ہے اور معمولی برائیوں سے درگزر کرتا ہے اور جانتا ہے اُسے جو تم کرتے ہو اور قبول کرتا ہے دعا کو اُن کی جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں اور اُنہیں اور زیادہ عطا کرتا ہے اپنے فضل وکرم سے اور کافر لوگ، اُن کے لئے سخت عذاب ہے"۔

اگر ہمارے تصور کو جو اس سے پہلے کی آیت میں ہم نے پیش کیا ہے قبول کرلیا جائے تو آیہ مودت سے یہاں تک پورا سلسلہ ایک ڈال ہو جائے گا اور اب یہاں کے ختم سلسلہ پر جو "کافر لوگ" کا لفظ ہے تو یہ وہ کھلے ہوئے کافر نہیں بلکہ یہی دلوں کے اندر والے کافر ہوں گے جن کے لئے اس سے پہلے کہا گیا تھا کہ اللہ دلوں کے اندر کی باتوں کا جاننے والا ہے اور اب کہا جارہا ہے کہ "جانتا ہے اُسے جو تم کرتے ہو"۔

---

[1] قبل المعنی انه قال لنبیّهٖ علیہ السلام لو حدّثت نفسك بأن تفتری علی الله كذبا بالطبعت علی قلبك و اذهبت الوحی الّذی اٰیتك لاتی امحو الباطل وحقّ الحقّ (تبیان)

www.kitabmart.in

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

''اور اگر اللہ روزی میں تمام اپنے بندوں کے لئے کشائش ہی رکھے تو وہ دنیا میں سرکشی اختیار کریں مگر وہ ایک مقدار مقرر میں جو چاہتا ہے اتارتا ہے، یقیناً وہ بندوں کے حالات کا جاننے والا ہے، دیکھنے والا، اور وہ وہ ہے جو پانی برساتا ہے بعد اس کے کہ وہ مایوس ہو چکے ہیں، اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے اور وہ سرپرست ہے، تعریفوں کا مستحق اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے پیدا کرنا آسمان اور زمین کا اور جو اُس نے اُن دونوں میں چلنے پھرنے والے پھیلا دیئے ہیں اور وہ جب چاہے گا، اُن کے اکٹھا کرنے پر قادر ہے''۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾

''اور جو مصیبت تم کو پہنچے، وہ اُس کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کیا ہے اور بہت سی باتوں کو وہ چھوڑ دیتا ہے اور تم دنیا میں اُسے بے بس نہیں بنا سکتے اور تمہارا اللہ کو چھوڑ کے نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار''۔

اگر وحدت سیاق آیات قرآنی میں قابل لحاظ ہے تو اس پورے خطاب کو مشرکین سے متعلق ماننا چاہیے کہ جو مصائب اُنہیں پہنچ رہے ہیں، وہ اُن کے کرتوت نتیجہ ہیں مگر بعض مفسرین جو اکثر سیاق آیات پر بہت زور دیتے ہیں، یہاں شروع کے خطاب کو مومنین سے متعلق کرتے ہیں، اس لئے کہ اُس میں معافی کا اعلان ہے جو اُن کے نزدیک مشرکین سے کسی طرح متعلق نہیں ہو سکتے اور یہاں سے کہ ''تم دنیا میں اُسے بے بس نہیں بنا سکتے'' تخاطب مشرکین سے قرار دیتے ہیں۔[۱] بظاہر ہمارے علامہ طبرسیؒ بھی اس سے متفق ہیں۔[۲]

ہمارے نزدیک اس کی کوئی وجہ نہیں، اس لئے کہ عفو کے معنی مغفرت کے کیوں سمجھے جائیں کہ اس سے آخرت میں بھی پھر مواخذے کی نفی ہو جائے بلکہ چونکہ شروع میں دنیاوی مصیبت کا ذکر ہے تو عفو کے بس یہی معنی ہیں کہ بہت سے گناہوں کی سزا دنیا میں نہیں ملتی اُن کو آخرت پر اٹھا رکھا جاتا ہے۔ اس کا انطباق بلاشبہ مومنین سے زیادہ کفار و مشرکین پر ہے۔ اس طرح جیسے الفاظ قرآن دونوں آیتوں کے شروع سے آخر تک ایک ڈال ہیں، ویسے ہی معنی بھی ایک ڈال ہو جاتے ہیں اُن میں یہ تفریق نہیں ہوتی کہ پہلی آیت میں مخاطب مومنین ہوں اور دوسری میں مخاطب مشرکین ہوں جب کہ دونوں جگہ کُمْ کُمْ اور انتم کی ضمیریں ہیں جن کے معنی ہیں تم، تم ------ نہ پہلی آیت میں ''اے مومنو'' ہے، نہ

[۱] ما اصابکم خطاب للمؤمنین ___ وما انتم یا مشرکین (جلالین)
[۲] وما انتم یا معشر المشرکین (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

دوسری آیت میں ''اے مشرکو''۔

وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الۡجَوَارِ فِى الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ ؕ۝۳۲ اِنۡ يَّشَاۡ يُسۡكِنِ الرِّيۡحَ فَيَظۡلَلۡنَ
رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّـكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ۝۳۳ اَوۡ يُوۡبِقۡهُنَّ بِمَا
كَسَبُوۡا وَيَعۡفُ عَنۡ كَثِيۡرٍ ۝۳۴ وَّيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمۡ مِّنۡ
مَّحِيۡصٍ ۝۳۵

''اوراُس کی نشانیوں میں سے دریاؤں میں وہ بڑی بڑی کشتیاں ہیں جو مثل پہاڑوں کے دریا میں نظر آتی ہیں۔اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کردے تو وہ اُس کی سطح پر رکی رہ جائیں،یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر برداشت کرنے والے کے لئے جو شکر گزار ہو یا چاہے تو وہ اُنہیں تباہ ہی کردے اُن کے اعمال کے نتیجے میں اور بہت سی باتوں کو معاف کردے اور اس لئے کہ وہ جو ہماری نشانیوں کے بارے میں تکرار کرتے ہیں،جانیں کہ اُن کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے''۔

ان آیات کے دوران میں پھر معافی کا بیان ہے مگر یہاں معافی کو خاص مومنین سے متعلق نہیں کیا جاتا بلکہ اُس کا مطلب یہی لیا جاتا ہے کہ ہنگامی سزا کہ بداعمالی کے نتیجے میں غرق کردے،کبھی دے دی جاتی ہے مگر اکثر یہ وقتی سزا نہیں دی جاتی۔[1] یہ مزید شاہد ہے اس کا کہ قبل کی آیتوں میں بھی خطاب خاص مومنین سے نہیں ہے اور معافی سے مراد یہی ہے کہ دنیا میں اُس کی سزا نہیں دی جاتی۔

فَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى لِلَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۝۳۶ وَالَّذِيۡنَ يَجۡتَنِبُوۡنَ كَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَالۡفَوَاحِشَ
وَاِذَا مَا غَضِبُوۡا هُمۡ يَغۡفِرُوۡنَ ۝۳۷ وَالَّذِيۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّهِمۡ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۖ
وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ ۖ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ۝۳۸ وَالَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَصَابَهُمُ
الۡبَغۡىُ هُمۡ يَنۡتَصِرُوۡنَ ۝۳۹ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثۡلُهَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ
فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ۝۴۰

''اور جو چیز تمہیں ملتی ہے،وہ اس زندگی دنیا کا سرمایہ ہے اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے،وہ اچھا اور زیادہ پائیدار ہے اُن کے لئے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں،اور وہ جو بڑے گناہوں اور شرمناک

---

[1] یعفوا عن کثیر اخبار منہ تعالیٰ انّہ یعفو عن معاصیہم لا یعاجلہم اللہ بعقوبتہا (تبیان)

www.kitabmart.in

کاموں سے پرہیز رکھتے ہیں اور جب اُنہیں غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں اور جنہوں نے اپنے پروردگار کے فرمان کو مانا ہے اور نماز کے پابند رہے ہیں اور اُن کے معاملات ان کے درمیان باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں اور جو اُس میں سے ہم نے اُنہیں دیا ہے، خیرات کرتے ہیں اور وہ جو بدلا لیتے ہیں جب اُن پر ناحق کوئی زیادتی کرے اور برائی کا بدلا تو ویسی ہی برائی ہے مگر جو معاف کردے اور تعلقات اچھے رکھے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے بلاشبہ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا''۔

علمائے جمہور نظام حکومت میں شوریٰ کی بنیاد اس آیت پر قائم کرتے ہیں حالانکہ اس کے پہلے فرمان الٰہی کو تسلیم کرنے کا ذکر موجود ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ شوریٰ ایسے ہی دینوی امور میں ہے جہاں فرمان الٰہی کوئی موجود نہیں ہے جیسا کہ دوسری جگہ اس کے پہلے یہ ارشاد الٰہی آچکا ہے کہ:-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

کسی مسلمان مرد اور مسلمان عورت کے لئے یہ نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسولؐ کوئی فیصلہ کردے تو انہیں اپنے معاملے میں اختیار ہو۔(احزاب۔٣٦) جب فیصلہ خالق کے سامنے اختیار کی مطلق نفی ہوگئی تو نہ ایک ایک فرد کو اختیار ہے نہ مجموع امت کو لہٰذا نص کے مقابلے میں نہ اجماع درست ہے اور نہ شوریٰ۔ اس جملے کے بعد کہ ''بدلا لیتے ہیں جب اُن پر ناحق کوئی ظلم وتعدی کرے'' فوراً بلا فاصلہ یہ کہنا کہ ''برائی کا بدلا تو ویسی ہی برائی ہے مگر جو معاف کردے اور تعلقات خوشگوار بنالے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے، صاف بتارہا ہے کہ پہلے جو بدلا لینے کا ذکر ہے، وہ بطور پابندی نہیں ہے بلکہ اجازت کے طور پر ہے کہ اگر چاہے تو بدلا لے۔[1] مگر معاف کردے تو بہت اچھا ہے۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿٤١﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿٤٣﴾

''اور جو اپنے او پر ظلم ہونے کے بعد بدلا لے تو یہ لوگ وہ ہیں جن پر کوئی الزام نہیں ہے، الزام تو اُن پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں ستم ڈھاتے ہیں، یہ وہ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے، بے شک وہ جو صبر سے کام لے اور بخش دے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے''۔

ان آیات میں مجموعی طور پر اسلامی دستور کے اُسی نقطہ اعتدال کا بتادیا گیا ہے کہ قصاص کا قانون ضرور ہے مگر اس قانون میں قصاص کا حق دیا گیا ہے۔ اُسے فرض قرار نہیں دیا گیا ہے، قصاص نہ لیتے ہوئے معاف کردینا نہ صرف جائز ہے بلکہ اللہ کے نزدیک خاص فضیلت کا درجہ رکھتا ہے جس کی مدح یہاں یوں کی گئی ہے کہ یہ بڑی ہمت کا کام ہے تو جو اس طرح کرے وہ جیسے اللہ کی طرف سے ''شاباشی'' کا مستحق ہے جس کا لازمی

---

[1] هي الرخصة التي صاحبها فيها بالخيار ان شآء فعل وان شاء ترك (علی بن ابراهيم)

www.kitabmart.in

نتیجہ یہ ہے کہ اُسے اس معاف کرنے کا بڑا اجر ملے گا۔[۱] مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ کے دوسرے معنی جنہیں علامہ طبرسیؒ نے اختیار کیا ہے، یہ ہیں کہ یہ دائمی اللہ کا حکم ہے جو قابل منسوخی نہیں۔[۲] میرے نزدیک پہلے مفہوم کو زیادہ قوت ہے، اس لئے میں نے اُس کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ وَّلِيٍّ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيۡنَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ
يَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنۡ سَبِيۡلٍ ۚ﴿۴۴﴾ وَتَرٰٮهُمۡ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا خٰشِعِيۡنَ مِنَ
الذُّلِّ يَنۡظُرُوۡنَ مِنۡ طَرۡفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ الۡخٰسِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ
خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَاَهۡلِيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ فِىۡ عَذَابٍ مُّقِيۡمٍ ﴿۴۵﴾
وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ اَوۡلِيَآءَ يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ
مِنۡ سَبِيۡلٍ ؕ﴿۴۶﴾

''اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے تو اُس کا اُس کے بعد کوئی مددگار نہیں اور ظالموں کو دیکھو گے جب اُنہوں نے عذاب کو دیکھا ہوگا تو وہ کہیں گے کہ کیا واپسی کا بھی کوئی راستہ ہے؟ اور تم نہیں دیکھو گے کہ وہ دوزخ کی طرف لائے جائیں گے سر جھکائے ہوئے، ذلت کے عالم میں کنکھیوں سے دیکھتے ہوں گے اور کہیں گے وہ جو ایمان لائے کہ گھاٹا اٹھانے والے بڑے وہ ہیں جو خود اپنے کو اور اپنے عزیز و اقارب کو قیامت میں گھاٹا پہنچائیں معلوم ہونا چاہیے کہ ظالم لوگ برقرار رہنے والے عذاب میں ہیں اور اُن کے کوئی دوست نہیں ہیں جو اُن کی مدد کریں اللہ کو چھوڑ کر اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے، اُس کے لئے کوئی راستہ نہیں''۔

اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمۡ مِّنۡ
مَّلۡجَاٍ يَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَكُمۡ مِّنۡ نَّكِيۡرٍ ﴿۴۷﴾

''اپنے پروردگار کے فرمان کو قبول کرو، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جسے اللہ کی طرف سے پھر پلٹنا نہیں ہے، تمہارے لئے اُس دن کوئی جائے پناہ نہ ہوگی اور نہ تمہارے لئے انکار کی کوئی گنجائش ہوگی''۔

نکیر کا ترجمہ ''انکار کی گنجائش'' ایک تشریح کے مطابق ہے۔[۳] اس کے ساتھ یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ اس نوعیت عذاب سے انکار

---

[۱] عزم الامور ھو الاخذ باعلاھا فی باب نیل الثّواب و الاجر و احتمال الشدائد علی النّفس و ایثار رضا اللہ علی ما ھو مباح (تبیان)
[۲] ای من ثابت الامور الّتی امر اللہ تعالیٰ بھا فلم ینسخ (مجمع البیان)
[۳] انکار لذنوبکم (جلالین) نہیں واسطے تمہارے انکار (شاہ رفیع الدین)

www.kitabmart.in

کرکے اُس میں تبدیلی کرانا ممکن نہ ہوگا۔[۱] دوسری تشریح یہ ہے کہ انکار کے معنیٰ ''اعتراض'' کے ہیں، اس طرح مطلب یہ ہوگا کہ کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس پر اعتراض کر سکے۔[۲]

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا ؕ اِنۡ عَلَیۡکَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَ اِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَۃً فَرِحَ بِہَا ۚ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ کَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾

''تو وہ اگر روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو اُن کا نگہبان مقرر کرکے نہیں بھیجا ہے، آپ کے ذمے نہیں ہے سوا تبلیغ کردینے کے اور ہم جب آدمی کو اپنی طرف سے کچھ رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو وہ اُس پر خوش ہو جاتا ہے اور اگر اُنہیں کوئی برائی پہنچتی ہے اُن اعمال کی بدولت جو اُنہوں نے کیے ہیں تو بلاشبہ یہ آدمی ناشکرا ثابت ہوتا ہے''۔

لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ ﴿۴۹﴾ اَوۡ یُزَوِّجُہُمۡ ذُکۡرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ یَجۡعَلُ مَنۡ یَّشَآءُ عَقِیۡمًا ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ ﴿۵۰﴾

''اللہ کے لئے سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی، پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے یا لڑکے اور لڑکیاں دونوں قسمیں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے یقیناً وہ بڑا جاننے والا ہے ہر طرح کی قدرت رکھنے والا''۔

''جاننے والا ہے'' مصالح کا اور ''قدرت رکھنے والا ہے'' اُن کے تقاضوں کے مطابق عمل پر۔

وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحۡیًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِہٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴿۵۱﴾

''اور کسی آدمی کے لئے یہ بات حاصل نہیں کہ اللہ اُس سے بات کرے مگر بطور وحی یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیجے تو وہ اُس کے حکم سے جو چاہے وحی پہنچائے، یقیناً وہ بلندی والا ہے، صحیح کام کرنے والا''۔

آخر میں فرشتوں کو بھیج کر وحی کا تذکرہ کرنا اس کا ثبوت ہے کہ پہلے جو وحی کا تذکرہ آیا ہے، وہ وحی بغیر توسط ملک ہے جیسی وحی معراج میں ہمارے رسولؐ پر ہوئی جس کا صرف اجمالی تذکرہ قرآن میں یوں ہے کہ:۔

---

[۱] ای انکار و تغییر للعذاب (مجمع البیان)
[۲] قیل معناہ من نصیر ینکر ما یحلّ بکم (تبیان)

www.kitabmart.in

فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی ﴿۱۰﴾ (سورۂ نجم)

اُس نے اپنے بندہ خاص پر وحی کر دی جو اُسے کرنا تھی۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر کرنا کہ ہر وحی خداوندی جو رسولؐ پر ہوئی، وہ قرآن میں نہیں ہے، اس وحی کی ترجمانی اکثر بیان پیغمبرؐ سے ہوئی ہے جو جز سنت ہے اور جہاں حالات خود رسولؐ کے لئے اظہار کے متقاضی نہ تھے، وہ آپ نے اپنے ورثہ داران علم کے سپرد کر دیے جو ائمہ معصومینؑ ہیں اور وہ آپ کے بعد وقتاً فوقتاً اُس کا اظہار فرماتے رہے اور اس طرح سنت رسولؐ اور ان رہ نمایان دین کے اقوال کو احکام شرعیہ میں ماخذ بنائے بغیر صرف قرآن کو کافی سمجھ لینا کسی طرح درست نہیں ہے۔

وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَ لَا الۡاِیۡمَانُ وَ لٰکِنۡ جَعَلۡنٰہُ نُوۡرًا نَّہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّکَ لَتَہۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿ۙ۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِلَی اللّٰہِ تَصِیۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵۳﴾

''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف بھیجی بصورت وحی اپنے فرمان کی ایک روح، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کس کا نام ہے مگر ہم نے اسے ایک نور بنایا ہے جس سے ہم ہدایت کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے اور بلا شبہ آپ رہ نمائی کرتے ہیں سیدھے راستے کی طرف، اللہ کے راستے کی طرف جس کی مخصوص ملکیت ہے سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے تمام معاملات کو''۔

حضرت پیغمبر خداؐ کے حکم کا بفیضِ الٰہی ہونا

ذات ممکن کا کوئی کمال اپنا نہیں ہے بلکہ عطیہ پروردگار ہے، اب صلاحیت ظرف کو دیکھتے ہوئے اس کی عطا ہے کہ کس کو کتنا دیتا ہے اور اُس کا زیادہ عطا کرنا خود وسعت ظرف کی دلیل ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس نے وہ علم عطا فرمایا جو اولین و آخرین میں کسی کو نہیں دیا، یہ اُس کا عطا فرمانا، اُن کے کمال صفائے جوہر کا ثبوت ہے جس کے لئے نور کے سوا لغت میں کوئی دوسرا لفظ موزوں نہیں ہے مگر اُس نور پر جو بارش کرم پروردگار ہوا اُس کا مرکز بہر حال فیاض مطلق ہے ورنہ باعتبار ذات جب وجود اپنا نہیں تو کون کمال اپنا ہو سکتا ہے۔

بس یہی وہ ہے جسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ'' آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کس کا نام ہے''؟ لیکن اس سے باعتبار ظرف زمان کسی دورِ حیات کو مقرر کر کے یہ سمجھنا کہ چالیس برس کی عمر کے پہلے معاذ اللہ آپ کتاب الٰہی اور ایمان سے کوئی واقفیت نہیں رکھتے تھے، ناروا جسارت ہی نہیں بلکہ حقیقت واقعہ کے خلاف ہے۔ جب کہ سابق دور کا ایک رسول گہوارے میں کہہ رہا ہے کہ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ﴿ۙ۳۰﴾ (سورۂ مریم) تو خاتم الانبیاء کے بارے میں یہ تصور کہاں صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ نزول قرآن سے پہلے کتاب الٰہی اور ایمان کسی بات سے واقف نہ تھے لیکن وہ کتاب لفظی نہیں ہے بلکہ وہ آئین حیات ہے جس کا علم نبی کو ثبوت کے ساتھ بدو فطرت سے ہوتا ہے۔

www.kitabmart.in

سُوْرَةُالزُّخْرُفِ

مکّیہ ----۸۹---- آیات

اثنائے سورہ میں ایک جگہ زُخرُفا کالفظ آیا ہے،اُس پراس سورے کا نام ہوگیا۔

سورۂ زخرف کے خاص خاص مضامین:

۱۔وہ لوح محفوظ میں علی حکیم ہے جوایک خاص شخصیت کی طرف ذہن کومنتقل کرتا ہے۔

۲۔نعم الٰہیہ کے ذیل میں اُن حیوانات کے ذکر میں جو انسان کی سواری کے کام میں آتے ہیں،تعلیم کہ جب اُن کی پشت پر سوار ہوتو یوں کہو۔

۳۔بیٹی کی پیدائش پراہل جاہلیت کی کیفیت اور پھر خدا کے لئے بیٹیاں تجویز کرنے کی حماقت۔

۴۔ملائکہ کے صنف اناث میں ہونے کی رد۔

۵۔حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں اُن کے پیغام توحید کا ''کلمہ باقیہ'' کی صورت میں محفوظ ہونا اور برقرار رہنا۔

۶۔مخالفین پیغمبراسلامؐ کا یہ کہنا کہ قرآن کسی بڑے آدمیوں پر کیوں نہیں اُترا اور اُس کا جواب۔

۷۔اموالِ دنیا کی پستی وحقارت۔

۸۔فرعون کا اپنی سلطنت اور دولت کو معیارِحقانیت قرار دینا،اور اُس کی غلطی۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا،بڑا مہربان ہے''

حٰمٓ ۞ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۞

''حا۔میم۔قسم اس روشن کتاب کی ہم نے اس کو عربی زبان والا قرآن بنایا ہے،شاید کہ تم عقل سے کام لو،بلاشبہ وہ اصل نوشتے میں ہمارے یہاں بلند مرتبہ ہے،حکمت والا''۔

حضرت علیؑ کا اسم بامسمّٰی ہونا

سیاق کلام کی بنا پر ترتیب آیات کو دیکھتے ہوئے مفسرین جمہور ہی نہیں بلکہ ہمارے بھی کچھ مفسرین نے اس ضمیر کو کہ وہ علی حکیم ''بلند مرتبے والا ہے، حکمت والا'' قرآن ہی کی طرف راجع کیا ہے اور اُم الکتاب ''اصل نوشتے'' سے مراد لوح محفوظ قرار دی ہے۔[۱] حالانکہ اُنہیں یہ اقرار ہے کہ یہ ایک مجازی تصرف کے ساتھ ہے کیوں کہ یہ دونوں وصف علی اور حکیم عموماً کسی ذی حیات ہستی کے ہوتے ہیں۔[۲] ایک بات یہ ہے کہ قرآن کی توصیف میں خود قرآن کی قسم کے کیا معنی؟ مگر اس کی شاہ ولی اللہ نے ایک لطیف انداز میں یوں توجیہ کی ہے۔

قسم خوردن بچیزی برای اثبات ہماں چیز یا لازم آن چیز کنائیست بآنکہ آن چیز خود دلیل خود است چنانکہ گویند قسم بلب میگون وزلف شبگونِ تو کہ تو معشوق دل آرامی (فتح الرحمن)

کسی چیز کی قسم خود اُس چیز یا اُس کے کسی لازمے کے ثبوت کے لئے اشارہ ہوتا ہے اس طرح کہ وہ چیز خود اپنی دلیل ہے جیسے کہا جائے کہ تمہارے سرخ لبوں اور سیاہ زلفوں کی قسم کہ تم دلربا معشوق ہو۔

پھر بھی الفاظ آیت سے بلاشبہ ذہن مڑتا ہے ایک ایسی ذات کی طرف جو اسم بامسمّٰی علی ہے اور علم و حکمت کا خزانہ دار ہونے کی وجہ سے حکیم بھی ہے ہماری قدیم تفسیر اسی کے موافق ہے۔[۳]

اَفَنَضۡرِبُ عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِيۡنَ ﴿۵﴾

''تو کیا ہم تمہاری طرف سے بالکل چشم پوشی کرلیں اس سے کہ تم حد سے تجاوز کرنے والے لوگ رہے ہو''۔

یعنی تم جو چاہے کرو، ہم تمہاری ہدایت سے ہاتھ تو نہیں اٹھا سکتے، ہدایت کا سامان کرتے رہنا اور پیغمبروں کا بھیجنا تو ہمارے لئے ضروری ہے۔[۴] اور یہ ایک تہدیدی خطاب بھی ہوسکتا ہے کہ کیا تمہاری زیادتیوں پر ہم چشم پوشی ہی کرتے رہیں اور تمہیں اس کی سزا نہ ملے؟[۵]

وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِىٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۶﴾ وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۷﴾ فَاَهۡلَكۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۸﴾

''اور کتنے ہی پیغمبر ہم نے بھیجے پہلے والے لوگوں میں اور نہیں آتا تھا کوئی پیغمبر اُن لوگوں کے پاس مگر یہ کہ وہ اُس کا مذاق اڑاتے تھے تو ہم نے ہلاک کردیا اُنہیں جو طاقت میں اُس سے زیادہ تھے اور پہلے لوگوں کی مثال سامنے گزر ہی چکی ہے''۔

---

[۱] انّہ مثبت فی امّ الکتاب___ لعلیّ علی الکتب قبلہ حکیم ذو حکمۃ بالغۃ (جلالین)

[۲] وصف اللہ تعالٰی القرآن بہاتین الصفتین علی سبیل التّوسع لانہما من صفات الحیّ (مجمع البیان)

[۳] یعنی امیر المؤمنین (علی بن ابراھیم)

[۴] افنترک عنکم الوحی صفحا فلا نامرکم ولا ننہاکم ولا نرسل الیکم رسولا (مجمع البیان)

[۵] المعنی افنضرب ذکر الانتقام منکم والعقوبۃ لکم (تبیان)

www.kitabmart.in

اس کا بظاہر گذشتہ آیات سے ربط ہے یعنی ہمیشہ پیغمبروں کا مذاق اُڑایا گیا اور طرح طرح کی بدسلوکیاں کی گئیں مگر اس کی وجہ سے ہم نے پیغمبروں کا بھیجنا ترک تھوڑی کر دیا تو اب کیوں کر پیغمبر نہ بھیجتے[1] یا گذشتہ امتوں کو برابر مبتلائے عذاب کرتے رہے تو تم کہاں بچ سکتے ہو؟

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۙ﴿۹﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۚ﴿۱۰﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۙ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۙ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

''اور اگر ان سے پوچھیے کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ کہیں گے کہ اُنہیں پیدا کیا اُس زبردست نے جو علم والا ہے، جس نے قرار دیا تمہارے لئے زمین کو گہوارہ استراحت اور قرار دیئے تمہارے لئے اُس میں راستے شاید کہ تم منزل تک پہنچ جاؤ اور جس نے اتارا آسمان سے پانی ایک خاص مقدار مقرر میں تو ہم نے اُس سے بے جان زمین میں زندگی پیدا کی اسی طرح تم لوگ بھی باہر نکلو گے اور جس نے تمام قسم کی چیزوں کو پیدا کیا اور تمہارے لئے کشتیوں اور چوپایوں میں سے وہ چیزیں پیدا کیں جن پر تم سوار ہوتے ہو تا کہ تم اُن کی پشت پر بیٹھ کر اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو جب تم اُس پر بیٹھو اور کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے قبضے میں کیا اور ہمارے اپنے بس میں نہ تھا اور بلا شبہ ہمیں اپنے پروردگار کی طرف پلٹ کر جانا ہے''۔

یہ پوچھنے پر کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا اُن کا جواب تو مجملاً یہ ہوگا کہ اللہ نے ....اس کے بعد اللہ کے جو اوصاف ہیں، وہ سب خالق نے خود ارشاد فرمائے ہیں۔ اس لئے اس ذیل میں ہے کہ ''ہم نے اُس سے بے جان زمین میں زندگی عطا کی ....اسی طرح تم بھی باہر نکلو گے'' یعنی دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے برآمد ہو گے۔ یہ سب وہ تھوڑی کہیں گے، اگر یہ سب وہ کہہ دیں تو مبدأ و معاد سب ہی کا اقرار نہ ہو جائے پھر اختلاف ہی کیا رہ جائے؟

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

''اور اُنہوں نے اُس کا ایک جز اُس کے بندوں میں سے قرار دیا، یقیناً انسان بڑا کھلا ہوا ناشکرا ہے''۔

[1] فلم نضرب عنهم صفحا لاستهزائهم برسلهم بل كرّرنا الحجيج واعدنا الرسل (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

”جز“ سے مراد یہاں اولاد ہے۔[1] اوراس لفظ کے اطلاق میں نفی ولد کی دلیل عقلی کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نا قابل تقسیم ہے لہٰذا اُس کے اولاد جو اُس کے ایک جز کی حیثیت رکھتی ہے، کیوں کر ہوسکتی ہے؟

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾

”کیا اُس نے اُن چیزوں میں سے جنہیں اُس نے پیدا کیا ہے، اپنے لئے بیٹیاں قرار دی ہیں اور تمہیں بیٹیوں سے نوازا ہے؟ اور اُن میں سے جب کسی کو خوش خبری دی جاتی ہے اُس کی جسے وہ خدا کے لئے وصف قرار دیتا ہے تو اُس کے چہرے کا رنگ اُڑ جاتا ہے اور وہ رنج وغم سے سناٹے میں ہو جاتا ہے، یا وہ جسے گہنے پہنا کر پالا جاتا ہے اور وہ بحث میں قوت گویائی سے خالی ہے“؟

اللہ کے لئے نفی اولاد کی دلیل

خداوند عالم تو ہر قسم کی اولاد سے بری ہے مگر اس میں مشرکین کی ذہنیت کے اس مضحکہ خیز پہلو کا اظہار ہے کہ وہ جسے اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، اُسے خاص طور پر اللہ کے لئے وصف قرار دیتے ہیں یعنی ان کے یہاں بیٹیاں ہوں تو بری مگر خدا کے لئے وہ اسے صحیح سمجھتے ہیں کہ فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں۔ دوسری جگہ اس ذہنیت کی دوسرے طریقے سے رد کی گئی ہے یہاں اُس کی رکاکت کے ایک پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔

آخری جملہ چونکہ اُن کی غلط ذہنیت کے بیان سے متصل ہے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ اُس میں اُنہی کے تصور یا اُس وقت کے معاشرے کا اظہار ہو، اس لئے اُس کی کوئی لازوال حیثیت نہ مانی جائے۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾

”اور اُنہوں نے فرشتوں کو جو اللہ کے بندے ہیں، عورت قرار دے دیا ہے، کیا وہ اُن کی پیدائش کے وقت موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی قلم بند رہے گی اور اُن سے جواب طلبی ہوگی“۔

ملائکہ کے صنف اناث میں ہونے کی رد

یہ اُن کی رد کا تیسرا رخ ہے پہلے تو دلیل عقلی کی طرف اشارہ ہوا تھا کہ اولاد اپنے ماں باپ کا ایک جز ہوتی ہے تو ان کا اللہ کے لئے اولاد کو

---

[1] اولاد را (شاہ ولی اللہ) ایک جز یعنی اولاد (شاہ رفیع الدین) لانّ الولد جزء الوالد (جلالین) قالت قریش ان الملئکة هم بنات الله (علی بن ابراهیم)

www.kitabmart.in

تجویز کرنا، اُس کے لئے اجزاء کو ثابت کرنا ہے جو ناممکن ہے یہ دلیل بیٹے اور بیٹی کی تفریق کے بغیر ہر قسم کی اولاد کی نفی کے لئے ہے۔

دوسرا رخ یہ تھا کہ ان کی یہ عجیب بات ہے کہ اپنے لئے لڑکی کو برا سمجھتے ہیں مگر خدا کے لئے لڑکیاں تجویز کرتے ہیں۔

اب تیسری بات یہ ہے کہ قطع نظر اللہ کی طرف انتساب کے خود اپنی جگہ فرشتوں کو اُنہوں نے صنف اناث میں کیوں کر سمجھ لیا ہے؟ یہ بھی ایک طرح کا بہتان اور اس لئے جرم ہے جس کی ان سے جواب طلبی ہوگی۔

لطف یہ ہے کہ جس طرح کی طبع زاد بات اُن مشرکین کی تھی، اُس کی رد کرتے ہوئے بالکل ویسی ہی بات شاہ عبدالقادر نے لکھ دی ہے فرماتے ہیں: ''یہ جو فرمایا کہ بندے رحمان کے ہیں یعنی بیٹیاں نہیں، ورنہ معلوم ہے کہ فرشتے، اگر چہ نہ مرد نہ عورت۔ پر بولی مردانی بولتے ہیں''۔(موضح القرآن)

اس پر وہی قرآنی سوال عائد ہوتا ہے کہ کیا وہ فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود تھے؟

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۟ؕ﴿۲۰﴾

''اور انہوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے، اُنہیں اس کے متعلق کوئی علم نہیں، وہ بس اٹکل پچو بات کرتے ہیں''۔

ان کا استدلال نظامِ جبر کے تصور پر مبنی ہے خالق نے اُن کے اس قول کو جہالت کا نتیجہ قرار دیا ہے، یہ چیز کہ انسانی افعال جبر واختیار کے درمیان کی ایک منزل میں ہیں، اُن کے مبلغ کے حدود سے باہر تھی لیکن یہ تو اس آیت سے ظاہر ہی ہے کہ اُن کے اس تصور کو کہ ہمارا فعل اللہ کی مشیت پر مبنی ہے، خدا نے جہالت قرار دیا ہے مگر علمائے جمہور جنہوں نے افعال انسانی کو مخلوق الٰہی قرار دیا اور اس طرح وہ واقعی مشیت الٰہی کو انسانی عمل کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں، یہاں مشکل میں ہیں چنانچہ شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:

''یہ تو سچ ہے کہ بے چاہے خدا کے کوئی چیز نہیں، پر اُس کا بہتر ہونا نہیں نکلتا''(موضح القرآن)

حالانکہ مشرکین کے قول میں بہتر ہونے نہ ہونے کا تو ذکر ہی نہیں تھا، اُنہوں نے بس یہی کہا کہ بے خدا کے چاہے ہمارا شرک وقوع میں نہیں آسکتا تھا، اسی کو آپ فرمارہے ہیں کہ یہ سچ ہے مگر قرآن نے اُسے بے علمی کا نتیجہ کہا اور اتنا نہیں بلکہ اللہ اُنہیں اُٹکل پچو باتیں کہنے والے کہہ رہا ہے۔اب کسی کا اُن کی بات کو سچ کہنا قرآن کو معاذ اللہ غلط کہنا نہیں تو کیا ہے؟

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا

www.kitabmart.in

بِمَآ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ۝۲۴ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ۝۲۵

''کیا ہم نے اُنہیں اس کے پہلے کوئی کتاب دی تھی کہ وہ اُس سے وابستہ ہوں؟ بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر دیکھا ہے اور ہم اُنہی کے نقش قدم پر چل کے منزل تک پہنچیں گے اور اسی طرح ہم نے آپ کے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر دیکھا ہے اور ہم اُنہی کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے رہیں گے، کہئے کہ چاہے میں لا یا ہوں تمہارے پاس اُس سے جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے زیادہ صحیح چیز؟ اُنہوں نے کہا اُس پیغام کو جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو نہیں مانتے تو ہم نے اُن سے بدلا لیا تو دیکھو کہ کیسا انجام ہوا اُن جھٹلانے والوں کا''۔

ان آیات میں آباء واجداد کی تقلید کو قابل مذمت گردانا گیا ہے۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِىۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ۝۲۶ اِلَّا الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ فَاِنَّهٗ سَيَهۡدِيۡنِ۝۲۷ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِىۡ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ۝۲۸ بَلۡ مَتَّعۡتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمۡ حَتّٰى جَآءَهُمُ الۡحَـقُّ وَرَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ۝۲۹ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الۡحَـقُّ قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوۡنَ۝۳۰

''اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم والوں سے کہا کہ میں اُس سے جس کی تم عبادت کرتے ہو بے تعلق ہوں سوا اُس کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے کہ وہی مجھے منزل مقصد تک پہنچانے والا ہوگا اور اُس کو بنایا اُس نے ایسا کلمہ جو اس کی نسل میں باقی رہنے والا ہے شاید کہ وہ پھر واپس ہوں بلکہ میں نے عیش و آرام اُٹھانے کا موقع دیا اُن کے باپ دادا کو یہاں تک کہ اُن کے پاس حق آیا، اور کھلی ہوئی ہدایت کرنے والا پیغمبر تو جب اُن کے پاس حق آیا، اُنہوں نے کہا یہ جادو ہے اور ہم اُسے نہیں مانتے''۔

کلمۃ باقیہ منصب امامیت

عام طور پر مفسرین كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِىۡ عَقِبِهٖ کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ اُس نے اس کلمہ توحید کو اُن کی نسل میں باقی رکھا۔[1] لیکن ہمارے یہاں کی ایک حدیث میں کلمۃ باقیۃ کے معنی منصب امامت بتائے گئے ہیں جو نسل ابراہیمؑ میں قیامت تک باقی رہے گا۔[2]

---

[1] ای کلمۃ التوحید (جلالین) ساخت خدا تعالیٰ کلمۂ توحید (شاہ ولی اللہ)

[2] ھی الامامۃ الیٰ یوم الدّین عن ابی عبداللہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اکابر اہل سنت میں سے بعض مفسرین نے ذریت ابراہیمی کے تحت میں آل محمد علیہم السلام کا نام لیا ہے اور بعض نے صراحت کی ہے ''قیامت تک'' [1] جس کے معنی یہ ہیں کہ اس سلسلہ کی ایک فرد خاص آخر دورِ زمانہ تک باقی رہے گی۔

ہماری قدیم تفسیر میں باقی رہنے والے کلمے کا مطلب بتایا گیا ہے سلسلہ معصومینؑ اور ''پھر واپس ہوں'' یعنی اس دنیا سے اُٹھنے کے بعد اُن کی دوبارہ رجعت ہو۔ [2] جس کا ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے متواتر احادیث نے پتہ دیا ہے، بے شک اُس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ آیت اس سیاق کلام کا جز نہیں ہے جس کے ماننے میں کوئی خرابی نہیں ہے جب کہ اُس کی متعدد نظیریں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

یوں عام مفسرین ''شاید کہ وہ پھر واپس ہوں'' اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ یہ کافر جو مکہ والے ہیں، اس توحید کے سبق کو جسے بھول گئے ہیں یاد کر کے دوبارہ اس راستے پر آجائیں۔ [3]

وَقَالُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡيَتَيۡنِ عَظِيۡمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ‌ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَـتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا‌ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ ﴿۳۲﴾

''اور اُنھوں نے کہا کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اُتارا گیا؟ کیا وہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کا بٹوارا کریں گے؟ ہم نے اُن کے درمیان اِس دینوی زندگی میں اُن کے اسباب معاش تقسیم کر دیئے ہیں اور ایک کو دوسرے سے کئی کئی درجے بلندی دی ہے تاکہ ایک دوسرے کو اپنے قبضے میں لا کر کام لے اور تمہارے پروردگار کی رحمت بہتر ہے اُس مال و دولت سے جو یہ جمع کرتے ہیں''۔

اُن کا کہنا کہ ''یہ قرآن اِن دونوں بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اُتارا گیا' اس میں تمام مفسرین متفق ہیں کہ 'دونوں بستیوں'' سے مراد مکہ اور طائف ہیں کہ یہاں کے لوگ دولت مند تھے۔ [4] اور یہ محاورہ زمانہ جاہلیت سے چل رہا تھا جو آج تک جاری ہے کہ دولت مندوں کو بڑا آدمی کہا جاتا ہے۔

خالق نے اُن کی بات کا جواب دیا ہے، وہ یہ ہے کہ رسالت و نبوت کا تعلق نفس کی بلندی سے ہے، وہ ہر کس و ناکس کو نہیں مل سکتی اور یہ دینوی مال و دولت اِس دنیا میں ہر ایک کو زیادہ سے زیادہ مل سکتی ہے، یہ پیش خدا رفعت مرتبہ کا ثبوت نہیں ہے۔ نہ اس سے نبوت و رسالت کا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔

---

[1] قال السّدّی فی اٰل محمّد علیهم السلام و قال الحسن عقبه ولده الیٰ یوم القیٰمة (تبیان)
[2] یعنی لعلّهم یرجعون ای الائمّة الی الدّنیا (علی بن ابراهیم)
[3] لعلّهم اهل مکّة (جلالین) تابود که کافران رجوع کنند (شاه ولی الله)
[4] ۔القریتین مکّة والطائف (علی بن ابراهیم) یعنی یکی از متمولان مکّه و طائف (فتح الرحمن)

www.kitabmart.in

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں :۔''اللہ نے روزی دنیا کی توان کی تجویز پرنہیں بانٹی۔پیغمبری کیوں کردے ان کی تجویز پر''(موضح القرآن)
کاش اُسی اصول کو یہ حضرات پیغمبرؐ خدا کی جانشینی کے لئے بھی پیش نظر رکھیں۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

''اور اگر یہ نتیجہ نہ ہوتا کہ سب ایک ہی طرح کے ہوجائیں تو جو جو اللہ کے منکر ہیں، ہم اُن کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کردیتے اور زینے بھی جن پر وہ چڑھتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر وہ گاؤ سے لگے بیٹھے ہوتے اور طرح طرح کی آرائشیں اور یہ سب ہوتا مگر اِسی دنیا کا ساز وسامان اور آخرت تمہارے پروردگار کے یہاں پرہیز گاروں کے لئے ہے''۔

اموال دنیا کی پستی وحقارت:

یعنی دولت واسباب دنیا کی بے وقعتی تو اللہ کے نزدیک ایسی ہے کہ وہ کافروں کو زیادہ سے زیادہ یہ چیزیں عطا کردیتا اور کوئی کافر پریشان حال ہی نظر نہ آتا مگر اس میں ایک اجتماعی مضرت یہ تھی کہ پھر عامہ خلائق جو اتنے بلند نظر نہیں ہوتے کہ حق کو حق ہونے کی بنا پر اختیار کریں اندھا دھند کفر کو اس لئے اختیار کرتے کہ وہ آرام دنیا کا ضامن ہے، پھر تقریباً کوئی ایمان کے راستے پر نہ آتا اس لئے حکمت الٰہی اس کی متقاضی ہوئی کہ کبھی کبھی کفار بھی پریشان حال نظر آئیں اور اہل ایمان بھی کبھی دولت مند نظر آئیں تا کہ کفر یقینی طور پر دینوی کامیابی کا ضامن نہ سمجھا جائے اور دنیا کو پھر بھی یہ احساس رہے کہ دولت عطا کرنے والا اصل میں خداوند عالم ہے لہٰذا یہ نہیں ہے کہ اگر ایمان لے آئیں تو لازماً دولت سے محروم ہو جائیں۔

ہماری قدیم تفسیر میں حدیث معصومؑ بھی اِسی مفہوم کے مطابق ہے۔[۱] اور صدر اول کے عام مفسرین کے اقوال بھی اسی محور پر گردش کرتے ہیں۔[۲]

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ

---

[۱] قال الصّادق علیہ السلام لو فعل اللہ ذٰلك لمّا آمن احد ولٰکنّہ جعل فی المؤمنین اغنیاء وفی الکافرین فقرآء وجعل فی الکافرین اغنیآء وفی المؤمنین فقراء ثم امتحنھم بالامر والنّھی والصّبر والرضاء (علی بن ابراھیم)

[۲] ای لولا ان یجتمع الناس علی الکفر فیکونو اکلّھم کفّار اعلیٰ دین واحد لیلھم الی الدّنیا وحرصھم علیھا عن ابن عباس والحسن وقتادۃ والسّدی (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ
يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ
اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾

''اور جو خدا کی یاد سے اندھا رہتا ہے، اُس پر ہم ایک شیطان حاوی کر دیتے ہیں تو وہ اُس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور وہ اُنہیں راہ راست سے ہٹاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ صحیح راستے پر ہیں یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آتا ہے تو کہتا ہے کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا کہ کتنا برا ساتھی ہے اور اب تم لوگوں کو آج ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اس سے کہ تم سب عذاب میں شریک ہو''۔

آیت سے ظاہر ہے کہ شیطان کا سزاوں ہونا جو کنایہ ہے سلب توفیقات سے یہ یاد الٰہی سے اندھے رہنے کا نتیجہ ہے۔[1] اس لئے یہ اندھا رہنا اُس شیطان کے سبب سے نہیں ہے۔ پھر شیطان کے سزاوں ہونے کے بعد بھی یہ شخص اُس کی فرمان برداری میں مجبور محض نہیں ہے بلکہ جب اپنی قوت ارادی سے کام لے تو اُس کی مخالفت کر سکتا ہے، اس لئے وہ سزا کا مستوجب ہے اور عذاب میں وہ شیطان اور یہ آدمی دونوں شریک ہیں۔ شیطان کا شریک عذاب ہونا اِس کا ثبوت ہے کہ اُس شیطان کو اللہ نے اس پر مامور نہیں کیا تھا بلکہ سزاول کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اُس کی شیطنت میں سدراہ نہیں ہوا اور اُسے گمراہ کرنے اور اسے گمراہ ہونے دیا۔

پھر اس شرکت سے کسی کا عذاب ہلکا نہیں ہوتا کہ اس کو ایک طرح کا فائدہ سمجھا جائے۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا
نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ
مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾
وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

''تو کیا آپ بہروں کو آواز سنایئے گا یا اندھوں کو راستہ دکھایئے گا اور اُنہیں جو کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں تو اگر آپ کو ہم لے بھی جائیں تو ہم اُن سے بدلا ضرور لیں گے یا آپ ہی کو ہم دکھا دیں گے جو ہم نے اُن کو اِطلاع دی ہے اور ہم اُن کے مقابلے میں پوری قوت رکھتے ہیں تو آپ مضبوطی کے ساتھ وابستہ رہیئے اُس سے جو ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی ہے، بلاشبہ آپ سیدھے راستے پر ہیں اور یقیناً یہ اعزاز ہے آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے اور

[1] قال الحسن وهو خذلان عقوبة له على الاعراض حين علم انه لا يفلح (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

تم سب سے اُس کے متعلق پوچھا جائے گا اور آپ پوچھیے اُن پیغمبروں سے جنہیں ہم نے آپ کے پہلے بھیجا تھا کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے علاوہ کوئی خدا مقرر کیے ہیں جن کی عبادت کی جائے“

”اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ“ کا ترجمہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ ایک نصیحت ہے آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے [1] اس عام فہم مفہوم کے مطابق ہے جو قرآن مجید میں تذکرہ اور ذکریٰ کے ایسے الفاظ کا ہوا کرتا ہے لیکن دوسری تشریح جو بعض مفسرین اہلسنت نے بھی کی ہے [2] اور جسے جناب شیخ الطائفہؒ نے ترجیح دی ہے کہ علامہ طبرسیؒ کا بھی وہ مختار ہے، یہ ہے کہ ذکر کے معنی شرف کے ہیں، مطلب یہ ہے جیسا ہم نے ترجمہ کیا ہے کہ یہ آپ کے لئے اور آپ کے قوم کے لئے بڑا اعزاز ہے، آپ کے لئے اعزاز یہ کہ آپ کو ایسی کتاب عطا ہوئی ہے اور آپ کی قوم کے لئے کہ اُس کی ہدایت کا ایسا سامان کیا گیا ہے۔ [3]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىٕهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٤٦ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ۝٤٧ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝٤٨ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝٤٩ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝٥٠

”اور ہم نے موسیٰؑ کو بھیجا اپنی طرف کے معجزوں کے ساتھ فرعون اور اس کے یہاں کے عمائدین کی طرف تو اُنہوں نے کہا کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف کا بھیجا ہوا ہوں تو جب وہ اُن کے پاس آئے ہمارے معجزوں کے ساتھ تو وہ ایک دم ان پر ہنسنے لگے، اور ہم اُنہیں کوئی معجزہ نہیں دکھاتے تھے مگر یہ کہ وہ اس کے ساتھ والے دوسرے معجزے سے بڑا ہوتا تھا اور ہم نے اُنھیں اپنے عذاب کی گرفت میں لیا، شاید کہ وہ اپنے راستے سے پلٹیں اور اُنہوں نے کہا اے جادوگر! اپنے پروردگار سے دعا کر اس ذریعہ سے جو اس نے تجھے دیا ہے۔ ہم اب ہدایت قبول کریں گے تو جب ہم نے اُن سے عذاب کو دور کیا تو ایک دم وہ لوگ اپنے عہد کو توڑ دیتے تھے“

”موسیٰؑ کو فرعون اور اُس کے یہاں کے عمائدین کی طرف بھیجا“ حالانکہ وہ بھیجے گئے تھے بنی اسرائیل کو نجات دینے اور اُن کی ہدایت کے لئے مگر چونکہ وہ فرعون اور اس کے عمائدین کے زیر اقتدار تھے اور انہیں مغلوب کر کے ہی وہ نجات پا سکتے تھے اس لئے ان کا نام اس تذکرے میں

[1] پند است (شاہ ولی اللہ)

[2] لشرف لّك ولقومك (جلالین)

[3] شرف لك بما اعطاك عزّوجل من الحكمة ولقومك بما عوضيهم له من ادراك الحق به (تبیان)

www.kitabmart.in

لیا گیا۔[1] ''اُس ذریعہ سے جواُس نے تجھے دیا ہے''یعنی منتر وغیرہ جن سے تم یہ عجیب چیزیں دکھاتے ہو۔ اُنہی کو پڑھ کر دعا کرو۔ دُوسرے معنی اس کے یہ کہے گئے ہیں کہ اُس اقرار کے مطابق ہے جواُس کا تم سے وعدہ ہے کہ اگر ہم ایمان لائیں گے تو وہ عذاب کو ہم سے دور کردے گا۔[2]

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ
يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾
فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا
انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

''اورآواز بلند کی فرعون نے اپنی قوم میں، کہا اے میری قوم والو! کیا میرے قبضے میں مصر کی سلطنت نہیں ہے اور یہ نہریں میرے زیر قدم رواں ہیں تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ (خود غور کرکے سمجھو کہ) کیا میں اِس سے بہتر ہوں جو بے قدر ہے اور تقریباً اپنا مافی الضمیر ظاہر نہیں کرسکتا تو کیوں ایسا نہیں ہوا کہ اس پر سونے کے زیور اترتے یا اس کے ساتھ فرشتے اترتے جو ساتھ ساتھ رہتے، تو اُس نے یوں ورغلایا اپنی قوم کو تو اُنہوں نے اس کا کہنا مانا یقیناً وہ سب بداعمال لوگ تھے تو جب اُنہوں نے ہمیں صدمہ پہونچایا تو ہم نے اُن سے بدلہ لیا تو اُن سب کو ڈبو دیا اور اُنہیں گزری ہوئی نسل اور نمونہ عبرت بعد والوں کیلئے بنا دیا''

اُس نے جناب موسیٰؑ کیلئے جو یہ کہا کہ ''تقریباً اپنا مافی الضمیر کو ظاہر نہیں کرسکتا'' اس کے متعلق بعض علماء کا خیال ہے کہ اُن کی زبان میں جو پہلے لکنت تھی، وہی اس کے علم میں تھی، ورنہ بعثت کے بعد اُن کی اس دعا سے کہ: وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ''میری زبان کی گرہ کو کھول دے'' یہ لکنت دور ہوگئی تھی۔[3]

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ
اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ
اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

''اور جب مریمؑ کے فرزند کی مثال پیش کی گئی تو ایک دم یہ نظر آیا کہ آپ کی قوم والے اس سے روگردانی اختیار کر

---

[1] خصّ الملأ بالذ کروان کان ایضا مرسلا الی غیرھم لان من عداھم تبع لھولآء (تبیان)
[2] ھو انّہ ضمن لنا انّا اذا امنّا بك ان یکشف العذاب عنّا (مجمع البیان)
[3] انّما عیّرہ بما کان فی لسانہ قبل (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

تے ہیں اور اُنہوں نے کہا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ اُنہوں نے یہ بات نہیں کہی ہے آپ سے مگر صرف بحثا بحثی کے طور پر بلکہ وہ بڑے جھگڑالو لوگ ہیں وہ تو نہیں ہیں سوا ایک بندے کے جسے اپنی نعمت سے ہم نے نوازا اور انہیں ایک مثالی شخصیت بنایا بنی اسرائیل کے لئے"

یہ آیت بھی ایسی ہے کہ پورا مطلب اِس کا اِس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک کہ معتبر طور پر شانِ نزول سے وہ پس منظر معلوم نہ ہو کہ پیغمبر خدا کی زبان سے حضرت عیسیٰؑ کی کیا توصیف ایسی ہوئی جس پر مشرکین نے یہ سوال کیا کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ کچھ لوگوں نے اِس کا ربط اس آیت سے قرار دیا ہے جس میں خالق نے فرمایا ہے کہ ان کے معبودان باطل بھی دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے مگر اس کے ساتھ آپ نے جناب عیسیٰؑ کی مدح وثناء فرمائی تو اس پر اُنہوں نے کہا کہ آخر ہمارے معبود کیوں ایسے برے ہوگئے کہ وہ دوزخ میں ڈالے جائیں اور عیسیٰؑ نہیں جن کی ایک جماعت پرستش کررہی ہے اس پر یہ آیت اتری۔ بعض دوسرے حضرات نے اس کے علاوہ مختلف طرح نشانہ بازی کی ہے مگر اُن میں سے کوئی بات ایسی نہیں ہے جس پر وثوق کے ساتھ ذہن قائم ہوجائے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٢﴾

"اور اگر ہم چاہتے تو بجائے تمہارے فرشتے بناتے جو زمین میں متمکن ہوتے اور یقیناً وہ قیامت کی بڑی نشانی ہے تو اس میں کوئی شک نہ کرو اور میری پیروی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے اور تمہیں شیطان منحرف نہ کرے، یقیناً وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے"

"وہ قیامت کی بڑی نشانی ہے" موجودہ ترتیب قرآن کے سیاق کے لحاظ سے کچھ قبل حضرت عیسیٰؑ کا ذکر ہے تو مطلب یہ ہے کہ ان کا زمین پر اترنا آخر زمانہ میں ہوگا جس کے بعد بس قیامت ہوگی [1] اور اس صورت میں ہمارے یہاں کی ایک روایت اس کے مطابق ہے کہ وہ آیت بھی حضرت مہدی اِمام آخرالزمانؑ سے متعلق ہے۔ کیوں کہ حضرت عیسیٰؑ کا زمین پر اُترنا حضرتؑ کے ظہور کے بعد ہی ہوگا۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦٤﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ

---

[1] هو قول ابن عباس علیہ السلام و مجاهد قتادة والضحاك والسدى وابن دريد (تبيان) اى ان نزول عيسى من اشراط الساعة يعلم بها قربها (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

لِّلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ عَذَابِ يَوۡمٍ اَلِيۡمٍ ﴿۶۵﴾

''اور جب عیسیٰؑ معجزے لے کر آئے تو کہا کہ میں تمہاری طرف حکمت لے کر آیا ہوں اور یہ مقصد ہے کہ تمہارے لئے واضح کروں بعض وہ امور جن میں تم اختلاف رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو یقیناً اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے تو اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے تو مختلف جماعتوں میں آپس میں اختلاف ہو گیا تو وائے ہو ان کے لئے جو ظالم ہیں ایک بڑے دردناک دن کے عذاب سے''

حضرت عیسیٰؑ کا یہ کہنا کہ'' تمہارے لئے واضح کروں بعض وہ امور جن میں تم اختلاف رکھتے تھے'' یعنی جن کا دین میں دخل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ بعض یہاں کل کے معنی میں ہے[1] یہ میری سمجھ میں نہیں آتا اور بعض زبان عرب کے علمانے اس کا انکار کیا ہے۔[2]

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۶۶﴾ اَلۡاَخِلَّاۤءُ يَوۡمَئِذٍۢ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۶۷﴾

''کیا انتظار ہے اِن کو سوا قیامت کے وہ ان پر اچانک آ جائے اس عالم میں کہ اُنہیں خبر نہ ہو، دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوا پرہیزگاروں کے''

یعنی ایمان وتقویٰ کے رشتے سے جو دوستی ہے، بس وہ برقرار رہے گی دنیا والے رشتے وہاں سب قطع ہو جائیں گے۔

يٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۶۹﴾ اُدۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ اَنۡتُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَهَبٍ وَّاَكۡوَابٍ ۚ وَفِيۡهَا مَا تَشۡتَهِيۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَتَلَذُّ الۡاَعۡيُنُ ۚ وَاَنۡتُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلۡكَ الۡجَـنَّةُ الَّتِىۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۲﴾ لَـكُمۡ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ كَثِيۡرَةٌ مِّنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۷۳﴾

''اے میرے بندو! تم پر آج کوئی ڈر نہیں اور نہ تم افسوس کرو گے، وہ جو ایمان لائے ہماری آیتوں پر اور سر اطاعت جھکاتے رہے، جاؤ بہشت کے اندر تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش اُن پر دور چل رہے ہوں گے بڑے بڑے ساغروں اور پیالوں کے جو سونے کے ہوں گے اور وہاں اُنہیں وہ ملے گا جو اُن کے دل چاہیں اور جس سے آنکھیں

[1] قال قوم البعض یراد به ههنا الکل کانّه قال ولابیّن لکم جمیع ما تختلفون فیه وقیل المراد به من امردینکم دون امر دنیاکم (تبیان)

[2] قال الزجاج: والصحیح انّ البعض لایکون فی معنی الکل (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

لذت حاصل کریں اور تم لوگ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے اور یہ ہے وہ بہشت جس کے تم حق دار بنے ہو اُن اعمال سے جو تم کرتے تھے، تمہارے لئے اُس میں بہت طرح کے فواکہ ہیں جن میں سے تم کھاؤ گے"۔

اگر یہ پورا سلسلۂ آیات کا مقام تنزیل میں سابق والی آیت سے متصل ہے تو اُس میں اِلۡتِفَاتُ مِنَ الۡغِيۡبَةِ اِلَى الۡخِطَابِ والی صنعت ہے یعنی پہلے جو کہا گیا تھا ''جگری دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوا پرہیز گاروں کے' اب اُنہی پرہیز گاروں کی طرف روئے خطاب ہو گیا اور اُن سے کہا جا رہا ہے ''اے میرے بندو'' تا آخر مضمون آیات، اس دوران میں پھر ایک ''التفات'' ہے جس میں غیبت اور خطاب کی دورنگی ہے کہ يطاف عليهم ''اُن پر دور چل رہے ہوں گے'' یہاں ضمیر جمع غائب کی ہے اور پھر آخر میں جمع حاضر انتم فيها خالدون ''تم لوگ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے''۔

اِنَّ الۡمُجۡرِمِيۡنَ فِىۡ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنۡهُمۡ وَهُمۡ فِيۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡا هُمُ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۷۶﴾

''بلاشبہ گنہ گار لوگ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے، وہ اُن سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اُس میں مایوسی کے عالم میں دم بخود ہوں گے اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا مگر وہ خود ظلم کرنے والے تھے''۔

وَنَادَوۡا يٰمٰلِكُ لِيَقۡضِ عَلَيۡنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمۡ مّٰكِثُوۡنَ ﴿۷۷﴾

''اور اُنہوں نے آواز دی کہ اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا فیصلہ ہی کر دے، وہ کہنے لگے تم یوں رہو گے''۔

مالک یعنی وہ فرشتہ جو دوزخ کے انتظام پر مقرر ہے جیسے رضوان خازن جنّت ہیں۔

''فیصلہ کر دے'' یعنی ہم کو ایسی موت دیدے جس سے شعور احساس باطل ہو جاتا ہے۔[1]

لَقَدۡ جِئۡنٰكُمۡ بِالۡحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَكُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا اَمۡرًا فَاِنَّا مُبۡرِمُوۡنَ ﴿۷۹﴾ اَمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰىهُمۡ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴿۸۰﴾

''بلاشبہ ہم نے تمہارے سامنے حق کو پیش کر دیا ہے مگر تم میں سے زیادہ تر حق کو ناپسند کرتے ہیں کیا اُنہوں نے ایک بات طے کر لی ہے تو بلاشبہ ہم بھی طے کیے ہوئے ہیں، یا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اُن کے پوشیدہ امور اور چپکے چپکے والی باتیں نہیں سنتے کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے اُن کے پاس رہ کر لکھتے رہے ہیں''۔

''اُنہوں نے ایک بات طے کر لی ہے'' جو اُن کے کردار سے ظاہر ہے کہ وہ اس پیغام حق کو نہیں مانیں گے'' ''ہم بھی طے کیے ہوئے ہیں'' کہ اُنہیں دوزخ کی سزا دیں گے اور اُس کا طے کرنا درحقیقت عدل وحکمت کے تقاضا کو پورا کرتا ہے مگر بہ مقتضائے بلاغت سزا کو اُن کے کردار

---

[1] ای نموت (علی بن ابراهیم) ای لیمتنا حتّی نتخلّص من العذاب (تبیان)

www.kitabmart.in

کی مناسبت سے اُسی لفظ کے ساتھ یاد کیا ہے۔[1] جس کی نظیریں قرآن میں مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللهُ اور يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّ كَيْدًا (وغیرہ) کی شکل میں موجود ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾

''کہئے کہ اگر خدا کا کوئی بیٹا ہوتو میں سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہوں، بَری ہے آسمان اور زمین کا پروردگار جو عرش کا مالک ہے اس سے جو وہ وصف قرار دیتے ہیں تو اُنہیں چھوڑ و کہ بحث کرتے رہیں اور تفریح کرتے رہیں تا کہ اُن کے سامنے آئے اُن کا وہ روزِ بد جس کی اُنہیں خبر دی جارہی ہے''۔

پہلے جملے کے بہت سے معنی کہے گئے ہیں لیکن بظاہر زیادہ سمجھ میں آنے والا مفہوم یہ ہے کہ یہ ایک ناممکن مفروضے کی صورت میں اُس کے نتیجہ کا اظہار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے کوئی ضد تھوڑی ہے کہ خدا کے کوئی واقعی اولاد ہو اور میں اُسے نہ مانوں۔ اگر اُس کے اولاد ہو تو مجھے بھی اُس کی عبادت میں کیا عذر ہے؟ میں اول نمبر کا عبادت گزار ہوں گا مگر حقیقت یہ ہے کہ اُس کے لئے کوئی اولاد ہو، یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ اُس کی شانِ توحید کے خلاف ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾

''اور وہ وہ ہے جو آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے اور وہ صحیح کام کرنے والا بڑا جاننے والا ہے اور بڑی برکت والا ہے وہ جس کے لئے آسمان اور زمین اور اُن کے درمیان والی کائنات کی سلطنت ہے اور اُس کے پاس قیامت کا علم ہے اور اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور جنہیں وہ لوگ پکارتے ہیں اُسے چھوڑ کر وہ سفارش کا اختیار نہیں رکھتے مگر وہ جو سچائی کے ساتھ گواہی دے اور وہ اُسے جانتے ہوں''۔

یہ استثناء منقطع ہے معنی یہ ہیں کہ وہاں۔ ایسے لوگ جن کا بعد میں ذکر ہے، جو خدا کی مرضی سے واقف ہوتے ہیں، وہ شفاعت کا حق رکھتے ہیں۔

---

[1] یکون ذلك علی وجه الازدواج فی الکلام (تبیان)

www.kitabmart.in

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾

''اور اگر اُن سے پوچھئے کہ اُنہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ کہیں گے اللہ نے تو وہ اِدھر اُدھر کہاں بھٹکتے پھرتے ہیں؟ اکثر آپ کا کہنا رہا ہے کہ اے میرے پروردگار! یہ لوگ کسی طرح ایمان نہیں لاتے تو اُن سے چشم پوشی کیجیے اور کہیے بس خدا حافظ! کہ عنقریب اُنہیں خود معلوم ہوگا''۔

قیلہ کے لفظ میں یہ بات مانی ہوئی کہ قیل بھی قول کی طرح مصدر ہے جس کے معنی ہیں ''کہنا''، نیز یہ کہ یہ ضمیر رسولؐ کی طرف راجع ہے کہ آپ کا یہ کہنا ہے۔ اب اس کے بعد یہ واو کیسا ہے اور قیل کو اعراب میں ''زیر'' کیوں کر ہو گیا ہے؟ اس کا سمجھنا بڑا دشوار ہو گیا ہے۔

ایک خیال یہ ہے کہ کچھ پہلے جو تھا: عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ''اُس کے پاس قیامت کا علم ہے'' یہ تو عطف ہے اسی ساعہ کے لفظ پر مطلب یہ ہوا کہ اُس کے پاس قیامت کا علم ہے اور پیغمبرؐ کے اس کہنے کا۔[1] یہ خیال اگرچہ بعض قدیم علمائے تفسیر کی زبانی نقل ہوا ہے مگر اسے میرے ذہن نے بالکل قبول نہیں کیا۔

دوسرے یہ کہ واو رُب کے معنی میں بسا اوقات، اس کے مطابق بعض مترجمین نے ترجمہ کیا ہے۔[2] اور معنوی طور پر اُس کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے، اس لئے میں نے ترجمہ اُس کے موافق کیا ہے مگر اس صورت میں اس کے قبل والی آیت پر لا کا نشان جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وقف نہ کیا جائے، ملا کر پڑھا جائے صحیح معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ ان دونوں صورتوں میں بعد والی آیت کا کوئی ایسا لگاؤ قبل کی آیت سے نہیں ہے کہ یہ اُس کے مضمون کا جز ہو۔

تیسرے یہ کہ یہ واو قسم کا ہے۔[3] اس صورت میں ربط سابق کی آیت سے ہوگا اگرچہ مطلب بنانے میں پھر بھی کافی ذہنی کاوش صرف کرنا پڑتی ہے اس طرح کہ ''قسم ہے رسولؐ کے اس قول کی ----کیسی عجیب ہے ان لوگوں کی فریب خوردگی کہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا اور ان کے معبودوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور پھر خالق کو چھوڑ کر مخلوق ہی کی عبادت پر اصرار کرتے ہیں'' (تفہیم القرآن)

میرے خیال میں اس مفہوم کو اختیار کرنا اس صورت میں ناگزیر ہے جب کہ بیچ والے ''لا'' کے نشان کو تعبدی طور پر یقینی حیثیت سے قبول کرنا لازم سمجھا جائے۔

---

[1] قال ابو علی عطف علی قوله: وعنده علم الغیب و علم قیله (مجمع البیان)

[2] بسامی گوید پیغامبر (شاہ ولی اللہ) بہت کہا کرتا ہے پیغمبر (رفیع الدین)

[3] اس کے قول کی قسم ہے (موضح القرآن)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُالدُّخَانِ

مکّیہ----۵۹----آیات

اس سورے میں "دخان مبین" کے لفظ کے ساتھ بطور عذاب الٰہی جو ایک دھویں یا قحط سالی کا ذکر ہے، اُس پر اس سورے کا نام ہوا۔

سورۂ دخان کے خاص خاص مضامین:

۱۔قرآن کا ایک خاص بابرکت رات میں نازل ہونا۔

۲۔اس رات میں خاص حکیمانہ فیصلوں کا ہونا جس کی بنا پر اس کا نام "شب قدر" ہوا۔

۳۔تنبیہی عذاب کے بعد صحیح راستے پر آنے کا وعدہ اور اُس کی مخالفت کے نتیجہ میں مختتم عذاب۔

۴۔فرعون اور اُس کی قوم کا رویہ اور اُن کا انجام۔

۵۔فرعون والوں کی بداعمالی کا اظہار اس طرح کہ اُن پر آسمان اور زمین نے گریہ نہیں کیا جو اس کی دلیل ہے کہ خدا کے مقرب بندے دنیا سے اُٹھیں تو مستحق گریہ ہیں۔

۶۔حیات بعد موت کے منکروں کا غلط مطالبہ اور اُس کا جواب۔

۷۔آخری فیصلہ قیامت میں۔

۸۔دوزخ کے آب وغذا کا ہولناک تذکرہ۔

۹۔بہشت کی مختلف نعمتوں کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے"

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ﴿۳﴾ فِیۡہَا
یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ۙ﴿۴﴾ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ۚ﴿۵﴾ رَحۡمَۃً مِّنۡ
رَّبِّکَ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۙ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا ۘ اِنۡ
کُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِیۡنَ ﴿۷﴾ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ؕ رَبُّکُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ

www.kitabmart.in

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾

''حا۔میم۔قسم اس کھلی ہوئی کتاب کی۔ہم نے اس کو اتارا ہے ایک مبارک رات میں یقیناً ہم عذاب سے ڈرانے والے رہے ہیں، اُس میں فیصلہ ہوتا ہے ہر حکیمانہ بات کا جو ہماری طرف کی بات ہوتی ہے، بلاشبہ ہم تھے بھیجنے والے تمہارے پروردگار کی رحمت کے طور پر، یقیناً وہ سننے والا ہے، بڑا جاننے والا، پروردگار آسمان اور زمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کا اگر تم یقین کیے ہوئے ہو، کوئی خدا نہیں سوا اُس کے وہ زندہ کرتا ہے اور وہ مارتا ہے تمہارا پروردگار اور تمہارے پہلے والے باپ دادوں کا پروردگار مگر وہ ایک شک وشبہ میں مبتلا، تفریح اور مذاق میں لگے ہوئے ہیں''۔

قرآن کا ایک خاص بابرکت رات میں نازل ہونا

''مبارک رات'' یعنی ''شب قدر'' جو ماہ رمضان میں ہوتی ہے، اُس میں قرآن کے اُتارے جانے کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقام پر ہے اور جیسا کہ ہم نے ''مقدمہ تفسیر'' میں لکھا ہے، یہ تنزیل اول پورے قرآن کی بحیثیت مجموعی ہے جو لوح محفوظ سے بیت معمور کی طرف ہوئی ہے اور وہاں سے پھر تدریجی طور پر وقتاً فوقتاً پیغمبر خداؐ پر تیئس برس میں یعنی بعثت سے تا آخر عمر اترتا رہا ہے۔[1]

اس کے علاوہ بھی علامہ طبرسیؒ نے اس سلسلے میں کئی قول نقل کیے ہیں جن میں سے کسی کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔''اس میں فیصلہ ہوتا ہے ہر حکیمانہ بات کا'' اس لئے اس کا نام ''شب قدر'' ہوا ہے اس علم کلام کے ایک مسئلے کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور وہ بداء ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تقدیرات الٰہیہ میں اکثر صورتوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔جیسے کسی کی عمر کم تھی اور صدقہ وخیرات سے اس کی عمر میں اضافہ ہوگیا کسی کی عمر میں ایسی ہی کسی وجہ سے کمی ہوگئی۔اہل سنت اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ تقدیرات سب ازلی ہیں یعنی ازل میں ہر بات طے ہوگئی ہے۔اب ان میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

شب قدر میں خاص حکیمانہ فیصلوں کا صادر ہونا اور حقیقت زار کی قطعی دلیل

اس محل پر اصل مسئلہ بداء پر کوئی بحث مدنظر نہیں ہے مگر زیرنظر آیت کے مفہوم کی حد تک ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر تبدیلی نہیں ہوتی تو ہر شب قدر میں بنصّ قرآن جو فیصلے ہوتے ہیں، وہ کیا ہو سکتے ہیں؟ ان فیصلوں کا ہونا ثبوتِ بداء کی قطعی دلیل ہے۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ
جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا

---

[1] هي ليلة القدر انزل الله القرآن فيها الى البيت المعمور جملة واحدة ثم نزل من البيت المعمور على رسول الله صلى الله عليه وآله في طول عشرين سنة (علي بن ابراهيم)

www.kitabmart.in

الْعَذَابِ قَلِيلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

''تو منتظر رہیے اس دن کے جب آسمان سے نمایاں طور پر ایک دھواں آئے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ ایک بڑی دردناک سزا ہے۔ اے ہمارے پروردگار اس عذاب کو ہم سے دور فرما، ہم یقیناً ایمان لائیں گے، انہیں نصیحت کہاں سے حاصل ہوگی، حالانکہ ان کے پاس صاف صاف ہدایت کرنے والا ایک پیغمبر آیا، پھر بھی انہوں نے اس سے روگردانی کی اور کہا سکھایا ہوا ایک دیوانہ ہے۔ یقیناً ہم خود اس عذاب کو ہٹا دیں گے، یقیناً پھر یہی کرو گے جس دن ہم سب سے بڑا اہلا بول دیں گے، بلا شبہ ہم پورا بدلا لے لیں گے۔''

یہ دھواں جس کا ان آیات میں ذکر ہے اور جس پر اس سورے کا نام ہوا ہے، بعض کے نزدیک قیامت میں ہوگا، [1] مگر پھر یہ جملہ کیسا ہے کہ ''ہم ذرا اس عذاب کو ہٹائیں گے یقیناً تم پھر یہی کرو گے'' اس لئے کہ قیامت کے عذاب سے نہ کسی آہ وزاری سے تخفیف کا امکان ہے، اور نہ اس کے بعد پھر کوئی دور ہے جس میں وہ پھر یہی کریں گے۔ خصوصاً جب کہ اس کے بعد البطشۃ الکبرٰی کا ذکر ہے جس کا ترجمہ ''بڑے گرفت'' کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ہم نے اس لفظ کی شدت کے اظہار کے لئے اس کو ناکافی سمجھتے ہوئے ترجمہ کیا 'سب سے بڑا اہلا'' قیامت کے بعد وہ ''گرفت'' یا 'ہلا'' کون ہوسکتا ہے؟۔ ایک تفسیری روایت جو صحابہ میں سے عبداللہ بن مسعود کی زبانی وارد ہوئی ہے، یہ ہے کہ مشرکین کی آنکھیں کھولنے کے لئے رسول خدا نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی :اللّٰھم سنین کسنین یوسف ''خداوندا ویسی قحط سالی ہوجائے جیسی یوسف کے زمانے میں ہوئی تھی'' اس کی بنا پر خالق نے اس تنبیہی عذاب کی اطلاع دی جس میں کیفیت یہ ہوگئی کہ نظروں کے سامنے دھواں چھایا ہوا رہتا تھا [2] لیکن تاریخ میں ہمیں قبل بعثت کی قحط سالیوں کے کچھ حال تو ملتے ہیں، بعد بعثت کی اس قحط سالی کے حالات کچھ نظر نہیں آتے۔ ہماری قدیم تفسیر (علی بن ابراہیم قمی) اسے قیامت سے پہلے دور رجعت سے متعلق قرار دیتی ہے جس میں رجعت کے ماننے والوں کے لئے کوئی وجہ انکار نہیں ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾

''اور ہم نے آزمائش کی ان کے پہلے فرعون کی قوم کی اور ان کے پاس آیا ایک معزز پیغمبر کہ میرے سپرد کرو اللہ کے بندوں کو، میں تمہارے لئے ایک امانت دار پیغمبر ہوں اور یہ کہ اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو، یقیناً میں تمہارے

---

[1] قیامت میں یہ دھواں گھیرے گا (موضح القرآن)

[2] قحط انداخت تا از شدّت جوع یا از کثرت انجرہ چوں دودی محسوس می شود (فتح الرحمن)

www.kitabmart.in

سامنے لا رہا ہوں ایک کھلی ہوئی دلیل اور میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار سے مانگتا ہوں پناہ اس سے کہ تم مجھے پتھروں کا نشانہ بناؤ اور اگر تم میری بات پر یقین نہیں کرتے تو مجھ سے کنارہ کشی اختیار کرلو"

یعنی تشدد نہ کرو اور جارحیت سے کام نہ لو۔[1]

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾

"تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ "یہ بڑے مجرم لوگ ہیں" (اچھا) تو تم میرے بندوں کو لے کر رات کو نکلو، یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا اور تم دریا کو اس حالت میں کہ وہ خشک ہوگیا ہوگا چھوڑ دو، بے شک وہ لشکر غرق ہونے والا ہے، کتنے ہی انہوں نے چھوڑے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور بڑے عمدہ مقامات اور اسی طرح کے آرام و آرائش کے سامان جن میں وہ بڑے خوش خوش رہ رہے تھے اور ہم نے ان چیزوں کا مالک بنایا دوسری قوم کو تو نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ انہیں مہلت مل سکی"

ان آیتوں میں جن واقعات کا ذکر ہے، ان کی تفصیل قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر موجود ہے۔ آخری جملہ فرعون کی بداعمالی کے اظہار میں بطور کنایہ ارشاد ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص کردار کے لحاظ سے اللہ کے یہاں بلند مرتبہ رکھتا، ہو، وہ مستحق گریہ ہے اور اس پر آسمان بھی روئے گا اور زمین بھی چنانچہ جلالین نے بھی اس کے تحت میں لکھا ہے:

بخلاف المؤمنین یبکی علیھم بموتھم مصلّاھم من الارض و مصعد عملھم من السّماء.

برخلاف مومنین کے کہ ان کے دنیا سے اٹھنے پر زمین کے وہ قطعات بھی روئے ہیں جن پر وہ نمازیں پڑھتے تھے اور آسمان کے وہ حصے بھی جہاں سے اُن کے اعمال بلند ہوتے تھے۔ شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں۔ "حدیث میں فرمایا کہ مسلمان کے مرنے پر روتا ہے دروازہ آسمان کا جس سے اس کی روزی اُترتی اور زمین جہاں وہ نماز پڑھتا ہے" (موضح القرآن) خاص ظہور اس کا حدیث اور تاریخ کے لحاظ سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ہوا کہ آپ پر آسمان اور زمین دونوں نے گریہ کیا جس کا اس آیت کے ذیل میں قدیم اہل تفسیر نے بھی ذکر کیا ہے۔[2] اور آپ کے ساتھ حدیث میں جناب یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا نام بھی ہے۔[3]

---

[1] فاترکونی لا معی ولا علیّ (مجمع البیان)

[2] قال السدی لمّا قتل الحسین علیه السلام بکت السّمآء علیه (بتیان)

[3] قال او مابکّت السّماء والارض الّا علیٰ یحیحیٰ بن ذکریّا و الحسین بن علی علیہ السلام (علی بن ابرهیم) روی ذوارة بن اعین عن ابی عبدالله قال بکّت السماء یحیٰ بن ذکریا والحسین بن علی اربعین صباحا (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو نجات دی ذلت آمیز عذاب سے جو فرعون کی طرف سے تھا، یقیناً وہ سرکش تھا ظلم و تعدی کرنے والوں میں سے اور ہم نے پوری واقفیت کے ساتھ انہیں تمام دنیا کے مقابلے میں ترجیح دی اور ہم نے انہیں وہ قدرت کی نشانیاں دکھلائیں جن میں کھلی ہوئی آزمائش تھی''

یہ ترجیح جس کا بنی اسرائیل کے لئے اعلان ہوا ہے اسی دور زمانہ سے مخصوص تھی [1] اس لئے کہ اُمت محمد یہ کو بلاشبہ ان پر خالق نے فوقیت دی، اس کے علاوہ یہ ترجیح کچھ باتوں کے لحاظ سے ہے جیسے خدا کے پیش نظر انبیاء کا قرب الٰہی ان کی کثرت کو دیکھتے ہوئے۔ [2]

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

''بلاشبہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہے مگر پہلی ہی دفعہ کا مرنا اور ہم دوبارہ جلائے جائیں گے (اچھا) تو لاؤ ہمارے باپ داداؤں کو اگر تم سچے ہو، کیا وہ (مادی طاقت کے اعتبار سے) بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو ان سے پہلے تھے؟ ہم نے ان کا ستیاناس کر دیا، یقیناً وہ گنہ گار لوگ تھے''

حیات بعد الموت کا ذکر سن کر جو آخرت میں ہوگا ان کا یہ کہنا کہ اگر تم لوگ سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لاؤ، دھاندلی کے سوا کچھ نہ تھا، اس لئے کہ وہ زندہ کرنا بطور سیر و تفریح نہیں ہے۔ وہ تو جزا و سزا کے لئے دور زمانہ کے اختتام پر ہے، اس وقت ان کی فرمائشوں کی بنا پر ان کے باپ داداؤں کو زندہ کیوں کیا جائے؟ چونکہ یہ ان کا سوال بالکل ہی جہالت پر مبنی تھا اور اتفاق سے ان کا کہنے والا ابوجہل ہی بتایا گیا ہے۔ [3] اس لئے اس کے جواب میں پہلے گزشتہ سرکش قوموں کا انجام یاد دلا کر انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے کہ تم بھی ویسے ہی عذاب کے مستحق ہو جیسا ان قوموں پر عذاب آیا۔ [4]

---

[1] قال قتادة و مجاهد على عالمي زمانهم (بتیان)

[2] فضّلنا هم بالتورٰته و كثرة الانبيآء منهم (مجمع البيان)

[3] هذا القول جهل من ابي جهل (مجمع البيان)

[4] من تجاهل فى الحجاج الّذى يجرى مجرى الشعب... فانّه ينبغي ان يعدل عن مقابلة ___ ولذٰلك عدل تعالىٰ معهم الىٰ هٰذا الوعد الشّديد (تبيان)

www.kitabmart.in

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾

''اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمان اور زمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو بے کار، تفریحی طور پر ہم نے اُنہیں پیدا کیا مگر حق بجانب طور پر لیکن ان میں کے زیادہ لوگ علم نہیں رکھتے، یقیناً فیصلے کا دن ان سب کا مقرر شدہ وقت ہے، جس دن کوئی دوست کسی دوست کو فائدہ نہ پہونچا سکے گا اور نہ ان کی مدد ہوگی، مگر جس کے شامل حال اللہ کی رحمت ہو یقیناً اللہ زبردست ہے، بڑا رحم وکرم والا''

یہاں پر ترتیب آیات کو مطابق تنزیل مانتے ہوئے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ گزشتہ ابوجہل کے مطالبے کا اصل جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شروع سے آخر تک اللہ کا کوئی کام بطور کھیل اور تفریح کے نہیں ہوتا۔ نہ اس نے پہلے بلا وجہ بطور تفریح کے کائنات کو خلق کیا تھا، نہ دوبارہ مردوں کو زندہ کرنا بطور تفریح ہوگا۔ پہلی دفعہ خلق کرنا بھی بامقصد تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ اس مقصد سے بے خبر ہیں اور دوبارہ زندہ کرنا بھی بامقصد ہوگا جس میں اعمال کی پاداش کا فیصلہ سامنے لایا جائے گا۔ یوم الفصل کے لفظ سے ظاہر ہے۔ اس فیصلے کے دن میں کوئی دوست کسی دوست کو فائدہ نہ پہونچا سکے گا یعنی وہ جن کی دوستی دنیوی رشتے سے ہو لیکن جو محبت بحکم الٰہی ہو، اس سے کیوں فائدہ نہ پہونچے گا۔[۱] یا جو شفاعت کے ذریعے سے باذن خدا تعالیٰ فائدہ پہنچائیں۔[۲]

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

''یقیناً زقوم کا درخت گنہ گار کی غذا ہے، پگھلے ہوئے تانبے کی طرح شکموں میں جوش کھائے گا کھولتے ہوئے پانی کے جوش کی طرح ''پکڑو اسے'' پھر لے چلو اس کو بیچوں بیچ دوزخ میں، پھر اس کے سر پر گرم پانی ڈالو، چکھ تو تو بڑا عزت والا ہے، بڑے مرتبے والا۔ یقیناً یہ وہ ہے جس میں تم لوگ شک وشبہ کرتے تھے''

آخری فقرہ جو کافر سے تخاطب میں ہے کہ تو تو بڑا عزت والا ہے، بڑے مرتبے والا، یہ طنز ہے اس کے غلط تصورات پر جو دنیا میں تھے،

---

[۱] من والی غیر اولیاء اللہ لا یغنی بعضھم عن بعض (علی بن ابراھیم)

[۲] لا ینافی ماتذھب الیہ من اثبات الشفاعۃ للنبی ﷺ والائمۃ والمومنین لان الشفاعۃ لا تحصل الا باذن اللہ تعالیٰ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

ورنہ حقیقتاً عزت اور بزرگی اہل ایمان سے مخصوص ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾ كَذٰلِكَ ۣ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾

''بلاشبہ پرہیز گار لوگ امن وسکون کی جگہ پر ہوں گے، بہشتوں اور چشموں میں، پہنیں گے سندس اور استبرق کے کپڑے، آمنے سامنے بیٹھے ہوئے اسی صورت سے اوران کی شادی کردیں گے ہم بڑی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ، وہ منگواتے وہاں طرح طرح کے پھل امن واطمینان کے ساتھ۔ نہیں چکھیں گے ان میں ذائقہ موت کا سوا پہلے والی موت کے اوراس نے بچایا انہیں دوزخ کے عذاب سے فضل وکرم کی بنا پر جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے''۔

''پہلی موت کے سوا وہ وہاں موت کا مزہ نہ چکھیں گے'' یہ اس طرح کا استثناء نہیں ہے جس سے اس نفی کی عمومیت کو صدمہ پہونچے اور مطلب یہ ہو کہ بس ایک موت ہے جو ابھی آنا ہے بلکہ یہ اصطلاحی طور پر استثنائے منقطع کہلاتا ہے جس کا مطلب یہاں یہ ہوتا ہے کہ جو موت آنا تھی وہ بس پہلے آچکی اب کسی موت سے انہیں دو چار ہونا نہیں ہے۔[1]

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

''تو ہم نے اس کو آپ کی زبان پر بالکل آسان قرار دیا ہے، شاید وہ نصیحت قبول کریں، اچھا تو انتظار کیجئے یقیناً وہ بھی انتظار میں ہیں''۔

یعنی انجام ان کے کفر کا آپ کے سامنے بھی آئے گا اوران کے بھی سامنے آنا ہے۔ اگر چہ وہ اس کا تصور نہیں رکھتے تو انتظار کیا کریں گے مگر سامنے ان کے اسی طرح آنا ہے جس طرح کسی منتظر کے سامنے آئے جب کہ وہ اپنے کردار سے اس کا سامان کیے ہوئے ہیں۔ اس لئے مجازاً یوں کہا گیا ہے کہ وہ بھی منتظر ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ آپ منتظر رہیے ان کی تباہی وبربادی کے جو ہو کر رہے گی اپنے خیال خام میں آس لگائے ہیں آپ کے لئے روز بد کی جو آنے والا نہیں ہے۔

---

[1] تقدیرہ: ولکن الموتۃ الاولی قدذاقرھا (تبیان)

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ الجَاثِیَۃِ

مکّیہ ۔۔۔۔۔ ۳۷ ۔۔۔۔ آیات

اس سورے کے درمیان میں ’’جاثیۃ‘‘ کا لفظ ہے (وتری کل امۃ جاثیۃ) بس اُس پر اس سورے کا نام ہوگیا۔

سورۂ جاثیہ کے خاص خاص مضامین:

۱۔ قدرت کی نشانیوں میں آسمان، زمین، زمین میں چلنے پھرنے والی مخلوق، شب و روز کی ادل بدل آسمان سے اُترنے والی روزی یعنی بارانِ رحمت جس سے روزی پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ بے توجہی اختیار کرنے والوں، انکار کرنے والوں اور مذاق اڑانے والوں کی تنبیہ و تہدید۔

۳۔ مسلمانوں کو ہدایت کہ وہ منکروں کی طرف توجہ نہ کریں۔

۴۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا کی طرف سے ایک قانون کا پابند بنایا گیا ہے یعنی شریعت من جانب اللہ ہے، رسول کا کام بھی اتباع ہے ابتداع یعنی ایجاد نہیں۔

۵۔ کیا بداعمال لوگ انجام میں خوش اعمال لوگوں کے برابر رکھے جائیں؟

۶۔ انکار آخرت کرنے والے دہریوں کی رد۔

۷۔ نامۂ اعمال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

’’سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے‘‘

حٰمٓ ۝۱ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ۝۲ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ
لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝۳ وَفِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَمَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۝۴
وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ
الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ۝۵ تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ
نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ۝۶

www.kitabmart.in

''حا،میم۔اس کتاب کا اُتار اجانا ہے اللہ کی طرف سے جو عزت والا حکمت والا ہے، یقیناً آسمان اور زمین میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لئے اور تمہاری تخلیق میں اور جو وہ پھیلاتا ہے چلنے پھرنے والی مخلوق، نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین کریں اور رات دن کی آمدورفت اور اس میں جو اللہ نے آسمان سے روزی اُتاری تو اس سے زمین کو زندہ کردیا اس کے بے جان ہونے کے بعد اور ہواؤں کی گردش میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیں، یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کے سامنے حق کے ساتھ پیش کرتے ہیں تو اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر وہ ایمان لائیں گے''؟

متعدد سوروں کے آغاز میں کتاب کے اُتارے جانے کی نسبت عزت وحکمت والے اللہ کی طرف کتاب کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے کہ دیکھو یہ کتاب کس کی طرف سے ہے اور چونکہ یہ پہلو بہت اہم ہے، اس لئے اسے باربار دہرایا گیا ہے اور یہ تکرار جان بلاغت ہوتی ہے۔
علامہ طبرسیؒ نے اس تکرار کی مثال میں اسے پیش کیا ہے کہ بندہ دعائیں کرتا ہے تو ہر دعا کے شروع میں اللّٰھم، اللّٰھم کہتا ہے۔اس کے اظہار کے لئے ہے کہ جس سے وہ کہہ رہا ہے، وہ کتنی عظیم ذات ہے۔[1]

وَيۡلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍۙ ﴿۷﴾ يَّسۡمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتۡلٰى عَلَيۡهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ
لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا ۚ فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۸﴾ وَاِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰيٰتِنَا شَيۡـئَا ۨاتَّخَذَهَا
هُزُوًا ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۹﴾ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ
مَّا كَسَبُوۡا شَيۡـئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ
عَظِيۡمٌ ﴿۱۰﴾ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ
اَلِيۡمٌ ﴿۱۱﴾

''وائے ہو ہر گنہ گار جھوٹے کے لئے جو سنتا ہے آیات الٰہی کو کہ وہ اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں، پھر وہ تکبر سے کام لیتا ہوا ہٹ دھرمی کرتا ہے جیسے کہ انہیں اس نے سنا ہی نہیں تو اسے خوش خبری دیجیے دردناک عذاب کی اور جب ہماری نشانیوں میں سے کسی کا اسے علم ہوتا ہے تو اسے مذاق کا ذریعہ بنالیتا ہے۔ یہ وہ ہیں کہ ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

اُن کے آگے دوزخ ہے اور جو کچھ انہوں نے کمایا ہے، وہ انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچائے گا اور نہ وہ جو انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر حوالی موالی بنائے ہیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ یہ ایک ہدایت ہے اور وہ جو اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، ان کے لئے دردناک قسم کا عذاب ہے

[1] یقول القائل اللّٰھم اغفر لی اللّٰھم ارحمنی اللّٰھمّ عافنی اللّٰھم واتبع لی فی رزقی فیاتی بما یوذن ان تعظیمہ لربّہ ضعف بکلّ ما یدعو بہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

؎ ''ہماری نشانیوں میں سے کسی کا علم ہوتا ہے'' یہ الفاظ عمومیت رکھتے ہیں، خواہ مشاہدہ کے ذریعے سے علم ہو کہ خود اس کی آنکھوں کے سامنے وہ معجزہ آیا یا اس کا تذکرہ اس کے گوش زد ہوا، بہرحال وہ اسے مذاق کا ذریعہ بنا لیتا ہے لیکن ایک تفسیر یہ ہے کہ علم کے معنی یہاں مشاہدے ہی کے ہیں۔[1]

اَللّٰهُ الَّذِىۡ سَخَّرَ لَـكُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِىَ الۡـفُلۡكُ فِيۡهِ بِاَمۡرِهٖ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝١٢ وَسَخَّرَ لَـكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مِّنۡهُ‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝١٣

''اللہ وہ ہے جس نے تمہارے قبضے میں کیا ہے دریا کو تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں رواں ہوں اور تا کہ تم اس کے فضل و کرم سے جو کچھ ملے حاصل کرلو اور شاید تم شکرگزار ہو اور تمہارے قبضے میں کیا اس نے وہ جو آسمانوں میں ہے اور وہ جو زمین میں ہے، یہ سب اس کی طرف سے ہے، یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان کے لئے جو غور وفکر سے کام لیں''

کشتیوں کے دریا میں چلنے کے ساتھ یہ کہ ''اس کے فضل وکرم سے جو ملے اسے حاصل کرو'' اس بنا پر ہے کہ اس زمانے میں دریاؤں کے سفر عموماً تجارت کے لئے ہوتے تھے۔ سخر لکم کا لفظ متعدد جگہ قرآن مجید میں ہے جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ اس نے یہ چیزیں تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیں لیکن اس کا اصل مفہوم وہی ہے جو ہم نے ترجمہ کیا ہے ''تمہارے قبضے میں کیا ہے'' اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ چیزیں ہمارے ارادے کی پابند ہوں۔ اب یہ ہمارے علم واقتدار کی کوتاہی ہے کہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يَغۡفِرُوۡا لِلَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجۡزِىَ قَوۡمًۢا بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۝١٤ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًـا فَلِنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا‌ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ ۝١٥

''کہئے ان سے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ بخشتے رہیں انھیں جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی تا کہ وہ بدلا دے کسی بھی قوم کو ان اُعمال کا جو وہ کرتے رہے تھے، جو نیک کام کرے گا وہ اپنے فائدے کے لئے اور جو برائی کرے گا تو وہ اپنا نقصان کرے گا، پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف پلٹنا ہوگا۔

''بخشنے'' کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ انہیں معاف کردیں، ورنہ آئندہ کے بدلے کا کیوں ہوتا؟ بلکہ انہیں نظرانداز کریں یا یں معنی کہ ان کے بے ہودہ باتوں کا سختی کے ساتھ جواب نہ دیں اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان کے لئے خالق سے بددعا بھی نہ کریں جیسا کہ ہماری قدیم تفسیر میں ہے۔[2] ''اللہ کے دن'' یعنی وہ دن جن میں اس کی طرف کے کچھ کارنامے انجام پائیں خواہ اس کے بندگان خاص کے ہاتھوں جیسے انبیاء اور

---

[1] یعنی ازرائی فوضع العلم مکان للرؤیة (علی بن ابراھیم)

[2] یقول لاتدعوا علی ائمّة اعودحتی یکون اللّٰہ الّذی یعاقبھم (علی بن ابراھیم)

www.kitabmart.in

ائمہ دین جن کے واقعات اب ماضی بن چکے ہیں، اس لئے ان کی یاد تازہ کرنے کا حکم ہے **(وذکر ھم بایام اللہ)** اور خواہ خالق کے ارادہ خاص سے بعد میں وقوع پذیر ہونے والے ہوں جیسے کارگاہ حساب وکتاب، حشر ونشر وغیرہ یہ مستقبل کی چیزیں ہیں، ان سے متعلق ہے امید اور اس کے موافق سامان فراہم کرنا اور ان ایّا مِ الٰہی کی امید نہ رکھنے والے وہ ہیں جو آئندہ کی زندگی کا تصور ہی نہیں رکھتے اور آخرت کے قائل ہی نہیں۔

غور کیا جائے تو امام منتظرؑ کے ظہور کا عہد بھی ایام الٰہی کی ایک نمایاں مثال ہے۔ اس لئے ان امید نہ رکھنے والوں میں وہ بھی آتے ہیں جو اس کے منکر ہیں بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔" وہ بدلا دے کسی بھی قوم کو اس کا جو وہ کرتے ہیں' اس کے دونوں رخ ہیں، ان منکروں کو سزا بھی وہی دینے والا ہے اور ان صبر کرنے والوں کو اور چشم پوشی کرنے والوں کو جزا بھی۔[1] جیسا کہ بعد والی آیت میں دونوں پہلو نمایاں ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٧﴾

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی اور اُنہیں پاک غذاؤں سے رزق عطا کیا اور اُنہیں تمام دنیا جہاں سے زیادہ عطا کیا اور اُنہیں کھلے ہوئے دلائل دین کے عطا کیے تو اُنہوں نے باہم اختلاف نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ اُن کے پاس علم آچکا آپس کے ظلم وتعدی کی وجہ سے یقیناً تمہارا پروردگار فیصلہ کرے گا اُن کے درمیان قیامت کے دن اُس میں کہ جو وہ باہم اختلاف رکھتے تھے"۔

بنی اسرائیل کے لئے فضلنا کا لفظ قرآن میں متعدد مقامات پر آیا ہے اور ہم نے ہر جگہ اُس کی تشریح کی ہے کہ اس کے معنی کثرت عطایا بعض باتوں میں ترجیح کے ہیں، نہ کہ بحیثیت مرتبہٗ بلندی جو کہ اپنے معصوم رہنماؤں کی بدولت جو افضل خلائق تھے، بلاشبہ اُمت محمدیہ کے لئے حاصل ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩﴾ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٢٠﴾

"پھر ہم نے آپ کو ایک واضح راستے پر دین کے قرار دیا ہے تو اس کی پیروی کیجئے اور اُن کے غلط خیالات کی پیروی

---

[1] يحتمل معنيين ...احدهما يجاز يهم يعنين الكفّار...الثاني ....ليجز يهم الله يعني المؤمنين ويعظم اجرهم على حتما لهم وصبرهم (تبيان)

www.kitabmart.in

نہ کیجئے جو علم نہیں رکھتے۔ وہ اللہ کے مقابلے میں آپ کو کچھ فائدہ ہرگز نہیں پہنچا ئیں گے اور یقیناً ظالم لوگ ایک دوسرے کے پشت پناہ ہوجاتے ہیں اور اللہ پشت پناہ ہوتا ہے پرہیزگاروں کا۔ یہ بصیرتوں کا سرمایہ ہے لوگوں کے لئے اور ہدایت اور رحمت اُن کے لئے جو یقین کریں''۔

یہ راستہ جس پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قائم تھے اور اُسی کے مبلغ تھے، کچھ اصول ہیں جن سے ماننے کا تعلق ہے، یہ ''اصولِ دین'' کہلاتے ہیں اور کچھ عملی احکام ہیں جن کا مجموعہ اسی قرآنی لفظ یعنی ''شریعت'' ہی کے نام سے موسوم ہے۔ اس جگہ جو لفظ شریعۃ ہے، وہ ان دنوں پر حاوی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ ان میں سے کوئی بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضع کردہ نہیں ہے بلکہ خالق کی طرف سے مقرر ہے جس کی تبلیغ اور تعلیم پر آپ مامور ہیں، اس لئے میں نے اُسے اُس عشرے کے بیانات کا سرنامہ قرار دیا تھا جس سے متعلق مجموعہ 'پرسنل لا ناقابل تبدیل' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَہُمۡ کَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡیَاہُمۡ وَ مَمَاتُہُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَ لِتُجۡزٰی کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾

''کیا سمجھتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے جرائم کا ارتکاب کیا ہے کہ ہم اُنہیں قرار دیں مثل اُن کی جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور اچھے اعمال کرتے رہے، یکساں ہو اُن کی زندگی اور اُن کی موت؟ کتنا بُرا ہے یہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں۔ اور اللہ نے آسمان اور زمین کو حق بجانب طور پر پیدا کیا''۔

بداعمال لوگ خوش اعمال لوگوں کے برابر نہیں

سَوَآءً مَّحۡیَاہُمۡ وَ مَمَاتُہُمۡ، اُس کے معنی ایک یہ کہے گئے ہیں کہ ان کافروں کی زندگی اور موت یکساں ہے یعنی اُن کی زندگی بے سود ہونے میں مثل موت ہے۔[1] یہ بات بجائے خود تو درست ہے مگر اس کا قبل کے کلام سے بظاہر کوئی ربط نہیں ہے۔ پھر اس صورت میں سَوَآءً مَّحۡیَاہُمۡ وَ مَمَاتُہُمۡ ہونا چاہیے کہ یہ خود مبتدا اور خبر پر مشتمل ایک مستقل جملہ ہو مگر یہاں سواءً نصب یعنی دو زبر کے ساتھ ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ نجعلھم کے تحت میں بطور مفعول ہے اس طرح جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ یہ قبل ہی کے فقرے کا تتمہ ہے یعنی کیا بداعمال لوگوں کو ہم مثل صاحب ایمان اور نیک اعمال لوگوں کے قرار دیں کہ ان سب کی زندگی اور موت یکساں ہو؟ یہ مفہوم بالکل درست ہے اور اس سے عدولی کرنے کی کوئی وجہ نہیں چنانچہ علامہ طبرسیؒ کا بظاہر مختار یہی ہے۔[2]

فرماں بردار اور نافرمان کو برابر قرار دینا، فرماں بردار پر ایک طرح کا ظلم ہے اور خدا ہر طرح کے ظلم سے بری ہے۔

---

[1] اخبر علی الکفّار و قال سوآء محیاھم و مماتھم ــــــ لآن الحیّ متی لم یفعل الطّاعات فھو بمنزلۃ المیّت (تبیان)
[2] ای یستوی محیا القبلیتین و مماتھم یعنی احسبوا ان حیوتھم و مماتھم کحیوۃ المومنین و موتھم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

''تو کیا دیکھا آپ نے اُسے کہ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا یا ہے اور اللہ نے علم کی بنا پر اُسے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور اُس کے کان اور اُس کے دل پر مہر لگا دی اور اُس کی نگاہ پر پردہ ڈال دیا ہے تو اللہ کے بعد کون اُس کی ہدایت کرسکتا ہے تو کیوں تم سمجھانے کا اثر نہیں لیتے''۔

خواہش نفس کو خدا بنانا اُس کا ارادی فعل ہے اور علم الٰہی بحیثیت ایک واقعہ کے اُس سے متعلق ہے۔ وہ اُس کا سبب نہیں ہے اور بعد کی باتیں سب اس علم پر مبنی ہیں لہٰذا اُن سے جبر کا ثبوت نہیں نکلتا۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

''اور اُنہوں نے کہا کہ نہیں ہے سوا اس دینوی زندگی کے، یہی مرنا ہے، یہی جینا ہے اور ہمیں ہلاک نہیں کرے گا مگر یہی دورِ زمانہ حالانکہ اُنہیں اس کا کوئی علم نہیں ہے، نہیں رکھتے وہ مگر ایک وہم وگمان''۔

اس میں جن کافروں کے قول کا ذکر ہے، وہ اسلام کے دونوں بنیادی اصول مبدأ اور معاد یعنی خالق اور آخرت دونوں کے منکر ہیں اور اُن کے انکار کا سرمایہ اُس وقت بھی اور ڈیڑھ ہزار برس گزرنے کے بعد آج بھی لاعلمی کے سوا کچھ نہیں ہے جسے وہ ایک علمی فیصلے کی صورت سے پیش کرتے ہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾

''اور جب اُن کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں کھُلی ہوئی صاف تو ان کی دلیل کچھ نہیں ہوتی سوا اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ داداؤں کو لاؤ اگر تم سچے ہو، کہئے کہ اللہ تمہیں زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، پھر تمہیں یکجا کرے گا قیامت کے دن جس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے اور اللہ کے لئے سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور جس دن قیامت برپا ہوگی، اُس دن گھاٹا اٹھائیں گے باطل پرست لوگ''۔

اُن لوگوں کی یہ جہالت کہ ہمارے باپ داداؤں کو زندہ کرکے لاؤ، جس کی نسبت خاص طور پر ابوجہل کی طرف ملتی ہے، پہلے بیان ہو چکی

ہے اور وہاں بھی اُس کا جواب تقریباً یہی دیا گیا تھا کہ یہ زندہ کرنا اور مارنا تفریحی طور پر نہیں ہوتا۔ یہ اللہ کی طرف کے نظامِ حکمت کا ایک عمل ہے جو جزا و سزا کی ضرورت کی بنا پر ہوتا ہے لہٰذا بلاوجہ تمہارے باپ دادا کیوں زندہ کیے جائیں؟ پھر رسولؐ کی زبانی اس قول میں یہاں یہ پہلو بھی محسوس ہوتا ہے کہ یہ میرا کام نہیں ہے، یہ زندہ کرنا اور مارنا اور پھر زندہ کرنا اللہ کا کام ہے جو تمہاری خواہشوں کا پابند نہیں ہے۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۹

''اور ہر قوم کو دیکھو گے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے۔ ہر قوم کو دعوت دی جائے گی اُس کے نامہ اعمال کی طرف، آج تمہیں بدلا مل رہا ہے اُس کا جو تم کرتے تھے۔ یہ ہماری طرف کا نوشتہ ہے جو تمہارے خلاف سچائی کے ساتھ بول رہا ہے، ہم لکھتے رہتے تھے اُسے جو تم کرتے تھے''۔

''کتاب'' کی زیادہ ذہن میں آنے والی واضح تشریح یہی ہے کہ اُس سے نامہ اعمال مراد ہے جس کے موافق ہم نے ترجمہ کیا ہے ''نامہ اعمال کی طرف دعوت دی جائے گی'' یعنی اُس نامہ عمل کے مطابق جو اُس کی قسمت کا فیصلہ ہوگا، اُس کا اُسے پابند بنایا جائے گا۔[۱] بعد والی آیت کا مضمون اسی تفسیر سے مطابقت رکھتا ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد وہ کتاب سماوی ہے جو اُس کے لئے اُتاری گئی تھی۔[۲] اور کتاب تفسیر یہ ہے کہ کتاب سے مراد وہ فرائض ہیں جو اُن پر عائد تھے[۳] مگر یہاں قیامت کا ذکر ہو رہا ہے، کتاب سماوی یا فرائض کی طرف دعوت تو دارِ تکلیف سے متعلق تھی، نہ کہ قیامت کے دن سے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۳۰ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۱ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝۳۲

''تو وہ جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور نیک اعمال کرتے رہے اُنہیں اُن کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے

---

[۱] قیل معناہ الی کتابھا الّذی کان یستغسخ لھا ویثبت فیھا اعمالھا (تبیان)
[۲] قیل الی کتابھا المنزّل علی رسولھا (مجمع الالبیان)
[۳] الی ما یجب علیھم من اعمالھم (علی بن ابراھیم)

www.kitabmart.in

گا، یہی ہے کھلی ہوئی کامیابی اور رہ گئے وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا تو کیا میری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی نہیں جاتی تھیں تو تم نے غرور سے کام لیا اور تم گنہ گار لوگ تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ بلا شبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ ہم نہیں رکھتے مگر تھوڑا سا گمان اور ہمیں یقین نہیں ہے''۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٣٤﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٧﴾

''اور وہ اُن کے سامنے آئیں برائیاں اُس کی جو اُنہوں نے کیا تھا اور گھیر لیا اُنہیں اُس نے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے اور کہا گیا کہ آج ہم تمہیں بھلاوے میں ڈالتے ہیں جس طرح تم نے بھلایا تھا اپنے اس دن کے سامنے آنے کو اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارے کوئی مددگار نہیں ہیں، اس لئے کہ تم نے آیات الٰہی کا مذاق اڑایا اور تمہیں دنیوی زندگی نے فریب میں مبتلا کیا تو اب آج وہ یہاں سے نکل نہیں سکتے اور نہ اُن سے رضاجوئی کا مطالبہ ہوسکتا ہے تو شکر ہے اللہ کا جو مالک ہے آسمانوں کا اور مالک ہے زمین کا، مالک تمام جہانوں کا اور اسی کے لئے بزرگی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی عزت والا ہے، بالکل صحیح کام کرنے والا''۔

''اُن کے سامنے آئیں برائیاں'' یعنی وہ برائیاں معلوم تو دنیا میں بھی تھیں مگر اب آخرت میں اُن کے نتائج مشاہدے کی صورت میں آنکھوں کے سامنے آگئے۔ ''یہ کہا گیا'' اس کے لئے ضروری نہیں کہ لفظ کہا جائے بلکہ عملاً یہی ثابت ہورہا ہے تو وہ سب سے بڑا کہنا ہے۔ دنیا میں وہ بھلائے رہے غفلت سے اور آج اُس کی پاداش میں اُنہیں بھلایا جارہا ہے یعنی اُن کی آہ و ویلا پر کوئی توجہ نہیں کی جاتی اور نظر رحمت مبذول نہیں ہوتی بربنائے عدل و حکمت لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ''نہ اُن سے رضاجوئی کا مطالبہ ہوسکتا ہے'' یعنی اب دور تکلیف گزر چکا ہے اور اب اس کا امکان نہیں کہ وہ توبہ و انابت کرکے اور اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی پیدا کرکے اللہ کی رضا حاصل کرسکیں۔[1] یہ دامنِ انسانیت کے لئے اُن کے انتہائی بُرے داغ ہونے کا ثبوت ہے کہ اُن کے انجام کی تباہی و بربادی پر حمد و شکر الٰہی ادا ہورہا ہے۔

---

[1] ای لا یطلب منهم العتبیٰ والاعتذار لانّ التکلیف قد زال (تبیان و مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ الۡاَحۡقَافِ

مکیّہ ۔۔۔۔ ۳۵ ۔۔۔۔ آیات

قبیلہ عاد اور اس کے پیغمبر جناب ہود علیہ السلام کا ذکر تو قرآن مجید میں بکثرت سوروں میں ہے اور ایک سورہ بھی انکے نام پر ہے لیکن ان کے محل قیام کی نوعیت کے لحاظ سے اس سورے میں ان کا تعارف احقاف کی نسبت کے ساتھ کرایا گیا ہے جس کے معنی ریگ کے ٹیلوں کے ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کے سوروں میں بنیادی مقصد تعلیم ہے، اس لیے مطلب کے ذہن نشین کرنے کے لیے ایک ہی تذکرہ لفظ بدل بدل کر بہت سوروں میں کیا گیا ہے چنانچہ اس سورے میں بھی حسب ذیل مضامین ہیں جو بلاشبہ دوسرے سوروں میں اکثر موجود ہیں جیسے:

سورۂ احقاف کے خاص خاص مضامین

۱......کائنات بے کار پیدا نہیں ہوئی ہے، نہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

۲......اللہ کے سوا کسی دوسرے کے آثار قدرت تم دکھا نہیں سکتے۔

۳......تمہارے معبود قیامت میں تمہارے کام نہیں آئیں گے۔

۴......رسول کوئی انوکھا پیغام لے کر نہیں آئے ہیں، نہ اپنی طرف سے کچھ کہتے ہیں۔

۵......راہ حق میں ثابت قدم رہنے کی تعریف۔

۶......والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم اور ماں کے حق پر خصوصی توجہ دہانی۔

۷......حمل اور دودھ بڑھائی کی مجموعی مدّت جو ایک دوسری آیت قرآنی کے ساتھ مل کر ایک خاص حکم فقہی کی بنیاد ہے۔

۸......جنّات کے ایک گروہ کا آیات قرآنی سننے پر تاثر اور پھر اس کی تبلیغی کارگزاری۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا' بڑا مہربان ہے''

حٰمٓ ۝۱ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ۝۲ مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا مُعۡرِضُوۡنَ ۝

www.kitabmart.in

''حا،میم۔اس کتاب کا اتارا جانا ہے اللہ کی طرف سے جو غالب ہے، صحیح کام کرنے والا۔ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو مگر حق بجانب طور پر اور ایک مقررہ مدت تک کے لیے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا، ان تنبیہوں سے جو انہیں کی جاتی ہیں روگردانی کرنے والے ہیں''۔

''حق بجانب طور پر''یعنی نہ تو بے کار و بے مقصد اور غلط طور پر [۱] اور ''یعنی قیامت سے پہلے تک کے لیے۔[۲]

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴

''کہیے کیا تم نے غور کیا ہے جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو، مجھے دکھلاؤ انہوں نے زمین کی چیزوں میں سے کیا پیدا کیا ہے یا ان آسمانوں میں کوئی شرکت ہے؟ یا کوئی علمی روایت اگر تم سچے ہو'' یعنی پہلے کی کسی کتاب میں دکھادو یا پہلے کے کسی صاحب علم کا بیان ہی پیش کردو جس میں بتایا گیا ہو کہ اللہ کے سوا کسی نے کائنات کی کسی چیز کو پیدا کیا ہے۔[۳]

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝۵ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۶

''اور کون اس سے زیادہ گمراہ ہوگا کہ جو اللہ کو چھوڑ کر اسے پکارے جو قیامت تک اس کی آواز پر لبیک نہیں کہے گا اور وہ ان کی عبادت سے بے خبر ہیں اور جب لوگ محشر میں جمع ہوں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پوجا پاٹ سے منکر ہوں گے''۔

پکارنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا سمجھ کر اُس کی دُہائی دے [۴] جیسا کہ مشرکین معبودانِ باطل سے فریاد کرتے ہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ هٰذَا

---

[۱]۔لم نخلقها عبثا ولا سدى (تنبیان)

[۲]۔اجل مسمّی یعنی یوم القیامة (مجمع البیان)

[۳]۔بقية من علم يوثر عن الاولين (جلالين)

[۴]۔یوجّه عبادته (تنبیان)

www.kitabmart.in

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧

''اورجب اُن کے سامنے ہماری کھلی ہوئی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کافر لوگ حق کے لیے کہتے ہیں، جب وہ ان کے پاس آیا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے''۔کافروں کا جادو کہنا قرآن میں بہت جگہ آیا ہے جو ان کے اس احساس کا ترجمان ہے کہ وہ غیر معمولی چیز یعنی ''خارق عادت'' ضرور ہے''۔

یہ درحقیقت اس کے معجزہ ہونے کا ایک طرح اقرار ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْــــًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝٨

''کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے جھوٹ گڑھ لیا ہے تو کہیے کہ اگر میں نے اسے جھوٹ گڑھا ہے تو تم اللہ کے مقابلے میں میرے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے، وہ خوب جانتا ہے جو تم چرچے کرتے ہو، وہ کافی ہے بحیثیت گواہ کے میرے اور تمہارے درمیان۔ وہ بڑا بخشنے والا ہے مہربان''۔

یہاں ان کے جواب میں جو کہا گیا ہے، وہ درحقیقت ''معجزہ'' کی حقانیت پر اہم عقلی دلیل کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کی طرف نسبت دے کر اگر غلط دعویٰ کیا جائے تو یقیناً اللہ کو اس کا علم ہوگا لہٰذا وہ اسے باطل کر یگا، اب اگر وہ ایسا نہ کرے تو سمجھنا چاہئے کہ دعویٰ سچا ہے اور اس کے ثبوت میں جو پیش کیا گیا ہے۔، وہ حقیقت میں معجزہ ہے اس دلیل عقلی پر ہمارے ''مقدمہ تفسیر'' میں بسیط تبصرہ موجود ہے۔'' کافی ہے بحیثیت گواہ ''یعنی اس کی طرف سے ثابت ہوجائے گا کہ دعویٰ سچّا ہے یا جھوٹا[1] رہ گیا یہ کہ وہ تمہیں پھر اس کو جھٹلانے کی سزا کیوں نہیں دیتا؟ تو یہ اس لیے ہے کہ وہ تمہیں موقع دیتا ہے کہ شاید اب تم اپنے انکار سے باز آجاؤ تو وہ معاف کردے کیونکہ وہ ''غفور الرحیم'' ہے۔[2]

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٩

''کہیے کہ میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا نہیں ہوں اور مجھے نہیں خبر کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ میں تو نہیں پیروی کرتا مگر اُس کی جو میری طرف وحی ہوتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر صاف صاف ڈرانے والا''

''انوکھا نہیں'' یعنی میری تعلیم اصولی طور پر کوئی نہیں بلکہ بنیادی طور پر وہی تعلیم ہے جو ہمیشہ انبیاء و مرسلین دیتے چلے آئے یا صرف یہ مقصود ہو کہ پہلے پہل مجھ ہی کو رسالت نہیں ملی ہے بلکہ پہلے بھی انبیاء و مرسلین آتے رہے ہیں۔ زیادہ تر مفسرین یہی مفہوم قرار دیتے ہیں۔[3]

---

[1]۔یشھد منّا و المبطل (تبیان)

[2]۔لا یعجل بالعقوبۃ قال الزجاج ھذا دعاء لھم الی التوبۃ (مجمع البیان)

[3]۔قال ابن عباس و مجاھد و قتادۃ معناہ ما کنت باول رسول بعث (تبیان) قد سبق مثلی قبلی کثیر فکیف تکذّبونی (جلالین)

www.kitabmart.in

''اور مجھے نہیں خبر'' یعنی ذاتی طور پر بغیر اللہ کی طرف سے علم ملے ہوئے ''میرے ساتھ کیا جائیگا اور تمہارے ساتھ''۔ اس میں بظاہر کہنا یہ ہے کہ میں نہیں سمجھ سکتا تم پر کیا عذاب نازل ہوگا؟ مگر ان کے ساتھ اپنے کو شریک کر دینا کہ ''میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ'' یہ ایک کھلا ہوا اندازِ رواداری ہی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠﴾

''کہیے کہ کیا تم نے غور کیا ہے؟ اگر وہ اللہ کی طرف سے ہوا اور تم نے اس کے ساتھ کفر اختیار کیا حالاں کہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے ایسے ہی پیغمبر کے آنے کی گواہی دی ہے تو وہ تو ایمان لایا اور تم نے سرکشی سے کام لیا ہے بلاشبہ اللہ ظالم لوگوں کو منزل مقصود تک پہنچایا نہیں کرتا''

''کیا تم نے غور کیا ہے اگر ایسا ہوا'' اس کا مطلب بظاہر اس طرح کا استدلال ہے جو امامؑ نے ایک منکر خدا سے کہا تھا کہ اگر خدا نہ ہوا تو ہم اور تم برابر یعنی اقرار خدا سے ہمیں کوئی نقصان تو پہنچے گا نہیں اور اگر خدا ہوا اور تم اس کا انکار کر رہے ہو تو تم اپنے انجام پر غور کرو۔[۱]

بنی اسرائیل کے گواہ سے مراد سابق زمانے کے پیغمبر موسیٰؑ و عیسیٰؑ بھی ہو سکتے ہیں لیکن مفسرین اہل سنت اس سے مراد لیتے ہیں وہ یہودی مثلاً عبداللہ بن سلام جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا اس کی رد میں کہا گیا ہے کہ یہ سورہ مکّیہ ہے اور ابن سلام نے مدینہ میں اسلام قبول کیا ہے۔[۲] اس کے علاوہ میرے ذہن میں ایک یہ پہلو ہے کہ اب تو پیغمبر خدا ذاتاً موجود تھے تو جو ایمان لاتے تھے وہ آپ کی شخصیت پر لہٰذا گواہی کے ساتھ علیہ کا لفظ ہونا چاہئے علٰی مثلہ سے ظاہر ہوتا ہے جو گواہی تھی وہ اوصاف کے ساتھ تھی جو آپ پر منطبق ہیں۔ یہ انبیائے ماسلف کی گواہیاں ہو سکتی ہیں۔ پھر یہ کہ مدینہ میں یہودیوں کے علاوہ جو تھے، وہ انصار تھے، یہ بیچارے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے، اسی بنا پر تو آپؐ کی ہجرت ہوئی اور وہ انصار کہلائے تو پھر ان سے کس طرح کہا جاتا کہ وہ ایمان لائے اور تم نے سرکشی سے کام لیا۔ اس لیے قوت پہلے قول کو معلوم ہوتی ہے کہ اس سے انبیائے بنی اسرائیل مراد ہیں مگر اس سے'' کچھ ذہن میں خلش محسوس ہوتی ہے شَاهِدٌ کی تنکیر وحدت سے جس سے معنی ہوئے ''ایک گواہ بنی اسرائیل میں سے'' حالانکہ گواہی دینے والے انبیائے بنی اسرائیل تو بہت ہیں اور خصوصیت کے ساتھ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ مراد ہوں تو وہ بھی دو (۲) ہیں نہ کہ ایک اور وہ بھی جیسے غیر معروف کوئی اسرائیلی۔ یہ الفاظ انبیا کی گواہی پر کچھ کھپتے نہیں اس لیے کیوں یہ سمجھا جائے کہ عبداللہ بن سلام نہیں جو مدینے میں اسلام لایا، کوئی یہودی یا عیسائی جس کا نام ہمیں نہیں معلوم، اس نے مکّہ میں اسلام اختیار کیا تھا اور قرآن اس کی گواہی اور ایمان اختیار کرنے کو مشرکین کے سامنے پیش کر کے ان کی قبائلی عصبیت کی بنا پر جیسے غیرت دلا رہا ہے کہ دیکھو ایک دوسری نسبی شاخ بنی اسرائیل کے آدمی نے تو گواہی دی اور ایمان اختیار کیا اور تم جو رسول خداؐ کے ہم جدی یعنی بنی اسماعیل میں سے ہو سرکشی سے کام لے رہے ہو!۔

---

[۱]۔ اخبرونی ماذا حالکم جواب الشرط بما عطف علیہ الستم الظالمین دلّ علیہ: ان اللہ لا یہدی القوم الظالمین (جلالین)

[۲]۔ قال مسروق الشاھد من بنی اسرائیل ھو موسیٰ ﷺ قال لان السورۃ مکیۃ ابن سلام اسلم بالمدینۃ (تبیان)

www.kitabmart.in

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾

''اور کہا انہوں نے جو کافر ہیں انکے لیے جو ایمان لائے ہیں کہ اگر یہ کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ ہم پر اس میں سبقت نہ کرتے اور جب انہوں نے اس سے صحیح راستہ نہ پایا تو وہ یہ بھی کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے'' یہ اُن کی عجیب وغریب منطق تھی کہ وہ اپنے کو معیارِ حق اور دوسروں کو معیار باطل قرار دے رہے تھے کہ اگر یہ صحیح راستہ ہوتا تو یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ دوسرے اس میں آگے بڑھ جائیں اور ہم اس میں پیچھے رہیں حالانکہ حق خود نا قابل تبدیل معیار ہے۔دوسروں نے اگر اس کے اختیار کرنے میں سبقت کی تو یہ ان کے خوش نصیب ہونے کی دلیل ہے اور یہ اگر اس کے اختیار کرنے میں پیچھے رہے تو یہ ان کی بدنصیبی کی دلیل ہے۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾

''اور اس کے پہلے موسیٰ کی کتاب پیش رو بن کر آئی تھی اور رحمت اور یہ ایک تصدیق کرنے والی کتاب ہے عربی زبان میں تاکہ متنبّہ کرے انہیں جو ظالم ہیں اور خوش خبری نیک اعمال لوگوں کے لیے''۔

اس کے پہلے کی کتاب یعنی توریت کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ ان مشرکین کا اس قرآن کو نہ ماننا کوئی نئی بات نہیں ہے۔اس کے پہلے انہوں نے توریت کو کب مانا؟[1] اور توریت کو ''پیش رو'' اس لیے کہا گیا ہے کہ کتب سماوی میں جو چار ہیں، وہ سب سے مقدم ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

''بلاشبہ وہ جنہوں نے کہا کہ ہمارا مالک اللہ ہے، پھر اس اقرار پر برقرار رہے، انہیں کوئی ڈر نہیں ہے اور نہ انہیں افسوس ہوگا۔ یہ بہشت والے ہیں، اس میں ہمیشہ رہنے والے، صلے میں اس کے جو وہ کرتے تھے''۔

ایمان پر برقرار رہنے کا اجر

یہ تعریف ان کی جو حق پر قائم رہتے تھے اور باطل کے سامنے سر نہیں جھکاتے، دوسری لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے بیعت یزید سے انکار پر قائم رہتے ہیں۔دنیا والے اُنہیں ''ضدی'' کہتے ہیں اور اپنی بات پر قائم رہنے کی تعبیر یوں کرتے ہیں کہ ''ضد سے کام لیا'' مگر قرآن اس کی تعریف کر رہا ہے اور ان کے کردار کو مثالی حیثیت سے پیش کر رہا ہے۔ ''خوف'' سے جس کی نفی ہوئی ہے دنیا کے مصائب کا ڈر مراد نہیں ہے یہ ڈر تو

---

[1] ۔فی الکلام محذوف یتمّ بہ المعنیٰ تقدیرہ فلم یہتدوبہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

خاصان خدا کے لیے انواع ابتلاء میں سے ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ.

اور ضرور ہم تمہاری آزمائش کریں گے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ: ڈر، بھوک اور مال، جان اور پھلوں کا نقصان۔ (البقرۃ۔۱۵۵)

پھر جب اس آیت میں انواع ابتلا میں سب سے پہلے خوف کا ذکر ہے تو اس کی نفی کیوں کر ہوسکتی ہے بلکہ ڈر سے مراد انجام کی نا کامی کا ڈر ہے اور آخرت کے مواخذے کا اور رنج وہاں کے ہولناک مناظر کو دیکھ کر۔[1] اس کے علاوہ یہ رنج جسکی اُن سے نفی ہوتی ہے، اپنے کئے ہوئے پر پچھتاوا بھی ہوسکتا ہے یعنی یہ افسوس کہ ہم نے ایسا کیوں کیا؟ نہ غم ورنج جو نقصان جان ومال اور عزیزوں کے داغ اٹھانے کا لازمی نتیجہ ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور ہم نے انسان کو ہدایت کی ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی۔ اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا زحمت کے ساتھ اور اسے جنم بھی دیا زحمت کے ساتھ اور اس کے پیٹ میں رہنے اور دودھ سے چھوٹنے کی مدت تیس (۳۰) مہینے ہوئی، یہاں تک کہ جب وہ جوان ہوا اور چالیس (۴۰) برس تک پہنچا تو اس نے کہا اے میرے پرودگار! مجھے توفیق عطا کر کہ میں شکر ادا کروں تیرے اس احسان کا جو تونے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا اور یہ کہ میں نیک کام کروں اور میرے لیے میری اولاد میں نیکی قائم رکھ۔ میں تجھ سے لو لگائے ہوں اور میں سر تسلیم خم کیے ہوئے ہوں، یہ وہ ہیں کہ ہم قبول کریں گے اُن سے بہترین اعمال جو انہوں نے کئے ہوں اور ان کی غلطیوں سے درگزر کریں گے، جنّت والوں میں۔ یہ سچا وعدہ ہے جو برابر سے ہوتا رہا تھا"۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ماں کے حق پر خصوصی توجہ دہانی

حمل اور دودھ سے چھوٹنے کی مجموعی مدت چونکہ یہاں تیس (۳۰) مہینے بتائی گئی ہے اور دوسری جگہ قرآن میں رضاعت یعنی دودھ پلانے کی مدت: حولین کاملین "دوسال پورے" بتائی گئی ہے۔(۳۰) مہینے سے دو(۲) سال نکالنے کے بعد چھ (۶) مہینے بچتے ہیں جس سے

[1]۔ لا خوف علیھم من العقاب فی الآخرۃ ولا یحزنون من اھوال القیامۃ (تبیان)

www.kitabmart.in

علماء نے یہ استنباط کیا ہے کہ کم از کم مدت حمل از روئے قرآن چھ مہینے ہے۔[1] یہ تو مفہوم آیت ہے جو عام ہے اور اس سے یہ حکم شرعی ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی بچہ شادی ہونے کے بعد چھ (۶) مہینے گزرنے پر پیدا ہو تو اسے حلال سمجھا جائے گا اور وہ اسی باپ کی اولاد سمجھا جائے گا جس سے اس عورت کی شادی ہوئی۔ یہ ہے مفہوم کی وسعت کا نتیجہ مگر چونکہ واقعات کی دنیا میں مذہبی تاریخ میں یہ آیا ہے کہ یہ بات اولین حضرت یحییٰؑ کے لیے تھی کہ وہ ماں کے پیٹ میں بس چھ (۶) مہینے رہے اور اس امت میں یہ چیز حضرت امام حسینؑ کے لیے ہوئی کہ آپ بطن مادر میں چھ (۶) مہینے رہے، اس لیے بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ یہ آیت امام حسینؑ کی شان میں اتری ہے[2] اور یہ بھی ایک روایت ہے اُن آیات میں سے جن سے ان کی آنکھیں کھلنا چاہئیں جو ائمہ معصومینؑ کے بحیثیت انسان تذکرہ پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ وہ دیکھیں کہ قرآن ان حضرات کا تذکرہ انسان ہی کہہ کر کرتا ہے۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَکَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور وہ جس نے اپنے ماں باپ سے کہا ”افوہ! میں تم دونوں سے عاجز آگیا، کیا تم مجھے امید دلاتے ہو کہ میں (پھر اٹھا قبر سے) نکالا جاؤں گا حالانکہ کتنی ہی نسلیں میرے پہلے گزر چکی ہیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے رہے، ارے وائے ہو تجھ پر ایمان لے آ۔ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے تو وہ یہی کہتا رہا کہ یہ نہیں ہے مگر پرانے قصّے۔ یہ وہ ہیں جن پر عذاب کا فیصلہ نافذ ہو چکا ہے ان قوموں کے ضمن میں جو آدمیوں اور جنّات میں سے اُس کے پہلے گزر چکی ہیں۔ بلاشبہ وہ لوگ گھاٹے میں تھے اور ہر ایک کو جو انہوں نے عمل کیے ہیں۔ اسی لحاظ سے درجے حاصل ہوتے ہیں اور یہ اس لیے کہ اُنہیں اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلا مل جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا“۔

شان نزول جو مستند طریقے سے وارد نہیں ہوئی، صرف ایک نقل قول کی حیثیت کی رکھتی ہے، اس محل پر عبدالرحمان بن ابوبکر کا نام آیا ہے اور کتب تاریخ میں ملتا ہے کہ جب عبدالرحمان بن ابوبکر نے بیعت یزید سے انکار کیا تو امیر شام نے کہا کہ اس شخص کے بارے میں تو یہ آیت قرآن اتری ہے۔[3] اس پر جناب عائشہ نے انکار کیا اور بتایا کہ نہیں، یہ آیت دوسرے شخص کے بارے میں آئی ہے، ان کے لیے نہیں رہے۔ بہرحال

---

[1]۔ اکثر مدۃ الرضاع اربعۃ وعشرون شھراً واقلّ مدۃ الحمل ستتہ اشھر (تبیان)

[2]۔ کان الحسینؑ فی بطن امہ ستتہ اشھرو فصالہ اربعۃ وعشرون شھر اوھو قول اللہ :وحملہ و فصالہ ثلاثون شھراً (علی ابن ابراھیم)

[3]۔ قیل انّ الاٰیۃ نزلت فی عبدالرحمٰن بن ابی بکر (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

آیت کا مضمون کسی خاص نام سے وابستہ نہیں ہے۔ جو کوئی بھی ایسا ہو، اُس کے لیے یہ باتیں ہیں جن کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾

''اور جس دن کافر لوگ آگ کے سامنے لائے جائیں گے، تم نے اپنی سب دولتیں اپنی دنیاوی زندگی میں ختم کردیں اور ان سے فائدہ اٹھایا۔ اب آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا ملے گی اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق سرکشی سے کام لیتے تھے اور اس لیے کہ تم بداعمالی میں مبتلاء تھے''۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾

''اور یاد کرو عاد کی برادری والے کو جب انہوں نے اپنی قوم کو احقاف میں متنبہ کیا اور بہت سے متنبہ کرنے والے ان کے آگے اور پیچھے گزر چکے ہیں کہ عبادت نہ کرو کسی کی سوائے اللہ کے۔ میں تمہارے لیے ڈرتا ہوں ایک بڑے دن کے عذاب سے''

احقاف اُس خطے کا نام تھا جو قبیلہ عاد کا مسکن تھا، چونکہ احقاف ریت کے ٹیلوں کو کہتے ہیں اور وہاں بڑے بڑے ٹیلے تھے، اس لیے اس کا نام ''احقاف'' ہوا۔ اس کے محل وقوع کے بارے میں قدیم مفسرین کے درمیان بہت اختلاف ہے ان اقوال کو شیخ الطائفہ نے تبیان میں درج فرمایا ہے اور عاد کی برادری والے سے مراد جناب ہودؑ ہیں جو اسی قوم سے تھے اور اس کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ''بہت سے پیغمبر ان کے آگے اور پیچھے گزر چکے ہیں'' اس سے جناب ہودؑ کا دور بتانا ہے کہ وہ وسطی دور سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ ان کے قبل بھی بہت سارے انبیاء آچکے تھے اور ان کے بعد بھی بہت سے انبیا آئے۔ نہ یہ کہ جب وہ آئے تو بہت سے انبیا ان کے قبل اور بعد گزر چکے تھے کیوں کہ جب وہ انبیاء ان کے بعد تھے تو اس وقت ان کے لیے گزرنے کا اطلاق کہا صحیح ہوسکتا ہے؟

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

''ان لوگوں نے کہا کہ کیا تم اس لیے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے خداؤں سے منحرف کرو تو لے آؤ'' ہم پر اسے جس سے ہمیں دھمکاتے ہو اگر تم سچے ہو۔ کہا (اس کا) علم بس اللہ کو ہے اور میں تو تم تک اسے پہنچا تا ہوں جس پیغام کے

www.kitabmart.in

ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے مگر میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ جہالت سے کام لیتے ہو''

''علم بس اللہ کو ہے'' یعنی عذاب کا صحیح وقت کہ کب آئے گا؟ میرے حدود علم سے باہر ہے۔

فَلَمَّا رَاَوۡهُ عَارِضًا مُّسۡتَقۡبِلَ اَوۡدِيَتِهِمۡ ۙ قَالُوۡا هٰذَا عَارِضٌ مُّمۡطِرُنَا ؕ بَلۡ هُوَ مَا اسۡتَعۡجَلۡتُمۡ بِهٖ ؕ رِيۡحٌ فِيۡهَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝۲۴ تُدَمِّرُ كُلَّ شَىۡءٍۢ بِاَمۡرِ رَبِّهَا فَاَصۡبَحُوۡا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمۡ ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡقَوۡمَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝۲۵

''تو جب انہوں نے اسے ایک بادل کی صورت میں جو ان کی وادیوں کی طرف رخ کیے ہوئے تھا دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر پانی برسائے گا بلکہ یہ وہ ہے جس کے لیے تم جلدی کر رہے تھے ایک ہوا جس میں دردناک عذاب ہے۔ وہ ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے تباہ و برباد کردے گی چنانچہ ان کا یہ عالم ہو گیا کہ سوائے ان کے مکانات کے کچھ نظر نہیں آتا۔ اس طرح ہم سزا دیتے ہیں گنہگار لوگوں کو''

وَلَقَدۡ مَكَّنّٰهُمۡ فِيۡمَاۤ اِنۡ مَّكَّنّٰكُمۡ فِيۡهِ وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ سَمۡعًا وَّاَبۡصَارًا وَّاَفۡـِٕدَةً ۖ فَمَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ سَمۡعُهُمۡ وَلَاۤ اَبۡصَارُهُمۡ وَلَاۤ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِذۡ كَانُوۡا يَجۡحَدُوۡنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۲۶

''اور ہم نے انہیں اقتدار دیا تھا اتنے حلقے میں کہ جس میں تمہیں اقتدار نہیں دیا ہے اور اُن کے لیے ہم نے طاقت سماعت اور نگاہیں اور دل قرار دیے تھے تو نہیں فائدہ پہنچایا انھیں انکی سماعت نے اور نہ نگاہوں نے اور نہ دلوں نے کچھ بھی جبکہ وہ آیات الٰہی کا جان بوجھ کر انکار کرتے تھے اور گرفتار کیا انہیں اسی نے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے''

یعنی وہی عذاب جس کی خبروں کو سن کر وہ ہنسی میں اڑاتے تھے، اب انہیں گھیرے ہوئے تھا۔ ''کان، آنکھیں اور دل سب انہیں دیے گئے تھے یعنی تمام ذرائع ادراک جن سے وہ آیات الٰہی اور قدرت کی نشانیوں کو سن بھی سکتے تھے، دیکھ بھی سکتے تھے اور ان پر غور بھی کر سکتے تھے، یہ چیزیں اگر انہیں دی نہ گئی ہوتی تو وہ معذور تھے مگر یہ سب چیزیں انہیں دی گئی تھیں اور انہوں نے ان سب سے فائدہ نہیں اٹھایا[1] اس لیے وہ عذاب الٰہی کے مستحق ہیں۔

وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَا مَا حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡقُرٰى وَصَرَّفۡنَا الۡاٰيٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝۲۷ فَلَوۡلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ قُرۡبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلۡ ضَلُّوۡا عَنۡهُمۡ ۚ وَذٰلِكَ اِفۡكُهُمۡ وَمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ۝۲۸

---

[1]. لم ينفعهم جميع ذالك لانّهم لم يعتبروا بها ولا فكروا فيها (تبيان)

www.kitabmart.in

''اور ہم نے ہلاک کیا ہے تمہارے گردوپیش کی بستیوں کو اور بار بار (حق کی) نشانیاں پیش کی تھیں، شاید وہ پلٹیں تو کیوں نہ انکی مدد کی انہوں نے جنہیں انہوں نے تقرب کے طور پر اللہ کے سوا خدا بنا رکھا تھا بلکہ وہ ان سے غائب ہو گئے اور اب یہ ہے ان کا جھوٹ اور جو کچھ وہ من گھڑت باتیں بناتے تھے''۔

یعنی یہ نتائج ان کی باطل پرستی اور غلط روی کے ہیں جو تمام دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔

وَاِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَاۤ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَاۤ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

''اور جب ہم نے موڑا آپ کی طرف جنات کے کچھ افراد کو جو غور سے قرآن سن رہے تھے تو جب وہ آپ کے پاس آئے، آپس میں کہنے لگے خاموش سنتے رہو تو جب آپ پڑھ چکے تو وہ اپنی قوم کی طرف پلٹے ہدایت کرتے ہوئے، کہنے لگے اے ہماری قوم والو! ہم نے ایک ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے تصدیق کرتی ہوئی اُس کی جو اس کے پہلے ہے، وہ ہدایت کرتی ہے حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف۔ اے ہماری قوم والو! لبّیک کہو اللہ کی طرف بلانے والے کی صدا پر اور اس پر ایمان اختیار کرو کہ وہ بخشے کچھ تمہارے گناہ اور تمہیں پناہ دے دردناک عذاب سے اور جو لبّیک نہ کہے اللہ کی طرف بلانے والے کی صدا پر تو وہ دنیا میں قبضۂ قدرت سے باہر نکلنے والا نہیں ہے اور نہ اس کے لیے اسے چھوڑ کر کوئی حوالی موالی ہوں گے۔ یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں''

قرآن مجید کے متعدد آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت پیغمبرؐ خدا کے دائرہ رسالت میں جنات بھی تھے [1] لیکن دوسرے آیات سے یہ بھی بلا شبہ ثابت ہے کہ پیغمبروں کو اور جو رہنمائے خلق ہوں اُس مخلوق کا ہم جنس ہونا چاہیے، جو عقلی طور پر بھی ضروری ہے۔ ان دونوں باتوں کو دیکھتے ہوئے ہم نے ایک محل پر اسی تفسیر میں یہ رائے قائم کی ہے کہ کتابی رہنمائی اور اقوال سے ہدایت کے دائرہ میں تو دوسری جنس یا دوسری نوع کے افراد بھی داخل ہو سکتے ہیں مگر عملی رہنمائی انہی کو حاصل ہو سکتی ہے جو جنس و نوع میں متحد ہوں، یعنی دعوت اطاعت میں اتحاد جنس و نوع کی شرط نہیں ہے لیکن دعوتِ اتباع میں شرط ہے اور نوع انسانی کو چونکہ دعوت اتباع بھی ہے لہٰذا رسول اور امام کو لازماً انسان اور بشر کی نوع میں داخل ہونا ضروری ہے۔

---

[1] کان مبعوثاالی الجن کما کان مبعوثاالی الانس (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٣٣ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝٣٤

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوا، وہ قادر ہے اس پر بھی کہ مُردوں کو زندہ کرے، کیوں نہیں؟ یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جس دن کافر لوگ آگ کے سامنے لائے جائیں گے، کیا یہ سچ نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ قسم ہمارے پروردگار کی، اُس نے کہا کہ پھر چکھو اس عذاب کو اس وجہ سے کہ تم انکار کرتے تھے''

مشرکین عرب اللہ کو مانتے تھے اور اسے خالق آسمان وزمین بھی جانتے تھے لیکن حیات بعد الموت ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس لیے قرآن نے بار بار ابتدائی تخلیق کو جسے وہ مانتے تھے، ان کے سامنے پیش کر کے انہیں متنبہ کیا ہے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝٣٥

''تو صبر و برداشت سے کام لیجئے جس طرح صبر کیا اور اولوالعزم رسولوں نے اور ان کے لیے جلدی نہ کیجئے، گویا وہ جب دیکھیں گے اُسے جس عذاب کی انہیں خبر دی جارہی ہے تو ایسا معلوم ہوگا کہ وہ نہیں رہے تھے (دنیا میں) مگر دن کے ایک مختصر حصے میں یہ پیغام پہنچا دینا ہے تو ہلاکت میں کیا فاسق لوگوں کے علاوہ کوئی اور پڑیں گے؟''

الوالعزم پیغمبروں کی تعداد

بعض نے اولوالعزم کے لغوی مفہوم کے لحاظ سے یعنی ''ہمّت والے'' کہا ہے کہ سب ہی انبیا اور اولوالعزم تھے اور من الرسل میں من بیانیہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ صاحب ہمّت لوگ جو تمام پیغمبر تھے، مگر دینی اصطلاح یہ ہے کہ اولولعزم، رسولوں میں سے کچھ خاص پیغمبر تھے اور اس طرح من تبعیض کے لیے قرار پاتا ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ رسولوں میں سے وہ جو صاحب عزم تھے۔ اب یہ اولوالعزم پیغمبر کون ہیں؟ ان میں اختلاف ہے لیکن جو ہمارے ائمہ معصومین علیہم السلام سے مروی ہے، وہ یہ کہ یہ وہ صاحب شریعت پیغمبر ہیں جن کے لائے ہوئے قانون سے سابق شریعت منسوخ ہوئی ہے وہ یہ پانچ ہیں: حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت عیسیٰؑ اور آخر میں ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ [1]

---

[1]۔ هو المروی عن ابی جعفر علیہ السلام و ابی عبداللہ علیہ السلام (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ

مدنیہ----۳۸----آیات

چونکہ اس سورے کے شروع کی دوسری ہی آیت میں ہمارے پیغمبر خاتم الانبیاؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی درج ہے، اس سورے کا نام حضرتؐ کے نام پر ہوا۔

سورۂ محمد کے خاص خاص مضامین:

۱......دشمنوں سے جنگ کی صورت میں مسلمانوں کو ہدایتیں۔

۲......شہدائے راہ حق کے لیے حسن انجام کی بشارتیں۔

۳......خدا کی مدد کرو تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

۴......کافروں کی لذائذ دنیا سے متمتع ہونا مثل چوپایوں کے ہے لیکن انجام ان کا دوزخ ہے۔

۵......رسولؐ کے خطبوں میں بعض حاضر ہونے والوں کی حالات۔

۶...... پیغام جہاد سن کر بعض مسلمانوں کی حالت۔

۷......کچھ ذمہ دار مسلمانوں کو انتباہ کہ اقتدار حاصل ہونے کے بعد ان کا کردار کیا ہوگا؟

۸......قرآن میں غور وفکر سے کام لینے کی دعوت اور اس کے خلاف جانے کی مذمت۔

۹......منافقین کا لب ولہجہ، ان کی پردہ کشائی کے لیے کافی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۞۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۞۲

''وہ جنھوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ کے راستے سے روکا، اُس نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا اور جنھوں نے ایمان اختیار کیا اور نیک اعمال کیئے اور اس پر جو محمدؐ پر اتارا گیا، ایمان لائے اور وہ سراسر حق ہے ان کے پروردگار

www.kitabmart.in

کی طرف سے تو اُس نے اُن کی غلطیوں سے درگزر کیا اور اُن کی حالت کو درست کیا“

اضل اعمالھم جس کا ترجمہ ہم نے کیا ہے ”ان کے اعمال کو اکارت کر دیا“ ......اس میں ظاہر ہے کہ اعمال سے مراد وہی اعمال ہیں جو ذاتاً خیر ہیں اور شرائط صحت کے وجود کی صورت میں باعث ثواب ہوتے ہیں۔[1]

لیکن چونکہ ایمان بنیادی طور پر شرط نجات ہے جو ان میں مفقود ہے لہٰذا ان کے عمال اکارت ہو جاتے ہیں یعنی ان کا کوئی اجر نہیں حاصل نہ ہوگا۔ اس میں کوئی پیچدگی نہیں ہے لیکن بعض حضرات نے اسے علم کلام کے مسئلہ ”احباط“ سے مرتبط کر کے ذرا پیچیدہ طور پر توجیہ کی ہے کہ وہ کفار ان کے اعمال کو غلط طور پر انجام دیتے ہیں مثلاً وہ خیرات کرتے ہیں تو کفار و مشرکین پر کرتے ہیں یا غلط مقاصد میں صرف کرتے ہیں اس لیے ان کا ثواب نہیں ملتا۔ ہمارے نزدیک اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ تشریح غلط ہے اس بنا پر کہ کتنے ہی بجائے خود اچھے کاموں میں وہ صرف کریں اور مؤمنین و صالحین ہی کو دیں تو کیا انہیں باوجود کفر اس پر اجر و ثواب ملے گا؟

جناب شیخ طائفہؒ نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ اللہ ان کے اعمال پر یہ حکم لگاتا ہے کہ یہ گم ہیں یعنی کالعدم ہیں بظاہر اس کا نتیجہ وہی ہے جو عرض کیا گیا۔ دوسری بات آیت میں قابل غور یہ ہے کہ سرنامہ کلام ہے: الذین آمنوا و عملوا الصالحات اس کا مطلب ہوا نیکوکار مسلمان۔ اب اس کے بعد مزید جو کہا گیا ہے: وآمنوا بما نزّل علیٰ محمد وھو الحق من ربھم ”اور ایمان لائے اس پر جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا گیا اور وہ سراسر حق ہے ان کے پروردگار کی جانب سے“ تو کیا اس سے ذہن میں یہ نہیں آتا کہ یہ کوئی خاص نازل ہونے والی اہم بات ہے جسے نیکوکار مسلمانوں کے لیے حسن انجام کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ جب ہمیں مل جاتا ہے قرآن میں ایسی اہم بات کا پتہ جس کے لیے رسولؐ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:۔

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدہ-٦٧)

”پہنچا دیجیے اسے جو آپؐ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو کچھ اس کی رسالت پہنچائی ہی نہیں۔

تو دل یہ کہتا ہے کہ وہ ما نزل علیٰ محمد جسے ’ایمان اور عمل صالح‘ کے ساتھ خصوصیت سے کہا گیا ہے۔ وہ یہی ”ما انزل الیك من ربك“ والا اہم پیغام ہوسکتا ہے جس کے پہنچائے بغیر رسولؐ کی پوری تبلیغ کالعدم ہو رہی تھی تو ایک مسلمان کا اسلام بغیر اس کے مانے ہوئے کب نتیجہ خیز ہوسکتا ہے!۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝

”یہ اس بنا پر ہے کہ جنھوں نے کفر اختیار کیا، انھوں نے باطل کی پیروی کی اور جنھوں نے ایمان اختیار کیا، انہوں نے اپنے پروردگار کی طرف کے حق کی پیروی کی۔ اسی طرح اللہ لوگوں کے لیے ان کے اوصاف بیان کرتا ہے“۔

---

[1] اعمالھا الّتی کان فی زعمھم انّھا قربۃ وانّھا تنفعھم کالعتق والصدقۃ وقری الضیف. (جمع البیان)

www.kitabmart.in

امثال کا ترجمہ اوصاف کے ساتھ اس لفظ کے ان معنی کے مطابق ہے جو متعدد جگہ قرآن مجید میں موجود ہیں جیسے:

مثلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (الرعد ۳۵)

(تا آخر آیت) ظاہر ہے کہ وہاں کوئی مثال نہیں دی گئی ہے بلکہ معنی یہی ہیں کہ اس جنت کا وصف یہ ہے یہی معنی یہاں بھی ہیں۔ [1]

علامہ طبرسیؒ نے امثال کو مثالوں ہی کی معنی میں لے کر کئی مفہوم درج کیے ہیں جن میں سے کوئی بھی دل کو لگنے والا نہیں ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ڎ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڗ ذٰلِكَ ڔ وَلَوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶

''تو جب تمہاری مڈبھیڑ کافروں سے ہو تو ایک دم گردنیں اڑاؤ یہاں تک کہ جب خوب مار لو تو پھر قیدی بناو، اس کے بعد یا احسان کر دو یا فدیہ لے لو یہاں تک کہ جنگ موقوف ہو۔ یہ صورت حال اور اگر اللہ چاہتا تو خود ان سے انتقام لیتا۔ مگر اسکا مقصد تو یہ ہے کہ تم میں سے ایک کی دوسرے کے ذریعے سے آزمائش کرے اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے تو وہ ہرگز ان کے اعمال کو اکارت نہ کرے گا۔ وہ ان کو منزلِ مقصود تک جلد پہنچائے گا اور ان کی حالت درست کرے گا اور انہیں بہشت میں داخل کرے گا جس کا ان سے تعارف اُس نے کر دیا تھا''۔

دشمنوں سے جنگ کی صورت میں مسلمانوں کو ہدایتیں

گردنیں اڑانے سے مراد بطور محاورہ قتل کرنا ہے۔ چونکہ زیادہ تر قتل کا عنوان اس دور میں گردن کا قطع کرنا ہوتا تھا اس لیے قتل کی تعبیر اس لفظ سے کی ہے۔ [2]

''جب خوب مار لو'' یعنی کثیر التعداد افراد کو قتل کر لو [3] جس سے پوری جماعت چور چور ہو جائے۔ [4]

تو پھر باقی ماندہ افراد کو قیدی بناؤ۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہے کہ ''احسان کرو'' یعنی یوں ہی رہا کر دو یا فدیہ لے لو۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں قیدی بنانے اور فدیہ لے اور فدیہ لے کر چھوڑنے پر اظہار ناراضگی ہے۔ درحقیقت ایسے مقامات پر سمجھنے میں دشواری ترتیب کے مطابق

---

[1]۔ یکون التقدیر یضرب اللہ للناس صفات اعمالھم (تبیان)

[2]۔ المعنی اقتلوھم (مجمع البیان) عبر بضرب الرقاب لان الغالب فی القتل ان یکون بضرب الرقاب... (جلالین)

[3]۔ اکثرتم فیھم القتل (جلالین)

[4]۔ جب چور کر دو ان کو (شاہ رفیع الدین)

www.kitabmart.in

تنزیل نہ ہونے سے پیدا ہوئی ہے۔ اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ مذمت کن حالات میں ہوئی تھی اور یہ صراحت کہ تمہیں اختیار ہے، چاہے چھوڑ دو یا فدیہ لے لو، کس موقع پر تھی؟

''اگر اللہ چاہتا تو خود ان سے انتقام لیتا'' یعنی دشمنوں پر وہ عذاب نازل کر دیتا تو تمہیں جہاد کی ضرورت نہ ہوتی مگر پھر تمہارے جوش ایمانی اور نصرت حق کا امتحان کیوں کر ہوتا؟

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴿۷﴾ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۸﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۹﴾

''اے ایمان لانے والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدمی عطا کرے گا اور جنہوں نے کفر اختیار کیا تو ان کے لیے ہلاکت ہے اور اس نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ناپسند کیا اسے جو اللہ نے اتارا تو اُس نے اُن کے تمام اعمال کو اکارت کر دیا''۔

خدا کی مدد کرو تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور ثابت قدمی عطا کرے گا

چونکہ اللہ بے نیاز مطلق ہے ذاتاً اس کی کوئی مدد نہیں کی جا سکتی لہٰذا اس کی مدد کے معنی ہیں تبلیغ دین میں جد و جہد اور جب موقع ہو تو میدان جنگ میں نصرت یعنی یہ دین یا اس کے پیغمبر کی مدد اللہ کی مدد ہے۔ اب اس نے اپنی مدد کے ساتھ جو وعدہ کیا ہے، وہ یہ کہ تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ اس کے بعد کسی فرد یا جماعت میں ثابت قدمی نظر نہ آئے تو ماننا پڑے گا کہ وہ درحقیقت اللہ کی مدد نہیں کر رہے ہیں اور کچھ مفادات کی خاطر میدان میں نظر آتے ہیں۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ۫ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ﴿۱۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾

''تو کیا وہ اطراف زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کیسا انجام ہوا ان کا جو ان کے پہلے تھے۔ اللہ نے انہیں تہس نہس کر دیا اور ان کافروں کے بھی ویسے ہی انجام ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ سرپرست ہے ان کا جو ایمان لائے اور کافروں کا کوئی سرپرست نہیں ہے''

''چونکہ عذاب الٰہی کی شکلیں مختلف ہوا کی ہیں، سب پر ایک ہی طرح عذاب نہیں ہوا کیا، اس لیے ممکن ہے اس وقت کے کافران اقسام عذاب میں مبتلا ء نہ ہوں جو پہلی امتوں پر آتے رہے، یہاں ممکن ہے یہ انکا استیصال حکم تشریعی کے ذریعے سے یعنی مسلمانوں کو حکم جہاد

www.kitabmart.in

دے کر ہو جیسا کہ قبل کی آیتوں سے ظاہر ہے مگر نتیجہ اس کا بھی وہی تباہی و بربادی ہے، اس لیے کہا گیا امثالھا ”ویسے ہی انجام ہیں“

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ ﴿١٢﴾

”اللہ داخل کرے گا انہیں کہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے ان بہشتوں میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور جنھوں نے کفر اختیار کیا، وہ فائدہ حاصل کر رہے ہیں اور کھا رہے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں اور دوزخ ان کی جگہ ہے۔“

آخر کا جملہ نتیجے میں انہیں چوپایوں سے بدتر قرار دیتا ہے، اس لیے کہ چوپائے دنیا میں جو کھاتے پیتے اور مزے کرتے ہیں، اس کے بعد کوئی سزا آخرت میں انہیں ملنے والی نہیں ہے اور یہ دنیا کی زندگی میں مثل چوپایوں کے ہیں اور آخرت میں ان کا ٹھکانا دوزخ میں ہے۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾

”اور بہت سی بستیاں ہیں جو آپ کی اُس بستی سے جس نے آپ کو نکلنے پر مجبور کیا تھا؟ زیادہ طاقت ور تھیں۔ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا تو کوئی ان کا مددگار نہیں۔“

اس ”بستی“ سے مراد مکّہ معظّمہ ہے جہاں سے آپ حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے نکلنے پر مجبور ہوئے۔ [1]

اور نکالنے کی نسبت ان کی طرف اسی اعتبار سے ہے کہ وہ اگر ایمان لاتے اور تبلیغ دین کے راستے میں جو آپ کی زندگی کا مِن جانب اللہ مشن تھا رکاوٹیں پیدا کرنے کی برابر کوشش نہ کرتے تو آپ اہل مدینہ کی دعوت کو کیوں قبول کرتے اور وہاں سے نکلنے پر آمادہ کیوں ہوتے؟!

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٤﴾

”تو کیا جو اپنے پروردگار کی طرف کے کھلے ہوئے راستے پر ہو، وہ اس کی طرح ہے جسے اس کی بداعمالیوں آراستہ و پیراستہ محسوس ہوتی ہیں اور جنھوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی ہے۔“

”کھلے ہوئے راستے پر ہو“ یعنی اس کا ضمیر مطمئن ہو کہ جس راستے پر وہ قائم ہے، بالکل صحیح ہے۔ اب اُس کے مقابلے میں کون ہے؟ جسے اس کی بداعمالیاں آراستہ و پیراستہ محسوس ہوتی ہیں“ کچھ لوگ اس سے مشرکین کو سمجھتے ہیں مگر معصومؑ کی حدیث یہ بتاتی ہے کہ اس سے منافق مراد ہیں۔ [2]

---

[1]. یعنی اھل مکہ الذین اخرجوك منھا (علی ابن ابراھیم)

[2]. ھو المروی عن ابی جعفر (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اور اب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ بداعمالیوں کے آراستہ پیراستہ محسوس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو سیاسی پالیسی اختیار کیے ہوئے ہیں، وہ اس کو بڑی عقل مندی سمجھتے ہیں اور اس پر خوش ہیں۔ خالق کا ارشاد ہے کہ ''کیا یہ دونوں یکساں ہے؟'' اور اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ یکساں نہیں ہیں بلکہ پہلے والے نجات پائیں گے اور یہ ہلاکتِ ابدی میں گرفتار ہونگے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ڬ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَاۗءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَاۗءَهُمْ ⑮

''(کیا) مثال اس بہشت کی جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے جس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس میں ذرا بھی رنگ میں تبدیلی نہیں اور نہریں ہیں ایسے دودھ کی جس کا مزہ نہیں بدلا اور نہریں ہیں ایسی شراب کی جو پینے والوں کے لیے خوش ذائقہ ہے اور نہریں ہے صاف کیے ہوئے شہد کی اور ان کے لیے ان میں ہر طرح کے پھل ہیں اور بخشش ہے اُن کے پروردگار کی طرف سے، اُس کی سی ہے جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہو اور جنہیں پینے کو گرم پانی ملے تو وہ ان کی آنتوں کے ٹکرے اڑا دے''؟

اس میں دو باتیں عقل سے سمجھنے کی ہیں؛

ایک تو یہ کہ یہ جملہ خبریہ نہیں بلکہ سوالیہ ہے کیونکہ پہلے جنت اور اس کے اوصاف ہیں اور پھر کاف حرف تشبیہ کے ساتھ جس کے معنی مثل کے ہوتے ہیں دوزخ کا ذکر ہے اور اس کے کیفیات اور ظاہر ہے کہ بہشت مثل دوزخ کے نہیں ہے لہٰذا آیت کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ وہ مثل اس کے ہے تو اسے ماننا لازم ہے کہ یہ استفہام انکاری ہے یعنی وہ سوال جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے شروع میں ترجمے کے اندر ہم نے بریکٹ میں ''کیا'' کا لفظ رکھی ہے اور حرف استفہام کا حذف کرنا انداز تلفظ کی مدد سے ہر زبان میں جاری و ساری ہے جیسے کوئی آپ کی توقع کے خلاف آجائے اور آپ کہیں ''آپ آ گئے''؟ اسی طرح مثل الجنۃ سے لے کر آخر تک لکھنے کے بعد سوالیہ نشان بنا دیجئے (؟) بنا دیجئے اور اس انداز سے تلفظ کیجئے تو استفہام کا مطلب نکل آئے گا۔ اس میں اصول تکلم کے خلاف کوئی بات نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پہلی جگہ مکان کے اوصاف ہیں جو بہشت ہے اور دوسری جگہ ''ک'' (حرف تشبیہ) کے بعد مکینوں یعنی اہل دوزخ کا ذکر ہے۔ یہاں بھی مطلب ظاہر ہے کہ ان بہشتوں کے رہنے والے ان دوزخ کے رہنے والوں کے مثل نہیں ہیں۔ اسے علماء یوں کہتے ہیں کہ یہاں پر جملے کا مبتدا مقدر یعنی پوشیدہ ہے۔ [1]

حالانکہ ہمارے نزدیک لفظی طور پر نہ اس کے مذکور ہونے کی ضرورت ہے نہ مقدر جب کہ مطلب عقل کی مدد سے سمجھ میں آجاتا ہے، چاہے الفاظ ہوں یا نہ ہوں۔

---

[1] ۔ کمن ھو خالد فی النار خبر مبتدا مقدر ای امن ھو فی ھٰذا النعیم (جلالین)

www.kitabmart.in

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾

''اور ان میں ایسے بھی ہیں جو (بظاہر) آپ کی باتوں کو سنتے ہیں، یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان سے جنہیں علم ملا ہے' کہ یہ انھوں نے ابھی کیا کہا تھا؟ یہ وہ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور جنہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی ہے''

یاد رکھنا چاہیے کہ یہ کسی غیر مسلم گروہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ مسجد میں رسولؐ کے خطبوں میں شریک ہونے والوں اور زیر منبر بیٹھنے والے گروہ صحابہ ہی کا ذکر ہے کہ ان میں ایک جماعت ایسی ہے اور اس جماعت کے لیے قرآن کا اعلان ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ زندگی میں کبھی ایمان لانے والے نہیں ہیں تو اب قرآن کی روشنی میں بلا استثناء پوری جماعت کو عدالت کا تمغہ دینا کہاں درست ہوسکتا ہے؟

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾

''اور جنہوں نے ہدایت قبول کی، اس نے ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا اور انہیں ان کے شایان شان پرہیز گاری عطا کی''

برابر یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جہاں جہاں دلوں پر مہر کرنے یا گمراہی میں اضافے کا ذکر ہے، وہاں بطور فعل اختیاری ان کے کفر، انحراف اور راہ حق سے روگردانی وغیرہ کا ذکر ہے اور جہاں ہدایت میں اضافے وغیرہ کا ذکر ہے، وہاں پہلے اُن کے ہدایت قبول کرنے کا ذکر ہے، اس سے ظاہر ہے کہ وہ اُن کا قبل والا کفر، انحراف اور یہ ان کا شروع کا ہدایت قبول کرنا خود ان کا ارادی عمل ہے۔ نہ وہ جبر الٰہی کا نتیجہ ہے نہ یہ اور پھر بعد میں جو بیان ہوا ہے' جس کی نسبت اللہ کی طرف دی گئی ہے، وہاں ان کے خود اختیاری طور سے غلط راہ پر جانے کا اثر یا اس کی سزا ہے اور یہاں ان کے حسن اختیار کا نتیجہ یا اس صلہ ہے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾

''تو کیا انتظار ہے ان کو سوا اس کے کہ قیامت ان پر ایک دم آ جائے تو اس کی علامتیں تو آ ہی گئی ہیں تو جب وہ آ ہی جائے گی تو انہیں نصیحت قبول کرنے کا موقع کہاں ہوگا؟''

یعنی قیامت کے آنے کے بعد تو وہ دور تکلیف ختم ہوجائے گا اور اب جزا وسزا کی منزل ہوگی لہٰذا ایمان یا توبہ کوئی قابل قبول نہ ہوگا۔[1]

---

[1]۔ای لا تنفعھم (جلالین)

www.kitabmart.in

علاماتِ قیامت احادیث میں متفرق طور پر بھی وارد ہوئے ہیں اور ایک طویل حدیث جناب سلمان فارسیؓ کی حضرت پیغمبر خداؐ کی زبانی ہے جو اہل سنت کی کتب میں سے محی الدین ابن عربی کی کتاب ''محاضرۃ الابرار ومسامرۃ الاخیار'' معروف بہ ''کتاب مسامرات'' میں میری نظر سے گزری ہے اور وہ ہماری قدیم تفسیر علی ابن ابراہیم قمی میں بھی اسی آیت کے تحت میں درج ہے مگر ان علامتوں میں زیادہ تر وہ ہیں جو صدیوں سے برابر سامنے آتی رہی ہیں لہٰذا انہیں دیکھ کر بھی قیامت کے قرب کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾

''تو جانیے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور اپنے گناہ کے لیے اور باایمان مردوں اور باایمان عورتوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہیے اور اللہ جانتا ہے تم لوگوں کی گردش اور تمہارے جائے قرار کو''

درگاہ الٰہی میں اپنے کو گناہگار قرار دیتے ہوئے دعائے مغفرت تقاضائے عبودیت ہے۔ وقوع گناہ پر موقوف نہیں ہے، چنانچہ مفسرین اہل سنت نے بھی یہاں اس پہلو کو اختیار کیا ہے؛ تفسیر جلالین کے الفاظ یہ ہیں: (قِيْلَ لَهٗ ذَالِكَ مَعَ عِصمتِهٖ لَنَسْتُنَّ بِهٖ اُمَّتِهٖ) حضرتؐ سے باوجود آپ کے معصوم ہونے کے یہ کہا گیا تاکہ آپ کی امت اس طریقے کی پیروی کرے۔ خداوند عالم عظمت وجلال کا جتنا شدت وقوت کے ساتھ احساس ہوگا، اتنا ہی بندہ اپنے کو اس کی بارگاہ میں تقصیروار سمجھے گا۔ معصومینؑ کے استغفار اور توبہ وانابت کی نوعیت یہی ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾

''اور جو ایمان لائے کہتے ہیں کہ کوئی سورہ کیوں نہیں اتارا جاتا تو جب کوئی بالکل واضح سورہ اتارا جاتا ہے اور اس میں مرنے مارنے کا ذکر ہوتا ہے تو دیکھیے گا کہ انہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے ہوں گے جیسے موت سے بے ہوش ہو جانے والا دیکھتا ہے تو بہتر تھا ان کے لیے اطاعت کرنا اور اچھی گفتگو اور پھر جب لڑائی ٹھن جائے تو اگر اللہ سے سچی وفاداری کرتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا''۔

پیغام جہاد سن کر بعض مسلمانوں کی حالت

بعد والے مضمون سے ظاہر ہے کہ ''کوئی سورہ کیوں نہیں اتارا جاتا؟'' اس کے معنی یہ تھے کہ کوئی سورہ ایسا جس میں جہاد کا حکم ہو کیوں نازل نہیں ہوتا، چنانچہ شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:

www.kitabmart.in

''مسلمان سورت مانگتے تھے یعنی کافروں کی ایذا سے عاجز ہوکر آرزو کرتے تھے کہ اللہ حکم دے جہاد کا تو جو ہوسکے کر گزریں، جب حکم آیا جہاد کا تو کچھ لوگوں پر بھاری پڑا۔ مردے کی طرح بے رونق آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہم کو کاش کہ اس حکم سے معاف رکھیں، بے حد خوف میں آنکھ کی رونق نہیں رہتی جیسے مرتے وقت'' (موضع القرآن)

بعض کا خیال ہے کہ جب وحی نازل ہونے میں دیر ہوتی تھی اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کوئی نازل شدہ قرآن کا حصہ گوش زد نہیں ہوتا تھا تو صحابہ کا دل گھبراتا تھا لہٰذا تقاضا ہوتا تھا کہ کوئی سورہ آخر عرصے سے کیوں نہیں اترا؟[۱]

لیکن اگر کہیں ایسے آیات اُتر آئے جن میں جہاد کا حکم ہوا تو یہ عالم ہوجاتا تھا جس کا ذکر بعد میں ہے۔

اولیٰ لھم طاعۃ وقول معروف کا ترجمہ میں نے کیا ''بہتر تھا ان کے لیے اطاعت کرنا اور اچھی گفتگو'' اس میں **اولیٰ** کے وہی معنی لیے گئے ہیں جو عام طور پر اس لفظ میں سمجھ آتے ہیں یہاں تک کہ اردو میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہیں۔ ہاں اس صورت میں یہ پورا ایک جملہ ہوتا ہے جیسا کہ تفسیر جلالین میں **اولیٰ لھم** کے بعد لکھا ہے:۔

مبتدا خبرہ طاعۃ وقول المعروف (یہ مبتدا ہے جس کی خبر **طاعۃ وقول معروف** ہے)

لہٰذا **اولیٰ لھم** پر آیت کے پورے ہونے کا نشان ○ نہیں ہونا چاہیے اور پھر ج کی علامت جس کے معنی یہ ہے کہ ٹھہرنا جائز ہے اور وہ وصل یعنی ملا کر پڑھنے سے بہتر ہے۔ غالباً ان علامتوں کی وجہ سے زیادہ مفسرین ومترجمین کا رجحان یہ ہے کہ **اولیٰ** کا لفظ **ویل** کی طرح عربی میں ملامت اور سرزنش کے محل پر استعمال ہوتی ہے جس کا ترجمہ اردو میں یوں ہوگا ''وائے ہوان پر''[۲]

اور پھر **طاعۃ وقول معروف** الگ ہے جس کے لیے کچھ محذوف مان کر جملہ پورا ہوتا ہے۔[۳]

ہم جہاں تک سمجھتے ہیں یہ علامتیں توفیقی وتعبدی حیثیت نہیں رکھتیں یہ قاریوں کے تفسیری رجحان کے مطابق علامتیں قرار دی گئی ہیں۔ اس لیے یہیں دیکھ لیجئے کہ اگر واقعاً اولیٰ وہی ''بہتر'' کے معنی میں ہے اور **طاعۃ وقول معروف** اس کی خبر ہے تو وصل معین ہونا چاہیے کہ وقف نہ کرو اور اگر **ویل لھم** کے معنی میں ہے ''وائے ہوان پر'' اور بس الگ جملہ ہے تو وقف معین ہونا چاہیے۔ یہ جائز اور بہتر ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامت قرار دینے والے کی نظر میں ترجیح تو اسی کو ہے کہ اس کے معنی ہیں ''وائے ہوان پر'' اسلیے اس پر آیت کا نشان بنایا ہے مگر ایک احتمال اسکے نزدیک دوسرا ہے جو اس کے خیال میں کمزور ہے، اس لیے ج کی علامت اس پر رکھی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تفسیری فیصلے آیتوں کی علامتوں کی بنیاد پر نہیں ہوئے ہیں بلکہ علامتی نشان تفسیری تصورات کی بنیاد پر لگائے گئے ہیں لہٰذا آج اور ہمیشہ ہر تفسیری صلاحیت رکھنے والے کو حق ہے کہ وہ اپنے ذہن کو ان تفسیری علامات کی بندش کا اسیر نہ رکھے اور مفہوم آیت کو دیگر قرآنی دلائل، حدیث ولغت، عقلی قرائن اور روایت کے ذریعہ سے سمجھنے کی کوشش کرے۔

---

[۱]۔ لانھم کانو بالنسون بنزول الوحی ویسترحشون من ابطائہ (تبیان)

[۲]۔ ھذا تھدید ووعید (مجمع البیان)

[۳]۔ وائے ایشان را حال ایشان بحسب ظاھر وفرمان برداریست (شاہ ولی اللہ) وائے ہے واسطے ان کے۔ مطلب ان کی فرمان برداری ہے (رفیع الدین)

www.kitabmart.in

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

''تو کیا ایسا نہیں کہ بہت ممکن ہے جب تم صاحب اقتدار ہو تو زمین میں فساد برپا کرو اور اپنے رشتوں کے تقاضے کے خلاف بدسلوکیوں سے کام لو۔ یہ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے تو انہیں بہرا بنادیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا''۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبوں میں بعض حاضر ہونے والوں کی حالت

اس سے ملتے جلتے الفاظ میں ایک آیت دوسرے پارے میں آئی ہے:

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (بقرہ--۲۰۵)

وہاں بہت سے مفسرین نے تولّی کے معنی روگردانی کرنے کے لکھ دیئے مگر ہم نے وہاں بھی اس کا ترجمہ صاحب اقتدار ہونے کے ساتھ کیا اور اب اس آیت میں تو دوسرے حضرات بھی ان تولیتم کے معنی یہی قرار دے رہے ہیں کہ اگر تم صاحب اقتدار ہو۔[1]

اس کے بعد سیاق وسباق کو دیکھئے تو صاف پتہ چلے گا کہ جن کے آئندہ صاحب اقتدار ہونے کے امکان کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے، وہ وہی ہیں جو اس وقت صحبت رسولؐ میں رہ کر بھی آپ کے فیوض سے محروم ہیں اور میدان رزم میں دشمنوں کے مقابلے میں کمزوری دکھاتے ہیں، یہی وہ ہیں جو بعد میں صاحب اقتدار ہو کر اہل حقوق کے حقوق کو برباد کریں گے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

''تو کیا وہ قرآن میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے یا کچھ دلوں پر ان کے قفل لگے ہوئے ہیں''۔

ہم نے پہلے بھی لکھا ہے کہ یہ مسلم ہونے کے باوجود کہ ترتیب قرآن مطابق تنزیل نہیں ہے بعض سوروں کی شناخت ایسی ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ سورے یکجائی طور پر اسی شکل میں اترے تھے چنانچہ یہ سورہ بھی پورا ایک ہی طرز واسلوب کا حامل ہونے کی بنا پر اسی طرح کا ہے۔

قرآن میں غور وفکر سے کام لینے کی دعوت

اب اس آیت کو جس محل پر وہ ہے، قبل اور بعد سے ملا کر دیکھیے تو محسوس ہوگا کہ قرآن پر غور نہ کرنے کی شکایت جو کی جاری ہے، یہ کفار ومشرکین سے نہیں ہے بلکہ انہی مسلمانوں سے ہے جن کا قبل اور بعد میں ذکر ہے اور پھر جیسے جھلّا یا ہوا جملہ کہ ''ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں، انہی کے قرآن کے اشاروں کو نہ سمجھنے کی اور یاد نہ رکھنے پر تازیانہ ہے۔

یاد رکھیے کہ قرآن الفاظ قرآن کو نہ سننے یا حفظ نہ کرنے کی شکایت نہیں کررہا ہے بلکہ اس کے معنی واشارات پر غور نہ کرنے کی شکایت کررہا ہے، چاہے الفاظ کے حفظ کرنے میں کتنی ہی محنت کی جائے۔

---

[1] متولی امور مردمان شوید (شاہ ولی اللہ)۔ اگر والی ہو تو حکم کے (رفیع الدین)

www.kitabmart.in

جناب شیخ طوسیؒ اوران کے تتبع میں علامہ طبرسیؒ نے اس سے اپنے فرقے کی اخباری جماعت کے مدمقابل میں ظواہر قرآن کی حجیت پر استدلال کیا ہے کہ اگر قرآن مجید کے مطلب کا سمجھنا الفاظ قرآن سے بالکل ممکن نہ ہوتا تو قرآن پر غور نہ کرنے کی شکایت کیوں کی جاتی؟[1]

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

''وہ جو اپنے پیچھے کی طرف پلٹ گئے بعد اس کے کہ ان کے لیے ہدایت کا راستہ ظاہر ہو گیا تھا، شیطان نے انہیں ورغلایا اور انہیں ڈھیل دی۔ یہ اس بنا پر کہ انہوں نے کہا ان سے جنہوں نے ناپسند کیا اسے جو اللہ نے اتارا تھا' ہم کسی نہ کسی حد تک تمہارا ساتھ دیں گے اور اللہ ان کی اندرونی کاروائی کو جانتا تھا تو کیا ہوگا عالم اس وقت جب فرشتے ان کی قبض روح کریں گے۔ مارتے ہوں گے ان کے چہروں اور ان کی پشت پر۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے پیروی کی اس کی جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہے اور اس کی پسند کو ناپسند کیا تو اس نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا''۔

ان آیات میں دیکھنے والے کے لیے بڑے لحات فکر یہ ہیں: ۔شروع سے سورے کے مندرجہ مضامین کو دیکھیے تو اس میں غیر مسلمین کے مسائل سے کوئی بحث نہیں ہے بلکہ تمام تر کچھ مسلمانوں کے کردار کا ذکر ہے۔ اب اس کے بعد ان اجزاء کو غور سے دیکھیے۔ کچھ ہے جسے اللہ نے اس سورے کے شروع میں آیت نمبر ۲ میں پھر آیت نمبر ۹ میں اور اب آیت نمبر ۲۶ میں بمانزّل علی محمّد اور ماانزل اللہ اور مانزّل اللہ کہا ہے (یعنی) ''وہ جسے اللہ نے اتارا۔[2]

پھر ایک جماعت سرغنہ افراد کی ہے جنہوں نے اپنے مفادات کے لحاظ سے ناپسند کیا اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اس منصوبے میں ان کے ساتھ شریک ہوئے اور کسی حد تک ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ انہوں نے کوئی خفیہ منصوبہ بنایا جسے کہا جا رہا کہ ''اللہ ان کی اندورنی کارروائی سے واقف ہے۔ انہوں نے پہلے کچھ نیک اعمال کیے تھے جنہیں کہا جا رہا ہے کہ اب وہ برباد ہو گئے اور اس پوری جماعت کے لیے مرتد ہونے کی سند تو اس پورے مضمون کے شروع ہی میں ارتدوا علیٰ ادبارھم کی لفظوں میں موجود ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ

---

[1] ۔في ذالك حجة على بطلان قول من يقول لا يجوز تفسير شيء من ظاهر القرآن الّا بخبر او سمع (تبیان)

[2] ۔المروی عن ابی عبدالله علیه السلام۔ كرهوا ما نزل الله ولاية على ابن ابی طالب (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

لَاَرَیْنٰکَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَکُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ ۙ وَنَبْلُوَاْ اَخْبَارَکُمْ ﴿۳۱﴾

''کیا وہ سمجھتے ہیں وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ اللہ کبھی ان کے دلی کینوں کو ظاہر نہیں کرے گا اور اگر ہم چاہیں تو ہم آپ کو انہیں دکھا دیں تو آپ ان ناک نقشے سے انہیں پہچان لیجیے۔ اور بہرحال ان کے طرز گفتگو سے آپ انہیں ضرور پہچان لیں گے اور اللہ تم سب کے اعمال کو جانتا ہے اور یقیناً ہم تم لوگوں کی آزمائش کریں گے یہاں تک کہ معلوم کریں تم میں سے جہاد کرنے والوں اور، صبر و برداشت رکھنے والوں کو اور آزمالیں تمہارے حالات''۔

مسلمانوں کا لب ولہجہ ان کی پردہ کشائی کے لیے کافی

چاہے مفسرین جمہور کی پیروی میں ہمارے کچھ اکابر نے بھی گزشتہ آیات کو جماعت یہود وغیرہ سے متعلق کر دیا ہو لیکن آزاد چشم و گوش وہوش سے ان آیات کو ئی دیکھے سنے اور سمجھے تو کسی رخ سے وہ غیر مسلم جماعتوں سے متعلق محسوس نہیں ہوں گی، صاف وہ اپنوں کی جماعت میں شامل افراد سے متعلق ہیں جو اپنے دلوں کے منصوبے دلوں میں چھپائے رکھتے ہیں اور انہی کی آزمائش کی ضرورت ہے اور وہ سب سے بڑی آزمائش میدان جنگ میں ہوئی۔ چاہے وہ شروع کی جنگ احد ہو یا آخر میں ہونے والا معرکۂ حنین، دونوں کی روئداد یں صفحاتِ تاریخ ہی نہیں صفحات قرآن پر بھی ثبت ہیں۔

''آپ ان کے ناک نقشے سے انہیں پہچان لیجیے گا اور ان کے طرز گفتگو سے معلوم ہو جائے گا'' یہ کیا یہود کے افراد ہو سکتے ہیں؟ یقیناً یہ وہی ہیں جو مؤمنین کی جماعت میں شامل ہیں اور رسولؐ کی محفل میں بیٹھ کر بڑھ چڑھ کر گفتگوئیں کرتے ہیں مگر ان کے طرز گفتگو سے بہت موقعوں پر پتہ چل جاتا ہے کہ جسے خدا اور رسولؐ بلند کرنا چاہتے ہیں، یہ اس کی بلندی کو پسند نہیں کرتے اور یہی ان کے نفاق کی بہت بڑی علامت ہے جس کے لیے بعض صحابہ کرام کے اقوال بھی ہیں۔ [1]

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی ۙ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾

''جنہوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور پیغمبر سے اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان پر ہدایت کا راستہ واضح ہو گیا تھا، اور ہرگز اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ئیں گے اور وہ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا''۔

پورے سورے کے گزشتہ مضامین کو سامنے رکھ کر کفر اللہ کی راہ سے روکنے اور پیغمبر سے اختلاف، ہر ایک کے معنی پر غور کرنا چاہیے

---

[1] ۔عن ابی سعد الخدری، قال: لحن القول بعضهم علی ابن ابیطالب علیہ السلام قال و کنّا نعرف المنافقین علی عهد رسول اللہ ﷺ ببعضهم علی ابن ابی طالب وروی ذالك عن جابر ابن عبد اللہ الانصاری وعن عبادۃ ابن صامت (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

(الگ الگ الفاظ کو لغت اور عام اصطلاحات کی روشنی میں دیکھ کر نہیں) اور پھر نتیجہ نکالنا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝

''اے ایمان لانے والو! اطاعت کرو اللہ کی اور طاعت کرو پیغمبر کی اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو، بلاشبہ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ کے راستے سے روکا، پھر مرگئے اس حال میں کہ وہ کافر ہیں، انہیں اللہ کبھی نہیں بخشے گا''۔

درمیان میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے یہ کہنے کہ سے اپنے اعمال کو برباد نہ کرو، اس سے پہلے اور بعد جو کفر اختیار کرنے والوں کا ذکر ہے، کیا وہ غیر مسلم ہیں؟

اگر وہ اعمال کی بربادی اس کفر سے ہوتی جو غیر مسلم جماعت میں ہوتا ہے تو مسلمان سے درمیان میں کیوں کہا جاتا کہ اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔[1]

معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اعمال کی برادی اور بعد میں بخشش کی محرومی کا جو اعلان ہے، وہ کسی ایسی وجہ سے ہے جو اس جماعت میں جو ظاہر کی بنا پر الذین اٰمنوا کی مصداق ہے، پائی جارہی ہے۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝

''تو کمزوری نہ دکھاؤ اور صلح کی اپنی طرف سے دعوت نہ دو درانحالیکہ تم برتر ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال کو رائگاں نہیں کرے گا''۔

پہلے جملے کو دیکھتے ہوئے سمجھ میں آجاتا ہے کہ اپنی طرف سے صلح کی دعوت جس کی ممانعت ہوئی ہے، وہ وہ ہے جو ہمت ہارنے کی بنا پر ہو، نہ کہ کچھ بلند مقاصد کے تحفظ یا امن پسندی یا اتمام حجت کی خاطر اور آخری فقرے سے ظاہر ہے کہ یہ عاجزی نہ کرنے کی دعوت اس یقین دہانی کے ساتھ نہیں ہے کہ تمہیں مادی فتح ضرور حاصل ہوگی بلکہ صرف اس لیے کہ یہ ایک فریضہ ہے جسے تمہیں انجام دینا چاہیے اور اگر تم نے ظاہری شکست بھی کھائی یا اس راہ میں ختم بھی ہو گئے تو تمہارے اعمال کا اجر تو ضائع نہیں ہو سکتا۔ اس لیے الاعلون کا ترجمہ ہم نے یہ نہیں کیا کہ تم ضرور غالب آو گے جو بعض لوگ سمجھے ہیں۔[2] بلکہ اس کا ترجمہ واقعاً یہی ہے تم برتر ہو یعنی اہل حق العلون کا مصداق بہرصورت ہیں چاہے فتح پائیں یا وقتی طور پر شکست سے دوچار ہوں۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا

[1]۔لاتبطلوا اعمالکم بالشك والنفاق عن عطا... مجمع البیان
[2]۔انتم القاهرون الغالبون فی قول مجاهد (تبیان)

www.kitabmart.in

يَسۡـَٔلۡكُمۡ اَمۡوَالَكُمۡ ﴿٣٦﴾ اِنۡ يَّسۡـَٔلۡكُمُوۡهَا فَيُحۡفِكُمۡ تَبۡخَلُوۡا وَيُخۡرِجۡ اَضۡغَانَكُمۡ ﴿٣٧﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَاۤءِ تُدۡعَوۡنَ لِتُنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يَّبۡخَلُ ۚ وَمَنۡ يَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا يَبۡخَلُ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الۡغَنِىُّ وَاَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ ۚ وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَكُمۡ ﴿٣٨﴾

''دینوی زندگی تو بس کھیل اور تفریح ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری اختیار کرو تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کریں گا اور تم سے تمہارے اموال نہیں مال گے گا۔ اگر وہ تم سے انہیں مانگتے ہوئے اصرار سے بھی کام لے تو تم بخل سے کام لوگے اور وہ تمہارے دلی کینوں کو نمایاں کردے گا، دیکھو تو تمہارا تو یہ عالم ہے کہ تمہیں دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو تم میں ایسے ہیں جو بخل کرتا ہے تو وہ اپنے ہی سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم خود محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو تو وہ تمہارے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا، پھر وہ تمہارے ایسی نہیں ہوگی''۔

عرب مسلمانوں کو پہلی صدی کے آخر سے موالی وراعجام پر رشک آنے لگا کہ وہ مسلم سیاست ہی پر نہیں بلکہ علمی افق پر بھی چھائے جاتے ہیں۔ اس تعصب کے جذبے کو بنی امیہ نے عرب قومیت کا جذبہ نہیں ابھار کر بہت تقویت پہنچائی جس کے زیر اثر آج تک جمہوریت کے بہت سے مصنفین عجموں کو بہت کوستے ہیں اور ان پر اسلام کے مسخ کرنے کا الزام لگاتے ہیں لیکن قرآن اپنے معجزانہ انداز میں اس پر پہلے ہی انتباہ کرر ہا تھا کہ اگر تم نے پوری وفاداری سے کام نہ لیا تو وہ تمہاری بدلے دوسری قوم کو لیے آئے گا۔ ہماری قدیم تفسیر میں جو اکثر کلماتِ معصومینؑ پر مبنی ہے۔ اس دوسری قوم کی تفسیر موالی ہی کے ساتھ ہوئی ہے۔ [1] جناب شیخ طوسیؒ نے جو متعدد قول نقل کیے ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے اہل ایران مراد ہیں۔ [2] علامہ طبرسیؒ نے متعدد حدیثیں درج کی ہیں، ان میں طرق اہل سنت سے ایک حدیث نبویؐ ہے جس میں ایرانیوں کو دوسری قوم کا مصداق بتایا گیا ہے اور دو (۲) حدیثوں میں جو معصومین علیہم السلام سے ہیں موالی کے ساتھ تفسیر ہوئی ہے۔ [3]

---

[1] ۔عنی ابناء اموالی المتقدمین (علی ابن ابراہیم)

[2] ۔قیل مثل سلمان واشباھہ منا ابناء فارس (تبیان)

[3] ۔روی ابو ھریرۃ ان اناا صحاب رسول اللہ رضی اللہ عنہا قالو یا رسول اللہ رضی اللہ عنہا من ھوءلآء الذین ذکر اللہ فی کتابہ وکان سلمان الیٰ جنب رسول اللہ فضرب یدہ علیٰ فخذ سلمان فقال ھٰذا وقومہ...روی ابو بصیر عن ابی جعفر علیہ السلام قال ان تتولو یا مشعر العرب یستبدل قوماً غیرکم یعنی الموالی... عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال: قدر اللہ ایدل بہم خیراً منہم الموالی (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ الْفَتْح

مدنیہ----۲۹----آیات

اس سورے کا آغاز چونکہ ''فتح مبین' عطا کرنے کے اعلان سے ہوا ہے، اس لیے اس سورے کا یہ نام ہوا۔

سورۂ فتح کے خاص خاص مضامین:

۱......رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے قبل اور بعد کے جرائم کی معافی جس کی بقدر ضرورت تشریح کی جائے گی۔

۲......تعظیم رسول کا حکم۔

۳......پیغمبر خدا سے بیعت اللہ سے بیعت اور آپ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ۔

۴......کچھ مسلمانوں کی رسول کے لئے بداندیشیاں کہ آپ اب زندہ واپس نہیں آئیں گے۔

۵......کچھ مسلمانوں سے ان کے اصرار کے باوجود جہاد میں لے جانے سے انکار اور اس کی وجہ۔

۶......معذورین کے لیے معافی کا اعلان۔

۷......بیعت شجرہ کا ذکر اور خالق کا اعلان خوشنودی۔

۸......آئندہ اموال غنیمت کے حصول کی اطلاع۔

۹......حدیبیہ میں جنگ نہ ہونے دینے کا سبب۔

۱۰......صلح حدیبیہ سے غیر مطمئن افراد کو مطمئن بنانے کی کوشش۔

۱۱......حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی صریحی اعلان کے ساتھ آپ کے حقیقی ساتھیوں کی شان اور ان کا کردار۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ﴿۱﴾ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ
وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا
عَزِيۡزًا ﴿۳﴾

یقیناً ہم نے آپ کو ایک بڑی نمایاں فتح عطا کی تاکہ اللہ نظر انداز کرا دے جو کچھ جرائم آپ کے پہلے والے ہوں یا

www.kitabmart.in

بعد والے اور وہ اپنی نعمت کو آپ پر مکمل کر دے اور آپ کو منزل مقصود تک پہنچائے اور اللہ آپ کی مدد کرے زبردست"۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے قبل اور بعد کے جرائم کی معافی کے معنی

یہ بات متفق علیہ ہے کہ یہ سورہ صلح حدیبیہ کے بعد بلا فاصلہ اترا ہے۔اس صورت میں اس فتح سے مراد کیا ہے؟ مادی نقطہ نظر والے مفسرین جو فتوحات کے معنی ممالک کو زیر نگین کرنے اور طاقت سے طاقت کو شکست دینے کے سمجھتے ہیں، اس فتح سے مراد لیتے ہیں اس کے بعد والی فتح مکہ وغیرہ کو اور اس لیے شاہ ولی اللہ نے فتحنا کا ترجمہ کیا ہے "حکم کردیم برائی تو بفتح ظاہر" مگر ظاہر ہے کہ فتح کے معنی تو فتح دینے ہی کے ہیں، حکم فتح جاری کرنے کے نہیں ہیں اور فتح کا اعلان بصیغہ ماضی کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ وقوع میں آ چکی، نہ کہ بطور وعدہ مستقبل ،اگر چہ مستقبل کا بصورت ماضی اظہار حتم وجزم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے مگر بلا شبہ وہ مجازی حیثیت رکھتا ہے جسے بلا وجہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اس لیے درست یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صلح حدیبیہ ہی ہے جسے خالق نے "فتح مبین" سے تعبیر کیا ہے جس کی تائید میں صدر اول کے اقوال بھی موجود ہیں۔[1]

اس سے اس حقیقت تک رسائی ہوتی ہے کہ اسلام مادی فتوحات کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنی روحانی فتح کو جو عزیمت وطمانیت اور اخلاق وکردار کے میدان میں ہو اور جس سے مخالف ذہنیت کو شکست ہو اور اسی اعتبار سے ہم کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے لیے دائمی فتح مانتے ہیں ہر یزید کی دائمی شکست جو بالکل قرآنی رہنمائی کے مطابق ہے۔

دوسرا امر جو اس آیت میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، یہ جملہ ہے کہ لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر جس کا ترجمہ ہم نے کیا ہے کہ "نظر انداز کرا دے خدا جو کچھ جرائم آپ کے پہلے والے ہوں یا اس کے بعد والے"۔یہاں ان لوگوں کو کوئی اہمیت محسوس نہیں ہوتی جن کی نظر میں عصمت انبیاؑ کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور اس لیے جناب شاہ ولی اللہ کو تو اس پر کوئی تشریحی نوٹ لکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔شاہ عبدالقادر نے نوٹ دیا تو یہ کہ:

"یعنی تجھ کو اس تحمل سے درجے بڑھیں اور یہ بات اللہ نے کسی کو نہیں فرمائی کہ اگلے پچھلے گناہ بخشے اگر چہ بہت بندے ہیں۔اس میں نڈر کر دینا ہے"(موضح القرآن)

"یعنی ان کے نزدیک رسولؐ بڑی فضیلت یہ ہے کہ آپ کے لیے یہ اعلان ہو گیا اور اللہ نے آپ کے نڈر ہونے کا اندیشہ محسوس نہیں فرمایا مگر آخر یہ سب گناہ آئے کہاں سے جن کے لیے معاف کرنے کا اعلان ہوا ہے؟

بے شک جلالین کے ضمیر ایمانی میں اس سے خلش محسوس ہوئی، اس لیے لکھ دیا کہ:

وهو مأول العصمة الانبيأ بالدليل العقلي القاطع من الذنوب.

اس میں تاویل کی ضرورت ہے گناہوں سے انبیا کے معصومؑ ہونے کی وجہ سے جو قطعی دلیل عقلی سے ثابت ہے۔

---

[1] قال القراء الفتح قد يكون صلحاً...وقال الزهري لم يكن فتح اعظم من صلح الحديبيه (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

مگر یہ تاویل کیا ہے؟اس سے وہ کترا کر آگے بڑھ گئے۔

میری نظر میں یہاں جو مفہوم ہے، اس کے لیے تمہیداً ایک پہلو پر توجہ دلانا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ گزشتہ اور آیندہ جرائم کی اس مغفرت کو قرآن نے نتیجہ اس فتح کا قرار دیا ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ نے بھی ترجمہ میں لکھا ہے:۔

دعاقبت فتح آنست کہ بیامرزوترا خدا آنچہ کہ سابق گزشت از گناہ تو و آنچہ پسماند۔اس فتح کا نتیجہ یہ ہے کہ بخش دے آپ کے لیے خدا جو پہلے ہو چکے آپ کے گناہ اور جو اس کے بعد ہوں۔

تفسیر جلالین میں ہے کہ

وَ اللّام للعلّۃ الغائبۃ فمد خولھا مسبّب لاسبب۔

(لیغفر میں)لام نتیجہ و مقصد کو ظاہر کرتا ہے تو اس کے بعد جو شے ہے وہ اس فتح کے سبب سے ہے نہ یہ کہ وہ اس کا سبب ہے۔

اب ہر شخص سوچ سمجھ سکتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں انسان کے جو گناہ ہیں، ان کا اور دشمنوں کے مقابلے میں نمایاں فتح حاصل ہونے کا کیا ربط ہے؟ دشمنوں کے مقابلے میں فتح ہوئی اور اس کے نتیجے میں جو آپ کے گزشتہ گناہ ہوئے ہیں اور جو آیندہ ہوں گے سب معاف ہو گئے۔ان دونوں میں باہم کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔

اس بنا پر صحیح نقطہ نظر یہ معلوم ہوتا ہے جسے میں اپنے ضمیر ایمانی اور عقل انسانی کے سہارے پر یقینی سمجھتا ہوں کہ یہاں ذنب سے مراد وہ باتیں ہیں ہی نہیں جنہیں اللہ گناہ سمجھتا ہے بلکہ یہ اطلاق ان لوگوں کے مزعومہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہے جن کے مقابلے میں یہ فتح ہوئی اور وہ مشرکین ہیں کہ اس کے پہلے ان کی نگاہ میں آپ کے بڑے گناہ تھے جن کا وہ چرچا کیا کرتے تھے مگر آپ کی اس فتح کے بعد جو اس وقت اخلاقی حیثیت سے حاصل ہوئی ہے اور اس کے بعد فتح مکے میں ظاہری طور پر بھی حاصل ہو جائے گی۔اس طرح ان کی زبانیں بند ہو گئی یہ رفتہ رفتہ اسلام کے دائرے میں داخل ہوتے جائیں گے اور نتیجہ میں جو کچھ آپ کر چکے، وہ بھی صحیح قرار پائے گا اور جو کچھ آیندہ کریں، اس پر بھی حرف گیری نہ ہو۔اس طرح اللہ کے بخشنے کا مطلب اس کی طرف سے ایسا کرنا ہے کہ اب کوئی آپ کو مجرم کہنے والا نہ ہوگا۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۴ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝۵ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝۶ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷

www.kitabmart.in

وہ وہ ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکون و اطمینان اتارا تا کہ وہ اپنے موجودہ ایمان کے ساتھ ایمان میں مزید ترقی کریں اور اللہ کے لیے آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ بڑا جاننے والا ہے، اور حکمت والا تا کہ وہ باایمان مردوں اور باایمان عورتوں کو داخل کرے ان بہشتوں میں جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں اور ان کی طرف سے ان کی غلطیوں کا کفارہ کردے اور یہ ہے اللہ کے نزدیک ایک بڑی کامیابی اور منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو سب اللہ کی نسبت برے خیالات رکھتے ہیں سزا دے انہی کے خلاف ہوگا اس برائی کا انجام اور اللہ ان پر غضبناک ہے اور ان پر لعنت کرتا ہے اور اس نے ان کے لیے مہیا رکھا ہے دوزخ کو اور وہ بہت برا انجام ہے اور اللہ کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کے لشکر اور اللہ زبردست ہے، بڑی سوجھ بوجھ والا"۔

حدیبیہ کی صلح کے بارے میں مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے میں چہ می گوئیاں ہوئیں اور بہت سے افراد کو شک کا دورہ پڑا۔ ان کے مقابل وہ افراد تھے جنہیں اس صلح کی حقانیت میں قطعی کوئی تردد نہ تھا۔ انہی کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں سکون واطمینان اتارا۔[1]

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ⑧ لِّتُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۚ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ⑨

"یقین جاننا چاہیے کہ ہم نے آپ کو بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا تا کہ تم لوگ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے پیغمبر پر اور اس کی مدد کرو اور اس کی عزت کرو اور اس کی ذات (خدا) کی تسبیح کرو صبح اور شام"۔

علم معانی و بیان میں تو صنعت التفات کو صرف بعض انداز کلام کی تبدیلیوں میں محدود کیا گیا ہے مگر بلند پایہ فصیح پیرایہ ہائے کلام میں بہت قسم کے نمونے تبدیل کے ملتے ہیں چنانچہ یہاں خطاب سے خطاب ہی کی طرف منتقل ہونا ہے مگر پہلا واحد حاضر کا خطاب ہے رسول کی طرف روئے سخن کے ساتھ اور دوسرا عامۂ خلائق سے جمع حاضر کے ساتھ "آپ کو بھیجا ہے" رسول سے خطاب اور اس سے ملا کر تا کہ تم لوگ ایمان لاؤ دوسروں سے خطاب۔ اس کا نام ان کے یہاں چاہے "التفات" نہ ہو مگر یہ ہے اس نوعیت کی چیز جس کی نظیریں قرآن مجید میں اور بھی موجود ہیں۔ شاھد کے معنی تو گواہ ہی کے ہیں قرآن میں ہر رسول کے لیے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی امت پر شاہد ہوتا ہے اور ہمارے رسولؐ اپنی تمام امت پر بھی شاہد ہیں اور اس کے علاوہ ایک سلسلہ شاہدوں کا جو انبیاء تھے، آپ کے پہلے تھا اور ایک سلسلہ آپ کے بعد قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے اور آپ ان قبل والوں پر بھی شاہد ہیں اور بعد والوں پر بھی۔

تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم

اب یہ گواہی خواہ روز قیامت لفظی طور پر ہو ان کی کارگزاری کے متعلق جیسے ایک افسر بالا اپنے پورے عملے کی رپوٹ پیش

[1] ہم الذین لم یخالفوا رسول اللہ ﷺ ولم ینکروا علیہ الصلح (علی ابن ابراہیم)

www.kitabmart.in

کرتا ہے اورخواہ جیسا کہ اس کی حقیقت کا ہم تصور کرتے ہیں؟ وہ نمونہ عمل اور کسوٹی کی حیثیت سے ہے جس کی مطابقت اورعدم مطابقت سے مقدار صحت وکمال عمل کا ثبوت ہوتا ہے۔

رسول خدا پر ایمان اوران کی نصرت کے حکم کے ساتھ جو تیسرا حکم **توقروہ** کے لفظ کے ساتھ ہے اس میں صاف تعظیم رسول کا حکم ہے جس کے بعد کسی مسلمان کو حق نہیں کہ وہ تعظیم رسول کے کسی طریقے کو شرک قرار دے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾

''یہ لوگ جو آپ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے تو جو عہد کو توڑے گا وہ توڑ کے اپنا ہی نقصان کرے گا اور جو پورا کرے گا اسے جو اس نے اللہ سے عہد و پیمان کیا ہے تو اللہ اسے بہت بڑا صلہ عطا کریگا''۔

یہ پیغمبرؐ کے نمائندۂ خالق بلکہ نائب خالق ہونے کا وہ بلند پایہ اعلان ہے تو آپ کی ذمہ دارانہ حیثیت ہی نہیں بلکہ عصمت عملی کا عظیم الشان ثبوت بھی ہے۔ اس لیے کہ اللہ جس ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہے، اور وہ وہ نہیں ہے جو ظلم وتعدی کرے، جو غلط کام کا انجام دے اور گناہ کا مرتکب ہو۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

''عنقریب کہیں گے آپ سے وہ جو ساتھ چھوڑ کر پیچھے رہ گئے صحرائی عربوں میں سے کہ ہمیں روکے رکھا ہمارے مال اور گھر والوں کے جھمیلوں نے تو ہمارے لیے بخشش کی دعا کر دیجئے، یہ اپنی زبانوں سے کہتے ہیں وہ جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، کہیئے تو پھر کون تمہارے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز پر بھی قدرت رکھتا ہے اگر وہ

www.kitabmart.in

تمہارے نقصان چاہے یا تمہارا نفع چاہے بلکہ اللہ جو تم کرتے ہو، اس سے باخبر ہے بلکہ تم نے تو خیال کیا تھا کہ پیغمبرؐ اور ایمان والے لوگ اب کبھی بھی اپنے گھروں کی طرف واپس نہیں آئیں گے اور یہی سبز باغ لہلہا رہے تھے تمہارے دلوں میں اور تم نے برے خیال باندھ رکھے تھے اور تم لوگ ہلاک ہونے والی جماعت تھے اور جو ایمان نہ لایا ہو اللہ اور اسکے پیغمبرؐ پر، تو یقیناً ہم نے کافروں کے لیے دوزخ تیار رکھا ہے اور اللہ کے لیے تو آسمان اور زمین کی سلطنت ہے، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے اور بلاشبہ اللہ بڑا بخشنے والا ہے، مہربان''۔

پیچھے رہنے والوں سے مراد فریقین کی روایتوں کی رو سے وہ ہیں جنہوں نے حدیبیہ والے سفر میں جو مکّہ معظّمہ کی طرف تھا، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جانے سے پہلوتہی کی تھی اور ان کی اس کوتاہی کی سزا یہ دی گئی کہ اب وہ خیبر کی مہم میں رسولؐ کے ساتھ جانے سے روک دیے گئے۔[1]

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

''وہ پیچھے رہنے والے عنقریب کہیں گے اس وقت جب تم اموال غنیمت کی طرف جاؤ گے کہ ان پر قبضہ کرو، ارے ہمیں بھی اپنے پیچھے آنے دو، وہ اللہ کی بات کو بدلوانا چاہتے ہیں، کہہ دیجئے کہ ہرگز تم ہمارے پیچھے نہیں آسکتے، اسی طرح اللہ نے پہلے کہہ دیا ہے۔ اس پر وہ کہیں گے بلکہ تم لوگ ہم سے جلتے ہو (نہیں) بلکہ وہ ہمیشہ سے ایسے (بدمغزے) رہے کہ اُن کی سمجھ میں نہیں آتا مگر بہت کم''۔

کچھ مسلمان باوجود اصرار جہاد میں ساتھ نہیں لیے گئے

چونکہ خیبر میں کافی مال غنیمت کے ملنے کی امید تھی، اس لیے وہ عرب جو حدیبیہ میں نہیں گئے تھے اب اس جنگ میں ساتھ چلنے کے لیے بے تاب تھے، مگر گزشتہ مہم میں ان کے نہ جانے کی سزا یہ دی گئی اب انہیں اس جنگ میں ساتھ جانے سے روک دیا گیا۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اپنے گذشتہ کردار کو یاد کر کے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر پشیمان ہوتے مگر اس کے بجائے وہ الٹے یہ کہتے ہیں کہ دوسرے مسلمان ہم سے جلتے ہیں جو ہمیں ساتھ آنے نہیں دیتے۔ یہ بدمغزاپن نہیں تو اور کیا ہے؟

''وہ اللہ کی بات کو بدلوانا چاہتے ہیں'' یعنی اللہ نے پہلے سے یہ طے کر دیا تھا کہ خیبر کے مال غنیمت ان کے ہاتھ آئیں گے جو حدیبیہ

---

[1] لما رجع رسول اللہ ﷺ الی المدینۃ من الحدیبیہ خزا خیرا فاستأذنہ المخلفون من الاعراب ان یخرجوا معہ (علی ابن ابراھیم) (یعنی آنانکہ در سفر حدیبیہ موافقت نہ کردند (فتح الرحمٰن)

www.kitabmart.in

والے سفر میں ساتھ جائیں گے۔[۱]

علامہ طبرسیؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے ایسا تصور کیا ہے کہ کلام اللہ سے مراد خالق کا وہ اعلان ہے جو رسولؐ کی زبانی کرایا گیا تھا:۔

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ (توبہ ۔۸۳)

کہہ دیجئے کہ تم اب کبھی میرے ساتھ کسی مہم پر نہیں نکلو گے اور میرے ساتھ مل کر کبھی بھی کسی دشمن سے جنگ نصیب نہیں ہو گی تم پہلی مرتبہ گھر میں بیٹھے رہنے کو پسند کر چکے تو اب بیٹھے رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔

مگر یہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ یہ اعلان ان لوگوں کے لیے ہوا تھا جو تبوک کی مہم میں نہیں گئے تھے اور وہ حدیبیہ اور جنگ خیبر کے بہت بعد فتح مکّہ معظّمہ اور جنگ حنین سب کے بعد ۹ھ کی بات ہے جس کے بعد پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غزوے پر تشریف ہی نہیں لے گئے اس طرح اس اعلان کی عملی تصدیق ہوئی کہ تمہیں اب کبھی یہ سعادت نصیب نہیں ہو گی کہ میرے ساتھ کسی مہم میں چل سکو، اس صورت میں یہ اعلان اس کلام اللہ کے لفظ سے کہاں مراد ہو سکتا ہے جو اس سے کئی سال پہلے کی مہم سے متعلق ہے؟[۲]

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

"کہیے ان پیچھے بیٹھے رہنے والے صحرائی عربوں سے کہ عنقریب تمہیں بلایا جائے گا ایسی جماعت کے مقابلے کے لیے جو سخت طاقت ور ہو گی ان سے تمہیں جنگ کرنا ہو گی یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کریں تو اب اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا صلہ عنایت کرے گا اور اگر تم نے روگردانی کی جیسے پہلے روگردانی کر چکے تو تمہیں سخت سزا دی جائے گی"۔

یعنی اب اس وقت ان اموال غنیمت کی خاطر تو تمہیں نہیں لے جایا جا سکتا مگر تمہیں اصلاح عمل کا ایک موقع دیا جائے گا اور اس میں اگر تم نے وفاداری کا ثبوت دیا تو پھر یہ پہلے کی غلطی نظرانداز کر دی جائے گی اور اگر پھر تم نے ایسی کمزوری دکھائی تو اس کے بعد عذاب کے سوا کوئی صورت نہیں ہے

"اب یہ موقع کب تھا؟ یہاں مفسرین اہل سنت اجمال قرآن سے فائدہ اٹھا کر اسے جنگ فارس یا روم یا کسی اور مہم سے متعلق کرتے ہیں جو بعد رسولؐ واقع ہوئی ہے۔[۳]

---

[۱]۔ یعنی ما وعد بہ اھل الحدیبیۃ ان غنیمۃ خیبر لھم خاصۃ (تبیان)

[۲]۔ کیف تکون ھذہ الایۃ مرادۃ بقول "کلام اللہ" وقد نزلت بعد بأربع سنین (مجمع البیان)

[۳]۔ قیل ھم بنو حنیفۃ اصحاب الیمامۃ وقیل فارس والروم (جلالین)

www.kitabmart.in

مگر یہ تو اس وقت صحیح ہوتا جب یہ اعلان بالکل حیات پیغمبرؐ کے آخری دور میں ہوا ہوتا جس کے بعد پھر رسولؐ نے کوئی لڑائی لڑی ہی نہیں مگر جب یہ فتح خیبر کے پہلے کا اعلان ہے کہ اس جنگ میں تم نہیں لے جائے جاؤ گے۔ اس کے بعد ایک سخت معرکہ سامنے آئے گا، اُس میں تمہارے کردار کے جوہر دیکھے جائیں گے۔ اور بالاتفاق اس کے بعد رسولؐ کو معرکہ حنین در پیش ہوا تو آخر اس اعلان کو درمیانی واقعات سے ایک دم چھلانگ لگا کر بعد رسولؐ کی لڑائیوں سے متعلق کرنے میں کیا معقولیت ہے؟ جب کہ صدر اول کے کچھ مفسرین اسے حنین سے متعلق قرار بھی دے رہے ہیں۔[1]

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

''اندھے پر کوئی سختی نہیں ہے اور نہ لنگڑے پر سختی ہے اور نہ بیمار پر سختی ہے اور جو اللہ اس کے پیغمبر کی اطاعت کرے تو وہ اسے داخل کرے گا ان بہشتوں میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور جو روگردانی کرے گا۔ اسے وہ دردناک عذاب کی سزا دے گا''۔

چونکہ سابق میں جہاد سے پہلوتہی کرنے والوں کی مذمت تھی، اس لیے معذور قسم کے افراد کے ذکر کی ضرورت ہوئی کہ ان لوگوں کے لیے معافی ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

''اللہ راضی ہوا ہے ایمان والوں سے جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے تو اس نے جانا اسے جو ان کے دلوں میں ہے تو اتارا سکون واطمینان ان پر اور انہیں عنایت کی ایک قریبی فتح اور بہت سے اموال غنیمت جن پر وہ قابض ہوں اور اللہ زبردست ہے، صحیح کام کرنے والا''۔

بیعت شجرہ کا ذکر اور خالق کا اعلان خوشنودی

یہ بیعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّہ معظّمہ کے قریب پہنچ کر اسی سفر جس کے نتیجے میں صلح حدیبیہ ہوئی ہے، ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر لی تھی، اس لیے اس کو ''بیعت شجرہ'' کہتے ہیں اور اسی کے متعلق یہ آیت اتری ہے جس کا آغاز لقد رضی اللہ سے ہے ''یعنی اللہ راضی ہوا ہے'' اس لیے

[1]۔ قال سعید بن جبیر وعکرمہ وقتادۃ ھم ھوازن بحنین (تبیان) لا معنی لحمل ذالک علی ما بعدہ وقانہ (جمع البیان)

www.kitabmart.in

اس کو ''بیعت الرضوان'' بھی کہتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ تمام افراد جنہوں نے اس وقت بیعت کی تھی، سب رضائے الٰہی کے مستحق ہو گئے مگر اس آیت میں یہ فقرہ کہ فعلم مافی قلوبھم ''اس نے جانا اسے جو ان کے دلوں میں ہے'' پوری طرح قابل توجہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو کچھ اس آیت میں کہا گیا ہے، وہ رسمی اسلام اور اس کے ساتھ اس رسمی بیعت سے وابستہ نہیں ہے بلکہ حقیقت ایمان سے وابستہ ہے جسے بس اللہ جانتا ہے۔ ورنہ مسلماً جو ایک منافقین کی جماعت وجود رکھتی تھی، بیعت کرنے والوں میں تو وہ بھی شامل تھی۔[1]

معلوم ہونا چاہیے کہ مال غنیمت ظاہری اسلام سے مل جاتا ہے مگر رضائے الٰہی ظاہری اسلام یا رسمی بیعت سے قطعاً متعلق نہیں ہے۔ اس لیے تاریخ میں صرف درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کی فہرست دیکھ کر سب کو رضائے الٰہی کا مستحق قرار دینا درست نہیں ہے۔

پھر یہ جو ارشاد ہو کہ ''اتارا سکون واطمینان اُن پر'' اور اس سکون واطمینان اُتارنے کا ذکر اس سورے میں پہلے بھی ہو چکا ہے اور وہاں بتایا جا چکا ہے کہ اس سکون واطمینان کی خاص علامت یہ تھی کہ اس صلح کے بارے میں ان کے دلوں میں شکوک وشبہات کا ہجوم نہ ہوا۔ اب یہی اس آیت میں رضائے الٰہی کا معیار قرار دیا جا رہا ہے لہٰذا جن کے دلوں میں شکوک کا غلبہ نمایاں ہو جائے، وہ اس کا مصداق قرار نہیں پا سکتے۔

''انہیں عنایت کی ایک قریبی فتح''۔ معلوم ہونا چاہیے کہ حدیبیہ کے بعد جو بلا فاصلہ ہوئی ہے، وہ فتح خیبر ہے تو یہ وعدہ الٰہی اس کے ہاتھ سے پورا ہوا جس کے ہاتھوں یہ فتح ہوئی ہے جس کے لیے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متفق علیہ حدیث خیبر: لاعطین الرایة الخ کے آخر میں فرمادیا تھا: یفتح اللہ علی یدیہ '' اللہ اس کے ہاتھوں یہ فتح عنایت کرے گا''۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

''اللہ نے تم سے وعدہ کیا بہت سے اموال غنیمت کا جن پر تم قابض ہو گے تو سردست تمہیں یہ عنایت کر دیے، اور ان لوگوں کے دست تعدی کو تم سے کوتاہ کر دیا اور اس لیے کہ وہ ایمان والوں کے لیے قدرت کی ایک نشانی ہو اور وہ تمہیں صحیح راستے کی ہدایت کرے اور دوسرے اموال بھی جن پر تمہیں دسترس نہیں ہوا، وہ اللہ کے قبضے میں ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''

ان اموال غنیمت کے بعد پھر آخر میں جو دوسرے اموال کا ذکر ہے، اسے بھی خاص مقصد کے ماتحت جنگ روم وایران کے اموال غنیمت سے متعلق کیا جاتا ہے، حالانکہ اس کے بعد خود عہد رسولؐ میں اموال غنیمت حاصل ہونا تھے اور ہوئے، انہی کو کیوں مراد نہ سمجھا جائے؟

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

---

[1]۔ قد بائع النبی صلی اللہ علیہ وسلم جماعة من المنافقین فلا بد من تخصیص الآیة علی کل حال (تبیان)

www.kitabmart.in

''اور اگر کافر لوگ تم سے جنگ کرتے تو وہ پیٹھ پھراتے، پھر نہ ملتا انہیں کوئی دوست اور نہ مددگار، یہی اللہ کا دستور تھا جو پہلے سے جاری ہے اور تم ہرگز اللہ کے دستور میں تبدیلی نہیں پاؤ گے''۔

یعنی حدیبیہ میں حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ پیغمبرؐ بغیر جنگ کے واپس جائیں ورنہ جنگ ہوتی تو کفار مقابلے میں ٹھہر نہ سکتے تھے۔ وہ اسی طرح شکست کھاتے جیسے پہلے شکست کھاتے رہے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۲۴

''اور وہ وہ ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو روک دیا تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے مکے کے علاقے میں جب کہ تمہیں ان کے مقابلے میں پورا دسترس عطا کر دیا تھا اور اللہ اس کا جو تم کرتے ہو، دیکھنے والا ہے''۔

یوں تو اس سے مراد حدیبیہ کے موقع پر جنگ کا وقوع میں نہ آنا بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ علامہ طبرسیؒ کا نظریہ معلوم ہوتا ہے۔[1]

مگر عام طور پر اس کے تحت میں یہ واقعہ درج کیا گیا ہے کہ اسی حدیبیہ والی مہم میں بعض کا قول ہے کہ چالیس۔[2]

اور بعض کا قول ہے ستر (۷۰)۔[3]

یا اسی (۸۰)۔[4]

آدمی ادھر کے بھیجے ہوئے آئے تھے کہ مسلمانوں پر حملہ کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کریں مگر ان کی ہمت نہیں ہوئی اور وہ سب گرفتار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے گئے تو آپ نے سب کو معاف کر دیا جس کا اخلاقی اثر مخالفین اسلام پر بہت پڑا۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔــوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۲۵

وہ وہی ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور ان قربانی کے جانوروں کو جو کہ ساتھ تھے مانع ہوئے اس سے کہ وہ اپنے محل تک پہنچیں اور اگر نہ ہوتے کچھ باایمان مرد اور کچھ باایمان عورتیں کہ تم نادانستہ ان کی

[1]۔ (ذکر اللہ منہ علی المؤمنین بحجزہ بین الفریقین حتیٰ لم تفیتلا و حتیٰ انفق بینہم الصلح (مجمع البیان)

[2]۔ قال ابن عباس کان المشرکون بعثوا اربعین رجلا لیصیبوا من المسلمین فاتی بہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخلّی سبیلہم (تبیان)

[3]۔ بعد از انعقاد صلح ہفتاد تن از اوباش قریش خواستند کہ بے خبر بر صحابہ تاخت آرند (فتح الرحمٰن)

[4]۔ فان ثمانین منہم طافو بعسکر کم... جلالین)

www.kitabmart.in

پامالی کا سبب ہوجاتے تو تم پر ان کے سبب سے گناہ ہوتا لاعلمی میں تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کرے۔ اگر وہ الگ ہوجاتے تو ہم سزا دیتے ان میں سے کفر اختیار کرنے والوں کو دردناک عذاب کے ساتھ"۔

حدیبیہ میں جنگ نہ ہونے دینے کا سبب

یہ اس جماعت کو صلح حدیبیہ سے غیر مطمئن تھی، ان کی سطح ذہن کے مطابق مصلحت اس صلح کی بتائی جارہی ہے۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں :۔

"بعض مسلمان چھپے تھے مرد اور زن اور بعض ابھی مسلمان ہونے مقدر تھے اس روز کی فتح میں وہ پیسے جاتے۔ آخر دو (۲) برس کی صلح میں جتنے مسلمان ہونے تھے سب ہو چکے اور نکلنے والے نکل آئے تب اللہ نے مکّہ فتح کرا دیا" (موضح القرآن)

ہمارے یہاں کی ایک حدیث میں جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اس آیت کی تشریح یہ ہوئی ہے کہ کافروں کے صلب میں جو باایمان نسل علم الٰہی میں تھی، اس کا خیال خونریزی سے مانع تھا۔ اس صورت میں تَزَيَّلُوا "اگر وہ الگ ہوجاتے" اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نسل عالم شہود میں آچکی ہوتی تو عذاب سے مانع کوئی نہ ہوتا۔ [1]

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢٦﴾

"جب ان لوگوں نے جو کافر ہیں اپنے دلوں میں حمیت کا جذبہ پیدا کیا، وہ جاہلیت والی حمیت تو اللہ نے اپنا سکون اتارا اپنے پیغمبر پر اور ایمان والوں پر اور انہیں پابند رکھا پرہیزگاری کی بات کا اور وہ اس کے زیادہ حق دار اور اس کے لائق تھے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے"۔

صلح حدیبیہ سے غیر مطمئن افراد کو مطمئن بنانے کی کوشش

بلاشبہ کفار قریش کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس منصوبے سے کہ آپ مکّہ معظّمہ میں داخل ہو کر مراسم عبادت انجام دیں ناگواری محسوس کرنا، اس حمیت جاہلیت ہی کا نتیجہ تھا کہ جنہیں ہم مکّہ سے نکال چکے ہیں اور ان سے جنگ کرتے رہے ہیں، وہ اب ہماری آنکھوں کے سامنے بلامزاحمت مکّہ میں داخل ہوں لہٰذا وہ باوجود طاقت مقابلہ نہ ہو کے "حرکت مذبوحی کے طور پر مزاحمت کے لیے تیار ہوئے۔

اس کے مقابلے میں اللہ نے اپنی طرف سے سکون اتارا اپنے پیغمبرؐ پر ایمان والوں پر یعنی انہوں نے ان کی اس جہالت کے مقابلے میں ضبط و تحمل سے کام لیا، عام طور پر اہل تفسیر بس اتنے ہی پر نظر ڈالتے ہیں مگر اس حمیت جاہلیت کے مقابلے میں اسی نوعیت کی ایک حمیت مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ میں بھی تو کارفرما تھی، یعنی وہ ان کی اس جاہلیت کے مقابلے میں سکوت و سکون اور برداشت کو خود اپنی عزت

---

[1] . كان الله ودائع مومنون في اصلاب قوم كافرين (علی بن ابراھیم)

www.kitabmart.in

قومی کے خلاف سمجھتے تھے، چنانچہ جو حمیت کے معنی ہیں کسی بات کو اپنی شان کے خلاف سمجھنا۔[1]

ان کی ترجمانی صلح کی مخالفت میں ان الفاظ سے ہورہی تھی کہ 'لم تعطی الدنیة فی دیننا'' ''ہم اپنے دین کے بارے میں اس ذلت کو کیوں برداشت کریں'' لہٰذا اللہ کی طرف کے سکون واطمینان کی منزل وہی ثابت قدم اور مطمئن افراد مانے جاسکتے ہیں جو نہ کافروں کی حمیت جاہلیت کے مقابلے میں جوش سے کام لیں اور نہ اس اپنی جماعت کی اس حمیت سے جو بنام 'حمیت دینی' تھی متاثر ہو کر اپنے ہوش ایمانی کو ہاتھ سے دیں بلکہ رسولؐ کے ساتھ ساتھ اس صلح پر مطمئن رہیں چنانچہ بعد میں بلا فاصلہ جو آیت ہے اس سے بھی صاف نظر آتا ہے کہ مقابل میں وہ جماعت پیش نظر ہے جو اس صلح سے غیر مطمئن تھی کیونکہ انہی کے دل میں یہ بھی تھا اور زبان پر آرہا تھا کہ رسولؐ نے تو خواب دیکھا تھا کہ آپ مکّہ معظمہ میں داخل ہونگے تو اس صلح کے ساتھ بے نیل مرام واپسی کیوں ہورہی ہے، ان کے اس وسواس کا دفعیہ اس کے بعد کی آیت میں کیا گیا ہے بلکہ ہم تو محسوس کرتے ہیں کہ آخر سورہ تک بعد کی آیتیں بھی اس جماعت اور اس کے ترجمان کی گفتگو کے پس منظر میں اتری ہیں کیونکہ اس گفتگو کا یہ جز بھی تھا کہ کیا آپ خدا کے رسولؐ نہیں ہے؟ کیا ہم حق پر نہیں ہے؟ اب بعد کی آیتوں کے الفاظ دیکھئے کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اور پھر یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والوں کی یہ شان ہونا چاہیے یعنی جس سے پوری جماعت کی مدح میں بڑے زور کے ساتھ ایک قصیدے کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے وہ اس پس منظر میں اس جماعت کے بہت افراد پر تازیانے کی حیثیت رکھتا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾

''اللہ نے اپنے رسول کو حقیقتاً بالکل ہی سچا خواب دکھایا کہ تم لوگ انشاءاللہ ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اطمینان کے ساتھ اپنے سروں کو منڈوائے اور اپنے کچھ بال یا ناخن کترے ہوئے تمہیں کچھ خوف نہ ہوگا، پھر بھی اس نے جانا وہ جو تم نہیں جانتے تھے تو اس کے پہلے اس نے ایک دوسری فتح عطا کردی''

غیر مطمئن مسلمانوں کے دلوں میں بڑا وسوسہ یہ تھا اور وہ زبانوں پر بھی آرہا تھا کہ رسولؐ نے روانگی سے پہلے اپنا خواب بیان کیا تھا کہ ہم لوگ مکے میں داخل ہوئے ہیں مگر یہاں اس کے خلاف ہورہا ہے تو اسے صاف کہا گیا ہے کہ وہ خواب بالکل سچا تھا۔ ایسا ضرور ہوکر رہے گا مگر یہ ضروری نہیں کہ اسی سال ایسا ہو۔ خدا کے وعدے پر اعتبار رکھو اور شک وتذبذب کو اپنے دل میں راہ نہ دو۔

الفاظ قرآن کے لحاظ سے اس کے پہلے جو فتح عطا کی، اس سے مراد یہی صلح حدیبیہ بھی ہوسکتی ہے جو اخلاقی اور اصولی فتح کی حیثیت رکھتی تھی، مطلب یہ ہے کہ اس وقت اس نوعیت کی فتح دے دی لیکن ایک تفسیر اس کی یہ ہے کہ اس پہلی فتح سے فتح خیبر مراد ہے۔[2]

---

[1] ۔الحمية الانفة من الشئ (جلالین)

[2] ۔یعنی فتح خیبر (علی ابن ابراهیم)

www.kitabmart.in

جناب شیخ طوسیؒ نے صدر اول کے مفسرین کے دونوں قول نقل کئے ہیں۔[۱]
خالق کا خود اپنی مشیت کے فیصلے کے بعد میں ظاہر ہونے کے اعلان کے ساتھ جبکہ اس کے لیے اس کے وقوع میں شک وشبہ کا توہم بھی نہیں کیا جاسکتا انشاء اللہ کہنا اس سنت کو قائم کرنے کا عملی اہتمام ہے کہ بعد میں ہونے والی کسی بات کے کہنے میں چاہے کتنی ہی تمہارے لیے یقینی ہو انشاء اللہ ضرور کہہ لیا کرو، جب کہ انسان جسے یقینی سمجھتا ہے، وہ بھی اکثر بے حقیقت ثابت ہوجاتا ہے۔[۲]

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾

”وہ وہ ہے جس نے اپنے پیغمبر کو صحیح رہنمائی اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے اس لیے کہ اُسے ہر دین پر غالب کرے اور اللہ سے بڑھ کر کون گواہ ہوگا“

ایسی ہی آیت سورہ برأت میں دسویں پارے میں آچکی ہے جس کا بنیادی مضمون یہی ہے اور پھر اس کے بعد اٹھائیسویں پارے میں سورہ صف میں آئے گی۔

یہاں محل وقوع کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ انکی رسالت کو سچے دل سے تسلیم کرتے ہو تو ان کی باتوں میں شک وشبہ کو راہ نہ دو اور ان کے عمل اور فیصلے پر چوں وچرانہ کرو اور درمیان میں ناگوار صورت حال بھی پیش آئے تو مایوس نہ ہو اور سمجھو کہ نتیجے میں اللہ کی بات پوری ہو کر رہے گی۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

”محمد اللہ کے پیغمبرؐ ہیں اور وہ جو ان کے ساتھی ہیں، کافروں کے مقابلے میں سخت، آپس میں بڑے ترس والے ہیں، تم انہیں دیکھو گے رکوع اور سجود میں مصروف، کہ وہ طلب گار رہیں اللہ کی طرف کے فضل وکرم اور خوشنودی

[۱]۔ قال ابن زید یعنی بذالک فتح خیبر وقال الزهری هو فتح الحدیبیه (تبیان)
[۲]۔ قال ابو العباس تغلب استثنی الله فیما یعلم لیستثنی الناس فیما لا یعلمون (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

کے۔ان کی شان ان کے چہروں میں نمایاں ہے سجدے کے نشان سے۔یہی ان کی توصیف ہے توریت میں اور اُن کی توصیف انجیل میں اس کھیتی کی طرح ہے جس کے ادھر ادھر کو پلٹیں پھوٹیں اس کے بعد وہ پھکی اور اپنے قدوقامت پر کھڑی ہوئی ،کہ کاشت کرنے والوں کے لیے خوش آیند ہے تاکہ غم وغصہ میں مبتلاء کرے اس سے کافروں کو ،اللہ کا وعدہ ہے ان سے کہ جو ان میں با ایمان اورنیک اعمال رکھنے والے ہوں بخشش اور بڑے اجروثواب کا"۔

قرآن مجید کی آیت ہے،اس لیے اس کے مضمون کی حقانیت میں مسلمانوں کے اندر کوئی دو(۲) رائیں تو ہو ہی نہیں سکتیں مگر بس اتنا نظر کا پھیر ہے کہ کوئی بس جسمانی معیت کو اصل قرار دے اور پھر سمجھ لے کہ یہ سب توصیفات انہی کے ہیں، چاہے وہ اوصاف پائے جارہے ہوں یا نہیں اور کوئی اصل ان توصیفات کو قرار دے اور جن میں یہ اوصاف از روئے مشاہدہ اور بربنائے تواتر اخبار نظر آئیں انہی کو سمجھیں کہ وہ حقیقتاً رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی ہیں۔نہ کہ وہ جنہیں تاریخ کے آئینے میں دیکھا جارہا ہے وہ کفار کے مقابلے میں نرم ہیں اور اپنے آدمیوں کے مقابلے میں سخت ہیں،جن کا وقت بجائے رکوع سجود کے کبھی بازاروں کی گشت میں گزرتا ہوا اور کبھی سیاسی جوڑ توڑ میں یا جو رضائے الٰہی کے مقابلے میں مفادات دنیوی کو ترجیح دیتے رہے ہیں،ایسے لوگ ہر وقت رسولؐ کی معیت میں نظر آئیں مگر پیغمبر کے واقعی ساتھی نہیں ہیں۔

آخر میں خالق نے جو 'امنوا وعملوا الصالحات'' جو ایمان پر قائم رہیں اور نیک اعمال کرتے رہیں کے ساتھ منھم کا لفظ ارشاد فرمایا ہے'' اُن میں سے'' یہ عدالت صحابہ کی عمومیت کے قلعے کو چونکہ مسمار کردینے والی ہے،اس لیے تفسیر جلالین میں دفع دخل کیا گیا ہے اس طرح کہ:منھم ای الصحابه لبیان الجنس لا للتبعیض لان کلھم بالصفات المذکورۃ۔

مطلب یہ ہے کہ یہ من بیانیہ ہے جس کا ترجمہ ''یعنی'' سے ہوتا ہے اس طرح کہ اللہ کا وعدہ ہے ایمان اور عمل صالح رکھنے والوں سے یعنی انہی سے جو پہلے بیان ہوئے من تبعیضیہ نہیں ہے کہ جس سے ثابت ہو کہ اس جماعت میں کچھ لوگ اس صفت سے متصف نہیں۔اس کی دلیل کیا ہے؟ فرماتے ہیں:۔اس لیے کہ وہ تو سب اس صفت سے متصف تھے،اسے کہتے ہیں'مصادر علی المطلوب''یعنی دعوے کو دلیل میں پیش کردینا جو منطقی طور پر غلط ہوتا ہے اور اسے یوں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قرآن کو اپنے عقیدہ کا تابع بنانا ہے حالانکہ عقیدے کو قرآن کا تابع ہونا چاہیے۔

شاہ عبدالقادر کے ذوق کو بھی من بیانیه کی تاویل قابل قبول معلوم نہیں ہوئی۔انہوں نے اسے من تبعیضیہ ہی قرار دیا ہے مگر فرماتے ہیں:۔

''حضرت کے سب صحابہ ایسے ہی تھے مگر خامی آنے کا اندیشہ رکھا حق تعالیٰ بندوں کو ایسی خوشخبری نہیں دیتا کہ نڈر ہو جاویں۔مالک سے اتنی شاباشی بھی غنیمت ہے''(موضح القرآن)

سمجھے آپ؟ کیا مطلب ہوا؟ تھے تو وہ سب ایسے مگر خالق نے اس واقعیت کا اظہار خلاف مصلحت سمجھا لہٰذا مصلحتاً فرمادیا کہ جو ان میں سے ان اوصاف کے ہوں،ان سے وعدہ ہے۔اب معلوم نہیں خالق کے اس عمل کو تقیہ سمجھا جائے یا کیا؟ اور تقیہ بھی کن سے؟ وفادار بندوں یعنی خود صحابہ سے؟ سچ ہے انسان کو سخن پروری میں کیا پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ الْحُجُرَاتِ

مدنیہ۔۔۔۔۱۸۔۔۔۔آیات

''حجرات''یعنی چھوٹے چھوٹے رہنے کے ٹھکانے جنہیں آج کل کی زبان میں ''کوارٹر'' کہہ سکتے ہیں ''کمرے'' اور ہمارے معیار زندگی کے لحاظ سے ''کوٹھریاں'' ایسے ہی مکانات میں ازواج رسولؐ کا قیام تھا اور جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الشرف گویا ''محل'' یا ''حرم سرائے'' میں ہوتے تھے تو ان میں سے کسی میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ چونکہ اس سورے کی ایک آیت میں ان لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے جو بدتمیزی سے ''حجرات'' کے پیچھے کی دیواروں کی طرف سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارتے تھے اس لیے اس سورے کا یہ نام ہوا۔

سورۂ حجرات کے خاص خاص مضامین:

۱......پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش دستی کرنے کی شدید ممانعت۔

۲......رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر آواز بلند کرنے کی ممانعت اور رسولؐ کے سامنے آواز کو دھیما رکھنے کی ہدایت جس سے تعظیم رسولؐ میں اہتمام ظاہر ہے۔

۳......فاسق کے خبر دینے پر تحقیق کی ضرورت۔

۴......اچھائی سے محبت اور برائی سے نفرت یعنی تولا و تبرا کی تلقین۔

۵......مسلمانوں کو اس جماعت سے جو باغی ہو جنگ کرنے کا حکم۔

۶......آپس کی یکجہتی کے لیے ہدایت، ایک دوسرے سے تمسخر نہ کرے، پھبتیاں نہ کسے، بدگمانی سے کام نہ لے، دوسرے کے کاموں کا کھوج نہ کرے۔

۷......غیبت کی ممانعت اور شدید مزمت۔

۸......اسلامی مساوات کے ساتھ معیار امتیاز کا بیان۔

۹......اسلام آسان ہے اور ایمان مشکل ہے۔

۱۰......ایمان کا اصلی معیار۔

۱۱......اپنے اسلام اور ایمان کا اللہ پر احسان جتانا غلط ہے بلکہ یہ اللہ کا احسان اپنے اوپر ماننا چاہیے کہ اس نے قبول ہدایت کے ساتھ راہ راست کو اختیار کرنے یا اس پر قائم رہنے کی توفیق کرامت فرمائی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

www.kitabmart.in

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

"اے ایمان لانے والو! اللہ اور رسول کے سامنے پیش دستی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ سننے والا ہے، بڑا جاننے والا"۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش دستی کی سخت ممانعت

اس آیت کی شان نزول میں عجیب لطیفہ نظر آتا ہے کہ شیعوں کی قدیم تفسیر میں تو اسے بنی تمیم کے وفد سے متعلق قرار دیا ہے جو رسولؐ کی خدمت میں آئے تو آپ اندر تشریف رکھتے تھے، وہ باہر سے حضرت کا نام لے لے کر پکارنے لگے کہ باہر نکلیے اور پھر جب حضرت برآمد ہوئے تو ان کے آدمی آپ کے آگے آگے چلنے لگے اور بات کرنے لگے تو آپ کی صدا پر اپنی صدا بلند کر کے اور بات چیت میں بغیر کسی تعظیم و تکریم کے جیسے آپس میں گفتگو کرتے ہیں ویسے ہی آپؐ کا نام لے لے کر تخاطب کرنے لگے۔ اس پر یہ اور اس کے بعد کی آیتیں نازل ہوئیں۔[1]

مگر اہل سنت کی مشہور تفسیر جلالین میں ہے:۔

نزلت فی مجادلة ابی بکر و عمر علی النبیﷺ فی تامیر الاقرع بن جابس والقعقاع بن معبد.

یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی باہمی زوردار بحث کے بارے میں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر ہو رہی تھی کہ اقرع بن حابس سردار مانا جائے یا قعقاع بن معبد؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ موقع نزول تو وہی ہے جب بنی تمیم کا وفد آیا تھا مگر یہ شدید تنبیہ جو آیت میں کی گئی ہے، اس وقت کے ان نومسلم افراد کے کسی عمل پر نہ تھی بلکہ جناب شبلی نعمانی کی زبان میں اسلام کے جو "مہر و ماہ" ہیں، ان کے کردار پر تھی۔

جناب شیخ طوسیؒ نے شان نزول تو کچھ درج نہیں کی ہے۔ اصل مضمون آیت کی ہمہ گیری پر روشنی ڈالی ہے اور نتیجۃً اس کا یہ ہے کہ ہر کام جو خدا اور رسول کے خلاف کیا جائے، وہ ان کے مقابلے میں ایک طرح پیش دستی ہے۔[2]

ہمارے نزدیک یہ بات از روئے حقیقت درست ہونے کے باوجود ان آیات کو دیکھتے ہوئے جو اسی سورے میں اس سے متصل نظر آتی ہیں اس محل پر مقصود معلوم نہیں ہوتی بلکہ پورا سلسلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بے ادبیوں کی روک اور آپ کی تعظیم و تکریم کی اہمیت ذہن نشین کرنے ہی کے مقصد کا حامل نظر آتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ

---

[1]۔ نزلت فی وفد بنی تمیم (علی ابن ابراهیم)

[2]۔ الاولیٰ حمل الآیة علی عمومها فکل شئ اذا فعل خلاف الله ورسوله فهو تقدم بین ایدیهما (تبیان)

www.kitabmart.in

الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۳﴾

''اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ان سے زور زور سے باتیں کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ زور سے بات کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو، بے شک وہ جو اپنی آوازیں رسول خدا کے پاس دھیمی رکھتے ہیں، یہ وہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیز گاری کے لیے آزمالیا ہے ان کے لیے بخشش ہے اور بڑا اجر وثواب''۔

وہ جو رسولؐ اور ائمہ اور مقربین بارگاہ الٰہی کی تعظیم کو شرک کا مرادف سمجھتے ہیں آنکھ کھول کر دیکھیں کہ اس تعلیم قرآن اور سخت ترین انداز میں اس کی مخالفت پر زجر و توبیخ اور تخویف وتہدید، یہ تعظیم رسولؐ کی بحد لزوم دعوت ہے یا نہیں؟

تعظیم کو منع کرنے کا مطلب ہے برتاؤ میں کسی قسم کے بھی امتیاز کا نہ برتنا۔ اگر خالق کو یہ مدنظر ہوتا تو وہ رسول کے لیے خصوصی طور پر اس قسم کے امتیاز کا مطالبہ کیوں کرتا؟۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

''بلا شبہ یہ لوگ جو آپ کو حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں، ان میں زیادہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اور اگر وہ اتنا صبر وضبط سے کام لیتے کہ آپ خود ان کے پاس نکل کر آئیں تو ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا ہے بڑا مہربان''۔

''سورۂ حجرات'' نام اس سورے کا جو ہوا ہے، وہ اسی آیت سے جس کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے کہ جب حضرت پیغمبر خدا ﷺ اندر ہوتے تھے تو جاہل عرب پیچھے کی دیوار کی طرف سے آکر بدتمیزی سے آپ کو آواز دیتے تھے اسی سلسلے میں یہ آیت اتری ہے:۔

اس سے اور ایسی ہی دوسری آیتوں سے جو قرآن کریم مین، پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کیسی بدتمیز قوم سے ساتھ پڑا تھا مگر یہ آپ کا خلق عظیم' تھا کہ آپ اسے برداشت کرتے تھے لیکن خالق کریم قرآن کریم کی آیتوں کے ذریعے سے انہیں متنبہ کرتا تھا تا کہ ان لوگوں کی اصلاح وہ مقصد بھی جس پر آپ مامور ہیں، پورا ہو جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۶﴾

''اے ایمان لانے والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو کہ کہیں کسی جماعت کو تم ناواقفیت سے ضرر نہ پہنچا دو، پھر تمہیں اپنے کیے پر پشیمان ہونا پڑے''

www.kitabmart.in

فاسق کے خبر دینے پر تحقیق کی ضرورت

چونکہ ''عادل'' اور ''فاسق'' دونوں شرع اسلامی کی اصطلاح لفظیں ہیں جن کے حدود شرائط پر مکمل بحثیں فقہ میں ہوئی ہیں، اس لیے ان کا ترجمہ کسی دوسری لفظ سے مناسب معلوم نہیں ہوتا، بلکہ ترجمے میں بھی بعینہ وہی لفظیں درج کردی جانا چاہئیں، اب یہ فاسق جس کی خبر پر اس طرح عمل کرنے سے روکا گیا تھا، چاہے معلوم ہو کون ہے؟ اور وہ ولید بن عتبہ ہے مگر الفاظ آیت میں لفظ فاسق کسی خاص شخص کے نام کے طور پر تو آئی نہیں ہے بلکہ بطور وصف کلی طور پر آئی ہے لہٰذا وہ اور اس کی دلیل ہے کہ اس دور میں رسولؐ کے گردوپیش رہنے والی جماعت میں فاسق کے لفظ کے مصداق کا وجود ہے اور اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ بس ایک ہی شخص تھا۔

چونکہ حکم بہرحال ایک قانون کلی کی حیثیت رکھتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے لہٰذا اصول فقہ میں یہ منظر آتا ہے کہ اسی آیت سے خبر واحد کی حجیت پر جب کہ راوی عادل ہو استدلال کیا جاتا ہے جسے جناب شیخ مرتضیٰ انصاری کی رسائل میں دیکھا جا سکتا ہے اور اسی سے جناب شیخ الطائفہ اور ان کے تتبع میں علامہ طبرسیؒ نے عدم حجیت پر استدلال کیا ہے۔

پہلے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ فاسق کی خبر میں تحقیق کا حکم دیا گیا ہے یعنی اسے آنکھ بند کرکے باور نہ کرو۔ اب اگر عادل کی خبر میں بھی ایسا ہی ہے تو پھر فاسق اور عادل میں فرق ہی کیا ہوا؟

دوسرے استدلال کی بنیاد اس پر ہے کہ تحقیق کا حکم اس خطرے کی بنا پر ہوا ہے کہ تم بلاوجہ اس پر عمل کرکے کسی غلط کاری میں مبتلا نہ ہو اور یہ خطرہ خبر عادل میں بھی ہے لہٰذا اس کو بھی بغیر تحقیق قبول نہ کرنا چاہیے

اس کی اصل تحقیق و تنقیح تو اصول فقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ تفسیر میں اس پر کسی بسیط بحث کا محل نہیں ہے لیکن اس استدلال کے متعلق یہاں مختصراً عرض یہ ہے کہ عقلی طور پر یہ خطرہ ہے کہ کہیں نتیجتاً غلطی نہ ہو، یہ تو مسلمہ طور پر ''ظنون خاصہ'' جنہیں ''امارات'' کہتے ہیں جیسے بینہ یعنی دو عادلین کی گواہی وغیرہ ان میں بھی ہے، اس لیے کہ جب عادل کا معیار جو اصطلاح شرع میں ہے، معصوم ہونے کا مرادف نہیں ہے تو جیسے حد تواتر تک نہ پہونچے ہو عادلوں کی خبر میں جسے ''خبر واحد'' کہتے ہیں، مخالفت واقع کا امکان ہے، ویسے ہی دو (۲) عادلوں کی گوہی میں مگر چونکہ شریعت نے اسے معتبر قرار دیا ہے تو اس پر عمل میں ندامت کا سوال پیدا نہیں ہوتا جب کہ ضمیر مطمئن ہے کہ خدا نے جس چیز کو حجت یعنی قابل عمل قرار دیا ہے، ہم نے اس پر عمل کیا ہے۔ یہاں فاسق کی خبر میں عمل کو منع کرنے میں کہا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ناواقفیت سے غلط کام کر کے تو اپنے کیے پر نادم ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے اسے حجت قرار نہیں دیا ہے لیکن عادل کی خبر میں چاہے مخالفت واقع کا عقلاً امکان ہو، ندامت نہیں ہوگی کیونکہ عمل کی بنیاد ایک معتبر چیز پر ہے وہ خبر عادل ہے۔

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِيۡكُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ؕ لَوۡ يُطِيۡعُكُمۡ فِىۡ كَثِيۡرٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيۡكُمُ الۡاِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَكَرَّهَ اِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡيَانَ ؕ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ ۙ‏ ۝ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعۡمَةً ؕ

www.kitabmart.in

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۸﴾

''اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم میں اللہ کا رسول موجود ہے۔ اگر یہ بہت سی باتوں میں تمہارا کہنا مانے تو تم زحمت میں پڑھ جاؤ مگر اللہ نے محبوب بنایا ہے تمہارے لیے ایمان کو اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کیا ہے اور کفر اور فسق اور نافرمانی سے تمہیں ناگواری پیدا کی ہے، یہی لوگ وہ ہیں جو راہ راست پر قائم ہیں اللہ کے فضل وکرم سے اور اللہ بڑا جاننے والا ہے، ٹھیک کام کرنے والا ہے''۔

تولّی اور تبرّا کا حکم

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اچھائی سے محبت اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک برائی سے نفرت نہ ہو یہی قرآنی اصول تولا و تبرا کا سنگ بنیاد ہے اور ان دونوں پہلوؤں کے یکجا رکھنے والوں کے لیے قرآن کا اعلان ہے کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ''یہی لوگ راہ راست پر ہیں'' پھر سمجھ لیجیے ایمان سے محبت ہونا چاہیے اور کفر، فسق، اور معصیت سے نفرت اور ظاہر ہے کہ یہ غرض بغیر کسی محل کے قائم نہیں ہوسکتی، ان سے نفرت کے معنی ہوں گے ان افراد سے نفرت جو ان باتوں کے حامل ہوں صحیح راستہ یہی ہے باقی سب گمراہی۔

اس کے علاوہ آیت کے مرکزی مضمون کو بھی یاد رکھنا چاہیے یعنی پیغمبرؐ مسلمانوں کے مشورے پر عمل کے پابند نہیں ہیں، شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:۔

''یعنی تمہارا مشورہ قبول نہ ہو تو برا نہ مانو، رسول عمل کرتا ہے اللہ کے حکم پر، اسی میں تمہارا بھلا ہے، اگر تمہاری بات مانا کرے تو ہر کوئی اپنے بھلے کی کہے گا کس کس کی بات پر چلے'' (موضح القرآن)

ایک تلخ حقیقت جو آیت سے نمایاں ہے کہ ایمان کے مقابلے میں تین (۳) وصف ہیں کفر، فسوق اور عصیان اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح اعتقادی خامی جس کا نام کفر ہے ایمان کے تقاضے کے خلاف ہے، اسی طرح عملی کمزوریاں جن کا نام باختلاف مدارج فسق اور عصیان ہے، یہ بھی ایمان کے خلاف ہیں۔[1]

لہٰذا گناہوں میں سرشار رہتے ہوئے اس تصور میں مگن رہنا کہ بحمدہ ہم مؤمن تو ہیں، خیال خام کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾

''اور اگر مسلمانوں میں سے دو (۲) گروہ آپس میں لڑنے لگیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ اب اگر ایک نے

[1] فی الایۃ دلالۃ علی ان اضداد الایمان ثلثہ کفر وفسوق وعصیان (تبیان)

www.kitabmart.in

دوسرے کے خلاف ظلم وتعدی کی ہے تو جس نے تعدی کی ہے، اُس سے جنگ کرو اس حد تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف واپس آئے تو اگر واپس آجائے تو پھر دونوں میں صلح کرادو انصاف کے ساتھ اور انصاف سے کام لو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہی تو ہیں تو اپنے بھائیوں میں صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو، شاید اس کی رحمت تمہارے شامل حال ہو"

مسلمانوں کو باغی جماعت سے جنگ کرنے کا حکم

یہ وہ آیت قرآنی ہے جو "قتال بغاۃ" یعنی مسلمانوں میں سے جو لوگ حکومت اسلامی کے خلاف باغی ہوجائیں، ان سے جنگ کے بارے میں ہے جس کے اجمال کی تفصیل اور اس کے تحقق قوانین شرعی کے لیے علمائے اہل سنت اقرار رکھتے ہیں کہ وہ حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ان جنگوں سے جو جمل و صفین میں آپ نے لڑی تھیں معلوم ہوئے ہیں۔

جناب شیخ الطائفہؒ نے ایک بات پر متنبہ کرنا ضروری سمجھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان دونوں کا شمار مومنین میں، اس جنگ کے قبل کے لحاظ سے ہے لیکن اس جنگ کے بعد بھی وہ دونوں مومنین کا مصداق رہیں گے، یہ اس سے ثابت نہیں ہوتا۔[1]

میرا تصور یہ ہے کہ حقیقی ایمان جو معیار نجات ہے، وہ تو طائفتان من المؤمنین کہنے سے پہلے بھی ثابت نہیں ہوتا بلکہ المؤمنین یہاں جماعتی لقب کے طور پر ہے جو اقرار ایمان سے حاصل ہوجاتا ہے، ورنہ اگر اس معیار کے سب مومن ہوتے تو وہ آپس میں خونریز جنگ کرتے ہی نہ لیکن جہاں تک ظاہری اسلام اور اس کے قانونی احترام کا سوال ہے، وہ آیت کے مضمون کے لحاظ سے جنگ کے بعد بھی برقرار معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ ان بغاۃ کے احکام عام کفار سے مختلف کیوں ہوتے اور اگر بعد کی آیت کو قبل والی آیت کا تتمہ سمجھا جائے جیسا کہ اس کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ برادری کا رشتہ بھی جو جنگ کے قبل تھا، وہ جنگ کے بعد بھی قائم ہے جس کے تقاضوں کے واپس لانے اور بحال کرنے کے لیے صلح کرانے کا حکم دیا جارہا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

"اے ایمان والو! کوئی مردوں کی جماعت دوسری جماعت کے ساتھ تمسخر نہ کرے، بہت ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ کوئی عورتیں دوسری عورتوں کے ساتھ تمسخر کریں، بہت ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ اپنے آدمیوں پر چوٹیں کرو اور نہ برے خطابوں کے ساتھ یاد کرو کتنا برا نام ہے آدمی کا کہ ایمان لانے کے بعد فاسق

---

[1] لادلالۃ فی ھذا علی انھما اذا اقتتلا بقیا علی الایمان (تبیان)

www.kitabmart.in

کہلائے اور جو توبہ نہ کرے گا وہی ظالم لوگ ہیں''۔

مؤمنین سے تمسخر اور بدگمانی کی ممانعت

یہاں کی کئی آیتوں مسلمانوں کے درمیان یکجہتی قائم رکھنے اور باہم اسباب منافرت کے سدّ باب کے لیے تعلیمات ہیں جن کی مخالفت سے باہمی رنجش پیدا ہوتی ہے۔رنجش آگے بڑھ کر کسی نوعیت کے تصادم کی صورت اختیار کرتی ہے ان میں سے پہلی بات ہے دوسرے کے ساتھ تمسخر یہ وہ مذاق ہوتا ہے جس کے ساتھ توہین کا پہلو شامل اور اس میں ہوتا ہے اپنے کو بالاتر سمجھنا اور دوسرے کی تحقیر اس لیے کہا گیا کہ تمہیں حق نہیں ہے کہ کسی کو اپنے سے کمتر سمجھو، بہت ممکن ہے کہ وہ تم سے اللہ کے نزدیک بہتر ہوں، دوسرے چوٹیں کرنا جس میں اکثر صورت یہ ہوتی کہ اس شخص کا نام نہیں لیا جاتا مگر انداز ایسا ہوتا ہے کہ سب سمجھتے ہیں کہ یہ اسی پر ہے اور وہ بھی یہی سمجھتا ہے۔ممکن ہے کہ وہ جواب نہ دے یا نہ دے سکتا ہو مگر اس کے دل کو تکلیف تو ہوتی ہے۔

تیسرے (۳) برے خطابوں کے ساتھ پھبتیاں کنایہ بسا اوقات بعد میں اتنی مشہور ہو جاتی ہیں کہ تقریباً نام کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں جس کی ذمہ داری اس پہلے شخص پر ہوتی ہے جس نے اس کی ابتدا کی ہے۔

بعض لوگ بسا اوقات ایسا وقتی تفریح کے طور پر کرتے ہیں مگر آیت کے آخری الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ سب گناہ ہیں ایسے جو اصطلاح شرع میں 'فاسق' ہونے کا باعث ہوتے ہیں اور جن سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

''اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے پرہیز کرو، یقیناً بعض گمان بڑے گناہ ہوتے ہیں اور کھوج نہ کرو اور تم میں سے ایک دسرے کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں کا کوئی دوست رکھتا ہے کہ اپنے بھائی کا جب وہ مردہ ہو جائے تو اس کو گوشت کھائے۔اسے تم نے بھی برا سمجھا ہے اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان ہے۔''

تجسس، بدگمانی اور غیبت سے ممانعت

اسباب منافرت میں درجہ بدرجہ تین (۳) منزلوں پر ممانعت کے پہرے بٹھائے گئے ہیں۔اگر پہلی رکاوٹ کامیاب ہوگئی تو شاید دوسری منزل آئے ہی نہیں اور دوسری پر قدم رک جائیں تو شاید تیسری منزل تک جو شدید تر گناہ کی ہے، آدمی کے قدم نہ پہنچیں۔

پہلی منزل ہے بدگمانی کرنا پہلی دیوار ممانعت کی یہاں کھڑی کی گئی ہے دوسری (۲) منزل ہے بدگمانی پیدا ہونے کے بعد جستجو کہ ہم اس کا پتہ لگائیں، اسے منع کیا گیا کہ تجسس نہ کرو۔اب اگر اس کی اخلاف ورزی ہوئی اور تجسس سے پتہ چل گیا یا بغیر تجسس ہی اتفاق سے پتہ لگ جائے تو اب جو بہت سخت گناہ ہے اس سے روکا جا رہا ہے کہ تمہیں برائی معلوم بھی ہوگی تو خبردار اس کا چرچا نہ کرو، دوسروں سے اس کا ذکر نہ کرو۔یہ غیبت

www.kitabmart.in

ہے جو اس طرح کی بری چیز ہے جیسے مردہ بھائی کا گوشت کھانا جسے یقین ہے کہ ہر ایک کا ضمیر ناپسند کرتا ہے تو جب اسے ناپسند کرتے ہو تو پھر غیبت سے پرہیز کرو کہ وہ بھی ایسی ہی چیز ہے۔

آخر میں بخشش اور مہربانی کا اعلان اس شخص سے متعلق معلوم ہوتا ہے جس کی غیبت کی جارہی ہے کہ تمہیں کیا خبر، اسکے جس گناہ کا تم چرچا کررہے ہو، وہ بخشا جاچکا ہو اور وہ اللہ کے یہاں اس داغ سے پاک وصاف ہو چکا ہو۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾

''اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں قرار دیا ہے اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، یقیناً تم میں زیادہ عزت والا اللہ کے یہاں وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بلاشبہ اللہ بڑا جاننے والا ہے، خبر رکھنے والا''۔

اسلامی مساوات کے ساتھ معیار امتیاز کا بیان

یہی وہ غلط وجوہِ امتیاز کے مقابلے میں مساوارت اسلامی اور غلط تصور مساوات کے مقابلے میں معیار امتیاز کو ثابت کرنے والی آیت ہے جس نے تمام دنیا کی تہذیبوں کے مقابلے میں اسلامی تہذیب کو بلندترین درجہ بخشا ہے۔ اس کے تحت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روز فتح مکّہ برملا یہ اعلان فرمایا کہ:۔

یا ایھاالناس ان اللہ قد اذھب عنکم بالاسلام نخوۃ الجاھلیۃ وتفاخرھا بآباءھاان عربیہ لیس باب دوالۃ انماھولسان الناطق فمن تکلم بہ فھو عربی الاانکم من آدم وآدم من تراب وا کرمکم عنداللہ اتقاکم

(علی ابن ابراھیم)

اے انسانو! اللہ نے اسلام کے ذریعے سے تمہارے جاہلیت والے گھمنڈ اور آباؤ اجداد کی طرف نسبت کی بنا پر جو فخر کی جاتا تھا، وہ ختم کر دیا۔ آگاہ ہونا چاہیے کہ عرب ہونا باپ اور ماں کی لحاظ سے نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک وصف کی لحاظ سے ہوتا ہے جو گویائی ہے تو جس میں یہ وصف ہے، وہ عرب ہے! آگاہ ہو کہ تم سب آدم کی اولاد ہو آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ تم میں عزت اس کی زیادہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

درمیان میں جو فقرات ہیں، وہ عرب کی اس تصور فوقیت کے خلاف انتباہ کی حیثیت رکھتے ہیں کہ وہ دنیا کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے تو اس کے خلاف روشنی ڈالی گئی ہے کہ گویائی کا وصف نسلی طور پر کسی قوم کی ملکیت سمجھنا غلط ہے۔ اصل ونسل کے لحاظ سے جسے تم عرب نہیں سمجھتے، وہ بھی اس وصف کا حامل ہوسکتا ہے لیکن آخر میں جو معیار امتیاز ہے، اس کو واضح کیا گیا ہے کہ اس میں عرب اور غیر عرب کا سوال ہی نہیں ہے۔ وہ کردار کا سانچہ ہے جسے ''تقویٰ'' کہتے ہیں، وہ خود کسی کام کا نام نہیں ہے بلکہ اس سانچے میں ڈھلے ہوئے جو کام ہوتے ہیں، وہ وہیں ہوتے ہیں جو مرضی خدا کے مطابق اور ہر حال میں جو انسان کا فرض ہے، اس کے موافق ہوتے ہیں۔

دنیا میں جو غلط اقدار امتیاز کے قائم تھے اور اب بھی ایک طبقہ میں ہیں جیسے رنگ کے لحاظ سے تفریق کہ گورے اونچے ہیں، کالے نیچے

www.kitabmart.in

اور نسل کے لحاظ سے امتیاز، ان تفرقوں کو اسلام نے مٹایا ہے، اس اعتبار سے اسے ''دین مساوات'' کہنا صحیح ہے مگر اپنی طرف سے اس نے اوصاف شخصی کے لحاظ سے امتیازات قائم کیے ہیں جن میں سب سے بڑا معیار امتیاز یہی تقویٰ ہے جس کے تحت میں جو افعال ہوتے ہیں، وہ ''اعمال صالحہ'' کہلاتے ہیں۔اس میں جو بلند درجہ رکھتا ہے، وہ اسلامی نقطۂ نظر سے اونچا ہے۔

چونکہ دنیا دراصل ان امتیازات کو بھلاد یا تھا، اس بنا پر اس نے اپنی طرف سے غلط اقدار امتیاز کے قرار دے لیے تھے لہٰذا قرآن نے مساوات پر اتنا زور نہیں دیا ہے جتنا ان امتیازات کو نظرانداز کرنے والوں کے خلاف عدم مساوات پر زور دیا ہے اور طرح طرح سے مثالیں دے دے کر سمجھایا ہے کہ دیکھو یہ دونوں برابر نہیں، مثلاً اندھیرا اور اجالا یکساں نہیں، زندہ اور مردہ برابر نہیں سایہ اور دھوپ برابر نہیں، میٹھے اور کھاری دریا برابر نہیں وغیرہ وغیرہ نہیں تو تم انسانوں میں کیوں ان امتیازات کو نظر انداز کرتے ہو کہ مومن اور کافر یکساں نہیں۔خوش اعمال اور بداعمال برابر نہیں، عالم اور جاہل یکساں نہیں، ہدایت یافتہ اور گمراہ یکساں نہیں اور اس سب کے آخر میں نتیجے لے لحاظ سے نجات یافتہ اور غیر نجات یافتہ یکساں نہیں ہیں جیسے قرآن مجید نے یوں کہا ہے کہ:۔لَا يَسْتَوِيٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (یعنی)''دوزخ والے اور بہشت والے یکساں نہیں ہیں، بہشت والے ہی وہ ہیں جو نتیجہ کامیاب ہیں''۔(حشر-۲۰)

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

''صحرائی عربوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے ، کہیے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو، مگر یہ کہو کہ ہم مسلمان ہوئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہوا نہیں ہے اور اگر اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان''

اسلام آسان ہے اور ایمان مشکل

اس آیت کا مضمون بتایا ہے کہ ایمان کا درجہ اسلام سے بالاتر ہے۔اسلام آسان ہے اور ایمان مشکل۔اسلام ظاہر سے وابستہ ہے اور ایمان دل سے تعلق رکھتا ہے۔اس طرح منافق مسلم کی ایک قسم ہوسکتی ہے، مومن کی نہیں، جب ظاہر و باطن دونوں ہم آہنگ ہوں تو وہ اسلام بھی ہے اور ایمان بھی اور اس کا اثر دنیا میں بھی حاصل ہوگا اور عقبیٰ میں بھی ظاہر ہوگا اور اطاعت خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ ہم آہنگی داخل ہے، اس لیے اس پر جزائے اعمال اور مغفرت کو مرتب کیا گیا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

''ایمان لانے والے تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں، پھر شک وشبہ میں مبتلا نہ ہوں اور

www.kitabmart.in

اپنے مالوں جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں یہ ہیں بس سچے لوگ"۔
شک ضمیر کی خامی کی علامت ہے۔ اگر معرفت حق میں ضمیر مطمئن ہے اور پوری بصیرت کے ساتھ ایمان اختیار کیا ہے تو پھر شک کا گزر دل ود ماغ میں کیوں ہو؟

شروع کے "انّما"، کلمہ حصر سے بھی یہ ظاہر ہوتا تھا کہ صاحب ایمان بس یہ ہیں اور آخری فقرہ تو صاف بتاتا ہے کہ اگر شکوک وشبہات کارفرما ہیں تو یہ نہیں کہ ایمان کے درجے کی کمی کے باعث ہوں بلکہ وہ دعویٰ ایمان کے جھوٹے ہونے کی علامت ہوں گے۔

قُلۡ اَتُعَلِّمُوۡنَ اللّٰهَ بِدِيۡنِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوۡنَ عَلَيۡكَ اَنۡ اَسۡلَمُوۡا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوۡا عَلَىَّ اِسۡلَامَكُمۡ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيۡكُمۡ اَنۡ هَدٰٮكُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸﴾

"کہیے کہ کیا تم اپنے دین سے اللہ کو آگاہ کرتے ہو؟ حالاں کہ اللہ آگاہ ہے اس سے کہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ وہ آپ پر احسان جتاتے ہیں اس کا کہ وہ مسلمان ہوئے، کہیے کہ مجھ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ کا احسان ہے تم پر کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ بتایا اگر تم سچے ہو، یقیناً اللہ جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے غیب کو اور اللہ جو تم کرتے ہو، اس کا دیکھنے والا ہے"۔

قبول ہدایت کے ساتھ راہ راست اختیار کرنا اللہ کا احسان

کچھ لوگ بڑھ چڑھ کر گویا سینوں پر ہاتھ مار کر اپنے ایمان کا پرزور فخر یہ انداز میں ادّعا کرتے تھے جیسے کہ انہوں نے اتنا بڑا کارنمایاں انجام دیا کہ وہ ایمان لائیں اور پھر اُن میں سے کچھ اُسے اس طرح پیش کرتے تھے کہ جیسے انھوں نے خدا اور رسولؐ پر بڑا احسان کیا۔ ان میں سے اول تو اکثر اپنے دعوے میں سچے بھی نہ تھے اور اُن کا ایمان بس نمائشی تھا اور اگر بالفرض وہ با ایمان ہیں تو ان کا یہ تصور کہ ہم نے خدا و رسولؐ پر کوئی احسان کیا، غلط تھا اور خود یہ تصور ان کے ایمان کی خامی کی دلیل ہے۔ اگر وہ سچے مومن ہوتے تو یہ تصور ہرگز نہ کرتے بلکہ وہ سمجھتے کہ ایمان اختیار کر کے ہم نے حق پرستی کا وہ فریضہ ادا کیا جو عقل و ضمیر کے تقاضے سے ہمارے ذمے تھا اور اُس کے لیے خدا کی توفیق ہمارے شاملِ حال ہوئی۔ یہ اُس کا احسان ہم پر ہے جس کا ہمیں شکر لازم ہے۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ قٓ

مکّیہ ----۴۵----آیات

شروع میں مقطّعات قرآنیہ کے قبیل سے جو حرف قافٓ ہے، اسی پر اس سورے کا نام ہوا۔

سورۂ ق کے خاص خاص مضامین:

۱......پیغام رسولؐ کے ماننے میں کفار کے ذہن کے لیے دو (۲) رکاوٹیں۔

۲......دوبارہ زندگی سے کفار کا تعجب دور کرنے کے لیے مثالیں۔

۳......قوم نوحؑ کے ساتھ اصحاب رسّ اور اہل ایکہ کا ذکر۔

۴......اللہ کا رگ گردن سے زیادہ قریب ہونا۔

۵......آخر میں کفر ختم مگر اُس دن کا ایمان معتبر نہیں۔

۶......خلقت آسمان و زمین کے بعد خالق کا تھک جانا، جو بائبل میں ہے، اس کی ردّ،

۷......آخرت کے مناظر۔

۸......رسولؐ کا کام جبر کرنا نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

’’سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے‘‘

قٓ ۚ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۚ﴿۱﴾ بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ فَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ

ہٰذَا شَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ۚ﴿۲﴾ ءَاِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِکَ رَجۡعٌۢ بَعِیۡدٌ ﴿۳﴾

’’قاف۔ قسم ہے بڑے مرتبے والے قرآن کی بلکہ انھیں تعجب ہے کہ انہی میں سے ایک ڈرانے والا (رسول) آیا تو کافروں نے کہا کہ یہ ایک عجیب چیز ہے، کیا اس وقت جب ہم مر جائیں گے اور خاک ہو جائیں گے؟ یہ واپس آنا بعید از امکان ہے‘‘۔

اس کے پہلے سورہ صٓ میں اس طرح کی صورت کلام ہے کہ حرف صٓ پھر قرآن کی قسم اور اُس کے بعد کافروں کا ذکر بَلۡ کے لفظ کے ساتھ (صٓ وَ الۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ؕ بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ) اور یہاں وہی صورت ہے کہ حرف قٓ ہے۔ پھر قرآن کی قسم

www.kitabmart.in

ہے اور پھر "بلکہ" کے ساتھ کافروں کا ذکر ہے اب چونکہ قسم کے لیے جواب کی ضرورت ہوتی ہے جو کوئی جملہ ہوتا ہے اور بلکہ سے پہلے بھی کسی جملے کی ضرورت ہے، اس لیے یہاں ایسا جملہ محذوف مانا جاتا ہے جس کو قرینہ مقام سے سمجھا جاسکتا ہے مثلاً یہ کہ آپ خدا کے رسولؐ ہیں یا آپ جو دوسری زندگی کی اطلاع دے رہے ہیں وہ بالکل درست ہے کیونکہ یہی دونوں چیزیں وہ ہیں جن پر بعد میں ان کے تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔ [1]

پیغام آنحضرتؐ کے ماننے میں کفار کے ذہن کے لیے دو رکاوٹیں

اور یہ یہاں بھی ہوسکتا ہے جسے ہم نے سورۂ ص میں ترجیح دی ہے کہ وہ جملہ حرف ص میں جو ایک رمزی حیثیت رکھتا ہے مضمر سمجھا جائے۔ ایسی صورت میں وہ ایک راز الٰہی ہوگا جس کے سمجھنے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔

رسول کے انہی میں سے آنے پر تعجب کے ساتھ بلا فاصلہ مرنے کے بعد واپس آنے پر اظہار حیرت اس کا پتہ دیتا ہے کہ رسولوں کے بنیادی پیغام میں دوسری زندگی جس کا نام معادؔ ہے، اُس شکل میں جو مسلمانوں کا عام عقیدہ ہے، ایک رکن اساسی کی حیثیت رکھتی تھی جس پر کفار اظہار پریشانی کرتے تھے۔

اس کے علاوہ یہ پتہ چلتا ہے کہ پیغام رسولؐ کے ماننے میں سب سے بڑی ان کے لیے دو(۲) رکاوٹیں تھیں، ایک یہ تصور کہ بشر کیوں کر رسول ہوسکتا ہے جو رسول ہوا سے تو بس ملک ہونا چاہیے۔ [2]

دوسرے معاد جسمانی جس پر وہ گھبرا کر کہتے تھے ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے۔

اب جس طرح وہ شخص جو اس طرح کی معاد جسمانی کا منکر ہو، وہ ذہنی حیثیت سے اُنہی کفار کے ساتھ شریک ہے، اسی طرح جو رسول اور ائمہؑ کو بشر کے علاوہ ملک یا کوئی دوسری نوع مانے، وہ بھی درحقیقت اسی ذہنیت کا حامل ہے جو ان کفار کی تھی۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿۴﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾

"ہمیں معلوم ہے جو زمین اُن میں کمی کرتی ہے اور ہمارے پاس وہ نوشتہ ہے جو محفوظ رکھنے والا ہے بلکہ انھوں نے حق کو جب اُن کے پاس آیا جھٹلا یا تو وہ پریشان خیالی کی کیفیت میں مبتلا ہیں"

یہ تمتہ ہے اُسی اُن کے اظہار تعجب کے مقابلے میں خالق کے جواب کا کہ ہمیں دوبارہ پلٹانے میں دشواری تو اس وقت ہوتی اگر منتشر اجزائے جسم پر ہمارا علم محیط نہ ہوتا لیکن جب ہم جانتے ہیں کہ کس جسم کے اجزا کہاں کہاں ہیں اور کس شکل میں ہیں تو ہمیں پھر اُن کو دوبارہ اصل صورت پر لانے میں کیا دشواری ہے؟ [3]

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾

---

[1] ۔جواب قسم محذوف یدل علیہ ائذا متنا و کنا ترابا تقدیرہ انکم منعو ثون و قیل تقدیرہ ان محمد رسول اللہ (مجمع البیان)

[2] ۔عجبوا ان یکون المنذر منهم حسبوا انہ لا یوحی الا الی ملک (مجمع البیان)

[3] ۔ای علمنا الذی تاکل الارض مولحومهم لا یخفی علینا شیء منه (تبیان)

www.kitabmart.in

وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا وَاَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍۢ بَهِيۡجٍ ۞
تَبۡصِرَةً وَّذِكۡرٰى لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ ۞ وَنَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنۡۢبَتۡنَا
بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الۡحَصِيۡدِ ۞ وَالنَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلۡعٌ نَّضِيۡدٌ ۞ رِّزۡقًا لِّلۡعِبَادِ ۙ
وَاَحۡيَيۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّيۡتًا ؕ كَذٰلِكَ الۡخُرُوۡجُ ۞

''کیا انھوں نے نہیں دیکھا آسمان کو جو ان کے اوپر ہے کہ کس طرح ہم نے بنایا ہے اُسے اور آراستہ کیا اس کو اور اُس میں کوئی شگاف نہیں ہے اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اُس میں پہاڑ قائم کیے اور اُس پر ہر طرح کی خوشنما چیزیں اُگائیں۔ یہ آنکھ کھولنے کو ذریعہ اور یاد دہانی کا سامان ہے اللہ کی طرف توجہ رکھنے والے ہر بندے کے لیے اور ہم نے آسمان سے پانی اُتارا برکت والا تو اُس سے اُگائے باغ اور کاٹی ہوئی زراعت کے دانے اور اونچے اونچے کھجور کے درخت جن میں تہہ بہ تہہ میوے پیدا ہوتے ہیں بندوں کی روزی کے لیے اور اس سے ہم نے مردہ، بے جان زمین کو زندہ کیا۔ یونہی (آدمیوں کا قبروں سے) نکلنا ہوگا''۔

دوبارہ کی زندگی سے کفار کا تعجب دور کرنے کے لیے مثالیں

اُن کے اس اظہارِ تعجب کے جواب میں کہ کیا اُس وقت جب ہم مرجائیں گے اور خاک ہوجائیں گے یہ واپس آنا بہت بعید از امکان بات ہے، قرآن نے ان نگاہوں کو بارش اور اُس کے اثرات کی طرف موڑا ہے کہ دیکھو زمین کے ذرات کس طرح ملتے ہیں اور اُن سے مل کر نباتات برآمد ہوئے ہیں، اس پر تمھیں حیرت نہیں ہوتی تو ایسا ہی سمجھو کہ جب اللہ چاہے تو وہ انہی خاک کے ذرات کو اکٹھا کر کے اس ذی روح مخلوق کو پھر پیدا کردے۔[1]

قرآن مجید کا منکرینِ معاد سے اس طرح بحث کرنا معادِ جسمانی کی قطعی دلیل ہے اگر بعض مسلمان فلاسفہ قدیم وجدید کا تصور صحیح ہوتا کہ بس روحانی لذت والم ہے۔ ثواب وعذاب اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو قرآن کو مخالفین سے بحث میں ان مثالوں کے پیش کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّاَصۡحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوۡدُ ۞ وَعَادٌ وَّفِرۡعَوۡنُ وَاِخۡوَانُ
لُوۡطٍ ۞ وَّاَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ وَقَوۡمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيۡدِ ۞

''ان کے پہلے نوحؑ کی قوم نے جھٹلایا اور رسّ والوں نے اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کی قوم والوں اور ایکہ والوں اور تبع کی قوم، ان میں سے ہر ایک نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میری طرف کے اعلان عذاب کے مستحق

---

[1] جوابًا لقولهم: ءاذا متنا وكنا ترابًا ذالك رجع بعيد فقال الله كما ان الماء انزلناه من السماء فتخرج النبات من الارض كذالك انتم تخرجون من الارض... علي ابن ابراهيم)

www.kitabmart.in

ہوئے"۔

قوم نوحؑ کے ساتھ اصحاب رس اور اہل ایکہ کا ذکر

رسّ کے لیے بتایا گیا ہے:

ھی بئر کانوا مقیمین علیھا بمواشیھم یعبدون الاصنام و نبئھم قبل حنظلہ بن صفوان وقیل غیرہ.

یہ ایک کنواں تھا جس کے پاس اپنے مویشیوں کے ساتھ وہ لوگ قیام کیے ہوئے تھے اور بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کے پیغمبر کہا گیا ہے کہ حنظلہ بن صفوان تھے اور بعض نے کسی دوسرے کو کہا ہے۔

ہماری قدیم تفسیر میں ہے کہ:

ھم الذین ھلکوا لانھم استغنوا الرجال بالرجال والنساء بالنساء (علی ابن ابراھیم)

یہ وہ ہیں جو ہلاک ہوئے اس لئے کہ مردوں نے مردوں کے ساتھ اور عورتوں نے عورتوں کے ساتھ تعلقات ازدواجی پر انحصار کر لیا۔

جناب شیخ طوسیؒ نے رسّ کی تعیین میں کئی قول نقل کیے ہیں اور علامہ طبرسیؒ نے امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت کی ہے کہ وہ لوگ تھے جن کی عورتوں میں تلذذ بالمثل (مساحقہ) کا رواج تھا۔[1]

یہ صراحتاً تفسیر علی بن ابراہیم کے ایک جزء کے موافق ہے مگر بظاہر دوسرا جو اس کے ساتھ تلازم رکھتا ہے۔

ایکہ کے معنی سینٹھوں کے جنگل کے ہیں، کہا جاتا کہ اس سے مراد اہل مدین ہیں جن میں جناب شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے۔ تبع کی قوم والوں سے اہل یمن مراد ہونا ظاہر ہے۔

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۟﴿۱۵﴾

"تو کیا ہم پہلی دفعہ تخلیق میں عاجز آئے تھے؟ بلکہ وہ از سرنو پیدائش کے بارے میں شک وشبہ میں گرفتار ہیں"۔

یعنی جب پہلی مرتبہ کائنات کے پیدا کرنے پر قادر ثابت ہو چکے ہیں تو پھر از سرنو پیدائش میں بھی کوئی شک وشبہ ہونا نہیں چاہیے یہاں تک برابر سلسلہ چلتا رہا انہی کفار کی ردکا جو حیات بعد الموت اور معاد جسمانی پر جس کی انبیا ومرسلین برابر اطلاع دیتے رہے ہیں حیرت واستعجاب کا اظہار کر رہے تھے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ

[1] قیل کان سحق النساء فی اصحاب الرس وروی ذالک عن ابی جعفر وابی عبداللہ علیہ السلام (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿١٩﴾

''اور ہم نے پیدا کیا ہے آدمی کو اور ہم جانتے ہیں جو اُس کے دل میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں اور ہم اُس سے رگ گردن سے زیادہ قریب ہیں۔ جب کہ لے رہے ہوں گے دو ۲ لینے والے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے، کوئی بات اُس کی زبان سے نہیں نکلتی مگر یہ اُس کے پاس نگراں تیار موجود ہیں اور آیا موت کے سکرات کا عالم حق کے ساتھ یہی وہ چیز تھی جس سے تو بہت بچتا تھا''۔

''رگ گردن سے زیادہ قریب'' ہونا جسمانی طور پر نہیں ہے بلکہ یہ علم واطّلاع کے احاطے کی ایک تعبیر ہے کہ ہمیں باخبر ہونے میں اُس کے حالات سے کوئی دیر نہیں لگ سکتی۔[1]

''دائیں اور بائیں'' بیٹھنے والوں سے مراد کاتبانِ اعمال ہیں[2] جو ہر وقت کے انسان کے کردار کو محفوظ کرتے ہیں۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿٢٠﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿٢١﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾

''اور صور پھونکا گیا ہوگا، یہ وہ عذاب کا دن جس سے تمہیں ڈرایا جاتا رہا ہے۔ ہر متنفس آیا اس طرح کہ اس کے ساتھ ایک پیچھے پیچھے ہنکانے والا ہے اور ایک گواہ۔ تو بے خبری کے عالم میں رہا اس سے تو اب ہم نے تیری آنکھ سے پردہ ہٹادیا تو آج نگاہ تیز ہے''۔

آخرت میں کفر ختم مگر اس دن کا ایمان معتبر نہیں

پہلے جو باتیں پردۂ غیب میں تھیں ،اس لیے دنیا میں یہ ان کا منکر تھا، آج وہ سب مشاہدے کی صورت میں آنکھ کے سامنے آچکی ہیں، اس لیے اُن کے ماننے میں آج مومن اور کافر کا کوئی فرق نہیں ہے۔[3]

لیکن اب آج کا ماننا نتیجہ خیز نہیں ہے اور ہلاکت ابدی سے بچا نہیں سکتا۔

اسی طرح ہر غیب پردۂ غیب کے ہٹنے کے بعد جب عالم شہود میں آجائے تو آج کے منکر اس وقت سب ہی مان لیں گے مگر اس وقت کا ماننا معتبر نہ ہوگا

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿٢٣﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ

[1]۔ اقرب الیه بالعلم (مجمع البیان)

[2]۔ یعنی الملکین الموکّلین بالانسان عن یمینه و شماله (تبیان)

[3]۔ المراد به جمیع المکلفین برهم و فاجرهم لان معارف الجمیع ضروریه (تبیان)

www.kitabmart.in

لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِۨ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ﴿۲۶﴾

’’اوراس کے ساتھ والا کہہ رہا ہوگا کہ یہ وہ ہے جو میرے پاس مدت سے تیار ہے تم دونوں ڈالو دوزخ میں ہر عناد رکھنے والے بڑے ہی کافر کو جو خیرات سے ہاتھ روکنے والا، حدود سے تجاوز کرنے والا اور شک وشبہ میں (دوسروں کو بھی) ڈالنے والا تھا، جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا خدا بنا یا تو تم ڈالو اُس کو سخت عذاب میں‘‘۔

ساتھ والا کہہ رہا ہوگا‘ زیادہ مفسرین اس کی تفسیر ’فرشتے‘‘ کے ساتھ کرتے ہیں۔[1]

اور ہمارے یہاں کی قدیم تفسیر میں ہے کہ اس سے مراد شیطان ہے۔[2]

اِس صورت میں یہ وہ ہے جو میرے پاس مدت سے تیار ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ وہ ہے جو میں تجھے بہکا کر اور غلط راستوں پر تیرے لیے مدتوں سے سامان مہیا کیا ہے۔

بہر صورت بعد کا خطاب کہ ’’تم دونوں ڈالو‘‘ یہ خالق عظیم کا فرمان ہے۔

چونکہ القیا تثنیہ کا صیغہ ہے، اس لیے ہم نے ترجمہ کیا:۔

’’تم دونوں ڈالو‘......اب یہ دونوں کون ہیں؟

شاہ ولی اللہ نے ترجمہ کیا ہے:۔ گویم اے دو(۲) فرشتہ‘‘۔

حالاں کہ الفاظ قرآن میں ’’اے دو فرشتو‘‘ کی ہم معنی کوئی لفظ نہیں ہے۔ حاشیے میں وہ لکھتے ہیں:۔

عادت بادشاہانست کہ اسیر پیش ایشاں دوکس گرفتہ می آرند از اں جہت دو فرشتہ را خطاب......(فتح الرحمٰن) بادشاہوں کا عام طریقہ یہ ہے کہ قیدی کو اُن کے سامنے دو شخص لیے ہوئے آتے ہیں اس لیے دو فرشتوں سے خطاب ہوگا۔

یہ ایک طبع زاد بات ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

بعض مفسرین کی سمجھ میں کوئی دو(۲) ایسے نہیں آئے کہ جن سے یہ خطاب ہو لہٰذا انھوں نے گھبرا کر کہہ دیا کہ یہ تثنیہ باعتبار تکرار عمل ہے اور القِ کی تکرار کے معنی میں ہے یعنی ’’ڈالو، ڈالو‘‘ مگر ظاہر ہے کہ تثنیہ کا صیغہ فاعل کے لحاظ سے ہوتا ہے نہ کہ فعل کے بار بار ہونے سے۔ دوسرا تصور یہ ہے کہ یہ تثنیہ کا صیغہ ہے ہی نہیں بلکہ نون تاکید خفیہ کے ساتھ مفرد کا صیغہ ہے اور کلام عرب میں کبھی نون خفیہ الف سے بدل جاتی ہے۔[3]

بعض کا خیال ہے کہ عرب میں محاورہ ہے کہ اکثر ۲ کو مخاطب کرتے ہیں جس میں ۲ کی کوئی خصوصیت مقصود نہیں ہوتی جیسے متعلقۂ امراء القیس کے آغاز میں فقانبك ’’ٹھہرو (تم دونوں) ہم روئیں‘ اور دوسرے شعراء کے یہاں ’’خَلِيْلَيَّ‘‘ ’’اے میرے دونوں دوستو‘‘ اور صَاحِبَيَّ اے میرے دونوں ساتھیو......اسی محاورے کے مطابق یہاں بھی خطاب دو(۲) سے ہے، چاہے مخاطب ایک ہی ہو یا دو(۲) سے زیادہ

[1]۔ فرشتہ هم نشين او(شاہ ولی اللہ) ہم نشین اس کا یعنی فرشتوں میں سے (رفیع الدین)

[2]۔ قرينه ای شيطان (علی ابن ابراهيم)

[3]۔ ای الق الق او القين فابدلت النون الفا (جلالين)

www.kitabmart.in

کی جماعت ہو۔

اور بھی پہلو ہیں جنہیں دوسرے مفسرین جمہور کے علاوہ ہمارے شیخ الطائفہؒ اور علامہ طبرسیؒ نے بھی درج فرمایا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دو (۲) کا مصداق صاف طور پر سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو کیا حرج ہے کہ یہ سب لوگ ہمارے یہاں کی اس تشریح کو قبول کرلیں جو حدیث رسولؐ: یا علی انت قسیم النار و الجنة کی تائید اور معصوم کی طرف استناد کے ساتھ بسند متصل وارد ہوئی ہے کہ یہ خطاب محمد و علی علیہما السلام سے ہوگا جو کارگاہ حشر ونشر کے از جانب خدا منتظم ہوں گے اور یہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے مسندات میں سے ہے یعنی آپ نے اپنے اباؤ اجداد طاہرین علیہم السلام کے سلسلہ ذہبی سے اس کی روایت حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی فرمائی ہے۔[۱]

قَالَ قَرِيۡنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطۡغَيۡتُهٗ وَلٰكِنۡ كَانَ فِىۡ ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ ۝۲۷ قَالَ لَا تَخۡتَصِمُوۡا لَدَىَّ وَقَدۡ قَدَّمۡتُ اِلَيۡكُمۡ بِالۡوَعِيۡدِ ۝۲۸ مَا يُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَىَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ۝۲۹ يَوۡمَ نَقُوۡلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امۡتَلَاۡتِ وَتَقُوۡلُ هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ ۝۳۰

''اس کے ساتھ والوں نے کہا کہ پروردگارا! میں نے اس کو سرکشی پر آمادہ نہیں کیا مگر یہ خود ہی گمراہی میں تھا۔ ارشاد قدرت ہوا میرے سامنے جھگڑا نہ کرو، میں نے تو پہلے ہی تم سب کو عذاب کی اطلاع دی تھی۔ میرے یہاں بات بدلتی نہیں اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں، جس دن ہم دوزخ سے کہیں گے کیا اب تو بھر گیا ہے؟ اور وہ کہے گا اور اضافہ ہوسکتا ہے''؟

یہاں قرینہ یعنی اس کے ساتھ والے کی تفسیر سب نے شیطان کے ساتھ کی ہے۔[۲]

یا اس کے علاوہ شیطان صفت آدمی بھی۔[۳]

اس سے تائید ہوتی ہے ہمارے یہاں کی اس تفسیر کی جو اس کے قبل والی آیت وَقَالَ قَرِيۡنُهٗ هٰذَا مَا لَدَىَّ عَتِيۡدٌ میں ہوئی تھی۔ وہاں خواہ مخواہ ان لوگوں نے شیطان کو فرشتہ بنا دیا تھا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ کو مفہوم عام طور پر طلب زیادتی کا لیا گیا ہے، اس لیے صحیح بخاری میں اس کے تحت میں شان الٰہی کے خلاف حدیث آ گئی ہے کہ معاذ اللہ وہ اپنی ٹانگیں دوزخ میں ڈال دے گا جس کے بعد دوزخ کا پیٹ بھر جائے گا اور وہ کہے گا قط قط یعنی بس بس۔

ہمارے یہاں کی تفسیر کہتی ہے کہ یہ استفہام انکاری ہے یعنی اضافے کی اب کی گنجائش ہی کہاں ہے کیونکہ خالق کا پہلے سے اعلان تھا کہ لاملانّ جهنم میں دوزخ کو بھر دوں گا تو اب خطاب الٰہی ہو رہا ہے کہ تو بھر گیا؟ اور اس کا جواب ہے کہ هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ

اور حقیقت امر یہ ہے کہ یہی بنیادی طور پر غلط ہے کہ اس کو لفظی سوال و جواب مانا جائے بلکہ وہ اس حقیقت کا ایک تمثیلی پیرایہ میں اظہار

---

[۱] عن محمد بن علی ابن الحسین علیہ السلام عن ابیہ عن جدہ عن علی ابن ابی طالب قال رسول اللہ (علی ابن ابرھیم)
[۲] یعنی شیطان (رفیع الدین) یہ ساتھی شیطان ہے...... موضع القرآن)
[۳] یعنی از شیطان الانس و الجن (فتح الرحمٰن)

www.kitabmart.in

ہے کہ خالق نے جو ازل ہی میں اور کم سے کم سجدۂ آدم سے انکار پر شیطان سے مخاطب ہو کر اپنے فیصلے کا اعلان فرمادیا تھا کہ میں دوزخ کو تیرے پیرووں سے بھر دوں گا، وہ بالکل وقوع میں آگیا۔[1]

''اور بہشت آراستہ کیا جائے گا پرہیزگاروں کے لیے بغیر دوری کے۔ یہ وہ ہے جو کہ وعدہ کیا جا تا رہا ہے تم (میں) سے اللہ کی طرف توجہ رکھنے والے کے لیے جو محفوظ رکھنے والا ہو، جو بے دیکھے خدائے رحمٰن سے ڈرتا ہے اور اس دل کے ساتھ آئے جو لو لگانے والا ہے، داخل ہو تم لوگ اس میں سلامتی کے ساتھ۔ یہ ہمیشہ کے قیام کا دن ہے ان کے لیے اس میں وہ ہوگا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور زیادہ کی گنجائش ہے''۔

بہشت پرہیزگاروں کے لیے آراستہ کیا جائے گا بغیر دوری'' یعنی اس کی نعمتوں کے حصول میں کوئی دیر نہ ہوگی اور نہ اس تک پہونچنے میں کوئی زحمت درپیش ہوگی۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝٣٦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝٣٧

''اور کتنی ہلاک کیں ہم نے ان کے پہلے ایسی قومیں جو ان سے زیادہ طاقت میں تو انہوں نے تمام ملکوں کو چھان ڈالا تھا، کیا کوئی بھاگنے کا راستہ ہے؟ یقیناً اس میں یادداشت ہے۔ اس کے لیے جس کے پاس دل ہو یا کان لگائے ہو اس طرح کہ وہ حاضر الذہن ہو''

پہلے آچکا ہے کہ دل کے معنی محاورے میں عقل کے ہوتے ہیں۔[2]

نہ کہ ڈاکٹروں والا دل جو چلتے چلتے رک جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝٣٨

''اور ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو چھ (٦) دن میں پیدا کیا اور ہمیں تھکن چھو بھی نہیں گئی''۔

یہ مضمون قرآن میں بہت جگہ آچکا ہے اور ہر جگہ اس پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ یہ چھ (٦) دن وہ نہیں ہو سکتے جو طلوع و غروب آفتاب سے پیدا ہوتے ہیں کیوں کہ اس تخلیق سے پہلے سورج اور چاند وغیرہ کچھ تھا ہی نہیں۔

اس کے علاوہ متعدد جگہ اس تذکرہ کے بعد یہ صراحت جو ہے کہ ہمیں اس میں تھکن نہیں ہوئی، یہ اس لیے ہے کہ جماعت یہود کا یہ تصور

---

[1]۔ الاظهر ان الكلام خرج مخرج المثل (تبيان)

[2]۔ معنى القلب هنا العقل عن ابن عباس (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

تھا جو بائبل میں ہے کہ اس نے چھ دن میں آسمان وزمین کو جو پیدا کیا وہ تھک کے چور ہوگیا اور ساتویں دن اس نے آرام کیا۔

فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ الۡغُرُوۡبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡهُ وَاَدۡبَارَ السُّجُوۡدِ ﴿۴۰﴾

''تو جو کچھ وہ کہتے ہیں، اس پر صبر کیجیے اور اپنے پروردگار کے حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے سورج نکلنے سے پہلے اور مغرب کے پہلے اور رات کے کچھ حصے میں بھی اس کی تسبیح کیجیے اور سجدہ کرنے کے بعد''۔

اوقات نماز کا بیان

بظاہر مقام تنزیل میں اس کا تعلق قبل کی آیت سے کوئی نہیں ہے۔

اگر آخر کا فقرہ نہ ہوتا ''سجدہ کرنے کے بعد جس کے دوسرے معنی ہوئے نماز کے بعد۔[1]

تو بلا تکلف سمجھا جا سکتا تھا کہ یہاں اوقات نماز کا بیان مقصود ہے مگر اس فقرے سے خیال ہوتا ہے کہ یہ ویسی ہی تسبیح ہے جیسی تعقیبات نماز پر پڑھی جاتی ہے مگر بعض علمائے اہل سنت بھی آخری جملے کو نوافل سے متعلق کرنے کے بعد باقی اجزائے آیت سے اوقات نماز واجب مراد لیتے ہیں۔ اس صورت میں مثل دوسرے مقامات کے جہاں اوقات نماز کی طرف اشارہ ہوا ہے، یہاں بھی یہ دیکھنے کی بات ہے کہ قرآن نے الگ الگ تین ہی وقت بتائے ہیں جو شیعوں کی فقہ والے اوقات کے مطابق ہے، پانچ وقت الگ الگ نہیں چنانچہ جلالین نے بھی ان اوقات کی جو تشریح کی ہے وہ یوں ہے کہ:۔

قبل طلوع الشمس ای الصلوٰۃ الصبح وقبل الغروب ای الظهر والعصر ومن الیل فسبحه ای صلّ العشائین)۔

سورج نکلنے سے پہلے یعنی نماز صبح اور غروب سے پہلے یعنی دونوں نماز ظہر اور عصر اور رات کے ایک حصے میں تسبیح کرو یعنی مغرب وعشاء یہ وہی صبح اور ظہرین اور مغربین کا فقہی تصور ہے جو اہل بیتؑ کی تعلیم کے مطابق ہے، اس میں نماز صبح کا وقت الگ ہے۔ اس کے بعد زوال آفتاب سے غروب کے بعد سے دو (۲) نمازوں کا وقت ہے ظہر اور عصر جن میں بس ترتیب معتبر ہے کہ ظہر پہلے ہو اور عصر بعد کو ہو اور غروب کے بعد سے دو (۲) نمازوں کا وقت ہے جنہیں ہم مغربین کہتے ہیں اور انہوں نے عشائین کہا ہے۔

بہر صورت وہ مغرب وعشاء ہیں۔ ان میں بس ترتیب کے لازم ہونے کی بنا پر شروع کا وقت بقدر نماز مغرب، مخصوص مغرب کے ساتھ ہے اور آخر کا بقدر نماز عشاء کے ساتھ ہے۔ باقی درمیان کا وقت جیسے وہاں ظہرین میں مشترک ہے، ویسے یہاں مغربین میں۔ قرآن مجید جہاں جہاں اوقات نماز کا اجمالی بیان ہے، وہ اجمال اسی تفصیل کے موافق ہے۔

وَاسۡتَمِعۡ یَوۡمَ یُنَادِ الۡمُنَادِ مِنۡ مَّکَانٍ قَرِیۡبٍ ﴿۴۱﴾ یَّوۡمَ یَسۡمَعُوۡنَ الصَّیۡحَةَ

---

[1] عقب نماز نیز (شاہ ولی اللہ)

www.kitabmart.in

بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ
تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا
يَقُوْلُوْنَ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

''اورغور سے سنو (اس دن کا حال) جب پکارنے والا صداد یگا قریبی جگہ سے جس میں ایک خاص زوردار آواز کو سنیں گے حق کے ساتھ وہ (قبروں) سے نکلنے کا دن ہوگا، یقیناً ہم ہی تو جلاتے اور مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف پلٹنا ہے جس دن زمین شگافتہ ہونے سے وہ تیزی کے ساتھ برآمد ہوں گے۔ یہ وہ حشر ونشر ہے جو ہم پر بالکل آسان ہے ہمیں معلوم ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں اور آپؐ ان پر جبر کرنے والے نہیں بنائے گئے تو بس یاددہانی کرتے رہیے قرآن کے ساتھ اسے جو میرے اعلان عذاب سے ڈرتا ہو''

رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کام جبر کرنا نہیں ہے

یہاں بھی ذوق جنگ رکھنے والوں نے کہہ دیا ہے کہ یہ ارشاد حکم جہاد آنے سے قبل کے لیے تھا۔ [۱]

حالانکہ یہ اور ایسے ہی ملتے جلتے ہوئے الفاظ قرآن مجید میں شروع سے آخر تک کثرت سے ملتے ہیں۔ اس سب کو کیوں کر کہہ دیا جائے کہ یہ ہدایت وقتی پالیسی کے طور پر تھی۔ کوئی اصولی تعلیم نہیں تھی، حقیقت یہ ہے کہ خداوند عالم نے جو بلاشبہ جبر پر قادر ہے، جب خود جبر سے کام نہیں لیا بلکہ اختیاری ایمان کا مطالبہ کیا تو رسولؐ پر جبر کا فریضہ کیوں کر عائد ہوسکتا ہے۔ [۲]

[۱]۔ قال الزجاج انما قال الله النبی رضی الله عنها ذالك قبل یامره بالقتال (تبیان)
[۲]۔ بجبار بمسلط قادر علی قلوبهم فتجبرهم علی الایمان (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ الذّٰرِیٰتِ

مکیّہ......٦٠......آیات

چونکہ اس سورہ کی ابتدائی لفظ والذاریات ہے۔اس لیے اس کا یہی نام ہو۔مضامین اکثر وہی ہیں جو دوسرے سوروں میں آتے رہے ہیں اس لئے کہ مکی سوروں میں زیادہ تر کفار ومشرکین کو تعلیمی انداز سے حقیقتوں کو ذہن نشین کرانا تھا لہٰذا ان میں اکثر ایک ہی بات کو طرح طرح سے دھرایا گیا ہے۔

سورۂ ذاریات کے خاص خاص مضامین:

١......جزا ٔوسزا پر قسموں کے ساتھ زور دینا۔

٢......رسولؐ خدا کے خلاف مشرکین جو باتیں کہتے ہیں،ان کا اضطراب واختلاف۔

٣......پرہیزگاروں کو جو اہل بہشت ہیں کردار۔

٤......آسمان میں روزی بھی اور خدا کا عذاب بھی۔

٥......جناب اسحاقؑ کی بشارت دینے والے فرشتوں کی آمد اور اس موقع کے کیفیات۔

٦......قوم لوط پر عذاب کا نزول۔

٧......گزشتہ کئی قوموں پر عذاب الٰہی کا مختصر مختصر تذکرہ

٨......یاددہانی کا اہل ایمان کے لیے فائدہ۔

٩......مقصد خلقت انسان وجنات،

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا،بڑا مہربان“

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرۡوًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا ۙ﴿۳﴾ فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا ۙ﴿۴﴾

اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿۵﴾ وَّ اِنَّ الدِّیۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۶﴾

”قسم ان غبار اڑانے والیوں کی بڑی شدت کے ساتھ جو سکتی ہے،پھر بوجھ اٹھانے والیوں کی،پھر دھیمی رفتار سے چلنے والیوں کی،پھر احکام الٰہی کی تقسیم کرنے والی ہستیوں کی،یہ جو تمہیں آیندہ کے لیے وعدہ وعید کیا

www.kitabmart.in

جا تا ہے۔ یہ لازماً سچا ہی ہے اور بلا شبہ جزا وسزا لازماً وقوع میں آنے والی ہے''۔

مذکورہ قسموں کی ایک تشریح یہ ہوئی ہے کہ:۔

''اوّل آندھی چلتی ہے کہ غبار اڑتا ہے اور بادل بنتے ہیں پھر اس میں پانی بنتا ہے، اس بوجھ کو لیے ہوئے پھرتیان ہیں، پھر برسنے کے قریب نرم ہوا چلتی ہے، پھر ہانک کر ہر جگہ کا حصہ وہاں پہنچاتی ہے موافق حکم کے'' (موضح القرآن)

اس کے معنی یہ کہ شروع سے لیکر آخر تک یہ سب ہواؤں ہی کا ذکر ہے مگر فریقین کے کتب تفسیر میں فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ''دھیمی رفتار سے چلنے والیوں'' کی تشریح کشتیوں کے ساتھ ہوئی ہے۔[1]

اور المقسّمات امرا کی تشریح فرشتوں کے ساتھ بھی ہوئی ہے جو کاموں کو تقسیم کیے ہوئے ہیں۔[2]

اور انہی کشتیوں کا وصف بھی قرار دیا گیا ہے کہ وہ پانی کو چیر کر ادھر ادھر بانٹ دیتی ہیں۔[3]

علی ابن ابراہیم قمی نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث درج کی ہے کہ ابن الکوّا (ایک منافق) نے امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے ان قرآنی جملوں کی تفسیر دریافت کی تھی تو حضرتؑ نے، الذاریات ذروا کی تشریح فرمائی: الریاح، یعنی ہوائیں اور الحاملات وقرا۔ بادل الجاریات یسرا، فرمایا ھی السفن، یہ کشتیاں ہیں اور والمقسمات امرا، فرمایا۔ الملائکۃ

اس حدیث کو جناب شیخ طوسیؒ نے تبیان میں درج فرمایا ہے:

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝٧ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝٨ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝٩

''قسم ہے آسمان کی جو روشوں والا ہے، یقیناً تم لوگ مختلف باتیں کہنے میں لگے ہوئے ہو جن سے منحرف ہوتا ہے وہ جو گم کردہ راہ ہو''۔

جزا وسزا پر قسموں کے ساتھ زور

''مختلف باتیں'' یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے اعلان رسالت کے خلاف حضرت کی حقانیت کو تسلیم کرنے سے گریز کرتے ہوئے طرح طرح کی باتیں کہتے ہیں، کبھی شاعر، کبھی ساحر، کبھی مجنون، اس لیے کہ خود ان کا ضمیر ان میں سے کسی بات سے مطمئن نہیں ہے۔ قرآن کے بارے میں اُس کی قوت اعجاز سے متاثر ہونے پر سچی کتاب اور کلام الٰہیہ ماننے کی خاطر کیا کیا کہتے ہیں: کبھی جادو، اور شاعری، کبھی کہانت اور کبھی پرانے لوگوں سے ملی ہوئی تحریریں اور کبھی کسی کے سکھائے پڑھائے ہوئے سبق۔[4]

یہ سب اس لیے کہ دوسرے جو متاثر ہو کر راہ حق پر آنا چاہتے ہیں، نہ آئیں اور راہ راست سے منحرف رہیں۔

---

[1]۔ السفن تجری علی وجہ الماء (جلالین)

[2]۔ بفرشتگان تقسیم کنندہ کار (شاہ ولی اللہ)

[3]۔ پھر بانٹنے والیوں کی ایک چیز کی یعنی پانی کی (شاہ رفیع الدین)

[4]۔ فبعضکم یقول ھو شاعر و بعضکم یقول مجنون و فی القرآن یقولون انہ سحر و کہانۃ و رجز و ما سطرہ الاولون (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ⑩ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ⑪ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ⑫ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ⑬ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ⑭

''غارت ہوں اٹکل پچو باتیں کرنے والے جوایک بڑی بے خبری کے عالم میں مدہوش ہیں، پوچھتے ہیں کہ جز اُوسزا کا دن کب آئے گا؟ وہی سادن جب انہیں آگ میں سزادی جائے گی، چکھو اس اپنی سزا کا مزہ یہی وہ ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے''

مشرکین کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف باتوں میں اضطراب

یہ ''کب'' کا سوال واقعی اگر حقیقت طلبی کے لیے ہوتا تو سمجھانے کے انداز میں جواب دیا جاتا مگر یہ ''کب،کب'' کی رٹ تو وہ بطور انکار یا تمسخر لگائے رکھتے تھے۔اس لیے جھلائے ہوئے انداز میں جواب دیا گیا۔[1]

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ⑮ اٰخِذِيْنَ مَاۤ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ⑯ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ⑰ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ⑱ وَفِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ⑲

''پرہیز گار لوگ باغوں اور چشموں میں لیتے ہوئے جو انہیں ان کے پروردگار نے عطا کیا۔حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس سے پہلے (کے دورحیات میں) نیکو کار رہے تھے۔اور وہ رات کو بہت کم سوتے تھے اور پچھلے پہروں کو وہ طلب مغفرت کرتے تھے اور ان کے اموال میں حق تھا مانگنے والے محتاج اور نہ مانگنے والے کے لیے''۔

پرہیز گاروں کا کردار

سائل کے ساتھ جو ''محروم'' کا لفظ ہے اس سے اردوداں طبقے کے ذہن میں تو محرومی کا تصور ہی آئے گا کہ جس کی مراد پوری نہ ہو مگر تفاسیر میں اس کی جو تشریح آئی ہے وہ یہی ہے جس کے مطابق میں نے ترجمہ کیا ہے کہ محروم وہ حاجتمند شخص ہے جو اپنی خودداری کی وجہ سے دست سوال دراز نہیں کرتا۔[2]

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ⑳ وَفِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ㉑ وَفِي السَّمَآءِ

---

[1] يسال هولاء الكفار على وجه الانكار لذالك لا على وجه الاستفادة لمعرفته فاجيبوا بما يسؤهم (تبيان)

[2] الذى لا يسئل لتعففه (جلالين)

www.kitabmart.in

رِزۡقُكُمۡ وَمَا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثۡلَ مَاۤ اَنَّكُمۡ تَنۡطِقُوۡنَ ﴿۲۳﴾

''اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لیے اور خود تم میں تو کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟ اور آسمان میں تمہاری روزی بھی ہے جو تم سے وعدہ وعید کیا جاتا ہے تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی کہ بلاشبہ وہ حق ہے جیسے کہ تم بات کرتے ہو''۔

آسمانوں میں روزی بھی اور خدا کا عذاب بھی

آسمان میں روزی بھی ہے اور وہ بھی جو تم سے وعدہ وعید کیا جاتا ہیں:۔اس کا مطلب کیا ہے؟ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔
(یعنی پیش از وجود خارجی در عالم ملکوت رزق وعقوبت وامثال آں متصور می شود......فتح الرحمان) مطلب یہ ہے کہ وجود خارجی سے پہلے عالم بالا میں رزق اور سزا وغیرہ سب کی صورتیں وجود میں آجاتی ہیں،
یہ افلاطون والا تصور ہے کہ آسمانوں میں مادے سے الگ ہر واقعہ کی صورت وجود رکھتی ہے جو اشراقین کی کے اثرات سے صوفیا میں مقبول ہوا شاہ عبدالقادر نے اس کا لباس ذرا بدلا ہے، وہ کہتے ہی:۔
آنے والی جو بات ہے اس حکم کا آسمان سے اترتا ہے'' (موضح القرآن)
جلالین نے ان دونوں فقروں کا مفہوم الگ الگ کر دیا ہے فی السماء رزقکم ''آسماں میں تمہاری روزی ہے'' اس کو تعلق مشاہدے وا حساس سے قرار دیا ہے اس طرح کہ :ای المطر المسبب عن النبات الذی ھو رزق۔
یعنی باران جو سبب ہوتا ہے نباتات کے رُوئیدہ ہونے کا جو رزق ہیں۔
اور ماتوعدون'' جو تم سے وعدہ وعید کیا جاتا ہے'' اس کے تحت میں لکھا ہے:۔ای مکتوب ذالك فی السمآءِ'' یعنی وہ آسمان میں تحریر ہے۔
ہمارے نزدیک سب سے زیادہ واضح یہ بات ہے کہ توعدون کا لفظ وعید سے ہے جس کے معنی خبر عذاب کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ آسمان ہی سے روزی بھی اترتی ہے جس سے تمہاری زندگی ہے اور آسمان ہی سے عذاب بھی آتا ہے جو تباہی و بربادی کا سبب ہوتا ہے۔[۱]
''وہ حق ہے جیسے کہ تم بات کرتے ہو'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو تم کہتے ہو، وہ باتیں لازماً حق ہیں، بلکہ خود یہ فعل کہ تم بات کررہے ہو، اس میں تمہیں کوئی شک نہیں ہے ایسے ہی اللہ کی یہ بات حق ہے۔[۲]

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ ضَيۡفِ اِبۡرٰهِيۡمَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ﴿۲۴﴾ اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَيۡهِ فَقَالُوۡا

---

[۱]۔ما توعدون بہ من العذاب ینزلہ اللہ علیکم اذا استحققتموہ (تبیان)
[۲]۔ای مثل نطقکم الذی تنطقون بہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰۤى اَهۡلِهٖ فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِيۡنٍ ۙ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيۡهِمۡ قَالَ اَلَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِيۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ؕ وَبَشَّرُوۡهُ بِغُلٰمٍ عَلِيۡمٍ ﴿۲۸﴾

''کیا آپ کو معلوم ہوا ہے واقعہ ابراہیم کے معزز مہمانوں کا وہ جب ان کے پاس آئے تو سلام کیا انھوں نے جواب سلام دے کر کہا کہ کچھ لوگ اجنبی لوگ ہیں تو اپنے گھر والوں کے پاس گئے اور ایک موٹے تازے بچھڑے کے کباب لاکر ان کے پاس رکھے اور کہا کیوں آپ لوگ کھاتے نہیں؟ (جب انہوں نے اس کے بعد بھی کچھ نہ کھایا) تو ان سے انہوں نے ڈر محسوس کیا۔ انھوں نے کہا ڈریئے نہیں اور انہیں ایک صاحب علم بچے کی خوش خبری دی''۔

یہ جناب اسحاق علیہ السلام کے متولّد ہونے کی بشارت کا ذکر ہے جو اس کے پہلے جودھویں پارے میں بھی آچکا ہے۔

فَاَقۡبَلَتِ امۡرَاَتُهٗ فِىۡ صَرَّةٍ فَصَكَّتۡ وَجۡهَهَا وَقَالَتۡ عَجُوۡزٌ عَقِيۡمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوۡا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡحَكِيۡمُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۳۰﴾

''تو ان کی بیوی نے آتے ہی ایک چیخ ماری جس کے بعد اپنا منہ پیٹ لیا اور کہا بڑھیا بانجھ؟! انہوں نے کہا ہاں یوں ہی تمہارے پروردگار نے کہا ہے یقیناً وہ صحیح صحیح کام کرنے والا ہے، بڑا جاننے والا''۔

یقیناً وہ صورت حال سے واقف بھی ہے اور مصلحت وحکمت کے تقاضے کے مطابق ہی عمل کرنے والا، لہٰذا ہر بات کو جانتے ہوئے جو مناسب ہو، اس کام کو انجام دیتا ہے۔

قَالَ فَمَا خَطۡبُكُمۡ اَيُّهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمٍ مُّجۡرِمِيۡنَ ۙ﴿۳۲﴾ لِنُرۡسِلَ عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ طِيۡنٍ ۙ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنۡدَ رَبِّكَ لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿۳۴﴾

''انھوں نے کہا تو آخر تمہاری مہم کیا ہے اے بھیجے جانے والو انھوں نے کہا ہم بھیجے گئے ہیں ایک خاص گنا ہگار قوم کی طرف کہ اس پر گرائیں ایسے سخت مٹی کے پتھر جن پر نشان پڑے ہوئے ہیں حد سے گزرے ہوؤں کے لیے''

چونکہ پاروں کی تقسیم میں جیسا کہ پہلے بھی ایسے موقع پر لکھا جا چکا ہے کہ معانی کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے لہٰذا ایک ہی سلسلہ مضمون کا ایک جزو قبل والے پارے میں چلا گیا ہے اور اس سے تعلق رکھنے والا دوسرا جز بعد والے پارے میں ہے اس لیے اس آیت کا مضمون اُس وقت تک سمجھ میں نہیں آئے گا جب تک کہ پہلے پارے کی آخری آیتوں کو نہ پڑھا جائے چنانچہ یہاں کلام کا سلسلہ جو پہلے آچکا ہے اس سے سمجھ یہ میں آتا ہے کہ جب فرشتے جو قوم لوط پر عذاب نازل کرنے جا رہے تھے اثنائے رہ گزریں جناب ابراہیمؑ کے پاس ٹھہر گئے اور فرزند کی بشارت دی تو ان کے انداز سے جناب ابراہیمؑ یہ سمجھ گئے کہ یہ خدا کی طرف کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جن کے بھیجے جانے کا اصل مقصد کچھ اور ہے۔ یہ بشارت

اُنھوں نے ضمناً دے دی ہے لہٰذا اُنھوں نے کہا آخر تمہاری مہم کیا ہے۔ اگر وہ اُس بشارت کو ہی اصل مہم سمجھ لیتے تو اس سوال کی ضرورت ہی کیا تھی۔

اب جیسا کہ ہم اس تفسیر میں پہلے لکھ چکے ہیں قرآن مجید نے ایک ہی واقعہ کو متعدد جگہ جس جس طرح بیان کیا ہے، اس نے ناقلین واقعات کے لیے نقل بالمعنی کی بڑی وسیع گنجائش پیدا کر دی ہے چنانچہ ملائکہ نے اپنی مہم کا اظہار جن الفاظ میں کیا ہے قرآن میں قوم لوطؑ کا نام موجود ہے کہ ہم ان پر عذاب لے کر آئے ہیں اور یہاں ان کا ذکر بس قوم مجرمین کی لفظوں میں ہے اور وہ وہی قوم لوطؑ ہے۔[1]

قوم لوط پر عذاب کا نزول

قوم لوط کے لیے عام طور پر جس عذاب کی شہرت ہے، وہ یہ ہے کہ ان کی بستیوں کا طبقہ الٹ دیا گیا یہاں ان پر جس عذاب کا ذکر ہے بس پتھروں کی بارش کا ہے لیکن چودھویں پارے میں ان الفاظ میں کہ:۔ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ (حجر...... ۷۴) تین مسلسل عذابوں کا ذکر ہے:۔

(۱) صیحہ "صدائے مہیب"۔

(۲) طبقہ الٹ دیا جانا۔

(۳) پتھروں کی بارش۔

اس سلسلہ میں صیحہ بظاہر ان کے لیے مستقل عذاب تھا جس سے وہ برباد ہو جائیں جیسا کہ بعض قوموں کے لیے یہ صیحہ ہی مستقل عذاب کی حیثیت رکھتا تھا۔ اب اس کے بعد جو دو چیزیں ہیں، ان میں ذرا ذہن میں یہ خلش پیدا ہوتی ہے کہ جب طبقہ الٹ دیا گیا تو اب پتھروں کی بارش کا کیا حاصل ہے؟

اس کے لیے یہ تشریح قابل قبول معلوم ہوتی ہے کہ جو شہر کے اندر موجود تھے، وہ بستی کا طبقہ الٹ جانے سے ہلاک ہو گئے اور جو کہیں دوری پر تھے، ان کا کام پتھروں نے جو برسائے گئے تمام کیا۔[2]

پتھروں کا یہ وصف کہ ان پر نشان لگا ہوا ہے، اس کی تشریح جناب ابن عباس کی زبانی یہ آئی ہے کہ سفید پتھر ہے تو اس میں سیاہ نقطہ ہے اور سیاہ پتھر تو اس میں سفید نقطہ ہے۔[3]

فَاَخۡرَجۡنَا مَنۡ كَانَ فِيۡهَا مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۳۵ فَمَا وَجَدۡنَا فِيۡهَا غَيۡرَ بَيۡتٍ مِّنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۝۳۶ وَتَرَكۡنَا فِيۡهَاۤ اٰيَةً لِّلَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ۝۳۷

"تو ہم نے نکالا انہیں جو اس میں ایمان والوں میں سے تھے تو ہم نے انہیں پایا سوا ایک گھر کے مسلمانوں

---

[1] ۔قال الملئكة ارسلوا الى قوم لوط لا هلا كهم (تبیان)

[2] ۔قيل ارسلت الحجارة على الغائبين و قلبت القرية بالحاضرين (مجمع البيان)

[3] ۔يكون الحجر ا بيض فيه نقطة سوداء او يكون الحجر اسود فيه نقطة بيضاء (ابن جرير)

www.kitabmart.in

میں سے اور ہم نے اس میں ایک بڑی نشانی چھوڑی ان لوگوں کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں"۔

ظاہر ہے کہ اس کے پہلے اس پارے میں اور پھر اس پارے کی پہلی آیت میں جو گزری، یہ تو ان فرشتوں اور حضرت ابراہیمؑ کی باہمی گفتگو تھی۔ اس کے بعد کی صورت حال اور اس کے سلسلہ کے واقعات یہاں مذکور نہیں ہیں۔ دوسرے سوروں میں ہیں اور اب سننے والا سمجھ لے کہ وہی ہوا جو دوسرے مقامات پر بیان ہوا ہے کہ وہ قوم لوط کی بستی میں گئے اور جناب لوط کے مہمان ہوئے اور وہاں وہ واقعات پیش آئے کہ قوم لوط کے افراد اپنی ہوسنا کی کا نشانہ ان فرشتوں کو بنانے کے لیے جو خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے تھے جناب لوطؑ کے گھر پر آ گئے اور وہ ان سے پریشان ہوئے اور انہیں سمجھانے کی بھی کوشش کی کہ میرے مہمانوں کی آبروریزی کر کے مجھے رسوا نہ کرو مگر وہ ان کی نصیحت کے ماننے پر کسی طرح امادہ نہ ہوئے جس پر جناب لوطؑ کو بہت اضطراب ہوا تو فرشتوں نے تسلی دی کہ گھبرائیے نہیں یہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔ ہم آدمی زاد ہیں ہی نہیں۔ ہم تو آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں، اس کے بعد کی روداد خالق نے خود ان فرشتوں کی زبانی بیان کیا ہے کہ "ہم نے نکالا" یعنی تلاش کیا کہ اس بستی میں کچھ اور مخلوق بھی رہتے ہیں یا نہیں تو سوا ایک گھر کے نہ پایا۔ یہ گھر وہی جناب لوطؑ کا گھر تھا جس میں وہ فرشتے آئے تھے مگر دوسری جگہ قرآن مجید میں اس کی بھی ایک فرد کا استثنا ہوا ہے اور وہ ان کی بیوی تھی جو عذاب سے بچ نہ سکی۔ اس کے علاوہ اور کون اس گھر کا آدمی عذاب سے بچایا گیا؟ اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے چونکہ ان کی دو بیٹیوں کا بائبل میں ذکر آیا ہے تو شاید اس لیے بعض قدیم تفاسیر میں جناب لوطؑ کے ساتھ ان کی دو بیٹیوں کو بھی بتایا گیا ہے۔[1]

جو لوگ عذاب سے بچ گئے، ان کے لیے پہلے کہا "مَنۡ كَانَ فِيۡهَا مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ" جو اس میں ایمان والوں میں سے تھا' اور پھر بعد میں انہی کے لیے کہا غیر بیت من المسلمین 'سوائے ایک گھر کے مسلمانوں میں سے"۔ یہ اس کا ثبوت ہے کہ حقیقت میں جو سچا اسلام ہے، اسی کا نام "ایمان" ہے۔ واقفیت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔

چاہے اصطلاح میں فرق ہو گیا ہو جس کی بنا پر قرآن مجید میں دوسری جگہ اعراب سے کہا گیا لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰكِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا "تم ایمان نہیں لائے یہ کہو کہ ہم نے اسلام قبول کی" مگر اسی کے آخر میں ہے وَلَمَّا يَدۡخُلِ الۡاِيۡمَانُ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ 'ابھی ایمان تمہارے دلوں میں پہنچا نہیں ہے"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "مسلم" کے لفظ کا اطلاق تو بنائے ظاہر ہو جاتا ہے مگر ایمان اس وقت ہوتا ہے جب یہی حقیقت دل کے اندر بھی پہنچ جائے۔

علامہ طبرسیؒ نے دونوں کے فرق کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ چونکہ ان میں دونوں وصف جمع تھے یعنی دل سے تصدیق بھی جو کہ ایمان ہے اور عملاً اطاعت بھی جو کہ اسلام ہے۔

اس لیے ان کا یکے بعد دیگرے دونوں صفتوں سے وصف کیا گیا ہے اور جو مومن ہوگا، وہ مسلّم بہرحال ہوگا۔[2]

آخر میں جو ہے کہ "ہم نے ایک بڑی نشانی چھوڑی"............ یہ نشانی اس نازل ہونے والے عذاب کے اثرات ہیں جو بعد میں دیکھنے والوں کے لیے سامان عبرت کے طور پر اس سرزمین اور اس کے اطراف میں مدتوں موجود رہے۔

---

[1]۔ ھم لوط و ابنتاہ (ابن جریر)

[2]۔ وصفھم اللہ بالایمان و لا سلام جمیعا لانہ لا مؤمن الّا و ھو مسلم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾

''اور موسیٰؑ میں جب ہم نے انہیں بھیجا فرعون کی طرف کھلے ہوئے ثبوت کے ساتھ تو اس نے اپنی طاقت کے برتے پر روگردنی کی اور کہا جادوگر ہے یا دیوانہ تو ہم نے اسے اور اس کی فوج کو گرفت میں لے کر ان سب کو دریا میں ڈال دیا اس عالم میں کہ اس پر پھٹکار برستی رہے گی''۔

''اور موسیٰ'' یہ عطف ہے اس پر جو اس کے پہلے تھا: ''ترکنا فیھا اٰیۃ'' اور ہم نے اس میں نشانی چھوڑی ہے یعنی عبرت کا نمونہ تو ویسا ہی عبرت کا نمونہ موسیٰؑ کے واقعے میں ہے۔[1]

اس سورے میں ذکر واقعات میں صاف یہ پہلو نمایاں ہے کہ واقعات بیان کرنا نہیں بلکہ ان واقعات کی یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو اس سے پہلے متعدد سوروں میں ان واقعات کی تفصیل پڑھ چکے ہیں، انہیں مختصر اشاروں سے وہ سب باتیں یاد آ جائیں گی جو شاید وقتی طور پر ان کے حافظے سے محو ہوگئی ہوں، چنانچہ ''سلطان مبین'' کھلے ہوئے ثبوت'' کے لفظ میں عصا، ید بیضا اور فرعون کے متنبہ کرنے والے نو معجزے جن کا ذکر قرآن مجید نے پہلے کیا ہے، سب مندرج ہیں۔

گزشتہ کئی قوموں پر عذاب کا مختصر مختصر تذکرہ

تولّٰی برکنہ کا یہ ترجمہ کہ 'اس نے اپنی طاقت کے برتے پر روگردانی کی'' ایک تشریح کے مطابق ہے۔[2]

جیسا کہ عوامی محاورہ ہمارا یہاں ہے کہ ''اس کا کھونٹا مضبوط ہے''۔

بعض نے اس کا مفہوم ہی فوج ولشکر قرار دیا ہے مگر یہ بظاہر اس کا ضمنی جز ہے۔ اسی طرح ''قوم اور ساتھی'' .... یہ سب ایک بادشاہ کی طاقت میں داخل چیزیں ہیں۔

ایک تصور یہ ہے کہ ''ب'' تعدیہ کا ہے جیسے جآءَ' کے معنی آیا'' اور جآءبہ کے معنی ''لایا'' .... اسی طرح تولّی کے معنی ''روگردانی ہوا'' اور جب اس کے ساتھ ''ب'' آ گئی تو معنی ہوگئے کہ اس نے اپنی فوجوں کو روگردان کیا''۔

اس کے بالکل بالمقابل یہ خیال ہے ''تولّٰی برکنہ'' اس پورے کے بس یہ معنی ہیں کہ اس نے روگردانی کی جیسے ہمارے یہاں محاورہ ہے ''پہلوتہی'' کرنا۔ ویسے ہی یہ رکن جیسے ''پہلو'' کے معنی میں ہے۔ تفسیر صافی میں علامہ محسن فیض کا مختار یہی معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے تولّی برکنہ'' کے تحت میں پہلے نہیں لکھا ہے:

فاعرض عن الایمان بہ ''اس نے ان پر ایمان سے روگردانی کی'' اور اس کی مثال میں یہ قرآنی جملہ پیش کیا ہے: وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ''اور اس نے پہلو کے ساتھ دوری اختیار کی'' جس کا مطلب وہی پہلوتہی کرنے کا ہے۔

---

[1]۔ای وفی موسی ایضاً آیة (مجمع البیان عطف علی قوله: ترکنا فیهاآیة (تبیان)

[2]۔صل الرکن الجانب والناحیة التی یعتمد علیهاو یقوی بها (ابن جریر)

www.kitabmart.in

اس نے کہا ”ساحر ہے یا دیوانہ“........... یہ بظاہر ایک وقت کی بات ہے ہی نہیں بلکہ جیسے قرآن مجید میں اہل کتاب کا مقولہ نقل کیا ہے کہ: لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی (بقرہ۔۱۱۱) ”جنت میں کوئی داخل نہیں ہوگا سوا اس کے جو یہودی یا نصرانی ہو“ تو حقیقت یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ وہ جنت میں جائے گا جو یہودی ہو اور عیسائی یہ کہتے ہیں کہ وہ جنت میں جائے گا جو عیسائی ہو۔ ان میں سے کوئی اپنے ساتھ دوسرے کا نام نہیں لیتا مگر قرآن نے دونوں کے مقولوں کو سمو کر یہ کہا کہ ان کا ادّعا تو یہ ہے کہ وہ جائے گا جو یہودی یا عیسائی ہو۔ ویسے ہی یہاں کہا گیا کہ فرعون نے ایک دفعہ یہ کہا تھا کہ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ۔ ”یہ پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، دیوانہ ہے، (شعرأ کی آیت ۲۷) اور دوسری دفعہ کہا: اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ”یہ بڑا ماہر جادوگر ہے جو اسی شعرأ کی آیت ۳۴) میں اور دوسرے مقامات پر ہے قرآن میں ان دونوں وقتوں کی باتوں کو سمو کر یہاں کہا ہے کہ ”جادوگر ہے یا دیوانہ“۔

ڈوبے تو سب مگر پھٹکار میں اکیلے فرعون کی طرف ضمیر پھیری گئی اس لیے کہ ان سب کو ڈبونے اور ہلاکت ابدی میں گرفتار کرنے کا باعث وہ تھا جیسا کہ سورۂ ہود میں صراحۃً ارشاد ہوا ہے کہ: یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ (آیت ۹۸)۔ وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا کہ اُسی نے اُن سب کو دوزخ میں پہنچایا ہے“۔

وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ﴿۴۲﴾

”اور (قبیلہ) عاد میں جب کہ ان پر ہم نے بے نتیجہ قسم کی ہوا بھیجی، وہ کسی چیز کو جس پر سے گزرے چھوڑتی نہیں مگر یہ کہ اسے بنا دیتی ہے مثل سوکھی ہوئی گھاس کے چورے کے“

سلسلہ وہی ہے کہ قوم لوط والے عذاب میں نشانی ہے اور فرعون کے قصے میں اور قبیلہ عاد میں........... بے نتیجہ قسم کی ہوا۔ اسے عقیم کے لفظ سے تعبیر کیا جو بانجھ عورت کو کہتے ہیں۔ اب ہوا کو جب عقیم کہا تو مطلب یہ ہوگا کہ اس سے وہ نتائج جو ہوا کے ہوتے ہیں جیسے باران کا لانا، نباتات کا روئیدہ کرنا، یہ پیدا نہیں ہوسکتے۔ [۱]

حدیث میں ہے کہ ایسی ہوا سے پناہ مانگنا چاہیے۔ [۲]

رمیم کا لفظ قرآن مجید میں یوں تو ہڈیوں کے لیے آئی ہے ”حیات بعد الموت“ کے منکر کافروں کے قول میں کہ: مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ”(یٰسین۔۷۸) کون ہڈیوں کو زندہ کرے گا ان کے بوسیدہ ہو کر چورا ہونے کی حالت میں۔

مگر مفسر طبری کے جامع البیان میں پتہ چلتا ہے کہ اصل میں یہ لفظ اس گھاس کے لیے آتی ہے جو خشک ہو کر بالکل چورا ہوجائے۔ [۳]

اس صورت میں مشرکین کے کلام میں جو اُس کا استعمال ہے، وہ بطور استعارہ ہے جس کی بنیاد تشبیہ پر ہوتی ہے:

---

[۱]۔ لا تلقح المشجر و لاثبات النبات... علی ابن ابراهیم)

[۲]۔ فی فقیه عن امیر المؤمنین علیہ السلام: الریاح خمسة فیها الریح لا عقیم فتعوّذ باللّٰه من نشرها (صافی)

[۳]۔ الیهم فی کلام العرب ما یبس من نبات الارض و دیس (ابن جریر)

www.kitabmart.in

وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿٤٥﴾

''اور قبیلہ ثمود میں جب کہ ان سے کہا گیا (دنیا کی نعمتوں سے) بہرہ مند ہو، ایک خاص وقت تک تو انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی تو انہیں گرفت میں لے لیا بجلی نے جو گری دراںحالیکہ وہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، تو اس کے بعد اٹھ نہیں سکے۔ اور نہ انہیں مدد ملنا ممکن ہوئی۔

''اور قبیلہ ثمود میں بسلسلہ سابق عطف ہے کہ ان میں بھی نشانی ہے......کہا گیا......جیسا کہ پہلے اس سورے کا اسلوب یہی ہے کہ واقعات بیان نہیں کیے جاتے۔ ان کی طرف مجمل اشارہ کرکے انہیں یاد دلایا جاتا ہے۔ اب پہلے جہاں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے، اس سب کو یاد کر لیجیے۔

جناب صالح علیہ السلام کا مبعوث ہونا، قوم کا معجزے کی درخواست کرنا، اس پر ایک ناقہ کا برآمد ہونا اس کے متعلق خاص ہدایتوں کا ہونا، اور قوم کا نافرمانی کرنا، یہاں تک کہ اس ناقے کو پے کر ڈالنا اس پر اعلان عذاب کے ساتھ تین دن کی مہلت کا ملنا اور اس پر بھی ان کی آنکھوں کا نہ کھلنا تو عذاب کا آجانا جس کا مذکورہ دو (۲) آیتوں میں ذکر ہے

چونکہ بجلی کے گرنے سے شدید کڑک کی آواز ضرور ہوتی ہے لہٰذا دوسری جگہ اس کڑک کو''صیحة''کہا گیا ہے اور یہاں اس صیحة'' کے ساتھ بجلی گری اس کا نام لیا گیا ہے۔ ان دونوں میں باہم کوئی منافات نہیں ہے۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٤٦﴾

''اور نوحؑ کی قوم کو (ہم نے ہلاک کردیا) یہ بداعمال لوگ تھے''

پہلے سلسلہ تھا کہ قوم لوطؑ میں نشانی چھوڑی......اور فرعون کے واقعہ میں اور عاد میں اور ثمود میں اس سب کا خلاصہ سننے والے کے ذہن میں آ گیا کہ یہ سب ہلاک کیے گئے تو اب اس پر عطف کرکے کہا گیا اور قوم نوح کو......اب یہ کیوں کر ہلاک کیے گیے۔ اسے دوسرے سوروں میں دیکھ لیجیے۔

جامع البیان طبری میں''قوم نوح''کے لفظ کے منصوب ہونے کی تین (۳) وجہیں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ ''اخذتھم الصاعقة میں جو ھم کی ضمیر ہے اور وہ مفعول ہے اس پر عطف ہو مگر یہ میرے نزدیک اس وقت درست ہوتا جب ان لوگوں کو بھی بجلی ہی نے ہلاک کیا ہوتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جسے میں نے اختیار کیا ہوتا۔

تیسری صورت یہ کہ یہاں ایک فعل حذف مانا جائے کہ نوح کو یاد کرو، فطری طور پر جو ذہن میں مفہوم آتا ہے، وہ درمیانی ہے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٩﴾

www.kitabmart.in

''اور آسمان ہم نے اس کو بنایا بڑی طاقت کے ساتھ یقیناً اور ہم زیادہ وسعت دینے والے ہیں اور زمین اسے ہم نے بچھایا تو کتنے اچھے بچھانے والے ثابت ہوئے اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کیے، شاید کہ تم سبق حاصل کرو''

اب یہ ایک مستقل سلسلہ خالق کی صنعت کی طرف نگاہ کو متوجہ کرنے کے لیے ہے اور جس کا کوئی لفظی ربط سابق کے ساتھ بطور عطف کے قرار دینا ضروری نہیں ہے اور بعض لوگوں نے سابق پارے میں جو آیا تھا: **وفی الارض آیات اللموقنین** ''زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لیے، اس پر عطف لیا ہے۔ یہ نہ صرف بلا وجہ ہے بلکہ درست بھی نہیں ہے اس لیے کہ اس سے اگر اس کا ربط ہوتا تو **السماء** کا لفظ مجرور ہوتا جس کا مطلب یہ ہوتا کہ آسمان میں بھی نشانیاں ہیں۔ دوسرے اس آسماں کے ذکر کے بعد پھر زمین کا ذکر نہ ہوتا۔

اس سے ظاہر ہوتا کہ وہ مستقل جملے ہیں جن کا سابق سے کوئی لفظی ربط نہیں ہے،

اید کا جو ہم نے ترجمہ کیا بڑی طاقت کے ساتھ یہ ایک معنی کے لحاظ سے ہے۔

دوسرے معنی اس کے نعمت کے ہیں تو یہ ترجمہ ہوگا کہ آسمان کو ہم نے بڑے لطف و مہربانی کے ساتھ پیدا کیا مگر خلقت فلکی سے عام ذہن پر نعمت کا اتنا اثر نہیں پڑتا جتنا قدرت کا لہٰذا ہماری نظر میں اید کا مفہوم آیت میں قوت ہی کا ہے جس کے موافق ہم نے ترجم کیا اور حدیث معصومؑ اس کے مطابق ہے۔ یہ صدوق کی روایت ہے توحید میں محمد بن مسلم سے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ اید کے کلام عرب میں دونوں معنی ہیں طاقت بھی اور نعمت بھی مگر حسب ذیل دو آیتوں میں اس کے معنی قوت ہی کے ہیں: **واذ کر عبدنا داؤد ذالاید** 'ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو طاقت والے تھے اور' **والسمآء بنینٰھا باید**...... اید کے اسی معنی سے تائید کا لفظ ہے۔ ارشاد ہوا: **وایدھم بروح منه** ''اس نے انہیں قوت پہنچائی اپنی طرف کی روح سے''

آسمان کے ساتھ یہ کہنا: **انا لموسعون** ''یقیناً ہم اور زیادہ وسعت دینے والے ہیں۔'' اس میں یہ مفہوم زیادہ ذہن میں آتا ہے کہ ہماری قدرت اتنی ہی میں محدود نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ عظیم مخلوق پیدا کرنے پر بھی ہم قادر ہیں۔[1]

بعض اشخاص نے اسے وسعت رزق کا معنی قرار دیا ہے مگر وہ سیاق کلام سے غیر مرتبط ہے ہاں وسعت دینے کے معنی ہوں تو یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ آسمان میں ہم وسعت پیدا کرنے والے ہیں۔[2]

اسے اگر انکشافاتِ جدید کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ مفہوم بآسانی نکل سکتا ہے کہ اجرام سماویہ میں ہماری قدرت سے اضافہ ہوتا رہتا ہے

زمین کو بچھونا کہنے سے جیسا پہلے آچکا ہے ریاضی کے اس مسئلے کا کوئی تعلق نہیں کہ زمین کروی شکل کی ہے کیوں کہ وہ پوری کروی یا جو بھی ہو ہمارے لیے ایک فرش کی حیثیت رکھتی ہے،

ہر چیز کے ہم نے جوڑے قرار دیئے ہیں'' اس سے واقعیت کا اظہار مراد ہوسکتا ہے۔ جو جدید تحقیقات سے ثابت ہوئی ہے کہ ہر شے میں نر اور مادہ یا فاعل اور منفعل کی تفریق ہے مگر اصول کافی میں امام رضاؑ کا جو خطبہ وارد ہوا ہے، اس میں ہے کہ مختلف چیزوں کے درمیان اس

---

[1]۔ ای قادرون علی خلق ما ھو اعظم منھا عن ابن عباسؓ (مجمع البیان)

[2]۔ لموسعون السماء (صافی)

www.kitabmart.in

نے تضاد قرار دیا ہے اور ایک کے مقابلے میں: دوسرا نور کے مقابلے میں ظلمت اور خشکی کے مقابلے میں تری اور سخت کے مقابلے میں نرم اور سرد کے مقابلے میں گرم...... یہ جو ہر چیز کے مقابلے میں کوئی دوسری چیز ہے جو اسی نے قرار دی ہے،

اس کے بعد فرمایا: وذالك قوله ومن كل شي خلقناه زوجين لعلكم تذكرون...... (صافی)

یہ ہے ارشاد خداوندی کہ ہم نے ہر چیز جوڑے قرار دیئے ہیں، شاید کہ تم سبق حاصل کرو۔

یہ سبق کیا ہے عقیدت سے متعلق یہی کہ ہر چیز میں اس نے جوڑے بنائے ہیں تو اس سے سمجھ لو کہ اس کا کوئی جوڑا نہیں ہے۔ اور اس مفہوم کی بنا پر جو نر و مادہ والا تھا، یہ عملی سبق ملتا ہے کہ جب اسی تفریق کے پیش نظر دو صنفیں مرد اور عورت کی قرار دی گئی ہیں تو اس سے سمجھنا چاہیے کہ تلذذ بالمثل جو قوم لوط میں عام تھی فطرت کائنات کی مخالفت اور دو صنفوں کی پیدائش کی غرض کو نقصان پہنچانا ہے۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۰ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۵۱

"تو بھاگو اللہ کی طرف میں تمہیں اس سے کھلا ہو ڈرانے والا ہوں۔ اور اللہ کے علاوہ دوسرا خدا قرار نہ دو میں تمہیں اس سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں"

بہت سے الفاظ بغیر کسی اضافت کے بولے جائیں تو سننے والے کو مذموم معلوم ہوں گے مگر کسی اضافت کے بعد ان میں حسن پیدا ہو جائے گا، اسی طرح بعض الفاظ بغیر اضافت حسن کے حامل ہے مگر کسی اضافت کے بعد ان میں برائی پیدا ہو جاتی ہے، اس کی سب سے بڑی مثال کفر اور ایمان ہے۔ کفر یا کافر سن کر انسان کو نفرت پیدا ہوتی ہے لیکن قرآن نے کئی جگہ جس طرح اس لفظ کا استعمال کیا، مثلاً ومن يكفر بالطاغوت 'جو طاقت باطل سے کفر کرے'' اس کے بعد یہ لفظ انتہائی حسن کی حامل ہوگئی اس طرح ایمان یا مومن کا لفظ انتہائی حسن کی حامل معلوم ہوتا ہے لیکن جب اس کی اضافت باطل کی طرف ہو جائے تو وہ مذمت ہو جائے گی۔

مومن اور کافر کے معنی

اس کے بعد صبر کے لفظ کو لیجیے، یہ نہایت ممدوح چیز ہے لیکن قرآن نے اس لفظ کا جس طرح استعمال کیا ہے "فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ" (البقرہ ۱۷۵) کتنے لوگ دوزخ کی آگ پر صبر کرنے والے ہیں'' تو اس میں شدید مذمت ہوگئی۔ فرار یعنی بھاگنے کا لفظ ایسا ہے کہ بجائے خود یہ کانوں کو برا معلوم ہوتا ہے؟ لیکن معصیت الٰہی سے فرار اور کفر و شرک سے فرار، باطل سے فرار اس کے بعد یہ لفظ حسن کا حامل ہوگیا۔ یہاں لفظ فرار کا استعمال اسی طرح ہوا ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ کی طرف فرار کرو اب اس کے معنی ہوگئے برائیوں سے بچنا اور اچھائیوں کو اختیار کرنا، معصیت الٰہی سے گریز کرنا اور اطاعت الٰہی کی پابندی کرنا۔[1] اب اس فرار کا کیا کہنا، یہ فرار ہے اللہ کی طرف اس کی ناراضگی کے ڈر سے۔ اس لیے رسول اللہؐ کی زبانی اس کا پیغام دیتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ میرا کام اس سے ڈرانا ہے۔ تاکہ تم اس کے گناہوں سے فرار کرو۔

---

[1] فرّوا من عقابه الى الايمان التوحيد وملازمة الطاعة (صافی)

www.kitabmart.in

حقیقت اللہ کی طرف فرار کی یہی ہے مگر ہر حقیقت کے لیے ایک عملی مظاہرہ ہوتا ہے اور مقام نسبت میں کعبہ اللہ کا گھر ہے اس لیے ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف بھی ملتی ہے اور کافی اور معانی الاخبار میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد حج کو جانا ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ وہی حج ہوگا جس کے ساتھ لوبا لکل اللہ سے لگی ہوئی ہے اور وہ انسان کی عملی زندگی پر اثر انداز ہوسکے وہ حج نہیں جو اکثر ہمارے مشاہدے میں آیا کرتا ہے، وہ حج تو ایسا ہے جسے پھر اللہ کی طرف فرار کی ضرورت ہے ''ہست استغفار امحتاج استغفار ما''

كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٥٢﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٥٣﴾

''یونہی ان کے پہلے جو تھے، ان کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آیا مگر انہوں نے کہا'' جادوگر'' ہے یا'' دیوانہ''۔ کیا انہوں نے ایک دوسرے کو اس کی وصیت کردی ہے بلکہ یہ خود ہی سرکشی میں مبتلا ہیں''۔

جادوگر ہے یا دیوانہ'' یہ ایک ہی وقت میں بطور اظہار شک کے دونوں باتیں نہیں کہی ہیں بلکہ جیسا کہ قصہ حضرت موسیٰ میں روشنی ڈالی گئی ہے، ان کی مختلف اوقات کی باتوں کو سمو کر اس طرح ظاہر کیا گیا ہے۔ جادوگر'' کہنا اندرونی طور پر ایک غیر معمولی طاقت کے احساس کا نتیجہ ہے اور'' دیوانہ'' کہنا دوسروں کو ان کی باتوں پر توجہ کرنے سے روکنے کے لیے ہے ہر نبی کو ایک ہی طرح کے حالات سے سابقہ پڑا اور ایک ہی طرح کی باتیں منکروں سے سنیں، اس حقیقت کا ذرا جھلائے ہوئے انداز میں پہلے بطور رسول اظہار کیا گیا ہے'' ارے کیا ان لوگوں میں نسل درنسل اگلوں نے پچھلوں کو یہ وصیت کردی'' کہ تم بھی ایسا کرنا اور ایسی ہی باتیں کہنا۔[1] پھر قرآن نے جیسے اس کا جواب نفی میں دیا کہ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ جو چیز ان باتوں کی باعث ہوتی ہے یعنی تعصب عناد، بدکیشی یا سرکشی، وہ ان سب میں مشترک ہے لہٰذا ان کا نتیجہ بھی سب میں یکساں نظر آتا ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿٥٤﴾ وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾

''تو اب آپ ان سے منہ پھیر لیجیے، اب آپ مورد الزام نہیں ہے اور یاد دہانی کرتے رہیے کہ یاد دہانی اہل ایمان کے لیے فائدے کا باعث ہوگی''۔

یاد دہانی کا اہل ایمان کے لیے فائدہ

اس کا مطلب یہ کہ جو ایمان نہیں لائے ہیں، اب آپ کی طرف سے ان پر اتمام حجت ہوگئی اور ان کے سلسلے میں آپ کا فریضہ پورا ہوگیا...... آپ پر کوئی الزام کوتاہی کا عائد نہیں ہوتا۔ ہاں ارشاد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھئے کہ جو اہل ایمان ہیں وہ تو اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اور ان کے ایمان میں جلا ہوتی رہے گی۔ اس میں اگر صرف پہلی ہی آیت پر بات ختم ہوجاتی تو اس سے یہ پہلو ضرور نکلتا تھا کہ بس اب رسول نے اس قوم سے کنارہ کشی اختیار فرما کر ان کے پاس سے کہیں دور چلے جائیں اور امم سابقہ میں ایسا اسی وقت ہوتا تھا جب اس قوم پر عذاب نازل ہونے والا ہو، لہٰذا آپ کو اس حکم دینے سے کہ اب علیحدگی اختیار کیجیے یہ تصور پیدا ہوتا تھا کہ اب اس پر عذاب نازل ہوجائے گا مگر دوسری آیت

[1]۔ قتادۃ: اوصی اولھم آخرھم بالتکذیب (ابن جریر)

www.kitabmart.in

میں بتا یا کہ نہیں رسولؐ کو اپنا کام جاری رکھنا چاہیے کہ جو پاک روحیں ہیں وہ تو اس سے فائدہ اٹھاتی رہیں۔
دونوں آیتوں سے یکے بعد دیگرے جود و(۲) تاثر پیدا ہوئے ہیں اس حقیقت کے اظہار کا ایک تمثیلی انداز تھا جو بطریق اہل سنت حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا نام لے کر آیا ہے کہ آپ مکان سے برآمد ہوئے اس طرح کہ سر پر عمامہ تھا اور پیراہن کو اپنے جسم مبارک پر لپیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جب یہ آیت اتری کہ بس اب روگردانی کیجیے کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہ تھا جسے یہ یقین نہ ہوا ہو کہ اب عذاب آجائے گا کیوں کہ رسولؐ کو حکم ہوا ہے کہ اب ان سے الگ ہو جائیں مگر جونہی یہ آیت اتری کہ یاد دہانی کرتے رہیے.....تو بس ہمارے دل کو اطمینان ہو گیا کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ اسے سیوطی نے تفسیر درمنثور میں کلبی کے حوالے سے درج کیا ہے اور اس طرح کی روایت ابن لا ہویہ اور ابن مردو دیہ نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہے۔ ہمارے علامہ طبرسیؒ نے بھی اس کو مجاہد کے حوالے سے درج کیا ہے جس کا ماخذ غالباً جامع البیان طبری ہے جس میں پہلے تو قتادہ سے نقل سے کیا ہے کہ جب پہلی آیت اتری تو اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہت شاق ہوا اور خیال ہوا کہ وحی کا سلسلہ اب قطع ہو رہا ہے اور عذاب آیا ہی چاہتا ہے اس کے بعد دوسری آیت نازل ہوئی۔ اور پھر مجاہد کی روایت حضرت علی علیہ السلام کے متعلق نقل کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ایک خاص شان سے نکلے اور اس تاثر کا اظہار فرمایا۔ بہرحال اس دوسری آیت کے ملانے کے بعد پہلے جملے کی نوعیت ویسی تسلی دہانی کی ہوگئی کہ جو قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر طرح طرح سے ہے کہ آپ ان کی نافرمانیوں سے پریشان نہ ہوئے جیسے، ان کے نہ ماننے کی کوئی جواب دہی آپ سے نہیں ہوسکتی۔ اور نہ آپ کو کوئی ملامت ہوسکتی ہے[۱] آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا۔[۲]

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

''اور میں نے نہیں پیدا کیا جنات اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں''

مقصد خلقت انسان اور جنات

یہاں جنات کا پہلے اور انسان کا نام بعد کو لینا شاید اس بنا پر ہو کہ جنات کی خلقت پہلے ہوئی جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ۔

جنات کو ہم نے پہلے گرم اور زہریلی ہوا سے پیدا کیا ہے (حجر آیت ۲۷)

اب یہ دیکھنا ہے کہ غرض خلقت جو عبادت بتائی گئی ہے اس سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ ایک عبادت تو وہ ہے جو بتقاضائے فطرت تمام کائنات پر حاوی ہے یعنی ہر چیز پر قدرتی طور پر اس نظام کے موافق چل رہی ہے جس پر خدا کو اس کا چلنا منظور ہے مگر وہ جبری اطاعت ہے۔ یہ عبادت تکوینی ہے جس میں اس شے کے ارادہ واختیار کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس قسم کی عبادت اور سجدہ ریزی کا تمام اشیاء کے لیے قرآن مجید میں ذکر ہے۔

یہ اس محل پر مراد نہیں ہے ورنہ جن وانس کی خصوصیت نہ ہوتی، کہا جاتا ہے کہ تمام کائنات ہم نے عبادت کے لیے پیدا کی ہے

---

[۱]۔ بل الائمہ واللوم علیھم حیث لایقبلون ماتدعو ھم الیہ (تبیان)
[۲]۔ فقد بلغت ونذرت (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اور اختیار اطاعت مگر بغیر مزاحم طاقتوں کے کرنے والے فرشتے ہیں۔ اس بندگی میں وہ رفعت نہیں ہے جو اس مخلوق کی اطاعت میں ہوگی جو مقابل کی طاقتوں کو کچل کر اللہ کی عبودیت کے راستے چلتا رہے، یہ وہ عبادت ہے جس کے لیے جن وانس کی تخلیق ہوئی جسے ''عبادت تشریعی'' کہنا درست ہے یعنی مقصود اس نوع کی تخلیق کا ہے کہ یہ اپنے ارادۂ واختیار سے عبودیت خدا کے تقاضوں کو پورا کرے اور چونکہ ارادۂ واختیار وابستہ ہے اس سے کہ اس شخص کو فعل وترک دونوں پر قدرت ہو لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانوں میں کچھ عبادات گزار نظر آتے ہیں اور زیادہ تر وہ ہے جو اس کی عبادت سے سرتابی کرنے والے ہیں۔ ان سرتابی کرنے والوں کا وجود ان افراد کی بلندی کا ثبوت ہے جو اپنی سعادتمندی سے اپنی زندگی خالق کے احکام کی تعمیل میں صرف کرتے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ خالق اپنی غرض کے پورا کرنے میں ناکام رہا۔ اب جو اس غرض خلقت کو پورا کریں گے، وہ خالق کی طرف سے اس کی رحمت کے مورد ہوں گے جس کا نتیجہ آخرت میں درجوں کی بلندی ہے اس طرح اس آیت کا مضمون اس ارشاد الٰہی کے مطابق ہوگا کہ ''لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ '' ان میں برابر اختلاف رہے گا سوا ان کے جن پر تمہارے پروردگار کی رحمت ہے اور اس نے تو انہیں اسی کے لیے پیدا کیا تھا (ھودٓ ۱۱۸۔۱۱۹)

یعنی اس رحمت کے استحقاق کے لیے مگر وہ خود اپنے سوا اختیار سے اس محروم رہتے ہیں۔

معصوم کی تشریح اسی کے مطابق ہے [۱] مگر مسلم اکثریت کا ذہن جبر واختیار کے مسئلے میں چونکہ زیادہ تر جبر کی طرف مائل رہا ہے لہٰذا ان کے قدیم مفسر ابن جریر طبری نے اپنے راویوں کے جو تشریحات درج کی ہیں ان کا نتیجہ بعض کا یہ نکلتا ہے کہ عبادت غرض خلقت صرف ان کے لیے ہے جو اطاعت گزار ہیں اور جو بدنصیب نافرمان ہیں ان کی غرض خلقت ہی نافرمانی ہے اور بعض کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو نافرمانی کر رہے ہیں وہ بھی ایک طرح کی عبادت ہی کر رہے ہیں کہ فیصلہ تقدیر کو پورا کر رہے ہیں لیکن ان دونوں صورتوں میں جزاوسزا نظام عدل کے مطابق قرار نہیں پاتی جب کہ نافرمان بچارے بھی غرض خلقت کو پورا کر رہے ہیں یا ایک طرح کی عبادت انجام دے رہے ہیں تو پھر ان کو سزا کا ہے کی ہے؟

فرقہ امامیہ جس طرۂ امتیاز عدلیہ ہوتا ہے، اس قسم کے تشریحات کو قبول کرنے سے قاصر ہے۔ قرآن مجید کی ایک آیت میں جو ہے کہ: ولقد ذرانا لجهنم كثير من الجن والانس۔ ''ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے انسان اور جنات کو پیدا کیا ہے۔ (الاعراف ۔۱۷۹) وہاں لام جس کا ترجمہ ''لیے'' ہے، جو لام غرض نہیں ہے جو مقصد کا اظہار کرتا ہے بلکہ لام عاقبہ ہے جس سے وقوع میں آنے والے انجام کا مجازاً اظہار ہوا کرتا ہے یعنی نتیجہ تخلیق کے بعد جو وقوع میں آیا، وہ یہ تھا، نہ یہ کہ وہ پیدا اس لیے ہوئے تھے [۲]

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾

''میں ان سے کسی روزی کا طلب گار نہیں ہوں اور نہ میں اس کا خواہاں ہوں کہ وہ مجھے کھانا دیں، یقیناً اللہ وہی روزی دینے والا ہے، مضبوط طاقت والا''

---

[۱]۔ خلقهم ليفعلوا ما يستوجبون به رحمته فيرحمهم (صافی)

[۲]۔ انه خلق الخلق كلهم لعبادته تصير عاقبة كثير منهم الى جهنم بسوء اختيارهم (تبیان)

www.kitabmart.in

پہلے پارے کے شروع میں ممارزقناھم ینفقون کے تحت میں آچکا ہے کہ رزق جس کا ترجمہ ''روزی'' ہوتا ہے وہ ہر شے ہے جس سے کسی زندہ شخص کی بقا وابستہ ہے کھانا اس کے تحت میں داخل ہے لہٰذا یہاں پہلے تو ہر قسم کی ضرورت سے اپنی بے نیازی کا اظہار کیا ہے اور پھر خصوصیت سے جس چیز کی ضرورت دنیا میں کسی ذی روح کو سب سے زیادہ ہوتی ہے یعنی غذا اس کی واضح طور پر نفی کی ہے۔ اس کا ربط پہلی آیت سے یوں ہوتا ہے کہ عام طور پر کوئی غلام اور کنیز وغیرہ بناتا ہے وہ اس لیے کہ ضروریات کے پورا کرنے میں اس کی مدد کریں مگر یہاں اس نے جو انسان وغیرہ کو پیدا کیا ہے، وہ خود مدد حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے کیوں کہ تو بے نیاز مطلق ہے...... اسے کوئی ان کی احتیاج نہیں ہے [1] وہ عبادت جس کے لیے اس نے جن وانس کو پیدا کیا ہے اس کا فائدہ جو رحمت الٰہی ہے اسی مخلوق کو پہنچتا ہے، خالق کو نہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ پہلے فقرے کا مطلب یہ کہ کسی ایک بندے سے میں اس کا طلب گار نہیں ہوں کہ میرے دوسرے بندوں کو روزی دیں، نہ اس کا طلب گار ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ مگر یہ مفہوم آیت کے الفاظ سے ذہن میں نہیں آتا۔ بعد والی آیت میں اللہ کا نام لینا ایک قسم کی دلیل ہے کہ میں بھلا رزق کا طلب گار کہاں ہوسکتا ہوں، میں تو اللہ ہوں جس کی ذات مطلق بے نیاز ہے اور وہ خود فیض رسان خلائق ہے۔ ملا محسن فیض کو جیسے یہ الفاظ ذات الٰہی پر کھبتے نہیں محسوس ہوئے کہ میں ان سے کسی رزق کا طلب گار نہیں ہوں، اس لیے دبی زبان سے یہ تصور ظاہر کیا ہے کہ شاید اس اعلان کی ہدایت رسول کو ہوئی ہو [2] مگر میرے خیال میں جب کہ سابق کی آیت کے ربط سے اس کا مناسب مفہوم موجود ہے تو اسے الگ قرار دینے اور وہ بھی ایک عدد ''قل'' کو درمیان میں محذوف ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبکہ اس صورت میں مناسب یہ معلوم ہوتا کہ ''منہم'' ''ان سے'' کے بجائے ''تم سے'' کسی رزق کا طلب گار نہیں ہوں۔

فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿٥٩﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٦٠﴾

''تو یقیناً ان لوگوں کا جو ظالم ہیں، وہی حصہ ہے جیسا ان کے ساتھ والوں کا تھا تو وہ لوگ مجھ سے جلدی نہ کریں تو وائے ہو، ان لوگوں کے لئے کافر ہیں، اس دن سے جس کا ان سے وعدہ وعید ہوتا'' ہے۔

ذنوب کے معنی توبڑے ڈول کے ہوتے ہیں اور اس حصے کو بھی کہتے ہیں جس کا کسی کو استحقاق ہو تو لفظی معنی تو وہ ہوئے جو ترجمہ کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو انجام ان کا ہوا وہی ان کا ہے۔ ساتھیوں سے مراد ان کے ہم کیش پہلے والے ہیں جو کفر اور بداعمالی میں ان کی طرح تھے [3]

ایک دفعہ ظالم کہہ کے پھر کافر کہنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ظلم سب سے بڑا یہی ہے کہ وہ اللہ کے مقابلے میں کفر اختیار کیے ہوئے ہیں اور حق کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے۔

---

[1] انی لم اخلقھم الماجۃ بی الیھم (علی ابن ابراہیم)

[2] یحتمل ان یقدر قل فیکون بمعنی قولہ: قل لا اسئلکم علیہ اجرا (صافی)

[3] اصحابہم الذین ھلکوا امثل قوم نوح وعاد وثمود (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُالطُّوْرِ

''مکّیہ......۴۹......آیات''

ادھر کے سوروں میں عموما نام سورے کا پہلی ہی لفظ پر جو سورے کے شروع میں ہے مقرر ہوگیا ہے اور مضامین ان سوروں کے جو مکے میں نازل شدہ ہیں بنیادی طور پر مبداومعاد سے متعلق ہیں اور بشارت سے زیادہ انداز پر توجہ ہے۔پہلے عذاب آخرت کا سخت سے سخت طریقہ پر اندیشہ پیدا کیا گیا ہے اور پھر اس کے مقابلے میں جو پرہیزگار ہیں ان کے خوش گوار انجام کا مسحورکن انداز میں تذکرہ ہے۔درمیان میں نیک اعمال اہل ایمان کی اولاد کے لیے جو ایمان میں ان کے ساتھ شریک ہیں، خصوصی طور پر ان کے مراتب میں شرکت کا اعلان ہے جس پر تبصرہ اسی آیت کے ذیل میں ہوگا۔

آخر میں مشرکین کی مختلف طرح پریشان خیالیوں اور چہ می گوئیوں کا جو وہ وقتاً فوقتاً کرتے رہتے تھے ایک ایک دو دو جملوں میں حوالہ دیتے ہوئے متعجبانہ انداز کے ساتھ سوالات کی صورت میں ان کے غلط ہونے کا اظہار ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

وَالطُّوۡرِ ۙ‏ ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ‏ ﴿۲﴾ فِىۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ‏ ﴿۳﴾ وَّالۡبَيۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ۙ‏ ﴿۴﴾ وَالسَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ‏ ﴿۵﴾ وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۙ‏ ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ‏ ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنۡ دَافِعٍ ۙ‏ ﴿۸﴾

''قسم ہے طور کی اور یک لکھی ہوئی کتاب کی چمک دار ورق میں اور قسم اس گھر کی جو آباد ہے اور اس چھت کی جو بلند ہے اور اس سمندر کی جو جوش زن ہے کہ تمہارے پروردگار کا عذاب ایک ایسی واقعیت ہے جس کا ٹالنے والا کوئی نہیں''۔

طور کے اصل معنی پہاڑ کے ہیں، اس لیے پہلے جوئی جگہ آیا ہے کہ بنی اسرائیل کے اوپر پہاڑ کو بلند کیا۔وہاں بظاہر خاص وہ کوہ طور نہیں ہے مگر عام طور پر لفظ طور سے ذہن اسی حضرت موسیٰؑ والے خاص پہاڑ کی طرف جاتا ہے جسے طورسینا اور قرآن میں ایک جگہ ''طورسینین'' کہا گیا ہے یہاں قسم میں الف لام عہد کے ساتھ جو فرد خاص کی طرف اشارہ ہے کے لیے ہوتا ہے۔اشارہ اسی کی طرف ہوسکتا ہے۔رق کے معنی لغت کے لحاظ سے وہ کھال ہے جس پر اس وقت لکھا جاتا تھا، جب کہ کاغذ ایجاد نہیں ہوا تھا تو کھال ہی کے باریک سے باریک ورق بنائے جاتے تھے جس کی بنا پر بعض تعویزوں کے ساتھ دعاوں کی کتابوں میں ہوتا ہے کہ پوست آہو پر لکھا جائے اور اس کے معنی اصل ''چمک دمک' بھی داخل ہے اسلیئے بعض اہل لغت نے اس کے معنی میں کھال کا نام خصوصیت کے ساتھ نہیں لیا ہے۔اب چونکہ طور کے ساتھ اس

www.kitabmart.in

کتاب کا ذکر ہے لہٰذا ذہن میں یہ آتا ہے کہ جس کتاب کی قسم کھائی گئی ہے۔ وہ توریت ہے جس پر دوسرے مقامات پر کتاب کا اطلاق قرآن میں ہوا بھی ہے اور وہ اُتری بھی تھی لیکن تحریر کی شکل میں قرآن کی طرح نہیں، جو غیر مکتوبی صورت میں اترتا تھا اور بعد کو قید کتابت میں آتا تھا۔

لیکن دوسرا قول اس جملے کی تشریح میں یہ بھی ہے کہ اس سے قرآن مراد ہے اور تیسرا یہ کہ اس سے لوح محفوظ مراد ہے۔ کلام معصومؑ کوئی جو فیصلہ کن ہو، موجود نہیں ہے مگر جو قرینۂ لفظی کی بنا پر قابل ترجیح ہوسکتا ہے وہ پہلا ہی تصور ہے۔ ہاں ایک بات ذہن میں یہ آتی ہے کہ چونکہ مخاطب مشرکین مکّہ ہیں جنہیں علم اور کتابت قلم سے مانوس بنانا بھی قرآن کی ایک مہم تھی جو سورۂ اقراء سے ظاہر ہے تو مقام قسم میں بھی مطلق کتاب ان دل لبھانے والے تعبیری خصوصیات کے ساتھ بھی مراد ہوسکتی ہے۔

بیت معمور کے بارے میں حدیثوں میں یہ ہے کہ وہ عالم بالا میں کئی ملائکہ کے لیے اسی طرح مرکز طواف ہے جس طرح کعبہ انسانوں کے لیے زمین پر ہے۔ اس میں روایتیں مختلف ہیں کہ وہ آسمان اول پر ہے یا چوتھے آسمان پر یا ساتویں آسمان پر۔ ان روایات کو ملا محسن فیض نے تفسیر صافی میں درج کیا ہے۔ جامع البیان طبری میں بھی قدیم روایات درج ہیں وہ بس اسی محور پر گردش کرتے ہیں جن میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کے ارشادات بھی ہیں اور ان میں ہے کہ یہ کعبہ کی بالکل محاذات میں ہے اور اس کا نام ''ضراح'' ہے۔

''بلند کی ہوئی چھت'' کے تو بہت نمایاں معنی آسمان ہی کے ہیں اور دریا ظاہر میں کوئی مخصوص نہیں ہے، اس سے جنس مراد ہوسکتی ہے اور سمندر میں نمایاں طور پر نظروں کو جوش کھانے کی کیفیت تو محسوس ہوتی ہی ہے۔ مگر چونکہ اسکی صفت یہاں **مسجور** آئی ہے اور یہ لفظ زیادہ تر تنور کو ایندھن سے پُر کرنے کے معنی میں آتی ہے اور اس لیے قرآن مجید میں دوزخ میں ڈالے جانے کے لیے آیا ہے ''**ثم فی النار یسجرون**''، جس سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ پھر آگ میں وہ ایندھن کے طور پر ڈال دیے جائیں گے اور نہج البلاغہ سجر کا لفظ آگ کے بھڑکانے کے معنی میں آیا ہے۔ امیر المومنینؑ اپنے خطبے میں فرماتے ہیں:۔

''**فتجرنی الیٰ النار سجرها جبارها لغضبه**''

اور تو مجھے کھینچ کر ڈالے گا اس آگ کی طرف جسے **جبار و قھار** نے اپنے غضب کے لیے بھڑکایا ہے۔

اب یہاں یہ **مسجور** صفت سمندر کے لیے آئی ہے جو آگ سے نہیں، پانی سے بھرا ہوتا ہے اسلیے کہا گیا ہے کہ اس دریا سے مراد وہ سمندر ہے جو مرکز زمین میں ہے جس کے لیے بتایا جاتا ہے کہ اس کے نیچے مشتعل ہونے والے پگھلے ہوئے مواد ایسے ہیں کہ وہ گرمی سے جوش کھاتا ہے۔

جہاں تک ہم دیکھتے ہیں قسمیں کثرت کے ساتھ مکی سوروں میں ہے۔ مدنی سوروں میں نہیں ہے اس لیے کہ مدینہ میں تو زیادہ تر وہ جماعت مخاطب تھی جو آپ کی رسالت کو مان چکی تھی لہٰذا ان کے لیے آپ کا کہنا اور بتانا کافی تھا لیکن مکّہ میں مخاطب مشرکین کی جماعت تھی جنہوں نے آپ کی رسالت کو نہیں مانا تھا لہٰذا صرف آپ کے کہنے سے خبروں کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے ان سے باتیں اتنی شدت کے ساتھ قسمیں کھا کھا کر کہی گئی ہیں جس پس پشت قبل کے چالیس برس کا ان کا یہ مشاہدہ اور ان کا یہ اعتراف بھی تھا کہ یہ شخص سچا ہے۔ اب یہ سچا جب ایک بات کو اتنی قسمیں کھا کھا کر سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہا ہے تو اسی وقت اور پھر اس سے زیادہ فرصت کے لمحات میں وہ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ یہ خبریں غلط نہی ہوسکتیں۔ پھر اتنی مسلسل قسمیں بتقاضائے بلاغت ان کی توجہ مبذول کرنے کے لیے ہیں کہ ایک دم جو کہنا ہے وہ کہا جاتا تو رواداری میں نذر تغافل ہوجاتا اور جب اس فصاحت کے ساتھ جو نقطۂ اعجاز پر ہے اتنی قسمیں ان کے سامنے آرہی ہیں تو وہ متوجہ ہوکر سنیں گے کہ

www.kitabmart.in

اس کے بعد کیا کہا جاتا ہے؟

اب یہاں ان قسموں کے ساتھ جوبات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ عذاب کی خبریں سن کر مذاق نہ اڑاؤ، وہ ایک ایسی حقیقت ہے جو وقوع میں لازمی طور پر آنے والی ہے اور اس کا ٹالنے والا کوئی نہیں ہے۔

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝٩ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝١٠ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١

"جس دن آسمان پورے طور پر حرکت میں آجائے گا اور پہاڑی پوری طرح رواں رواں ہوں گے تو وائے ہو اس دن کو جھٹلانے والے پر جو بڑی ہی (غلط قسم کی) سرگرمی میں تفریح محسوس کرتے ہیں"۔

قیامت کے حشر ونشر سے پہلے جو موجودہ نظام کائنات کی ابتری اور آخر میں فنا کا تذکرہ قرآن میں متعدد آیتوں میں ہوا ہے ان میں یکے بعد دیگرے رونما ہونے والے مختلف حالات جستہ جستہ بیان ہوئے ہیں، کہیں آسمان کے شق ہونے کا ذکر ہے، کہیں پہاڑوں کے سرمۂ ہوجانے کا، کہیں روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اڑنے پھرنے کا ذکر ہے۔ یہاں میرے خیال میں ابتدائی درجہ کا بیان ہے جب ابھی ان کی جسمانی کیفیت پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔صرف ان کی حرکت کی مقدار میں شدت اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی ہے ہاں پہاڑوں کے رواں دواں ہونے میں یہ تصور کر سکتے ہیں کہ یہ وہ حرکت نہیں ہے جو زمین کے ساتھ ساتھ ہے، جس کے لیے ایک جگہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ. (نمل۔٨٨)

اور پہاڑوں کو تم دیکھتے ہو تو انہیں ایک جگہ منجمد سمجھتے ہو حالاں کہ وہ اس طرح رواں ہیں جیسے بادل رواں ہوتے ہیں،

بلکہ یہاں مراد یہ ہے کہ وہ زمین سے اکھڑ کر بذات خود رواں دواں ہوں گے۔ یہ ایک طرح کا انتشار ہے جس کی شدت کا اظہار دوسری جگہ "كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ" دھنکی ہوئی روئی "روئی کی لفظوں میں کیا گیا ہے اور پھر اس سے زیادہ انتشار کی کیفیت کو ایک مقام پر "هَبَآءً مُّنْبَثًّا" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی جب وہ بے حقیقت ذرات کی طرح ہوں گے جو کسی روشن دان وغیرہ سے فضا میں بکھرے نظر آتے ہیں [1] دنیا اسی نظام کی تباہی کو اصل قیامت سمجھتی ہے، اس لیے قیامت کی پیشن گوئیاں یوں ہوا کرتی ہیں کہ آفتاب کی گرمی کم ہو رہی ہے لہٰذا قیامت آنے والی ہے یا کچھ ستارے ایک دوسرے کے قریب ہو رہے ہیں، ٹکرانے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے قیامت آجائے گی۔ حالاں کہ قیامت نام صرف اس تباہی و بربادی کا نہیں ہے بلکہ اس کے بعد جو تعمیر جدید ہوگی اس کا نام ہے۔

وہ تباہی و بربادی تو پیش خیمہ ہوگی، اس نئی تخلیق کا قیامت کا نام ہی قیامت قیام یعنی اٹھ کھڑے ہونے پر ہے جس کا تعلق حیات بعد الموت سے ہے جس کے لیے قرآن مجید نے کہا ہے:۔

يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (المطففين۔٦) "جس دن سب لوگ پروردگار عالم کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے۔ مگر چونکہ وہ تباہی و بربادی اس کی تمہید ہوگی اس لیے قرآن مجید نے بھی اکثر ان تباہیوں کا ذکر کر کے بعد والی منزل کو یاد دلایا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اس کے بعد کہا ہے کہ وائے ہو اس دن کو جھٹلانے والوں کے لیے یعنی ان کی اصل شامت اعمال اس دن سامنے آئے گی جو حساب و کتاب کی منزل ہے اور اس کے بعد داخلۂ دوزخ۔

[1] تسیر الجبال عن اماکنها من الارض نمیرا فتصیر هباء منبثا (ابن جریر)

www.kitabmart.in

خوض کے اصل معنی تو دریا وغیرہ میں اُترنے کے ہیں[1] اسی کی ہم معنی لفظ غور ہے جو ہماری اردو میں اس کے ساتھ مثل تابع مہمل کے آتی ہے یعنی غور وخوض۔ اور عربی میں کسی کام یا گفتگو میں بہت انہماک کے ساتھ مصروف ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور قرآن میں اکثر مذموم باتوں میں سرگرمی کے ساتھ لگے رہنے کے معنی میں آئی ہے چنانچہ یہاں بھی کہا جارہا ہے کہ جن باتوں میں کھیل اور تفریح سمجھ کر وہ انہماک کے ساتھ لگے ہوئے تھے وہ قیامت میں ان کی ہلاکت ابدی کا موجب یا باعث ہو رہی ہیں۔

يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿١٣﴾ هَٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٤﴾ أَفَسِحْرٌ هَٰذَا أَمْ أَنتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿١٥﴾ اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

''جس دن وہ دھکیلے جائیں گے دوزخ والی آگ کی طرف شدت کے ساتھ۔ یہ وہ آگ ہے جسے تم جھٹلاتے تھے۔ کیا یہ جادو ہے یا تمہیں دکھلائی نہیں دیتا؟ اس میں جلتے رہو۔ اب تم ضبط کرو یا نہ کرو، تمہارے لیے یکساں ہے، بس وہی تو تمہیں سزا مل رہی ہے جو تمہارے اعمال ہوا کرتے تھے''۔

اہل لغت نے 'صلی' کے معنی ملازمت یعنی لگے رہنے کے لکھ دیے ہیں مگر موارد استعمال سے پتہ چلتا ہے کہ اس لفظ کا استعمال آگ کے ساتھ ہوتا ہے تو لگے رہنے کی خصوصیت برقرار نہیں رہتی۔ اس لیے تاپنے کی بھی تعبیر اس لفظ سے کرتے ہیں بہر حال ہم نے اپنے ترجمے میں اس لغوی مفہوم کو بھی مدنظر رکھا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ﴿١٧﴾ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٨﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٢٠﴾

''یقیناً پرہیزگار لوگ باغہائے بہشت میں ہیں اور آرام میں لطف اندوز ہوتے ہوئے اس سے جو انہیں ان کے پروردگار نے دیا ہے اور بچایا ہے انہیں ان کے پروردگار نے دوزخ کے عذاب سے کھاؤ اور پیو۔ مبارک تمہیں ان اعمال کی بدولت جو تم کر تے تھے گاؤ تکیے سے لگے ہوئے ان تختوں پر جو ترتیب کے ساتھ بچھے ہوئے ہوں گے اور ہم نے شادی کی ہوگی بڑی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ''۔

''فاکھین کا ترجمہ لطف اندوز ہوتے ہوئے'' ایک تشریح کی بنا پر ہے۔ دوسری تشریح یہ ہے کہ یہ لفظ فاکھۃ سے ہے فاکہہ وہ شخص ہے جس کے پاس فواکہات یعنی میوے بہت سے ہوں[2] ھنیئا کا لفظ عرب روزمرہ میں متداول ہے چنانچہ جب کوئی پانی پیتا ہے تو دوسرا

---

[1]۔ الدخول فی الماء بالقدم (تبیان)

[2]۔ عندھم فاکھتہ کثیرۃ وذالك نظیر قول لعرب للرجل یکون عندہ کثیر رجل تامر (ابن جریر)

www.kitabmart.in

کہتا ہے هنيئا و عافية ۔اس کے معنی میں دعائے خوش گواری مضمر ہے۔قرآن مجید میں یہ لفظ چار مقام پر آئی ہے، چونکہ اس کی قائم مقام کوئی لفظ اردو محاورے کا جز ونہیں ہے، اس لیے اس کا ترجمہ دشوار ہے ''مبارک ہو'' کے ساتھ ترجمہ مجبوری کا نتیجہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿٢١﴾

''اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ہم نے ان کی اولاد کو اُن سے ملا دیا اور ان کے اعمال میں کچھ بھی کمی نہیں کی۔ہر آدمی اپنے اعمال کے ساتھ گرھویں ہے''۔

اس آیت میں ایک تصور یہ ہے کہ یہ آیت صاحبان ایمان کے بچوں کے بارے میں ہے جو نابالغ ہیں کہ یہ بچے مؤمنین کے حسن عمل کی وجہ سے ان کے درجے میں ان کے پاس پہنچا دیے جائیں گے مگر قرآن مجید کے یہ الفاظ کہ ان کی اولاد نے ان کی پیروی کی، یہ بتلاتے ہیں کہ وہ کمسن اور نابالغ بچے نہیں ہیں بلکہ نالغ اور عاقل اور ذمہ دار افراد ہیں جن کے ایمان کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے باپ کی پیروی کی یا نہیں۔اس عقلی پہلو کا تحفظ کرتے ہوئے یوں تشریح کی گئی کہ وہ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے جو بالغ ہے، ایمان وعمل میں ان کے ساتھ دیا تو اب وہ بچے بھی جو نابالغ ہی میں دنیا سے اٹھ گئے ان سے ملا دئے جائیں گے [1]

اس صورت میں لفظ ذریت میں یہ تفریق کہ پہلی ذریت اور ہے جو بالغ ہے اور دوسری ذریت وہ جو نابالغ ہے۔یہ الفاظ آیت سے ذہن میں نہیں آتی۔میرے نزدیک اس سے زیادہ سلجھا ہوا جو مفہوم ہے۔وہ یہ ہے کہ اولاد ایمان اور عمل صالح میں ان بزرگوں کے پیچھے تو رہیں مگر مراتب عمل کے لحاظ سے یہ بالکل اس نقطے پر نہیں ہے۔اس میں کمزوری پائی جاتی ہے باپ کے حسن عمل کی وجہ سے ان کی کمزوری کو نظرانداز کر دیا جائے گا اور انہیں اسی درجے پر پہنچا دیا جائے گا جو ان کے باپ کا ہے۔طبری نے جامع البیان میں اگر چہ پہلے مفہوم کو بھی ایک طریقے سے ابن عباسؓ کی زبانی نقل کیا ہے مگر زیادہ طرق سے جناب ابن عباسؓ سے یہی دوسرا مفہوم وارد ہے اور خود طبری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ہمارے علماء نے جناب ابن عباس سے اس کو نقل کیا ہے [2] اور اس کے مطابق حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اہل بیتؑ کی روایتیں بھی درج ہیں۔

مآ التنا کے لفظ کا مادہ الت ہے جس کے معنی کم کرنے کے ہیں۔ایک جگہ قرآن مجید میں ہیں:۔وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا (حجرات۔۱۴) اگر تم اللہ و رسول کی پیروی کرو گے تو وہ تمہارے اعمال میں کچھ کمی نہ کرے گا۔

یہاں ما التنا ماضی منفی ہے۔سابق جملے کے ساتھ اس کا ربط یہ ہے کہ ہم نے ان کے اعمال میں کچھ کمی نہیں کی ہوگی، یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اولاد کا ان کے بزرگوں کے ساتھ ملحق کیا جانا ہے ان بزرگوں کے حسن عمل کے حق بجانب صلے کا ایک جز ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو ان کے عمل کی جزا میں ایک طرح کی کمی ہو جاتی اور پھر اسی کے ساتھ مرحمط ہے کہ ہر انسان جو کچھ اس نے کیا ہے اس کے ساتھ گروی ہے جسطرح جو شے رہن ہے محفوظ رہتی ہے جب تک کہ وہ رقم نہ ملے۔اسی طرح ہر انسان کے اعمال خدا کے یہاں محفوظ رہتے ہیں کہ ان کا مناسب صلہ اسے مل جائے۔

---

[1] يقول الذين ادرك ذريتهم الايمان فعملوا بطاعتي الحقهم بايمانهم في الجنة واولادهم الصغار تلحقهم به (ابن جرير)

[2] عن ابن عباس ان التابعين الحقو بدرجة ابآئهم وان قصرت اعمالهم تكرمة لابآئهم (تبيان)

www.kitabmart.in

ایک دوسری تشریح یہ ہوئی کہ اولاد کو جو ان کے ساتھ ملحق کیا جائے گا تو یہ سمجھنا چاہیے کہ باپ کی جزا میں کچھ کمی کر کے اولاد کو ملحق کیا جائے گا۔نہیں ان بزرگوں کی جو جزا تھی وہ پوری پوری ان کو ملے گی اور پھر مزید فضل وکرم یہ ہے کہ یہ اولاد ان کے ساتھ پہنچا دی جائے گی۔

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾

”اور ہم نے انہیں مدد پہنچائی پھلوں سے اور گوشت کے ساتھ جس طرح کی انہیں خواہش ہو،اس میں ایک دوسرے سے لے رہے ہوں گے ایسی شراب سے بھرے ہوئے شاعر جن میں نہ بیہودہ قسم کی کوئی بات ہے نہ گنا ہگار ٹھہرانے کی اور ان کے پاس چکر لگا رہے ہوں گے ایسے نوجوان خدمت گار جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہوں“۔

نعمات بہشت کے اوصاف

چونکہ اس کے پہلے ان صاحبان ایمان کا ذکر ہے جن کے ساتھ ان کی اولاد ملحق کی گئی اس لیے اس ضمیر کو بھی انہی سے متعلق قرار دیا گیا ہے [1] لیکن چونکہ عموماً ترتیب کا مطابق تنزیل ہونا یقینی نہیں ہے لہٰذا تناسب الفاظ سے ذہن میں یہ آتا ہے کہ قبل میں جو متقین کے لیے سلسلہ کلام تھا ،جس کا آخری جملہ یہ تھا: زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ اس پر یہ عطف ہو کہ شادی کی حوروں کے ساتھ اور انہیں مدد پہنچائی۔

مدد کے اصل معنی تو اضافے کے ہوتے ہیں،چونکہ جو مدد بھی پہنچائی جائے اس سے قوت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لیے کسی طرح کی بھی تقویت کو خواہ غذا سے ہو اور خواہ فوج ولشکر سے ہو مدد کہا جاتا ہے یہاں نعمات جنت کی عطا کو جو افزائش کے ساتھ ہے،اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اب اضافے کے لفظ کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض نے اس میں پے درپے کا مفہوم محسوس کیا ہے [2] نزع کے معنی سلب کرنے اور اکھاڑنے کے ہیں،جب اسے باب تفاعل میں لے گئے تو تنازع کا لفظ ہوا جس سے اردو میں بھی ”نزاع“ کا لفظ ہے اور اکثر عوام ”تنازع“ ،غلطی سے ”ز“ پر زبر کے ساتھ کہہ دیتے ہیں جس میں باہمی کشاکش بطور مخالفت ہوتی ہے۔اور اس لیے قرآن میں اس کا بطور مذمت ذکر ہوا ہے اور ممانعت کی گئی ہے کہ:

لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ تم میں کمزوری پیدا ہوگی (انفال۔۴۶)

بہشت میں ناگواری کا گزر نہیں اس لیے وہاں ساغر کی گردش کو جو ایک کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کی طرف خوش دلی کے ساتھ منتقل ہوتا ہے،اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔لغو کے ساتھ تاثیم کا لفظ ایک اور جگہ قرآن مجید سورۂ واقعہ آیت نمبر ۲۵ میں بہشت کے وصف میں: لايسمعون فيهالغوولا تأثيما۔ چونکہ اثم کے معنی گناہ کے ہیں لہٰذ تاثیم کے معنی گناہگار ٹھہراتے ہوئے جو ہم نے ترجمہ کیا ہے۔اب مطلب اس کا یہ ہوا کہ وہ شراب ایسی ہے کہ اُسے پی کر انسان گناہگار ٹھہرایا نہیں جا سکتا اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اسے پی کر رندوں میں کوئی جھگڑا کھڑا نہیں ہوتا جس میں ایک دوسرے کو گناہگار ٹھہرائے۔ جتنے کھانے پینے کے اشیاء کے نام نعمات جنت کے ذیل میں قرآن میں لیے گئے ہیں،سب ذہن کو منتقل کرنے کے لئے اُن اشیاء کی طرف جو دنیا میں انسانی خواہشوں کا مرکز ہیں مگر یہاں اُن میں منافع کے ساتھ مفاسد اور اچھائی کے ساتھ

---

[1] ۔امددناهؤلاءِ الَّذِيْنَ وَرَسُوْلِهِمْوَاتبعتهم ذريتهم بأيمان (ابن جرير)

[2] ۔پے در پے کنیم (شاہ ولی اللہ)

www.kitabmart.in

برائی کے پہلو بھی ہیں، نعمات جنت ان برائیوں سے خالی ہیں۔

جو چیز دنیا میں حرام ہے جیسے شراب، وہ اس برائی کی بنا پر ہے جو اس میں پائی جاتی ہے، جنت والی شراب چونکہ اس برائی سے پاک ہے لہٰذا نہ اس کا پینا گناہ ٹھہرایا جا سکتا ہے نہ اس کے سبب سے یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو گناہگار قرار دے۔ بہشت کی ہر شے چونکہ نقائص دنیوی سے پاک ہے لہٰذا حوریں ہیں تو پاک و پاکیزہ اور نوکر چاکر کے طور پر جو نوجوان کام کر رہے ہیں انہیں یہاں اور دوسرے مقامات پر ان کے حسن و جمال کو نمایاں کرتے ہوئے موتیوں سے تشبیہ دی ہے اور وہ بھی وہ نہیں جو استعمال میں رہیں کہ میلے ہو جائیں بلکہ جو کسی غلاف یا ڈبیا میں محفوظ ہوں اور بعض نے صدف کے اندر ہونے کے ساتھ تشریح کی ہے [1] کہ وہ بالکل ہی تروتازہ ہوں گے۔ اور سورۂ دہر میں ان کے چاروں طرف پھرنے کے منظر کی بنا پر انہیں لؤلؤ منثوراً ''بکھرے ہوئے موتی'' کہا گیا ہے اور سورۂ واقعہ میں ان کے ہمیشہ بہار ہونے کے وصف کی بنا پر وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ''ہمیشہ کی زندگی رکھنے والے لڑکے'' کہا گیا ہے۔

وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوۡۤا اِنَّا كُنَّا قَبۡلُ فِىۡۤ اَهۡلِنَا مُشۡفِقِيۡنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا وَوَقٰٮنَا عَذَابَ السَّمُوۡمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلُ نَدۡعُوۡهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡبَرُّ الرَّحِيۡمُ ﴿۲۸﴾

''اور ان میں سے ایک نے دوسرے کی طرف رخ کیا، آپس میں سوال و جواب کرتے رہے، کہنے لگے کہ ہم پہلے ہی سے اپنے گھر بار میں ڈرتے رہتے تھے تو اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچایا، یقیناً ہم پہلے سے اسے پکارا کرتے تھے، یقیناً وہ اچھا ہی اچھا کرنے والا ہے، بڑا مہربان''۔

مضمون گفتگو میں یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ حساب کتاب کے بعد کی منزل ہے، جب فیصلہ الٰہی نمایاں ہو گیا اور انہیں بہشت میں جگہ مل گئی تو آپس میں وہ یہ بات چیت کرنے لگے جو اس وقت بالکل بامحل ہے مگر جناب ابن عباسؓ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ وہ اس وقت کا ذکر ہے جب وہ قبروں سے برآمد ہوں گے [2] مگر ابھی جب پورا نتیجہ سامنے نہیں آیا تو اس خوف کو تو اب تک قائم رہنا چاہیے۔ اس لیے اس گفتگو کا اس وقت محل معلوم نہیں ہوتا۔ سموم کے معنی چونکہ گرم ہوا کے ہوتے ہیں اس لیے اردو محاورے میں ووقٰنا عذاب السموم کا ترجمہ زہریلی کیا گیا ہے ''وہ دوزخ کی بھاپ بھی نہ لگی'' (موضح القرآن) مگر دوسرا تصور یہ ہے کہ سموم بھی دوزخ کا ایک نام ہے [3] ہم نے ترجمہ اس کے مطابق کیا ہے۔

فَذَكِّرۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجۡنُوۡنٍ ﴿۲۹﴾

''تو یاد دہانی کرتے رہیے کہ آپ اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے نہ کاہن ہیں اور نہ دیوانہ''

---

[1]۔ مصون فی الصدف لانه فیها احسن منه فی غیرها (جلالین)

[2]۔ عن ابن عباس؛ اذا بعثوا فی النفخة والثانية (ابن جریر)

[3]۔ السموم من اسماء جهنم عن الحسن (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی

مشرکین حضرتؐ کی ہدایت کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے کبھی کاہن کہہ دیتے تھے کہ وہ لوگ بھی ایک طرح کی عیب کی کچھ خبریں غلط یا صحیح سناتے تھے مقفّی اور مسجّع عبارتوں میں اور کبھی دیوانہ کہہ کے ٹالتے تھے کہ ان کی باتیں توجہ کے قابل نہیں ہیں۔ اس لیے ان دونوں باتوں کی نفی کر کے کہا گیا ہے کہ آپ یاددہانی کرتے رہیے، یعنی ان کی باتوں کی پرواہ نہ کیجیے۔

ہمارے نزدیک تو بس یہی پہلو نکلتا ہے، طبری نے اس کے علاوہ یہ مفہوم نکالا ہے کہ چونکہ یہ باتیں نہیں ہیں بلکہ آپ خدا کے سچے رسولؐ ہیں لہٰذا اطمینان رکھیے کہ خدا آپ کی مدد کرے گا[1] کاھن، کسے کہتے ہیں؟ اس میں ذرا اختلاف ہے، بعض نے یہ خصوصیت بتائی ہے کہ وہ گزشتہ خبریں سناتے تھے، اس لیے بعض واقعات بتاتے ہیں کہ نسب کی تحقیق کے لیے رجوع ہوتی تھی کہ یہ فلاں شخص کا بیٹا ہے یا نہیں؟ اور بعض نے گزشتہ اور آیندہ کی تفریق کے بغیر کہا ہے کہ وہ کسی موکل کی مدد سے جواز قبیل جنات وغیرہ ہوتا تھا غیب کی خبریں سناتے تھے۔ جناب شیخ مرتضیٰ انصاریؒ نے علامہ حلیؒ کی قواعد کے حوالے سے بطور اپنے مختار کے کاہن کی یہ تعریف لکھی ہے کہ وہ کسی جن کے ذریعے سے جسے اپنا مددگار بنالیتا ہے، غیب کی خبریں حاصل کرتا ہے اور سناتا ہے۔ بعض آیات قرآنی سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کہانت کا تعلق جنات کے ساتھ ربط قائم کرنے سے تھا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝٣٠ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝٣١

"کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے، ہمیں انتظار ہے اس کے لیے کہ وہ موت کے حادثہ کا شکار ہو جائے، کہیے کہ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں"

یعنی تم میرے لیے جس روزِ بد کے لیے منتظر ہو، وہ تمہاری امیدوں کہ مطابق تمہیں دیکھنا نصیب نہیں ہوگا اور میں عذاب الٰہی سے تمہارے خاتمے کا منتظر ہوں جو عنقریب تمہارے سامنے آئے گا چنانچہ وہ مشرکین اس کے بعد جنگ بدر وغیرہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقابلہ کر کے ہلاک ہوئے۔

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝٣٢

"کیا (سچ مچ) ان کی عقلوں کا تقاضا ان سے یہ ہے یا وہ بے حد سرکش لوگ ہیں"۔

مطلب یہ ہے کہ درحقیقت وہ بھی اپنی عقل سے کام لیں تو یہ باتیں نہ کہیں مگر وہ تعصب میں اندھے ہو رہے ہیں، خود اپنے عقل و ضمیر کے تقاضوں کے خلاف باتیں کہتے ہیں، یہ سب سے بڑی ان کی حد سے گزری ہوئی سرکشی ہے۔ ایک معنی احلام کے "خوابہائے پریشاں کے لئے گئے ہیں اس طرح اُن کے غلط خیالات کو خوابہائے پریشان سے تعبیر کیا گیا ہے[2] اس صورت میں مطلب ہوگا کہ وہ جو باتیں کہتے ہیں، کیا اس کا سبب ان کے جھوٹے خواب ہیں۔ جو یہ باتیں کہتے ہیں یا بلا وجہ سرکشی سے کام لیتے ہیں؟

---

[1] لكنّك رَسُوْلُ الله والله لا يخذلك لكنه ينصرك (ابن جریر)

[2] گویا منظور خیالات است زیر خوابہای پریشانند یا نیز یک نوع خیال اند (قاموس قرآن)

www.kitabmart.in

میرے نزدیک یہ معنی اس محل پر بعید ہیں۔

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلۡ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۳﴾ فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ کَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۴﴾

''یا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے گڑھ لیا ہے؟ بلکہ وہ ایمان لانے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں تو پھر وہ ایسا ہی کلام لے آئیں، اگر وہ سچے ہیں''

قرآن کا مثل لانے کی دعوت

اسے گڑھ لیا ہے'، یعنی قرآن کو یہ ویسی ہی تحدی یعنی دعوائے بے مثالی اور جواب لانے کی دعوت کے مطالبہ کی آیت ہے جیسی قرآن مجید میں پورے قرآن اور اس کے دس (۱۰) سوروں اور آخر میں ایک سورے کے جواب کا مطالبہ برابر ہوتا رہا اور دنیا اس کے جواب سے قاصر رہی۔

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ هُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ بَلۡ لَّا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳۶﴾

''کیا وہ خود بخود پیدا ہوے ہیں یا وہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ یا انہوں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے''۔

من غیر شیءٍ کے لفظی معنی تو یہ ہوئے کہ بغیر کسی چیز کے مگر بظاہر مطلب اس کا یہ ہے کہ ''بغیر کسی مبدا ء کے'' اس لیے ہم نے ترجمہ کیا ''خود بخود''۔ بعض لوگوں نے اس کی تشریح میں کہا ہے ''بغیر کسی ماں باپ کے'' [1] مگر نہ وہ ''ماں باپ'' منکر تھے نہ قرآن کی کوئی مہم ہے کہ وہ ماں باپ کے وجود کا اقرار کرائے، جس چیز کے وہ منکر ہو سکتے ہیں اور جو قرآن میں ایمان کی پہلی بنیاد ہے، وہ مبدا اول کا اقرار ہے کہ کوئی ان کا پیدا کرنے والا ہے لہٰذا ضمیر کو بیدار کرنے والے انداز میں یہاں جو سوال ہے وہ اسی سے متعلق ہے اسی سے دوسرے جز کا جوڑ ہے کہ ''وہ خود بخود پیدا ہوئے ہیں''، یعنی کوئی ان کا خالق ہے ہی نہیں یا وہ خود اپنے خالق ہیں؟ عقلی حیثیت سے دونوں ہی باطل ہیں۔

بعض نے من غیر شی کے معنی قرار دیے ہیں ''بغیر کسی وجہ کے''، یعنی بے کار اور عبث اسے جناب شیخ طوسیؒ نے نقل کیا ہے اور علامہ طبرسیؒ کا مختار یہی معلوم ہوتا ہے [2] مجھے اس مناسبت دوسرے جملوں سے اتنی محسوس نہیں ہوتی جتنی پہلے والے مفہوم کی۔ سب سے آخر جملہ بَلۡ لَّا یُوۡقِنُوۡنَ کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں ان کے دل و دماغ کو تو کسی پیدا کرنے والے کے وجود کا یقین ہے مگر وہ بطور فعل ارادی کے یقین نہیں کرتے یعنی جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں جسے ''کفر جمود'' کہتے ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ سمجھا گیا ہے کہ وہ غور فکر اور تحقیق و تفتیش نہیں کرتے تاکہ

---

[1] ۔ای من غیر اباءٍ ولا امهات (ابن جریر)

[2] ۔لغیر شی ای خلقو باطلا یحاسبون والا یو منون ولا ینهون (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

انہیں یقین حاصل ہوتو چونکہ یقین کی کیفیت پیدا ہونے میں ان کی ارادی کوتاہی کا دخل ہے، اس لیے وہ مورد الزام اور مستحق سزا ہیں۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَّيْطِرُوْنَ﴿۳۷﴾

''یا ان کے پاس آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں یا یہی پورے اقتدار کے مالک ہیں''۔

اللہ مرکز امید بھی ہے اور مرکز خوف بھی ہے۔ یہ کفار اللہ سے بالکل بے نیاز بنے ہوئے ہیں۔ نہ یہ اس سے کوئی آسرا وابستہ کرتے ہیں، نہ اس سے کوئی دھڑکا محسوس کرتے ہیں، اس لیے ان میں کوئی تحریک اس کی طرف رجوع کی پیدا نہیں ہوتی۔ تو بظاہر انہی دونوں محرکات کے مقابلے میں یہ دونوں جملے ہیں یعنی تمام اسباب اور آرام اور آسائش کے وسائل ان کے پاس ہیں لہٰذا وہ اللہ کے کسی بات میں محتاج نہیں۔

اس لیے وہ اسے اپنے لیے مرکز امید نہیں بناتے یا کیا وہ پورے اقتدار کے مالک ہیں۔ اسلیے اس کے غضب سے ان کو کوئی خوف معلوم نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ دونوں باتیں غلط ہے لہٰذا ان کی یہ بے نیازی اور بے خوفی دونوں خلاف عقل ہیں۔

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴿۳۸﴾

''کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس سے وہ (آسمانی رازوں کو) سن لیتے ہوں تو جو ان میں سے ایسا ہو، وہ کھلی ہوئی دلیل پیش کرے''

یعنی رسولؐ تو جو دعوت دیتے ہیں، وہ آسمانی پیغام کی بنا پر اور اس کے ثبوت میں معجزات پیش کرتے ہیں۔ یہ جو انکا کرتے ہیں وہ کس بنا پر ہے؟ کیا ان میں بھی کوئی ایسا ہے جو وہاں کی باتیں جا کر سنتا ہو تو آخر ہمیں بھی بتاؤ اور اس کا ثبوت پیش کرو۔

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ﴿۳۹﴾

''کیا اس کے لیے مخصوص طور پر بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے مخصوص طور پر بیٹے ہیں''۔

یہ مشرکین کے اس مزعومہ کی رد ہے جس کی رد کئی طرح قرآن مجید میں آتی رہی ہے کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔

پہلے آچکا ہے کہ یہ بات ہر طرح بے بنیاد ہے، اول تو انہیں کس نے بتایا کہ ملائکہ صنف اناث سے ہیں۔ پھر مطلق اولاد چاہے بیٹا ہو، اور چاہے بیٹی اللہ کی شان الوہیت کے خلاف ہے۔ پھر یہ کہ یہ خود اپنے لیے بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہیں............تو یہ عجیب تصور ہے کہ ان کے لیے تو بیٹے پسندیدہ ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں جو انہیں ناپسند ہیں۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ﴿۴۰﴾

''یا آپ ان سے کوئی معاوضہ مانگتے ہیں تو وہ ایک بڑے مالی نقصان سے گراں بار ہیں''

یعنی انکی مخالفت اور ناگواری کا کیا سبب ہے؟ تو ایسا بھی نہیں ہے، آپ جو ان کی اصلاح و ہدایت میں جان کھپار ہے ہیں تو ان سے کسی معاوضۃ کے طلب گار نہیں ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ رسولؐ کو مشرکین کے مقابلے میں ہمیشہ یہی کہنے کی ہدایت ہوئی ہے اور آپ کا یہی قول رہا ہے کہ ہم تم سے کسی معاوضہ کے طلب گار نہیں ہیں۔ معاوضہ جو طلب کیا گیا ہے (قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى...... شوریٰ۔ ۲۳) وہ ان سے جو آپ کی رسالت کو تسلیم کر کے باقرار خود مؤمنین میں داخل ہو گئے اور انہیں پھر دوسری جگہ بتایا گیا کہ وہ

www.kitabmart.in

معاوضہ جو میں نے تم سے مانگا ہے، اور اپنے فائدے کے لیے نہیں، تمہارے ہی فائدے کے لئے ہے (مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ...... سبا۔ ۴۷) اور دوسری جگہ اس فائدے کی تشریح کردی گئی کہ وہ تمہیں اللہ تک پہنچانے کا وسیلہ ہے (اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا...الفرقان ۔ ۵۷)

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾

''یا خود ان کے پاس غیب کا علم ہے تو وہ اسے قلم بند کرتے ہیں''؟

کیا یہ بات ہے اس وجہ سے وہ آپ کی باتوں کو غور سے سنتے نہیں کہ انہیں ضرورت نہیں ہے؟

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ؕ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

''یا یہ لوگ کوئی داؤ چلنا چاہتے ہیں، تو جو لوگ کافر ہیں وہ خود اپنے داؤ میں (پھنستے) ہیں''۔

''یا ان کے لیے (سچ مچ) اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ پاک ہے اللہ کی ذات اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں''۔

شروع سے آخر تک یہ جتنے سوالات ہیں، سب انکاری حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی ایسا بھی نہیں ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے .... یہ سب باتیں غلط ہیں

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾

''اور اگر وہ آسماں کا ایک ٹکرا گرتے دیکھیں تو وہ کہیں گے یہ ابر ہے و جو تہ بتہ کر دیا گیا ہے''۔

یعنی وہ اندیشہ ہائے عذاب سے بالکل مطمئن ہیں، یہاں تک کہ عذاب آتے ہوئے دیکھیں تو انہیں امیدوں کے سبز باغ ہی لہلہاتے نظر آئینگے۔ جامع البیان طبری میں اس کا ربط اس آیت سے قائم کیا گیا ہے جو موجودہ ترتیب کے لحاظ سے بہت دور پر یعنی سترہویں سورے (یعنی بنی اسرائیل) میں ہے کہ مشرکین کہتے ہیں کہ اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ یہ نہ ہو جائے۔ یہ نہ ہو جائے اسی میں ہے۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا ، یا جیسا کہ آپ کا خیال ہے آسمان کو ہم پر ٹکرے ٹکرے اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا (اسراء۔ ۹۲) کر کے گرا دیجیے۔ یا خدا اور فرشتوں کو گواہی میں لا کر کھڑا کیجیے۔ ایک قدیم مفسر ابن زید ہیں، انہوں نے ایک دوسری آیت یاد دلائی ہے کہ مشرکین نے کہا: فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (شعراء۔ ۱۸۷) ہم پر آسماں کے کچھ ٹکرے گرا دیجیے، اگر آپ سچے ہیں۔ اس آیت میں خالق کا ارشاد ہے کہ یہ سب ہو بھی جائے تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے، آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی حقیقت کا انکار ہی کریں گے اور کہیں گے یہ تو ابر ہے جو تہ بتہ ہو کر گرا پڑا ہے۔

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾

www.kitabmart.in

’’تو چھوڑ دو انہیں، یہاں تک کہ سامنا ہو انہیں، اس دن کا جس میں وہ بے حس و حرکت ہو کر گر جائیں گے، جس دن ان کی منصوبہ سازی انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گی اور نہ ان کو مدد ملے گی‘‘

صعق اصل میں آسمانی دھماکے یا کڑاکے کو کہتے ہیں، گرتی ہوئی بجلی میں چونکہ یہ کڑک شدت کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے اسے بھی صاعقہ کہتے ہیں اور اس کڑک کے اثر سے غش آجائے جیسے حضرت موسیٰ کو آیا تھا تو وہاں بھی یہ لفظ صرف کی گئی ہے (**فخر موسیٰ صعقا**) اور جو اس سے زیادہ درجہ کڑاکے کا ہو کہ ہلاکت ہوجائے، وہاں بھی جیسے **وَنُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَصَعِقَ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ**...زمر ۔۶۸)...... یہاں **فیه یصعقون** میں بے حس و حرکت ہونے کا بظاہر یہی درجہ مراد ہے کہ نفخ صور سے سب بے جان ہو کر گر جائیں گے۔ وہی وہ دن ہوگا، جب ان کی منصوبہ سازی اور ترکیبیں کچھ نہ چل سکیں گی۔

وَاِنَّ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا عَذَابًا دُوۡنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۷﴾

اور یقیناً ان کے لیے جنہوں نے ظلم کیا ہے، اس کے پہلے بھی ایک بڑا عذاب ہے لیکن ان میں سے زیادہ جانتے نہیں‘‘۔

قیامت کے پہلے ’’کون عذاب ہے‘‘؟ اس کے لیے ہمارے یہاں کی قدیم تفسیر بتاتی ہے کہ یہ رجعت کے دور سے متعلق ہے [1] جو رجعت کے قائل نہیں ہیں ان کے لیے پہلی ہی نظر میں یہ سمجھنا آسان ہے کہ اس سے عالم برزخ والا عذاب مراد ہے جسے ’’عذاب قبر‘‘ کہتے ہیں ......زیادہ تر قدیم تشریحات جن میں تین طرق سے جناب ابن عباسؓ کا قول نقل ہوا ہے اس کے موفق ہیں اور اسی کو طبری نے خود ترجیح دی ہے کہ عذاب کافی ہے، پہلے جو بالکل اس سے متصل ہے وہ یہی عذاب قبر ہے اور یوں اس کے علاوہ دو قول نقل کئے ہیں، ایک مجاہد کا ہے کہ اس سے بھوک مراد ہے اور دوسرا ابن زید کا ہے کہ اس سے دنیوی مصائب اموال اور اولاد کا تلف ہونا مراد ہے۔ یہ مصائب اگرچہ مومنین کو بھی پیش آتے ہیں مگر ان کے لیے وہ رحمت ہوتے ہیں کہ بسا اوقات اس سے ان کے کچھ گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے تو ان مصائب کا فائدہ ہوتا ہے اس دنیا سے پاک و صاف ہوجاتے ہیں اور کبھی ان مصائب پر جو صبر وہ کرتے ہیں، وہ آخرت میں ان کے ارتفاع درجات کا سبب ہوتا ہے۔

لیکن عذاب آخرت سے قریبی اتصال ہونے کی وجہ سے عذاب قبر ہی مرجح معلوم ہوتا ہے۔

وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡهُ وَاِدۡبَارَ النُّجُوۡمِ ﴿۴۹﴾

’’اور اپنے پروردگار کے فیصلے کے لئے ضبط و صبر سے کام لیجیے کہ آپ ہماری نگہبانی میں ہیں اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہیے جب کھڑے ہوں اور رات کے کچھ حصے میں اور ستاروں کے آسمان سے پیٹھ پھرانے کے بعد‘‘۔

’’فیصلے کے لیے ضبط و صبر سے کام لیجیے‘‘ اس کی دوسری تعبیر انتظار ہے جس کے ساتھ راغب اصفہانی نے اس آیت کی تشریح کی ہے۔

---

[1]۔ عذاب رجعته بالسیف (علی ابن ابراہیم)

www.kitabmart.in

حمد کے ساتھ کا جو حکم ہے اس کے لیے اہل سنت میں ایک قدیم قول عوف بن مالک کا ہے کہ جب بھی سو کر اٹھیں تو یہ وظیفہ سکھایا گیا ہے کہ کہیں: سبحانك اللّٰھم وبحمدك۔

حافظ ابن جریر طبری جو مفسر ہی نہیں بلکہ فقۂ اہل سنت میں یہ درجہ رکھتے تھے کہ ابو حنیفہ، شافعی مالک اور احمد بن حنبل کی فقھوں سے آزاد ہو کر ایک مستقل فقہی مسلک رکھتے تھے، انہوں نے اس قول کو رد کیا ہے کہ اس وظیفہ کو رد کیا ہے اس وظیفہ کا پڑھنا نہ سو کر اٹھنے کے وقت وارد ہے اور نہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت اس وظیفہ کا حکم ہے اور خود اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ یہ قرآن نے اپنے انداز میں نماز پنجگانہ کے اوقات بتائے ہیں اور کھڑے ہونے سے مراد دو پہر کے سونے کے بعد جسے قیلولہ کہتے ہیں اٹھنا مراد ہے اور اس وقت جو تسبیح پڑھنے کا حکم ہے وہ نماز ظہر اور رات کے کچھ حصے میں یہ مغرب اور عشا ہیں اور ستاروں کے آسمان سے رخصت ہونے کے وقت، یہ نماز صبح ہے۔ اس میں ذرا سی کمی جو ہے کہ عصر کا نام نہیں آتا، وہ یوں ہی دور ہو گی کہ جیسے رات کے ایک حصے میں جو حکم ہے اس میں مغرب عشاء دونوں یعنی مغربین، انھوں نے بتائی ہے اسی طرح دوپہر کے سونے کے بعد اٹھ کر جو فقط ظہر کا نام ہے، اس کے ساتھ عصر کو بھی منضم کیا جائے جس کے معنی ہوئے ظہرین اور اس کے طرح یہ آیت بھی مثل دوسری آیت کے جن میں نماز کے اوقات کی طرف اشارہ ہے اور ہم ہر جگہ اس پہلو کو نمایاں کرتے رہے ہیں۔ پانچ نمازوں کے لیے وقت تین ہی بتا رہی ہے۔ ایک ظہرین، دوسرے مغربین اور تیسرے صبح جو فقہ ائمہ ؑ کے مطابق ہے پانچ وقت الگ الگ قرآن میں کہیں بیان نہیں کیے گئے ہیں۔

یہ اس صورت میں ہے جب ان آیات کے مضمون کو فرائض پنج گانہ سے متعلق سمجھا جائے جو نفس الفاظ آیات کے لحاظ سے بعید نہیں ہے مگر ائمہ معصومین ؑ کے احادیث جنہیں طبرسیؒ نے مجمع البیان میں نقل کیا ہے۔ ان آیتوں کو نوافل اور بالخصوص نماز شب اور نافلہ صبح سے متعلق قرار دیتے ہیں جس کے بعد واجب نمازوں سے ان کا تعلق نہیں رہتا۔

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ النَّجْمِ

مکّیہ...... ۶۲ ......آیات

چونکہ اس سورے کا آغاز النجم (ستارے کی قسم) سے ہے، اس لیے یہی اس کا نام ہوا۔

سورۂ نجم کے خاص خاص مضامین:

۱......پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی وقولی عصمت۔

۲......تذکرۂ معراج۔

۳......دو کمان بلکہ اس سے کم۔

۴......اس وحی کا اجمالی ذکر جس کی تفصیل قرآن میں نہیں ہے۔

۵......جبرئیل کا سدرۃ المنتہیٰ پر رہ جانا اور پھر واپسی میں ان سے ملاقات ہونا۔

۶......مشرکین کے اس مزعومۂ باطل کی رد کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔

۷......عدم حجیت ظن

۸......گناہان کبیرہ وصغیرہ میں تفریق۔

۹......کوئی ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

۱۰......نتائج کا انحصار سعی وکوشش پر

یہ سورہ عزائم، یعنی اس سوروں میں جن میں سجدہ واجب ہے موجودہ ترتیب قرآن کے لحاظ سے تیسرا سورہ ہے جس کی بالکل آخری آیت کی آخری لفظ پر پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰىۙ ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰىۚ ﴿۲﴾ وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰىؕ ﴿۳﴾

اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ يُّوۡحٰىۙ ﴿۴﴾

www.kitabmart.in

''قسم ہے ستارے کی جب وہ جھکے، نہ تمہار ساتھ (پیغمبر) گمراہ ہوا ہے اور نہ وہ بہکا، بھٹکا ہے اور وہ نفسانی خواہشوں سے بات نہیں کرتا، نہیں ہوتی وہ مگر وحی جو بھیجی جاتی ہے''

نجم کے معنی جو عام طور پر ذہن میں آتے ہیں ستارے کے ہیں اور الف لام اس پر ''عہد'' کا آنے سے جو فرد خاص کی طرف اشارہ کیے ہوئے ہوتا ہے اس سے خاص ستارہ مراد ہوسکتا ہے؟ اور عموماً کلام عرب میں النجم ستارہ ثریا کے لیے آتا ہے جو قریب صبح غروب ہوتا ہے اور اس طرح اس کا غروب طلوع صبح کی علامت ہوتا ہے، ہوسکتا ہے اس لحاظ سے اُس کی قسم کھائی گئی ہو۔

بعض نے اس کی تشریح قرآن کے ساتھ کی ہے مگر قرآن کے لیے یہ تو ہے کہ وہ نجوماً یعنی رفتہ رفتہ اترا جو حقیقت واقعہ ہے لیکن اس کا نام النجم لغت کے لحاظ سے ذہن میں نہیں آتا نہ قرآن میں اس کا کسی جگہ یہ نام ملتا ہے، اس لیے طبری نے بھی پہلے ہی مفہوم کو ترجیح دی ہے [1] جو سند متّصل کے ساتھ ابن عباس سے منقول ہے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت عملی وقولی

''تمہارا ساتھی گمراہ نہیں ہوا ہے، اور نہ بہکا، بھٹکا ہے'ان الفاظ سے محسوس ہوتا ہے کہ اس طرح کی بات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کہی گئی تھی جس کی یہ ردکی جارہی ہے،

ہمارے یہاں اس طرح کے مضمون آئے ہیں کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل بیتؑ کے فضائل میں جو احادیث ارشاد فرماتے تھے تو ان کے لیے منافقین کہتے تھے کہ یہ اپنے قرابت داروں کی محبت میں (معاذ اللہ) گمراہ ہو گئے ہیں، اُس پر قرآن کے یہ آیات اترے ہیں ان روایات کو ملا محسن فیض نے تفسیر صافی میں درج کیا ہے۔

''وہ خواہش نفس سے باتیں نہیں کرتے، وہ جو کہتے ہیں جو ان پر وحی ہوتی ہے''

اس میں قرآن مجید کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ الفاظ قرآن آپ کے مطابق نطق یعنی ''بات کرنے'' سے متعلق ہیں جس میں آپ کے وہ ارشادات بھی داخل ہیں جو ''احادیث'' کہلاتے ہیں۔

یہ اور بات ہے کہ قرآن وحی لفظی کے طور پر نازل ہوا ہے اور آپ کے احادیث وحی معنوی کے طور پر مرضی الٰہی کے مطابق ہیں اور اس طرح یہ آیت حضرتؐ کی عصمت قولی کا ثبوت ہے۔ چونکہ مکیّہ سورہ ہے اس لیے عام طور پر مخاطب مشرکین کو سمجھا گیا ہے لیکن اگر مخاطب مشرکین ہوتو بھی ہم تو اس کو کلام الٰہی مانتے ہیں لہٰذا یہ ارشاد کہ ''وہ گمراہ نہیں ہیں اور نہ بہکتے ہیں'' ہمارے نزدیک قیامت تک کے مسلمانوں کے سامنے آپ کی عصمت عملی کی خالق کی طرف سے سند ہے کہ آپ کسی قسم کی بھی عملی وقولی غلطی سے بری ہیں۔ اب کوئی مسلمان ہوکر بھی کسی وقت کسی حالت میں بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سمجھے کہ بہک کر یا بھٹک کر کوئی کام کررہے ہیں تو وہ خالق کے اعلان کو جھٹلانے والا ہوگا۔ اسی طرح آپ کی کسی قول کو کسی نفسانی جذبے پر مبنی قرار دینا قرآنی اعلان سے انحراف ہوگا۔

ایک دوسرا رخ دونوں آیتوں میں باہمی ربط کا یہ ہے کہ حقیقت کے خلاف جو بات ہوتی ہے اس کے دو سبب ہوتے ہیں۔ یا نادانستہ نیز

---

[1]۔ الصواب من القول فی ذالك عندی ما قاله مجاهد من انه عنیٰ بالنجم فی هذا الموضع الثریا (ابن جریر)

www.kitabmart.in

فکر کے نشانہ حقیقت سے اچٹنے اور رفتار قدم کے بہک کر ہٹنے کی وجہ سے یا کسی نفسانی جذبے سے مغلوب ہو کر دانستہ حقیقت کے خلاف راستے پر گفتار یا کردار سے چلنے کی وجہ سے پہلے جملے میں پہلی قسم کی کجروی کی نفی کی گئی ہے۔ اور دوسرے جملے سے دوسرے قسم کے غلطی کی نفی ہے کہ یہ نفسانی خواہش سے کلام نہیں کرتے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب آپ اپنی خداداد عقل اور بصیرت سے کام نہیں لیتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں نے توہّم کیا ہے بلکہ اس میں اس عقل بصیرت کے نتیجے کے لازمی طور پر صحیح ہونے کی توثیق اور آپ کی عصمت ذہنی کی بھی تصدیق ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰىۙ ۝٥ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰىۙ ۝٦ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰىؕ ۝٧ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰىۙ ۝٨ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰىۚ ۝٩ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰىؕ ۝١٠

”اسے سکھایا پڑھایا بڑی مضبوط طاقتوں والے صاحب قدرت نے، تو ٹھہرے وہ اور وہ اطراف آسمان کے بلند ترین نقطے پر، پھر زیادہ قریب ہوئے اور زیادہ قریب ہوئے تو وہ تھے دو کمان یا اس سے کمتر کے فاصلے پر یا اس نے اپنے بندے کی طرف وحی کر دی جو اسے وحی کرنا تھی“۔

ان آیات میں سلسلہ کلام پہونچ گیا ہے معراج کے ذکر کے آغاز کی طرف ایک خود معراج عام انسان کے ذہن کی سطح سے بہت اونچی ہے اور پھر قرآن میں اس کا تذکرہ ہے تو وہ بھی ضمیروں کے ساتھ اس لیے ضمیروں کی تعین میں اور جو اسم مظہر ہے اس کے مصداق میں مفسرین سرگرداں نظر آتے ہیں۔

”مضبوط طاقتوں والے صاحب قوت“ سے مراد عام طور پر جبرئیل امینؑ سمجھے گئے ہیں مگر ان کی طرف معلم رسول اکرم ہونے کی نسبت سے ذہن میں خلش پیدا ہوتی ہے۔ ہاں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ واسطہ فی التعلیم ہونے کی بنا پر ان کی جانب تعلیم کی نسبت دی گئی ہے۔ اس کے بعد جو دنا فتدلّٰی ہے تو اس کا مطلب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جبرائیل اور حضرتؐ اس نقطے تک پہونچے جسے ”اُفق الاعلیٰ“ کہا گیا ہے اور پھر حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بھی آگے بڑھے یہاں تک کہ مرکز جلال الٰہی سے اتنے متصل ہوئے جسے محسوسات کے دائرے میں لا کر سمجھانے کی خاطر دو کمان یا اس سے کم کہا گیا ہے اور یہ ’یا‘ کا لفظ اظہار تردد اور شک کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ ”بلکہ“ کے معنی میں ہے تاکہ قرب رسولؐ دو کمان میں محدود نہ ہو جائے۔ بلکہ اس سے کمتر اور ”کمتر“ کی کوئی حد نہیں بتائی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سننے والا فہم وخیال وتصور میں جتنا چاہئے آگے بڑھ جائے بس ممکن ممکن رہے اور واجب واجب۔ مخلوق مخلوق رہے اور خالق خالق۔ اب قریب ہونے کے لفظ سے جب اس مرکز جلال خداوندی کا تصور ہو گیا تو یہ ضمیر اس کی طرف ہے کہ ’اسنے اپنے بندے پر وحی کی جو اسے کرنا تھی‘ اب اس وحی کا اجمالی تذکرہ قرآن میں ہے لیکن تفصیل نہیں ہے کہ وہ کیا وحی تھی؟ اس سے ظاہر ہے کہ تمام وحی قرآن میں منحصر نہیں ہے بلکہ بعض وحی ایسی ہے جو قرآن میں مندرج نہیں ہے لہٰذا ”اہل قرآن“ یعنی ”پرویزی جماعت“ کا یہ تصور کہ وحی قرآن میں منحصر ہے، از روئے قرآن درست نہیں ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝١١ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝١٢

”ان کے دل نے دھوکا نہیں کھایا اُس میں جسے انہوں نے دیکھا تو کیا تم ان سے بحث کرو گے اس میں جسے انہوں

www.kitabmart.in

نے خود دیکھا''۔

چونکہ عام قرائت جس کے مطابق قرآن میں اعراب لگے ہیں وہ ''کَذَبَ (بغیر تشدید) ہے اس صورت میں مفہوم یہی ہوگا جو ہمارے ترجمے میں ہے اور بعض اہل قلم اس سے متفق ہیں [1]

دوسرے بعض لوگوں نے غیر متداول ایک قرأت کی بنا پر جس میں ''کذّب (تشدید کے ساتھ) ہے، یہ معنی قرار دیے ہیں کہ دل نے جھٹلایا نہیں جسے انہوں نے دیکھا [2] اب جو خدا کے دیدار کو درست سمجھتے ہیں، وہ اسے خود اللہ سبحانہ کے دیکھنے کے معنی میں قرار دے لیتے ہیں جسکے لیے انھیں اپنے راویوں کی روایتیں بھی مل جاتی ہیں لیکن ہم جو اس حقیقت پر ایمان لائے ہوئے ہیں کہ رویت صفات جسم سے ہے اور اللہ جسم سے ہے اور اللہ جسم جسمانیات سے بری ہے لہٰذا اُس کی رویت ممکن نہیں ہے یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ یہ دیدار خدا وند عالم کی ذات سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ آیات یعنی قدرت کی خاص نشانیوں سے متعلق ہے جو معراج میں آپ کی آنکھوں کے سامنے آئیں۔

کچھ روایات میں اس سے مراد لیا گیا ہے جبرئیل امینؑ کو دیکھنا مگر یوں جبرئیل کو دیکھنا تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ وہ تو روئے زمین پر حضرت کے پاس آتے رہتے تھے تو کہا جاتا ہے کہ وہ تو کسی دوسری مانوس شکل میں جیسے وحیہ کلبی وغیرہ کی صورت میں آتے تھے۔ معراج میں وہ اپنی اصل شکل میں نظر آئے جس میں ان کے چھ سو (۶۰۰) پر تھے۔ کچھ روایتیں اس سلسلے کی ہمارے بعض مفسرین نے درج کر دی ہیں جو صحیح و مستند نہیں ہیں۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

''اور ضرور بالضرور انہوں نے انہیں دیکھا دوسری دفعہ کے اترنے میں سدرۃ المنتہٰی کے پاس جس کے پاس بہشت بریں ہے جب کہ سدرہ پر چھا رہا تھا وہ (نور) جو چھا رہا تھا، نہ نظر چوکی اور نہ آگے بڑھی۔ اس نے اپنے پروردگار کی نشانیوں میں سے بڑی سے بڑی دیکھیں''۔

اب یہ ضمیر جیسا کہ بعد میں ہم مزید تشریح کریں گے جبرئیل امینؑ کی طرف راجع ہے جن کا ذکر سب سے پہلے ہوا تھا، اس کا مطلب عموماً یہ لیا جاتا ہے کہ اصل شکل میں انہیں پہلے دیکھا تھا، اُسی طرح پھر دوبارہ اُن کی اصلی شکل میں اُنہیں دیکھا اس خاص محل رفیع میں جسے ''سدرۃ المنتہٰی'' کہا جاتا ہے اور وہیں بہشت بریں ہے اور یہاں ایک خاص نور تھا جو اس سدرے پر چھا رہا تھا۔

اور پھر زور دیا جاتا ہے کہ نگاہ ان کی چونکی نہیں کہ جو دیکھنے کی چیزیں ہیں، وہ نہ دیکھیں اور نہ وہ نگاہ حد سے آگے بڑھی کہ جتنا دیکھا تھا اس سے آگے بڑھ کر اس عین ذات کے دیکھنے کی کوشش ہو جو دیکھنے کی نہیں ہے اور خدا کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں تھیں جو اس سفر معراج

---

[1]۔ قلب خطانہ کرد در آنچہ دید (قاموس قرآن)

[2]۔ ما کذب فؤاد محمد محمد الذی رای ولا کنہ صدقہ (ابن جریر)

www.kitabmart.in

میں انہیں نظر آئیں۔

یہ وہ مطلب ہے جو خود الفاظ قرآن سے ہماری سمجھ میں آتا ہے۔اب اس کے بعد جامع البیان طبری کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں تو اس میں کئی روایتیں جناب ام المومنین حضرت عائشہ سے ہیں جن میں انہوں نے شدت سے اس کی رد کی ہے کہ پیغمبر خداصلى الله عليه وآله وسلم کو خدا کا دیدار ہوا اور انہوں نے اس پر استدلال کیا ہے قرآن کیا آیت سے کہ لَا تُدۡرِكُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡاَبۡصَارَ (زمر۔۱۰۳) نگاہیں اسے پا نہیں سکتیں اور وہ تمام نگاہوں پر حاوی ہے" جس سے علمائے شیعہ نفی رویت پر استدلال کرتے ہیں اور جس کے بعد مسلمانوں کی اکثریت کو جو اپنے کتب صحاح کی بنا پر قیامت میں انتظار ہے، وہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ آیت قرآن نے عمومی طور پر نگاہوں سے اس کے پانے کی نفی کی ہے۔اس میں دنیا اور آخرت کی قید نہیں ہے۔

اس منزل پر ہم مجبور ہیں کہ آیات کے ذیل میں علامہ سید محمد حسین طباطبائی سے اختلاف کریں جنہوں نے اپنی تفسیر "المیزان" میں فریقین کی کچھ حدیثوں کی بنا پر جنہیں ہم معتبر نہیں سمجھتے یہ راہ کی ضمیر خدا کی طرف راجع کر دی ہے اور کہہ دیا ہے کہ حضرتؐ نے اللہ کو دو دفعہ دیکھا۔ایک دفعہ جانے میں اور دوسری دفعہ آنے میں مگر موصوف نے نفی رویت پر اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کے لیے کہہ دیا ہے کہ آپ نے اللہ کو دل کی آنکھوں سے دیکھا۔نہ کہ کاسۂ سر کی آنکھوں سے مگر ہمارا تصور یہ ہے دل کی آنکھوں سے تو آپ اپنی زندگی کی ہر لمحۂ حیات میں اُسے دیکھتے رہے جبکہ ان کے وصی امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام سے جب کسی نے پوچھا: هل رأيت ربك 'کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے"؟ تو آپ نے خاص بلیغانہ انداز میں پہلے تو اس کو اس کے لیے حیران کن جواب دے دیا کہ "كيف اعبد من لم اره" بھلا میں عبادت کیوں کروں گا اس کی جسے دیکھا نہیں" اور پھر اس کی حیرت کو دور کرنے کے لیے تشریح فرمائی کہ: لا تراه العيون بالابصار ولكن تراه لقلوب بحقائق الايمان "اس سے آنکھیں ان نگاہوں سے نہیں دیکھتیں مگر اسے دل ایمان کی حقیقتوں کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

حضرت علیؑ تو عمر بھر اسے اپنے دل کی گہرائیوں سے دیکھتے رہے ان سے جو بالاتر ذات ہے یعنی حضرت پیغمبر خداصلى الله عليه وآله وسلم، انہوں نے بس اسے معراج میں جا کر دو دفعہ (۲) دل کی نگاہوں سے دیکھا؟ یہ تصور ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

بہر حال اسے جناب جبرئیل امین سے متعلق کرنے کے بعد ایک تصور یہ ہے کہ اس کا ربط ما كذب الفؤاد ما رأى سے ہے۔ان کے دل نے دھوکا نہیں کھا یا اُس میں جسے انہوں نے دیکھا "اُس سے مرد وہی حضرت جبرئیل امینؑ لیے جاتے ہیں جنہیں اس وقت چھ سو پروں کے ساتھ دیکھا تھا اور دوبارہ پھر یوں ہی دیکھا مگر ہم کہتے ہیں کہ اس کا ربط فاستوى وهو بالافق الاعلىٰ کے ساتھ کیوں نہ لیا جائے کہ جبرئیل امینؑ اور آپؐ وہاں ٹھہرے جو افق الاعلیٰ ہے یعنی اطراف آسمان کا بلند ترین نقطہ اور جبرئیلؑ وہیں رہ گئے اور آپ اس کے آگے پہنچے جو، قاب قوسین اوادنی کا نقطہ تھا اور وہاں وحی ہوئی جو بغیر توسط جبرئیلؑ تھا جس کی خبر فرشتے کو بھی نہ ہوئی اور اب جب آپ واپس ہوئے تو دوسری مرتبہ جبرئیل امینؑ کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا اور اب یہاں سے پھر جبرئیلؑ آپ کے ہمرکاب ہوئے جس کے ذکر کو قرآن مجید نے ضروری نہیں سمجھا کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے اس کے معنی یہ ہے کہ وہ آخری آسمان پر جس کے آگے آسمان کوئی نہیں وہ جناب جبرئیل کی آخری حد ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد کا نقطہ وہ ہے جو اصطلاح مذہب میں عرش کہلاتا ہے......اس کا بلند ترین نقطہ وہ قاب قوسین والا تھا جہاں رسولؐ پہنچے اور چونکہ قرآن کہہ رہا ہے کہ واپسی میں دوبارہ جناب جبرئیلؑ کو دیکھا تو درمیان کے اس جزء کو کہ دل نے دھوکہ نہیں کھایا اس میں کہ

www.kitabmart.in

جسے انہوں نے دیکھا ان آیتوں سے متعلق سمجھا جاسکتا ہے جو سدرۃ المنتہٰی اور نزل قاب قوسین کے درمیان میں تھی جس کے لیے بعد میں ہے کہ اپنے پرور دگار کی آیتوں میں سے جو بڑی سے بڑی تھیں، انہیں دیکھا۔ اس میں جناب جبرئیلؑ کی کسی شکل خاص کا تذکرہ نہیں ہے۔

اس صورت میں یہ آیت اس حدیث کے مطابق ہوگی کہ سدرۃ المنتہٰی کے قریب پہونچ کر جناب جبرئیلؑ رک گئے کہ اب آگے جانے کا میرے لیے امکان نہیں ہے اور جب وہ وہاں رکے رہے یہاں تک کہ حضرتؐ واپس تشریف لائے اور دوبارہ انہیں وہاں دیکھا۔[1]

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾

''کیا تم نے دیکھا ہے لات اور عزیٰ اور آخر والے تیسرے منات کو، کیا تمہارے لیے لڑکے ہیں اور اس کے لیے لڑکیاں، یہ تو اس صورت میں ایک غیر منصفانہ فیصلہ ہے''۔

لات اور عزیٰ اور منات سب مشرکین کے اصنام ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے منات کو عزیٰ کہنا ہوسکتا ہے کہ مرتبے کے لحاظ سے وہ خود ان کے نزدیک بھی لات اور عزیٰ کا ہم رتبہ نہیں تھا[2] ''کیا تم نے دیکھا ہے'' مطلب یہ ہے کہ اگر تم غور سے انہیں دیکھو تو وہ خود تمہاری سمجھ میں آجائے کہ یہ ''بے جان'' بے بس، بے شعور اور خود تمہارے بنائے ہوئے بت ہرگز الوہیت کے لائق اور عبادت مستحق نہیں ہیں۔

اس کے بعد جو لڑکے اور لڑکی کا ذکر ہے تو دوسرے مقامات پر تو یہ مشرکین کے اس مزعومے کے سلسلے میں آیا ہے کہ وہ فرشتوں کو خدا کی لڑکیاں کہتے تھے مگر یہاں بتوں کا ذکر کے بعد آیا ہے اور یہاں سلسلۂ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بتوں کو بھی اللہ کی لڑکیاں قرار دیتے تھے۔ اور پھر اُس کے بعد فرشتوں کا ذکر آئے گا۔ یہ اسی بنا پر ہوسکتا ہے کہ وہ ان بتوں کے متعلق خیال کرتے تھے کہ یہ کچھ فرشتوں کی شبیہیں ہیں اور چونکہ فرشتوں کو وہ خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اس لیے وہ انہیں خدا کی بیٹیاں کہتے تھے[3] وہ چونکہ ان بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اس لیے انہوں نے ان کے نام اللہ کے ناموں سے مشتق کرکے رکھے تھے۔[4]

ایک قدیم ماخذ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لات اور منات دونوں کو عزیٰ کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ وہ ماخذ یہ ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل نے جب مسلمان ہوا تو یہ اشعار کہے:

عزلت اللّات و لعزّی جمیعا
کذٰلك یفعل الجلد الصّبور
بلا العزّی ادین و لا ابنتیها

---

[1] في العلل عنه لما بلغ السدر توقف جبرئيل دونها وقال يا محمد ﷺ هذا موقفي الذي وضعني الله عزوجل فيه ولن اقدر على ان تقدمه ولكن امض انت امامك الى السماء فتقدم رسول الله الى السدر وتخلف جبرئيل عليه السلام (صافی)

[2] صفة ذم للثالثة ... جلالین۔ منات سوم ہی بی قدر دا (شاہ ولی اللہ)

[3] انكار لما قالت قريش ان الملئكة بنات الله هذا الاصنام هيا كلها (صافی)

[4] قالو من الله لات ومن العزيز العزى وان عمولا نهن بنات الله تعالىٰ عنه وقول (ابن جریر)

www.kitabmart.in

و لاضمّی بنی عمروا زور

یعنی ''میں نے لات اورعزیٰ دونوں کو ان کے منصب سے ہٹا دیا۔ ایسا ہی باہمت بہادر کو کرنا چاہیے۔ تو نہ اب عزے پر مجھے اعتقاد ہے اور نہ اسکی دونوں بیٹیوں پر اور نہ بنی عمرو کے دونوں بتوں کی اب میں زیارت کروں گا''۔ اب اسے اگر اس تصور کے ساتھ کہ وہ ان بتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے ملائیں تو یا تو یہ ماننا پڑھے گا کہ وہ عزیٰ کو (معاذ اللہ) خدا کی شریک حیات مانتے ہوں اور لات ومنات کر لڑکیاں اور اس بنا پر قرآن مجید نے اولاد ہونے کی نفی کے ساتھ بیوی کی بھی نفی کی ہے (ولم یتخذ صاحبة ولا ولداً) اور یا یہ کہ عزیٰ کو خدا کی لڑکی مانتے ہوں بلاواسطہ اور منات کو بالواسطہ یعنی نواسی۔

پھر بھی اس شاعر کے قول کی بنیاد پر ان کا ملائکہ کے ساتھ کوئی رشتہ ثابت نہیں ہوتا جو قرآن کے سلسلہ کلام سے مستفاد ہوتا ہے۔ ہاں یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ پہلے ان کے اس تصور کی رد ہے کہ یہ اصنام خدا کی بیٹیاں ہیں اور پھر بعد میں ان کے دوسرے تصور کی رد ہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیا ہیں مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے زیادہ ذہن سے قریب وہی تصور ہے کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے جس کا متعدد مقامات پر قرآن مجید میں ذکر ہے اور ان بتوں کو ان کی شبیہ ہونے کی بنا پر اللہ کی بیٹی سمجھتے تھے۔ جو طبری کے متعدد روایات سے مستفاد ہے۔

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿٢٣﴾

''یہ نہیں ہیں مگر کچھ نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں جن پر اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری ہے۔ وہ پیروی نہیں کرتے مگر وہم گمان کی اور جو اُن کے دلوں کی خواہش ہوتی ہیں اور بلاشبہ ان کے پاس ان کے پروردگار کے پاس سے صحیح رہنمائی آ چکی ہے''۔

مشرکین کے اس مزعومہ باطل کی رد کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں

جیسا کہ پہلے ابن جریر کا بیان آ چکا ہے کہ انہوں نے ان بتوں کے نام اسمائے الٰہیہ سے لے کر رکھے تھے اس تصور پر کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور پھر یہ معبود قرار دے کر وہ خود انہیں خدا بھی کہتے تھے تو کہا جا رہا ہے کہ نام جو بتوں کے تم نے رکھے ہیں وہ بھی تمہارے طبع زاد ہیں اور انہیں خدا سمجھنا یا ان کا خدا سے رشتہ جوڑ نا، یہ بھی تمہاری من مانی بات ہے[1] ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں جس کا ثبوت ہو۔ یہاں ظن ایسے خیال کو کہا گیا ہے جس کا کوئی منشاء ہی نہ ہو بلکہ ''دل بخواہ ہو'' یعنی اس کی بنیاد اپنے نفس کی خواہش پر ہو لہٰذا حقیقت میں اس کا تعلق ایسی چیزوں سے ہے ہی نہیں جن میں کوئی نتیجہ کسی حقیقت کے متعلق ایسی دلیل سے نکالا گیا ہو جو اس کے ثبوت پر اتنی طاقتور روشنی ڈالتی ہے جس میں کمزور دھند لا امکان خلاف کا رہتا ہے۔ یہاں ظن کا لفظ جو ہے، وہ اس ظن سے مختلف ہے جس پر اصول فقہ میں حجیت ظن کے عنوان سے بحث کی جاتی رہی ہے۔

''بلاشبہ ان کے پاس ان کے پروردگار کے پاس سے صحیح رہ نمائی آ چکی ہے'' یعنی اس کی طرف کے رہنما ان بتوں کی نفی کرتے رہے اور بلا شرکت غیر اللہ ہی کی طرف دعوت دیتے رہے۔ اور اب یہ آخری پیغمبر بھی معجزوں کے ساتھ جو اس کی حقانیت کی دلیل ہیں، انہیں بتا رہا ہے کہ

[1] ای لیس تسمیتکم لھذا الاصنام بأنہا الھة وانہا بنات اللہ الا اسماء لا معانی تحتہا (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

یہ قابل عبادت نہیں ہیں [1] اور ان کے سلسلے میں ان کے مزعومات مثلاً وہ یہ کہ خدا کی بیٹیاں ہیں یا فرشتوں سے صورت میں مشابہ ہیں۔ یہ سب بے بنیاد ہیں تو اب انہیں اسے مان لینا چاہیے اور اب اپنے سابق دھڑے پر باقی رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾

''کیا انسان کے لیے وہ ضرور حاصل ہوگا جو وہ آرزو کرے تو اللہ کے قبضے میں ہے انجام بھی اور آغاز بھی اور کتنے ہی فرشتے ہیں آسمان میں کہ اُن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی مگر بعد میں اس کے کہ اللہ جس کے لیے چاہے، اجازت دے اور وہ راضی ہو''۔

چونکہ بعد میں فرشتوں کی سفارش کے بذات خود کارگر نہ ہونے کا ذکر ہے، اس لیے آرزوؤں سے مراد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان بتوں کی پرستش اس امید سے کرتے تھے کہ وہ فرشتے جن کی صورت پر اپنے خیال میں انہوں نے یہ مورتیاں بنائی تھیں پیش خدا ہماری سفارش کریں گے [2] تو کہا جا رہا ہے کہ خود وہ فرشتے بغیر اس کی رضا اور اجازت کے سفارش نہیں کرتے [3] تو یہ بت کہاں سفارش کر سکتے ہیں [4]

مگر بعض لوگوں نے اس آیت کی تشریح اتنی دور لے جا کر کی ہے کہ اس کا کوئی تعلق قبل والی آیتوں سے نہیں رہ گیا ہے۔ انہوں نے یہ مطلب کہا ہے کہ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ آرزو تھی کہ انہیں نبوت و رسالت مل جائے اب اُس کے بعد الفاظ آیت کا تقاضا پھر یہ ہے کہ یہ مطلب نکالا جائے کہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ منصب آرزوؤں سے نہیں ملتا ہے بلکہ اللہ خود اپنی نگاہ غیب میں جسے اس کا مستحق پاتا ہے، اسے یہ منصب عطا کرتا ہے مگر ان بعض نے اب اسے چھوڑ کر اُس کا مطلب یہ نکالا ہے کہ تمہارے نزدیک اُنہیں یہ آرزو تھی تو سن لو کہ ان کی آرزو ہم نے اُنہیں عطا کر دی ہے [5]

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾

''یقیناً جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ فرشتوں کے نام لڑکیوں کے سے رکھتے ہیں، حالاں کہ انہیں اس کا کوئی علم نہیں ہے۔ وہ نہیں پیروی کرتے مگر بلا وجہ کے خیال کی اور یقیناً ایسا خیال حقیقت تک پہونچنے کی ضرورت کو بھی پورا نہیں کرتا۔

نام رکھنے کے معنی یہی ہوں جیسا ہم نے ترجمہ کیا ہے تو گزشتہ آیات کے ربط سے مطلب یہ ہوگا کہ اُنہوں نے ان مورتیوں کے جو

---

[1]۔ البیان بالوحی الذی اوحیناہ الی محمد ﷺ ان عبادتہا لاتنبغی وانہ لاتصلح للعبادۃ الا اللہ الواحد القہار (ابن جریر)

[2]۔ ماتمنی من شفاعۃ الاصنام (مجمع البیان)

[3]۔ لایشفعون الا باذن من اللہ ورضاہ (تبیان)

[4]۔ فکیف یشفع الاصنام لعبادتہم (صافی)

[5]۔ قال ابن زید...وان کان محمد ﷺ تمنی ھذا فذالک کلہ (ابن جریر)

www.kitabmart.in

لڑکیوں کے نام سے رکھے ہیں وہ فرشتوں کے تصور پر مبنی ہیں کہ انہیں یہ لڑکیاں سمجھتے ہیں اور پھر وہی بات ہے جو پہلے آچکی ہے کہ یہ ان کا تصور کسی علم پر مبنی نہیں ہے بلکہ بلا وجہ ہے اور اس کے بعد کا جملہ جو بلکہ ایک کلیہ کی صورت رکھتا ہے لہٰذا وہ اصول فقہ کی ایک بحث کا مرکز بن گیا کہ عدم حجیت ظن ہے اس سے استدلال ہوگیا اور جناب شیخ مرتضیٰ انصاریؒ نے بھی رسائل میں تاسیس اصل کے محل پر اس آیت کو پیش کر دیا عام اصول کا تقاضا یہی ہے کہ ظن معتبر نہیں ہے لہٰذا اس سے ان لوگوں کی رد ہو جائے گی جو مطلق ظن کو احکام شرعیہ میں معتبر قرار دیتے ہیں ہاں اس عام اصول سے استثناء ان ظنون سے ہو جائے گا جنہیں خصوصیت کے ساتھ شرع نے قرار دیا ہے تو اب نتیجہ ان کا یعنی ان پر عمل کا صحیح ہونا ظنی نہیں بلکہ قطعی ہوگا لہٰذا وہ عمل بالظن میں داخل ہی نہیں ہوگا اور اب کلیہ یہ ہوگیا کہ علم پر عمل ہو یا ''علمی'' پر اور ''علمی'' سے مراد یہی ہے کہ ذاتاً تو وہ ظن ہے مگر شروع کے معتبر قرار دینے کی وجہ سے نتیجہ اس کا جو صحت عمل ہے، وہ علم پر مبنی ہوتا ہے، نہ کہ صرف ظن پر۔

مگر جیسا کہ گزشتہ ظن والی آیت میں ہم کہہ چکے ہیں کہ جس محل پر یہ فقرہ قرآن مجید میں آیا ہے، اس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ وہ ظن ہے ہی نہیں جس میں کوئی دوربین ''واقع'' کو دکھا رہی ہو لیکن اس میں ذرا دھندلا سا ہو کہ کمزور احتمال مخالف پہلو کا بھی ہے بلکہ یہاں ظن ایسا ہے کہ اس میں کوئی چیز ایسی ہے ہی نہیں جو واقعہ پر جھوٹ ڈال رہی ہو بلکہ بالکل آنکھ بند کر کے اپنے ایک مفروضہ کو واقعیت سمجھ لیا گیا ہے اور اب الظن پر جو الف لام ہے، وہ بتقاضائے محل عہد کا ہوگا کہ ایسا ظن حقیقت سے ذرا بھی بہرہ یاب نہ کرے گا لہٰذا اس میں وہ ظنون داخل نہیں ہیں جو کسی ایک منشاء صحیح پر مبنی ہوں جو فطری طور پر حقیقت کے متعلق صحیح طور پر انسان کے ذہن کا رجحان پیدا کرتی ہے۔

فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ۬ۙ عَنۡ ذِكۡرِنَا وَلَمۡ يُرِدۡ اِلَّا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ؕ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبۡلَغُهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اهۡتَدٰى ﴿۳۰﴾

''تو روگردانی کیجیے اس سے جو ہماری یاد سے روگردانی کر رہا ہے اور سوا اس دنیوی زندگی کے کچھ اس کا مقصد نہیں ہے، یہ ان کے علم کی پہونچ کی آخری حد آپ کا پروردگار خوب واقف ہے اس سے جو اس کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور وہ خوب واقف ہے اس سے جو اس صحیح راستے کو پائے ہوئے ہے''۔

یہ دونوں آیتیں اس طرح کی ہیں جیسی متعدد مقامات پر قرآن میں آیتیں ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کو اپنے ہدایات کے گویا بے اثر ہونے اور مشرکین کے قبول حق نہ کرنے سے بہت صدمہ ہوتا تھا تو طرح طرح کے انداز سے خالق نے آپ کو سمجھایا ہے کہ آپ رنج کیوں کرتے ہیں؟ وہ راہ راست پر نہیں آتے ہیں تو کم بخت خود ہی دوزخ میں جانے کا سامان کر رہے ہیں، آپ کیا کر سکتے ہیں؟ یہاں یہ انداز اختیار کیا گیا ہے کہ جاہل، ان کا مبلغ علم اپنی ان باطل کشیوں کے آگے سچی حقیقتوں تک نہیں جاتا اور پھر حق طلبی کا جذبہ بھی نہیں، بس دنیوی زندگی اچھی طرح بسر ہو جائے یہی ان کا انتہائے مقصد ہے تو آپ کیا کر سکتا ہیں؟ خود ہی دیکھ رہے ہیں کہ کون راہ راست سے ارادۃً منحرف رہتا ہے، اور کون اسے قبول کرتا ہے ان دونوں کا حساب تو ہمارے ذمے ہے اور وہ انجام سب کے سامنے آئے گا

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ۙ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اَسَآءُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا

www.kitabmart.in

وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾

''اور اللہ کے لیے وہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے تاکہ انہیں جو برے اعمال کریں وہ سزا ان اعمال کی دے اور جو اچھے کام کریں ان کو اچھائی کے ساتھ جزا عطا کریں''۔

آسمان اور زمین کے اندر کی ہر چیز اس کی ملک ہے، اسے جزا و سزا کے اعلان کی تمہید بظاہر اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ کوئی اس کے دائرۂ اقتدار سے نکل نہیں سکتا کہ اُس کی طرف کی مکافات سے بچ جائے اور پھر اس کی وسعت قدرت میں کمی بھی نہیں کہ وہ انہیں جزا و سزا نہ دے سکے۔

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

''وہ جو پرہیز کرتے ہیں بڑے گناہوں اور سیاہ کاریوں سے، سوا اتفاقی معمولی غلطیوں کے یقیناً تمہارا پروردگار بخشش میں سمائی رکھنے والا ہے، وہ تمہیں خوب جانتا ہے کہ اس نے تمہیں خاک سے پیدا کیا اور جب تم ماؤں کے پیٹ میں بچوں کی شکل میں تھے تو اپنے نیکوکار ہونے کے دعوے نہ کرو، وہ خوب واقف ہے ان سے جو واقعی پرہیزگار رہو''۔

یہ اس مشرکین والے تذکرے سے جو پہلے تھا الگ ہے بلکہ گزشتہ آیت میں تھا کہ حسن عمل رکھنے والوں کو میں اچھی جزا عطا کروں گا تو ان حسن عمل رکھنے والوں کا بیان ہے، وہ کون ہوتے ہیں'' اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ، کی لفظیں قرآن مجید میں پہلے بھی آئی ہیں مگر وہاں اس کے ساتھ حرف الا استثنا نہیں ہے۔ ہاں ایک تیسری جگہ کبائر کے لفظ کے ساتھ اس کے مقابلے میں سیات کا لفظ آیا ہے: نساء آیت ۳۱ میں؛

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ۔ اور یہاں اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ کے ساتھ حرف استثنا (الا) کے ساتھ لمم کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے کئی تشریحوں کو سمو کر ''اتفاقی معمولی غلطیوں'' کے ساتھ کیا ہے۔ فقہ میں ایک اصطلاح گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی موجود ہے مثلاً عدالت کی جو شروع میں نبض قرآن گوہیوں میں معتبر ہے اور فقہ جعفری کی رو سے امام جماعت اور طلاق کے وقت جن کی موجودگی ضروری ہے، ان گوہوں میں معتبر اس کی تعریف کی جاتی ہے کہ کبائر کا ارتکاب نہ ہوا اور صغائر پر اصرار نہ ہو، اس تفریق کا ماخذ ان آیات کو قرار دے کر کبائر سے ذہن میں گناہان کبیرہ آتے ہیں، اس لیئے ان کے مقابلے میں وہاں جو سیئات کا لفظ ہے اور یہاں جو الا کے ساتھ لمم کا استثناء ہے، اس سے گناہان صغیرہ مراد ہوں گے۔

اس صورت میں استثنا متصل نہیں ہوسکتا جس میں الا کے ذریعہ سے کسی ایسی چیز کو خارج کیا جاتا ہے جو بغیر اس لفظ کے قبل والے حکم کے عنوان میں داخل تھی، یہاں ایسا نہیں ہے اس لیے کہ پہلے جب گناہان کبیرہ کا ذکر تھا تو ان میں گناہان صغیرہ داخل ہی کہاں تھے جو استثنا کے ذریعے سے انہیں خارج کیا جائے اور چونکہ یہ اصول ہے گناہ صغیرہ بھی اصرار کی صورت میں کبیرہ ہو جاتا ہے لہٰذا ہماری قدیم تفسیر میں اس کے ساتھ

www.kitabmart.in

قید لگائی ہے نادانستہ کی [1] استثنائے منقطع کا بامحاورہ ترجمہ ہماری زبان میں ''ہاں'' کے لفظ کے ساتھ ہوسکتا ہے جس سے پہلی ہی بات میں ذرا وضاحت یا تاکید ہوتی ہے اب یہ معنی ہوں گے کہ وہ بڑے گناہوں اور شرمناک کاموں سے بالکل پرہیز کرتے ہیں ہاں صغیرہ گناہ اتفاقاً ہو جائے تو ہوجائے۔ اب اس سے یہ فقرہ وابستہ ہوجائے گا کہا، ان ربك واسع المغفرة ''تمہارے پروردگار کی بخشش میں بڑی وسعت ہے'' یعنی ایسے گناہ بخش دیے جاتے ہیں جو مطابق ہے سابق آیت کے اس جملے سے کہ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ''اگر بڑے گناہوں سے پرہیز کرو تو ہم تمہاری معمولی غلطیوں کا کفارہ کرنے کا مطلب قرآن میں وہی بخش دینا ہوتا ہے جسے عربی میں مغفرت کہتے ہیں...... الا لمم کے کچھ اور مفہوم بھی کہے گئے ہیں، ان میں بھی زیادہ تر استثناء منقطع ہی قرار پاتا ہے۔

ایک یہ ہے کہ قبل اسلام جو ہوچکا ہو وہ ہوچکا، اس کے باز پرس اب نہ ہوگی جیسے ''جمع بين الاختيين'' دو بہنوں کو ایک ساتھ زوجیت رکھنے کی ممانعت میں قرآن میں آیا تھا ''الاماقد سلف'' ''سوا اس کے جو پہلے ہوچکا اور اپنے باپوں کی بیویوں سے ازدواج کی ممانعت میں بھی ہے الا ماقد سلف ان دونوں میں یہ معنی نہیں کہ جو کچھ ہوچکا اس کا باقی رکھنا اب درست ہے، تاکہ استثنائے متصل ہو بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو پہلے ہوچکا اس کی باز پرس اب نہ ہوگی [2] میری نظر میں یہ تشریح ظاہر لفظ سے بہت بعید ہے۔ تیسری تشریح یہ ہوئی ہے کہ کوئی گناہ عمل میں نہیں آیا مگر انسان اس کے قریب پہونچ گیا، خواہ صرف ارادے کے ساتھ یا اس کے ابتدائی اسباب عمل میں لے آیا لیکن اصل گناہ ہونے نہیں پایا۔

بعض نے اس کا تعلق الفواحش سیاہ کاریوں سے مراد لیا ہے جن کا نام زنا ہے، اس میں ایک آخری منزل ہے جو بالکل زنا کاری کی ہے، اس سے استثنا ہوا ہے، اس کے ابتدائی مراحل کا جنہیں ''مقدماتِ زنا'' کہا جاتا سکتا ہے جیسے آنکھ سے دیکھنا، ہاتھ سے چھونا، اس راستے پر چلنا یہ سب لمم میں داخل ہیں ان کی معافی کا اعلان ہوا ہے، جب کہ اصل عمل وقوع میں نہ آیا ہو طبری کی جامع البیان میں اس مضمون کی کئی روایتیں ہیں جن میں سے ایک میں تو بس ابن مسعود کا قول ہے اور دوسری روایت میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے طور پر یہ مضمون وارد ہوا ہے اور اس کے موافق دوسرے افراد کے اقوال ہیں۔

جو ابن مسعود کے قول کے الفاظ ہیں، وہ ہمارے طرق سے ائمہ معصومینؑ کی زبانی بھی وارد ہوئے ہیں مگر ان میں اللّمم کی تشریح کے طور پر ان امور کا ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن ابن مسعود کی روایت میں اللّھم کی تشریح کے طور پر یہ مضمون درج ہے [3]

چوتھی تشریح جس کے متعلق معصومینؑ کے ارشادات ہیں کہ اتفاقی طور پر وقتاً فوقتاً جو گناہ ہوتے ہیں مگر انسان ان کا خوگر نہیں ہے وہ لمم کے لفظ کا مصداق ہیں۔ کافی باب اللمم میں ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: الهنة بعد الهنة اى الذنب بعد الذنب يلم به العبد۔ خوگر نہ ہونے کے معنی میں ایک حدیث میں ہے ليس من سليقة [4] لمم کے جو لغوی معنی ہیں؛ اس کے بھی یہ مطابق نہیں ہے راغب کے

---

[1]۔ هو مايلم به العبد من ذنوب صغار بجهالته (على ابن ابراهيم)

[2]۔ الذى المرابه من الشم ولفواحش فى لاجاهلية قبل الاسلام فان الله قد عفاهم عنه فلا يوخذهم به (ابن جرير)

[3]۔ ان ابن مسعود قال زنا العين النظروزنا الشفتين التقبل وزنا اليدين البطش وزنا الرجلين المشى وبصدق ذالك الفرج ويكذبه فان تقدم بفرجه كازانيا والا فهو اللمم (ابن جرير)

[4]۔ فى الكافى عن الصادقؑ اللمم يلم الرجل يلم الذنب ثم يستغفر الله... عند من الظلم العبد بعد الذنب ليس من سليقته اى من طبيعته (صافى)

www.kitabmart.in

لفظ یہ ہیں کہ:فلان یفعل کذا لمما ای حینا بعد حین۔فلاں شخص اسے لمما کرتا ہے وقتاً فوقتاً۔اس صورت میں استثنا متصل قرار پاتا ہے اس لیے کہ اتفاقی اور وقتاً فوقتاً ہونا جس کے لیے معافی ثابت ہورہی ہے، اس میں کبائر اور صغائر کی تفریق نہیں ہے۔

اور بھی مفہوم کہے گئے ہیں مگر ہم جہاں تک سمجھتے ہیں پہلی تشریح زیادہ قوت رکھتی ہے اس لیے کہ کبیرہ اور صغیرہ کی تفریق یہ کوئی علماء وفقہا کی بتائی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ معصوم رہنمایان دین کے اقوال سے یہ تفریق ثابت ہوئی ہے چنانچہ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ کے بھی ایک کلام میں جو نہج البلاغہ میں ہے گناہوں کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں:من کبیرا دعہ علیہ نیرانہ ومن صغیرا رصد علیہ غفرانہ" کوئی بڑا ہے کہ اس پر اس نے اپنے یہاں کے آگ کا اعلان کیا ہے اور کوئی چھوٹا ہے کہ اس پر اپنی مغفرت کی امید دلائی ہے اس میں انداز کلام پتہ دیتا ہے کہ یہی آیتیں سامنے رکھ کر یہ بات کہی گئی ہے اور اس میں کبیرہ کا معیار وہی معلوم ہوتا ہے کہ جس پر خالق نے آتش دوزخ کا اعلان کیا ہے، وہ کبیرہ ہے۔

دوسری حدیثیں بھی اس پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ کافی میں امام جعفرؑ کی حدیث ہے کہ:۔

الکبائر التی اوجب اللہ علیہا النار۔کبائر وہ ہیں جس کا نتیجہ اس نے آتش دوزخ قرار دیا ہے وسائل باب اجتناب الکبائر میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد ہے جس سے ان آیات کی تفسیر سمجھنا چاہیے:۔من اجتنب الکبائر وھی ما اوعد اللہ علیہ النار ان کان مؤمنا کفر اللہ عنہ سیئاتہ۔جو کبائر سے پرہیز کریں اور وہ وہ ہیں جن پر اس نے آتش جہنم کا وعید کیا ہے۔اگر وہ مؤمن ہے تو اللہ اسے اس کے سیئات (معمولی برے کاموں) کا کفارہ کردے گا۔

عقاب الاعمال میں امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث ہے راوی کا بیان ہے کہ:۔سالت ابا جعفر علیہ السلام عن الکبائر فقال کل من اوعد اللہ علیہ النار۔میں نے حضرت علیہ السلام سے کبائر کے متعلق دریافت کیا، تو فرمایا: ہر وہ گناہ جس پر اللہ نے آتش دوزخ کا اعلان فرمایا ہے اس کی تائید اہل سنت کے ان روایات سے ہوتی ہے جن میں اللمم کے معنی میں کہا گیا ہے کہ مادون الحدین حد الدنیا وحد الآخرۃ۔جو دونوں قسم کی سزاؤں سے کم تر رہے ہیں دنیا کی حد اور آخرت کی حد۔ان شاگرد عکرمہ نے اس کی توضیح کی ہے، کل ذنب لیس فیہ حد فی الدنیا ولا عذاب فی الآخرۃ فہو اللمم۔وہ گناہ جسکے لیے نہ دنیا میں کوئی حد شرعی ہے اور نہ آخرت میں سزا کا اعلان ہوا ہو وہ لمم ہے قرآن کریم کی ان دولفظوں میں کہ؛ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ ،جس میں فواحش کی تفسیر زنا کے ساتھ ہوئی ہے یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ کبائر سے مراد وہ ہیں جس میں عذاب آخرت کا اعلان ہوا ہے اور فواحش وہ ہیں جس پر دنیا میں حد شرعی قرار دی گئی ہے۔

اس کی موافقت میں ہمارے یہاں کافی کی حدیث باب اللمم میں امام جعفر الصادق علیہ السلام سے ہے کہ:الفواحش الزنا والسرقۃ۔فواحش زنا اور چوری ہیں۔اب دونوں قسم کی سزائیں جس گناہ پر مرتب نہ کی گئی ہوں وہ گناہ صغیرہ یا لمم ہے جس کے لیے یہ اعلان ہے کہ؛۔ان ربک واسع المغفرۃ۔تمہارے پروردگار کی مغفرت میں وسعت ہے' اور یہ مغفرت کا اعلان اس پابندی یعنی کبائر وفواحش سے پرہیز کے صلے کے طور پر ہے۔لہٰذا وہ بربنائے توبہ نہیں ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اسی وقت تک ہے جبکہ اتفاقی طور پر ہو لیکن اگر اصرار ہو گیا تو پھر گناہ صغرہ بھی کبیرہ ہوجاتا ہے۔رہ گئی انسان کی بذات خود توبہ یا شفاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں تو کبیرہ اور صغیرہ کی تفریق نہیں ہے بلکہ شفاعت کے تعلق سے تو ایک حدیث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔کہ:۔انی ادخرت شفاعتی اھل الکبائر من امتی۔میں نے اپنی شفاعت کو اٹھا رکھا ہے اپنی امت کے ان افراد کے لیے جو گناہان کبیرہ کے مرتکب ہوں۔

www.kitabmart.in

اور اس آیت قرآن میں بھی گناہان کبیرہ اور صغیرہ کی تفریق نہیں ہے کہ:۔ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ......(زمر۔۵۳) اے میرے بندو جنھوں نے گناہوں کے ساتھ اپنے اوپر ظلم اٹھایا اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو یقیناً اللہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے یقیناً وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اور کافی باب الاصرار علی الذنب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے: لا صغیرۃ مع الاصرار ولا کبیرۃ من الاستغفار ، اصرار کے ساتھ کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا اور استغفار کے ساتھ کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا۔

اور فرق یہ محسوس ہوتا ہے کہ اجتناب کبائر کی صورت میں صغائر پر مغفرت کا وعدہ قطعی ہے جس میں توبہ و استغفار کی قید نہیں اور کبائر میں درصورت توبہ و استغفار کے ساتھ مغفرت کا وعدہ ہے اور درصورت عدم توبہ شفاعت کے ساتھ اور کبھی بغیر شفاعت صرف تفضّل الٰہی سے امکان مغفرت ہے جو یغفر کے ساتھ من یشاء کی قید سے ظاہر ہے جس سے مؤمن میں دونوں کیفیتوں کا امتزاج ہو جاتا ہے جو تقاضائے ایمان ہے۔ الایمان نصفان نصف خوف و نصف رجاء، ''ایمان کے دو برابر کے حصے ہیں ایک حصہ خوف اور ایک حصہ امید۔

یغفر کے اعلان سے رجا اور لمن یشاء کی قید سے خوف اس خوف میں سب سے زیادہ دخل حقوق الناس کا ہے کہ ان میں بغیر ان صاحب حق کے معاف کئے ہوئے رحمت الٰہی بھی شاید قدم آگے نہ بڑھائے اور شفاعت کرنے والے بھی شفاعت میں توقف کریں۔ نعوذ باللہ من سخط الرحمٰن و عذاب النیران۔

اس کے بعد اس آیت میں بلا فاصلہ یہ تخلیق کا ذکر کہ وہ خوب جانتا ہے جب اس نے (پہلے) تمہیں زمین سے پیدا کیا (یعنی تمہارے مورث اعلیٰ حضرت آدمؑ کو) پھر ان کی نسل کو آگے بڑھایا ایسی صورت سے (جس کی آخری منزل جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، یہ ہے) کہ تم ماں کی پیٹ میں بچے کی شکل میں تھے، یہاں یہ بات غور طلب ہوجاتی ہے کہ آخر اس کا کبائر سے پرہیز اور صغائر کے ارتکاب کی صورت مغفرت والے ذکر سے کیا تعلق ہے مگر یہاں جناب طبری نے بھی جن کی بالغ نظری کا مجھے اعتراف ہے باوجود اپنی تفسیر کے اتنے بسیط اور وسیع ہونے کی توجہ نہیں کی نہ انہیں بظاہر صحابہ و تابعین یعنی اور قدیم مفسرین کے اقوال اس سلسلے میں ملے جن کے اپنے دسترس بھر وہ نقل کرنے کے پابند ہیں۔

ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ گناہان کبیرہ سے پرہیز کی صورت میں صغائر پر جو مغفرت کا وعدہ ہے، اس سے متعلق ہے اور گویا ان لوگوں کو جو ایسے گنہگار رہوں ڈھارس دینا ہے اور ان کی طرف سے ایک عذر کا بیان ہے کہ آخر ہم ہی تو تمہارے خالق ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تم عام طور پر صرف نور سے پیدا نہیں ہوئے جس میں تقاضائے گناہ موجود ہی نہ ہو تم تو ابتدا میں مٹی سے پیدا ہوئے ہو اور پھر نظام افزونی نسل میں نطفے وغیرہ سے آگے بڑھ کر ماں کی پیٹ میں بچے کی شکل میں پہونچے ہو تو اس کے بعد تو بہت بڑے کامل عقل والے ہیں وہ جنہیں خالق رہبری کے منصب کے لیے چنتا ہے وہ ہوتے ہیں جو صغائر سے بھی بری ہوں۔ تم میں ہر ایک تو ایسی کامل عقل کا مالک نہیں ہے تو ایسی غلطیاں تمہارے فطری جذبات کے ساتھ نادانی کا نتیجہ ہیں لہٰذا ان پر زیادہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ تو خالق نے اپنی طرف سے ان لوگوں کی دل جوئی کی۔ اب آدمیوں میں کچھ بخیال خود بڑے پارسا اور پرہیز گار ایسے ہوتے ہیں جنہیں اپنی پابندی احکام شریعت کا بڑا زعم ہے کہ وہ دوسروں کی ذرا سی غلطیوں کو بہت اچھالتے ہیں اور انہیں بڑا ہولناک بنا کر پیش کرتے ہیں اور پھر اپنے کو مثال بنا کر پیش کرتے ہیں جس سے اپنی برتری کا مظاہرہ ہوتا ہے، ایسے لوگوں کو مخاطب کر کے متنبہ کیا جارہا ہے کہ اپنی پاکی

www.kitabmart.in

دامن کی حکایت کواتنادرازنہ کرو۔یہ ہمارا کام ہے کہ ہم فیصلہ کریں کہ کون کس حدتک واقعی پرہیزگار ہے۔اس طرح ان کے یہاں ''رجاء'' کے ساتھ خوف کا پہلو پیدا کر دیا کہ کہیں تم ہی اللہ کے یہاں متقین کی فہرست سے خارج نہ ہو گئے ہو۔بحمداللہ جس طرح ہم نے تمام اجزا آیت کے باہمی ارتباط اور مطالب میں مسلسل ہونے کی تشریح کی ہے،وہ بڑی بسیط تفسیروں میں بھی ہمارے علم میں اتنی وضاحت کے ساتھ نہیں ہے۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۝۳۳ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝۳۴ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝۳۵

''تو کیا دیکھا تم نے اسے جو پلٹ گیا اور ذرا سا دیا اور پھر رک گیا،کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہے''؟

خود ان آیتوں کا مضمون بتا رہا ہے کہ ان کا تعلق کسی واقعہ سے ہے جو ان کے لیے شان نزول کی حیثیت رکھتا ہے۔چنانچہ طبری نے جامع البیان میں قدیم مفسرین کے حوالے سے درج کیا ہے کہ یہ شخص ولید بن مغیرہ تھا جس نے پہلے اسلام قبول کیا،جس پر اس کے دوست نے جو مشرکین میں سے تھا اسے برا بھلا کہا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ ولید نے کہا مجھے آخرت کے عذاب کا ڈر ہو،اس نے کہا کہ تم مجھے کچھ رقم دو اور میں تمہاری طرف سے آخرت کے عذاب کو اپنے اوپر لے لوں،یہ بے وقوف اس کے کہنے میں آ گیا اور اس سے ایک اقرارنامہ لکھوا کر اسے کچھ رقم دی اور اسلام سے منحرف ہو گیا۔پھر اور تھوڑی رقم اس کو دی اور پھر جیسے اپنی حماقت کا احساس ہوا یا پیسے کی محبت دامن گیر ہوئی تو مزید رقم دینے سے منحرف ہو گیا۔اُسی شخص کا ان آیتوں میں ذکر ہے۔کیا اس کے پاس علم غیب ہے''؟ یعنی یہ احمق جس نے دوسرے کی بات کو مان لیا وہ اس کے عذاب کو اپنے اوپر لے لے فردائے قیامت کے کارخانے کا حال جانتا ہے؟ کہ وہاں ایک دوسرے کا بوجھ اٹھا لے تو دوسرا عذاب سے بچ جائے گا [۱]
بعض نے ولید کے تعین میں شک کا اظہار کیا ہے اسطرح کہ وہ کوئی دوسرا [۲] ہمارے بعض تفاسیر میں یہاں جناب عثمان اور ان کے برادر رضاعی کا نام آیا ہے۔[۳]

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝۳۶ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ۝۳۷ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝۳۸ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝۳۹ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝۴۰ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝۴۱ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝۴۲

''کیا اس تک خبر نہیں پہنچائی گئی اس کی جو موسیٰ کے اور وفاداری کرنے والے ابراہیمؑ کے صحیفوں میں ہے کہ کوئی بوجھا اُٹھانے والا دوسروں کا بوجھ نہیں اٹھائیگا اور یہ کہ کسی آدمی کے لیے نتیجہ خیز نہیں ہے مگر وہی کوشش جو وہ

---

[۱] اعندهذاالذی ضمن له صاحبه ان یتحمل عنه عذاب الله فی الآخرة علم الغیب فهو یری حقیقته قوله بماوعد(ابن جریر)
[۲] هوالولیدابن المغیرة ای غیره(جلالین)
[۳] فی المجمع نزلت الایات السبع یعنی هذه ومابعدهافی عثمان وکان یتصدقاوینفق فقال له اخوه من الرضاعة عبدالله ابن ابی سرح۔اعطنی ناقتك برحلهاوانااتحمل عندذنوبك کلها(صافی)

www.kitabmart.in

کرے اور پھر اسی کے مطابق اس کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا اور یہ کہ آخر میں پہونچنا اللہ ہی تک ہے“۔

نتائج کا انحصار سعی وکوشش پر

یہاں سے تقریباً آخر سورہ تک نحوی قاعدہ کے لحاظ سے تو اسی شخص کو تنبیہ ہے جس کا ذکر تھا کہ کیا اسے یہ نہیں معلوم۔ یہ نہیں معلوم...... مگر یہ ایک بلیغ انداز قرآن مجید کا ہے جس سے ہم میں سے ہر ایک کو متنبہ کرتا ہے کہ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم ہے یہ نہیں معلوم ہے یعنی ہم تم سے کہتے ہیں یہ باتیں معلوم ہونی چاہیں، ان سب سے پہلا اصول یہی ہے کہ الا تزر وازرة وزر اخرىٰ ”کوئی دوسرے کو بوجھ نہیں اٹھا سکتا“۔

یعنی ہر ایک بداعمالیوں کا خود ذمہ دار ہے، کوئی دوسرا اس ذمے داری کو اپنے سر نہیں لے سکتا۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ“ ہر آدمی کے لیے نتیجہ وہ کوشش ہے۔ جو وہ انجام دے“ یعنی اُس کے سامنے جو نتائج آئیں گے وہ اس کے سعی و عمل سے آئیں گے۔ یہ اصول قرآنی کے لحاظ سے اتنا ہمہ گیر ہے کہ ہر شعبہ عمل میں جو کسی نتیجہ کا طلب گار ہو اس کی رہنمائی کرسکتا ہے۔ وہ پوچھے کہ اس میں کیوں کر کامیابی ہو سکتی ہے تو اس کے سامنے یہ آیت پڑھ دی جائیں۔ کہ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى.

یہاں تک کہ اس کلیہ میں مقصد کے صحیح اور غلط ہونے کا سوال بھی نہیں ہے۔ یہ الگ سے سمجھنا چاہیے کہ مقصد کیا ہونا چاہیے۔ ہر مقصد کے حصول کا ذریعہ یہی ہے کہ اس راہ کو عملی طور پر اختیار کی جائے جو اس مقصد تک پہنچانے والی ہے۔ اب کوئی طالب مال ہوا اور پوچھے کہ اموال کیوں کر حاصل ہوں تو اُس کے جواب میں یہی کہیے کہ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى. اُس طرح کوئی طالب علم ہو، کوئی طالب شہرت ہو، کوئی تجارت میں اپنی کامیابیوں کا طلبگار ہو اور اس طرح کوئی طالب نجات ہو تو ہر ایک کے سوال کا یہی جواب ہے اور جب اس جملے میں یہ وسعت ہے تو آخر میں جو یجزاہ جزاء الاوفیٰ ہے“ اُسے پورا پورا صلہ ملے گا“ اُسے اجر آخرت سے مخصوص نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ جس کا جو ہدف نگاہ ہو، اُس کی سعی کا نتیجہ ہے جس کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اُسے اس کوشش کا ثمرہ یا صلہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی کئی آیتیں اس کی مؤید ہیں جیسے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ... (شوریٰ۔۲۰)

”جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس میں اس کے لیے صلہ دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہے اسے اس میں سے ملے گا اور اس کا آخرت میں حصہ نہ ہوگا“۔ یہ اس لیے کہ اس کا نصب العین صرف دنیا تھی۔ آخرت سے اسے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ ورنہ اگر آخرت کے ساتھ دنیا مطلوب ہو تو اس کی تو اسلام نے دعوت دی ہے اور اسے مثالی نقطۂ نظر سے قرار دیا ہے کہ:،

اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (بقرہ۔۲۰۱) ”ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی۔

اس کلیہ کے خلاف کہ لیس لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى. ایک طرف تو جناب ابن عباسؓ کا قول طبری نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، دوسری آیت سے موجودہ ترتیب کے لحاظ سے اس سے قبل سورۂ طور میں آئی ہے کہ:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

”جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ انکی پیروی کی تو ہم انکے ساتھ ان کی ذریت کو ملحق کر دیں گے“۔

یعنی ان کے اعمال میں جو کمزوری ہے اسے نظر انداز کر کے بلند مرتبہ عطا کریں گے تو یہاں معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں کے ان کے اعمال

www.kitabmart.in

سے اولا دکو فائدہ پہنچ رہا ہے مگر ہم یہ ان اسلاف کے اعمال کے جز کا تتمہ ہے کہ ان کی اولا دان کے ساتھ ملحق ہو لہٰذا اسے بغیر سعی نہیں سمجھنا چاہیے۔

دوسری طرف منسوخی کا تصور اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ بعض عبادات میں نیابت شرع میں ثابت ہے...... جبکہ قرآن میں حکم کلیہ ہے تو اسے ازقبیل مستثنا سمجھا جا سکتا ہے جس سے اصل حکم منسوخ پھر بھی نہیں ہوتا، [1] بعض نے اسے زبردستی اس کلیے کے مطابق بنانے کے لئے کہا ہے کہ جس نے قرابت یا دوستی کی بنا پر نیابتاً میت کی طرف سے عبادات کیے۔ اس کے دل میں محبت تو اس میت ہی نے اپنے برتاؤ سے پیدا کی ہے، لہٰذا وہ بھی اس کی ایک کوشش کا نتیجہ ہے [2] مگر ہم نے اس کے لیے زبردستی کے لفظ کا استعمال اس بنا پر کیا کہ نماز اجارہ وغیرہ کو کیا کہا جائے گا جو شریعت میں ثابت ہے۔ پھر بغیر اجارہ اس نیابت کے ساتھ عبادت کرنے والے ایسے بلند ظرف بھی ہو سکتے ہیں کہ میت نے ان کے ساتھ کوئی حسن سلوک نہ کیا ہو بلکہ بدسلوکی کا برتاؤ رکھا ہو اور وہ پھر بھی اس کار خیر کو اسے فائدہ پہنچانے کے لیے انجام دیں تو کیا ان کی یہ عبادتیں قابل قبول نہ ہونگی لہٰذا زیادہ درست وہی بات معلوم ہوتی ہے کہ ان چیزوں کو ازقبیل مستثنیات سمجھا جائے۔

یہ بھی ہم سمجھ سکتے ہے کہ صدر اول میں اصطلاحات پورے طور پر منقح نہیں ہوئے تھے لہٰذا کبھی کبھی مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص کی بھی نسخ سے تعبیر کی جاتی تھی اور لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى. اس ہمہ گیری بعد بھی جو ہم نے بتائی کہ وہ دنیا اور آخرت کے ہر شعبے پر حاوی ہے پھر بھی ایک عمومی اصول کی حیثیت رکھتا ہے جس میں عقلی و نقلی طور پر دونوں سے قیود اور مستثنیات کی بہت گنجائش ہے مثلاً دنیوی مقاصد میں چاہے وہ رزق ہو، چاہے وہ تحصیل علم ہو اور ایسا ہی جو مقصد ہو اس کے ساتھ خالق کی طرف کے غیر مشروط فیصلۂ تقدیر سے ٹکراؤ نہ ہونے کی شرط لازمی ہے ورنہ ہر مقصد میں جو وسیع عالمی نظام کے تقاضوں کے مطابق ہوتی ہے اگر ٹکرا جائے تو لاکھ سعی کرے، نتیجہ برآمد نہیں ہوگا اسی طرح آخرت میں ایک طرف سے تو ہم کلیہ بنا سکتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ حسنِ عمل والی سعی رائگاں جانا بربنائے عدل ممکن نہیں ہے مگر سعی و عمل کے بغیر یا مقدار سعی سے زیادہ کسی صورت میں جزا کا حصول چونکہ تفضّل ہے اسلیے اس کی اس آیت سے نفی ہوسکتی ہے۔ اس طرح حسن عمل کے ساتھ جزا کا نہ ملنا تو چونکہ خلاف عدل ہے اس لیے نہیں ہوسکتا مگر سوئے عمل والی سعی کے نتیجہ میں سزا کا ملنا ضروری نہیں ہے لہٰذا اس آیت کی وجہ سے شفاعت وغیرہ کا سد باب نہیں ہوگا۔

ان الٰی ربک المنتہٰی کا ترجمہ ہم نے کیا ہے "آخر میں پہنچنا تمہارے پروردگار کی طرف ہے" اس طرح یہ لمنتہٰی کا لفظ ویسا ہو گیا جیسے قرآن مجید میں مصیر کا لفظ ہے (**والی اللہ المصیر**) اس کے تحت میں یہ بھی تمام معاملات کی انتہا اس کے فیصلے پر ہے جیسا کہ ارشاد ہوا (**والی اللہ ترجع الامور**) ہمارے ائمہ معصومینؑ نے اس کے ماتحت اس کا ایک تقاضا یہ بتایا ہے کہ جب بات خدا تک پہونچ جائے تو سر تسلیم خم کر دو پھر زیادہ قیل وقال نہ کرو اور ذات الٰہی اور اس کے اوصاف کی حقیقت سمجھنے میں فلسفہ آزمائی نہ کرو [3]

---

[1]۔ من قال اللہ غیر منسوخ الحکم قال انہ علی منع النیابتہ فی الطاعات الا ما قام الدلیل علیہ (مجمع البیان)

[2]۔ ما جاء فی الاخبار من ان الصدقہ والحج ینفعان المیت فذالك انما هو لمحبتہ زرعها المیت فی القلب النادی لہ النائب عنہ فھو من جملۃ سعیہ (صافی)

[3]۔ فی الکافی التوحید عن الصادقؑ ان اللہ یقول: وان ربك المنتہٰی کلام الی اللہ فامسکوا وفی التوحید عن الباقرؑ قیل لہ ان للناس قد اکثروا فی الصفتہ الی اللہ فما تقول قال مکروہ اما تسمع اللہ عزوجل یقول وان اللہ الیٰ ربك المنتہٰی تکلموا فیما دون ذالك (صافی)

www.kitabmart.in

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾

''اور یہ کہ وہی ہے جس نے ہنسایا ہے اور رلا یا ہے اور یہ کہ وہی ہے جس نے مردہ کیا اور زندہ کیا اور یہ کہ وہی ہے جس نے مرد اور عورت کے جوڑے پیدا کیے ایک خاص نطفے سے جب وہ بہایا جاتا ہے اور یہ اس کے ذمے ہے دوسری دفعہ کا پیدا کرنا اور یہ کہ اُس نے غنی بنایا اور فقیر کیا ہے اور یہ وہی شعریٰ (ستارے) کا پروردگار ہے''۔

یہ اور...... یہ سب اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں کہ صحف ابراہیمؑ اور صحف موسیٰؑ میں یہ بھی ہے اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ قبل کی مناسبت سے جو ان میں کی ایک کی تعلیم بیان کی گئی ہے کہ ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کے لیے نتائج اس کے سعی اور عمل سے وابستہ ہیں تو اب اسی سلسلے میں ان صحیفوں کے اور مندرجات جنہیں دنیا بھولی ہوئی ہے یاد دلائے جانے لگے جس کے ذیل میں یہ نتیجہ پنہاں ہے کہ اسباب پر بھروسے کے ساتھ اس خالق اسباب کو نہ بھولو جس کے ہاتھ میں سلسلہ اسباب کی پہلی کڑی ہے۔

تم سمجھتے ہو حالات ہنساتے اور رلاتے ہیں، دنیا حالات سے آگے بڑھتی ہے تو دہر یا زمانے کو کہتی ہے کہ انقلابات دہر ہیں اور وہ کرتے ہیں اور مسبب الاسباب کو بھول جاتی ہے۔ آدمی زہر کو قاتل سمجھتا ہے اور انگبین کو باعث شفا سمجھتا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اصل زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں ہے۔ پیدائش کے لیے ماں باپ کا ہونا بھی ایک سبب ہے اس کا قرار دیا ہوا اور پھر اسی سے سمجھ لو کہ جس کے ہاتھ میں یہ زندگی اور موت ہے تو وہ دوسری زندگی دینے پر جزا وسزا کے لیے بھی قادر ہے جو بتقاضائے عدل اس کا ایک فریضہ ہے جو اس آیت میں علیہ کا لفظ علیٰ کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے جس کے معنی ہیں اس پر ہے دوسری دفعہ زندہ کرتا ہے۔

تم سمجھتے ہو کہ حسن تدبیر اور سوء تدبیر سے دولت اور عزت ہوتی ہے۔ ہاں ہیں یہ بھی اسباب اس لیے سعی کا حکم ہوا ہے مگر اس میں بھی نتیجہ اس کے ہاتھ میں ہے، دولت دینے والا اور غریب رکھنے والا وہی ہے اور کچھ لوگ اس کا سبب ستاروں کے قرار دے لیتے ہیں اور اسلیے مشرکین عرب کا ایک طبقہ ستارۂ شعریٰ کی پرستش کرنے لگا تو سن لو کہ شعریٰ کا مالک بھی وہی ہے۔

اغنی کے ساتھ جو اقنیٰ کی لفظ ہے، اس میں دو معنی اور ہیں، ایک یہ کہ ساز وسامان کا مالک بنایا'' بعض نے ترجمہ اس کے موافق کیا ہے[۱] دوسرے یہ کہ راضی وخوشنود کیا'' جس کے موافق تفسیر اور ایک روایت میں جناب امیرؑ کا ارشاد نقل ہوا ہے اور اس میں یہ تشریح ہے کہ اس نے دولت مند بنایا اور اپنی سعی وکوشش سے خوشنود کیا[۲] ظاہر ہے کہ یہ ارشاد نقل شدہ اگر بطریق صحیح ہم تک پہنچ جائے تو سرتسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے مگر یہ میرے خیال میں ایسا نہیں ہے۔ اور ان دونوں تشریحوں میں اقنیٰ اور اغنیٰ کا تقریباً ہم معنی یا اس کا تتمہ ہو جاتا ہے حالانکہ اس کے پہلے کے تمام جملوں میں تضاد کا پہلو نمایاں ہے، خندہ وگریہ، موت وزندگی، مرد عورت۔ لہٰذا میرا ذہن اس معنی کو قبول کرتا ہے جسے طبری نے نقل

---

[۱]۔ اقنی واعطی المتخذ فتیة...جلالین) تو نگر کرد و سدر مایہ دار (ولی اللہ) دولت مند کیا اور خزانے والا کیا (رفیع الدین)

[۲]۔ المیزان: از امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ........... اغنی کل انسان بعیشة ارضاہ بکسب یدہ (قاموس قرآن)

www.kitabmart.in

اقوال میں سب سے آخر میں درج کیا ہے کہ اغنیٰ کے معنی ہیں دولت مند بنایا اور اقنیٰ کے معنی ہیں فقر وفاقہ میں مبتلاء کیا جس کے موافق آیات خود قرآن مجید متعدد مقامات پر موجود ہیں [۱] لہٰذا میں نے اُسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

ستارۂ شعریٰ کا نام خصوصیت کے ساتھ لینے کی ایک وجہ بیان کی گئی ہے کہ قبیلہ قریش کے گزشتہ اسلاف میں سے ابو کبشہ تھا اور مشرکین رسولؐ کو بطور طعن وتشنیع ابن ابی کبشہ کہتے تھے کہ انہوں نے بھی ایسا ہی نیا مذہب ایجاد کیا ہے اس لیے یہاں معبودِ حقیقی کا رب الشعریٰ کہہ کے تعارف کرایا ہے کہ میں شعریٰ کی عبادت کا نہیں بلکہ اس کی عبادت کا داعی ہوں جو شعرٰی کا بھی مالک ہے [۲]

وَاَنَّهٗۤ اَهۡلَكَ عَادَا ۨالۡاُوۡلٰى ۝۵۰ وَثَمُوۡدَا۠ فَمَاۤ اَبۡقٰى ۝۵۱ وَقَوۡمَ نُوۡحٍ مِّنۡ قَبۡلُ‌ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا هُمۡ اَظۡلَمَ وَاَطۡغٰى ۝۵۲ وَالۡمُؤۡتَفِكَةَ اَهۡوٰى ۝۵۳ فَغَشّٰٮهَا مَا غَشّٰى‌ ۝۵۴ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ۝۵۵

''اور یہ کہ اُس نے پہلے والے قبیلہ عاد کو ہلاک کر دیا اور قبیلہ ثمود کر تو ان پر ترس نہیں کھایا اور نوح کی قوم کو اس کے پہلے کہ وہ اور بھی زیادہ ظالم اور سرکش تھے۔ اور قوم لوط کی بستیوں کو اوپر سے نیچے گرایا تو ان پر چھائی وہ آفت کہ چھائی تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں میں شک کرو گے''؟

چونکہ اس سے پہلے اس فقرے میں ہے کہ ''وہ شعریٰ'' کا مالک ہے اور شعریٰ مشرکین کے ایک گروہ کا معبود ہے، ذہن سننے والے کا مشرکین کی جماعت کی طرف مڑ جاتا ہی ہے، اس لیے اب سابق کی مشرک جماعتوں کا دنیا میں کیا کیا انجام ہوا، ان کا ان آیتوں میں مسلسل ذکر ہوا ہے۔ عاد کے لیے اولیٰ کی صفت آنے کی وجہ بتائی گئی ہے کہ اس قبیلہ عاد کے کچھ لوگ جا کر مکے کی سرزمین پر بس گئے تھے۔ وہ اس عذاب کے نازل ہونے کے موقع پر وہاں موجود نہ تھے۔ وہ بعد میں آپس میں لڑ لڑ کر تباہ ہوئے [۳]

قبیلہ ثمود کے لیے فما ابقٰی کے لفظ کو ہم نے بقیا سے لیا ہے جس کے معنی ترس کے ہیں لیکن دوسرے لوگوں نے اس کو باقی رکھنے کے معنی میں لیا ہے کہ انہیں باقی نہیں رکھا۔ ہمارے نزدیک پہلا مفہوم زیادہ مناسب ہے۔ المؤتفکۃ یعنی قوم لوطؑ کی بستیوں کے لیے فما ھوی کے لفظ کا ان کی نوعیت عذاب کے لحاظ سے اوپر سے نیچے گرانے کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے لیکن اس کے معنی تباہ اور برباد کرنے کے بھی ہوسکتے ہیں ''ان پر چھایا جو کہ چھایا'' اس سے دوسری نوعیت عذاب کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے یعنی پتھروں کی بارش۔

ان تمام قوموں کو ہلاکت کے بعد اللہ کی نعمتوں کو یاد دلایا ایک بڑا سخت تازیانہ ان قوموں اور افراد کے کردار پر ہے جس کی چوٹ انہیں محسوس کرنا چاہیے جو اس وقت دار دنیا میں موجود ہیں اور انہی کے کردار کے حامل ہیں کہ ایسوں کا وجود انسانیت کی پشت پر ایک بوجھ ہے جس کا

---

[۱]۔ قال ابن زید: اغنی فاکثر واقنی اقل قرأ۔ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ ویقدر لہ (ابن جریر)
[۲]۔ کان المشرکین میموا الدین ابن ابی کبشہ الخانۃ ایاھم فی الدین لما خالف ابو کبشہ غیرہ فی عبادۃ الشعریٰ (مجمع البیان)
[۳]۔ کان ھلاک عاد الآخرۃ ینبغی بعضھم علی بعض فتقاتلوا بالقتل۔۔ابن جریر)

www.kitabmart.in

اتر جانا باقی ماندہ افراد انسانی کے لیے بہت بڑی نعمت الٰہی ہے جس میں انہیں کوئی شک وشبہ نہیں ہونے چاہیے۔اس پہلو پر ہم نے ایسے موقع پر پہلے بھی توجہ دلائی ہے جہاں قرآن مجید میں ایسی قوموں کی تباہی کے بعد کہا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. یعنی ان کی تباہی ایسی چیز ہے جس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿٥٦﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾

''یہ بھی ایک ڈرانے والا رسول ہے پہلے ہی ڈرانے والوں کے قبیل سے۔قیامت قریب آ گئی ہے جس کا اللہ کے سوا پردہ کشائی کرنے والا کوئی نہیں ہے''۔

اصطلاح قرآن میں رسول کو نذیر کہتے ہیں تو یہ آیت ویسی ہی ہے جیسے:وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ نہیں ہے محمد ﷺ مگر ایک پیغمبر جن کے پہلے بھی پیغمبر آ گئے (سورہ آل عمران۔۱۴۴) دوسری جگہ ہے:۔وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ. اور آپ کے پہلے بھی ہم نے پیغمبر بھیجے قبل کے لوگوں میں۔(حجر۔۱۰)

تیسری جگہ ہے:۔

مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (احقاف۔۹) میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا نہیں ہوں۔

سب کا مطلب یہ ہے کہ رسول کا بھیجا جانا کوئی نئی بات نہیں ہے، پہلے بھی رسول برابر ہوتے رہے ہیں۔

دوسرا تصور جسے طبری نے ترجیح دی ہے [1] کہ اس کے پہلے چونکہ عاد اور ثمود وغیرہ کی بربادی کا ذکر ہے تو اب یہ فرمانا اس امت کی تنبیہ کے لیے ہے کہ کہیں تمہارا انجام بھی ویسا ہی نہ ہو، جیسا ان کا ہوا مگر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس صورت میں ''نذیر'' کے بجائے 'انذار' ہونا چاہیے تھا کہ اب جو تمہیں ڈرایا جاتا ہے یہ ویسا ہی ڈرانا ہے جیسا کہ پہلے بھی ہوا تھا۔تو تمہیں بھی ڈرنا چاہیے کہ کہیں ویسا ہی عذاب تم پر نہ آ جائے۔مگر یہاں اس کے بعد قیامت کے قرب کا اعلان ہے۔ہمارے نزدیک رسول اللہ کے تشریف لانے کے ساتھ بلا فاصلہ قیامت کا ذکر اس کی دلیل ہے کہ آپ کے اور قیامت کے درمیان کوئی پیغمبر نہیں ہے اور اس طرح یہ ختم رسل کا ایک ثبوت ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جب 'ازفہ' کے معنی قیامت کے ہیں اس لیے کہ اسے متعدد جگہ قرآن میں قریب کہا گیا ہے اور ایک یہ لفظ قیامت کے لیے بطور نام آئی ہے۔ارشاد ہوا ہے: وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ جس کا مطلب یہی ہے کہ انہیں قیامت کے دن سے ڈرائیے۔(مؤمن۔۱۸) اب لیس کے ساتھ یہ فقرہ جو ہے کہ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ. (نجم۔۵۸) اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کا ہٹانے والا سوا اللہ کے کوئی نہیں مگر قیامت کے ساتھ ''ہٹانے'' کا کوئی تصور چسپاں نہیں رہتا اور ہم نے یہ ترجمہ کیا کہ اللہ کے سوا اس کی پردہ کشائی کرنے والا کوئی نہیں۔اب پردہ کشائی بایں معنی کہ اسے سامنے لایا جائے یعنی قیامت کا برپا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں یا اس کے صحیح وقت کو تعین کے ساتھ بتانے والا کہ وہ کب آئے گی؟ کوئی نہیں۔اور یا مانا جائے کہ مشرکین کے لیے اس دنیا ہی میں کسی تباہی کے نزدیک ہونے کا اعلان

[1] قوله هذا ايكون اشارة الى ماتقدمها من الكلام اولى واشبهه (ابن جرير)

www.kitabmart.in

ہو، جیسی امم سابقہ پر جن کا ذکر پہلے ہو، تباہی آئی۔ اس طرح کاشفہ کا ترجمہ ''ہٹانے والا'' درست ہوگا۔ یعنی وہ بری ساعت جو قریب ہے اس کا ہٹانے والا سوا اللہ کے کوئی نہیں ہے۔

اَفَمِنۡ هٰذَا الۡحَدِيۡثِ تَعۡجَبُوۡنَ ۝۵۹ وَتَضۡحَكُوۡنَ وَلَا تَبۡكُوۡنَ ۝۶۰ وَاَنۡتُمۡ سٰمِدُوۡنَ ۝۶۱

فَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ وَاعۡبُدُوۡا ۝۶۲ (السجدة)

''تو کیا اس تذکرے سے تم تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو اور تم غرور سے سر اٹھائے چلتے ہو تو اب اللہ کے لیے سجدہ کرو اور عبادت گزار رہو''۔

حدیث جس کا ترجمہ ہم نے ''تذکرے'' کے ساتھ کیا ہے، اس سے مراد قبل میں جو کچھ بیان ہوا اس کی طرف اشارہ تو ہوسکتا ہے مگر چونکہ قرآن مجید میں متعدد آیات میں خود قرآن مجید کے لیے اس لفظ کا استعمال ہوا ہے جیسے سورۂ واقعہ آیت ۔۸۱، ۸۲ میں:

اَفَبِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ ۝۸۱ وَتَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَكُمۡ اَنَّكُمۡ تُكَذِّبُوۡنَ ۝۸۲ تو کیا اس ''تذکرے'' سے تم لوگ منحرف ہو اور اپنی روزی بنائے ہو کہ اس کو جھٹلاتے ہو۔

اور سورۂ ''مرسلات'' کے آخر میں:

فَبِاَيِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ ''تو کس تذکرے پر اس کے بعد تم ایمان لاوگے؟

اس لیے یہاں بھی ''اس تذکرے'' سے قرآن مراد لیا گیا ہے[۱] سامدون کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے، صحاح جوہری کے مطابق ہے کہ سمد سمودا رفع رأسہ تکبرا۔ اور دوسرے مترجمین نے مختلف ترجمے کیے ہیں[۲]

اس آیت کے آخر میں دو سجدۂ عبادت کا حکم ہے، اُس کی تعمیل میں سجدہ یہاں پر شریعت اسلام میں فقہ جعفری کی رو سے واجب ہے[۳] جسے احترام فرمان الٰہی کی ایک رمزی علامت کے طور پر تعبدی حکم سمجھنا چاہیے۔

---

[۱]۔ افمن هذا القرآن ايها الناس تعجبون (ابن جرير)

[۲]۔ بازی کنندہستید (شاہ ولی اللہ) تم غفلت مينهو (رفيع الدين)

[۳]۔ على ما يذهب اليه اصحابنا (تبيان)

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الْقَمَرِ

مکیّہ ...... ۵۵......آیات

چونکہ پہلی ہی آیت میں چاند کے شق ہونے کا ذکر ہے، اس لیے اس کا نام سورۂ قمر ہوا۔

سورۂ قمر کے خاص خاص مضامین:

۱......قیامت کا قریب آنا اور شق القمر ہونا۔

۲......اتمام حجت ہوجانا اور اس کے بعد پیغمبروں کے فرض کا پورا ہوجانا۔

۳......قیام قیامت کا ابتدائی ہولناک منظر۔

۴......قوم نوح اور طوفان کی نوعیت۔

۵......کشتی نوح کا ستاروں کے سہارے ہی نہیں بلکہ اللہ کی نگاہوں کے اشارے پر چلنا۔

۶......قوم عاد پر عذاب اور اس کا ایسے دن آنا جو دائمی طور پر منحوس ہے۔

۷......قوم ثمود اور ناقۂ صالح اور قوم کو ہدایت کہ ایک دن چشمے کا پانی اس کے حصے کا ہوگا، کوئی اس دن چشمے پر نہ جائیں اور ایک دن ان لوگوں کا ہوگا۔ قوم کی نافرمانی اور ناقے کو پے کر ڈالنا اور پھر عذاب الٰہی کا آنا و راس کا مختصر پس منظر۔

۸......قوم لوط پر عذاب کا آنا و راس کا مختصر پس منظر۔

۹......قوم فرعون پر عذاب کا بہت مجمل تذکرہ

۱۰......زمانۂ رسولؐ کے مشرکین کو سخت ترین الفاظ میں انتباہ۔

۱۱......اس کی طرف اشارہ کہ ان کے افعال تو وہی ہیں جن کی وجہ سے قوموں پر عذاب نازل ہوتا رہا اور انکے پاس اس عذاب سے بچنے کے لیے کوئی روک نہیں ہے، مگر کچھ ہے جو ان کے عذاب کو آخرت پر اٹھا رکھا ہے جس کا سبب دوسری جگہ ہے کہ رحمۃ للعالمین کے قدم کی برکت ہے جو اس دنیا میں اس طرح کا عذاب نازل نہیں ہوتا۔

۱۲......نامۂ اعمال کو یاد دلانا کہ یہ نہ سمجھو کہ تمہاری کوئی بات نظرانداز کردی جائے گی، وہ سب محفوظ ہے۔

۱۳......آخر میں پرہیزگاروں کو مژدہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے“

www.kitabmart.in

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤

''قیامت نزدیک آ گئی اور چاند دو ٹکرے ہو گیا اور اگر وہ کوئی بھی معجزہ دیکھیں تو روگردانی کریں گے اور کہیں گے کہ یہ ایک جادو ہے جو مستقل طور پر قائم ہے اور انہوں نے جھٹلا یا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر بات میں یکسوئی ہونا ہے اور ان کے پاس خبریں ایسی آ چکی ہیں جو ان کے باز لانے کے لیے کافی ہیں، پر اثر حکمت تو نہیں فائدہ دیتے انہیں ڈرانے والے''۔

شق القمر ہونا

چونکہ پہلے جملے میں قیامت کا ذکر ہے اس لیے معجزات انبیاؑ کے منکرئ روشنی والے لوگ چاند کے شق ہونے کو ان علامات سے متعلق قرار دیتے ہیں جو قیامت سے پہلے ظاہر ہوں گی۔ اس صورت میں شق القمر کے اظہار میں جو ماضی کا صیغہ ہے، اسے یقینی ہونے کی بنا پر مستقبل کی تعبیر سمجھا جائے گا۔ جو مجاز ہے مگر اس کی نظیریں قرآن میں بکثرت موجود ہے اس لیکن چونکہ معجزات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شق القمر کا معجزہ متواتر موجود ہے اس لیے مجاز قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، رہ گیا قیامت کا قریب ہونا، وہ تو بعثت رسولؐ ہی کو قرب قیامت کی علامت بتایا گیا ہے اور خود قیامت کے قریب ہونے کا اعلان ہے، یہاں تک کہ قیامت کا ایک نام ہی یوم الآزفہ ہو گیا جس کے معنی نزدیکی گھڑی کے ہیں، اور پھر اس کے بعد والی آیتوں میں معجزے کا ذکر ہے کہ کتنے ہی معجزے دکھائے جائیں، یہ نہیں مانیں گے اس لیے ظاہر قرآن سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ معجزہ شق القمر کا بیان ہے۔

بے شک یقینی طور پر جو ثابت ہے کہ وہ اجمالی طور پر شق ہونا ہے جو تمام روایات میں مشترک حیثیت رکھتا ہے لیکن تفصیل اس کی کہ یہ کس نوعیت سے ہے جو ایک ایک دو دو روایتوں میں مذکور ہے، اسے پورے طور پر ثابت نہیں سمجھا جاسکتا جب کہ اس تفصیلی کیفیت کے بارے میں اختلاف بھی ہے۔

رہ گیا سائنس سے اس کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کرنا تو ہمارے نزدیک کسی بھی معجزہ کی نوعیت کا سائنس سے سمجھنے کی کوشش کرنا دور از کار ہے۔

ہماری قدیم تفسیر میں اسے بطور مسلمات درج کیا ہے اور جناب شیخ طائفہؒ نے تبیان میں کثرت روایات کے اظہار کے بعد اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس میں میخیں نکالنا اس طرح کہ اگر ایسا ہوتا تو دوسرے ممالک میں بھی دیکھا جاتا بالکل بے کار کی باتیں ہیں۔ اس لیے کہ اس کا ظہور ایک مختصر وقت کے لیے شب کے کسی حصے میں ہوا تھا جس وقت بہت سے ملکوں کے لوگ سوتے ہوتے ہیں اور جاگتے بھی ہوں تو پہلے سے اس کا اعلان نہ ہوا تھا کہ لوگ زیر آسمان آ کر اس کے دیکھنے کے لیے آسمان پر مسلسل نظر رکھیں (تبیان) بہر حال جیسا کہ میں نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے شق القمر و یسا عمومی معجزہ رسول کا نہیں ہے جسے بطور برہان رسالت تمام خلائق کے لیے پیش کیا گیا ہو بلکہ

www.kitabmart.in

ا نکا اصل معجزہ قرآن ہے جس پر برابر تحدی ہوئی ہے کہ کوئی اس کے مقابل کی چیز پیش کر دے۔

تاہم ہمارے یہاں کی تفاسیر میں اگر چہ تفسیر برہان میں ہمارے ائمہ علیہم السلام کی تین ہی حدیثیں نقل ہوئی ہیں مگر علامہ ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ سوا عطا اور حسن اور بلخی کے تمام مفسرین ومحدثین کا اس پر اجماع ہے اور علامہ مجلسیؒ نے بھی بحار میں تفصیل کے ساتھ اس سلسلہ کے روایات نقل کیے ہیں۔

اہل سنت کے مفسرین میں حافظ ابن جریر طبری نے جامع البیان میں اس سلسلہ میں جو روایتیں درج کی ہیں، ان میں صحابہ رسولؐ میں انس بن مالک سے سات روایتیں ہیں۔عبداللہ ابن مسعود سے آٹھ روایتیں ہیں۔عبداللہ ابن عمر سے ایک۔خذیفہ بن الیمان سے تین، جس میں سے آخری روایت میں نام نہیں لکھا ہے بلکہ ابوسنان نے بیان کیا ہے کہ؛ قدم رجل المدائن ایک صاحب مدائن آئے، وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے یہ کہا۔'' کھڑے ہوئے'' کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انہوں نے خطبہ پڑھا اور خطبہ پڑھنا گورنر کے ایسے ذمہ دار شخص کا کام ہوتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ جناب خذیفہ گورنر بنا کر مدائن بھیجے گئے تھے اور سابق کی دو روایتیں جو صراحتہً حذیفہ کے نام پر مشتمل ہیں مضمون میں اس سے متحد ہیں، اس لیے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب حذیفہ ہی تھے۔جبیر ابن مطعم سے دو روایتیں اور ابن عباسؓ سے پانچ روایتیں ہیں۔ان میں ان صحابہ کا چشم دید بیان درج ہے مگر روایتی حیثیت سے ان میں سے بعض میں یہ کمزوری ہے کہ وہ عہد رسولؐ میں کم سن تھے اور یہ واقعہ مکّہ معظمہ کا ہے جس دیکھنے والے مہاجرین ہوسکتے ہیں جو مکّہ کی زندگی کے شاہد بن سکتے ہوں اس لیے صحابہ کے بیان کا اس واقعہ کے تذکرے میں وہی وزن ہے جو تابعین کے اقوال اس سلسلے میں موجود ہیں جیسے مجاہد اور قتادۃ اضحاک اور ابراہیم وغیرہ۔

بنیادی طور پر اعتقاد رسالت کا رکن نہ ہونے کے بعد بھی چونکہ معجزات رسولؐ میں وہ ایک اہم حیثیت کا معجزہ ہے اور کسی بھی معجزہ کو عقل سے اس کی توجیہہ نہ ہونے کی بنا پر رد کرنا درست نہیں ہے، اس لیے ایک مسلمان سے اس کا انکار درست نہیں ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ﴿٧﴾ مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۖ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٨﴾

''تو آپ اُن سے منہ موڑ لیجیے کہ جب پکارنے والا پکارے گا ایک سخت ناگوار انجام کے لیے اس عالم میں کہ ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی نکلیں گے قبروں سے جیسے چاروں طرف پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہوتی ہے، دہشت کے ساتھ نظریں جمائیں ہوئے پکارنے والے کی طرف اس وقت کافر کہہ رہے ہوں گے کہ یہ بڑا دشوار دن ہے''۔

مُّهْطِعِينَ کے لفظ کے دومعنی اس محل پر چسپاں ہیں۔ایک جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا ہے اور اقرب الموارد کی تشریح اس کے مطابق ہے کہ ''دہشت زدہ صورت سے نگاہیں جمائے دیکھ رہے ہوں گے۔دوسرے یہ کہ پکارنے والے آواز پر تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ آپ ان سے روگردانی کیجیے'' اس حکم پر پہلی بات ختم ہوگئی یعنی ان پر اتمام حجت ہو چکا، اب اپ ان سے بحث

www.kitabmart.in

وتکرار نہ کیجیے۔[1] اس کے بعد حشر ونشر کا ذکر ہونے لگا۔ مطلب یہ ہوا کہ بس اب ان کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ﴿۹﴾ فَدَعَا
رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَّفَجَّرْنَا
الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓي اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰي ذَاتِ اَلْوَاحٍ
وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ
مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ
مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾

''ان کے پہلے نوح کی قوم والوں نے جھٹلایا تو ہمارے بندے پر دروغ گو ہونے کا الزام لگایا اور کہا دیوانہ ہے اور انہیں سختی سے ڈرایا ڈپٹا گیا تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں ان کے مقابلے میں بے بس ہوں تو مدد فرما تو ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیئے برستے پانی کے ساتھ اور ہم نے زمین میں سے چشمے جاری کردیئے تو وہ سب پانی (ادھر ادھر کا) مل گیا ایک تقدیری فیصلے کے مطابق اور ہم نے ان (اپنے بندے نوح) کو سوار کیا تختیوں اور میخوں والی (کشتی) پر جو ہماری نگاہوں کی اشاروں پر چلتی تھی صلے کے طور پر اس شخص کے لیے جس کی ناشکری کی گئی اور ہم نے اس کو اس ایک قدرت کی نشانی کے طور پر چھوڑ رکھا تو کیا ہے کوئی جو اس سے آگے بڑھے؟ تو دیکھا کیسا تھا میرا عذاب اور میری طرف ڈرانے والا اور بلا شبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنایا ہے تو ہے کوئی جو نصیحت قبول کرے؟''

قوم نوحؑ اور طوفان نوحؑ کی نوعیت

سابق والے تذکرے کے بعد یہ کہنا کہ ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے جھٹلایا، اس کی دلیل ہے کہ اس کے پہلے جو شق القمر اور قوم کے جھٹلانے کا جو ذکر تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کا ایک واقعہ تھا اور اسی کو اس وقت کے لوگوں نے جھٹلایا تو کہا جا رہا ہے کہ ان کے پہلے اس جرم تکذیب کا ارتکاب کیا اور اسی سلسلہ میں ان کا انجام اور پھر عاد اور ثمود وغیرہ سب کا ذکر ہے کہ ان سب نے جھٹلایا تو ان کا کیا انجام ہوا ہے اسی طرح آخر تک پورا سورۃ شق القمر کو دیکھ کر اس کے نہ ماننے والوں کے ذکر سے مرتبط ہے اور بیچ بیچ میں ہر تذکرے کے بعد اس دور کے لوگوں کو انتباہ ہے اس سب کا قیامت کے تذکرے سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔

اس کشتی کے ذکر کے بعد یہ جملہ کہ اسے ہم نے قدرت کی نشانی کے طور پر چھوڑ دیا، (بعد والوں کے لیے) یہ اس کے بعد واقعات یعنی

---

[1]. ھؤلاء ما قبلہ وبہ تتم الکلام (جلالین)

www.kitabmart.in

عاد وثمود وغیرہ کے ذکر میں نہیں ہے اور یہ جملہ بعض دوسرے مقامات پر بھی قرآن مجید میں اس کشتی کے تذکرے کے بعد ہے،اس کے ذیل میں ہم نے قبل میں بھی لکھا ہے کہ اس کشتی کے دیکھے جانے کی اطلاع بعض اخباروں میں شائع ہو چکی ہے اور طبری نے جامع البیان میں اپنے زمانے تک کے لیے لکھا ہے کہ امت محمدیہ کے بعض افراد نے اس کشتی کا مشاہدہ بھی کیا تھا۔[1]

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ کے فقرے میں جو نذر کا لفظ ہے یہ عام طور پر نذیر کی جمع ہوتی ہے جس کے معنی ڈرانے والے کے ہوتے ہیں اور عموماً یہ لفظ قرآن میں پیغمبر کے لیے آئی ہے،تو مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے رسولؑ کیسے تھے یعنی انھوں نے عذاب سے ڈرایا تھا،وہ صحیح نکلا یا نہیں؟

مگر یہاں ایک تصور یہ ہے کہ وہ نذر کی مصدر ہے جس کے لیے اقرب الموارد میں یہ تصریح کی ہے کہ وہ مصدر غیر قیاسی ہے اور مجمع البیان میں اسے اسم مصدر قرار دیا ہے جو مصدر کی جگہ پر آیا ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ میرا ڈرانا کیسا نکلا؟

لِمَنْ كَانَ كُفِرَ کا جو ترجمہ ہم نے کیا ''صلہ ہے اسکا جس کی ناشکری کی گئی'' اور مراد اس سے جناب نوحؑ ہوں گے۔[2]

یہ كُفِرَ کے لفظ پر منطبق ہے جسکے مطابق قرآن میں اعراب لگا ہوا ہے مگر دوسری تشریح یہ ہے کہ یہ سزا ہے اسکی جس نے کفر کیا،اس صورت میں کفر کے بجائے اس لفظ کو كَفَرَ ماننا پڑتا ہے۔طبری نے دونوں قول بغیر رد و قدح کے درج کیے ہیں اور بلاشبہ اس اعراب سے قطع نظر کرتے ہوئے معنوی طور پر یہ دوسرا تصور زیادہ واضح ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾

''جھٹلایا قبیلۂ عاد نے تو کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا۔ہم نے ان کی طرف بھیجا ایک تیز سرد سی ٹھٹھرا دینے والی ہوا کو ایسے دن میں جو ہمیشہ کے لیے منحوس تھا۔وہ اکھاڑ پھینکتی تھی آدمیوں کو جیسے جڑ سے اکھڑے درختوں کے تنے ہوں تو کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا اور بلاشبہ ہم نے آسان بنایا ہے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے تو کیا کوئی ہے نصیحت قبول کرنے والا؟''

قوم عاد پر دائمی طور پر منحوس دن کا عذاب ہونا

قوم عاد پر عذاب جس ہوا کے ذریعے سے ہوا،اس کے اوصاف جو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان ہوئے ہیں اس میں ایک وصف تو صرصر کے لفظ میں مضمر ہے کیوں کہ عربی میں صر سردی کے معنی میں ہے اور،صرصر،میں تکرار حروف سے مبالغہ پیدا ہوا ہے اور تفسیر صافی میں امام محمد باقرؑ کی ایک حدیث میں بھی اسے سرد بتایا گیا ہے مگر نہ صرف سردی اس کی ایسی تھی، بلکہ یہاں اس کا دوسرا وصف بتایا گیا ہے کہ

[1] نظرت الیھا اوائل ھذہ الآیۃ نظراً (ابن جریر)
[2] ای فعلنا ذالك جزا النوح (صافی)

www.kitabmart.in

وہ تیز وتند ایسی تھی کہ آدمیوں کو اس طرح اکھاڑ پھینکتی تھی جیسے اکھڑے ہوئے کھجور کے درختوں کے تنے ہوں۔ایک جگہ ہے "تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِأَمْرِ رَبِّهَا (الاحقاف۔۲۵)" ہر چیز کو وہ برباد کرتی تھی ،اپنے پروردگار کے حکم سے"،اس کے بعد یہ حکم الٰہی کا کرشمہ سمجھنا چاہیے کہ ان کے مکانات باقی رہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ۔ یہ حکم الٰہی اس لیے تھا کہ وہ مکانات بعد والوں کے لیے باعث عبرت ہوں۔

قوم عاد کے عذاب والے دن کا نحس کہا گیا اور اس کے ساتھ مستمر کی لفظ صرف کی گئی اس لفظ کو بعض لوگ طاقت ور کے معنی میں لیتے ہیں جیسے قرآن میں آچکا ذومرۃ "طاقت والا" اسی مرہ کی لفظ سے یہ مستمر ہے۔تب صرف یہ معنی نکلیں گے کہ وہ سخت منحوس دن تھا اور بعض اسے استمرار بعض دوام وبقا سے لیتے ہیں تب معنی یہ ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے منحوس دن تھا اب اس نحوست کے لیے ایک تصور یہ ہے کہ وہ نحوست انہی کے لیے تھی......ہمیشہ کے لیے۔کیوں کہ یہ عذاب ان پر آیا اس کی بربادی قیامت سے متصل ہے۔

اور ایک یہ کہا ایام ہفتہ میں سے وہ دن قیامت تک کے لیے سب کے واسطے منحوس قرار پا گیا۔اور اسے مطلق بدھ یا مہینے کے آخر کا بدھ بتایا گیا ہے تفسیر صافی میں کئی حدیثیں درج کی ہیں جن میں اسے چہارشنبہ کا دن قرار دیا ہے۔علل الشرائع کی حدیث امام جعفر صادقؑ سے ہے کہ وہ عذاب آٹھ دن قائم رہا تھا جن میں پہلا دن چہارشنبہ تھا اور آخری دن بھی چہارشنبہ تھا۔اس لیے میرا نظریہ یہ رہا ہے کہ ہفتے کے دنوں کی سعادت ونحوست تو کچھ ثابت ہوتی ہے لیکن مہینے کے دنوں میں سعد اور نحس اور میانہ کے جو نقشے چھپا کرتے ہیں ان کا کوئی معتبر ماخذ نہیں ہے۔

جو لوگ سعادت اور نحوست کے منکر ہیں،ان کی تائید کے لیے بھی کچھ احادیث موجود ہیں چنانچہ تحف العقول میں حسن بن مسعود کی روایت ہے کہ میں امام علی النقی علیہ السلام کی خدمت میں گیا۔راستے میں میری انگلی زخمی ہوگئی اور مرکب جس پر سوار تھا،اس نے بھی مجھے بہت پریشان کیا اور راہ میں بھیڑ بھاڑ لوگوں کی اتنی تھی کہ میرے کپڑے پھٹ گئے۔اس حال میں پہنچا تو میں نے امام کے سامنے یہ جملہ کہا: کفانی اللہ شرك من یوم ما اشبك؛"اے کمبخت دن تو کیسا منحوس تھا،خدا ہی نے تیرے شر سے میری جان بچائی۔

حضرت نے یہ جملہ سن کر فرمایا: یاحسن ھذا وانت تغشانا ترمی بذنبك من لاذنب له؛"اے حسن! یہ عالم ہے جب کہ تم ہمارے پاس آیا کرتے ہو،تم اپنے گناہ کا الزام ایسے پر عائد کرتے ہو جو بے گناہ ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ امام کے اس جملے سے میری عقل واپس آئی اور اپنی غلطی کا احساس کیا۔میں نے عرض کی کیا حضور! میرے لیے خدا سے مغفرت کی دعا کیجیے۔حضرت نے فرمایا:۔یاحسن !ماذنب الایام حتیٰ صرتم تشاءمون بھا اذا جوزیتم باعمالکم فیھا۔"اے حسن! دنوں کا کیا قصور ہے جو تم انہیں منحوس قرار دیتے ہو،جب کہ ان میں تمہارے اعمال کی سزا ملے۔

پھر فرمایا:۔لاتعد ولا تجعل للایام صنعا فی حکم اللہ۔"اب ایسا نہ کرنا اور دنوں کی کارگزاری نہ سمجھنا اللہ کے فیصلے میں۔

اس کے علاوہ وسائل الشیعہ کتاب الحج میں ابواب آداب السفر کے آٹھویں باب میں یہ روایت ہے کہ اہل بغداد میں سے ایک شخص نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو لکھا اور مہینے کی آخری بدھ میں سفر کرے اس لیے کہ شگون ماننے والوں کی مخالفت کرنا چاہتا ہو تو وہ ہر آفت و بلا سے محفوظ رہے گا اور خداوند عالم اسے اس کے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے گا۔وہاں اہم واقعات کے انتساب سے مبارک اور منحوس ماننا جیسے ولادت معصومینؑ کی تاریخوں کو مبارک سمجھنا یا وفات کی تاریخوں کو اور اسی میں ایام عزاء داخل ہیں برا سمجھنا،یہ دوسری چیز ہے اور اس کی تائید بھی وسائل کی

www.kitabmart.in

ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ پیر منحوس دن ہے اس لیے کہ اس میں ہمارے رسولؐ نے رحلت فرمائی اور وحی کا دروازہ بند ہوا۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ
وَسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ
الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿٢٦﴾ إِنَّا مُرْسِلُو النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ
أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾
فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ
الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

''قبیلۂ ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا تو انھوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک عدد آدمی کی پیروی کریں۔اس صورت میں تو ہم بالکل گمراہ اور دیوانے ثابت ہوں گے۔کیا ہم میں سے اسی پر وحی خداوندی اتری ہے بلکہ یہ ایک گھمنڈ یا بڑا جھوٹا ہے۔انھیں بہت جلد کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون گھمنڈیا جھوٹا ہے۔ہم ایک خاص اونٹنی بھیجتے ہیں ان کے لیے ذریعہ آزمائش بنا کر تو انہیں دیکھتے رہو (کہ وہ کیا کرتے ہیں ؟) اور ضبط وصبر سے کام لو اور انہیں بتا دو کہ پانی ان کے درمیان تقسیم ہو گیا ہے۔گھاٹ پر ہر باری میں اس کا حق دار حاضر ہوگا تو اب لوگوں نے اپنے آدمی کو للکارا تو اس نے پکڑ کر (اس اونٹنی کو) پے کر ڈالا تو کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا اور ہم نے ایک بار دھمکایا تھا تو وہ ہو گئے بھرے ہوکھلیان میں خشک گھانس کی بھوسی کی طرح اور بلا شبہ ہم نے آسان قرار دیا ہے اس قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا''۔''ڈرانے والوں کو جھٹلایا''۔اس کی نظیر قبل میں کئی مقام پر آ چکی ہے اور وہاں لکھا جا چکا ہے کہ یا تو سمجھا جائے کہ اس قبیلے میں جناب صالح ؑ سے پہلے بھی کچھ انبیا آئے تھے اور یہ آخری تھے جن کے مقابلے میں ان کے کفر وتکذیب کا پانی سر سے اونچا ہو گیا تو ان پر عذاب نازل ہو گیا اور یا یہ کہ چونکہ تمام پیغمبروں کا بنیادی پیغام ایک ہی ہے،اس لیے ایک کا جھٹلانا سب ہی کو جھٹلانا ہے۔

قوم ثمود وناقہ صالح اور عذاب الٰہی کا آنا

پھر یہاں چونکہ نذر کی لفظ ہے جو ایک قابل لحاظ تشریح کے مطابق مصدر کے طور پر استعمال ہو رہی ہے لہٰذا ہم اس جملے میں بھی اسے مصدر ہی لے سکتے ہیں کہ قبیلہ ثمود نے انذار یعنی رسولؐ کی تبلیغ کو جھٹلایا،اس کے بعد وہ ایک رسول یا بہت رسولوں کی بحث پیدا ہی نہیں

www.kitabmart.in

ہوں گی۔

''کیا ہم اپنے میں سے ایک آدمی کی پیروی کریں''؟ اس کا مفہوم ہمارے نزدیک تو وہی ہے، جو دوسرے مقامات پر بہت نمایاں ہے کہ انہیں رسول کے بشر ہونے کی وجہ سے ماننا دشوار ہورہا تھا وہ کہتے تھے کہ ہم میں سے ایک آدمی اور ہم اسے پیغمبر مان کر اس کی اطاعت کریں۔یعنی اگر فرشتہ ہوتا یا کسی اور نوع کا مخلوق ہوتا تو ہم اسے ماننے کے لیے بلاعذر تیار ہوجاتے مگر دوسرے لوگوں کا ذہن ''ہم'' اور ''ایک'' کی طرف گیا ہے کہ ہم جماعت اور یہ ایک فرد یعنی ان کے نزدیک اصولاً فرد کو جماعت کا پیرو ہونا چاہیے۔نہ کہ جماعت اپنی کثرت کے باوجود ایک فرد کی پیروی کرے۔یہ ان کے نزدیک ناقابل قبول تھا۔اس مفہوم کے ہوتے ہوئے یہ ان کے لیے سرمہ چشم ہے جو نظام دین میں جماعت کی پیروی کو ''اصول ثابتہ'' میں سے قرار دے کر دین میں جمہوریت کے قائل ہوگئے ہیں۔انہیں محسوس ہونا چاہیے کہ یہ کافرانہ ذہنیت ہے۔

سعر کے معنی مفسر طبری نے مشقت وزحمت کے لکھے ہیں لیکن یہاں اس سے زیادہ جنون کے معنی چسپاں ہیں جس کا شاہد قرآن مجید میں دوسرے مقام پر موجود ہے۔

اب جب ان کی سمجھ میں کوئی خصوصیت نہیں تھی کہ ہم ہی میں کا ایک آدمی خدا کی طرف سے پیغمبر ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ دعوی ان کے نزدیک غلط ہے تو اس غلط دعوی کا محرک کیا ہے؟ وہ گھمنڈ ہے یعنی یہ غرور کہ دوسروں کو میری پیروی کرنا چاہیے، جیسا کہ دوسری جگہ جناب نوحؑ کے لیے ان کا مقولہ ہے کہ ان یتفضل علیکم وہ ہم پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا ہے کہ وہ پیشوا ہو اور تم سب اس کے پیرو ہو، خالق نے جواب میں کہا کہ عنقریب کل معلوم ہوگا کہ کون گھمنڈ کرنے والا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اصل گھمنڈ تو یہ ہے کہ جو شخص اپنے صفات کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ خالق نے اسے پیشوائی کے لیے منتخب کیا ہم لوگ اس کے سامنے سر جھکانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہو جیسے شیطان نے سجدہ آدمؑ سے بربنائے تکبر انحراف کیا تھا تو ویسے ہی تکبر کرنے والا وہ ہے جو قابل تعظیم کی تعظیم نہ کرے اور جس کی پیروی اسے کرنا چاہیے، اس کی پیروی سے انحراف کرے۔

اونٹنی کے ذریعہ آزمائش ہونے کا پس منظر روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جناب صالحؑ سے فرمائش کی کہ ہم اس وقت آپ پر ایمان لائیں گے جب اس پہاڑ کے اندر سے جس کی طرف انھوں نے اشارہ کیا ایک اونٹنی نکل کر ہمارے سامنے آئے۔

چونکہ قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ سنت الٰہیہ یہ رہی ہے کہ جب کسی خاص قسم کے معجزہ کی فرمائش ہوتی تھی اور وہ معجزہ آجاتا تھا اور لوگ نہیں مانتے تھے تو دنیاوی عذاب نازل ہوجاتا تھا۔علم الٰہی تو تھا ہی کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے تو یہ انجام ہوگا اس لیے کہا گیا کہ اچھا بطور اتمام حجت یہ کر کے دیکھ لو اور پھر ضبط وصبر کے ساتھ نتیجہ کا انتظار کرو اور ہماری اطاعت کی آزمائش اسی ناقے کے ذریعے سے ہے۔وہ یہ ہے کہ چشمے پر باری مقرر رہے گی ،ایک دن وہ ناقہ جا کر پانی پیے گا، اس دن کسی آدمی کو وہاں سے پانی پینے کا حق نہ ہوگا۔اور دوسرے دن وہ ناقہ پانی پینے نہیں جائے گا۔یہ لوگ پانی لینے جائیں، پیغمبر نے اس کا اعلان کردیا۔انھوں نے کچھ دن اس پر عمل کیا مگر پھر ان کے لیے یہ بات ناقابل برداشت ہوگئی اور انھوں نے طے کرلیا کہ ہم اس ناقے کو دنیا میں باقی رہنے نہیں دیں گے۔

کل شرب محتضر کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے کہ ہر ایک کو اپنی باری میں چشمے پر آنا ہوگا۔یہ مفہوم دوسروں نے بھی سمجھا ہے مگر ایک دوسرا مفہوم اس کا یہ کہا گیا ہے کہ ہر دن پینے کی چیز ان کے لیے مہیا ہوگی یعنی ایک دن تو پانی پینے کی ان کی باری ہوگی اور دوسرے دن پانی پر جانا ان

www.kitabmart.in

کے لیے ممنوع ہے اس دن انہیں اونٹنی کو دوھ کر اس سے دودھ حاصل کرنے کا حق ہوگا۔[1]

کھشیم المحتظر کے معنی میں بڑے ہی اختلافات ہیں لیکن واضح مفہوم وہی ہے جس کے مطابق اس مرکب اضافی کے دونوں جزوں کے لحاظ سے میں نے ترجمہ کیا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّآ ءَالَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَٰهُم بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِى مَن شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا۟ بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَٰوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِۦ فَطَمَسْنَآ أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا۟ عَذَابِى وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوقُوا۟ عَذَابِى وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾

''اور لوطؑ کی قوم نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا بلا شبہ ہم نے ان پر ایک سخت پتھراؤ کرنے والی اندھی بھیجی سوا لوطؑ کے خاندان والوں کے کہ انہیں پچھلے ہی کو نجات دے دی فضل و کرم سے اپنی کئے اسی طرح ہم صلہ دیتے ہیں اُنہیں جو شکر گزار ہوں اور انہوں نے ڈرا دیا تھا انہیں ہماری سخت گرفت سے تو وہ ڈرانے کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا رہے اور انہوں نے ان پر ڈول ڈالے ان کے مہمانوں کے بارے میں تو ہم نے ان کی آنکھوں کو ختم کر دیا تو چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ اور صبح تڑکے آ گیا ان پر عذاب جو ہمیشہ کے لیے ہے تو چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کے مزے کو اور بے شک ہم نے آسان بنایا قرآن کو نصیحت کے لیے تو کیا کوئی ہے سبق لینے والا''۔

قوم لوطؑ پر عذاب اور اس کا مختصر پس منظر

''ڈرانے والوں کو جھٹلایا'' اس پر ابھی ابھی تبصرہ آ چکا ہے، یا یہ سمجھا جائے کہ ان میں جناب لوط کے پہلے بھی کچھ نبی آئے تھے یا یہ کہ بنیادی پیغام چونکہ سب انبیا کا ایک ہے لہٰذا ایک جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے...... یا نذر کو مصدر لیا جس کی نظریں اس سورے میں ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ ہمارے ڈرانے کو جھٹلایا............ ہاں یہاں ایک تشریح اور بھی ہے جس سے نذر کے معنی ہوں ڈرانے والے'' مگر انبیا کا بکثرت قصور ضروری نہ ہو، وہ یہ کہ نذر کے معنی ہوں ڈرانے والے تذکرے، جو نبی کی زبان پر آتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ان سبھوں کو جھٹلایا۔[2] اب پہلے مجملاً جھٹلانے کے نتیجہ کا اظہار ہے، کچھ درمیانی واقعات کی تفصیل کی طرف اجمالی اشارہ ہے اس کا بھی صاف بیان دوسرے سوروں میں ہے۔

---

[1] عن مجاهد يحضرون الماء اذا غابت واذا جائت حضروا اللبن (ابن جرير)

[2] كذبت قوم لوط بأيات الله التى انذرهم وذكرهم بها ...ابن جرير اى الانذار وقيل هو جمع نذير يعنى الآيات التى انذرهم بها موسىٰ (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

چونکہ حصبآء سنگ ریزوں کو کہتے ہیں اور حاصب وہ آندھی ہے جس کے ساتھ سنگ ریزے ہوں اور ظاہر یہ ہے کہ اسی خارق عادت کی حد تک غیر معمولی شدت سے پتھروں کی بارش کا تصوّر وابستہ ہے لہٰذا یہاں جو بات کہی ہے اُس کی پرزور تعبیر ہے جو دوسری جگہ قرآن میں ہے کہ اُن پر پتھروں کی بارش ہوئی۔

''ان کی آنکھوں کو ختم کر دیا'' اس کا مطلب ایک تو یہ ہے کہ بصارت زائل ہوگئی چنانچہ تفسیر جامع الجامع میں ہے کہ اب وہ گھر سے باہر نکلنا چاہتے تو انہیں گھر کا دروازہ دکھائی نہیں دے رہا تھا حضرت لوطؑ نے انہیں پکڑ کر گھر سے باہر نکالا! ایک تصور یہ ہے کہ آنکھیں بالکل بے نشان ہوگئیں[1] طمس کے معنی چونکہ مٹانے کے ہیں لہٰذا اس لفظ کا قریبی مفہوم یہ ہو سکتا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

''اور فرعون والوں کے سامنے بھی ڈرانے والی چیزیں آئیں تو انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں گرفت میں لے لیا اس طرح جیسے ایک زبردست اقتدار والا طاقتور اپنی گرفت میں لے''۔

اس اجمال میں جناب حضرت موسیٰؑ کے تمام معجزات سمٹے ہوئے ہیں اور پھر گرفت کی لفظ میں ان کے ڈوبنے کا پورا حال مضمر ہے جس کی تفصیل قرآن میں دوسرے مقامات پر ہے، یہاں فقط اسے ان اشاروں سے یاد دلایا گیا ہے۔

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾

''تو کیا تمہارے کافر ان لوگوں سے بہتر ہیں یا تمہیں معافی کا پروانہ مل گیا ہے، کتابوں میں یا وہ کہتے ہیں کہ ہم بڑی یکدل جماعت ہیں جو فتح حاصل کر کے رہے گی، یہ جماعت بہت جلدی شکست کھائے گی اور یہ سب پیٹھ پھرائیں گے ہاں ان کی (اصل) سزا کا وقت مقرر ہے قیامت والی گھڑی کا اور وہ گھڑی سخت مصیبت اور بہت زیادہ تلخ منزل ہے''

زمانہ رسولؐ کے مشرکین کو سخت ترین الفاظ میں انتباہ

''شروع کیا گیا کلام اکفارکم قریش کی طرف رخ کر کے پھر جیسے متکلم نے ان کی طرف سے منہ موڑ لیا کہ یہ تو کسی سنجیدہ گفتگو کے لائق ہی نہیں ہیں لہٰذا دوسروں سے کہا جانے لگا۔ اس ذیل میں جن جن باتوں سے وہ تصور کر سکتے تھے کہ ہم اس انجام سے جو گزشتہ قوموں کا ہوا، دوچار نہیں ہوں گے، ان میں سے ایک ایک کو لے کر سوالیہ انداز میں اسے غلط قرار دیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ ایسا بھی نہیں ہے کہ تم

[1]۔ فسخناها وسويناها كسائر الوجه (صافی)

www.kitabmart.in

اوصاف وکردار میں ان قوموں سے بہتر ہو، ایسا بھی نہیں ہے کہ تمہیں کتب سماوی میں نجات کا پروانہ مل گیا ہو، پھر سب سے زیادہ ان کو جس چیز پر نازتھا، اسے دوسری طرف رخ کرکے کہا گیا ہے کہ یہ ان کا زعم کہ ان جماعت کی کثرت اور یک جہتی انہیں بچالے گی، بھی غلط ہے یہ کثرت یک دلی عارضی ہے۔ ہوائے انقلاب کا ایک جھونکا ان کے تتر بتر ہونے کے لیے کافی ہے۔

یہ شکست اور یہ انتشار اسی دنیا میں جلد ہی بدر کے میدان میں سامنے آگیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ روایت میں ہے کہ جب وہ لوگ بھاگ رہے تھے تو پیغمبر ﷺ ایک عجیب پرجوش خوشی کے ساتھ اسی آیت پڑھ رہے تھے سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ بعد میں کہا گیا ہے کہ یہ علامتی طور پر ان کی سزا ہے، اصل ان کی سزا قیامت میں ملے گی جو بہت زیادہ سخت ہوگی۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾

"یقیناً مجرم لوگ گمراہی اور دیوانگی میں ہیں، اس دن (معلوم ہوگا) جب آگ میں پھینکے جائیں گے اپنے منہ کے بل چکھو دوزخ کا مزہ"۔

پہلے قوم ثمود کے حال میں آچکا ہے کہ انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے ایسے آدمی کی پیروی کریں، یہ تو ہماری گمراہی اور دیوانگی ہوگی، اب یہاں بھی سعر کی لفظ گمراہی کے ساتھ ہی ہے بظاہر یہی معنی ہیں بعد میں جو آگ کا ذکر ہے، وہ اس کا نتیجہ ہے جو انجام میں ورنما ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سعر آگ سے جلنے ہی کے معنی میں ہو جس کا اطلاق حال میں باعتبار انجام مستقبل کردیا گیا ہے [1]

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾

"بے شک ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک پیمانہ خاص پر اور نہیں ہے ہماری بات مگر ایک دم مثل چشم زدن کے"۔

"پیمانہ خاص" ابتدا انتہا اور مدت بقاء کے لحاظ سے [2]

اس کا تعلق قضا وقدر کے مسئلہ کے ساتھ لیا گیا ہے اور اس کے لیے طبری نے صدر اول کے مفسرین کے کئی قول نقل کیے ہیں کہ وہ مجرم جن کا اس کے پہلے ذکر تھا، وہ ہیں جو تقدیر کے بارے میں جناب رسولؐ سے بحث کررہے تھے۔

"ہماری بات نہیں ہے مگر مثل ایک چشم زدن کے"۔ یہ وہی باتیں ہیں جن کے لیے دوسری جگہ یوں کہا گیا ہے کہ وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو بس حکم "کن" کے ساتھ وہ وقوع میں آجاتا ہے [3] اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد قیامت کا لانا ہے [4]

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾

---

[1]۔ فی سعر یعمی فی عذاب النار سعر هم و معناه انهم یصیرون الیه (تبیان)

[2]۔ له وقت واجل و مدة (علی ابن ابراهیم)

[3]۔ القمی یعنی یقول کن فیکون (صافی)

[4]۔ وما امرنا بمجیئ الساعة فی السرعة الا کطرف البصر عن ابن عباس (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾

''اور ہم نے سب ہی تمہارے ہم کیشوں کو ہلاک کر دیا تو کیا کوئی ہے سبق لینے والا، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا نامۂ ہائے عمل میں درج ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی ہے''۔

یعنی نیکی چاہے چھوٹی ہو یا بڑی ہو، وہ بھی نامہ عمل میں درج ہوتی ہے اور برائی چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، وہ بھی اس میں درج ہوتی ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

''یقیناً پرہیز گار لوگ بہشتوں اور نہروں میں ہیں، سچائی کے محل میں اس بادشاہ حقیقی کے دربار میں جو بڑا صاحب قدرت ہے''۔

''سچائی کے محل میں'' یعنی جہاں سچوں کے سوا جھوٹوں کا گزر نہیں تو وہاں کسی زبان پر کوئی گفتگو نہیں جو حقیقت کے خلاف ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَأْثِيْمٌ ''(طور۔ ۲۳) ''نہ وہاں کوئی بے کار گفتگو نہ گناہگار ٹھہرانے والی بات چیت'' اور ایک جگہ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيْمًا'' (واقعہ۔ ۲۵) نہ وہاں کوئی لغو بات سننے میں آئیگی اور نہ گناہگار ٹھہرانے کی'' [۱]

زیادہ ذہن سے قریب یہی معنی ہیں، ورنہ اس کے علاوہ کئی قول اس کی تشریح میں اور ہیں، مثلاً یہ کہ اس کا مطلب ہے ایسا مقام جو واقعی بہت اونچے درجے کا ہے ہر حیثیت سے پسندیدہ یا یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک دائمی طور پر برقرار رہنے والی جگہ ہے یا یہ کہ اللہ کا وعدہ اس محل کے داخلے سے سچائی ثابت ہوا ہے۔ [۲]

---

[۱]۔ فی المجلس حق لا لغو فیہ ولا تاثیم (تبیان)

[۲]۔ قیل صفہ بالصدق لکونہ رفیعا مرضیا وقیل لدوام النعیم وقیل لان اللہ صدق وعدہ اولیائہ فیہ (مجمع)

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ

مدنیّہ......۷۸......آیات

اس طرف کے بہت سے سوروں کی طرح اس سورے کا نام سورے کی پہلی ہی لفظ پر ہوگیا ہے۔اس میں خدا کی نعمتوں اور قدرت کی نشانیوں میں سے ایک ایک کا ذکر کرکے انسان وجن کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ کس کس کو جھٹلاؤ گے؟اس ذیل میں جن مضامین کا تذکرہ ہوا ہے۔

سورۂ رحمٰن کے خاص خاص مضامین:

۱......تخلیق انسان وتعلیم بیان۔

۲......نظام شمسی کا ارادۂ الٰہی کے ساتھ قیام۔

۳......نباتات خالق کے لئے سربسجود۔

۴......خالق کی طرف سے توازن کا قیام۔

۵......خلق خدا کے لیے نمونہ عمل۔

۶......زمین اور اس کے نباتات سب انسان کے لیے خداوندی نعمتیں ہیں جنہیں یاد رکھنا چاہیے۔

۷......انسان کی تخلیق خاک سے اور جنات کی آگ سے۔

۸......دومشرق اور دومغرب۔

۹......دودریاؤں کی آمیزش اوران سے موتی مونگے کی برآمد۔

۱۰......سب چیزوں کو فنا اور وجہ الٰہی کو بقاء۔

۱۱......قدرت الٰہی کے مقابلے میں انس وجن کی بے بسی۔

۱۲......ہول قیامت۔

۱۳......دوزخ کا منظر۔

۱۴......نعمات جنت کا ذکر جس کا سلسلہ آخر سورۂ تک ہے

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے“۔

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

www.kitabmart.in

''سب کو فیض پہنچانے والا، اسی نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کیا، اسے بیان کرنا سکھلایا''۔

تخلیق انسان و تعلیم کا بیان

تخلیق کے ساتھ بیان کے علم کا وابستہ کرنا پتہ دیتا ہے کہ اس سے وہ جوہر خاص مراد ہے جس سے انسان کا امتیاز دوسرے انواع حیوان سے ہے جس کی تعبیر علمائے منطق ''ناطق'' کے ساتھ کرتے ہیں۔

چونکہ اس سورے میں دنیا اور آخرت دونوں کی نعمتوں کا ذکر ہے، وہ بھی جو مؤمن و کافر سب کے لیے عام ہیں اور وہ بھی جو مؤمنین کے لیے خاص ہیں، اس لیے آغاز سورہ کا لفظ ''رحمٰن'' کے ساتھ ہوا۔

چونکہ مشرکین الرحمٰن سے بہت خوف محسوس کرتے تھے اور پوچھتے تھے کہ یہ رحمٰن کون ہے؟ اور پھر قرآن کے لیے کہتے تھے پیغمبر خدا ﷺ کو اس کی تعلیم کوئی آدمی دیتا تو پہلے جملے میں ان دونوں کا جواب ہوسکتا تھا۔ رحمٰن کا تعارف بھی جو آخر سورہ تک اس کی نعمتوں کے شمار سے قائم ہے اور اس کا بھی کہ انہیں قرآن کی تعلیم دیتا ہے؟ جواب ہے کہ وہی خدائے رحمٰن جس کی یہ سب نعمتیں ہیں اس نے قرآن کی تعلیم دی ہے۔ [۱]

رحمٰن کی لفظ کے ساتھ قرآن کا تذکرہ یہ تصور پیدا کرتا ہے کہ غائیہ کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ وجود خارجی میں مؤخر ہوتی ہے مگر وجود ذہنی میں مقدم ہوتی ہے تو خلقت انسانی کی بے شمار منزلیں طے کرنے کے بعد اگرچہ ظاہر میں رسول آیا جسے قرآن عطا ہو مگر خالق کا جو ہمہ گیر فیض کا مرکز ہے مقصود اول ایسی ہی ہستی کو پیدا کرنا تھا جو اس کے ہمہ گیر فیض کا جو ''رحمٰن'' کی لفظ سے ظاہر ہے مظہر اتم ہوتی ہوئی رحمت اللعالمین ہو جس پر یہ کتاب اترے جو ''ھدی للناس'' ہے اور اس لیے وہ نوع انسان کا مقصد تخلیق ہے جس کا پہلے ذکر کر کے پھر انسان کی تخلیق ہے لہٰذا اس کو آخر عمر بشر تک اس کی رہنمائی کے لیے غیر منسوخ حیثیت سے باقی و دائم رہنا چاہیے۔

وہ بیان جو عام معنی میں مطلق نوع انسان کی خصوصیت ہے اور جو تخلیق کے ساتھ وابستہ ہے خصوصی طور پر کچھ افراد انسانی کے لیے وحی اور الہام سے جو اس کی تعلیم ہے وہ علمه البیان کی مصداق اتم ہے اس بنا پر ایک تفسیر کے لحاظ سے تو الانسان سے مراد یہ معصوم ہستیاں ہیں [۲] اور وہ ان افراد کے لیے سرمہ چشم ہے جو معصومین علیہم السلام کو انسان کہنے کے روادار نہیں ہیں۔

درصورتیکہ نوع سے متعلق لیا جائے اور بیان سے مراد وہ جوہر امتیازی لیا جائے جس کی تعبیر منطق میں ناطق کی لفظ سے کی گئی ہے مگر اس ''ناطق'' کی تشریح کیا ہے حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ حیوان کی بولیاں بھی ان کا ایک طرح کا نطق ہیں جس سے اظہار مطالب ہوتا ہے جس طرح حضرت داؤد و سلیمانؑ کے لیے ہے علمناہ منطق الطیر ''ہمیں طائروں کی گفتگوؤں کا علم دیا گیا ہے'' اور ہدہد طائر اور پھر چیونٹی سے حضرت سلیمانؑ کی گفتگو کی صراحت ہے۔ پھر یہ نطق کیا ہے جو انسان سے مخصوص ہے۔

منطق کے مورث اعلیٰ ارسطو چونکہ اپنے فلسفی معقولات کی دنیا کے اسیر تھے لہٰذا انھوں نے ''ناطق'' کے معنی ''مدرک کلیات'' فارسی

---

[۱] ۔لما کانت هذا السورة مشتملة علی تعداد النعم الدنیویه ولآخر ة صدر ها بالرحمٰن (صافی)

[۲] ۔عن ابی الحسن الرضا۔ ذالك امیر المؤمنین علیہ السلام علمه بیان کل شئی یحتاج الناس الیه ...علی ابن ابراهیم)(وقیل محمد ﷺ (تبیان)

www.kitabmart.in

میں ''دریا بندۂ معقولات کے قرار دے مگر اہل دین کی زبان میں جو چیز ہے، وہ نظری طور پر امتیازی حق و باطل اور عملی حیثیت سے امتیاز حلال وحرام ہے۔اس لیے دینی حلقے کے قدیم مفسرین کے تعبیرات اس محور پر گردش کرتے ہیں مثلاً قتادہ کی جو کئی روایتیں ہیں، ان میں ایک میں ہے'' علمه الله الدنیا والآخرۃ تبین حلاله وحرامه '، اسے دنیا کی اور آخرت کی وضاحت کا علم دیا اور اپنے حلال وحرام کو بیان کیا۔

دوسری میں ہے کہ'' الدنیا والآخرۃ'' تیسری میں ہے'' تبین له الخیر والشر ومایاتی ومایدع ''اس کے لیے خیر وشر نمایاں ہوا اور جسے اختیار کرے اور جسے ترک کرے۔

مفسر طبری نے اس سب کی ہمہ گیر انداز میں اس طرح وضاحت کی ہے۔

ان الله علم الانسان مابه الحاجة الیه من امردینه ودنیاه من حلال والحرام والمعائش والنطق وغیرذالك ممابه الحاجة الیه لان الله جل ثناؤه لم یخصص بخبره ذالك انه علمه من البیان بعضا دون بعض بل عم فقال علمه البیان...... (جامع البیان)

اللہ نے انسان کو تعلیم دی ان باتوں کی جن کی اسے ضرورت ہے اپنے دین ودنیا کے امور میں سے خواہ امتیاز حلال وحرام ہو بسر زندگی کے طریقے اور اظہار خیال اور جو کچھ اسے ضرورت ہو، اس لیے کہ خالق نے اس اعلان میں کہ اس نے بیان کی تعلیم دی کسی ایک چیز کو امتیازی طور پر مخصوص نہیں کیا ہے بلکہ عام طور سے کہا ہے کہ اسے بیان کی تعلیم دی۔

ہاں عام طور پر یہ تعلیم عطائے قوت کے طور پر ہوتی ہے جو باختلاف مدارج رونما ہوتی ہے اور کچھ امتیازی ہستیوں کے لیے یہ تعلیم عطائے فعلیت کی صورت سے ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے دوسروں کی رہنمائی ہو۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿٦﴾

''سورج اور چاند ایک معیّن حساب کے ماتحت چل رہے ہیں اور بیلیں اور درخت سجدہ ریز ہیں''۔

خالق کے مقرر کردہ حساب سے پورا نظام ثوابت وسیارات چل رہا ہے اور بیلیں اور درخت اس کے مقرر کردہ قانون کے مطابق اپنے منازل حیات کو طے کرتے ہیں یہی ان کا سجدہ ریز ہونا ہے۔

جب کہ یہ معلوم ہے کہ کلام عرب میں بیلوں کو نجم کہتے ہیں تو ان لوگوں کا تصور جو نجم کو آسمان کے ستارے کے معنی میں لیتے ہیں [1] جبکہ درخت سے اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے، بلا وجہ ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ﴿٧﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿٨﴾ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿٩﴾

''اور آسمان کو اس نے اونچا کیا اور توازن قائم رکھنے کا اصول مقرر کیا تاکہ تم توازن قائم رکھنے میں سرکشی نہ کرو اور تم انصاف سے ٹھیک طریقے پر تولا کرو اور تولنے میں دوسروں کا خسارہ نہ کرو''

[1]۔عن مجاهد قال نجم السماء...ان قتادۃ یعنی نجم السماء (ابن جریر)

www.kitabmart.in

خالق کی طرف سے توازن کا قیام

''آسمان کو اونچا کیا'' کے معنی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ پہلے نیچا تھا، پھر اسے اونچا کیا بلکہ یہی معنی ہوسکتا ہے کہ اس نے اسے اونچا پیدا کیا [۱]
''میزان'' کہتے ہیں ترازو کو مگر ترازو عدالت قائم رکھنے کا ذریعہ ہوتی ہے اس لیے یہاں حقیقت شناس مفسرین نے **ووضع المیزان** کے معنی یہی کیے ہیں کہ اس نے عدالت کا معیار مقرر کیا ہے۔ [۲]
اور چونکہ عدالت کا معیار دین اور شریعت ہے اور آسمانوں کی بلند قرار دینے میں جس نظام کی طرف اشارہ ہے وہ نظام تکوینی ہے، اس لیے بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عدل سے نظام تشریعی مراد ہو جس میں عدالت کی اتنی اہمیت ہے کہ حدیث نبوی میں عدل پر آسمان وزمین کے نظام کا دارومدار بتایا ہے۔ [۳] اور اسی پر اس ہدایت عام کی بنیاد ہے جسے تاکیدی طور پر کہا گیا ہے کہ لین دین میں ترازو کو ٹھیک رکھو، جس کی بنا پر جناب ابن عباسؓ ان آیتوں کو بازار میں پڑھ کر دوکانداروں کو تاکید کرتے تھے کہ ناپ تول میں ناانصافی ایسا جرم ہے کہ بعض امم سابقہ پر اسی کی وجہ سے عذاب نازل ہوا تھا۔

وَالۡاَرۡضَ وَضَعَهَا لِلۡاَنَامِ ﴿۱۰﴾ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَكۡمَامِ ﴿۱۱﴾ وَالۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ وَالرَّيۡحَانُ ﴿۱۲﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

''اور زمین کو اس نے بنایا تمام خلائق کے لیے جس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت، خاص طرح کے غلافوں والے اور دانے کھانے کے کام آنے والے جو پتوں کے اندر ہوتے ہیں اور خوشبودار پھول تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کس کو تم جھٹلاؤ گے؟''

زمین اور اس کے نباتات خداوندی نعمتیں

اس پورے سورے کی ساخت اسی طرح ہے کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مخاطب جماعت کو تازیانے لگائے گئے ہیں کہ تم کس کس اللہ کی نعمت کو جھٹلاؤ گے اور نظم ونثر ہر ایک میں ادبی پیرایوں سے واقف افراد محسوس کرتے ہیں کہ یہ تکرار میدان مقصد میں ہر بار ایک مہمیز ہوتی ہے جس کی دھمک سے مخاطب د ماغ میں ہلچل پیدا ہوتی ہے۔
آغاز سورے کا غذائے روحانی کے ذکر سے ہوا تھا جو علم ہے اور سب سے آخر میں اب اس غذا کا ذکر ہو رہا ہے جو رزق جسمانی ہے تو اب یہ جملہ اس سب سے متعلق ہے کہ تم دونوں کس کس نعمت کا اپنے پروردگار کی انکار کروگے؟
''تم دونوں'' کون یہ ابھی کھل جائے گا جب انسان اور جنات کی خلقت کا ذکر ہوگا اور پھر بعد میں صراحۃ مخاطب بنایا جائے گا یا معشر الجن والانس'' اے جنات اور انسانو!'' یہی وہ ہیں جن پر مجاہدۂ نفس کے ساتھ خود اختیاری عبادت کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور ارشاد ہوا ہے''

---

[۱]. خلقتها مرفوعة (صافی)
[۲]. وضع العدل بین خلقه فی الارض (ابن جریر)
[۳]. بالعدل قامت السموٰت والارض (صافی)

www.kitabmart.in

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ. (الذاریات: ۵۶) ''میں نے جنات اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا ہے سوا اس مقصد سے کہ میری عبادت کریں۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ ﴿۱۵﴾

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۱۶﴾

''اس نے آدمی کو پیدا کیا کھنکھناتی ہوئی مٹی سے مثل ٹھیکرے کے اور جنات کو پیدا کیا آگ کے شعلے سے تو تم (دونوں) اللہ کی نعمتوں میں سے کس کس کو جھٹلاؤ گے؟''

پہلے انسان یعنی ابوالبشر کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی اس کے تفصیلات یہاں بیان نہیں کیے گئے ہیں بلکہ جیسے نسل انسانی کی تخلیق کے بیان میں کبھی نطفہ کہدیا یا کبھی اس کے بعد کی کیفیت کے لحاظ سے علقہ کہہ دیا۔ کبھی مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) کہا ہے۔ یہ سب یکے بعد دیگرے کیفیتیں ہوئی ہیں، ویسے ابوالبشر کی تخلیق کے منازل میں کبھی تو تراب کہا جو ابتدائی حالت تھی کبھی حمإمسنون جو تر کی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں، کبھی طین کہا ہے جو گیلی مٹی کو کہتے ہیں اور اس کے بعد جب پتلا بن گیا اور وہ بالکل خشک ہوگیا کہ اس میں ہوا کے چلنے سے کھنکھنانے کی آواز پیدا ہونے لگی تو اس وقت کے لحاظ سے صلصال کہا جاتا ہے اور اگرچہ یہ خشک ہونا اس کا ہوا سے ہوا ہے لیکن اب وہ سخت ایسا ہے جیسے ٹھیکرے ہوتے ہیں جو آگ میں پکائے جاتے ہیں۔

ان تمام منزلوں کو تفصیل سے حضرت امیرالمؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے ایک اپنے خطبے میں جو نہج البلاغہ میں شروع ہی میں ہے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۱۸﴾

''پروردگار دو مشرقوں کا اور دو مغربوں کا تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کس کو تم جھٹلاؤ گے۔''

دو مشرق اور دو مغرب

جب تک امریکا کا انکشاف نہیں ہوا تھا اس وقت تک کے معلومات کی حد تک دو مشرق اور دو مغرب کے معنی لیے جاتے تھے، گرمیوں کے موسم کا مشرق اور جاڑے کے موسم کا مشرق [1] اور بعض کہتے تھے کہ سورج اور چاند دونوں کے مشرق اور مغرب مراد ہیں۔ [2] لیکن امریکا کے معرض انکشاف میں آنے کے بعد دو مشرق اور دو مغرب بہت نمایاں ہوگئے ہیں جس طرح رب المشارق والمغارب کا مفہوم بہت سے سورجوں کے انکشافات سے نمایاں ہوگیا ہے جسے میں ''تفسیر بالرائی'' میں داخل نہیں سمجھتا جس کی وضاحت میں مقدمۂ تفسیر میں کی ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ﴿۲۰﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا

[1] ۔مشرق السمآء و مشرق الصيف (جلالين)

[2] ۔قيل المراد بالمشرقين مشرق الشمس والقمر وبالمغربين مغرب الشمس والقمر (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾

''اس دو دریاؤں کو جاری کیا اس طرح کہ وہ دونوں اکٹھا ہو گئے، ان کے درمیان ایک حد فاصلہ ہے وہ دونوں آگے نہیں بڑھتے، کس نعمت کو اللہ کی تم جھٹلاؤ گے نکلتے ہیں ان میں سے بڑے چھوٹے موتی تو اللہ کی نعمتوں میں سے کس کس کو تم جھٹلاؤ گے؟''

دو دریاؤں کی آمیزش اور ان سے موتی اور مونگے برآمد

مرج عام معنی ایک چیز کی دوسرے کے ساتھ آمیزش کرنے کے ہیں جو تقریباً (مزج) کے معنی ہیں چنانچہ عام طور پر یہاں بھی یہی معنی کیے جاتے ہیں مگر قدیم مفسرین یہاں بتاتے ہیں کہ مرج کے معنی ہیں چھوڑ دینا اس لیے جانوروں کے لیے کہا جاتا ہے مرج فلان دابه یعنی فلاں شخص نے اپنے جانور کو چھوڑ دیا اور رہا کر دیا۔[1]

اور میں نے یہاں پر ترجمہ اسی مطابق کیا ہے، اس لیے اگر مرج کے معنی آمیزش کرنے کے لیے جائیں تو پھر یلتقیان کا کوئی خاص مفاد نہیں ہوگا دوسرے یہ ان کے درمیان برزخ یعنی حد فاصل ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ایک کے اجزا دوسرے میں نہیں ملتے تو پھر مرج کے اس معنی کی گنجائش کہاں ہے؟

اب یہ بحرین دو دریا ہیں کون؟ اس میں کچھ حضرات نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے کہ یہ ایک دریا ہے آسمان کا اور ایک زمین کا اور وہ ہر سال باہم ملاقات کرتے ہیں۔

کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ دریائے فارس اور دریائے روم ہیں۔

اس سے بہتر یہ تھا کہ اس کے تعیین کرنے میں خود اس آیت قرآن سے مدد لی جاتی جس میں دو دریاؤں کا ذکر ہے۔

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا (فرقان - ۵۳) یہ میٹھا ہے اور یہ بالکل نمکین کھاری ہے اور خدا نے ان کے درمیان پردہ اور رکاوٹ کا سامان قرار دیا ہے۔

یہ منظر سفر دریا کرنے والوں کی آنکھوں کے سامنے آتا بھی ہے جہاں میٹھا دریا اور کھاری دریا یعنی سمندر دور تک کاندھے سے کاندھا ملائے چلتے ہیں، ادھر رنگت اور، ادھر اور، ادھر سے کسی ظرف میں پانی لیجیے تو انتہائی کھاری جس کا پینا غیر ممکن اور ادھر سے لیجیے تو میٹھا نہایت خوشگوار نہ یہ اس میں ملتا ہے اور نہ وہ اس میں ملتا ہے۔

اس پر تمام یہاں کے الفاظ منطبق بھی ہیں یا نہیں؟

یوں تو مرجان موتی کے علاوہ ایک اور چیز کو بھی کہتے ہیں جس کا نام مونگا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ وہ نباتات میں داخل ہے اور وہ دریا میں سے نہیں نکلتی مگر طبری نے بہت سارے اقوال نقل کیے ہیں جو ظاہر ہے کہ یہ سب عربی کے اہل زبان ہیں کہ لؤلؤ مرجان دونوں موتی ہیں صرف بڑے چھوٹے کا فرق ہے۔ اس لیے ہم نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔

---

[1] اذا خلاها و تركها (ابن جرير)

www.kitabmart.in

اب ایک نظری دقت یہ ہے کہ موتی بس ایک دریا یعنی سمندر میں پیدا ہوتے ہیں، دو سے نہیں، اس کا حل یہ ہے کہ چونکہ دونوں دریاؤں کا ایک لفظ تثنیہ سے ذکر کیا گیا ہے اس لیے اگر جب کہ ان میں سے ایک سے موتی برآمد ہوتے ہیں، تب بھی مجموعی طور پر ان دونوں ہی سے پیدا ہوئے جن کی طرف ضمیر تثنیہ کی پھیری گئی ہے۔

یہ تو وہ تشریحیں ہوئیں جو لغت وعرف کی مدد سے عقل کے سہارے سے نکالی جا سکتی ہیں لیکن ایک تاویلی معنی راسخون فی العلم کی طرف نسبت رکھتے ہوئے ہم تک پہونچے ہیں کہ بحرین سے مراد حضرت علی وفاطمہ علیہما السلام ہیں اور برزخ یعنی درمیانی حد فاصلہ سے مراد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے جن کی تربیت دونوں کے شامل حال رہی ہے اور لؤلؤ مرجان حسن وحسین علیہما السلام ہیں جو دونوں سے برآمد ہوئے ہیں[۱] یہ روایت صحابہ وتابعین میں کے کئی بزرگوں سے وارد ہے۔[۲]

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٥﴾

''اور اسکے قبضے میں ہیں وہ کشتیاں جو سمندر میں چلتی ہیں بلند کیے ہوئے بادبانوں کے ساتھ مثل پہاڑوں کے تو اللہ کی نعمتوں میں سے کس کا انکار کروگے؟

اس کے قبضے میں ہیں اس لیے کہ ان کی رفتار ہواؤں سے وابستہ ہے جو اس کے حکم سے چلتی ہیں چونکہ سابق زمانوں میں زیادہ تجارتی مسافر سفر دریا سے وابستہ تھے اس لیے نعم الٰہیہ میں ان کشتیوں کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ہے۔

بعض جدید اہل فکر وقلم نے جواری کو آب جاری سے لے کر اس کے معنی ندیوں کے لیے ہیں اور منشاٰت فی البحر کے معنی یہ لیے ہیں کہ وہ ندیوں سمندروں کے اندر وجود میں آتی ہیں اور کالاعلام کے معنی پہاڑوں کے نہیں، بلکہ سبزہ زاروں کے ہیں۔ اور سمندر کی سطح پر وہ ندیاں جو اس الگ رنگ کی ہیں ایسی نظر آتی ہیں جیسے سطح زمین پر درمیان میں لہلہاتے ہوئے گھانس کے تختے ہوں اور اس کے لیے امریکا کے بحر اوقیانوس کا پتہ دیا ہے کہ اس کی سطح پر ایسی ندیاں جاری ہیں جو برطانوی جزائر تک بہہ کر جاتی ہیں لیکن ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جہاں الفاظ کے معنی بدلنے کی ضرورت نہ ہو، صرف مصداق کی تلاش ہو جیسے رب المشرقین ورب المغربین، وہاں تو خیر، لیکن جہاں الفاظ کے معنی کا سوال ہو، وہاں ایسا مفہوم قرار دینا جس سے چودہ سو برس کے بعد بھی عام لوگ واقف نہ ہوں مگر چند آدمی جو امریکا کے انکشاف کے بعد کے دریا کے جغرافیہ کا مطالعہ کرتے رہے ہیں، بلاغت قرآنی کے خلاف ہے جس سے لکھنے والے کے وسعت معلومات کا پتا چل سکتا ہے مگر مراد الٰہی کی تشریح اسے نہیں سمجھا جا سکتا۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾

''ہر شخص جو اس (روئے زمین) پر ہے نیست نابود ہونے والا ہے اور باقی رہے گا تمہارے پروردگار کا چہرہ جو

---

[۱]۔علی وفاطمہ قال لاینبغی احدھما علی صاحبہ یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان قال الحسن والحسین علیہما السلام (علی ابن ابراھیم)
[۲]۔روی عن سلمان فارسی وسعید بن جریر وسفیان الثوری (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

بزرگی اور عزت والا ہے تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے؟

یوں تو نظام موت وحیات کا کلیًا نعمت الٰہی ہونا بالکل حقیقت ہے مگر یہاں چونکہ بعد میں وجہ الٰہی کے بقا کا بیان ہے، اس لیے بہت ممکن ہے کہ آخری جملے کا تعلق اسی سے ہوا۔ اب اس حقیقت کی بنا پر خداوند عالم جسم وجسمانیات سے بری ہے اس کے لیے وہ چہرہ نہیں ہوسکتا جو اعضائے جسمانی میں سے ہے اس لیے وجہ الٰہی وہ کامل آثار صنعت الٰہی ہیں جو مکمل ترین ذرائع معرفت الٰہی ہیں جن کا وجود مرکز فیض خلائق ہے۔[1]

لہٰذا ان کی بقا اس کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اسکی تائید میں ہمارے آئمہؑ کے بعض احادیث بھی ہیں۔ اس کے خلاف دو قول ہیں ایک اہل باطل کا یعنی مجسمہ جو خدا کی جسمیت کی قائل ہیں۔ اس لیے وہ اس کا چہرہ اس طرح مانتے ہیں جیسے ہر شخص کا چہرہ ہوتا ہے حنبلی جماعت کا رجحان اس طرف رہا ہے جس کے پرزور نمائندہ اپنے وقت میں شیخ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم الجوزی وغیرہ ہیں اور یہ بارہویں صدی ہجری کے بعد سے اب تک ابن عبدالوہاب اور ان کے نجدی علماء اور ہم خیال خاص وہابی عقیدے کے افراد جنہیں آل سعود کی پشت پناہی حاصل رہی اُس عقیدے کے علمدار رہے۔ ہمارے نزدیک یہ عقیدہ شان الٰہی کے خلاف ہے۔

دوسرا تصور جو ہمارے بعض علما کا ہے یہ ہے کہ وجھ کے معنی ذات الٰہی کے ہیں جیسے کہ بسم اللہ سے مقصود ہے اللہ سے مدد حاصل کرنا اور یہ بیچ میں اسم کی لفظ صرف عظمت الٰہی کے پیش نظر رکھتے ہوئے ایک لفظی واسطہ ہے، ویسے "كُلُّ شَيۡءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجۡهَهُۥ اور كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ" دونوں آیتوں میں مطلب یہی ہے کہ ہر شے فنا ہونے والی ہے صرف ذات الٰہی ہے کہ جسے ہلاک وفنا نہیں ہے۔ اس میں شان الٰہی کے خلاف تو کوئی بات نہیں ہے مگر بعض شواہد اسی پہلے مفہوم کو تقویت دیتے ہیں۔

يَسۡـَٔلُهٗ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِيۡ شَاۡنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾

"آسمان اور زمین میں جتنے ہیں، سب اس سے سوال کرتے ہیں۔ ہر دن اس کی ایک خاص شان ہے، اللہ کی نعمتوں میں سے کس کا انکار کرو گے"؟

یعنی کائنات کی کوئی ہستی اس کے فیض سے بے نیاز نہیں ہے۔ ہر ایک خواہ بزبان مقال یا بزبان حال اس کی بارگاہ میں دست سوال دراز کیے ہوئے ہے۔ یہ تو پہلے جز کا مفہوم بالکل صاف ہے۔ دوسرا جز کہ ہر دن اس کی ایک خاص شان ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ تغیر ذات باری میں محال ہے۔ اس لیے ہر دن جس کا مطلب ہے ہر دقیقہ، ہر ثانیہ اور ہر لمحے اس سے مراد اس کے کرشمہ ہائے قدرت اور مظاہر عمل ہی کر سکتے ہیں۔[2]

ہر دم اس کا سلسلہ فیض جاری ہے اور مختصر ترین جز وقت میں بھی اس کا سلسلہ فیض قطع ہو تو یہ "ہستی" نیستی میں مبدل ہو جائے۔ اس میں تقدیروں کی تبدیلیاں بھی داخل ہیں جنہیں قرآن مجید کے سورۂ حجر میں "محو واثبات" سے تعبیر کیا گیا ہے اور جس کا خاص موقع قرآن مجید نے شب وروز کو قرار دیا ہے۔

---

[1]۔ قال علی ابن حسینؑ نحن وجهه الذی یؤتی الله منه (علی ابن ابراھیم)

[2]۔ یحیٰ ویمیت ویرزق ویزید وینقص (علی ابن ابراھیم)

www.kitabmart.in

یہ خیال کہ تقدیرات سب ازل میں مقرر ہو گئے جن کے مطابق سب کچھ ہو رہا ہے۔اب خالق کو کوئی فیصلہ کرنا نہیں ہے۔نہ کوئی کام انجام دینا ہے جوانکار بداً کا ماحصل ہے،خلاف قرآن ہے اور ہمارے نزدیک اسے وجود باری کا تعطل لازم آتا ہے جوشان الٰہی کے خلاف ہے،قبولیت توبہ استجابت دعا اور مغفرت ذنوب یہاں تک کہ قبول شفاعت جو تمام دینی حقائق مسلمہ ہیں اس سے وابستہ ہیں۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾

''بہت جلدی اب ہم صرف تمہاری (خبر لینے کی) طرف متوجہ ہوں گے اے جنات وانسان تو آخرتم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''

یعنی ابھی تو دور تکلیف ہے۔مختتم طور پر جزا وسزا کا دور نہیں ہے اور گزشتہ آیت کے تعلق سے ابھی نظم عالم کے بے شمار کام یہیں کرنا ہیں بہت جلد وہ وقت آئے گا اور سب کاموں کا دور ختم ہو جائے گا اور بس تمہاری جزاوسزا کا معاملہ ہمارے سامنے ہوگا۔

اب یہ ان مکلفین کے حسن عمل اور سوءِ عمل سے وابستہ ہے کہ کسی کے لیے یہ بشارت ہو اور کسی کے لیے انداز ،مگر چونکہ وہ جن کا ضمیر مطمئن ہو اور وہ ایمان اور عمل دونوں اعتبار سے نجات اخروی کے مستحق ہوں نسبۃً کم ہی ہوتے ہیں۔اس لیے اکثریت کے لحاظ سے اسے تہدید ہی کہہ سکتے ہیں جس کے ساتھ اس کے بعد والی آیت کا بھی تناسب ہے اور ایسی تہدیدی آیتوں میں یہ اختتامی جملہ جو ہر فقرے کے بعد دہرایا جاتا ہے تہدید ہی کا جزبن جاتا ہے کہ جتنا ہو سکے تم ہماری نعمتوں کو جھٹلائے جاؤ۔اب وہ دن آرہا ہے جب تمہاری خبر لی جائے گی۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾

''اے جنّات وانسان کے گروہ ! اگر ایسا کرسکو کہ اطراف آسمان وزمین کے اندر سے گزر جاؤ تو گزرو!تم نہیں گزرو گے مگر کسی بڑے اقتدار سے تو آخر اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''

اب تک تو بغیر اقتدار کا مطلب یہی سمجھا گیا کہ یہ تعلیق محال بالمحال کے طور پر ہے کہ یہ اقتدار تمہیں حاصل نہیں ہے لہٰذا اطراف زمین وآسمان سے نکلنا تمہارے لیے ممکن نہیں ہے [۱] لیکن اب کے اہل نظر اس کے معنی یہ سمجھنے لگے ہیں کہ قرآن نے کسی ایسے وقت کی خبر دی ہے جب انسان کو ایسے ذرائع مہیا ہو جائیں گے وہ اس زمین اور اس کے افلاک کے حدود سے باہر نکل جائے ایسے ذرائع ہی کا سلطان کی لفظ کے ساتھ استثنا کیا گیا ہے۔[۲]

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

---

[۱] بقوۃ ولا قوۃ لکم علیٰ ذالك(جلالين)

[۲] آیا ساختن ''آپلو'' برای رفتن بماہ رسیدن بہ سلطان است؟آیا با آپلو بشر از اقطار زمین بآز اقطار زمین و سموت ھفتگان آنخارج نشدند؟(قاموس قرآن)

www.kitabmart.in

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾

''تم دونوں کی طرف بھیجا جائے گا ایک شعلہ آگ کا اور دھواں تو تم اس کے مقابلے میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے''

عام طور پر نحاس کا ترجمہ ''دھواں'' جیسے ہم نے کیا ہے ہوتا رہا ہے اور اسے قیامت کے پہلے والے علامت میں سے سمجھا جاتا رہا ہے مگر سابق الذکر اہل قلم جنہوں نے گزشتہ آیات کا جدید فضا کے حدود میں پرواز کر کے آگے جانے والے ذرائع پر محمول کیا تھا، انہوں نے اس آیت کو خاص نحاس ''تانبے'' کے معنی میں لے کر اسے ان آخری حدود میں جو آسمانی ذرات کو بارش کے معنی میں لیا ہے اور کہا ہے کہ:

آیا نحاس کہ بمعنی مس، دود، وسرب مذاب آمدہ سنگہای آسمانی نیست کہ باسرعت ۴۸ ہزار کیلومیٹر در ساعت درفضا حرکت می کنند و مانند دانہ ہای شن و گاہی ہم بزرگ اند؟''

آپلو دارای حفاظ و سلطان است کہ آن سنگہا داشتہ در بدنۂ آں کاریگر نیست''(قاموس القرآن)

اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان نے ایسا سامان کر لیا ہے کہ وہ ان آتشین پتھروں کی بارش سے بچ جاتا ہے گر یہاں اس آیت میں الا بسلطان کا استثناء نہیں ہے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ تم اس کے مقابلے میں کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔

فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٨﴾

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٠﴾

''توجب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ ایک گلاب کے پھول کی طرح ہوگا مثل سرخ چمڑے کے تو اللہ کی نعمتوں میں سے کس کا انکار کرو گے؟'' تو اس دن کسی آدمی اور جن سے اس کے گناہ کے متعلق پوچھا نہیں جائے گا، تو اللہ کی نعمتوں میں سے کس کا انکار کرو گے؟''

گلاب کے پھول اور پھر سرخ چمڑے کی تشبیہوں سے اس شدت تپش کا اظہار ہوتا ہے جو اس دن چھائی ہوئی ہوگی، عرب کے معیار فصاحت کے لحاظ سے تشبیہ میں کسی خاص پہلو سے بس شباہت کا لحاظ ہوتا تھا، اس کے علاوہ یہ دیکھنا نہیں ہوتا تھا کہ وہ شے جنس میں اس کے مماثل ہے یا نہیں یا مرتبے میں اس سے اونچی چیز ہے یا نیچی۔ یہ سب مقام تشبیہ میں خارج از بحث باتیں ہوتی تھیں۔ جیسے امرأالقیس نے اپنے ایسے معیاری قصیدے میں جو مؤلفات میں سب سے مقدم ہے، ہرن کی مینگنیوں کی تشبیہ کالی مرچوں سے دی ہے جو ہمارے اردو زبان کے ذوق کے بالکل خلاف ہے مگر کسی ایک زبان میں دوسرے اہل زبان کے ذوق کا لحاظ غلط ہے۔ اس کے لیے پوری صورت لانے کے لیے کبھی دو چیزوں سے تشبیہ دی جاتی تھی چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ آسمان کے شق ہونے کے بعد جو رنگت ہوگی، اسکے لیے وردا اور دہان کی دو لفظیں صرف کی گئی ہیں۔ پہلے **ورد** جس کے لغت کے لحاظ سے ایک معنی وہی ہیں جو ہم نے ترجمے میں لکھے ہیں اور پھول جسے ہم گلاب کہتے ہیں۔ دوسری تشریح جس کے لیے طبری نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ یہ ہے کہ **وردا** یک خاص رنگت کا سواری کا مرکب گھوڑا یا خچر ہوتا ہے، شاید فارسی میں اشقر اسی قسم کے گھوڑے کو کہتے ہیں۔ دوسرے **کالدھان** کے معنی ایک خاص طرح کے سرخی مائل زرد چمڑے کے لیے گئے ہیں۔ یہ عرب

www.kitabmart.in

کے لحاظ سے اس رنگ کے ذہن میں لانے کا قوی ذریعہ ہے اور دوسری تشریح یہ ہے کہ وہ تیل کے معنی والے میں سے ہے چونکہ تیل انڈیلنے کے بعد جو اس کا تلچھٹ ہوتا ہے، وہ اس کا رنگ ہوتا ہے اس میں ایک چمکیلا پن بھی ہوتا ہے۔[1] ہم سمجھتے ہیں جب وردکی لفظ میں رنگ کا اظہار ہو رہی گیا تو اب تشبیہ میں اس اضافے سے مزید اس چمکیلے پن کا اظہار مقصود ہوگا۔ اور دریافت حال کے لیے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی ۔حساب وکتاب وغیرہ سب اتمام حجت کے لیے ہوگا، جس کا وقوع دوسرے آیات قرآنی سے ثابت ہے مثلاً؛

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ.

''اور انھیں ٹھہراو، ان سے ابھی سوال ہوگا،

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ.

''تو قسم تمہارے پروردگار کی، ہم ان سب سے دریافت کریں گے اور اس کے متعلق جو یہ کرتے تھے۔

تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ.

''قسم خدا کی ضرورت تم سے سوال ہوگا اس کے متعلق جو تم سے سوال ہوگا اس کے متعلق جو تم کرتے تھے۔

یہ حساب کتاب والا سوال ہے جو خلائق منظر عام پر مجرموں کو متعارف بنانے اور ان کے جرائم ثابت کر کے ان کے سزاؤں کے احکام نافذ کرنے کے لیے ہے۔

یہ سوال وجواب جس کے لیے ''جواب دہی'' کی کوئی لفظ موزوں ہے، ان کے لیے سزائے اخروی کے ایک جز کی حیثیت رکھتی ہے۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

''گناہگار لوگ تو اپنے چہروں ہی سے پہچان لیے جائیں گے تو پیشانی کے پٹے اور پاوں پکڑ ے جہنم میں ڈال دیے جائیں گے بحوالہ (ترجمہ حافظ سید فرمان علی صاحب اعلی اللہ مقامہ) تو آخر اپنے پروردگار کی کس نعمت کو تم جھٹلاو گے، یہ دوزخ ہے جسے گناہگار لوگ جھٹلاتے تھے اب وہ اس کے اور گرم انتہائی کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گردش کر رہے ہیں، تو آخر تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا جھٹلاؤ گے؟''

''گردش کر رہے ہوں گے'' یعنی کبھی اس آگ میں ڈالے جائیں گے اور کبھی اس گرم پانی میں۔ مسلسل یہ عذاب ان پر جاری رہے گا۔[2]

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾

---

[1] ۔عنی به الدهن فی اشراق لونه لان ذالك هو المعروف فی كلام العرب (ابن ابراهيم)

[2] ۔يعنی يطوفون مرة بين الجحيم و مرة بين الحميم (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾

''اس شخص کے لیے جو اپنے پروردگار کی عظمت وجلال سے ڈرتا رہے، دو(۲) دو(۲) باغ ہونگے تو اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا جھٹلاؤ گے؟''، جن میں رنگ برنگ کی چیزیں ہیں، تو پروردگار کی کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟'' ان میں دو دو چشمے رواں ہوں گے تو اپنے پروردگار کی کس نعمت کا جھٹلاؤ گے؟'' ان میں ہر پھل کے جوڑے ہوں گے تو اپنے پروردگار کی کس نعمت کا جھٹلاؤ گے؟'' گاؤ تکیہ سے لگے بیٹھے ایسے بچھونوں پر جن کے استر ریشم کے ہوں گے اور ان دو باغوں کے بالکل تیار پھل ان سے بہت نزدیک ہوں گے، تو اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا جھٹلاؤ گے؟''

نعماتِ جنّت کا ذکر

مقام ربّہ میں مقام کا ترجمہ عظمت جلال کے ساتھ اس مجبوری سے ہے کہ جسمانی طور پر موقف یا منزل کی تعبیر اس کے لیے نہیں ہوسکتی عظمت وجلال میں اسکی علامت بھی ہے جس سے بندئے کو کوڈرتے رہنا چاہیے بعض لوگوں نے مقام ربه کی تشریح اس طرح کی ہے کہ اس کی برگاہ میں اپنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہے جسے قرآن میں کہا ہے:

يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (المطففين-٦)

جس دن سب لوگ پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہونگے متعدد افراد نے اس کے مطابق تشریح اور ترجمہ کیا ہے۔[1]

ہماری نظر میں یہ تشریح الفاظ کے ظاہری مفہوم سے بعید ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کا عملی تقاضا یہ ہے کہ وہ گناہوں سے پرہیز رکھے گا جیسا کہ جناب ابن عباسؓ نے کہا: وعدالله جل ثناؤه المؤمنين الذين خافو مقام ربه فادو فريضة الجنة۔

اللہ کا وعدہ ہے جنت کا ان مؤمنین سے جنہوں نے خوف خدا رکھا تو اس کے فرائض ادا کیے۔

دوسری صورت میں ان کے الفاظ یہ ہیں: الخائف من ركب طاعة الله و ترك معصية ''ڈرنے والا وہ ہوگا جو اطاعت الٰہی بجالائے اور معصیت خداوندی کو ترک کردے، اسی کے موافق قتادة اور بعض دوسرے حضرات کے اقوال ہیں جنہیں طبری نے درج کیا ہے مگر چند روایتیں جناب ابودرداؑ سے عجیب وغریب نقل ہوئی ہیں جن میں انہوں نے رسولؐ سے اس آیت کو سن کر پوچھا:

ان زنی وان سرق. چاہے وہ بدکار رہا ور چور ہو۔

---

[1] ۔ ايستادن بحضور پروردگار خويش (شاہ ولی اللہ) کھڑے ہونے سے آگے پروردگار اپنے کے...شاہ رفیع الدین) للحساب (جلالین)

www.kitabmart.in

آپ نے جواب میں وہی آیت پڑھی اور ان کے متعجبانہ طور پر دوبارہ اور سہ بارہ سوال کرنے پر بعد میں سخت سرزنش کے انداز میں فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ چاہے ابودرداء کو کتنا ہی ناگوار ہو[1] ہماری سمجھ میں تو یہی نہیں آتا کہ الفاظ قرآن سے جناب ابوالدرداء کو اس تصور کی گنجائش کیوں محسوس ہوئی؟ کیا خوف الٰہی رکھتے ہوئے سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی ایسے شدید گناہوں کا ارتکاب کرے گا اور پھر رسولؐ اس کی تصدیق فرمائیں اور ابوالدرداء کے اظہار تعجب پر سخت سرزنش فرمائیں۔ ہمارا ذہن اس روایت کو قبول کرنے سے قاصر ہے۔

اب جب کہ باغ بھی دو چشمے بھی دو وہاں کے پھل بھی دو دو قسم کے، اس سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کلام عرب میں دو کی لفظ کی تعداد یعنی کئی عدد ہونے کے اظہار کے لیے آتی ہے، اس میں دونے کی خصوصیت مدنظر نہیں ہوتی، بعض نے دو کی خصوصیت کو محفوظ رکھتے ہوئے دونے کی توجیہ اپنے ذہن کے مطابق کی ہے مثلاً یہ کہ ایک باغ قصر کے اندر اور ایک قصر کے باہر بیرونی احاطے میں یا یہ کہ ایک باغ خود اس کے رہنے کا ہے اور ایک اس کے متعلقین کا یا یہ کہ ایک سونے کا ہے اور ایک چاندی کا۔ ان سب کے لیے مستند کی تشنگی شدت کے ساتھ محسوس ہوتی ہے جو مفقود ہے۔ باغوں کے وصف میں **ذواتا افنان** جو ہے تو افنان کے معنی شاخوں کے بھی ہوتے ہیں اور بعض نے یہی کہے ہیں مگر باغوں کے ساتھ اور وہ بھی جنت جس سے گھنے پن کا اظہار ہوتا ہے اس کے ساتھ شاخوں کا تصور ایک جز کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے زیادہ تر افراد نے افنان کو اقسام کے معنی میں لیا ہے یعنی رنگا رنگ اور گونا گوں............ اس صورت میں **من کل فاکھۃ زوجان** کو اس کی مزید تشریح ماننا لازم ہے۔

فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٧﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾

''ان میں نظروں کو محدود رکھنے والیاں ہیں جنہیں ان سے پہلے کسی آدمی نے اور نہ کسی جن نے چھوا تک نہیں ہے۔
تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کا انکار کرو گے؟''
کہ یاقوت اور بڑے بڑے موتی ہیں، تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کا انکار کرو گے؟''

حوریں آخرت میں صنف نازک کے کمال اوصاف کا نمونہ ہیں ان کے لیے خالق نے ہر جگہ ایسے اوصاف کہے ہیں جیسے یہاں **قاصرات الطرف** 'نظروں کو محدود رکھنے والیاں' اور اس کے بعد **مقصورات فی الخیام** 'اپنے خیموں میں محدود رہنے والیاں' یہ اوصاف س طبقے کے لیے خالق کی نگاہ جو اخلاقی اقدار معیار شرافت ہیں ان کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ حجاب میں ہے بے پردگی میں نہیں ہے۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾

''کیا اچھائی کا بدلہ اچھائی کے سوا کچھ اور ہے؟ تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے؟''

احسان کے معنی اردو میں جو ہیں، ان میں کسی کے ساتھ بلا استحقاق کسی حسن سلوک کا پہلو مضمر ہے عربی میں احسان کے معنی بس حسن عمل ہی کے ہیں، اس میں وہ بار منت مضمر نہیں ہے جو اردو کے لفظ احسان میں ہے۔ یہاں پہلا احسان ہے بندوں کی طرف سے اپنے خالق کی بارگاہ میں حسن اعتقاد اور حسن عمل کہ جسے قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر ایمان و عمل صالح اور کہیں ایمان و احسان'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور چوں کہ

---

[1] زعم انف ابی الدرداء (ابن جریر)

www.kitabmart.in

ایمان شرط حصول جزا ہے مگر جزا جو ہے، وہ از روئے قرآن حسن عمل ہی کی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہاں لفظ احسان ہے اس سے بھی مراد ”حسن کردار“ ہے اور پھر اس کے مقابل میں جو احسان ہے وہ اس کے صلے کی صورت میں حسن سلوک ہے جو ثواب آخرت کی شکل میں سامنے آئے گا جس کے تذکرے کے درمیان میں یہ آیت آئی ہے! یہ حل کہہ کر سوال زیادہ تر ایسے محل پر آتا ہے جہاں اس کے مضمون کا فیصلہ خود عقل و ضمیر و وجدان سے ہوتا ہے یعنی اس کے خلاف ممکن نہ ہو، احسان کے بدلے احسان نہ ہونا ظلم ہے اور ایسا ہونا عدل الٰہی کے خلاف ہے اس لئے غیر ممکن الوقوع ہے۔ اس طرح یہ آیت بھی ثبوت عدل کے دلائل میں آسکتی ہے۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَاۗمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾

”اوران دو کے علاوہ دو باغ اور ہیں تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے (جو سرسبزی کی شدت اور کثرت کی وجہ سے) سخت سیاہ نظر آئیں گے، تو تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں دو چشمے ہوں گے جوش مارتے ہوئے تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں پھل ہیں اور کھجور اور انار تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کو جھٹلاؤ گے؟“

گزشتہ سلسلہ آیات میں جو ایک بحث آئی تھی کہ دو سے مراد دو ہی ہیں یا کنایہ ہے کثرت تعداد سے اس سلسلہ آیات سے اس پہلے پہلو کو تقویت ملتی ہے، اس لیے کہ دو کے ساتھ تو اس کی مناسبت ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی دو ہیں لیکن ”کثرت“ کے ساتھ یہ کہ اور بھی بکثرت ہیں، کوئی خاص تناسب نہیں رکھتا۔

من دونہما کر ترجمہ جوان کے علاوہ ہم نے کیا، اس دو باغوں اور ان میں کسی فرق کا پتہ نہیں چلتا نہ ان کے حق داروں میں مغائرت ثابت ہوتی ہے کہ وہ باغ کسی اور کے لیے ہیں اور یہ دو باغ کسی اور کے لیے ہیں۔ بلکہ جیسا کہ بعض کا خیال ہے ہر قصر میں اندر اور باہر دو دو باغ ثابت ہوتے ہیں اور ایک معنی لفظ دون کے نزدیک کے ہیں کہ ان دونوں باغوں کی نوعیت اور درجے میں کوئی فرق نمودار نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف ایک معنی دونہما کے یہ کہے گئے ہیں کہ ان سے کم درجے کے دو باغ ہیں، اور جیسا کہ ابھی سورۂ واقعہ میں آئے گا خود بہشت میں دو طبقے ہیں ایک اعلیٰ طبقہ جو السابقون السابقون کا ہے جو مقربین ہیں اور ایک طبقہ اصحاب الیمین کا اور ظاہر ہے کہ جب افراد کے مراتب میں فرق ہے تو ان کے باغوں میں بھی فرق ہونا چاہیے۔[1] مُدْهَاۗمَّتٰنِ، کے معنی ہیں سیاہی مضمر ہے تو اس کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ شدت کے ساتھ سرسبزی ہو تو اس میں سیاہی پیدا ہو جاتی ہے[2] ہو سکتا ہے اس میں درختوں کی کثرت اور سبز پتوں کی تہہ

---

[1]۔ قال الحسن الاولیان السابقین والاخیرتان التابعین (تبیان)

[2]۔ مسجودتان من شدت خضرتهما (ابن جریر)

www.kitabmart.in

درتھہ افراط کا دخل ہو۔[1] فاکھتہ ونخل ورمان میں تو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "نخل ورمان" کھجور اور انار" فاکہہ میں داخل نہیں ہیں لیکن دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ فواکہہ میں ہیں تو لیکن اہمیت کے لحاظ سے ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا کہ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی جس کا مطلب یہ ہے کہ پابندی کرو عموماً نمازوں کی اور خصوصیت کے ساتھ صلوٰۃ وسطی کی جس کی تفسیر پہلے درج ہو چکی ہے۔

فِيهِنَّ خَيْرَٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧١﴾ حُورٌ مَّقْصُورَٰتٌ فِى ٱلْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٥﴾

"ان میں بڑی خوش کردار حسینا ئیں ہیں، تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کو جھٹلا ؤ گے؟" وہ حوریں جو خیموں کے اندر محدود رہتی ہیں، تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کو جھٹلا ؤ گے؟" جنہیں انسان اور جنات میں سے کسی نے انہیں چھوا تک نہیں، تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کو جھٹلا ؤ گے؟"

حسان جس سے بآسانی ذہنی تصور خوب صورتی کا ہوتا ہے، اس کے قبل خیرات کی لفظ کہنا بظاہر اس لیے ہے کہ حسن صورت سے مقدم حسن سیرت ہے چنانچہ پیغمبر ﷺ نے جناب ام المؤمنین ام سلمہؓ کے دریافت کرنے پر یہی اس کی تشریح فرمائی [2] جیسا کہ گزشتہ سلسلہ آیات میں بھی روشنی ڈالی جا چکی ہے قبل میں حوروں کا وصف یہ تھا کہ وہ اپنی نگاہوں کو محدود رکھتی ہیں اور اب یہاں یہ کہ وہ خود خیموں کے اندر محدود رہتی ہیں، یہ سب عصر حاضر کے ارتقائی تصور کے خلاف ہے جس کے معیار کے لحاظ سے وہ اس صنف کی کسی فرد کی تعریف میں کہتے ہیں کہ وہ بہت "ایڈوانس" ہے یا سوشل ہے۔ حالانکہ اس کے پہلے کی آیت میں بھی اور یہاں بھی "چھوا تک نہیں" اس کا مطلب یہی ہے کہ ان سے تعلق ازدواجی کسی کا اس کے پہلے قائم نہیں ہوا ہے جس طرح حضرت مریمؑ کی زبانی قرآن مجید میں ہے کہ ولم یمسسنی بشر "مجھ کو کسی انسان نے چھوا نہیں"...... اس کا بھی مطلب یہی ہے کہ کسی نے بحیثیت شوہر مجھ میں تصرف نہیں کیا ہے۔

مُتَّكِـِٔينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِىٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٧﴾ تَبَٰرَكَ ٱسْمُ رَبِّكَ ذِى ٱلْجَلَٰلِ وَٱلْإِكْرَامِ ﴿٧٨﴾

"گاؤ سے لگے بیٹھے ہوئے سبز رنگ کے بچھونوں اور خوبصورت گدوں پر، تو اپنے پروردگار کی نعمتوں میں سے کس کو جھٹلا ؤ گے؟" قائم ودائم ہے نام تمہارے پروردگار کا جو عظمت وبزرگی والا ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ تمہارا پروردگار قائم ودائم ہے مگر اس نام کا اضافہ ویسے ہی ہے جیسا کہ بسم اللہ میں جس کی ہم نے تفصیل کے ساتھ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں تشریح کی ہے۔

---

[1]۔ از بنو ھی درختان سیاہ می نماید (قاموس القرآن)

[2]۔ خیرات الاخلاق حسان الوجوہ (ابن جریر)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ الْوَاقِعَةِ

مکیّہ......۹۶......آیات

پہلی ہی آیت میں واقعہ کی لفظ ہے، اسی پر سورے کا نام ہوا۔

سورۂ واقعۃ کے خاص خاص مضامین:

۱......احوال واہوال قیامت۔

۲......تین قسم کے لوگ، دو قسم والے اہلِ بہشت اور ایک قسم والے اہلِ دوزخ۔

۳......اہل بہشت کا وجد آفریں۔

۴......اہل دوزخ کا وحشت آفریں حال۔

۵......انکار معاد سب سے بڑا جرم۔

۶......ثبوت معاد کے لیے قدرت الٰہی کے حوالے اور اس کے مقابلے میں انسان کی عاجزی۔

۷......نعمات الٰہی کی یاددہانی سے شکرگزاری کی دعوت۔

۸......قرآن کی توصیف۔

۹......مس حروف قرآن کے لیے طہارت کی شرط۔

۱۰......موت کے مقابلے میں انسان کی بے بسی۔

۱۱......تینوں قسم کے لوگوں کے انجام کا خلاصہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝۳

''جب وہ وقوع میں آنے والی ساعت آگئی اور اس کے وقوع میں کسی جھوٹ کا شائبہ نہیں، وہ نیچا دکھانے والی اور اونچا کرنے والی ہوگی''

یعنی کچھ جو دنیا میں اونچے تھے، اس دن پستی میں گرفتار رہوں گے اور کچھ جو دنیا میں نیچے سمجھے جاتے تھے آج ان کی برتری نمایاں ہوگی۔

www.kitabmart.in

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ﴿٦﴾

''جب زمین پوری طرح تھرا جائے گی اور پہاڑ پوری طرح ریزہ ریزہ اس طرح ہو جائیں گے کہ وہ فضا میں اڑتے ہوئے بے حقیقت ذرّے ہیں''۔

ھباء کالفظ پہلے قرآن میں آچکا ہے جس کے ترجمے کے لیے درحقیقت اردو میں کوئی لفظ نہیں ہے، اس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے کہ کسی روشن دان سے دھوپ آرہی ہو تو اس دھوپ میں فضا کے اندر کچھ اڑتے ہوذرے نظر آئیں گے جنہیں ہاتھ سے پکڑنا چاہیں تو ہاتھ میں آتے کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی۔[1] ھباء کی صفت دوسری جگہ قرآن میں منثور آئی ہے یعنی بکھرے ہوئے اور یہاں اس کی صفت منبث آئی ہے یعنی پھیلے ہوئے، مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

وَّكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾ فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَا أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾ وَأَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَا أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾ أُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾

''توتم تین قسم کے لوگ ہو گے اور دائیں طرف والے (کیا جانو) کیا ہے یہ دائیں طرف والے اور بائیں طرف والے (کیا جانو) بائیں طرف والے کیا ہیں؟ اور وہ جو سبقت کرنے والے پورے پورے سبقت کرنے والے ہیں، یہ لوگ خاص مقرب افراد ہیں نعمت کے خاص باغوں میں''۔

مشامۃ کی لفظ ہے توشوم سے جس کے معنی نحوست کے ہیں مگر چونکہ بائیں سمت عرب میں منحوس سمجھا جاتا تھا اس لیے بائیں کو مشامۃ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسی سورے میں تھوڑی دور پر اس کے بعد انہی لوگوں کی تعبیر اصحاب الشمال سے کی گئی ہے جس کے لفظی معنی ہی ہوئے ''بائیں طرف والے''۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٤﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾ بِأَكْوَابٍ وَّأَبَارِيْقَ ۙ وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٢١﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾

''ایک بہت بڑی جماعت پہلوں میں سے اور بہت تھوڑے آخروں میں سے، ایک دوسرے سے بالکل

[1] الھبا التی تدخل فی الکرّۃ من شعاع الشمس (علی ابن ابراھیم)

www.kitabmart.in

ملے ہوئے طلا کار گاوسے لگے ہوئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے، ان کے آگے گردش کررہے ہوں گے ہمیشہ کی زندگی والے لڑکے جام، صراحی سبو وساغر لیے ہوئے پاک صاف شراب جس میں دردسر ہوتا ہے اور نہ ہوش وخرد ہاتھ سے جاتا ہے اور پھل جو وہ پسند کریں اور پرندوں کا گوشت جوان کی خواہش ہو اور بڑی آنکھوں والی خوب صورت حوریں صلے میں ان اعمال کے جو وہ کرتے تھے''۔

چونکہ ہر نبی پر ایمان میں سبقت کرنے والے سابق ہیں اور ظاہر ہے کہ اولین میں انبیاء کی کثرت ہے اور آخری امت میں تو ایک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو چاہے آپ کی امت کی مردم شماری قیامت تک کتنی ہی بڑھ جائے مگر سبقت کرنے والے تو اس وقت کے معدودے چند ہوں گے لہٰذا اولین کے لیے سابقین کی جماعت میں کثرت ہے اور آخرین میں سابق افراد معدودے چند ہیں[1] اور ان میں بھی جو سب سے پہلا سبقت کرنے والا ہے وہ ایک ہی ہوسکتا ہے، زیادہ ہو ہی نہیں سکتے۔[2]

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿٢٦﴾

''نہیں سنیں گے وہ اس میں کوئی بے کار اور گناہ گار بنانے کی بات مگر بس ایک گفتگو دعا اور اسلام''۔

الاّ کلمہ استثناء ہے اور استثناء کی دو قسمیں ہیں ایک استثنائے متصل جس میں الا کے بعد والی چیز جو مستثنیٰ کہلاتی ہے الا کے قبل والے عنوان کے تحت میں داخل ہوتی ہے اور اسے الا کے ذریعے اس حکم سے خارج کیا جاتا ہے، یہاں ایسا نہیں ہے اس لیے کہ دعا سلام نہ لغو ہے اور نہ تاثیم یعنی گناہ گار بنانے کی بات۔ لہٰذا یہ استثنا کی دوسری قسم ہے جسے منقطع کہتے ہیں۔ اس سے پہلی ہی بات میں ذرا زیادہ زور پیدا ہوجاتا ہے یعنی دعا و سلام کے سوا کوئی بات نہ سنائی دے گی تو لغو اور تاثیم والی بات کہاں گوش زد ہوگی۔

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾

''اور دائیں ہاتھ والے کیا کہنا دائیں ہاتھ والوں کا ایسے بیری کے درختوں میں جن میں کانٹے نہیں ہوں گے اور کیلے تہہ بہ تہہ اور دور تک پھیلی ہوئی چھاؤں اور پانی بہتا ہوا اور پھل کثرت سے جو نہ ختم ہونے والے ہیں اور ان میں کوئی رکاوٹ ہے اور ایسے بچھونے جو اونچے اونچے ہیں''۔

اس سے پہلے ہی پارے کی اُس آیت میں کہ:

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ (بقرۃ۔۲۵)

جب انہیں وہاں کوئی کھانے کی نعمت ملے گی وہ کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے ملی تھی حالانکہ وہ اب ملی ہے انہیں ملتی جلتی ہوئی۔

---

[1]۔ انا قال ذالك لان الذين سبقوا الى اجابة النبي قليل من كثير ممن سبق الى النبيين (تبيان)

[2]۔ السابق في امة محمد علي ابن ابي طالب (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

لکھا جاچکا ہے کہ نعیم جنت کے ذیل میں جن پھلوں کے نام قرآن مجید میں لیے گیے ہیں، وہ نام اس لیے ہیں کہ عربی زبان والے ان سے متعارف تھے لیکن نعمات جنت کو ان پھلوں میں محدود نہیں سمجھنا چاہیے اس لیے ان پھلوں کے ذکر میں عربی کے جو نام ہیں ان کے متبادل ترجمے کی زیادہ اہمیت نہیں ہے، چنانچہ طلح کے ترجمے میں جو ہم نے کیلے کی لفظ لکھ دی ہے، یہ ایک تشریح کی بنا پر ہے کچھ لوگوں نے اس سے مختلف تشریحیں کی ہیں۔[1] فرش مرفوعۃ کا ترجمہ "ایسے بچھونے اونچے اونچے ہیں" یہ وہ مفہوم ہے جو لفظوں سے بلا تکلف ذہن میں آتا ہے بعض لوگوں نے بعد والی آیتوں کے تناسب سے جو اس کے معنی لیے ہیں، وہ ابھی درج کیے جائیں گے۔

إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ لِّأَصْحَٰبِ ٱلْيَمِينِ ﴿٣٨﴾

"یقیناً ہم نے انہیں پیدا کیا جیسا پیدا کرنا چاہیے تو انہیں کنوارا بنایا گرویدہ بنانے والیاں، برابر کے سن و سال والی دائیں ہاتھ والوں کے لیے"۔

"انہیں پیدا کیا" ھُنَّ ؟ ضمیر جمع مؤنث کی ہے جسے حوروں کی طرف پھرنا چاہیے مگر حوروں کا ذکر یہاں پہلے تھا، بیچ میں دوسرا ذکر آگیا جو پہلے سلسلے سے الگ ہے اس لیے ابھی جو فرش مرفوعہ کی لفظ تھی جس کا ترجمہ بچھونوں کے ساتھ کیا گیا تھا اسے کہا گیا ہے کہ اس سے ازدواج یعنی بیویاں مراد ہیں کیوں کہ جیسا کہ قبومی (لغت کے ماہر) نے مصباح المنیر میں لکھا ہے عرب میں فرش کی لفظ رشتۂ زوجیت کے اظہار کے لیے آتی ہے مگر جیسا کہ وہاں ہم نے اس فقرے کے ترجمے کے تحت میں لکھا ہے جس محل پر جملہ ہے وہاں اس سے ذہن میں وہی معنی آتے ہیں جن کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بستر کی لفظ سے فرش میں مضمر ہیں سننے والے کے ذہن میں "ہم بستروں" کا تصور پیدا ہوتا ہے، اس خطور ذہنی کو مدنظر رکھتے ہوئے فرش کی لفظ کے بعد ان ازواج کی توصیف شروع کر دی گئی۔

اب اگر ان ازواج سے حوریں ہی مراد ہیں جیسا کہ عام طور پر آخرت والی ازواج سے ذہن میں آتا ہے تو اَنْشَاْنٰھُنَّ سے یہ مطلب نکالنا بھی درست ہے کہ انہیں ایک دم عالم وجود میں لایا گیا ہے یعنی وہ بطور ولادت پیدا نہیں ہوتیں بلکہ حکم کن سے مکمل شکل میں ان کی تخلیق ہوئی ہے جسے فرشتے کی ان کی بھی تخلیق تدریجی طور پر نہیں ہوتی کہ وہ پہلے مبدا خلقت میں بچہ ہوں اور پھر جوان ہوں لیکن طبری نے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں جن میں پیغمبر خدا ﷺ کی حدیثیں ہیں کہ یہاں مراد حوریں نہیں ہیں بلکہ یہ مؤمنین کی صاحب ایمان دنیاوالی بیویاں ہیں جو دنیا میں چاہے جیسی ہوں، کتنی ہی بدصورت ہوں، کتنے ہی بچوں کی ماں ہوں، آخرت میں جو پیدا ہونگی تو ان کے یہ اوصاف ہوں گے۔عرب کی لفظ ایک خاص قوم کے نسلی نژاد کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اخلاق و اصاف کی جامعیت کے معنی میں ہے ا۔(جمع عروب وھی المتجبة الی زوجها عشقاله...... جلالین)

ثُلَّةٌ مِّنَ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ ٱلْءَاخِرِينَ ﴿٤٠﴾

"بہت سے پہلے والوں میں سے اور بہت سے ہیں آخر والوں میں سے"

---

[1] قیل لیس باطوز ولکنه شجر له ظل بارد و رطب عن الحسن وقیل هو شجر یکون بالیمین والحجاز من احسن الشجر منظرا (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

چونکہ پہلے ایمان میں سبقت کرنے والوں کا ذکر تھا تو ان میں اکثریت پہلے والوں کی تھی لہٰذا۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ. وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ. تھا کہ ’’کم افراد آخر والوں میں سے‘‘ مگر اب سبقت کا سوال نہیں ہے۔اس لائق ہونا ہے کہ انسان داہنی طرف والوں میں شمار ہو، تو اب اس میں پہلے اور بعد والوں میں اکثریت اور اقلیت کا فرق نہیں ہے، سابق امتوں میں بھی بہت سے ہیں اور اس امت میں بھی بہت سے۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾

’’اور بائیں ہاتھ والے (کیا جانو) کیا ہیں بائیں ہاتھ والے سخت تپش اور گرم پانی اور بہت تاریک دھویں کے سائے میں نہ سرد ہے اور نہ باعزت‘‘۔

یہ دوزخ والوں کا حال ہے جنہیں پہلے اصحاب المشامۃ سے تعبیر کیا گیا تھا جس پر پہلے تبصرہ ہو چکا ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ اَىِٕذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾

’’یہ لوگ اس سے پہلے عیش و عشرت میں گرفتار تھے اور بہت بڑے گناہ پر ہٹ دھرمی سے کام لیتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور بس مٹی اور ہڈیوں کی شکل میں ہوں گے تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے باپ دادا بھی‘‘؟

بہت بڑے گناہ سے مراد ایک تفسیر کی بنا پر ’’شرک‘‘ ہے [۱] جسے دوسری جگہ ظلم عظیم کہا گیا ہے اس طرح ان کے دوزخی ہونے کے اسباب میں معاد کے ساتھ توحید کا انکار آ گیا، جو دو باتیں ایمان باللہ والیوم الآخر کے تحت نجات کے لیے ضروری ہیں اور ایک تصور یہ ہے کہ ’’حنث‘‘ تاکیدی معاہدہ کو توڑتا ہے۔[۲] یعنی اس کے دائرہ میں ان ذمہ داریوں کا پورا نہ کرنا بھی ہے جو ان پر عقل و فطرت اور شریعت کی رو سے عائد ہیں۔

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ ﴿۵۵﴾

---

[۱] الحنث العظیم ای الشرك (جلالین)

[۲] نقض العهد الموكد بالحلف فهو التی ینقضون العقود التی یذمهم الوفاء بها (تبیان)

www.kitabmart.in

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝٥٦

''کہیے کہ بے شک اگلے اور پچھلے سب اکٹھا کیے جائیں گے مقرر دن کے موقع پر پھر تم اسے جھٹلانے والے گمراہو، کھاکے زقوم (تلخ ترین پھل) کے درخت سے تو اس سے پیٹ بھروگے، پھر اس پر گرم پانی تمہیں پینے کے لیے ملے گا تو اس طرح پیو گے جیسے انتہائی پیاسے اونٹ (بے تحاشا) پیتے ہیں۔ یہ ان کا سامانِ ضیافت ہوگا جزا وسزا کے دن''۔

قرآن مجید دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی اس معادجسمانی کا تصور پیدا کررہا ہے، جسے عام طور پر مسلمان مانتے ہیں۔ نہ صرف فلسفی قسم کی جزا وسزا جس کا جسم سے کوئی تعلق نہیں ہے پھر یہ کہ وہ سب کا ایک موقع پر اکٹھا ہونا بتاتا ہے، نہ کہ پوری عمر زمانہ میں یکے بعد دیگرے تناسخ وغیرہ کی صورت سے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝٥٧ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝٥٨ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝٥٩ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝٦٠ عَلٰٓي اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٦١ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝٦٢

ہم نے تمہیں پیدا کیا تو تم اب یقین کیوں نہیں مانتے اچھا تو کیا تم نے غور کیا ہے کہ جو مادۂ تولید تم منتقل کرتے ہو، کیا تم اس تخلیق کو پیدا کرتے ہو یا یہ کہ ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے تمہارے درمیان موت کا نظام قائم کیا ہے اور ہم بے بس نہیں ہو سکتے، اس میں کہ تمہاری تخلیق کی صورت کو بدل دیں اور تمہیں پیدا کریں اس عالم میں کہ جسے تم نہیں جانتے ہو اور پہلی دفعہ کی تخلیق تمہیں معلوم ہی ہے تو کیوں یاد نہیں رکھتے ہو''؟

پہلی دفعہ کی تخلیق حضرت آدمؑ کی جوٹی کے پتلے میں روح پھونکی ہوئی تھی تو اب ان اجزا کو جو منتشر طور پر موجود ہیں، اکٹھا کرکے ان میں روح پھونکنا اس کے لیے کیوں ممکن نہیں ہے؟ اس مفہوم کو چھوڑ کر کوئی ایسے معنی نکالنا جو کسی غلط عقیدے کا ثبوت بن سکیں جو قرآن کی دوسری آیتوں کے خلاف ہے، مطلب پروری ہے قرآن فہمی نہیں ہے، پھر یہ کہ اس محشر میں بھی جس کے مسلمان قائل ہیں کسی حد تک صورتوں کی تبدیلی کا تصور تو موجود ہی ہے۔[1]

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝٦٣ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝٦٤ لَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝٦٥ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝٦٦ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝٦٧

---

[1]۔ مالا تعلمون من الصور کالقفوت والخنازیر (جلالین)

"اچھا تو کیا تم نے غور کیا ہے کہ تم بوتے ہو تو کیا تم اس کھیتی کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ اگر تم چاہتے تو اسے خشک کر کے چورا بنا دیتے کہ تم حیرت میں پڑ جاتے کہ ہمیں بڑا مالی نقصان ہوا بلکہ ہم بالکل ہی بے نصیب رہے"۔

جب کہ اثبات معاد میں بچے کی پیدائش کے سلسلے میں یہ بات آ گئی کہ یہ ظاہری اسباب جو تم فراہم کرتے ہو، وہ نتیجے کے پیدا کرنے والے نہیں ہیں اصل پیدا کرنے والے ہم ہیں تو اب اس سے مناسبت رکھنے والی دوسری کارگزاریوں کا پتہ دیا جا رہا ہے کہ تم اپنے خیال میں اس کے اسباب فراہم کرتے ہو لیکن اس پر نتیجہ مرتب ہونا اور نہ ہونا کس کی قدرت میں ہے؟ وہ صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہے "فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ" کا ایک ترجمہ یہ ہے کہ تم بے کار آپس میں باتیں بناتے ہو، یہ دونوں ترجمے پہلے سے ہوتے آئے ہیں۔ ہمیں پہلا تعجب کے معنی والا زیادہ چسپاں معلوم ہوتا ہے۔

أَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِى تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ
الْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾

"تو کیا تم نے غور کیا ہے اس پانی پر جو تم پیتے ہو، کیا تم اسے ابر سے نیچے اتارتے ہو یا ہم اتارنے والے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں، تو تم شکرگزار کیوں نہیں ہوتے"۔

اس میں قدرت کے ساتھ اسکے نعمت و احسان کے پہلو کو بھی نمایاں کر کے شکرگزاری کی دعوت دی جا رہی ہے۔

أَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِى تُورُونَ ﴿٧١﴾ ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَآ أَمْ نَحْنُ الْمُنشِـُٔونَ ﴿٧٢﴾
نَحْنُ جَعَلْنَٰهَا تَذْكِرَةً وَمَتَٰعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾

"تو کیا تم نے نظر کی ہے اس آگ پر جو تم روشن کرتے ہو تو کیا تم نے اسکے درخت کو پیدا کیا تھا یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے اسے یاد دہانی اور فائدہ اٹھانے کا ذریعہ قرار دیا ہے ضرورت مندوں کے لیے تو تسبیح کرو اپنے بزرگ پروردگار کے نام کی"۔

چونکہ دور قدیم میں ایک خاص درخت کی لکڑی سے آگ حاصل کی جاتی تھی [1] اس لیے کئی جگہ قرآن مجید میں آگ کے ساتھ درخت کا ذکر ہے۔ یاد دہانی کا ہے کی؟ سمجھ میں بھی آتا ہے کہ اس طرح پھر ذہن منتقل کیا گیا ہے آخرت کی اس آگ کی طرف جو مجرموں کے لیے مہیا ہے۔ [2]

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَٰقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ
كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ

---

[1] یعنی الشجر التی منقدح منها النار (تبیان)

[2] عن قتادۃ تذکر النار الکبریٰ (ابن جریر)

www.kitabmart.in

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾

''تو میں کھا تا نہیں قسم ستاروں کے مقامات کی حالاں کہ تم جانو یہ بہت بڑی قسم ہے کہ یہ یقیناً ایک بڑے مرتبہ والا قرآن ہے ایک نظروں سے پوشیدہ کتاب کے اندر اسے نہیں چھو سکتے مگر پاک افراد، یہ اتارا ہوا ہے، تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے''

قرآن کے مس حروف کے لیے طہارت کی شرط

قرآن جس نظروں سے پوشیدہ کتاب کے اندر ہے وہ لوح محفوظ ہے، جو وہاں سے پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بتوسط ملک اتر تا رہا ہے۔

''اسے پاک افراد کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا'' یہ ضمیر اگر ''کتاب مکنون '' کی طرح راجع ہو جیسا کہ جمہور مفسرین اہل سنت کا رجحان ہے تو وہ عالم بالا میں ہے اسے ہمارے لیے چھونے نہ چھونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔اور اب چھونے کے معنی علم و ادراک کے ہیں اور وہ مطہر مخلوق جس کا اس تک دسترس ہے فرشتے ہیں۔اب اس میں ہمارے لیے کوئی عملی ہدایت نہیں ہو سکتی لیکن دوسرا تصور یہ ہے کہ یہ ضمیر ''قرآن مجید'' کی طرف راجع ہے۔اس صورت میں بھی ایک مفہوم اس کا یہ ہے کہ اس کا پورا علم سوائے مطہرین یعنی معصوم ہستیوں کے کسی کو حاصل نہیں ہے۔دوسری صورت یہ کہ مس کے معنی جسمانی حیثیت سے چھونے ہی کے ہوں اس پر اس حکم فقہی کی بنیاد قائم ہوتی ہے کہ حروف قرآن کو بغیر طہارت یعنی وضو وغیرہ کے چھونا جائز نہیں ہے علمائے شیعہ کا مسلک یہی ہے [1] یہ کہ ''قسم نہیں کھا تا'' یہ ایک انداز ہے قسم کھانے ہی کا جب کہ اس کے ساتھ یہ ہے کہ یہ بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانو جس کا تمہیں یقین ماننا چاہیے۔

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

''تو کیا اس بیان کو تم نظر انداز ہی کرتے رہو گے اور اپنی روزی یہی قرار دو گے کہ تم جھٹلاتے ہو''۔

''اپنی روزی یہی قرار دو گے''؟ یہ بظاہر بطور طنز ہے یعنی جیسے روزی انسان کے بقائے حیات کے لیے ضروری ہے، ویسے اس حیات بعد الموت کے تذکرے کو جھٹلانا تم ضروری سمجھتے ہو۔اور ایک مطلب اس کا یہ سمجھا گیا ہے کہ اللہ جو تمہیں روزی عطا کرتا ہے اسکا تقاضا تم یہی سمجھتے ہو کہ تم اس کی باتوں کو جھٹلاتے رہو۔[2]

فَلَوْلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

''تو کیوں نہیں؟ جب وہ روح نکل کر گلے تک پہونچ جائے گی اس عالم میں کہ تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے

---

[1] عندنا ان الضمیر یعود الی القرآن فلا یجوز لغیر الطاھر مس کتابة القرآن (مجمع البیان)

[2] تجعلون شکر اللہ علی رزقه ایاکم التکذیب (ابن جریر)

www.kitabmart.in

ہو اور ہم تم سے زیادہ اس کے نزدیک ہوتے ہیں مگر تم دیکھتے نہیں ہو کیوں نہیں، اگر تمہیں جزا وسزا ملنے والی نہیں ہے تو پلٹا دیتے تم اسے اگر تم سچے ہو“۔

مطلب یہ ہے کہ جب یہ موت اور حیات تمہارے قبضے میں نہیں کسی اور کے احاطہ قدرت میں ہے تو تمہیں اس قادر کی قدرت پر پابندی عائد کرنے کا کیا حق ہے؟ چاہے تو اسی وقت اس روح کو پلٹا دے اور چاہے تو ہزاروں لاکھوں سال کے بعد پلٹائے۔ یہ اس کی حکمت اور نظام کائنات کی مصلحت سے وابستہ ہے۔

فَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَۙ ﴿۸۸﴾ فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِۙ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِؕ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ الضَّآلِّيۡنَۙ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍۙ ﴿۹۳﴾ وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الۡيَقِيۡنِۚ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۹۶﴾

تو اب اگر وہ مقرب گروہ میں سے ہے تو راحت، آرام، روزی اور نعمت والا بہشت ہے اور اگر وہ داہنی طرف والوں میں سے ہے تو خیریت سمجھو، داہنی طرف والوں کی طرف سے لیکن اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو پھر اس کا سامان ضیافت کھولتے ہوئے گرم پانی سے ہے اور دوزخ کی آگ کی تپش ہے، یقیناً یہ پوری پوری یقینی بات ہے تو تسبیح کرو اپنے بزرگ پروردگار کے نام کی“۔

تینوں قسم کے لوگوں کے انجام کا خلاصہ

سورے کے شروع میں جو تین قسم کے لوگ بیان ہوئے تھے، آخر سورہ میں ان کا انجام ہے جن میں سے دو نجات یافتہ ہیں مگر ان میں مقربین کا درجہ اونچا ہے لہٰذا ان کی جزا میں الفاظ زیادہ صرف ہوئے ہیں وہاں السابقون السابقون ان کا سرنامہ ذکر تھا اور مقربین کا وصف تھا یہاں اسی وصف کو سرنامہ بیان قرار دیا گیا ہے۔ سَلٰمٌ لَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ کا ایک ترجمہ وہ ہے جو درج ہوا کہ جس میں مخاطب غیر متعین طور پر ہر سننے والا ہے کہ اطمینان رکھو، سلامتی ان کے لیے بھی ہے۔ دوسری تشریح یہ ہے کہ یہ النقات من الغیبه الی الخطاب ہے یعنی کسی کے متعلق دوسروں سے کچھ کہتے کہتے ایک دم روئے خطاب خود اس کی طرف لوٹا دیا جائے۔ یہاں پہلے دوسروں سے خطاب تھا کہ اصحاب یمین کا حال یہ ہے۔ اب خود ان سے کہا جانے لگا کہ سنو اے اصحاب ایمن تمہارے لیے سلامتی ہے اس طرح من بیانیہ ہوگا کہ تمکو سلامتی ہے اے اصحاب یمین۔ بعض لوگوں نے سلام کے معنی سلامتی نہیں بلکہ ”سلام“ ہی کے لیے کہ لک کا مخاطب رسولؐ کو قرار دیا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ ”داہنی طرف والوں کی طرف سے (اے رسولؐ) آپ پر سلام ہو یہ میرے نزدیک بعید ہے اور سیاق سباق کے ساتھ بالکل چسپاں نہیں ہے۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَةُ الۡحَدِیۡدِ

مدنیّہ......۱۹......آیات

اس سورہ کے آخری حصے میں ایک جگہ لوہے کے اتارنے کا ذکر ہے، اسی پر اس سورے کا یہ نام ہو گیا۔

سورۂ حدید کے خاص خاص مضامین:

۱......خدا کے اوصاف اول اور آخر اور ظاہر باطن جن کی تشریح اس آیت کی تفسیر میں ہوگی۔

۲......خدا کے علم کی وسعت اور عمومیت۔

۳......ایمان کے ساتھ بلا فاصلہ خیرات کا ذکر۔

۴......فتح مکّہ سے پہلے جان و مال کی قربانی کرنے والوں کا جو درجہ ہے، وہ بعد میں قربانی کرنے والوں کا نہیں ہے۔

۵......روز قیامت اہل بہشت کے نور کا ان کے آگے آگے اور داہنے پہلو میں پھیلنا۔

۶......منافقین کی بے بسی اور محتاجی۔

۷......مسلمانوں کو انتباہ کہ وہ امتداد زمانہ سے گھبرا کر بددل نہ ہو جائیں۔

۸......دنیوی زندگی کی بے حقیقی اور بے اعتباری اور اس کی مثال۔

۹......حال کی ہر بات پہلے سے لوح قضا و قدر میں محفوظ ہوتی ہے۔

۱۰......حالات کے انقلاب سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

۱۱......تمام انبیاؑ کے ساتھ کتاب اور میزان کا اترنا اور لوہے کا آسمان سے اترنا۔

۱۲......عیسائیوں کی نیک دلی مگر ان کی ایجاد کردہ رہبانیت کی مذمت۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے“

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱﴾ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۚ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲﴾

”تسبیح کرتے رہے ہیں اللہ کی جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اور وہ زبردست ہے، بڑی سوجھ بوجھ والا، اسی

www.kitabmart.in

کے لیے سلطنت آسمانوں اور زمین کی، وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے"۔

آسمان اور زمین اور کائنات کی ہر چیز کی تسبیح کا ذکر قرآن مجید میں پہلے بھی آچکا ہے،

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٣

"وہ اول بھی ہے اور آخر بھی اور ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے"۔

اول اور آخر کے معنی کھلے ہوئے ہیں کہ جب کچھ نہ تھا تب وہ تھا اور جب کچھ نہ ہو تب بھی وہ ہوگا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خود اس کی کوئی ابتدا نہیں اور نہ اس کی کوئی انتہا ہے جسے فلسفہ کی زبان میں کہتے ہیں ازلی اور ابدی اور دونوں کو ملا کر کہیں تو سرمدی۔

ظاہر و باطن کی لفظوں کے بہت سے پہلو ہیں جن میں سب سے زیادہ واضح یہ ہے کہ ظاہر ہے آثار اور دلائل قدرت کی بنا پر اور باطن یعنی پوشیدہ باعتبار ذات ہے...... کہ دکھائی نہیں دیتا۔

وہ ظہور ایسا ہے جو کائنات کی ہر چیز سے نمایاں ہے اور یہ پوشیدہ ہونا ایسا ہے جس کے احاطۂ عمومیت سے اس کے مخلوقات میں کوئی یہاں تک کہ انبیاو مرسلین اور ملائکہ مقربین بھی مستثنیٰ نہیں یعنی ان میں سے بھی کوئی نہیں جس کی آنکھوں کے سامنے وہ آیا ہو اور مذہب حق کی رو سے اس میں دوری کی بھی کوئی قید نہیں، ازل سے وہ باطن ہی ہے اور ابد میں بھی وہ باطن ہی رہے گا۔ آنکھوں کے سامنے ظاہر کبھی نہیں ہوگا، چاہے وہ دنیا ہو یا آخرت، آج یا قیامت۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ظہور غلبہ مضمر ہے اس لیے اس کے ساتھ علٰی کی لفظ آتی ہے کہ یہ اس پر ظاہر ہے اور بطن میں اندر کے معنی مضمر ہیں تو ظاہر باعتبار قدرت ہے کہ وہ ہر چیز پر حاوی ہے اور باطن باعتبار علم ہے کہ وہ اندر گہرائیوں تک پہنچا ہوا ہے۔

نہ اس کی قدرت کے احاطے سے کوئی باہر ہے اور نہ اس کے علم کے دائرے سے کوئی جز خارج ہے۔

خداوند عالم کے اسمائے حسنیٰ کی تشریح میں علم کلام کی کتابوں میں اور بھی پہلو درج ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝٤

"وہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر متمکن ہوا عرش پر وہ ہے اسے جو زمین کے اندر جاتا ہے اور اسے کہ جو اس سے برآمد ہوتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کا جاننے والا ہے"۔

چھ دن سے مراد دن نہیں سمجھنا چاہیے جو طلوع و غروب آفتاب سے وابستہ ہیں بلکہ چھ دور سمجھے جاسکتے ہیں جن میں تدریجی طور پر یہ تخلیق مکمل ہوئی اور عرش پر متمکن ہونا جسمانی طور پر نہیں ہے جب کہ وہ جسم و جسمانیات سے بری ہے بلکہ اپنے اقتدار کا مرکز اعلیٰ جسے مقام نسبت میں جائے تخت کہنا چاہیے اسے بنایا۔

www.kitabmart.in

جو آسمان سے اترتا ہے، یعنی روزی جس کا سب سے بڑا ذریعہ ابر باراں ہے، جو بلند ہوتا ہے وہ بندوں کے اعمال اور دعائیں۔ اسی ذیل میں فرشتوں کا نام بھی لیا گیا ہے۔[1]

مگر وہ دونوں فقروں میں داخل ہیں۔ وہ اترتے بھی ہیں اور چڑھتے بھی ہیں۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۵ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶

''اس کے لیے سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور تمام معاملات کی اللہ ہی کی طرف رجوع ہے، وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور وہ سینوں کے اندر کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

دن کو رات میں اور رات کو دن میں داخل کرنے کا ذکر پہلے کئی جگہ آچکا ہے اور اسی کا حسی مشاہد موسموں کی تبدیلی میں ہوا کرتا ہے کہ اِدھر کا ایک حصہ اُدھر چلا جاتا ہے اور ادھر کا ایک حصہ اُدھر آجاتا ہے اور اس سے ذہن کو افراد اور اقوام کے حالات کے انقلاب کی طرف بھی مڑنا چاہیے جو سب اللہ کے ارادے کے ماتحت ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷

''ایمان لاؤ اللہ اور اس کے پیغمبر پر اور خیرات کرو اس میں سے جس کا دوسری کے بعد اس نے تمہیں مالک بنایا تو جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے خیرات کی ان کے لیے بڑا صلہ ہے''۔

جو چیز ہماری ملکیت ہے تو وہ دوسروں سے ہمارے پاس آئی۔ اگر خود مکسوبہ ہے تو پہلے وہ دوسرے کے پاس تھی، اسی سے تو ہمیں حاصل ہوئی اور اگر موروثی ہے تو پہلے آباواجداد یا کسی دوسرے اس موروث کی تھی جس سے منتقل ہو کر ہمارے پاس آئی، بہرصورت ہمیشہ سے تمہاری ملکیت نہیں تھی، اس میں انتباہ اس پر بھی سمجھنا چاہیے کہ تمہارے ہاتھ میں بھی اُسے ہمیشہ نہیں رہنا ہے۔ تمہارے بعد یہ دوسروں کے پاس جائے گی[2]

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸

''اور تمہیں کیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے ہو اللہ پر حالانکہ پیغمبر تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ تم ایمان لاؤ اپنے پروردگار پر اور اس نے تم سے عہد پیماں لیا تھا کہ تم واقعی مسلمان ہوئے تھے''۔

آیت کے آخری جز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اقرار ایمان کر چکے تھے، پھر بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات ایسی ہے جس کو وہ

---

[1]۔ مایعرج فی السماء هن الملئكة ومايرفع اليها من اعمال الخلق (تبیان)

[2]۔ فيه سبحانه بهذا على ان ما فی ايدينا يصير لغيرنا كما صار الينا من قبلنا (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

ماننے کے لیے تیارنہیں تھے،اس لیے کہا جارہا ہے کہ جب تم مسلمان ہو چکے تواس کالازمی نتیجہ یہ ہے کہ رسول اللہ تم سے عہد پیان لے چکے ہیں کہ جو بات تم سے کہی جائے اسے مانو گے پھراب تم کیوں نہیں مان رہے ہو۔

عام مفسرین نے اس غرض سے کہ خطاب جماعت کفار سے قرار پائے اس پیان کو عہد الست والا عالم ذر کا پیغام قرار دیا ہے اور ان کنتم مؤمنین کے معنی یہ لیتے ہیں کہ اگر تم کبھی بھی ایمان لانے والے ہو تو یہی بہترین موقع ہے ایمان لانے کا۔[1]

هُوَالَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝٩ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝١٠

''وہ وہ ہے جو اتارتا ہے اپنے بندہ خاص پر کھلی ہوئی آیتیں تاکہ تمہیں نکالے اندھیروں سے روشنی کی طرف اور بلا شبہ اللہ تمہارے ساتھ شفیق ہے بڑا مہربان۔اور تمہیں کیا ہے تم خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں حالاں کہ ترکہ آسمانوں اور زمین کا صرف اللہ کے لیے ہے، برابر نہیں ہیں تم میں سے وہ جنہوں نے جرأت کی فتح سے پہلے اور جنگ کی ہو، یہ درجے میں زیادہ بڑے ہیں ان سے جنہوں نے اس کے بعد خیرات کی ہے اور جنگ کی ہے اور یوں تو ہر ایک کے لیے اللہ کا وعدہ بھلائی کا ہے اور اللہ جو تم کرتے ہو،اس کا جاننے والا ہے''۔

''اندھیرا ہے یعنی گمراہی سے روشنی،صحیح منزل ہدایت اور حقیقی علم و معرفت کی طرف جس سے حق اور باطل میں امتیاز کلی ہو جاتا ہے۔

چونکہ پہلے مسلمانوں کی مقدرت کم تھی،اس لیے اس وقت جان و مال سے جو کام آئے ان کی قدر و قیمت پیش خدا والوں سے زیادہ ہے، یوں بعد والوں سے زیادہ ہے، یوں بعد میں بھی دیا تو اس کا اجر ضائع نہیں ہو سکتا جیسا کہ بعد میں کہا گیا ہے کہ'' ہر ایک سے اللہ کا وعدہ بھلائی کا ہے۔فتح سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک فتح مکّہ ہے مگر حافظ ابن جریر طبری نے اسے ترجیح دی ہے کہ اس سے صلح حدیبیہ مراد ہے،غالباً اس لیے کہ سورہ فتح میں سے ''فتح مبین'' کہا گیا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝١١

''کون ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ دے تو اسے بڑھا دے گا اُس کے لیے بہت بڑا صلہ ہے''۔

کچھ لوگ اس آیت کی اور ایسے ہی کے پہلے قرآن مجید میں جو اس مضمون کی آیتیں آئی ہیں انہیں خاص طور پر قرض دینے کی فضیلت میں پیش کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں راہ خدا میں صرف کرنے کو بطور استعارہ قرض کہا گیا ہے کہ جیسے قرضہ آج دیں گے کل

[1]۔ان کنتم تریدون ان تؤمنوا باللہ یوما من الایام فالآن احدی الاوقات(ان جریر)

www.kitabmart.in

ملے گا، ویسے جو راہ خدا میں خرچ کرو گے اس کا عوض اللہ عطا کرے گا اور وعدہ کیا ہے کہ بہت بڑھا کر عطا کرے گا۔ ہاں بطور قرض بھی مومن کے کام آنا باعث ثواب ہے، لہٰذا وہ بھی اُس کے تحت میں داخل ہے، نہ یہ کہ قرض سے مراد قرض ہی دینا ہو۔

مطلق انفاق کو قرض سے تعبیر کرتے ہوئے اس کے ساتھ حسن کی قید بظاہر راہ خدا میں انفاق کے ان قیود کی طرف اشارہ ہے جو قرآن میں پہلے آ چکے ہیں کہ دکھانے کے لیے نہ ہو جس کو ریا کہتے ہیں، نہ اس کا چرچا دوسروں تک پہنچانے کے لیے جسے سمعہ کہتے ہیں اور جسے دے اس پر احسان نہ جتائے اور اس کی دل آزاری نہ کرے جیسے قرآن میں من و اذیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

يَوۡمَ تَرَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ يَسۡعٰى نُوۡرُهُمۡ بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ بُشۡرٰٮكُمُ الۡيَوۡمَ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۚ﴿۱۲﴾

''جس دن دیکھو گے بایمان مردوں اور بایمان عورتوں کو کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑتا ہوگا تمہارے لیے آج مبارک ہوں یہ باغہائے بہشت جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں، ہمیشہ ہمیشہ رہتے ہوئے ان میں، یہی بڑی کامیابی ہے''۔

چونکہ یہ اصحاب یمین ہیں جنہیں داہنی طرف سے بہشت میں جانا ہے لہٰذا نور سامنے اور داہنی طرف پھیل رہا ہوگا کہ اسی رخ پر وہ آگے بڑھتے جائیں۔[1]

اب دور آخر کی جتنی بھی چیزیں ہیں، ان میں نام وہی ہیں جن سے ہم متعارف ہیں لیکن حقیقت ان کی الگ ہے لہٰذا اس نور کی بھی پوری حقیقت سمجھنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔

يَوۡمَ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا انۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِكُمۡ ۚ قِيۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآءَكُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا ؕ فَضُرِبَ بَيۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيۡهِ الرَّحۡمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنۡ قِبَلِهِ الۡعَذَابُ ؕ﴿۱۳﴾ يُنَادُوۡنَهُمۡ اَلَمۡ نَكُنۡ مَّعَكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ وَتَرَبَّصۡتُمۡ وَارۡتَبۡتُمۡ وَغَرَّتۡكُمُ الۡاَمَانِىُّ حَتّٰى جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۱۴﴾ فَالۡيَوۡمَ لَا يُؤۡخَذُ مِنۡكُمۡ فِدۡيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ مَاۡوٰٮكُمُ النَّارُ ؕ هِىَ مَوۡلٰٮكُمۡ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۵﴾

''جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کرو ہم بھی تمہارے نور سے کچھ

---

[1] على الصراط يوم القيامة وهو دليلهم الى الجنة (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

بہرہ مند ہوں کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے واپس جاؤ اور کوئی نور ڈھونڈھو، تو ان کے درمیان ایک دیوار اٹھ جائے گی جس کا ایک دروازہ ہوگا، اس کے ادھر رحمت ہوگی اور ادھر جو باہر کا رخ ہے ادھر عذاب ہی عذاب ہے، اب وہ ان سے پکار کر کہیں گے کہ ارے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے کہ کیوں نہیں مگر تم نے اپنے کو گمراہی میں ڈالا اور نتائج کو دیکھنے لگے کہ آخر میں کیا ہوتا ہے اور شک وشبہ میں مبتلا رہے اور خیالات خام نے تمہیں دھوکے میں رکھا یہاں تک کہ اللہ کی طرف کا حکم آ گیا اور تمہیں اللہ کے بارے میں غافل رکھنے والے نے مبتلائے فریب رکھا تو آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان سے جو (کھلم کھلا) کافر تھے، تم سب کا ٹھکانا آتش دوزخ ہے وہ تمہارے لیے اولیٰ وانسب ہے اور یہ کیا برا انجام ہے"۔

منافقوں کی بے بسی اور محتاجی

منافقین کے جواب میں جو مؤمنین کی زبان الفاظ بیان ہوئے، ان میں پہلی لفظ ہے "فتنتم انفسکم" جس کا ترجمہ ہم نے کیا "اپنے کو گمراہی میں ڈالا" چونکہ اصل معنی فتن کے ہیں سونے کو آگ میں ڈالنا، تاکہ کھرے کھوٹے کی آزمائش ہو۔ اب اس میں دو جز ہیں ایک آگ میں ڈالنا دوسرے اس کا مقصد یعنی آزمائش۔ اس بنا پر اس لفظ کا استعمال دو طرح ہونے لگا کبھی آزمائش کے معنی میں جس کی مثالیں قرآن مجید میں دی ہیں۔ جیسے:۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (توبہ-۱۲۶)

"اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ان کو آزمائش میں ڈالا جاتا ہے ہر سال ایک دفعہ یا دو دفعہ پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (عنکبوت-۲)

کیا وہ سمجھتے ہیں کہ چھوڑ دئے جائیں گے کہ وہ بس کہتے رہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہیں ہوگی۔

اسی سے فتنہ کی لفظ ہے جس کا اطلاق ذریعہ آزمائش ہونے کی بنا پر اموال اور اولاد پر بھی قرآن میں کیا گیا ہے۔ گمراہی میں ڈالنا جیسے سورہ بروج میں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ (بروج-۱۰)

جنہوں نے مؤمنین اور مومنات کو گمراہ کرنے کی کوشش کی، پھر توبہ نہ کی ان کے لیے دوزخ کی سزا ہے اور آگ میں جلنے کا عذاب ہے۔

یہاں ہمیں یہی معنی زیادہ موزون معلوم ہوتے ہیں۔

آخر میں آتش دوزخ کے لیے جو ہے: ھی مولکم یعنی اولیٰ کے نہ صرف ہمارے یہاں کی قدیم تفسیر میں ہیں [1] اہل سنت کے یہاں بھی موجود ہیں [2] اس نظیر کو یاد رکھنا چاہیے کہ روز غدیر رسول خدا کے ارشاد ہیں:

[1]۔ مولاکم قال ھی اولیٰ بکم (علی ابن ابراھیم)

[2]۔ النار اولیٰ بکم (ابن جریر)

www.kitabmart.in

من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ وہاں یہ حضرات منکر ہوجاتے ہیں کہ "مولیٰ" کے معنی عربی میں "اولیٰ" نہیں ہیں مگر اس قرآنی نظیر کے بعد اس کا انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے جب کہ قبل میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوال جو اس اعلان کے پہلے تھا یہی تھا کہ الست اولیٰ بکم من انفسکم جب مجمع نے کہا بلیٰ "کیوں نہ ہو" تب آپ نے وہ الفاظ کہے جن کے یہ معنی اس سوال کے بالکل مطابق ہیں!

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿١٦﴾

"کیا ابھی وقت نہیں آیا ان کے لیے جنہوں نے ایمان قبول کیا کہ ان کے دل متاثر ہوں اللہ کی یاد اور اس حق سے جو نازل ہوا اور وہ نہ ہوں ان کی طرح جنہیں ان کے پہلے کتاب ملی تھی تو مدت طولانی ہونے پر ان کے دل سخت ہوگئے اور ان میں زیادہ تر فاسق ہیں"۔

مسلمانوں کو انتباہ کہ وہ امتداد زمانہ سے گھبر کر بدل نہ ہوجائیں

آیت کے شروع کے الفاظ سے نمایاں ہے کہ یہ کافروں کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان کا ہے جو اپنے کو مؤمنین مخلصین سمجھتے ہیں اور انہیں متنبہ کیا جارہا ہے کہ کہیں ان میں سے اکثر صفت عدالت سے محروم ہوکر "فاسقین میں داخل نہ ہوجائیں اور "کیا ابھی وقت نہیں آیا" کے الفاظ بتارہے ہیں کہ یہ جماعت اب تک اس منزل پر نہیں جو اس "فسق" سے اس کو بچا سکے۔ اس کے بعد ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ بلا استثنا اس جماعت کو عادل سمجھنا صریحی طور پر قرآن کے خلاف ہے یا نہیں؟

"خشوع" دل ودماغ پر عظمت الٰہی کے اثر قائم ہونا ہے اور یہ اثر ایسا دیرپا ہونا چاہئے کہ امتداد زمانہ اس نقش کو نہ مٹا سکے۔

اب اسی میں یہ داخل ہے کہ خدا اور رسول کے کسی وعدے کے پورے ہونے میں مدت کا طولانی ہوجانا انہیں اصل حقیقت کے انکار پر آمادہ نہ کردے جیسا کہ امام آخر کے ظہور کے انتظار کی مدت کا طولانی ہونا جس پر بہت سے گھبرا کر ان کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے بعض احادیث میں اس آیت کے مضمون سے اس انتباہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٧﴾

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے بے جان ہونے کے بعد ہم نے تمہارے لیے یہ نشانیاں واضح طور پر پیش کردی ہیں، شاید تم عقل سے کام لو"۔

متعدد جگہ اس مشاہدے سے دوبارہ کی زندگی پر استدلال کیا گیا ہے اس لئے نفس آیت کے مضمون سے سمجھ میں یہی آتا ہے کہ اس پر متوجہ کرنا اثبات معاد کی خاطر ہے۔

www.kitabmart.in

مگر گزشتہ آیت کے ربط سے اس کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ جیسے وہ زمین مردہ کو زندہ کرتا ہے ایسے ہی گمراہ کو ہدایت دیتا ہے اور کافر کو توفیق ایمان عطا کرتا ہے[1] یا یہ کہ اسی طرح اللہ دلوں کو الطاف و توفیقات سے نرم کرتا ہے[2] نتیجہ ان دونوں باتوں کا ایک ہی ہے۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۸﴾

”یقیناً امور خیر میں صرف کرنے والے مرد اور امور خیر میں صرف کرنے والی عورتیں درآنحالانکہ انہوں نے اللہ کو قرضہ حسنہ دیا، ان کے لیے اس میں اضافہ کر دیا جائے گا اور ان کے لیے معزز معاوضہ ہوگا“۔

یعنی وہاں کا اجر مزدوری کی اجرت کی طرح کا نہیں جس میں اعزاز کی شان نہیں ہوتی بلکہ اعمال خیر کا معاوضہ عزت و اکرام کے ساتھ ہوتا ہے جیسے امتحان میں پاس ہونے والے کا انعام۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖۗ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۹﴾

”اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے پیغمبروں پر، یہی لوگ صدیق اور شہید ہیں اپنے پروردگار کے یہاں، ان کے لیے ان کا صلہ اور ان کا نور ہے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، یہ لوگ دوزخ والے ہیں“۔

ظاہر میں تو ”صدیقون اور شہداء دونوں معطوف علیہ اور معطوف ہیں جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے مگر طبری نے صدر اوّل کے کئی قول نقل کیے ہیں کہ پہلا جملہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ. پر ختم ہوجاتا ہے اور اس کے بعد شہداء سے دوسرا جملہ ہے مگر جب کہ اجر اور نور کا ہونا ان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جیسا کہ اسی سورے میں آچکا ہے وہی اصحاب یمین اس میں شریک ہیں تو اس تفریق کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطٰمًا ؕ وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾

”تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دنیوی زندگی بس کھیل، تفریح میں محویت، بناؤ سنگار، آپس میں ایک دوسرے پر فخر،

---

[1]۔ کذالك یحیٖ الکافر بالھدیٰ الی الایمان بعد موتہ بالضلال (تبیان)

[2]۔ قیل معناا علموا ان اللہ یبین القلوب بعد قسر تہا بالطاف و توفیقات (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مال اور اولاد میں زیادتی کی کوشش ہے (عارضی) جیسے وہ بارش جس کی پیداوار کے نباتات نے کافروں کو حیرت میں ڈال دیا، پھر وہ خشک ہونے لگے اور تم دیکھو اس حال میں وہ زرد ہو گئی، پھر وہ سوکھ کر چورا ہو جائیں اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور (کچھ کے لیے) بخشش ہے اللہ کی طرف سے اور ثواب ہے اور دنیوی زندگی نہیں ہے مگر سرمایہ فریب''۔

دنیاوی زندگی کی بے حقیقتی اور بے اعتباری کی مثال

قرآن مجید میں کھیل اور تماشا ہونے کی نفی بھی کی ہے، وہ نفی باعتبار تخلیق ہے، وہ بے مقصد نہیں تھی لیکن جہاں اس دنیا کو لہو لعب کہا گیا ہے، وہ کہیں باعتبار ناپائیدار اور بے اختیار ہونے کے ہے اور یہاں مقصدِ حیات کو فراموش کر کے عام انسانوں کی سرگرمیوں کے اعتبار سے ہے۔

دنیا کی جہاں جہاں مذمت بھی ہے، وہ دنیاداروں کی دنیا ہے، نہ کہ دینداروں کی دنیا جو آخرت کی مختتم کامیابی کی تمہید ہے، وہ دنیا درحقیقت جزِ دین ہے جس کا نتیجہ وہ ہوتا ہے جو آیت میں بعد کو مغفرۃ من اللہ ورضوان ''اللہ کی طرف کی بخشش اور خشنودی'' کی لفظوں سے بیان ہوا ہے، اس نتیجہ کا سامان بھی اس دنیا کے اسی ساز وسامان سے ہوتا ہے جو دنیاداروں کے لیے نتیجہ عذابِ شدید ہوتا ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

''آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے پروردگار کی بخشش اس بہشت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے، وہ تیار رکھا گیا ہے اس کے لیے جو اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائیں، یہ اللہ کا فضل کرم ہے جسے چاہتا ہے وہ اس پر مبذول فرماتا ہے، اور اللہ بہت فضل وکرم والا ہے''۔

اس آیت کا مضمون پہلے آچکا ہے اور وہاں اس پہلو پر روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ اللہ کی مغفرت اور جنت براہ راست ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ اس کی طرف سبقت کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر وہ کردار اختیار کرو اللہ کی طرف کی بخشش اور اس بہشت کے مستحق بنو جس کا وصف یہ ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ۚۖ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ﴿۲۳﴾ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ

www.kitabmart.in

بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

''کوئی مصیبت نہیں آتی زمین اور نہ خود تمہارے نفس میں مگر یہ کہ وہ ایک نوشتے میں ہے قبل اس کے کہ ہم اس کی تخلیق کریں، یقیناً یہ اللہ کے لیے آسان ہے، یہ اس لیے ہے کہ تم افسوس نہ کرو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تمہاری طرف آئے اور اللہ ہر اترانے والے ، فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا جو کنجوسی سے کام لیتے ہیں اور لوگوں کو کنجوسی پر آمادہ کرتے ہیں، اور جو گردانی کرے گا تو اللہ بے نیاز ہے تعریف کا حقدار''۔

حال کی ہر بات پہلے سے لوح قضاؤ قدر میں محفوظ ہوتی ہے

دنیا میں مصیبتیں جو آتی ہیں جیسے زلزلے، قحط سالیاں، مختلف قسم کے وبائی امراض اور اس دور کی شاید خاص وبا ہے ملک کے سیاسی یا فرقہ وارانہ فسادات، خود تمہارے نفس میں جیسے بیماریاں یا عزیزوں اور دوستوں کے داغ، وہ بس ایک نوشتے میں ہیں جسے مذہبی زبان میں لوح محفوظ کہتے ہیں، قبل اس کے کہ ہم اس کی تخلیق کریں'' کس کی تخلیق؟ جملے کی ساخت کے لحاظ سے قریب یہی ہے کہ ضمیر ''مصیبت'' کی طرف راجع ہو چنانچہ بعض نے ایسا ہی سمجھا ہے۔[۱] اور بعض نے اسے انفس کی طرف راجع کیا ہے [۲] مگر اس صورت میں پہلے جزء سے یعنی دنیا میں جو مصیبتیں آتی ہیں اس کا فعل نہ رہے گا۔'' اس کا مقصد یہ ہے''یعنی نوشتے میں پہلے سے درج ہونے کا مقصد؟ بعض نے ایسا ہی خیال کیا ہے۔[۳]

مگر ہمیں اس سے اتفاق نہیں ہے اسلیے کہ نوشتے میں درج ہونا تو اللہ کے احاطۂ علمی کا ایک نتیجہ ہے وہ اس مقصد سے تھوڑی ہی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ تمہیں بتایا جا رہا ہے اس مقصد سے کہ اس دنیا کے عیش و آرام اور تکلیف کو کوئی اہمیت نہ دو، تقدیر الٰہی پر شاکر رہو، جو چیز ہاتھ سے جائے تو افسوس نہ کرو، یہ سمجھتے ہوئے کہ منظور خدا ایسا ہی تھا اور جو ملے اس پر اتراؤ نہیں کہ میں ایسا ہوں جسے اللہ نے اسطرح نوازا۔ یہ ''میں'' کا احساس شکر حق نہیں ہوگا بلکہ ایک قسم کا غرور ہوگا جو اللہ کو ناپسند ہے۔ حدیث میں ہے کہ: امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

الزهد كله فى آية من كتاب الله لكيلا تأ سوا على ما فاتكم ولا تفرحوا بما آتاكم ... (مجمع البیان) زاہد ہونے کا پورا معیار کتاب الٰہی کی ایک آیت میں ہے کہ جو کچھ چلا جائے اس پر افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر خوش نہ ہو۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

---

[۱]۔ بیا فرانییم آن مصیبت (شاہ ولی اللہ)

[۲]۔ من قبل ان نبراء الانفس (ابن جریر)

[۳]۔ بین تعالیٰ لم فعل ذالك (تبیان)

www.kitabmart.in

''ہم نے اپنے پیغمبر کھلی ہوئی دلیلوں کے ساتھ بھیجے اور اتارا ان کے ساتھ قانون حیات اور توازن واعتدال کا معیار تاکہ لوگ عدالت اور انصاف کو قائم رکھیں اور اتارا ہم نے لوہا جس میں طاقت جنگ کا مضبوط ذریعہ ہے اور بہت سے فائدے بھی ہیں اور اس لیے کہ اللہ جانے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب پر ایمان کی بنیاد پر کون لوگ مدد کرتے ہیں، یقیناً اللہ طاقتور ہے، غالب آنے والا۔''

تمام انبیاعلیہم السلام کے ساتھ کتاب اور میزان کا اترنا

بینات جس کا ترجمہ ہم نے 'کھلی ہودلیلوں' کے ساتھ کیا ہے، اصطلاح قرآنی میں جیسا کہ ہم نے ''مقدمۂ تفسیر'' شواہد کے ساتھ لکھا ہے ''معجزات'' کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جو رسولوں کی حقانیت کی دلیل ہوتے تھے، اب اس کے ساتھ جو کہا گیا ہے کہ ان پیغمبروں کے ساتھ کتاب اتاری تو یہ تحریری کتاب نہیں ہوسکتی کیوں کہ ایسی کتاب تو گنتی کے چند پیغمبروں کو ملی ہے اور یہاں عام طور پر رسولوں کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ ہم نے کتاب اتاری تو ہمارے نزدیک یہ کتاب کی لفظ ''کتب'' کے اس مفہوم کی حامل ہے جو خالق کی طرف سے مقررشدہ قانون کے لیے صرف ہوتی ہے جیسے کہ کہا گیا ہے کہ، کتب علیکم الصیام .ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتاً۔ کتب علیکم فی القتلیٰ ۔ کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترك خیرن الوصیته ...... اس لیے اس کا ترجمہ ہم نے قانون حیات کے ساتھ کیا۔

پھر اس کے ساتھ جو کہا گیا ہے 'میزان'' اتاری تو میزان کے لفظی معنی ترازو کے ہوتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ کوئی مادی ترازو آسمان سے نہیں اتری تو ''ترازو'' کیا ہوتی ہے؟ وزن یعنی تولنے کا ذریعہ جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خریدار کو اس کے حق سے کم یا زیادہ نہ ملے، اس لیے یہاں میزان سے مقصود توازن قائم رکھنے کا سامان ہے جس سے کسی پر ظلم نہ ہوا اور کسی کا حق نہ مارا جائے پھر ہر ایک کے ساتھ اس کی سیرت کا نمونہ بھی جو توازن کی مجسم مثال ہوتا تھا جس کی بنا پر وہ ہستیاں خود بھی ''میزان'' کی حیثیت رکھتی تھیں۔

پھر کہا گیا ہے کہ ہم نے لوہا نازل کیا، اس کا مفہوم قرار تو یہ دیا جا سکتا ہے کہ ہم نے لوہا خلق کیا لیکن جناب ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت آدمؑ کے ساتھ عالم بالا سے ہتھوڑا اور پھاوڑا وغیرہ بھی اترے تھے یہ زراعت وغیرہ کے سامان ہیں منافع للناس کے الفاظ کے تحت میں ہیں کہ پہلے بأس شدید یعنی جنگ کے سامان کی لفظ آئی ہے جس کا نمایاں ذریعہ قبل کے دور میں تلوار تھی اور اسی کا نام جناب آدمؑ کے ساتھ اترنے والے سامان میں نہیں ہے، اب اگر کوئی روایت سنائی دے کہ اس کے آخری رسولؐ پر کوئی تلوار آسمان سے اتری تو اسے مخالف قرآن نہیں سمجھا جاسکتا بلکہ وہ اس کی تصدیق کرنے والی ہوگی۔

آخری جملہ اس لیے ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ اللہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کسی کی مدد کا محتاج ہے، یہ تو انسانوں کی فرض شناسی کا امتحان ہے کہ وہ اپنی قوت قاہرہ سے دشمنوں کے دفعیہ کے لیے کام نہیں لیتا، ورنہ اس کا ایک اشارہ قدرت تمام دنیا کی مخالف طاقتوں کو نیست نابود کرنے کے لیے کافی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ

www.kitabmart.in

مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾

''اور بے شک ہم ہی نے نوح اور ابراہیم کو پیغمبر بنا کر بھیجا، اورانہی کی اولاد میں نبوت اور کتاب مقرر کی تو ان میں کے بعض ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں کے بہتیرے بدکار رہیں''۔

(آیت کا ترجمہ مجملہ دیگر آیات کے علامہ السید علی نقی نقوی سے چھوٹ گیا تھا اس لیے حافظ سید فرمان علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کے ترجمہ کلام سے نقل کیا گیا)۔۔۔ناشر

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

''پھر ان کے پیچھے ان کے نقش قدم پر بھیجا ہم نے پیغمبروں کو اور عقب میں بھیجا حضرت عیسیٰؑ فرزند مریم کو اور انہیں ہم نے انجیل عطا کی اور جو ان کے پیرو ہیں، ان کے دلوں میں ہم نے ملنساری اور مہربانی رکھی اور رہبانیت جس کی انہوں نے طبع زاد طور پر ایجاد کی ہم نے اس کا قانون اور ان پر جاری نہیں کیا تھا مگر اللہ کی خوش نودی کی طلب رہنا چاہیے تھی تو انہوں نے اس کا پورا خیال نہیں رکھا تو عطا کیا ہم نے انہیں جو ایمان لائے ان میں سے ان کا صلہ اور ان میں کے زیادہ بداعمال ہیں''۔

عیسائیوں کی نیک دلی مگر ان کی ایجاد کردہ رہبانیت کی مذمت

رہبانیت کی اس شکل میں جو عیسائیوں کے یہاں ہے، اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے اگر یہ فقرہ نہ ہوتا کہ جسے انہوں نے ایجاد کیا تھا تو پتا چلتا کہ ملنساری اور مہربانی کی طرح یہ قانون بھی بالکل اللہ کی طرف سے نافذ کیا ہوا تھا مگر اس فقرے کے بعد غلط فہمی پیدا نہیں ہوسکتی، اب مطلب ہوا کہ نرمی اور مہربانی کی جو اچھی صفتیں ہیں یہ اللہ نے ان میں رکھی ہیں جیسا کہ چھٹے پارے کے آخر میں بمقابلہ یہود و مشرکین ان کی تعریف آچکی ہے لیکن رہبانیت انکی ایجاد کردہ ہے اللہ کا حکم یہ تھا کہ اللہ کی مرضی کے پیرو ہیں یعنی لذائذ اور منافع دنیا سے اس حد تک بہرہ اندوز ہوں اور دنیا کی چہل پہل اور اجتماعی زندگی میں بھی حصہ لیں مگر ہر شعبہ زندگی میں منہیات سے پرہیز کرتے رہیں لیکن حدود کا تحفظ نہیں کر سکے اور اس طرح افراط تفریط سے کام لے رہبانیت کو اپنالیا، اب ان میں سے جنہوں نے ایمان اختیار کیا یعنی نظام اسلامی کو قبول کر کے رہبانیت کو غلط سمجھ لیا ہے، ان کو ان کے اعمال خیر کی جزا ملے گی مگر وہ کم ہیں، اکثریت ان کی غلط راستے پر ہے۔ دوسرے مفسرین یہ مطلب لیتے ہیں کہ رہبانیت کو ہم نے تو ان پر عائد نہیں کیا تھا مگر انہوں نے رضائے الٰہی کی خاطر سے اسے اختیار کیا تو ہم اس سے خوش ہیں اور ان میں جو حضرت عیسیٰؑ پر ایمان رکھتے ہیں، انہیں اس رہبانیت کا بھی اجر ملے گا اس لیے کہ نیت اس کی حصول رضائے الٰہی تھی۔

www.kitabmart.in

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۸

''اے ایمان لانے والو اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ کہ وہ تمہیں دو حصے اپنی رحمت کے عطا کرے اور تمہارے لیے ایک روشنی قرار دے جس کے ساتھ تم پھرو اور تمہیں بخشش سے نوازے اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے''۔

جن لوگوں نے گزشتہ آیت کے آخر میں جو ایمان کا ذکر تھا اس سے مراد حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لایا ہے تو یہ خطاب انہی عیسائیوں سے ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پر تم ایمان رکھتے تھے اب اللہ سے ڈرو اور اس ہمارے رسولؐ پر ایمان لاؤ تو تمہیں رحمت کے دو حصے ملیں گے ایک حضرت عیسیٰؑ پر ایمان کی وجہ سے اور ایک پیغمبر آخرؐ پر ایمان کے سبب سے اور تمہارے لیے بہتر ہوگا جس کے ساتھ تم راستا چلو گے یعنی تمہارا کردار دوسروں کے لیے نمونہ ہوگا اور تم دوسروں کی ہدایت کے لیے منارۂ نور ہو گے۔

ہمارے نزدیک اس کا لازم یہ ہے کہ جو ہمارے رسولؐ پر ایمان نہ لائیں، انہیں بھی رحمت الٰہی کا ایک حصہ ملے جب کہ وہ ایمان اب بھی قدر و قیمت کا حامل ہے حالاں کہ مسلمہ اسلامی اور دوسرے محکمات قرآن کی صراحت یہ ہے کہ اصل اس رسولؐ پر ایمان لانا ہے بغیر اسکے دوسرے انبیا کو ماننا نہ مصداق ایمان ہے اور نہ اعمال کا کوئی اجر ہے، لیکن جب کہ گزشتہ آیت میں ایمان سے مراد نظام اسلامی کو قبول کر کے رہبانیت کو غلط سمجھنا ہے تو یہ خطاب انہی سے ہے جو مسلمان ہو گئے ہیں اور ان سے کہنا کہ ایمان لاؤ ویسا ہے جیسے دوسری جگہ مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (نساء-۱۳۶)

اے ایمان لانے والو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر۔

یعنی تم اقرار اسلام کر کے مؤمنین کی صف میں داخل ہوئے ہو تو اب سچے دل سے ایمان لے آؤ، بس وہی مطلب یہاں بھی ہوگا کہ مسلمان ہو گئے ہو تو اللہ سے ڈرو بھی یعنی تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسولؐ پر سچے دل سے ایمان لے آؤ......اب کفلین من رحمۃ دو حصے اس کی رحمت کے، یہ دنیا اور آخرت دونوں میں اجر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ ہے:

وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (عنکبوت۔۲۷)

''ہم نے انہیں ان کا اجر دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں ہیں''۔

دوسری جگہ:

فاٰتاھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الآخرۃ (آل عمران-۱۴۸)

''انہیں اللہ نے دنیا کا ثواب عطا کیا اور آخرت کے ثواب کی بھلائی۔

فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. (نساء-۱۳۴)

اللہ کے پاس ہے دنیا اور آخرت کا ثواب۔

www.kitabmart.in

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

''تا کہ اہل کتاب یہ نہ جانیں کہ یہ لوگ (مسلمان) اللہ کے فضل واحسان کے حصول پر کچھ قدر نہیں رکھتے اور اس لیے کہ فضل وکرم اللہ کے ہاتھوں ہیں، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل وکرم والا ہے''۔

اس آیت میں عموماً مفسرین ومترجمین پہلے لاکوزائد مان کر ترجمہ وتفسیر کی منزل سے گزرے ہیں۔[1] اب مطلب یہ ہوگا کہ اہل کتاب میں سے جو مسلمان نہیں ہوئے انہیں معلوم ہو کہ وہ اللہ کے فضل واحسان پر کچھ قدرت نہیں رکھتے۔

حالاں کہ قبل میں جب کہ یہ بتایا گیا جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر وہ مسلمان ہوجائیں اور اس رسول کو مان لیں تو انہیں دہرا حصہ رحمت الٰہی کا ملے گا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں بھی رحمت الٰہی پر قدرت حاصل ہے اس طرح کہ وہ اسلام اختیار کرلیں تو پھر بھی لا کو زائد ماننے کی ضرورت نہی بلکہ مطلب یہ ہوا کہ اہل کتاب یہ نہ جانیں کہ انہیں اللہ کے فضل پر کچھ قدرت حاصل نہیں ہے............ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ مسلمان ہوکر اللہ کے فضل وکرم کے پورے پورے مستحق ہوسکتے ہیں۔

بہرحال ہم چونکہ قرآن مجید میں حروف زائدہ وجود کے جس مخالفین اسلام معترض ہیں منکر ہیں جیسا کہ مقدمہ تفسیر میں اس سلسلہ میں علامہ بلاغی کے افادات درج ہوچکے ہیں تو یہاں بھی ہم اسی مطلب کو درست سمجھتے ہیں جس میں لا کو زائدہ ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

اب ایک ختلاف دوسرا ہم میں اور دوسرے مفسرین میں یہ ہے کہ وہ لاکو زائد مان کر ان الفضل بید اللّٰہ ''فضل وکرم اللہ کے ہاتھ میں ہے'' اس کا عطف الاّ یقدرون پر لیتے ہیں اس طرح وہ یعلم کے تحت میں ہوگا کہ انہیں معلوم ہو کہ وہ اللہ کے فضل وکرم پر کچھ قدرت نہیں رکھتے اور یہ معلوم ہو کہ فضل وکرم اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہم اس کا عطف پہلے لِئَلّا پر لیتے ہیں تا کہ انہیں یہ معلوم نہ ہوا اور اس لیے کہ فضل وکرم اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

---

[1] یفعل بکم هذا لكى يعلم اهل الكتاب (ابن جرير) اى عملكم بذالك ليعلم (جلالين) تابداننداهل كتاب (شاه ولى الله) جانیں نا اہل کتاب یہ (شاہ رفیع الدین)

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ

مدنیہ......۲۲......آیات

مجادلہ کے معنی شدت کے ساتھ بحث اور تکرار کرنے کے ہیں، چونکہ پہلی آیت میں ایک خاتون کا ذکر ہے جسے اس کے شوہر نے اپنی ماں کے مثل کہہ دیا تھا اور اس لیے اس سے قطع تعلق کرنا اس کے لیے ضروری ہو گیا تھا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس فریاد لے کر آتی تھی اور اس سلسلے میں اپنی مجبوریوں کو پیش کرتے ہوئے بحث کر رہی تھی کہ میری مشکل کا کوئی حل ہونا چاہیے اور اس بحث کو خداوند عالم نے یجادلك کی لفظ سے بیان کیا ہے کہ وہ آپ سے مجادلہ کر رہی تھی۔

سورۂ مجادلہ کے خاص خاص مضامین:

اس ذیل میں ظہار کے حکم شرعی کا بیان اور اس کے کفارے کا ذکر ہے اس علاوہ اس سورے میں حسب ذیل مضامین ہیں:۔

۱......خدا اور رسولؐ کی مخالفت کا انجام۔

۲......خفیہ مشوروں کے وقت اللہ کا حاضر و ناظر ہونا۔

۳......خفیہ سرگوشیوں کی مذمت۔

۴......نیک باتوں میں باہمی مشوروں کی اجازت۔

۵......آداب مجلس کی تعلیم۔

۶......اہل علم کی تعظیم تکریم کا حکم۔

۷......آیہ نجویٰ، جس پر عمل صرف حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے کیا۔

۸......اس وقت کے مسلمانوں کو تنبیہی تازیانے لگانے کے ساتھ اس حکم کی منسوخی۔

۹......منافقین کی مذمت۔

۱۰......خدا و رسولؐ کی مخالفت کرنے والے باپ بیٹے، عزیز و اقارب بھی ہوں تو ان کی محبت کا تقاضائے ایمان کے خلاف ہونا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے“

قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّتِىۡ تُجَادِلُكَ فِىۡ زَوۡجِهَا وَتَشۡتَكِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسۡمَعُ

www.kitabmart.in

تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

''سنی ہے اللہ نے بحث اس کی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں شدت کے ساتھ بحث کر رہی ہے اور اللہ سے شکوہ کر رہی ہے۔ اور اللہ آپ دونوں کی باہمی گفتگو سن رہا ہے، یقیناً اللہ سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے''۔

ظہار کے حکم شرعی کا بیان اور اس کے کفارے کا ذکر

احکام شرعیہ تدریجی طور پر نازل ہوئے ہیں اسلام میں واضع شریعت وقانون خداوند عالم ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مبلغ شریعت ہیں، واضع نہیں ہیں۔ جب تک کہ کوئی قانون اسلامی شریعت میں خالق کی طرف سے نافذ نہ کیا جائے اس وقت تک عمل یا تو ان احکام پر ہوگا جو سابق انبیا سے چلے آرہے ہیں، اس سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعرض نہیں فرمائیں گے، چنانچہ اب تک یہ قانون تھا کہ کوئی مرد بیوی کو کہہ دے کہ انت علی کظھر امی یعنی تم مجھ پر مثل میری ماں کی پشت کی ہو چونکہ پشت کو عربی میں ظھر کہتے ہیں۔ اس لیے مرد کے اس عمل کو ظہار کہا جاتا ہے تو پھر یہ عورت اس شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی، چونکہ خود یہ کوئی روزمرہ کی ضرورت کی بات نہیں تھی، اس لیے کوئی دوسرا حکم الٰہی بذریعہ وحی رسولؐ کے پاس آیا نہیں تھا اور نہ بعثت کے بعد سے اب تک اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آیا تھا تاکہ لوگ رسولؐ کے پاس آکر اس کے بارے میں دریافت کریں۔

اور مدینہ میں یہ صورت پیش آئی کہ جماعت انصار میں سے ایک صحابی اوس بن صامت نے جن کے متعلق ایک روایت میں تصریح یہ ہے کہ وہ جلیل القدر صحابی عبادہ بن صامت کے بھائی تھے اپنی بیوی سے کسی طرح یہ جملہ کہہ دیا کہ انت علی کظھر امی اور اب اس کے بعد خود بھی پریشان تھے کیوں کہ اس کا قانونی نتیجہ معلوم تھا، اس لیے ''خود کردہ را علاجے نیست'' کے مقولے کے پیش نظر یہ ہمت نہیں تھی کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر اس اپنی غلطی کا اظہار کریں اور اس کا حل دریافت کریں بیوی نے کہا کہ میں رسولؐ کے پاس جاتی ہوں اور اس مشکل کو حل کرانے کی کوشش کرتی ہوں۔ اب اس خاتون کے نام میں ذرا سا اختلاف ہے کہ خولہ ہے یا خویلہ ہے اور باپ کے نام میں زیادہ نمایاں اختلاف ہے کہ بنت ثعلبہ ہیں یا بنت خویلد یا بنت صامت یا بنت دراج۔ بہر حال اس کی اصل قضیہ میں کوئی اہمیت نہیں۔

وہ رسول کے پاس آئیں اور صورت واقعہ بیان کی کہ میری شادی کو کافی زمانہ ہو گیا ہے۔ اتنی مدت کا میرا ان کے ساتھ ہے میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور اولاد بھی ہمارے یہاں ہو چکی ہے۔ اب انہوں نے یہ حماقت کر دی، بتائیے اب کیا ہوگا؟ حضرتؐ نے جواب دیا ابھی تک جو عام قانون تھا اس کے مطابق اب تو تم ان پر حرام ہو گئیں، میں کیا کروں؟ بعض روایت میں ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا' میرے پاس ابھی اس بارے میں کوئی حکم آیا نہیں ہے۔ رسول کی طرف سے مایوس کن جواب سن کر وہ اللہ سے فریاد کرتی ہے اور پھر پیغمبر سے اپنی وہی پریشانی اور مجبوری کہ اتنے دن کا ساتھ ہے اور بچے ہیں۔ میں کیا کروں؟ ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے حال زار کے بیان میں گریہ بھی کر رہی تھی۔ پھر حضرت جیسے اپنی بے بسی کا اظہار فرماتے ہیں اور پھر وہ خدا کو پکارتی ہے۔ یہ صورت واقعہ ہے جسے خالق کریم نے سورے کی اس پہلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔ طبری نے اس کے تفصیلات دور قدیم کے راویوں کی زبانی بیان کیے ہیں چونکہ رسولؐ کا اپنی بے بسی کے اظہار کے ساتھ یہ جواب اور اس کی مضطربانہ طور پر خالق سے فریاد کہ اس میں کی کوئی بات ہمارے نزدیک شان رسولؐ کے خلاف نہیں ہے لہٰذا اب ان روایات کے رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

www.kitabmart.in

روایت بتاتی ہے کہ تیسری دفعہ حضرتؐ جیسے بالکل خاموش ہوگئے اور حضرت کے چہرے پر ایک خاص قسم کا تغیر محسوس ہوا اور یہ اس کی علامت تھی کہ وحی نازل ہونے والی ہے اور اس وقت یہ آیتیں اتریں ہم نے اس کی بحث اور خدا سے فریاد سب سنی۔ مطلب یہ تھا کہ اب ہم اس کا حل بتاتے ہیں جس سے اس کی پریشانی دور ہو۔ روایت بتاتی ہے کہ آپ کی خاموشی کو دیکھ کر وہ بھی اب جیسے خاموشی سے نتیجہ کی منتظر ہوگئیں کہ یہ آیتیں اتریں، حضرتؐ نے سر اٹھایا اور فرمایا اپنے شوہر کو جا کر میرے پاس بھیج دو۔[1]

اب راوی کے بتانے کی ضرورت نہیں کہ آپ کے اس جواب سے کتنی اس کے نہال امید میں تازگی پیدا ہوئی اور کیسی مضطربانہ و مشتاقانہ تیزی کے ساتھ وہ اپنے گھر گئی اور اپنے شوہر کو بلا کر اپنے ساتھ لائی۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۳ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴

”وہ جو تم میں سے اپنی عورتوں سے اظہار کرتے ہیں، وہ ان کی ماں تو نہیں ہیں، مائیں تو ان کی بس وہی تھیں جنہوں نے اپنے پیٹ سے انہیں پیدا کیا تھا۔ اور لوگ ایک بری بات زبان سے کہتے ہیں اور جھوٹ اور بلاشبہ اللہ بخشنے والا، بڑا مہربان ہے اور جو لوگ اپنی عورتوں سے اظہار کریں، پھر جو کچھ کہا ہے اس سے (پریشان ہو کر) رجوع کرنا چاہیں تو آپس میں تعلقات ازدواجی قائم کرنے سے پہلے ایک بندۂ آزاد کریں، یہ تمہیں سبق دیا جاتا ہے اور اللہ جو کچھ تم کرو اس سے واقف ہے۔ اب جس کے پاس نہ ہو تو پے درپے دو مہینے روزے رکھنا ہوں گے قبل اس کے ازدواجی تعلقات کے۔ اب جو اس پر قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ ساٹھ غریبوں کو کھانا کھلائے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ اور اس کے پیغمبر پر تمہارا ایمان پایہ ثبوت تک پہنچے اور یہ اللہ کی طرف کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے“۔

ان آیات سے ظہار کے متعلق حسب ذیل باتیں سمجھ میں آتی ہیں:۔

(۱) جس طرح متبنیٰ بنانے یعنی بیٹا کہہ دینے سے کوئی واقعی بیٹا نہیں ہوجاتا، ویسے ہی ماں کہہ دینے سے واقعی وہ عورت ماں نہیں بن جاتی، نسبی جو رشتے ہیں، وہ قدرتی اسباب سے وابستہ ہیں اور وہ تمہارے کہنے یا سمجھ لینے سے وابستہ نہیں ہیں۔

شریعت اسلام میں بس رضاعت ایک ایسی چیز ہے وہ جو بعض احکام میں نسبی رشتوں کے ساتھ مشترک ہوجاتی ہے۔ باقی کہہ دینے یا سمجھ

---

[1] ادعی لی زوجك (ابن جرير)

www.kitabmart.in

لینے سے کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا۔

(۲) یہ کام یعنی بیوی کو ماں کہنا ظہار کا جو مطلب ہے اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ اور بہت برا عمل ہے۔ اس لیے اس کو منکر اور زور کہہ یا یعنی خلاف واقعہ ہونے کے علاوہ بہت بڑی برائی اس میں یہ ہے کہ ایک طرح یہ ماں کی توہین ہے، چونکہ ماں کا احترام پیش خدا بہت اہمیت رکھتا ہے لہذا غلط محل پر ماں کی لفظ کا صرف بھی اسے ناپسند ہے۔

(۳) اب اس کے بعد کیا ہو؟ کیا بس اس قول کو لغو، مہمل اور بے اعتبار سمجھ لیا جائے اور کچھ نہیں اب یہ شوہر ہے اور وہ اس کی زوجہ؟ ....جی نہیں، یہ جو ماں کی بے حرمتی کی اور رشتہ از دواج کی ناقدری بھی ....اس کی کچھ تو سزا ہونی چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ اب ابھی تو وہ اس کے لیے حرام ہے لیکن شرعی رمانہ جسے کفار کہتے ہیں، ادا کر دے تو وہ اس کے لیے حلال ہو جائے گی۔ اب وہ کفارہ کیا ہے؟۔

(۴) اس کے بیان سے پہلے یہ جملہ کہ **ثم یعودون لما قالوا** جس کا ترجمہ ہم نے یہ کیا ہے کہ جو کچھ کہا ہے اس سے (پریشان ہوکر) وہ رجوع کرنا چاہتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہار کے بعد انہیں یکسوئی کے ساتھ صبر و سکون کے لمحات میں یہ غور کر لینا ہے وہ اس کے تقاضا پر قائم رہنا چاہتے ہیں یا اس کے ساتھ تعلقات کی طرف رجوع کرنا چاہتے ہیں۔ اگر رجوع کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ترکیب یہ ہے۔

(۵) کفارہ ادا کریں، وہ ترتیبی طور پر تین چیزیں ہیں، پہلے یہ کہ کسی کو جو قید غلامی میں ہے آزاد کرے یہ ظاہر ہے کہ ایسے صاحبان حیثیت کا کام ہے جو خود غلام یا کنیز کے مالک ہوں یا اتنا پیسہ رکھتے ہوں کہ خرید کر آزاد کر سکیں اور اب عرصہ دراز سے غالب معمورۂ ارض میں غلامی کے سد باب کی وجہ سے یہ چیز خارج از بحث ہوگئی لہذا کہا گیا کہ جس کے پاس یہ امکان نہیں ہے تو پھر دو مہینے کے پے در پے روزے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ایک مہینے کے روزے تو تمام و کمال ایک ساتھ ہوں، کوئی دن ناغہ نہ ہو اور اُس سے ملا ہوا دوسرے مہینے کے روزہ رکھ لے۔ اب دوسرے مہینے کے باقی روزے کچھ تفریق کے ساتھ رکھ سکتا ہے۔ بہر صورت ان تمام روزوں کے رکھنے کے لیے جسمانی صحت و طاقت کی ضرورت ہے لہذا اس کے ساتھ کہا گیا کہ اگر یہ نہ کر سکے تو پھر؟ آخری چیز یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

طبری کی درج کردہ روایت میں ہے کہ جب اوس بن صامت رسولؐ کی خدمت میں آئے تو حضرتؐ نے یہ آیات پڑھ کر سنائے اور دریافت فرمایا کہ کیا تم طلاق دینا چاہتے ہو؟ انہوں نے انکار کیا تو حضرتؐ نے فرمایا تو پھر کفارہ دو اور وہ یہ ہے کہ بندۂ راہ خدا میں آزاد کرو۔ انہوں نے کہا یہ میں کہاں کر سکتا ہوں تو حضرت نے فرمایا تو پھر پے در پے دو مہینے کے روزہ رکھو۔ انہوں نے کہا ضعیفی سے میرا عالم یہ ہے کہ دن میں تین وقت کچھ نہ کچھ کھاؤں تو میری بصارت میں فرق محسوس ہوتا ہے۔ فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ انہوں نے کہا اس کے لیے جتنا پیسہ درکار ہے وہ بھی میرے پاس نہیں ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا، خیر اس میں تمہاری مدد کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے انہیں کچھ غلہ عنایت کیا جس سے انھوں نے کفارہ ادا کیا اور اس طرح اس خاتون کی دادرسی ہوگئی اور یہ ظہار کا قصہ رفع دفع ہو گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۵ۚ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا

www.kitabmart.in

فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝٦

’’یقیناً جولوگ اللہ اور اس کے پیغمبر کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ویسے ہی ذلیل ورسوا ہوں گے جیسے وہ لوگ ذلیل ورسوا ہوئے جو ان کے پہلے تھے اور ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں اتاری ہیں، اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے جس دن ان سب کو وہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا تو انہیں بتائے گا جو انہوں نے کیا تھا۔ اللہ تو اس پر حاوی ہے اور وہ اسے بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز پر حاضر وناظر ہے‘‘

’’وہ انہیں بتائے گا‘‘ یعنی ان کے کرتوت ان کے سامنے لا کر انہیں سزا دے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٧

’’کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ جانتا ہے اسے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کوئی تین آدمی آپس میں خفیہ باتیں نہیں کرتے مگر یہ کہ وہ انکا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہے جہاں بھی وہ ہوں گے، پھر انہیں بتائے گا جو کچھ انہوں نے کیا ہے قیامت کے دن، یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے‘‘۔

ناداں بچے جیسے کسی بات کو جب تک دہرا دہرا کر ان کے سامنے پیش نہ کی جائے نہیں سمجھتے ویسے ہی خالق کریم کے سامنے تمام افراد انسانی ہیں لہٰذا اللہ کے حاضر وناظر ہونے کی حقیقت کو وہ اس طرح سمجھاتا ہے جیسے بچوں کو کوئی بات سمجھائی جاتی ہے مگر افسوس ہے کہ صاحب عقل انسان اس کے بعد بھی نہیں سمجھتا۔ ورنہ یہ حقیقت اگر اس کے پیش نظر رہے تو وہ کوئی کام ایسا کیوں کرے جو اس مالک حقیقی کے قانون کے خلاف ہو۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ؗ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٨

’’کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں خفیہ سرگوشی سے ممانعت کی گئی، پھر بھی جس سے انہیں منع کیا تھا، وہ دوبارہ

www.kitabmart.in

وہی حرکت کرتے ہیں اور آپس میں خفیہ میٹینگیں، گناہ اور ظلم وتعدی اور پیغمبر کی نافرمانی کے ساتھ کرتے ہیں اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام کرتے ہیں جس طرح اللہ نے آپ کو سلام نہیں کیا اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ جو ہم کہتے ہیں، اس پر اللہ ہم پر عذاب نازل کیوں نہیں کرتا۔ ان کے لیے دوزخ کافی ہے جس کی تپش انہیں اٹھانا ہوگی تو وہ کتنا برا انجام ہے''۔

یہ کھلے ہوئے کفار ومشرکین نہیں ہوسکتے ورنہ انہیں پیغمبر منع کیوں کریں گے خفیہ سرگوشی سے اور ان سے پیغمبر کی اطاعت کا مطالبہ ہی کیوں ہو، اور ان سے یہ امید ہی کیوں کی جائے گی کہ وہ رسولؐ کو مناسب طور پر ادب وقاعدے کے ساتھ سلام کریں، یہ تو وہی ہوسکتے ہیں جو اسلامی جماعت میں داخل ہوچکے ہیں اس لیے پیغمبر کے پیغمبر ہونے کا اقرار کرکے آپ کی اطاعت کا جوا اپنے کندھوں پر رکھ چکے ہیں۔ مگر خفیہ میٹنگیں کرتے ہیں، اسلام پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کی ضرررسانی کے لیے اور ان کی ان خفیہ کارروائیوں کی اطلاع رسولؐ کو ہوتی ہے تو آپ انہیں بلا کر متنبہ فرماتے ہیں کہ مجھے تمہاری خفیہ سرگوشیوں کی اطلاع ہے۔ دیکھو ایسا نہ کرو مگر وہ اس کے بعد بھی اپنے رویے میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے اور اس پر طرہ یہ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر بدتمیزی سے مثلاً حضرت کا نام لے لے کر مخاطب ہوتے ہیں حالانکہ ان کی عظمت کا پاس ولحاظ وہ ہے کہ خداوند عالم نے اس عظمت وجلال ذات کے ساتھ ان سے نام لیکر تخاطب نہیں کیا اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ ہمارا طرز عمل ہوگا اور چونکہ واقعی تو وہ خدا کی خدائی اور رسولؐ کی رسالت پر ایمان رکھتے نہیں، اسلیے دل میں اپنے کہتے ہیں کہ اگر واقعی خدا کوئی چیز ہے تو ہمارا طرز عمل تو ایسا ہے کہ اسے ہم پر عذاب نازل کر دینا چاہیے تو اللہ آخر ہم پر عذاب کیوں نازل نہیں کرتا اور اللہ اپنی ستار العیوبی کو قائم رکھتے ہوئے ان کے نام کے بغیر اپنی علام الغیوبی کے ثبوت میں نہ صرف ان کی خفیہ سرگوشیوں بلکہ ان کے ذہنی تصورات کا بھی پردہ قرآن میں فاش کر دیتا ہے مگر جیسے کہہ دیتا ہے کہ ان کے افعال تو ایسے ہی ہیں کہ مستحق عذاب ہیں مگر حکمت ربانی کا تقاضا اس امت میں یہ ہے کہ ان پر دنیا کا عذاب نازل نہیں ہوگا۔ ان کے معاملے کو آخرت پر اٹھا رکھا جائے گا اور وہاں کا عذاب دوزخ کا ہے، وہ ان کے لیے کافی ہے۔

ہم ان آیات کے الفاظ سے بالکل یہی سمجھتے ہیں جو لکھا گیا مگر مفسرین جمہور ان آیات کو لے جا کر جماعت یہود پر منطبق کرتے ہیں۔ آپ کو سلام کرتے ہیں اسطرح جس طرح اللہ نے سلام نہیں کیا ہے' اس کے لیے یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ السلام علیك کے بجائے السام علیك کہتے تھے جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ پر ہلاکت ہو[1] مگر اتنی بڑی سنگین گستاخی کو خداوند عالم بس ان الفاظ میں ظاہر کرے کہ اللہ نے آپ کو اس طرح سلام نہیں کیا''۔ یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

بس ایک جناب ابن عباسؓ ہیں جنہوں نے اس آیت میں منافقون کا نام لیا ہے مگر انہوں نے بھی سلام کی وہی کیفیت بتائی ہے کہ وہ السام علیک کہتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ام المؤمنین عائشہ نے اسے محسوس کیا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ یہ کمبخت سلام کے بجائے سام کہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا میں محسوس کرتا ہوں اور اس لیے جواب میں صرف علیکم کہتا ہوں جس سے وہ بددعا انہی کی طرف پلٹ جاتی ہے۔

زہری کی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ ابل پڑیں اور جونہی انھوں نے اس طرح سلام کیا، وہ چیخ اٹھیں علیکم السامۃ واللعنۃ ''ارے ہلاکت اور پھر لعنت تم ہی کو ہوگی، مگر پیغمبر اکرمؐ نے منع فرمایا اور صبر وتحمل کی ہدایت فرمائی۔

---

[1]۔عن مجاھد: قال الیھود کانو یقولون السام علیك (ابن جریر)

www.kitabmart.in

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

''اے ایمان لانے والو! جب آپس میں خفیہ باتیں کرو تو گناہ اور ظلم وتعدی اور رسولؐ کی نافرمانی کی باتیں نہ کیا کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کیا کرو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف دوبارہ زندگی کے بعد تم سب کو یکجائی طور پر جانا ہے''

اگر وہ جماعت یہود کی بات ہوتی تو مسلمانوں کو مخاطب کر کے اس حکم کی کیا ضرورت تھی اور پھر ایک طرح کی تہدید کے ساتھ اور حشرنشر کی یاد ہانی کے ساتھ؟ چونکہ منافقین وہ ہیں جو مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہیں اس لیے یا یہا الذین آمنوا کہہ کر ضابطۂ قانونی کے ماتحت یہ پوری جماعت مراد ہوتی ہے جس میں منافقین بھی داخل ہیں، اس لیے ان کے انتباہ کے لیے مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ ہدایت کی گئی ہے جس میں بعد والے جملے سے یہ اصول بتا دیا گیا کہ ہر خفیہ قسم کی گفتگو ممنوع نہیں ہے بلکہ اگر نیک مقاصد سے مصلحتۂ خفیہ میٹنگ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے بلکہ وہ پسندیدہ پروردگار ہوگی۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَـيْـــًٔـا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

''وہ خفیہ گفتگو شیطان کی تحریک سے ہوتی ہے تاکہ انہیں جو مومن ہیں باعث رنج ہو حالانکہ وہ انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی سوا اس کے کہ منظور خدا ہو اور اللہ کا بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو''

جب کہ گزشتہ آیت میں ایک قسم کی خفیہ گفتگو کی ممانعت کی گئی اور اس کے بالمقابل دوسری طرح کی خفیہ گفتگو کا بصیغہ امر حکم دیا گیا جو اس بناء پر کہ ممانعت کے مقابلے میں ہے حکم نہیں، بلکہ اجازت کے مفہوم میں ہوگا تو اب شیطانی تحریک کا نتیجہ قرار دیا جا رہا ہے وہ پہلی ہی قسم کی سرگوشی ہوگی جس کی ممانعت کی گئی تھی۔ اس طرح یہ الف لام النجویٰ میں عہد کا ہوگا جس کی بنا پر ہم نے ترجمہ کیا ''وہ خفیہ گفتگو یعنی سرگوشی جو منافقین کرتے ہیں لہٰذا اب جو الذین آمنوا ہے، اس سے مراد وہ ہوں گے جو واقعی مومن ہیں اور اسطرح اخر میں جو کہا گیا ہے کہ مؤمنین کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے، اس سے مراد بھی یہی سچے مومن ہیں چنانچہ یہاں مفسر طبری بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ [1]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

[1] اولی الاقوال فی ذالك بالصواب قول من قال عنی به مناجاۃ المنافقین (ابن جریر)

www.kitabmart.in

''اے ایمان لانے والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجمعوں میں ادھر اُدھر ہٹ کر جگہ دو تو جگہ دے دیا کرو، اللہ تمہارے لیے کشائش پیدا کریگا اور جب تم سے کہا جائے کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جاؤ اللہ بلندی نمایاں کرے بدرجہاان کی جو تم میں ایمان رکھتے ہیں او جنہیں علم کا جوہر عطا ہوا ہے اور اللہ جو تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے''۔

بغیر تفاسیر کے مطالعے کے خود آیت کے الفاظ سے جو سمجھ میں آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبوں میں یا کسی مجلس مشاورت میں لوگ پہلو سے پہلو ملائے ہوئے بیٹھے ہیں اور ایک شخص ایسا آیا جو تقدم ایمان کے اعتبار سے اور علمی بلندی کے لحاظ سے قابل تعظیم و تکریم ہے مگر لوگ اسے جگہ نہیں دیتے کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا، اس بدتمیزی پر قرآن نے تنبیہ کی ہے۔ ایک تو قابل احترام شخص کو دیکھ کر لوگوں کو خود ہی اس شعور سے کام لینا چاہیے تھا کہ اس کے احترام میں کھڑے ہو جائیں اور اسے آگے بڑھ کر شایان شان جگہ پر بیٹھنے کا موقع دیں اور پھر اس پر مزید یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجمع سے فرمائیں کہ دیکھو، وہ آرہے ہیں، اٹھ کھڑے ہو اور انہیں آگے بڑھنے کے لیے جگہ دو مگر مجمع اس پر بھی ٹس سے مس نہ ہو تو یہ کتنی بدتمیزی کی بات ہوگی، اس لیے آخر کے جملے میں ایک تہدیدی انداز ہے کہ ''اللہ جو تم کرتے ہو، اس سے خوب واقف ہے''یہ تو ہم نے وہ لکھا ہے جو خود الفاظ آیت سے سمجھ میں آتا ہے۔ اب تفسیر سامنے رکھتے ہیں اور اس پر نظر ڈالتے ہیں تو پہلے مجالس کی تشریح میں اختلاف ہو گیا کچھ لوگوں نے مجالس کی تشریح میں اختلاف ہو گیا، کچھ لوگوں نے مجالس کے معنی وہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزم کے قرار دئے، اور کچھ نے اُسے مجالس جہاد قرار دیا مگر یہ دوسری تشریح ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آئی اس لیے کہ جہاد کے میدان ہوتے ہیں یا صفوف لشکر ہوتے ہیں، مجالس نہیں ہوا کرتے۔

پھر اس کے بعد جو ہے کہ جب کہا جائے کھڑے ہو جاؤ، اس کے معنی یہ لیے ہیں کہ جب کچھ کار ہائے ضروری کے لیے اور نماز کے لیے کہا جائے تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ اگر فقط یہی جملہ ہوتا تو بات اپنی جگہ صحیح تھی مگر یہ تو بیچ میں ہے، یہ جو مفہوم قرار دیا گیا ہے، مجھے اس کا ربط نہ تو قبل کے جملے سے محسوس ہوتا ہے اور نہ بعد کے جملے سے، اور میں تو وہی مفہوم سمجھ رہا ہوں جو خود الفاظ آیت سے سمجھ میں آیا تھا جو پہلے لکھا جا چکا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

''اے یمان لانے والو! جب پیغمبر کے پاس آکے بصیغہ راز کچھ بات کرو تو اپنی اس بات چیت سے پہلے کچھ خیرات دے دیا کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور زیادہ پاکیزگی کا ذریعہ تو اگر تمہارے پاس نہ ہو تو بلاشبہ اللہ

www.kitabmart.in

بخشنے والا، مہربان ہے۔ (ارے) کیا تم ڈر گئے اس سے کہ اپنی صیغہ راز والی باتوں کے پہلے خیرات دو، اب جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تمہاری توبہ قبول کرلی تو بس نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرو، اور اللہ واقف ہے اس سے جو تم کرتے ہو"۔

یہ مشہور و معروف آیہ "نجوٰی" ہے جس کے لیے علی بن ابی طالب علیہ السلام کے مخصوص مناقب میں سے ایک یہ ہے کہ اس آیت پر سوا آپ کے کسی نے عمل نہیں کیا۔

واقعہ یہ تھا کہ اکثر صحابہ رسول حضرت سے اپنے تقرب کے اظہار کے لیے بلاوجہ جب موقع ملتا رسول کی خدمت میں آکر چپکے چپکے باتیں کرتے تھے جسمیں اس کا مظاہرہ تھا کہ ہم بڑے حضرتؐ کے راز دار ہیں، یہ باتیں اکثر کسی افادیت کی حامل نہیں ہوتی تھیں، اس سے بلاوجہ رسولؐ کا قیمتی وقت برباد ہوتا تھا۔ حضرت بربنائے اخلاق کریمہ اسے برداشت کرتے تھے اور ان کی دل شکنی نہ فرماتے تھے۔ خداوند عالم نے ذرا ان کی تنبیہ کے لیے اور ان پر اور دوسروں پر بھی نمایاں کرنے کے لیے کہ وہ حقیقتہً کتنے پانی میں ہیں، ذرا سا ان کا امتحان لے لیا کہ جب رسولؐ کے پاس آکے تمہیں اس طرح مخفی طور پر باتیں کرنا ہوں تو پہلے راہ خدا میں کسی غریب کو کچھ دے دو۔ اس میں کوئی کم زیادہ کی قید نہیں تھی مگر اب سناٹا ہو گیا اور جو لوگ روز آیا کرتے تھے اب ان میں سے کوئی نہیں آیا، حترام حکم الٰہی کے قائم رکھنے کے لیے صرف حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے، جنھوں نے اس دوران میں کئی مرتبہ صدقہ دیا اور آ آکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھوڑی تھوڑی دیر بیٹھے، جب خالق کی طرف سے جو امتحان کا مقصد تھا، وہ پورا ہو گیا تو دوسری آیت اتری جس کا مطلب یہ کہ اچھا بس اتنے ہی میں تمہارے خلوص و تقرب کا بھرم کھل گیا تم اتنے سے میں اڑ گئے، اب یہ حکم ہر طرف، اب جو عام فرائض ہیں، بس وہی ادا کرو اور خدا اور رسول کی طرف سے جو عام فرائض ہیں، بس وہی ادا کرو، یقیناً اس کے بعد ذرا بھی جنھیں غیرت تھی ان کے آنے میں رسولؐ کی خدمت میں ذرا کمی ہوگئی اور رسول کے پاس آنے والوں کے خلوص کی حقیقت بھی نمایاں ہوگئی۔

محمد ابن جریر طبری نے مجاہد کی زبانی تو بس اتنا لکھا ہے کہ فلم نیاجه الاعلی ابن ابی طالب قدم دینارا تتصدقة به "تو اس کے بعد آپ سے اس طرح آکر بات نہیں کی سوا علی ابن ابی طالب کے جنھوں نے ایک دینار الگ کیا اور اسے خیرات میں دیدیا۔

دوسری روایت میں خود علی ابن ابی طالبؑ کا فرمان درج ہیں: ان فی کتاب الله عزوجل الایة ماعمل بها احد قبلی ولا یعمل بها احد بعدی. کتاب الٰہی میں ایک آیت ایسی ہے کہ نہ اس پر کسی نے میرے پہلے عمل کیا اور نہ بعد میں اس پر عمل کرنے والا ہوگا۔

تیسری روایت میں بھی وہی پہلا مضمون ہے، چوتھی روایت میں حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ میرے پاس ایک دینار تھا میں نے اسے بھنوا لیا تو میرے پاس دس درھم ہو گئے۔ اب میں نے یہ کیا کہ حضرتؐ کے پاس جب بھی آتا تھا، ایک درہم کسی کو دیتا تھا۔ اس کے بعد یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ دوسرے تفاسیر اہل سنت جیسے کشاف اور تفسیر خازن اور تفسیر ابن کثیر، اور درمنثور وغیرہ میں بھی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی یہ خصوصیت درج ہے۔ اب طبری کی ایک روایت میں تو یہ ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے چار مرتبہ صدقہ دیا جس کے بعد وہ حکم منسوخ ہوا۔

زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ حکم کتنے وقت تک رہا۔ ایک قول یہ ہے کہ دس دن تک یہ حکم رہا اور ایک یہ ہے کہ پورے ایک دن بھی نہ رہا، صرف چند گھنٹوں تک رہا اس کے بعد دوسری آیت نازل ہوگئی۔

www.kitabmart.in

درایۃً ان میں پہلی بات قابل ترجیح ہے، اس لیے کہ اس حکم کا جو مقصد تھا وہ اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا تھا، جب تک کافی مدت اس کا عمل کرنے کی دعویداران خلوص وتقرب کو دی نہ جائے پھر اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت علیؑ کی زبانی آچکی ہے کہ آپ کے پاس ایک دینار سے دس درہم ہوئے۔ اس سے ذہن میں آتا ہے کہ حکم دس دن رہا اور آپ نے روز ایک مرتبہ حضرت سے مکالمہ کرتے ہوئے ایک درہم دیئے۔ اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ علی ابن ابی طالبؑ کے لیے تین فضیلتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک میرے لیے ہوتی تو میرے لیے سرخ بال والی اونٹ سے زیادہ محبوب ہوتی۔ ایک حضرت فاطمہ زہرا علیہاالسلام کے ساتھ شادی، اور دوسرے خیبر میں علم کا عطا ہونا، اور تیسرے آیہ نجوٰی پر عمل میں منفرد ہونا۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ ؕ مَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلَا مِنۡهُمۡ ۙ وَیَحۡلِفُوۡنَ عَلَى الۡكَذِبِ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَهُمۡ جُنَّةً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ ﴿۱۶﴾ لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ؕ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۷﴾ یَوۡمَ یَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیۡعًا فَیَحۡلِفُوۡنَ لَهٗ كَمَا یَحۡلِفُوۡنَ لَكُمۡ وَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ عَلٰى شَیۡءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۸﴾ اِسۡتَحۡوَذَ عَلَیۡهِمُ الشَّیۡطٰنُ فَاَنۡسٰىهُمۡ ذِكۡرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزۡبُ الشَّیۡطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّیۡطٰنِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِی الۡاَذَلِّیۡنَ ﴿۲۰﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اتحاد عمل کیا ہے اس جماعت سے جس پر اللہ کا غضب ہے، نہ وہ ان میں ہیں اور نہ تم میں سے اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، حالاں کہ وہ جانتے ہیں، ان کے لیے اللہ نے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، بہت برا ہے وہ جو وہ کرتے رہے ہیں، انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنالیا تو اللہ کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں تو ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ انہیں ان کے مال اور اولاد اللہ کے مقابلے میں کچھ فایدہ نہ پہنچائیں گے، یہ لوگ دوزخ والے ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جس دن اللہ انہیں دوبارہ اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے یوں ہی قسمیں کھائیں گے جیسے تم لوگوں کے سامنے کھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ کسی صحیح پالیسی پر ہیں، آگاہ ہونا چاہیے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ پا یا لیا ہے تو انہیں اللہ کی یاد کو بھلا دیا ہے۔ یہ لوگ شیطان کے پارٹی والے ہیں آگاہ ہو کہ شیطان کی پارٹی گھاٹا اٹھانے والی ہے، یقیناً جو اللہ اور اس کے پیغمبر کی

www.kitabmart.in

مخالفت کرتے ہیں، یہ لوگ انتہائی ذلیل لوگوں میں سے ہیں"

قرآن مجید میں یہود کا جیسے مخصوص وصف جو مثل لقب ہوگیا ہے کہ وہ "مغضوب علیہم "یعنی مورد غضب پروردگار ہیں۔ منافقین جا کر ان کے ساتھ مشوروں میں شریک ہوتے تھے اور انہیں اپنی ہمدردی اور یک جہتی کا یقین دلاتے تھے اور جب مسلمان ان سے پوچھتے تو وہ قسمیں کھا کھا کر انکار کرتے تھے یہ آیتیں انہیں کے اس کردار کی مذمت میں ہیں۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾

"اللہ نے لکھ دیا ہے کہ ضرور بالضرور میں اور میرے پیغمبر غالب آئیں گے یقیناً اللہ طاقتور ہے، غالب آنے والا"۔

لکھ دیا ہے" اس کا قطعی فیصلہ ہے مگر یہ کسی ایک پیغمبر کے ظرف زندگی سے متعلق نہیں ہے بلکہ وہ پورا نظام جو اللہ کا قائم کیا ہوا اور اس کے پیغمبروں کا پہنچایا ہوا ہے اس کے آخر میں عالمگیر غلبہ کا ذکر ہے جس کا دوسرے مقامات پر "لیظھرہ علی الدین کله" کی لفظوں میں اعلان ہے۔ وہ مکمل طور پر دنیا کے سامنے نہیں آیا ہے۔ اس کے لیے ایک خاص رہنما کا انتظار ہے جو دنیا کے سامنے آخر عمر دنیا میں آئے گا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

"کسی جماعت کو جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو، نہیں پاؤ گے کہ وہ محبت رکھیں ان سے جو اللہ اور اس کے پیغمبروں کے مخالف ہیں، چاہے وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے یا اور بھائی ہوں یا ان کے قبیلے والے ہوں۔ یہ وہ ہوں گے کہ جن کے دلوں میں اس نے ایمان کو نقش کر دیا ہے اور ان کی تقویت کی ہے اپنی طرف کی روح سے اور انہیں داخل کرے گا ان بہشتوں میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ یہ اللہ کی جماعت والے ہوں گے یقیناً اللہ کی جماعت والے غالب آنے والے ہیں۔"

منافقین کے مقابلے میں یہ ایمان والوں کی شان ہے۔ ان کے ذکر میں کہا گیا تھا کہ یہ شیطان کی پارٹی والے ہیں۔ اب ان کے مقابلے میں اس گروہ کو کہا جا رہا ہے کہ یہ اللہ کی طرف والے ہیں۔ ان دونوں میں نتیجے کے لحاظ سے غلبہ ایمان والوں ہی کا ہونا ہے۔

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الْحَشْرِ

مدنیّہ......۲۴......آیات

وہ حشر عمومی اولین اور آخرین کا ہے جو قیامت میں ہوگا، یہاں یہود کے ایک قبیلہ کو اجتماعی طور پر سزا دی گئی ہے اور اس کو سورۂ کی دوسری آیت میں حشر سے تعبیر کیا گیا اس پر سورہ کا یہ نام ہوا۔

اس ذیل میں ان اموال کے متعلق احکام کا بیان ہوا ہے جنہیں فقہ میں بھی قرآن مجید کی استعمال کردہ لفظ کے لحاظ سے فئ کہا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مہاجرین اور انصار کی توصیف ہے اور اس کے بعد منافقین اور ان کی ترکیبوں کا بیان ہے جو سورۂ بقرہ کے شروع والے حصے سے لے کر یہاں تک قرآن مجید کی ایک بڑی مہم معلوم ہوتی ہے۔ اس سب کے بعد قرآن کی قوت تاثیر کا پُرزور الفاظ میں اظہار ہے۔ آخر کی کئی آیتوں میں اوصاف الٰہی کا مسلسل تذکرہ ہے جس پر یہ سورۂ ختم ہوا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

"تسبیح خواں ہے اللہ کے لیے جو چیز بھی ہے آسمان میں اور جو چیز بھی ہے زمین میں ہے اور وہ غالب آنے والا، صحیح کام کرنے والے ہے۔ وہ وہ ہے جس نے اہل کتاب میں سے ان کو جنہوں نے کفر اختیار کیا، نکالا ان کے گھروں سے پہلے حشر میں تم لوگوں کو تو گمان بھی نہیں بھی نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے اور ان کا گمان یہ تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے محفوظ رکھیں گے تو اللہ اُن کی طرف آیا ایسی راہ سے جس کا اُنہیں خیال نہیں تھا اور ان کے دلوں میں اس نے رعب ڈال دیا کہ وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے مسمار کر رہے تھے ایمان والوں کے ہاتھوں سے، تو اے نگاہ والو عبرت حاصل کرو"۔

www.kitabmart.in

جماعت یہود کے جواہم قبیلے مدینہ میں آباد تھے، بڑے صاحب اقتدار، صاحب ثروت اور دفاعی اسلحہ سے مسلح تھے اور انہوں نے بڑے بڑے قلعے بنا رکھے تھے، جنہیں وہ ناقابل تسخیر سمجھتے تھے۔ ان میں سے ایک بہت مضبوط قلعہ قبیلہ بنی نضیر کا تھا۔ انہوں نے جب غداری کی اور رسولؐ نے محاصرہ کیا تو جیسے اس آیت میں ہے، اللہ نے ان پر رعب ایسا طاری کیا کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیے ان شرائط پر کہ وہ مدینہ سے باہر نکل جائیں گے اور جتنا مال دولت اونٹوں پر بار ہو سکے، وہ سب ساتھ لے جائیں گے، باقی ان کے مکانات اور جو سامان نہ جا سکے، ان سب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگا۔ چنانچہ اس شرط کے مطابق ان کی جلاوطنی شام کے مل کی طرف ہوئی اور کچھ لوگ خیبر کی طرف چلے گئے۔ حشر کے معنی اکٹھا کرنے کے ہیں۔ اس اجتماعی جلاوطنی کو پہلے ''حشر'' کی لفظ سے تعبیر کرنے سے ذہن اس برے حشر کی طرف مڑتا ہے جو قیامت میں ہوگا اور جہاں اولین اور آخرین سب اکٹھا ہوں گے اور ہر ایک کو پوری سزا اس کے زندگی بھر کے جرائم کی ملے گی۔

اپنے گھروں کو کیوں مسمار کر رہے تھے؟ اس کے لیے ایک خیال یہ ہے کہ چونکہ منقولہ اموال کے ساتھ لے جانے کی اجازت ہوئی تھی اس لیے گھر و کا دروازہ جو انہیں قیمتی معلوم ہوتا تھا یا کوئی خاص لکڑی کہیں پر قیمتی تھی تو وہ اس کو نکال کر اپنے ساتھ منقولہ اموال میں شامل کرتے تھے دوسرے یہ کہ قلعے کے کچھ حصے کو مسلمان توڑتے تھے وہ اپنے کسی گھر کو گرا نے کرا سے درست کرتے تھے، یہ دونوں وجہیں طبری نے لکھی ہیں جن میں پہلی بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

تیسری توجیہہ یہ ہے کہ وہ اپنے یہاں اندر گھروں کو تباہ کرتے تھے تاکہ مسلمان آسانی کے ساتھ ان میں قیام نہ کر سکیں اور مسلمان باہر کی عمارتوں کو گرا کر قلعہ کے اندر جانے کے لیے راستا بناتے تھے۔

وَلَوۡلَاۤ اَنۡ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمُ الۡجَلَاۤءَ لَعَذَّبَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا ‌ؕ وَلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳ ذٰ لِكَ بِاَنَّهُمۡ شَآ قُّوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ‌ ۚ وَمَنۡ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ‏ ۝۴

''اور اگر اللہ جلاوطنی کا فیصلہ ان کے لیے نہ کرتا تو انہیں یہیں اس دنیا میں انہیں سزا دیتا اور ان کے لیے آخرت میں تو عذاب ہے ہی۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے پیغمبر سے مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرے گا تو یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے''۔

ظاہر ہے کہ جلاوطنی کی صورت میں جو سزا ہوتی وہ اور زیادہ سخت ہوتی یعنی مردوں کا قتل ہونا اور عورتوں اور بچوں کا اسیر ہونا جو جنگ میں ہوا کرتا تھا۔ [۱]

مَا قَطَعۡتُمۡ مِّنۡ لِّيۡنَةٍ اَوۡ تَرَكۡتُمُوۡهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوۡلِهَا فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ وَلِيُخۡزِىَ الۡفٰسِقِيۡنَ‏ ۝۵

---

[۱]۔ لعذبھم فی الدنیا بالقتل والسبی (ابن جریر)

www.kitabmart.in

''طرح طرح کے کھجور کے درختوں میں سے جو تم نے قطع کیا یا جنہیں ان کی جڑوں پر چھوڑ دیا وہ اللہ کی اجازت سے ہے اور وہ اس لیے کہ وہ ان بداعمالوں کی رسوائی نمایاں کرے''۔

پہلے جو ذکر تھا ان کے مکانات کا، اب یہ ان کی باغات کا ذکر ہے جن میں بہت کھجور کے درخت تھے، ان میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہو گیا، کچھ لوگ جوش انتقام میں ان کے درختوں کو بھی کاٹنے لگے، اور کچھ لوگوں نے ہوش سے کام لیتے ہوئے کہا کاٹنے سے کیا فائدہ؟ اب یہ مسلمانوں کے قبضے میں آئیں گے تو ان سے وہ فائدہ اٹھائیں گے۔ خداوند عالم نے اس آیت میں دونوں کی بات رکھی کہ جنہوں نے کچھ درخت کاٹ دیے وہ بھی ٹھیک تھا، اس سے ان کے مالکوں کی رسوائی کا ایک مظاہرہ ہوا۔ اور جو انہیں باقی رکھنا چاہتے ہیں، وہ بھی ٹھیک ہے کہ مسلمان ان سے منتفع ہوں گے۔[1]

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۞ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞

''اور جو (مال) اللہ نے اپنے رسول کی طرف سے (نکال کر) پہنچایا تو تم لوگوں نے اس پر کوئی اونٹ گھوڑے تو دوڑائے نہیں ہیں مگر اللہ کی قدرت ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں کو قابو دیدیتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، تو اللہ نے اپنے پیغمبر کو پہنچایا ان بستیوں کے باشندوں سے تو وہ بس اللہ کا ہے اور پیغمبر کا ہے اور صاحبان قرابت اور یتیموں اور مسکینوں اور پردیسی کا ہے تاکہ وہ ایسی دولت نہ ہو جو دست بدست گردش کرتی رہے ان لوگوں میں جو تم میں سے صاحب دولت ہیں اور جو رسول عطا کریں اسے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آؤ اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ سخت سزا والا ہے''۔

فئی کا معنی پلٹنے کے ہیں یہاں افآء کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں راجع کیا یعنی پلٹایا چونکہ ان اموال کے ذکر میں قرآن مجید نے لفظ افآءَ صرف کی ہے، اس لیے اسلامی فقہ میں ان اموال کا نام ہی اموال فئی ہو گیا۔

اب چونکہ جو پہلے مالک تھے، ان کا یہاں نام نہیں ہے بلکہ پہلے منھم ضمیر کے ساتھ ہے کہ ''ان لوگوں سے'' اور پھر من اہل القرای ''ان بستیوں والوں سے'' تو چونکہ اس سورے کا آغاز بنی نضیر کے ذکر سے ہوا ہے لہٰذا بعض قدیم مفسرین نے اسے بنی نضیر ہی کے متروکہ اموال

---

[1] نزل القرآن بتصديق من نهى عن قطعة وتعليل من قطعة من الاثم (ابن جرير)

www.kitabmart.in

سے متعلق قرار دیا، بعض نے یہود کے دوسرے قبیلے بنی قریظہ کے اموال سے متعلق قرار دیا ہے جن کی سرکوبی کی مہم اس کے بعد انجام پائی تھی۔

بہر حال بنی نضیر یا بنی قریظہ چونکہ مدینہ کے اندر ہی تھے اور بس مسلمانوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا کر ان کا محاصرہ کر لیا، جہاد کے لیے نہ کوئی سفر ہوا اور نہ کوئی جنگ ہوئی۔ انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور ادھر سے ان کے خلاف تادیبی فیصلہ جو ہونا تھا وہ ہوا تو ایسے اموال کا حکم یہ ہے کہ وہ خاص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت ہوتے ہیں۔ ان میں بطور مال غنیمت مسلمانوں کا حق نہیں ہے۔ رسولؐ خود ان اموال کو جس طرح چاہیں تقسیم فرمائیں اور جتنا جس کو چاہیں دے کسی کو چون چرا کا حق نہیں ہے۔ بغیر تفاسیر پر نظر کے جب ان دونوں آیتوں پر ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ سمجھ آتا ہے کہ یہ دونوں ایک ساتھ نازل شدہ ہیں اور دوسری آیت میں پہلی کا تکملہ ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (بقرہ -۹۷)

جو جبرئیل کا دشمن ہو تو انہوں نے تو اسے اللہ کے حکم سے اتارا ہے آپ کے دل پر (تا آخر مضمون آیت)

اس میں جو بات شروع کی گئی تھی وہ جیسے ختم نہیں ہوئی۔ دوسری آیت میں اسے مکمل کیا گیا کہ:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ" (بقرہ -۹۸)

جو دشمن ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور پیغمبروں اور جبرئیل و میکائیل کا تو یقیناً اللہ دشمن ہے کافروں کا۔

ایسے ہی یہاں کلام شروع ہوا ہے کہ:- وما افاء اللہ علی رسولہ منھم "جو اللہ نے مال دلوایا اپنے پیغمبر کو ان سے" اس کا تتمہ ابھی نہیں آیا کہ وہ مال کیا ہوگا؟ اور تبصرہ ہونے لگا ان مسلمانوں کے مطالبہ پر جو چاہتے ہیں کہ وہ بطور مال غنیمت تقسیم ہو تو کہا جا رہا ہے کہ اس میں تم نے کوئی مختلف سواریوں پر سوار ہو کے سفر تو کیا نہیں، نہ جنگ کی ہے جو اس میں تم سب کا حق ہو۔ وہ تو اللہ نے اپنی قدرت سے اپنے رسول کو دلوایا ہے۔ اب اس بات کو پورا کرنے کے لیے یہ دوسری آیت ہے کہ جو اللہ نے ان بستیوں کے رہنے والوں سے اپنے رسول کو دلوایا ہے وہ اللہ کا ہے اور اس کا رسول کا ہے اور صاحبان قرابت کا (تا آخر مضمون آیہ) یہ وہ ہے جو دونوں آیتوں سے پہلی نظر میں سمجھ میں آتا ہے۔

مگر طبری نے جس طرح تشریح کی ہے، کہ اس میں پہلی آیت الگ کر دی ہے کہ وہ اموال بنی نظیر یا بنی قریظہ کے بارے میں ہے اور دوسری آیت کو الگ کر دیا ہے کہ یہ کچھ دیہات کے مشرکین تھے، ان کے اموال کے بارے میں ہے اور معمر کا قول ہے کہ وہ جزیہ اور دیہات کے باشندوں کے خراج کے بارے میں ہے۔ یزید بن رومان کا قول ہے کہ یہ وہ ہے جن پر سواروں اور پیادوں کے ساتھ فوج کشی ہوئی ہو اور جنگ کر کے ان پر فتح حاصل کی گئی ہو، اور کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ ابتدائے اسلام میں مال غنیمت کا حکم تھا، پھر وہ منسوخ ہو گیا، سورۂ انفال کی آیت سے کہ:-

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى (انفال -۴۱)

اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جو تم مال غنیمت حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور صاحبان قرابت کا۔

بہر حال ہماری نظر میں اسی کو ترجیح ہے کہ یہ آیتیں ایک ساتھ کی ہیں اور ایک دوسرے کے تتمہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یہ جملہ کہ:- ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ محل کے اعتبار سے تو یہ مال ہی سے متعلق ہے کہ رسول جس

www.kitabmart.in

کو جتنا دیں، اسے بس وہ لے لے، پھر زیادہ کا طلب گار نہ ہو اور جس کو نہ دیں وہ خاموش رہے، اس پر اعتراض نہ کرے مگر چونکہ عطا فقط عطائے مال نہیں ہے بلکہ احکام بھی اس کے تحت میں داخل ہیں اس لیے علما اس جملے کو بطور استدلال مطلق اطاعت رسول کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ ما آتا کم میں رسول کے مثبت احکام میں کہ رسول جس بات کی ہدایت فرمائیں اسے عمل میں لاؤ اور نہا کم میں حضرت کی ممانعتیں ہیں کہ جن کاموں سے روک دیں انہیں عمل میں نہ لاؤ۔ آخر میں بہت سخت تہدیدی الفاظ ہیں جن سے ظاہر ہے کہ مخالفت رسولؐ کی بہت سخت سزا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾

''ان غریبوں کے لیے جو ہجرت کر کے آئیں ہیں، جو اپنے گھر وبار اور مال ودولت سے نکلنے پر مجبور ہوئے طلب گار ہوتے ہوئے اللہ کا فضل وکرم اور خوشنودی کے اور اس کے پیغمبر کی مدد کرتے ہوئے، یہ سچے لوگ ہیں''۔

بغیر حرف عطف یہ لام جو استحقاق یا ملکیت کا اظہار کرتا ہے بظاہر سابق میں ''اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ الخ تھا اسی کا بیان ہے کہ ان کے جو قرار دیا گیا ہے، وہ درحقیقت ان مہاجرین کے لیے ہیں جن کے یہ اوصاف ہیں۔ عام طور پر مفسرین نے اسے اموال بنی نضیر سے متعلق قرار دیا ہے کہ وہ مہاجرین کے لیے رکھے گئے تھے۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾

''اور وہ جو پہلے سے اس دیار میں قیام کیے ہوئے تھے اور ان کے (آنے سے) پہلے ایمان لائے تھے، وہ محبت رکھتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کی طرف آتے ہیں اور وہ اپنی بستیوں کے اندر رشک وحسد محسوس نہیں کرتے اس سے جو انہیں دیا گیا ہے اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں چاہیے وہ ضرورت مند ہوں اور جو اپنی نفسانی تنگدستی سے بچا رہے تو یہی لوگ دین ودنیا کے بہترین حاصل کرنے والے ہیں''۔

انصار کی تعریف ہے جنہوں نے مہاجرین کو اس مال کے عطا کرنے پر کوئی ناگواری محسوس نہیں کی تھی بلکہ سمجھے کہ یہ چونکہ یہاں بے سروسامانی کے ساتھ آئے ہیں، اس لیے ان کی امداد ضروری ہے اور رسولؐ نے جو انہیں ان اموال کے ساتھ مخصوص کیا، وہ بالکل درست ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۧ﴿۱۰﴾

www.kitabmart.in

''اور جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں کہ پروردگارا! اپنی مغفرت میں شامل حال فرما، ہمارے لیے اور ہمارے ان بھائیوں کے جنھوں نے ایمان میں ہم پر سبقت کی اور ہمارے دل میں کینہ وعداوت نہ آنے دے اُن سے جو ایمان لائے ہیں۔ اے ہمارے مالک! یقیناً تو بخشنے والا ہے، بڑا مہربان''۔

چونکہ انصار کو یہ کہا گیا تھا کہ وہ ان مہاجرین کے آنے سے پہلے ایمان لائے تھے اس لیے ایک تصور یہ ہے کہ ان کے بعد جو آئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ایمان لانے کے بعد جو باہر سے آئے تو یہ وہی مہاجرین کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اور ان دونوں آیتوں میں ان کی باہمی خیر سگالی کا ذکر ہے۔ کہ انصار ان سے جلتے نہیں بلکہ ان کو اپنے او پر ترجیح دیتے ہیں اور وہ مہاجرین ان کو یوں دعائیں دیتے ہیں اور ہوسکتا ہے مراد بعد کے اسلام لانے والے ہوں جو اپنے سے تقدم رکھنے والے صاحبان ایمان کی فضیلت کے قائل ہیں اور انہیں یوں دعائیں دیتے ہیں[1] لیکن اس سے شخصیتوں میں امتیاز اور کسی منصب دینی کی اہلیت اور عدم اہلیت پر بحث کا سد باب نہیں ہوتا، نہ فاسقین یا ظالمین میں سے ہونے کے بعد جو اس کا تقاضا ہے، اس کی نفی لازم آتی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو منافق ہیں کہ وہ اپنے بھائی بندوں سے جو منکر اسلام ہیں اہل کتاب میں کہتے ہیں کہ اگر تم جلاوطنی کیے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ شہر سے نکل جائیں گے اور تمہارے بارے میں کسی دوسرے کا کہنا نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نکلیں گے نہیں اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر مدد کریں بھی تو پیٹھ پھرائیں گے اور پھر ان کی کوئی مدد نہیں ہوگی''۔

شروع سورہ سے جو آیتیں تھیں، ان سے ظاہر تھا کہ وہ مہم سر ہونے کے بعد کی آیتیں ہیں اور ان کے مضمون سے ظاہر ہے کہ وہ بنی نضیر سے متعلق ہیں۔ حالانکہ بعض نے وہاں بھی قریظہ کا نام لیا تھا مگر وہ درست نہیں ہے اور اب ان آیتوں کے مضمون سے ظاہر ہے کہ یہ کسی آئندہ پیش ہونے والی مہم سے متعلق ہیں جو اہل کتاب یہودیوں کے سلسلہ میں ہیں۔ اسی لیے یہ سمجھنا درست ہے کہ اب یہ آیتیں بنی قریظہ سے متعلق ہیں کہ منافقین ان سے غلط دعوے کرکے انہیں رسولؐ کے مقابلے میں قدم جمائے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ کہ وقت آئے گا تو وہ ان کا ساتھ

---

[1] ۔عنی بالذین جاءو امن بعدھم و الذین آمنو من بعد الذین ثبتو الدار (ابن جریر)

بالکل نہیں دیں گے مگر تعجب ہے کہ قدیم مفسرین ان آیات کو بھی بنی نضیر سے متعلق قرار دیتے ہیں۔[۱] جو نظم سورہ کی بنا پر ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

لَاَ انۡتُمۡ اَشَدُّ رَهۡبَةً فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنَ اللّٰهِ‌ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ جَمِيۡعًا اِلَّا فِىۡ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ‌ ؕ بَاۡسُهُمۡ بَيۡنَهُمۡ شَدِيۡدٌ ؕ تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا وَّقُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى‌ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡقِلُوۡنَ‌ ﴿۱۴﴾

''یقیناً تم لوگوں کا خوف ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔ یہ سب مل کر کبھی تم سے جنگ نہیں کریں گے مگر ایسی بستیوں میں جو قلعہ بند ہوں یا دیواروں کے پیچھے سے، ان کا اختلاف خود آپس میں بہت سخت ہے تم انہیں سب اکٹھا دیکھتے ہو، حالانکہ دل ان کے الگ الگ ہیں، یہ اس وجہ سے کہ وہ عقل سے کام نہیں لیتے''۔

منافقین کا ذکر اس سے پہلے ختم ہو گیا اور تتمہ اس کا بعد کو بھی آئے گا۔ اب یہ خود اس یہود جماعت کا ذکر ہے جیسا کہ ہم نے بتایا۔ پہلے کے مفسرین بنی نضیر بتارہے ہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ بنی قریظہ ہیں جن کی مہم بعد کو سر کی گئی۔ خدا سے ڈرتے رہتے تو ایمان لے آتے مگر خدا سے تو ڈرتے نہیں، تم سے ڈرتے ہیں اس لیے تم سے بچاؤ کے لیے قلعوں کی پناہ لیتے ہیں۔

كَمَثَلِ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ قَرِيۡبًا‌ ذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ‌ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ‌ ﴿۱۵﴾

''جیسے وہ جو ان کے پہلے تھے، ابھی ماضی قریب میں انہوں نے اپنے کرتوتوں کا خمیازہ بھگتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

جو اختلاف ہمارے اور ان مفسرین کے درمیان تھا، وہ برابر چل رہا ہے۔ ہماری بنا پر مطلب صاف ہے۔ یہ جن کا ذکر ہے بنی قریظہ ہیں تو وہ پہلے جن کا انجام سامنے آچکا وہ بنی نضیر ہیں جن کا ذکر اسی سورے کے شروع میں ہوچکا ہے۔ یہ لوگ چونکہ ان آیتوں کو بنی نضیر سے متعلق قرار دے رہے ہیں تو آپ سے ''قبل والے'' کوئی کہتا ہے اسی سے بنی قینقاع مراد ہیں، وہ یہودیوں کا قبیلہ جو سب سے پہلے جلاوطن کیا گیا تھا۔ اور کوئی کہتا ہے ان پہلے والوں سے مراد مشرکین مکّہ ہیں جن سے بدر میں جنگ ہوئی تھی اور انہیں جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا۔[۲]

كَمَثَلِ الشَّيۡطٰنِ اِذۡ قَالَ لِلۡاِنۡسَانِ اكۡفُرۡ‌ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّنۡكَ اِنِّىۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الۡعٰلَمِيۡنَ‏ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَاۤ اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيۡنِ فِيۡهَا‌ ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيۡنَ‌ ﴿۱۷﴾

---

[۱] ۔بعثوا الیٰ بنی نضیر حین نزل بھم رسول اللّٰہ للحرب ان اثبتوا و تمنعوا (ابن جریر)

[۲] ۔اختلف اهل التأويل فى الدين عنوا بالذين من قبلهم فقال بعضهم على بذالك بنو قينقاع وقال آخرون عنى بذالك مشرکو ا قریش ببدر (ابن جریر)

www.kitabmart.in

''جیسے شیطان ۔اس نے آدمی سے کہا کافر ہوجا اور جب وہ کافر ہوگیا تو کہا میں تجھ سے بے تعلق ہوں میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے تو ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ وہ آگ میں ہیں ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ سزا ہے ظالم لوگوں کی''۔

یہ شیطان سے تشبیہ منافقین کی ہے کہ وہ انہیں مخالفت پر قائم رہنے کے لیے آمادہ کررہے ہیں۔مگر وقت آنے پر ان کے ساتھ چھوڑ دیں گے جیسے شیطان آدمی کو ورغلاتا ہے، پھر جب اس پر مصیبت پڑتی ہے تو اس کے کام نہیں آیا کرتا''۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ⑲

''اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور کسی بھی متنفس کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان پہلے سے کرلیا ہے اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو اللہ کو بھول گئے تو اس نے انہیں خود ان کو بھلا دیا اور یہ ہیں بداعمال لوگ''۔

دینی اصلاح اور قرآن کی زبانی میں قیامت کے لیے ''کل'' کی لفظ کا استعمال ہوا ہے جس بنا پر ہمارے محاورے میں ''فردائے قیامت'' کہا جاتا ہے۔انسان پہلے ارادی طور پر خدا کو بھولتا ہے پھر رفتہ رفتہ گناہوں کا خوگر ہو کر بری باتوں کی برائی کا احساس بھی سلب ہوجاتا ہے ۔یہ درحقیقت ارادی کوتاہیوں کا ایک قہری نتیجہ ہوتا ہے، کبھی دلوں پر مہر لگ جانا، کبھی کانوں اور آنکھوں پر پردے پڑھ جانا اور یہاں اسے خود اپنے کو بھول جانے سے تعبیر کیا ہے''خود اپنے کو بھول جانا''یعنی بالکل غافل ہوجانا اور اپنے حقیقی مفاد کا ذہن میں نہ رہنا، یہ درحقیقت معاصی میں دیر پائی کی ایک قہری خاصیت ہے جسے قرآن نے اللہ کی طرف کی ایک سزا کے طور پر بیان کیا ہے۔

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ⑳

''دوزخ والے اور بہشت والے یکساں نہیں ہیں ۔بہشت والے ہی نتیجہ میں کامیاب ہیں''۔

دنیا والی کامیابی تو عارضی چیز ہے۔وہ حقانیت کی ضامن نہیں ہے آخرت کی کامیابی اصل کامیابی ہے ۔وہ اہل بہشت کے لیے ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ㉑

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے اثر پذیر ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے والا اللہ کی عظمت کے احساس سے اور یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم پیش کرتے ہیں لوگوں کے لیے شاید کہ وہ غور وفکر سے کام لیں''۔

یہ ایک بلیغ انداز ہے ان انسانوں کی بدذوقی یا سخت دلی کے اظہار کا جو قرآن سے اثر پذیر نہیں ہوتے اور انہیں اس سے عظمت الٰہی

www.kitabmart.in

کا تصور نہیں ہوتا جب کہ یہ کلام آرہا ہے کہ اگر بالفرض پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ ٹکرے ہو جاتے یعنی یہ کلام متقاضی اس کا ہے کہ ہر ایک اس سے متاثر ہو اور آخر میں کہہ دیا گیا ہے کہ یہ حقیقت کے سمجھانے کے لیے ایک مثال ہے جو پیش کی جارہی ہے۔ نہ وہ پہاڑ پر اتارا جائے گا اور نہ پہاڑ اس سے ٹکرے ہوگا۔ بعض اہل نظر نے اس آیت کو پہاڑوں کے شعور و ادراک کی دلیل کہا ہے جو میرے نزدیک مشکل ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾

''وہ وہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں، وہ ان دیکھی ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ وہ سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے، وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں، سلطنت کا حقیقی مالک، تمام نقائص سے بری، بے عیب، بے ضرر ذات، امن عطا کرنے والا، محافظ و نگہبان، غالب آنے والا، سرکشوں کو زیر کرنے والا، بزرگی کا مرکز، پاک ہے اللہ کی ذات اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں، وہ ٹھیک اندازے کے مطابق پیدا کرنے والا، نیستی سے نکال کر ہستی میں لانے والا، صورت گری کرنے والا، اس کے لیے اچھے سے اچھے نام ہیں، اس کی تسبیح کرتی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب آنے والا ہے، صحیح کام کرنے والا''۔

ان دونوں آیتوں میں متعدد اسمائے حسنیٰ خداوند عالم کے مذکور ہیں جن میں سے قدوس پہلی مرتبہ یہاں آیا جس کے معنی ہیں ''بہت پاک'' اور مطلب وہی جو ہم نے ترجمہ کیا ہے کہ وہ تمام نقائص سے بری ہے۔ سلام کی لفظ سلامتی کے مفہوم کی حامل ہیں وہ سراسر سلامتی ہے تو نہ اس میں کوئی عیب و نقص ہوسکتا ہے جو ذات کا کمال ہونے کی بنا پر توحید میں داخل ہے اور نہ اس سے دوسرے کو بلاوجہ ضرر پہونچ سکتا ہے جو عدل کے تحت کمالِ افعال سے تعلق ہے۔ مؤمن امن سے ہے جس کے معنی ہوئے امن عطا کرنے والا۔

خالق اور باریٔ کا عام مفہوم یکساں محسوس ہوتا ہے چنانچہ ہندوستان میں گزشتہ صدی کی مشہور ابتدائی کتاب ''خالق باریٔ'' کے اس پہلے جملے کا مطلب یہی تھا کہ ان دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر لغوی مفہوم کے اعتبار سے خالق کے معنی میں مضمر ہے صحیح پیمانہ مقرر کرنا اور باریٔ کے معنی ہیں نیستی سے ہستی کے دائرے میں لانا اور مصور میں لباس صورت پہنانا، اس طرح یہ اسماء خالق، باریٔ، مصور۔ ان میں باعتبار زمانہ کوئی ترتیب نہیں مگر تصوری طور پر پہلا منصوبہ تخلیق، دوسرا اصل تخلیق اور تیسرا نتیجہ تخلیق کا مظہر ہے۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَةُ الۡمُمۡتَحِنَةِ

مدنیہ...... ۱۳......آیات

اثنائے سورہ میں ایک آیت کے اندر فامتحنوهن کی لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ان عورتوں کا امتحان لیا کرو، اسی پر اس سورے کا نام ''ممتحنہ'' ہوگیا۔

اس سورے میں پہلے کافروں کے ساتھ ساز باز میں شریک ہونے کی ممانعت ہے اور سمجھایا جارہا ہے کہ یہ لوگ تمہارے کبھی کبھی نہیں ہوسکتے اور جب موقع ملے گا تمہیں ہر طرح قول و عمل سے نقصان ہی پہنچائیں گے، ان کا تو بس نصب العین یہ ہے کہ تم بھی راہ حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تمہاری اپنی اولاد یا رشتہ داریوں کا لحاظ ہو تو یاد رکھو یہ رشتہ داریاں تمہارے کام نہیں آئیں گی ۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیروؤں کا ذکر ہے کہ دیکھو انہوں نے کس طرح دینی تصورات پر رشتہ داریوں کے تقاضوں کو قربان کردیا، پھر دفع دخل کے طور پر حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے صفائی پیش کی گئی ہے کہ انہوں نے جس شخص کے لیے استغفار کیا تھا، وہ صرف وعدے کو پورا کرنے کے لیے تھا۔ ورنہ انہیں کوئی میلان قلبی اس کی طرف نہ تھا۔ اس کے بعد عام اصول بتایا جارہا ہے کہ مطلق طور پر غیر مسلم افراد سے میل ملاپ سے تمہیں روکا نہیں جارہا ہے، ان کے ساتھ جہاں تک ممکن ہو حسن سلوک کرو اور معاملات میں اُن کے ساتھ انصاف کرو، انصاف بہرحال اللہ کے لیے پسندیدہ چیز ہے تمہیں جو روکا جارہا ہے، وہ ان لوگوں کی پارٹی میں شرکت سے جو تم سے برسرجنگ ہیں کہ تم ان سے تعاون نہ کرو اور جو ان کے ساتھ تعاون کریں گے وہ ظلم کی تقویت کا باعث ہوگا اور خود ظالموں میں محسوب ہوگا۔

آخر میں وہ عورتیں جو کافر شوہروں کو چھوڑ کر ادھر آئیں اور کہیں کہ ہم مسلمان ہورہے ہیں ان کے لیے ہدایت ہوئی ہے کہ یہ دیکھ لو کہ یہ شوہروں سے بگڑ کے صرف ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے آئی ہیں یا واقعی اسلام کی حقانیت سے متاثر ہوکر اسلام قبول کررہی ہیں، اگر دوسری صورت ہو تو انہیں ہرگز واپس نہ کرو، اس لیے کہ کفر اور اسلام کے اختلاف سے رشتہ قطع ہوجاتا ہے۔ نہ وہ ان کے شوہر رہ سکتے ہیں اور نہ یہ ان کی بیویاں ہوسکتی ہیں اور اب تم ان سے شادی کرسکتے ہو، اس ذیل میں کافر عورتوں سے شادی کرنے کی ممانعت کا عام حکم دیا گیا ہے۔

آخر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاس جو عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ مسلمان ہوجائیں ان کے لیے بتایا گیا ہے کہ کن شرائط پر ان سے بیعت حاصل کی جائے اور سورۃ کو ختم کرتے ہوئے یہودیوں سے تعاون کی ممانعت ہے۔

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''

www.kitabmart.in

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ
وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ
رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ
اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ
فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

''اے ایمان لانے والو! میرے اور اپنے دشمن کو اپنے حوالی موالی کی حیثیت نہ دو، تم ان کے ساتھ محبت کے پینگ بڑھاتے ہو، حالانکہ انہوں نے کفر اختیار کیا اس کے ساتھ جو تمہارے پاس حق آیا اور ان کا عالم یہ ہے کہ وہ گھروں سے نکلنے پر مجبور کرتے ہیں پیغمبر کو اور تمہیں اس جرم میں کہ تم ایمان لاتے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے اگر تم نکلے تھے میری راہ میں جدوجہد کے لیے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے، تم خفیہ طور پر ان سے محبت کے پینگ بڑھاتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں اسے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم میں ایسا کرے گا اس نے سیدھے راستے کو گم کر دیا''۔

''اگر تم نکلے تھے میری راہ میں جدوجہد کے لیے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے'' یہ قبل کے حکم سے متعلق ہے کہ جب تمہارا گھر سے بے گھر ہونا میری راہ میں تھا تو اب تم ان مشرکین سے ربط کیوں قائم کرتے ہو جو تمہارے گھر سے بے گھر ہونے کا باعث ہوئے۔[1] الفاظ قرآن کے مضمون سے ظاہر ہے کہ یہ مدینے کے رہنے والے منافقین سے تخاطب نہیں ہے بلکہ یہ طبقہ مہاجرین کے کچھ افراد ہیں جو مشرکین کے ساتھ خفیہ طور پر تعلقات محبت بڑھانا چاہتے ہیں۔ یہ انہیں فہمائش کی جا رہی ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اسکا تعلق حاطب بن بلتعہ کے ساتھ ہے انہوں نے مشرکین مکّہ کے نام خط لکھ کر حضرت کے نقل وحرکت کی جسے آپ مخفی رکھنا چاہتے تھے مخبری کرنے کی کوشش کی اب قریبی قیاس تو یہ ہے کہ یہ مخبری اس وقت ہوئی جب آپ فتح مکّہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے مگر بعض روایات میں یہ صراحت ہے کہ یہ اس سفر مکّہ میں ہوا ہے جس کے نتیجہ میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ خالق نے اپنے رسول کو اس مخبری کی اطلاع دی اور حضرت نے جناب امیرؑ کو اور بعض روایات کے مطابق آپ کے ساتھ کچھ دوسرے افراد کو بھیج کر اس خط کو برآمد کرا لیا۔

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ
بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

---

[1]۔ من المؤخر الذی معناہ التقدیم ووجہ الکلام۔ لاتتخذوا عدوی وعدو کم اولیاء ان کنتم خرجتم (ابن جریر)

www.kitabmart.in

''اگروہ تمھیں پا جائیں تو تمہارا دشمن ہی ثابت ہوں گے، اپنے ہاتھوں اور اپنی زبان کو تمہاری طرف دراز کریں گے برائی کے ساتھ اور ان کی خواہش یہ ہوگی کہ کاش تم بھی کافر ہو جاؤ نہ تمھیں تمہاری قرابت دارا ور نہ تمہاری اولاد کام دے گی قیامت کے دن وہ تم سے ان کو دور کر دے گا اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کا دیکھنے والا ہے''۔

چونکہ حاطب بن بلتعہ سے جب رسول ﷺ نے بلا کر پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ تو انہوں نے کہا حضور! خدا گواہ ہے کہ میں ایمان کے رستے سے ذرہ بھر منحرف نہیں ہوا ہوں اور نہ آپ کی اور آپ کے دین کی حقانیت میں مجھے ذرا بھی شک شبہ ہوا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اور حضرات مہاجرین جو ہیں وہ صاحب قوم قبیلہ ہیں، ان پر وقت پڑے تو ان کے عزیز و اقارب ان کی حمایت کریں گے، میرے کوئی قبیلے کے لوگ نہیں ہیں، اور مکّہ معظمہ میں میرا مال اور میری اولاد ہے۔ میں نے خیال کیا کہ مشرکین پر ایک احسان کر دوں کہ بوقت ضرورت میرے کام آئے اور اس کی وجہ سے میرے اموال و اولاد محفوظ رہیں۔ بس یہ بات ہے جس کی وجہ سے میں نے یہ اقدام کیا۔

ان دونوں آیتوں میں اسی کا جواب ہے کہ ایک تو مشرکین سے کسی خیر سگالی اور خوشگوار اقدام کے بعد بھی کبھی بھی یہ امید نہ کرنا چاہیے کہ وہ تمہارے ساتھ کوئی رعایت کریں گے، ان کی تو بس تمنا یہ ہے کہ تم دین اسلام سے منحرف ہو کر کافروں میں شامل ہو جاؤ اور پھر یہ رشتے بس اس دنیا تک ہیں۔ آخرت میں یہ قوم و قبیلہ، اولاد سب تم سے الگ ہوں گے وہاں یہ تمہارے کام نہ آئیں گے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④

''تم لوگوں کے لیے بہت اچھی مثال عمل ہیں ابراہیمؑ اور ان کے ساتھ والوں میں جب انھوں نے اپنی قوم والوں سے کہا کہ یقیناً ہم بے تعلق ہیں تم سے اور اس سے جس کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، ہم تم سے منکر ہیں اور ہماری تمہاری دشمنی منافرت ہمیشہ کے لیے نمایاں ہوگئی ہے جب تک کہ تم ایمان لاؤ ایک اللہ پر، ہاں بس ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ میں تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا مگر اللہ یہاں میں تمہارے لیے کچھ قدرت نہیں رکھتا، اے ہمارے پروردگار! تجھ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے اور تجھ ہی سے ہماری لو لگی ہے اور تیری ہی طرف بازگشت ہے''۔

یہ آیت صاف نمایاں کرتی ہے کہ اسلام میں قومیت بنیاد محبت و الفت نہیں ہے بلکہ ایمان بنیاد الفت ہے۔

جناب ابراہیمؑ کے ساتھ جو کہا گیا اور ان کے ساتھ والوں تو ظاہر میں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جو مؤمنین ان کے پیروی کی حیثیت سے ان

کے ساتھ تھے مگر واقعات سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جناب ابراہیمؑ کے ساتھ اس سرزمین پر ساتھیوں کی کوئی جماعت نہ تھی اس لیے مفسرین اس کی تشریح میں کہتے ہیں کہ ''ان کے ساتھ والوں'' سے مراد دوسرے انبیاء ہیں کیوں کہ مسلک میں ان سے متحد تھے گر یہ بعید ہے۔ ہمارے نزدیک جب کہ دوسری جگہ یہ موجود ہے کہ فاٰمن له لوط 'لوط نے ان کی بات مانی'' تو بمقتضائے نمائندگی کی تعبیر لفظ جمع سے کر دی گئی ہو جو کچھ بعید نہیں ہے۔

اس آیت میں مؤمنین کی زبانی کفرنا بکم میں جو اعلان کفر ہے، وہ منجملہ کچھ دوسرے آیات کے تبصرہ ان کے محل پر کیا گیا ہے۔ اس حقیقت کا ترجمان ہے کہ ایمان اور کفر دونوں باعتبار معنی لغوی اضافی چیزیں ہیں اصل اس میں حسن اور قبح متعلق کے لحاظ سے پیدا ہوتا ہے کہ کس پر ایمان ہے اور کس کے ساتھ کفر ہے؟

حضرت ابرہیمؑ کے استغفار اور اس کے پس منظر پر اس کے پہلے جہاں ذکر آیا ہے، روشنی ڈالی جا چکی ہے چنانچہ حافظ محمد بن جریر طبری نے یہاں ابراہیمؑ کے اس حسنہ میں ان لفظوں سے کہ انہوں نے باطل پرستوں سے کہا: بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ ''ہم تم سے بری یعنی بے تعلق ہیں اور اس کے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے استغفار کے ذکر میں جو ایک جگہ قرآن مجید میں ہے:

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ

(توبہ۔۱۱۴) ''جب ان پر ثابت ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے برأت کر لی'' تمام مسلمانوں کو قیامت تک کے لیے تبرا کا سبق حاصل کرنے کی دعوت دی ہے اور کہا ہے:۔

فكذلك انتم ايها المؤمنون بالله فتبرؤا من اعداء الله

(جامع البیان) تو اسی طرح تم اے اللہ پر ایمان لانے والو تبرا کرو دشمنان خدا سے۔

اَلَّا قَوْلَ ابراهيم عليه السلام لابيه''

سوا ابرہیمؑ کے قول کے اپنے باپ سے'' اسے استثنائے متصل قرار دے کر یہ مطلب نکالا گیا ہے کہ سب باتوں میں ابراہیمؑ کی پیروی کرو مگر ان کا یہ قول جو تھا کہ میں استغفار کروں گا تمہارے لیے۔ اس میں پیروی نہ کرو کیوں کہ یہ ان کی ایک شخصی بات تھی۔ [1]

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۵

''اے ہمارے پروردگار! ہمیں تختۂ مشق نہ بنا نا ان لوگوں کا جو کافر ہیں اور ہمیں بخش دے اے ہمارے پروردگار! یقیناً تو غالب آنے والا ہے، صحیح کام کرنے والا''۔

''فتنہ'' کے معنی ذریعہ آزمائش کے ہیں۔ اسی کو ہم اپنی زبان میں ''تختۂ مشق'' کہہ سکتے ہیں جو میں نے ترجمہ کیا ہے۔ دوسرا مطلب ذریعہ آزمائش نہ بنانے کا یہ کہا گیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ وہ ہم پر غالب آ جائیں تو اسے دوسروں کے گمراہ کرنے کا ذریعہ

---

[1] (فلا تأتسوا بذالك منه...... ابن جریر)

www.kitabmart.in

بنائیں کہ دیکھو اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو ہمیں ان پر غلبہ کیوں حاصل ہوتا۔[1]

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦﴾

''تمہارے لیے ان میں اچھا نمونہ عمل ہے اس شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت سے امیدوابستہ کیے ہو اور جو روگردانی کرے تو یقیناً اللہ بے نیاز ہے، ہر تعریف کا حقدار''۔

فیہم کی ضمیر بظاہر حضرت ابرہیمؑ اور ان کے ساتھیوں ہی کی طرف راجع ہے جن کا ذکر اس کے پہلے بلا فاصلہ تھا اور مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی طرف کے اجروثواب اور آخرت کی نجات کا تصور رکھتے ہو تو اسی کردار کو اختیار کرو جس کا ابھی بیان ہوا۔

عَسَى اللّٰهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ وَاللّٰهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾

''بہت ممکن ہے کہ اللہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تمہاری دشمنی ہے ان میں سے محبت پیدا کردے اور اللہ بڑا قادر ہے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان''

مطلب یہ ہے کہ ابھی جو ان کا رویہ معاندانہ ہے ان سے تعلقات محبت پیدا کرنا درست نہیں ہیں لیکن بالکل مایوسی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں انقلاب ہو جائیں اور وہ پیغام حق کو قبول کرلیں، پھر تم میں اور ان میں باہمی محبت کا رشتہ قائم ہوجائے گا، اور غفور رحیم کے الفاظ مشرکین کے لیے اسطرح ہیں کہ جب وہ ایمان اختیار کرلیں گے تو ان کے گزشتہ افعال پر جو بحالت کفر انہوں نے کیے ہیں، اب بازپرس نہ ہوگی۔

لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٩﴾

''تمہیں اللہ ان لوگوں سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکلنے پر مجبور نہیں کیا کہ تم ان کے ساتھ نیکی کرو اور ان کے ساتھ انصاف کرو۔ یقیناً اللہ انصاف

---

[1] بان لسلطہم علینا نیروا انہم علی الحق وانا علی الباطل (ابن جریر)

www.kitabmart.in

کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔اللہ بس تمہیں ان سے روکتا ہے جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا اور تمہارے نکالنے میں ایک دوسرے کے ساتھ پیٹھ ملائی کہ ان کے ساتھ تعاون کرو اور جو ان کے ساتھ تعاون کریگا تو یہ لوگ خود ظالم ہیں''۔

سلسلہ کلام سے ظاہر ہے کہ یہ آیت غیر مسلمین ہی میں دو قسم کے لوگوں میں تفریق کر رہی ہے،ایک وہ جو مسلمان تو نہیں ہیں مگر اسلام سے برسر پیکار بھی نہیں۔ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے ساتھ میل ملاپ سے اللہ کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ان سے حسن سلوک کرو۔کوئی وقت ان پر پڑے مصیبت کا تو ان کی مدد کرو،اور ان کا کوئی مقدمہ تمہاری عدالت میں پیش ہو تو جو انصاف کا تقاضا ہو،اس کے مطابق فیصلہ کرو،اور اس میں تعمیم ہے کہ چاہے ان کے مقابلے میں جو فریق ہو وہ اپنے مذہب و ملت کا ہو جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے آیات سے بھی ظاہر ہے۔

یہ مطلب بالکل صاف ہے مگر ہر دور میں ایسے اشخاص ہوئے ہیں جنہیں ''رواداری'' پسند نہیں ہے ان کے حلق سے یہ چیز نہیں اترتی کہ بھلا غیر مسلم اور ان کے ساتھ نیکی کی جائے انصاف سے کام لیا جائے لہٰذا کچھ لوگوں نے ان مسلمانوں سے متعلق قرار دیا ہے جو مکّہ میں رہ گئے ہیں اور ہجرت نہیں کی ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ الفاظ کہ انہوں نے تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں گھروں سے نہیں نکالا ہے،بالکل ان پر چسپاں نہیں ہیں جو دین اسلام کو قبول کیے ہوئے ہیں صرف کسی مجبوری سے مکّہ چھوڑا نہیں ہے،کچھ لوگوں نے محسوس کیا ہے کہ ہے تو یہ غیر مسلمین ہی بارے میں تو کہہ دیا کہ یہ آیت منسوخ ہو گئی ہے احکام جہاد آنے کے بعد،مگر یہ سورہ سورۂ ممتحنہ جیسا کہ ظاہر ہے،اگر فتح مکّہ کے وقت کا نہیں ہے اسکے پہلے کا بھی ہے تو بھی حدیبیہ والے سفر کے موقع کا ہے جو ۶ھ میں ہے اور ظاہر ہے کہ احکام جہاد اس کے بہت پہلے سے نازل ہو چکے تھے لہٰذا یہ منسوخ ہونے کا تصور بھی بالکل غلط ہے۔اس لیے ان اقوال کے نقل کرنے کے بعد حافظ طبری نے حقیقت پسندی سے کام لے کر اپنا فیصلہ جو لکھا ہے،وہ وہی ہے جسے ہم شروع میں درج کر چکے ہیں،وہ لکھتے ہیں:۔

اولی الاقوال فی ذلک قول من قال عنی بذالك الاینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین من جمیع اصناف الملل والادیان ان تبروهم وتصلوهم وتقسطوالیهم ،ان الله عزوجل عم بقوله الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم جمیع من کان ذالك صفته فلم یخصص به بعضادون بعض ولامعنی لقول من قال ذالك منسوخ لان برأ المؤمن من اهل الحرب ممن بینه وبینه قرابة نسب اوممن لاقرابة بینه وبینه ولانسب غیر محرم ولامنتهی عنه اذال یکن فی ذالك دلالة له ولاهل الحرب عورة لاهل الاسلام اوتقویة لهم بکراع اوصلاح (جامع البیان-ج۲۸-ص-۶۶)

اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابل ترجیح وہی قول ہے کہ مقصود اس سے یہ ہے کہ اللہ کی تمہیں ممانعت نہیں ہے ان لوگوں سے جنہوں نے تم سے جنگ نہیں کی دین کے بارے میں تمام اقوام و مذاہب کے افراد میں سے کہ تم ان سے نیکی کرو اور ان کے ساتھ صلہ رحم کرو اور اُن سے انصاف کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عمومیت رکھی ہے اپنے اس ارشاد میں کہ جنہوں نے تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں گھروں سے تمہارے نہیں نکالا جن میں یہ وصف ہو اس میں کسی ایک کی خصوصیت نہیں ہے اور کوئی معنی نہیں اس قول کے کہ وہ منسوخ ہے،اس لیے کہ نیکی کرنا کفار کے ساتھ جن سے کوئی نسبی قرابت ہے یا نہیں بھی ہے حرام نہیں ہے نہ اس کی ممانعت ہوئی ہے جب کہ اس میں اُن لوگوں کو جن سے جنگ

www.kitabmart.in

ہورہی ہے اہل اسلام کے کسی راز کی اطلاع نہ دی جائے یا انہیں جنگ کے کسی سامان کے ساتھ مدد نہ دی جائے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

''اے ایمان لانے والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لے لو، اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کا حال۔ اب تمہیں اگر معلوم ہو کہ وہ واقعی با ایمان ہیں تو انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، نہ وہ عورتیں ان مردوں کے لئے جائز ہیں اور نہ وہ مرد ان عورتوں کے لیے جائز ہیں اور انہیں'' جو انہوں نے خرچ کیا ہے اور تمہارے لیے کوئی حرج نہیں کہ تم ان سے نکاح کرو، جب تم اُنہیں اُن کے مہر ادا کردو اور کافر عورتوں سے ازدواجی رشتہ قائم نہ کرو اور طلب کرو جو تم نے خرچ کی ہو اور وہ اب طلب کریں جو انہوں نے خرچ کیا ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو وہ نافذ کرتا ہے تمہارے درمیان اور اللہ جاننے والا ہے، صحیح کام کرنے والا''۔

یہ امتحان کیا تھا؟ یہ کہ قسمیں دے دے کران سے پوچھا جاتا تھا کہ وہ شوہروں سے ناراضگی یا ایک سرزمین سے نفرت اور دوسری سرزمین کے شوق یا مال دنیا کی طمع میں مکّہ کو چھوڑ کر مدینہ نہیں آئی بلکہ صرف اللہ اور اس کے پیغمبر کی محبت میں یعنی سچے معنی میں دین کو اختیار کر کے آئی ہیں۔ اب جب معلوم ہو کہ وہ واقعی مسلمان ہوگئی ہیں تو واپس نہیں کی جائیں گی مگر چونکہ اس وقت ان مشرکین سے جنگ کی صورت نہیں بلکہ حدیبیہ میں معاہدہ ہو چکا ہے اس لیے ان کے شوہروں نے جو انہیں مہر وغیرہ دیا ہو ان شوہروں کو واپس کر دیا جائے۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴿الممتحنة: ۱۰﴾ ''کافرہ عورتوں سے ازدواجی رشتہ قائم نہ رکھو'' اس ذیل میں مفسر طبری نے کئی صحابہ کا نام لیا ہے کہ اب تک ان کے حبالہ عقد میں مشرک عورتیں تھیں اس حکم کے نازل ہونے کے بعد انہوں نے اُن سے قطع تعلق کیا۔

اب یہاں چونکہ مشرکات نہیں کہا گیا ہے بلکہ کوافر کہا گیا ہے جس کے معنی ہوئے کافرات، اس لیے علماء اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ بھی نکاح کو اس آیت کی بنا پر ممنوع قرار دیتے ہیں وہ چاہے اس معنی میں مشرکات نہ ہوں جو اہل کتاب کے مقابلے میں ہے مگر ''مسلمات'' کے مقابلے میں کافرات تو وہ بھی ہیں۔

ہاں بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ ان کے متعلق ہے جن کے نکاح میں پہلے سے مشرک عورتیں تھیں ابتدائی عقد کا اس میں ذکر نہیں ہے کہ ان سے نکاح نہ کرو مگر بظاہر مقصد کے لحاظ سے یہ کوشش لاحاصل ہے اس لیے کہ جب قبل کے تعلقات قائم رکھنے کا اسلام روادار نہیں ہے تو اس

www.kitabmart.in

سے ظاہر ہے کہ ان سے تعلق ازدواجی ناجائز ہے لہٰذا ان سے شادی کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اب جس طرح ادھر سے بعض عورتیں ادھر آجاتی تھیں، ویسے مسلمانوں کی کچھ عورتیں ادھر چلی جاتی تھیں تو کہا گیا ہے کہ جیسے پہلی صورت میں ان کو حق ہے کہ جو کچھ انہوں نے ان عورتوں پر خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کریں، ویسے ہی اس صورت میں تمہیں حق ہے کہ جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے، وہ ان سے طلب کرو۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪

''اور اگر وہ تمہاری عورتوں میں کچھ تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے پاس گئی ہوں اور پھر تم سزا دو تو جن کی عورتیں چلی گئی ہیں، انہیں دو جتنا انہوں نے خرچ کیا ہو اور ڈرو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو''۔

اب دوسری صورت میں جب کہ مسلمانوں کے پاس کچھ عورتیں بھاگ کر کافروں کے پاس چلی جائیں اور کافروں نے خدا کے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا تو اب دوسرے مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ اب کافروں کا کچھ مال تمہیں مل جائے اور تم ان کے کیے کی سزا کے طور پر اسے قبضے میں رکھو تو ان کے شوہروں کو جن کی عورتیں ادھر چلی گئی ہیں جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہے، اس مال میں سے دیدو۔ یہ تمہارے ایمان کا تقاضا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

''اے پیغمبر! جب آپ کے پاس ایمان لانے والی عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں، ان شرائط پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور چوری نہیں کریں گی اور زنا کاری نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کی جان نہیں لیں گی اور کوئی بہتان نہیں باندھیں گی اپنے ہاتھوں اور پیروں کے بیچ میں اور آپ کے احکام کی جو نیکی کے ساتھ ہوں گے نافرمانی نہیں کریں گی تو ان سے بیعت لے لیجیے اور ان کے لیے اللہ سے دعائے مغفرت کیجیے۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان۔

شرائط بیعت کا یہ جز کہ کوئی بہتان نہیں باندھیں گی اپنے ہاتھوں اور پیروں کے بیچ میں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کسی بچے کو غلط طور پر اپنے شوہروں کے سر نہیں منڈھیں گی[1] اس موقع پر ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان کی بیعت کا دلچسپ واقعہ علاوہ کتب تاریخ کے تفسیر طبری میں بھی موجود ہے کہ جب مکّہ کی عورتیں بیعت کے لیے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو پہلے تو یہ ہندہ چھپی ہوئی خاموش بیٹھی رہی کہ کہیں یہ معلوم

[1] لایلحقن بأزواجھن غیر اولادھم (ابن جریر)

www.kitabmart.in

ہوکر کہ میں بھی اس جماعت میں ہوں رسولؐ میرے قتل کا حکم نہ دیدیں مگر جب اسے یہ اطمینان ہوگیا آج پیغمبر خداؐ سابق کردار کا کوئی انتقام لینے کے درپے نہیں ہیں اور رسولؐ نے بیعت کے یہ شرائط بتانا شروع کیے تو اس جملے پر کہ ''زناکاری نہ کریں'' وہ بول اٹھی کہ کیا کوئی شریف عورت بھلا زناکاری بھی کرتی ہے؟ رسولؐ نے بڑے معنی خیز انداز میں اس فقرے کو جیسے دہرایا۔ فرمایا ہاں بے شک شریف عورت کوئی زنا نہیں کرے گی۔

اس کے بعد ایسا جملہ اس کی زبان پر بے ساختہ آیا جو اس نمائش اسلام کے بعد اس کی غمازی کرتا ہے کہ جنگ بدر کے کینے دلوں سے نہیں نکل سکتے، جب یہ شرط پیش ہوئی کہ ''اولاد کی جان نہ لیں''۔ تو وہ پھر بول اٹھی کہ ہم کیا جان لیں گے آپ ہی نے جنگ بدر میں ان کی جانیں لے لیں (جامع الاخبار۔ ج ۲۸۔ ص ۷۸) مگر رسول اکرمؐ کے بے پایاں حلم وتحمل نے اسے برداشت کرلیا اور اس کی بات کا جواب خاموشی کی صورت میں دیا۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ اسلام نے شرافت نسوانی کے تحفظ کے لیے مرد عورت دونوں کے درمیان جو خلیج حائل کی ہے، اس کا لحاظ حضرت پیغمبر خداؐ نے بیعت ایسے اہم آئینی معاملے میں بھی قائم رکھا کہ بیعت کا عام طریقہ یہ تھا کہ بیعت کرنے والا ہاتھ بڑھاتا تھا اور رسول خداؐ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس سے اقرار لیتے تھے جیسا کہ قرآن مجید کی آیت سے ظاہر ہے کہ یداللہ فوق ایدیہم مطلب یہ ہے کہ آپ کا ہاتھ جو ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے یہ اللہ کا ہاتھ ہے مگر خواتین کے لیے مسلماً یہ طریقہ نہیں رکھا گیا تاکہ رسول کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے مس نہ ہو۔ اب خواتین کی بیعت کا کیا یہ طریقہ تھا؟ اس کے لیے طبری کے روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بس ان سے زبانی اقرار بیعت کرالیا جاتا تھا چنانچہ ایک روایت میں جو ام المؤمنین عائشہ سے ہے صراحت ہے کہ:

فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذااقررن بذالک من قولھن قال لھن انطلقن فقدبایعتکن والاواللہ مامست یدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یدامرئۃ قط غیران یبایعھن بالکلام (جامع الاخبار ج۔۔۲۸ص۶۸)

پیغمبر خداؐ سے وہ جب اس کا اقرار کرلیتی تھیں کہ اپنے قول سے تو ان سے فرماتے تھے کہ جاؤ میں نے تم سے بیعت لے لی اور بخدا رسول خداؐ ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا بس آپ زبانی ان سے بیعت لیتے تھے۔ دوسری روایت ایک خاتون ایک خاتون امیمہ کی زبانی ہے جو انہوں نے بعد میں بیان کی ہے کہ میں نے حضرت سے کہا اپنا ہاتھ بڑھایئے، حضرتؐ نے فرمایا:۔

انی اصافح النساء ولکن ساخذ علیکن

یعنی میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا بس تم سے عہد وپیمان لے لیتا ہوں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَوَلَّوْا۟ قَوْمًا غَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا۟ مِنَ ٱلْءَاخِرَةِ كَمَا يَئِسَ ٱلْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلْقُبُورِ ﴿١٣﴾

''اے ایمان والو! تعاون نہ کرو اُس جماعت سے جن پر اللہ غضب ناک ہے جو آخرت سے یوں ناامید ہیں جیسے کافر لوگ قبروں میں گڑے ہوئے، مردوں سے''۔

ادھر کے سورے جن کی ساخت ایک خاص طرح کی ہے جیسے ''سورۃ رحمان، سورہ واقعہ، وغیرہ ان کا خود انداز بتاتا ہے کہ وہ بوقت

www.kitabmart.in

واحد مجموعی طور پر نازل ہوئے ہیں مگر اس سورے کے مضامین اور پھر اس کی شان نزول جو معلوم ہوتی ہے، اس کے لحاظ سے امتیاز ماننے کا فرق محسوس ہوتا ہے کہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ یہ پورا سورہ ایک ساتھ نازل نہیں ہوا ہے بلکہ مختلف موقعوں پر نازل شدہ آیات کو جوڑ کر اس کی تشکیل ہوئی ہے چنانچہ شروع سے لیجیے تو آدھے سے زیادہ سورے کی آیات سفر حدیبیہ کے قبل سے متعلق ہیں کہ رسول ﷺ کی روانگی کی خفیہ مخبری ہوئی اور اس پر تنبیہی طور پر دو آیات نازل ہوئے اس کے بعد مومنین کو خطاب کر کے جو کہا گیا تھا کہ عورتیں ادھر کی ادھر آئیں تو ان کا امتحان لو جس پر سورے کا نام ''ممتحنہ'' ہو گیا وہ حدیبیہ کے معاہدے کے بعد دوران معاہدہ کا ذکر ہے اور پھر رسول سے جو کہا گیا ہے کہ مسلمان عورتیں جو بیعت کرنے آئیں تو ان شرائط پر بیعت لیجیے جس کا بیان اس کے قبل ہوا وہ فتح مکّہ کے بعد کی آیت ہے کیوں کہ یہی وہ موقع ہے جب کہ تمام لوگ جو اب تک مشرک تھے خواہ مرد ہوں یا عورتیں آ کر مسلمان ہوئے تھے اور ان سے بیعت لی گئی تھی اور اب یہ آخری آیت جس میں کہا جا رہا ہے ان کے ساتھ تعاون نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہے اور جیسا کہ پہلے آ چکا ہے قرآن کی اصطلاح ہے یہ کہ غضب الٰہی جن پر ہے ان سے مراد یہودی جماعت ہوا کرتی ہے اور اس لیے مفسرین یہاں بھی غضب الله علیهم سے مراد اسی جماعت کو قرار دیتے ہیں اب ظاہر ہے کہ مکّہ میں ب یہودی نہیں تھے، نہ حدیبیہ کے موقع پر، نہ فتح مکّہ کے موقع پر تھے مدینہ میں اور وہ اس سے بہت پہلے لہٰذا یہ آیت اُس مضمون سے متعلق ہے جو اس کے پہلے سورۂ حشر میں بیان ہوا تھا کہ منافقین ان یہودیوں کے ساتھ ساز باز کرتے ہیں۔ اور انہیں اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہیں جن آیات کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ یہ آیت اسی دور کی نازل شدہ معلوم ہوتی ہے۔ تعجب ہے کہ مفسر طبری نے اپنی تفسیر کے بسط وسعت کے باوجود اس پہلو پر کوئی روشنی نہیں ڈالی بس آخر کے جملے کا کیا مطلب ہے؟ اس میں دو قول نقل کر دیے ہیں:۔

پہلا مطلب جو کہا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ جیسے کہ کفار جو دار دنیا میں ہیں، وہ اپنے مردوں سے ناامید ہیں کہ وہ ان کی طرف واپس نہیں آ سکتے ویسے ہی یہ لوگ جان بوجھ کر انکار حق کی بنا پر اپنی نجات سے ناامید ہیں اس صورت میں من اصحاب القبور فعل یئسوا سے متعلق ہے۔ اس کو اپنے محاکمہ میں انہوں نے رد کر دیا کہ مرنے والوں کی دوبارہ ملاقات سے مایوسی کافروں سے مخصوص تھوڑی ہے۔ مؤمنین کو بھی یہ امید نہیں ہے کہ مردے پھر آ کر ان سے ملیں گے تو قرآن کو ہی کیوں کہتا کہ وہ اصحاب القبور سے مایوس ہیں۔

دوسرے معنی جسے انہوں نے ترجیح دی ہے یہ ہیں کہ من اصحاب القبور۔ الکفار کی صفت ہے یعنی وہ کافر جو قبروں میں پہنچ گئے، اب رحمت خدا سے مایوس ہیں کیوں کہ اصلاح عمل کا وقت گزر چکا ویسے ہی یہ یہودی لوگ اپنے باطل پر ہونے کے احساس کی بنا پر نجات اخروی سے مایوس ہیں۔ میں پہلے مفہوم کو قابل قبول سمجھتا ہوں، اس طرح کہ کفار سے مراد منکرین قیامت ہیں جو حیات بعد الموت کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ ان کے مقابلہ میں مومنین اصحاب قبور سے مایوس نہیں ہے کہ سمجھتے ہیں کہ وہ مرنے والے ہمیشہ کے لیے مرے ہیں بلکہ پھر زندہ ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ اس زندگی میں ہم پھر اس کے ساتھ ایک ہی جگہ پر ہوں لیکن اس زندگی کے منکروں کے لیے ان لوگوں سے جو دنیا سے اٹھ گئے کبھی بھی ملاقات کی امید نہیں ہو سکتی کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ زندگی بس یہی ختم ہو گئی۔ اب آیندہ کوئی دور نہیں ہے جو ان سے ملاقات ہو سکے۔

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الصَّفِّ

مدنیّہ ...... ۱۴ ...... آیات

تقریباشروع ہی کے حصہ میں ایک آیت میں صفا کی لفظ ہے اسی پر سورے کا نام ہو گیا۔

سورۂ صف کے خاص خاص مضامین:

۱......ایسے دعوے زبانی نہ کروجن کی تصدیق عمل سے نہ ہو۔
۲......راہ خدا میں اس طرح صف جما کر جہاد کی تعریف جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے
۳......حضرت موسیٰؑ کی اپنی قوم کو فہمائش۔
۴......جناب عیسیٰؑ کی اپنی قوم کو آنے والے رسول کی بشارت یہ کہہ کر کہ اس کا نام احمدؐ ہوگا۔
۵......دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کا وعدہ جو پہلے بھی آچکا ہے۔
۶......تجارت کے نام سے ایمان اور جہاد کی دعوت۔
۷......دین الٰہی کے مددگار ہونے کی دعوت اور حوارین حضرت عیسیٰؑ کی مثال۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

’’سہارااللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے‘‘

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱

جو چیز بھی آسمان میں ہے اور زمین میں ہے، اس نے اللہ کی تسبیح کی اور وہ غالب آنے والا ہے، صحیح کام کرنے والا‘‘۔

ادھر کے زیادہ تر سوروں کی ابتداء، اس طرح کی تسبیح سے ہے اس لیے ان سوروں کو ’’مسبّحات ‘‘ کہتے ہیں، تسبیح کرنے والے کے لحاظ سے تو ماضی حال اور مستقبل میں تقسیم ہوتی ہے مگر وہ حقیقت جو ذات باری کے لحاظ سے ہے کہ وہ تمام نقائص سے بُری ہے۔اس میں ماضی اور مضارع کے درمیان بس لفظی مفہوم کا فرق ہے نتیجہ کے لحاظ سے نہ وہ ماضی اور حال سے مختلف ہے اور نہ یہ مضارع جو حال اور مستقبل لفظی مفہوم کا فرق ہے نتیجہ کے لحاظ سے نہ وہ ماضی اور حال سے مختلف ہے اور نہ یہ مضارع جو حال اور مستقبل کو شامل ہے ماضی سے الگ چیز ہے، چونکہ خالق خود قیود زمانہ میں اسیر نہیں ہے لہٰذا اس کے جتنے کمالات ذات ہیں، ان میں جو فعل بھی صرف ہو، اس زمانہ بس لفظ کے لحاظ سے ہوتا ہے حقیقت کے لحاظ سے نہیں اس لیے اس کی ذات کے لیے قرآن میں اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿فاطر: ۱﴾ کے بھی وہی معنی ہیں جو وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى

www.kitabmart.in

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا. (الأحزاب:۲۷) کے ہیں حقیقت کے لحاظ سے اس کے اور اس کے مطلب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝٢ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝٣

''اے ایمان لانے والو! کیوں کہتے ہو وہ جو کرتے نہیں ہو، یہ بہت بڑی ناراضگی کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ تم کہو جو کرتے نہیں ہو''۔

یہ تو کلام کا انداز بھی بتاتا ہے اور تمام اقوال جو آیت کی تشریح میں ہیں، وہ بھی متفق ہیں کہ وہ باتیں جو کرتے نہیں اور کہتے ہیں ان سے مراد کارہائے خیر ہیں۔ اب اختلاف اس میں ہے کہ یہ مستقبل کے متعلق ہے کہ بڑھ چڑھ کر دعوے کیے کہ ہم یوں ساتھ دیں گے ہم حکم دیا جائے اس کی پوری تعمیل کرینگے چنانچہ طبری کی روایات میں ہے کہ رسول سے پوچھا کہ ہمیں بتائے کہ اللہ کو سب سے زیادہ کون سا کام پسند ہے؟ اور جب راہ خدا میں جہاد کو کہا تو بہت سوں نے کوتاہی سے کام لیا۔اس ذیل میں ایک روایت میں جنگ احد کا حوالہ بھی آیا ہے کہ وہاں مسلمانوں نے کس طرح میدان سے کنارہ کشی اختیار کی' اس پر تنبیہ کی جارہی ہے' اور کچھ ماضی سے متلق قرار دیتے ہیں کہ آدمی دعوے کرے کہ میں نے یوں کیا یوں کیا اور حقیقت میں ایسا نہ ہو۔منافقین کو بھی کہا گیا کہ وہ مسلمانوں کو ساتھ دینے کا یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر وقت ہمیشہ ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔طبری نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے مگر ہمارے نزدیک الفاظ آیت میں یہ سب ہی باتیں داخل ہیں اور سب اللہ کی ناراضگی کا باعث ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝٤

''یقیناً اللہ دوست رکھتا ہے انہیں جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پرا جما کر جیسے کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔

چونکہ ان سوروں میں آیتوں کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی ترتیب شان نزول کے مطابق ہے اس لیے قبل کی آیتوں سے ارتباط بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا۔ہاں آیتوں کی تشریح میں بعض روایات ایسے تھے کہ صحابہ نے پوچھا تھا کہ اللہ کو سب سے زیادہ کون سی بات پسند ہے؟ تو کہا جاتا ہے کہ اس کے جواب میں یہ آیت اتری ہے لیکن اس صورت میں ماننا پڑیگا کہ اس کے قبل کی دو آیتیں جو سرزنش کی ہیں کہ کیوں ایسی باتیں کہتے ہو جن پر عمل کرتے نہیں ہو، وہ اس آیت کے بعد کی ہیں۔

ہم تو اس طرح کے سوروں میں ہر آیت سے وجدانی طور پر جو مطلب مستفاد ہوتا ہے' اسی کو مستند سمجھتے ہیں اور ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ ان الفاظ میں درحقیقت ثبات قدم کی تعریف ہے لہٰذا بعض لوگوں کا یہ خیال کہ قرآن میں پیادوں کی جنگ کی تعریف ہوئی ہے، سواروں کی نہیں کیوں کہ سواروں کے لیے جنگ میں پرا جمانے کا تصور نہیں ہوسکتا۔[1] حقیقت سے دور ہے۔ہاں ثبات قدم کے علاوہ تمام مجاہدین کے یکدل اور یک جہت، ہم آہنگ ہونے کا پہلو بھی اس میں محسوس کیا جائے تو بعید نہیں ہے۔

---

[1].لان الفرسان لا يصطفون وانما تصطف الرجالة (ابن جرير)

www.kitabmart.in

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

''اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم والو! کیوں مجھے ایذا پہنچاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں تمہاری طرف تو جب وہ کج ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو (اور زیادہ) کج کر دیا اور اللہ منزل مقصد تک نہیں پہنچایا کرتا بے اعمال لوگوں کو''۔

حضرت موسیٰؑ کی اپنی قوم کو فہمائش

یہاں قوم سے مراد بنی اسرائیل ہیں جن کے لیے جناب موسیٰؑ نجات دہندہ کی حیثیت رکھتے تھے اور انہی کی ہدایت اور تعلیم آپ کا نصب العین تھی مگر یہ انہیں طرح طرح سے اپنی کج روی کے ساتھ اذیت پہنچاتے جس سے ان کو دکھ ہوتا تھا۔ انہی سے ان الفاظ میں خطاب ہے۔

اب یہاں بعد میں جو دلوں کو کج کرنے کی نسبت اللہ کی طرف دی گئی ہے، اس کے پہلے بطور فعل اختیاری کے خود ان کی طرف کج ہونے کی نسبت دی گئی ہے تو اب بعد میں جو کج کرنے کی نسبت ہے وہ بطور سزا سلب توفیقات کے معنی میں ہے اور یہی توفیق وہ ہدایت ہے جس کی فاسق گروہ سے نفی کی گئی ہے جس کی تشریح طبری نے بھی حقیقت پسندی کے ساتھ ان الفاظ میں کی ہے:- واللہ لا یوفق لاصابة الحق القوم الذین اختار الکفر علی الایمان (جامع البیان) اللہ حق تک پہونچنے کی توفیق نہیں دیتا جنہوں نے کفر کو ایمان پر ترجیح دی۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

''اور جب مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا اے بنی اسرائیل! میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں تمہاری طرف تصدیق کرتا ہوا تو ریت کی جو میرے پہلے تھی اور خوش خبری دیتا ہوا ایک پیغمبر کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا تو جب وہ آئے معجزے لے کر تو ان لوگوں نے کہا یہ کھلا ہوا جادو ہے''۔

اس میں جناب عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے پیغمبر کی بشارت دی ہے احمد کی لفظ کے ساتھ جو ہمارے رسول کا نام ہے اور ''جب وہ معجزے لے کر آئے'' اس سے قریب چونکہ حضرتؐ ہی کا نام ہے لہٰذا یہی مطلب ہے کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معجزے لے کر آئے'' تو کافروں نے کہا کھلا ہوا جادو ہے جو درحقیقت غیر معمولی یعنی خارق عادت ہونے کا اپنے کفریہ طریقے پر اقرار ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ

www.kitabmart.in

نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹

''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے کہ جو اللہ پر غلط تہمت لگائے درانحالیکہ اسے دعوت دی جارہی ہو اسلام کی طرف اور اللہ منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا ظالم لوگوں کو، وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھادیں اپنے منہ سے اور اللہ اپنے نور کو کمال منزل تک پہوچانے والا ہے، چاہے کافر لوگ ناپسند کریں، وہ وہ ہے جس نے اپنے پیغمبر کو بھیجا رہنمائی اور حقیقت والے دین کے ساتھ کہ اسے ہر دین پر غالب کرے چاہے مشرک لوگوں کو ناپسند ہو''۔

اسلام کی طرف دعوت دی جانے کی صورت میں وہ اللہ پر غلط تہمت کیا لگاتے ہیں؟ مفسر طبری نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ وہ پیغمبر کو ساحر وغیرہ کہتے ہیں، اس کا اللہ پر افترا ہونا اس سمجھ آتا ہے کہ کس طرح کسی چیز کا اللہ کی طرف منسوب کرنا افترا ہے اسی طرح اس کی طرف کی کسی صحیح بات کو غلط کہنا بھی افترا ہے۔ اس طرح ساحرہ وغیرہ کچھ نہ کہیں، صرف انکار رسالت کریں تو وہ بھی اللہ پر افترا ہے۔

اس کے بعد کی دونوں آیتوں کا مضمون پہلے آچکا ہے جس کے ذیل میں تمام ادیان پر دین اسلام کے غالب کرنے کا اعلان ہے جس کے پورے ہونے کا، اہل ایمان کو یقین ہے اور اس دن کے آنے کا انتظار ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۱۰ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۲ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳

''اے ایمان لانے والو! کیا میں تمہیں پتہ بتاؤں اس تجارت کا جو تمہیں نجات دے دردناک عذاب سے (وہ یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ گے اللہ اور اس کے پیغمبر پر اور جہاد کرو گے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو، تو اللہ بخش دے گا تمہارے گناہوں کو اور تمہیں داخل کرے گا ان بہشتوں میں جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں اور پاک و پاکیزہ مکانات میں ہمیشہ والی زندگی کے باغوں میں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور دوسری بات (اس کے علاوہ) ہے جس کی تمہیں خواہش ہے اللہ کی طرف کی مدد اور قریبی فتح کامیابی اور کامرانی اور خوش خبری دے دیجیے ایمان والوں کو''۔

www.kitabmart.in

اسلام میں تجارت کے پسندیدہ خالق ہونے کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ آخرت کے بلند مقاصد کی تحریک تجارت کی لفظ کے ساتھ کی گئی ہے۔ یہ جو مخاطب بنایا گیا ایمان لانے والوں کو اور پھر تجارت کی تشریح میں جس کی طرف دعوت دی گئی، کہا گیا 'ایمان لاؤ گے' اس کی نظیر پہلے قرآن مجید میں آچکی ہے اور ہر جگہ اس کی توجیہہ یہ ہے کہ وہ ایمان جو سرنامہ خطاب میں آتا ہے اقرار ایمان زبان جس سے ہے اور پھر جس کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ، وہ ایمان واقعی ہے جو دل سے ہوتا ہے اس کے عملی تقاضوں کے ساتھ اور یہاں اس کا ایک اہم تقاضا بیان ہوا ہے راہ خدا میں جہاد۔ آخر میں جو ہے: وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا'' اس کا عطف بعض لوگوں نے قبل والی تجارۃ کی لفظ پر لیا ہے ب معنی یہ ہوں گے کہ تمہیں ایک تجارت کا پتہ بتادوں اور ایک ایسی بات کا جس کی تمہیں خواہش ہے مگر یہ مفہوم درست نہیں معلوم ہوتا، اس لیے کہ تجارت جسے کہا گیا ہے وہ تو ان لوگوں کا ارادی عمل ہے جس کی طرف رہ نمائی خالق کی طرف سے ہوئی ہے اور یہ نصرت و مددان کا عمل نہیں ہے۔ یہ خالق کی طرف کی بات ہے جس کی رہ نمائی ان لوگوں کو تھوڑی ہونا ہے ہم نے جو ترجمہ کیا ہے مفسر طبری بھی اس کے موافق ہیں۔ [1]

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

''اے ایمان لانے والو! اللہ، کے مددگار بنو جیسا کہ عیسیٰ فرزند مریم نے حواریوں سے کہا کہ کون اللہ کی راہ میں میرے مددگار رہیں؟ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار رہیں تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا جو ایمان لائے ان کی ہم نے مدد کی ان کی دشمن کے مقابلے میں آئے تو وہ غالب آئے''۔

دین الٰہی کے مددگار ہونے کی دعوت اور حوارئین حضرت عیسیٰؑ کی مثال

شروع میں مطالبہ انصاراللہ ہونے کا ہے بعد میں حواریوں کے جواب میں انصاراللہ کی لفظ ہے مگر بیچ میں جناب عیسیٰ کے جو الفاظ ہیں، ان میں انصار الی اللہ ہے اس کا مفہوم قبل اور بعد سے مختلف تو نہیں ہوسکتا۔ میں نے جو ترجمہ کیا ہے اس کے لحاظ سے قبل اور بعد میں ''جو اللہ کے مدد کی لفظیں ہیں، یہ درمیان کی تعبیر ان کی تشریح ہے یعنی آدمی براہ راست اللہ کی مدد کیا کریں گے؟! اللہ کی مدد کرنے کے معنی یہی ہیں کہ وہ انسان جو اس کی راہ میں یعنی اس کے مقصد میں گامزن ہیں ان کی مدد کی جائے۔ طبری نے اس کی جن الفاظ میں تشریح کی ہے' ان کا مفہوم گنجلک ہے اور قبل اور بعد سے غیر مرتبط بھی، وہ لکھتے ہیں:۔ یعنی من انصاری منکم الیٰ نصرۃ اللہ لی...... (جامع البیان) مطلب یہ ہے کہ کون ہیں تم میں سے جو میرے مددگار رہوں اس منزل تک کہ اللہ کی مدد میرے شامل حال ہو۔

---

[1]۔ هي في موضع رفع اي ولكم اخرىٰ في العاجل مع ثواب الآخرة (ابن جرير)

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ

مدنیّہ......۱۱......آیات

یہ سورہ بھی ''مسبحات'' سے ہے اور چونکہ اسمیں روز جمعہ خصوصی طور پر خاص نماز کا حکم ہے اس لیے اس کا نام یہ ہوا۔
اس میں تسبیح الٰہی کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ کے ذمے خالق کی طرف سے جو کام ہیں، وہ بیان ہوئے ہیں جن کا اس کے قبل پہلے اور دوسرے اور چوتھے پارے میں بھی بیان ہوا تھا مگر یہاں ان کی بیان میں ایک خاص خصوصیت ہے جسکا بیان اس آیت کے ذیل میں بھی آئے گا۔

سورۂ جمعہ کے خاص خاص مضامین:

۱......مزید خصوصیت یہ ہے کہ ان کاموں کے تذکرے کے بعد اس کا اظہار کردیا گیا ہے کہ آپ کی رسالت زمانہ مستقبل کے آنے والوں پر بھی حاوی ہے۔
۲......اہل کتاب کو جو کتاب ملی تھی، ان کے ذمہ داریوں سے عہدہ برآنہ ہونے کا ذکر ہے جس کے ضمن میں اس امت کو جنہیں یہ کتاب عطا ہوئی ہے، انتباہ ہے کہ تم ایسے نہ ہونا کہ اس کتاب کے ذمہ داریوں کو پورا نہ کرو۔
۳ ......یہودیوں سے خطاب کرکے ان کے اس زعم کی کمزوری ظاہر کی گئی ہے کہ وہ من حیث الجماعت خدا سے اپنا خاص رشتہ سمجھتے ہیں اور پھر اس کی تصدیق کا معیار تمنائے موت کو قرار دیا ہے جو اس کے پہلے سورۂ بقرہ میں بھی ایک طرح آچکا ہے۔
۴......آخر میں جمعہ کا حکم جس کے خصوصیات پر اس آیت کے تحت میں روشنی پڑے گی۔
۵......صحابہ کے اس کردار پر سرزنش کہ وہ رسولؐ کو چھوڑ کر تجارتی باجے کی آواز سن کر چلے جاتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①
هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ② وَّاٰخَرِيْنَ

www.kitabmart.in

مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④

''تسبیح کرتی ہے اللہ کی ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، جو سلطنت کا مالک ہے، نقائص سے بری غالب آنے والا صحیح کام کرنے والا ہے، وہ ہے جس نے امیین کی قوم میں ایک پیغمبر انہی میں جوان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاکیزہ بناتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگر چہ وہ اس کے پہلے کھلی گمراہی میں تھے، اور کچھ دوسرے لوگ ان میں کے جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں، اور وہ غالب آنے والا، صحیح کام کرنے والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل وکرم ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل وکرم والا ہے''۔

پہلی آیت میں تسبیح کے ساتھ اللہ کے جتنے اوصاف اسمائے حسنیٰ کی صورت میں ہیں، وہ پہلے آتے رہے ہیں جن کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد جو آیہ بعثت ہے، اس کا مضمون اسکے پہلے قرآن مجید میں تین جگہ آیا ہے۔

پہلے پارۂ اول الٓمّٓ میں دعائے حضرت ابراہیمؑ کے ذیل میں:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (بقرہ-۱۲۹)

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ-۱۵۱)

تیسرے پارہ چہارم میں (لن تنالوا) میں:-

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آل عمران-۱۶۴)

اب یہ چوتھی جگہ وہ مضمون آیا ہے مگر یہاں اس کے محل وقوع میں خاص خصوصیت ہے۔ سورہ اوصاف الٰہی سے شروع ہوا۔ کائنات سب مصروف تسبیح ہے اللہ کے لیے، کون ہے، جو ملک یعنی سلطنت کا حقیقی مالک ہے۔ قدوس یعنی تمام عیوب ونقائص سے بری عزیز ہے اور حکیم ہے۔ اب انہی اوصافِ الٰہی میں کہاں جارہا ہے کہ وہ وہ ہے جس نے امیین میں ایسا رسول بھیجا، یعنی رسول کا تعارف یہ کہہ کر نہیں کرایا جاتا کہ وہ وہ ہے جسے اللہ نے بھیجا بلکہ اللہ کا تعارف کرایا جاتا ہے یہ کہہ کر کہ اللہ وہ ہے جس نے ایسا رسول بھیجا اسکا نتیجہ یہ ہے کہ یہ رسول اس شان کا ہے جسے دیکھ کر عظمت الٰہی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔

اس کے بعد اُن کاموں کی فہرست پیش کی گئی ہے جو خالق کی طرف سے آپ کے ذمے ہیں جن کا ذکر اوصاف امتیازی کے طور پر پہلے تین جگہ آچکا ہے۔

www.kitabmart.in

"اگرچہ وہ اس کے پہلے کھلی گمراہی میں تھے"۔ یہ فقرہ پہلے کی تیسری آیت میں بھی تھا جس میں قبل اسلام دور جاہلیت کی پوری تاریخ مضمر ہے کہ دنیا کی کیا حالت تھی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے ان میں کیا انقلاب ہوا۔

آخر کا فقرہ جو اس جگہ خصوصیت کے ساتھ ہے: وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ اس سے ہمارے پیغمبر کی رسالت کے عموم زمانی کا استفادہ ہوتا ہے کہ آپ کی رسالت اسی نسل میں محدود نہیں ہے بلکہ بعد میں جتنے آئیں، وہ سب آپ کے دائرہ رسالت میں ہیں۔

پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت

اب چونکہ واقعہ یہ ہے کہ بعد کے آنے والے قوم عرب میں محدود نہیں ہیں بلکہ اور بھی قومیں ہیں، اس لیے مفسرین نے اس کی تشریح میں قوم ونژاد کی ہمہ گیری پر بھی روشنی ڈالی ہے جس کے لیے مفسر طبری نے کئی روایات تو ایسے درج کیے ہیں جن میں صراحت ہے کہ اس سے عجم مراد ہیں اور چونکہ اصطلاحاً جتنے غیر عرب ہیں، سب ہی عجم ہیں، اس سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ تمام اقوام عالم کے لیے آپ کی رسالت ہے اور دوسرا قول صاف صاف یہ ہے کہ:۔

عنی بذالك جميع من دخل فی الاسلام من بعدی النبی ﷺ کائنا من کان الیٰ یوم القیامة (جامع البیان)

اس سے مراد تمام وہ ہیں جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے اسلام داخل ہوئے چاہے جو بھی ہوں قیامت تک۔

یہ اگرچہ ایک حقیقت ثابتہ ہے جس کے لیے قرآن مجید میں بہت بلند آہنگ کے ساتھ اعلان ہے کہ: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا-۲۸) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا ہے مگر تمام انسانوں کے لیے کافی ووافی رہبر مگر زیر تحریر آیت میں آخرین کے ساتھ جو منھم کی لفظ ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ انہی امیین میں سے اور لوگ، اس کے بعد اس آیت سے مذکورہ ہمہ گیری کا استفادہ مشکل ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"مثال ان کی جن پر توریت (کی ذمہ داری) کا بار ڈالا گیا، پھر وہ اسے اٹھا نہیں سکے مثل گدھے کے ہے جو بہت سی کتابیں اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہو کتنی بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی کتاب کو اور اللہ منزل مقصد تک نہیں پہنچاتا ظالم لوگوں کو"

"بار ڈالا گیا" یعنی توریت ان کی ہدایت کے لیے اتاری گئی، اب ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس پر عمل کریں مگر انہوں نے اس ذمہ داری کو پورا نہیں کیا یعنی اس پر عمل نہیں کیا، پھر یہ کہ اس کے بعد جن اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لانا چاہیے تھا، ان پر ایمان نہیں لائے، جب کہ یہ پیغمبر اُس توریت کی تصدیق کرنے والے تھے اسے رد کرنے والے نہ تھے تو جب کہ انہوں نے اس توریت پر جس کے وہ حامل بنائے گئے تھے عمل نہیں کیا تو ان کی مثال اس گدھے کی سی ہو گئی جس پر کتابوں بوجھ لدا ہوا ہو مگر اس سے فائدہ کچھ بھی نہیں اٹھاتا۔

www.kitabmart.in

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۞ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞

''اے یہودی مذہب رکھنے والو! اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تمام لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے خاص لگاؤ رکھتے ہو تو موت کی آرزومند ہو اگر تم سچے ہو اور وہ اس کے کبھی آرزومند نہیں ہونگے ان اعمال کی وجہ سے جو پہلے وہ کرتے رہے اور وہ اس کے کبھی آرزومند نہیں ہوں گے ان اعمال کی وجہ سے جو پہلے وہ کرتے رہے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے کہیے کہ موت جس سے تم بھاگتے ہو، وہ بہر حال تم تک پہونچے گی، پھر تم پلٹا جاؤ گے اس کی طرف جو ان دیکھی اور دیکھی سب باتوں کا جاننے والا ہے، تو وہ تمہیں بتائے گا ان اعمال کو جو تم کرتے تھے''۔

شروع کا خطاب مسلما جماعت یہود سے ہے لیکن خطاب ''یہوذ'' کی لفظ کے ساتھ نہیں کیا گیا ہے بلکہ قرآن نے یہودی جماعت کے لیے پہلے بھی کئی جگہ الذین ھادوا کی لفظ استعمال کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی کے نام کو جو ایک ''نژاد'' کا پتا دیتا ہے ایک مذہبی جماعت کے شایان شان لفظ کے ساتھ جو اللہ سے لو لگانے کا اظہار کرتی ہے۔[1]

تبدیل کر کے صرف حروف کی ساخت کی مشابہت سے ذہن کو ان کی جماعتی نام ''یہوذ'' کی طرف منتقل کیا ہے۔ غالباً اصل بنیاد اس لفظ کے استعمال کی یہی تھی جس کے بعد اس نے ایک وضع شاذ ی کی حیثیت اختیار کر لی اور معنی ہی اس لفظ کے ہو گئے کہ یہودی مذہب اختیار کیا[2] اب چونکہ جماعت یہود کا دعویٰ تھا جو پہلے قرآن مجید میں بیان ہو چکا ہے کہ :۔(مائدہ-۱۸) نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ : ہم اللہ کے بیٹے اور اس سے خاص محبت کا رشتہ رکھنے والے ہیں۔ اس لیے ان سے کہا گیا ہے کہ اگر ایسا ہے تو موت سے ڈرتے کیوں ہو؟ اس کا آرزومند ہو کیوں کہ لقائے محبوب سے بڑھ کر خوش آئند بات اور کیا ہو سکتی ہے اور وہاں تمہیں بخیال خود کوئی کھٹکا بھی نہیں ہے۔ اس دنیا کے جھگڑوں بکھیڑوں اور مصائب و آلام سے چھوٹ کر بہشت عنبر سرشت کی نعمتیں ہیں تو پھر اس کا ڈر کیسا؟

اور اس کے بعد کہا گیا کہ یہ تو مشرکین یعنی آخرت کا تصور نہ رکھنے والے بت پرستوں سے بھی زیادہ دنیاوی زندگی پر جان دیتے ہیں اور ہر ایک کی آرزو ہے کہ وہ ایک ہزار برس اس دنیا میں رہے۔ اب اگر مسلمانوں میں بھی یہی بات ہو جائے تو وہ تمام سرزنشیں جو جماعت یہود کو کی گئی ہیں۔ ان مسلمانوں کے بھی حسب حال ہوں گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ

---

[1]۔ قال موسیٰ انا ہدینا الیک (ابن جریر)

[2]۔ ہودا خل شدن بدین یہودیت است گویند ھادو تہود یعنی بدین یہودیت داخل شد (قاموس قرآن)

www.kitabmart.in

وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

''اے ایمان لانے والو! جب پکارا جائے جمعہ کے دن والی نماز کے لیے تو دوڑ پڑو ذکر خدا کی طرف اور خرید وفروخت چھوڑ دو، وہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو، تو جب نماز ختم ہو جائے تو ادھر ادھر جاؤ اور اللہ کے فضل وکرم سے طلب معاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو، شاید کہ تم دین اور دنیا کی بہتری حاصل کرو''۔

جمعہ کی نماز کا حکم

اس میں پہلے نماز جمعہ کا حکم قرآن نے ان الفاظ میں دیا ہے کہ جب جمعہ کی نماز کے لیے پکارا جائے یعنی نماز جمعہ قائم ہو تو ذکر الٰہی یعنی نماز کے لیے دوڑ پڑو مگر اس حیثیت سے اس حکم میں اجمال ہے کہ اس نماز کے قیام کے شرائط کیا ہیں؟ یعنی کن صورتوں میں اس نماز کا قائم کرنا لازم ہے اور اس کے لزوم کی کیا نوعیت ہے؟ اس کی تفصیل قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے۔ احادیث میں ہے اور ان سے نتائج کے برآمد کرنے میں علماء کے درمیان اختلاف ہو گیا ہے۔

اہل سنت چونکہ رسولؐ کے بعد کسی امام معصوم کے قائل نہیں ہیں لہٰذا ان کے یہاں بعد پیغمبر خدا ہر آدمی جس طرح عام نماز کا امام ہو سکتا ہے، اسی طرح جمعہ کی نماز ہر امام کے پیچھے ہر مسجد میں ہو سکتی ہے مگر شیعہ بعد رسول چونکہ اصل جانشین رسولؐ کا انہی اماموں کو جانتے ہیں جو اللہ کی طرف سے مقرر تھے لہٰذا بہت سے اہم منصب رسولؐ کے ان نزدیک ان آئمہؑ کے لیے جس نوعیت کے ساتھ ثابت ہیں اس طرح دوسرے لوگوں کے لیے ثابت نہیں ہیں، اس ثابت نہیں ہیں لہٰذا اکثر علمائے شیعہ کے نزدیک احادیث معصومینؑ کی بنا پر قرآن مجید کے یہ احکام جو نماز جمعہ کے لیے ہیں اس شکل میں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز پڑھانے کی صورت میں تھے وہ اس وقت ہیں جب ان کے وہ جانشین یعنی ایمہ معصومین علیہم السلام ایسا موقع پاتے کہ نماز جمعہ کی امامت فرمائیں۔ باقی غیبت امام میں مختلف اقوال ہیں جن کے لیے ان رسائل عملیہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو مجتہدین کی طرف سے ان کے مقلدین کے لیے شائع ہوتے ہیں۔

اب یہ کہ جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے تو دوڑ پڑو، اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت پر حاضری میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ لہٰذا گھر اگر مسجد کے قریب ہے ایسا کہ بغیر دوڑے پہونچ جائے گا یا پہلے سے مسجد میں موجود ہے اور اس کے سامنے اذان ہوئی تو بلا وجہ خاص اس حکم کی تعمیل کے لیے دوڑ نا مقصود نہیں ہے، بس مطلب یہ ہے کہ وقت پر نماز میں حاضر ہو تو درصورت شرائط وجوب یہ حکم وجوبی ہے وَذَرُوا الْبَيْعَ یعنی خرید وفروخت چھوڑ و، اس کا مطلب یہ ہے کہ اب خرید وفروخت حرام ہیں اور یہ تحریم بھی انہی شرائط کے ساتھ ہیں جن میں نماز میں شرکت واجب ہے۔ مگر اس کے بعد تیسرا حکم کہ جب نماز ختم ہو جائے تو ادھر ادھر منتشر ہو جاؤ، یہ صورۃً حکم ہے لیکن مراد اس سے اجازت ہے۔

چونکہ یہ عام اصول ہے کہ ممانعت کے بعد جو صیغہ امر آئے وہ صرف پابندی کے ختم ہونے کا اظہار کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ نہ کہ اس سے کوئی پابندی عائد کرنا منظور ہو۔ اسلیے یہ حکم صرف جواز کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اور چونکہ ممانعت خرید وفروخت سے ہوئی تھی لہٰذا اب اس

www.kitabmart.in

کے مقابلے میں یہ ہے کہ خدا کے فضل وکرم کے امیدوار ہونے کے لیے یعنی طلب معاش کے لیے جاؤ۔

اب یہ جانے کی اجازت بھی طلب معاش ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس جائز کام کے لیے جانا چاہتے ہو جاؤ۔ اب کوئی ممانعت نہیں ہے،

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١﴾

''اور جب وہ دیکھتے ہیں کوئی تجارت یا باجا گاجا تو منتشر ہو جاتے ہیں اس کی طرف اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں، کہیے کہ جو اللہ کے یہاں ہے، وہ اس باجے گاجے، اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق پہنچانے والا ہے''۔

واقعہ یہ تھا کہ جیسا کہ طبریؒ نے بھی اس کے متعلق متعدد روایات نقل کیے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جمعہ کا خطبہ شروع فرما چکے تھے کہ باجے کی آواز آئی اور یہ علامت تھی اس کی کہ تجارتی قافلہ شام سے مال تجارت لے کر آیا ہے، بس اس کی آواز سننا تھی کہ صحابہ اٹھ اٹھ کر جانے لگے، یہاں تک کہ پیغمبر خدا کے سامنے صرف بارہ (۱۲) آدمی رہ گئے۔ کئی حدیثوں میں ہے کہ حضرت نے فرمایا اگر یہ اتنے آدمی نہ رہ جاتے تو فوراً عذاب الٰہی کے طور پر آگ کے شعلے بھڑکنے لگتے۔[1]

[1] لا التهب عليكم الوادي ناراً (ابن جرير)

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الْمُنَافِقُوْنَ

مدنیّہ......۱۱......آیات

کھلے ہوئے کافر اسلام کے لیے اتنے ضرر رساں اور خطرناک نہیں تھے، جتنے وہ جو ظاہر میں مسلمان ہو گئے تھے لیکن دل سے کافر تھے۔ان کا نام اصطلاح قرآن میں ''منافقون'' ہوتا ہے اور ان کا ذکر قرآن میں اس نام کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے اوصاف کے ساتھ سورہ بقرہ کے آغاز ہی سے شروع ہو گیا تھا اور جا بجا ان کا ذکر کہیں صرف اوصاف کے ساتھ کہیں لفظ ''منافقون'' یا ''المنافقین'' کے ساتھ بار بار ہوتا رہا اور اب یہ پورا سورہ ان کے نام پر اتار دیا گیا جس میں ان کے اوصاف اور علامات بھی ہیں اور ان کی باتوں کا جواب بھی''

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾

''جب منافقین لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ ضرور اس کے پیغمبر ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں''۔

ایک علمی بحث صدق وکذب کی تعریف میں ہے کہ بعض نے خبر دینے والے کے اعتقاد کے موافق ہونے کا اعتبار بھی صدق میں کیا ہے یعنی اگر بات اپنی جگہ حقیقت کے مطابق ہے لیکن وہ کہنے والے کے اعتقاد کے خلاف ہے تو وہ جھوٹ میں داخل ہیں اور اس کے ثبوت میں اس آیت کو پیش کیا ہے مگر یہ آیت اس کی دلیل نہیں ہے اس لیے کہ اصل ان کا جملہ جس کی خبر انہوں نے دی یہ نہیں تھا کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں بلکہ اصل جملہ یہ تھا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور گواہی کے معنی اعتقاد کے باب میں ہوتے ہیں اس بات پر اپنے ایمان کا اظہار مگر وہ لوگ جب یہ کہہ رہے تھے تو حقیقت میں انہیں ایمان اس کا نہیں تھا لہٰذا یہ اظہار کہ ہم گواہی دیتے ہیں خلاف واقعہ تھا اس بنا پر خالق نے انہیں جھوٹا کہا ہے کہ وہ بات واقعہ کے خلاف ہے نہ یہ کہ چونکہ انکے اعتقاد کے خلاف تھی۔اس لیے انہیں جھوٹا کہا اور بیچ کا جملہ ہمارے نزدیک خالق کی طرف سے اسی اظہار کے لیے ہے کہ جس بات کی گواہی وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم دے رہے ہیں، وہ بات تو بالکل صحیح ہے۔اللہ جانتا ہے کہ آپ اُس کے رسول ہیں مگر یہ جو اپنے لئے کہتے ہیں کہ ہم اس کی گواہی دیتے ہیں، یہ اظہار غلط ہے اس لئے اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ منافقین جھوٹے ہیں۔

بعض لوگوں نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ یہ بیچ کا جملہ بھی انہی کا ہے، مگر ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ان کے کلام کیا جز نہیں ہے۔

www.kitabmart.in

ایک تصور یہ ہے کہ کذب کی دو قسمیں ہیں: کذب خبری اور کذب مخبری۔ جب بات جو کہی گئی ہے حقیقت کے مطابق نہ ہو تو وہ خبر کا جھوٹا ہونا ہے اور اگر کہنے والے کے نقطۂ نظر سے وہ بات درست نہ ہو چاہے وہ خبر سچی ہو، مگر یہ خبر دینے والا جھوٹا ہے۔

اب بیچ کا جملہ جو کلام الٰہی میں ہے کہ اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسولؐ ہیں، یہ خبر کی سچائی کا اظہار ہے اور آخر میں جو یہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں، وہ خبر دینے والوں کو غلط گو ہونے کا اظہار ہے۔

چونکہ بعد میں عبداللہ بن ابی اور اس کی خاص جماعت کے آدمیوں کی گفتگو ہے لہٰذا اس پورے سورے کو انہی کے بارے میں سمجھا گیا ہے مگر موردِ نزول وہی افراد ہوں، تب بھی جو اوصاف منافقین کے بیان کیے گئے ہیں، عام طور پر ایسے دورنگ افراد میں پائے جاتے ہیں جن میں شخص یا اشخاص خاص کی خصوصیت نہیں ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ②

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③

"انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنایا ہے تو اللہ کے راستے سے روگردان ہو گئے ہیں، یقیناً بہت برا کام ہے جو وہ کرتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ مسلمان ہوئے، پھر بھی کافر ہی رہے تو ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتی"۔

وہ قسمیں کھا کھا کر اپنی وفاداری کا یقین دلانا چاہتے ہیں اس طرح اپنی حفاظت کا سامان کرتے ہیں ان خطرات سے جو ان کے دلوں کے بھید کھلنے کی صورت میں انہیں درپیش ہو سکتے ہیں اور انہیں بخیال خود ان قسموں کے ذریعے سے اطمینان ہو جاتا ہے کہ اب انہیں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا تو وہ اُنہیں راستے سے جو ان کے لیے باعث نجات ہو سکتا ہے دور ہی ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جس کا انجام بہرحال ہلاکت ابدی ہے لہٰذا کہا گیا کہ بہت برا یہ کردار ہے جو وہ خود اختیار کیے ہوئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ زبان سے اقرار ایمان کر کے مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوئے اور اندر سے کافر ہی رہے۔ جس کی وجہ سے ان پر اثر ہدایت ربانی کا جو رسولؐ کے ذریعہ سے پہنچتی ہے نہیں ہوتا۔ اس تاثر کے ختم ہونے کو مہر سے تعبیر کیا ہے اور ہر جگہ کی طرح یہاں بھی اس مہر لگنے کو ان کے سوء اختیار کا نتیجہ قرار دیا ہے، نہ کہ اس کا سبب جس سے جبر کا تصور پیدا ہو۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④

"اور جب انہیں دیکھے گا تو ان کی جسمانی شکلیں صورتیں آپ کو بہت خوشنما معلوم ہوں گی اور اگر بات کریں گے تو ان کی گفتگو سننے کے قابل محسوس ہو گی (مگر اندر سے وہ ایسے ہیں) جیسے اڑانے لگاتی ہوئی لکڑیاں ہوتی ہیں۔ جو زور سے آواز سنائی دے، ہر دفعہ سمجھیں گے اُن کے خلاف ہے۔ یہ ہیں خاص دشمن۔ ان سے ڈرتے رہیے۔ اللہ

www.kitabmart.in

انہیں غارت کرے، کہاں یہ بھٹکے پھرتے ہیں“۔

یہ لوگ صورت شکل سے بہت دیدۂ زیب اور شاندار نظر آتے ہیں اور باتیں بھی شیرین کلامی سے کرتے ہیں، گفتگو ایسی دل آویز ہوتی ہے کہ ان کی باتوں میں آدمی کا دل لگتا ہے مگر اندر سے ان میں ایمانی زندگی کا نام ونشان نہیں ہے جیسے وہ لکڑی جو اڑانے لگا کر کھڑی کی جائے کہ حیات نباتی بھی اس کی رخصت ہو چکی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ان میں نفسیاتی کمزوری پائی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے چور کی داڑھی میں تنکا جوز ورزور کی آواز آئے، کیا مطلب؟ یعنی کوئی آیت ایسی جس کے الفاظ سخت ہوں اور تہدیدی انداز رکھتی ہو، بس ان کا دل دھڑکنے لگتا ہے کہ کہیں ہمارے ہی خلاف کسی سخت کاروائی کرنے کا حکم نہ ہو، چونکہ ان کا ضمیر اپنے کو اس لائق جانتا ہے کہ ان کے خلاف تادیبی کاروائی ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد رسولؐ کو صاف الفاظ میں ہوشیار کیا گیا ہے کہ کھلے ہوئے کافر ایسے خطرناک دشمن نہیں ہے جتنے یہ منافق قسم کے لوگ۔ اب ختم آیت میں ان پر نفرین ہے جیسے انہیں غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے جو اس قسم کی نفرینوں کو شائستگی کے خلاف سمجھتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۵ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۶

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لیے پیغمبر خدا دعائے مغفرت کر دیں تو وہ اپنے سر گھماتے ہیں برابر ہے ان کے لیے آپ طلب مغفرت کیجیے ان کے لیے یا طلب مغفرت نہ کیجیے، اللہ ہرگز نہیں بخشے گا۔ یقیناً اللہ منزل تک نہیں پہنچاتا انہیں جو ایسے بدکردار ہوں“۔

جب ان کے کسی قول عملی جرم کا کچھ مسلمانوں یا کسی مسلمان پر انکشاف ہوجاتا ہے تو یہ ان سے کہتے ہیں کہ ارے، اب بھی غنیمت ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر اپنے لیے بارگاہ الٰہی میں استغفار کرا لو۔ یہ سن کر وہ طنزیہ طور پر سروں کو حرکت دیتے ہیں اور اسے جیسے اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اللہ جو ان کے دلوں کے رازوں سے واقف ہے، وہ فرماتا ہے کہ آپ اپنے منصبی فریضہ کی بنا پر کہ آپ کو ظاہر پر نگاہ رکھنا چاہیے ایک مسلمان کے دعائے مغفرت کی خواہش پر دعائے مغفرت کر بھی دیجیے تو اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔

ایک جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر ستر دفعہ بھی آپ استغفار کیجیے تو اللہ ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۷ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ

www.kitabmart.in

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾

''وہی وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ روپیہ پیسہ نہ دو ان لوگوں کو جو رسولِ خدا کے پاس ہیں تا کہ یہ لوگ منتشر ہوجائیں حالاں کہ اللہ کے لیے خزانے ہیں آسمانوں اور زمین کے مگر منافق لوگ سمجھتے نہیں کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینے واپس ہوئے تو جو ہم میں غلبہ وعزت والا ہے، وہ ذلت و عاجزی والے کو نکال باہر کرے گا حالانکہ عزت اللہ اور اس کے پیغمبر کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے مگر منافق لوگ جانتے نہیں''۔

یہ اس سورے کی مرکزی آیتیں ہیں جو ایک خاص واقعہ سے متعلق ہیں۔اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ ایک غزوے سے واپسی میں ایک کنویں پر پانی بھرنے میں ایک انصاری اور ایک مہاجر کے درمیان جھگڑا ہوگیا جن میں انصاری کو چوٹ آ گئی۔

عبداللہ بن ابی جو مدینہ کے منافقین کا سرغنہ تھا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ میں آنے سے پہلے مدینہ کی بادشاہت کا خواب دیکھ رہا تھا بلکہ تاج تک اس کے لیے بن گیا تھا۔رسولؐ کے مدینہ میں آنے کے بعد اس نے ہوا کے رخ کو دیکھ کر اسلام قبول تو کرلیا مگر دل سے اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن رہا۔اسے اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ آگ بگولا ہوگیا اور اس نے انصار کو مخاطب کر کے بڑی مفسدانہ تقریر کر ڈالی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ''تم نے ان پردیسیوں کو اپنے سر پر مسلط کیا، یہ تمہارے کیے کی سزا ہے۔اب بھی تم اپنا ہاتھ روک لو، اور ان کی مالی مدد نہ کرو تو یہ فاقے مرنے لگیں اور ادھر ادھر منتشر ہوجائیں اور پھر کہا کہ بس اب کی مدینے پہنچیں، تو پھر دیکھنا جو عزت والا ہے (یعنی وہ خود) وہ اس کو جو ذلت والا ہے (یعنی معاذ اللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شہر سے نکال دے گا۔یہ الفاظ زید بن ارقم نے سنے جو اس وقت کم عمر تھے یعنی تازہ تازہ بلوغ کی سرحد تک پہنچے تھے، تو ان کی حمیت ایمانی کے لیے ناقابل برداشت ثابت ہوئے تو انہوں نے اسی وقت اس کے خلاف برہمی کا اظہار کیا اور پھر آکر اپنے ایک بزرگ کے ذریعہ سے ان الفاظ کی اطلاع رسولؐ تک پہنچائی۔حضرتؐ نے بلاواسطہ یا بواسطہ عبداللہ بن ابی سے ان باتوں کے متعلق دریافت کیا تو وہ قسمیں کھانے لگا کہ یہ سب بالکل غلط ہے۔حضرتؐ نے بظاہر انتظار وحی میں خاموشی اختیار فرمائی۔لوگوں نے ایسا محسوس کیا ہوگا کہ آپ نے اس کے انکار کو تسلیم کرلیا اور زید کی بات کو غلط سمجھا اس پر عبداللہ کے ہوا خواہ اور مؤید کچھ دوسرے سادہ لوح مسلمان بھی زید کو سخت سست کہنے لگے کہ تم نے ایسی غلطی کیوں کہی؟ اس بیچارے کو اس سے بڑا سخت صدمہ ہوا، یہاں تک کہ گھر سے نکلنا موقوف کردیا۔اس پر یہ سورہ نازل ہوا اور مذکورہ آیتوں میں ان باتوں کو جو عبداللہ بن ابی کی زبانی زید نے آکر کہی تھی، انہی لفظوں میں دہرایا گیا۔پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کو بلا کر وہ آیتیں سنائیں اور فرمایا اب تو خوش ہو؟ تمہاری پہنچائی ہوئی خبر کی خداوند عالم نے من وعن تصدیق کی ہے۔

گزشتہ آیت میں جو طلب استغفار کا ذکر تھا اسے بھی عبداللہ بن ابی سے متعلق قرار دیا گیا ہے کہ کسی نے اس سے کہا کہ جا کر رسول اللہؐ سے دعائے مغفرت کرا لو، اس پر اس نے سر کو انکاری طور پر گھمایا اور کہا تم لوگوں نے کہا کہ اسلام لے آؤ۔میں لے آیا، پھر کہا زکوۃ دیا کرو میں زکوۃ بھی دینے لگا۔اب کیا میں جا کر ان کے قدموں میں سجدے میں گر جاؤں؟

عبداللہ بن ابی کی سابق مفسدانہ تقریر میں جو دو جملے تھے، ان دونوں کو نقل کرتے ہوئے ہر جملے کے بعد اس کو جواب دیا ہے۔پہلا جملہ کہ انھیں تم نہ دو تو یہ فاقوں مرنے لگیں، اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی انسان ذاتاً مال و دولت پر اختیار نہیں رکھتا۔ذرائع رزق اللہ کے ہاتھ

www.kitabmart.in

میں ہے،لہٰذا کسی کو یہ گھمنڈ نہیں ہونا چاہیے کہ ہم ہاتھ روک لیں تو لازماً یہ فاقوں مرنے لگے گا۔اور دوسری بات کو جو صاحب عزت ہے وہ دوسرے کو جس کے حصے میں ذلت ہے نکال باہر کریگا۔اس کا جواب یہ ہے کہ عزت اور ذلت دنیا کی نگاہ والی کوئی چیز نہیں ہے کا فر و منافق کتنا ہی دولت مند ہو، کتنا ہی بخیال خود صاحب اثر ہو، اصل عزت کا مالک نہیں ہے، حقیقی عزت مخصوص ہے اللہ سے اور اس کے پیغمبرؐ سے اور ایمان والوں سے، تو جو ایمان سے محروم ہیں، وہ عزت سے بھی محروم ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱

’’اے ایمان دار و تمہارے مال اور تمہاری اولاد تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے گا تو وہی لوگ گھاٹے میں رہیں گے (بحوالہ ترجمہ علامہ سید فرمان علی صاحب اعلی اللہ مقامہ) اور خیرات کرو اس سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آئے تو وہ کہے کہ اے میرے پروردگار! کیوں نہ تو نے مجھے مہلت دی اور تھوڑی سی مدت تک کہ میں خیرات کرتا اور نیکو کاروں میں سے ہوتا۔اور ہرگز اللہ مہلت نہیں دے گا کسی کو جب اس کی عمر پوری ہو جائے اور اللہ جانتا ہے اسے جو وہ کرتے ہیں‘‘۔

اب یہ جیسے ان کی باتوں سے قطع نظر کر کے سچے مسلمانوں سے خطاب ہے[1] کہ ان کو جو یہ کہتے ہیں، وہ کہنے دو تم سنو کہ جتنی مدت حیات ہے اسے غنیمت سمجھو اور جتنا اللہ نے دیا ہے اس میں سے راہ خدا میں صرف کرو، ورنہ جب وقت گزر جائیگا تو افسوس ہوگا کہ ارے عمر جلد ہی ختم ہوگئی اور پھر اس افسوس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

---

[1]۔انفقوا ایہا المؤمنون باللہ ورسولہ (ابن جریر)

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ التَّغَابُنِ

مدنیّہ......۱۸......آیات

قیامت کے لیےاس سورے میں یوم التغابن کی لفظ صرف کی گئی ہے۔اسی لفظ پر اس سورے کونام ہوا۔

سورۂ تغابن کے خاص خاص مضامین:

۱......منزل تخلیق میں سب کی یکسانی، پھر مومن اور کافر کا فرق۔

۲......تمام کائنات کا صحیح طور پر با مقصد پیدا ہونا اور اُس کی طرف سے جسمانی صورتوں کا مختلف ہونا۔

۳......علم الٰہی کا حاوی ہونا۔

۴...... پہلے والوں کے انجام کی یاد ہانی۔

۵......اللہ و رسول اور اس نور پر جو ان کے ساتھ ہے، ایمان لانے کی دعوت۔

۶ ......قیامت کے دن سب اکٹھا ہوں گے دنیاوالی اپنی زندگی کے لحاظ سے کوئی فائدہ اٹھائے گا اور کوئی نقصان ۔اسی کو تغابن کی لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

۷ ......بعض بیویاں اور اولاد انسان کے دشمن ہوتے ہیں۔اس معنی سے کہ غلط راستے کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ان سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

۸......اموال اور اولاد کا فتنہ یعنی ذریعہ آزمائش ہونا۔

۹......اللہ کو قرض حسن دینے کی دعوت جو پہلے کئی جگہ آچکی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا ،بڑا مہربان ہے“

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾

”تسبیح کرتی ہے اللہ کی ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اسی کے لیے پورا پورا اقتدار سلطنت ہے اور اسی کے لیے ہر تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے“

www.kitabmart.in

ابتدائی تمہیدی جملہ تو وہی ہے جو ادھر کے تقریباً ہر سورے میں ہے۔ اس کے بعد دنیا کے مدعیانِ سلطنت کے مقابلے میں اس کو واحد اقتدارِ سلطنت کا مالک ثابت کیا گیا ہے مگر جو ایسے اقتدار کا مالک ہوگا وہ اندھا دھند کام کریگا۔ اسے اس سے بحث نہیں ہوگی کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ وہ کام اچھا ہے یا برا لیکن خدا جو کرتا ہے، اچھا ہی ہوتا ہے۔[1]

اس لیے یہ کہہ کر کہ اسی کے لیے تعریف ہے، اس کے کاموں کا حسن ثابت کیا گیا ہے۔ یہ وہی اصول عدالت ہے جسے امامیہ توحید کے ساتھ ماننا ضروری سمجھتے ہیں جو منکر عدل ہیں، وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسے عمل کا پابند بنانا اس کی شان کے خلاف ہے اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ پابندی وہ شان کے خلاف ہے جو کسی بالادست طاقت کی طرف سے ہو لیکن قدرت کاملہ کے باوجود اپنے اختیار سے کمال حکمت کی بنا پر کوئی غلط کام نہ کرنا عین کمال ذات ہے چنانچہ اس آیت میں بھی لہ الحمد کہہ کے اس پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے کہ یہ اس کی قدرت کے نقص کا نتیجہ نہیں ہے قدرت تو اس کی ہر چیز پر ہے لیکن وہ کمال قدرت کے باوجود کرتا وہی ہے جو اس کی حکمت وعدالت کے شایان شان ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۲

”وہ وہ ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا۔ اب تم میں سے کوئی کافر ہے اور تم میں سے کوئی مومن ہے اور اللہ جو تم کرتے ہو، اس کا دیکھنے والا ہے“۔

منزلِ تخلیق میں سب کی یکسانی

تخلیق کے ذکر کے بعد یہ جو کہا گیا کہ تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن۔ اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ اسی بات کو کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے، کوئی نہیں مانتا اور کوئی مانتا ہے تو یہ کفر اور ایمان اسی بات سے متعلق ہے جس کا ذکر ہوا۔[2]

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ خالق نے تو سب کو پیدا کیا، منزل تخلیق میں سب یکساں تھے۔ اس کے بعد اپنے سوءِ اختیار اور حسنِ اختیار سے یہ تفرقہ ہوگیا کہ کوئی مومن ہے اور کوئی کافر جیسے سورہ دہر میں ارشاد ہوا:۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا (دھر-۲،۳)

ہم نے انسان کو پیدا کیا ملے جلے ہوئے نطفے سے محل آزمائش میں لانے کے لیے تو اسے کان آنکھ کی طاقتیں دیں ہم نے اسے ایک خاص راستے کی طرف ہدایت کی، اب شکرگزار رہے یا ناشکرا۔

تخلیق یکساں، مقصد تخلیق ابتلا وامتحان یکساں، سمیع وبصیر قرار دیا یعنی صلاحیتیں قبول ہدایت کی سب میں رکھیں پھر ہدایت بھی سب کو ایک ہی راستے کی ہوئی، اب اس کے بعد جہاں سے اپنے اختیار کی منزل آئی، کوئی شکرگزار یعنی مومن ہے اور کوئی ناشکرا کافر۔ اور اب اختیار کا قدم درمیان میں آنے کے بعد جزا وسزا کی تفریق ہے جس پر آخری جملے سے متنبہ کیا گیا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَیْهِ

---

[1]۔ لان جمیع رحمت فی الخلد من الخلق لایعرفون الخیر لا منه (مجمع البیان)

[2]۔ فمنکم کافر بخالقه وومنکم مومن (ابن جریر)

www.kitabmart.in

الْمَصِيرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

''اس نے آسمانوں اور زمین کو حقانیت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تمہاری صورت گری کی تو بہت اچھی صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو ہے وہ اسے جانتا ہے اور جانتا ہے اسے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور اللہ سینوں کے اندر کی چیزوں کا جاننے والا ہے''

''حقانیت کے ساتھ'' یعنی نہ تو بے فائدہ اور نہ غلط طور پر ا۔(بالعدل والانصاف ......ابن جریر) یہ دونوں باتیں مقتضائے حکمت کے خلاف ہیں جیسے ایک جگہ منفی طور پر کہا گیا ہے:۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا (ص-۲۷)

ہم نے آسمان اور زمین کو باطل طور پر پیدا نہیں کیا۔ جس کی ''وہاں باطل کہہ کرنفی کی گئی ہے، اسی کے مقابل جو پہلو ہے اس کا یہاں بالحق کہہ کر اثبات کیا گیا ہے۔

خالق عالم کا تصور پیدا کر کے انجام کو یاد دلایا گیا ہے کہ اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور پھر اس کے علم کی وسعت کو دکھا کر ہر ایک کو اس کے پوشیدہ اعمال کے محاسبے کا اندیشہ پیدا کیا گیا ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ
يَّهْدُوْنَنَا ۫ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑥

''کیا تمہیں خبر نہیں پہنچی ان لوگوں کی جنہوں نے کفر اختیار کیا اس سے پہلے تو انہوں نے چکھا اپنے معاملے کا خمیازہ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ ان کے پیغمبران کے پاس آتے تھے کھلی ہوئی دلیلیں لے کر تو انہوں نے کہا کیا کچھ آدمی ایسے ہیں جو ہماری ہدایت کریں تو انہوں نے کفر اختیار، کیا اور روگردانی کی اور اللہ کو کوئی ضرورت نہ تھی اور اللہ بے نیاز ہے، قابل تعریف''۔

ہمیشہ کفار و مشرکین انبیا و مرسلین کے خلاف بات پیش کرتے رہے کہ یہ تو انسان ہیں، خدا بھلا کسی انسان کو اپنی طرف سے رہنما کیوں مقرر کرنے لگا؟! وہی بات ان سے پہلے والوں کی زبانی یہاں یاد دلائی گئی ہے کہ کیا کچھ بشر ایسے ہو سکتے ہیں جو ہماری ہدایت کریں؟

بعض جگہ تو اس کے جواب اطمینان بخش پیرائے میں دیا گیا ہے کہ واقعی شبہ ذہن میں ہے تو دور ہو جائے لیکن یہاں اس کا جواب ایسا دیا گیا ہے کہ جیسے یہ کہنا صرف ایک بہانہ ہے کفر اختیار کریں لہٰذا یہاں یوں کہا جارہا ہے کہ ان کا ہی کرتے رہیں گے۔ اچھا تو پھر یہ شوق سے کفر اختیار کریں۔ اللہ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ بے نیاز ہے۔ اسے تو جو صحیح طریقہ کار ہے، وہی اختیار کرنا ہے۔

www.kitabmart.in

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷﴾

''وہ جو کافر ہیں، ان کا خیال ہے کہ ہرگز دوبارہ زندہ نہیں ہونگے، کہیے کہ کیوں نہیں قسم میرے پروردگار کی، تم لوگ دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے، پھر تمہیں بتایا جائے گا جو تم نے کیا ہوگا، اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے''۔

قبل سے تمہید اسی کی تھی جو بعد موت کے منکر ہیں، انہیں اس کا احساس پیدا کیا جائے یہاں چونکہ ان کی کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی ہے تاکہ اس کا جواب دیا جائے۔نہ کوئی ان کا اعتراض ہے جسے رد کیا جائے بلکہ ان کا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا جس کی بنیاد لاعلمی پر ہے لہٰذا اس کے مقابلے میں جیسے خبر دینے والے کی سچائی کے پس منظر میں جس کا انہیں اس کے پہلے اقرار رہا ہے پورے طور پر حتم وجزم کی صورت میں قسم اور لام ونون تاکید کے ساتھ اطلاع دینے پر کہ ایسا ضرور ہوگا اکتفاء کی گئی۔ آخر میں ذرا ذہن کو قدرت الٰہی کی طرف موڑا ہے کہ یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۸﴾

''تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے پیغمبر پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا ہے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو باخبر ہے''۔

''اس نور'' سے مراد عام طور پر قرآن لیا گیا ہے[1] مگر ایسا یقینی طور پر متعین نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد تمام وکمال وہ دین وشریعت ہو جو آپ کے ذریعہ سے منجانب اللہ آئی ہو۔خواہ وہ بصورت قرآن ظاہر ہو یا دوسری طرح آپ کے اقوال واعمال سے۔ہاں ایک پہلو یہ ہے کہ چونکہ سیاق کلام یقیناً یہ ہے کہ اس صیغہ امر (آمنو) کا روئے خطاب مشرکین ہی کی طرف ہے جو خدا و رسول سب ہی کے منکر تھے، ان کے مقابلہ میں جس چیز کو بطور تحدی پیش کیا گیا ہے اور جسے بطور معجزہ رسول سامنے لایا گیا ہے، وہ قرآن ہے لہٰذا ان کو دعوت رسول کی رسالت کے ساتھ ساتھ قرآن ہی پر ایمان کی دعوت دیے جانے کا محل تھا کہ جب رسول پر ایمان لے آئیں گے اور قرآن کو من جانب اللہ مان لیں گے تو دوسری چیزیں سامنے آئیں گے جو آپ کی زبان مبارک یا سیرت مبارکہ سے اُن کے سامنے پیش ہوں گی۔لہٰذا یہ سمجھنا درست معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نور سے مراد قرآن مجید ہی ہے جس پر ایمان کی انہیں دعوت دی جارہی ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۰﴾

''جس دن تمہیں اکٹھا کیا جائے گا اس دن کے لیے جو اکٹھا کرنے ہی کے لیے ہے، وہ دن ہوگا ایک دوسرے

---

[1] ۔ھٰذا ھو القرآن(ابن جریر)

www.kitabmart.in

کے مقابلے میں نقصان اٹھانے کا اور جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک اعمال کرے، وہ اس کی معمولی غلطیوں کو نظر انداز کرے گا اور اسے داخل کرے گا ان بہشتوں میں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ آتش دوزخ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت برا انجام ہے"۔

"غبن" تجارت میں یہ ہوتا ہے کہ ایک معاملہ میں بہت زیادہ فائدہ اٹھالے گا تو یہ غبن کہلاتا ہے اور دوسرے نے اسی معاملہ میں نقصان اٹھایا تو مغبون کہلاتا ہے۔ اسی غبن کو جب باب تفاعل میں لے جائے تو باہم ایک دوسرے کے مقابلے کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا چاہتے ہے۔ یہاں کارگاہ عمل میں اگرچہ ایسا نہیں ہے کہ نیک اعمال لوگوں کا مقصد دوسروں کو نقصان پہنچانا ہو مگر چونکہ نتیجہ ہوا یہی کہ اہل بہشت کامیاب ہوئے اور اہل دوزخ خود اپنے سوء اختیار سے نتیجہ ناکامیاب ہوئے لہٰذا قیامت کے دن کو اس آیت میں "یوم التغابن" یعنی ایک دوسرے کو معاملت میں نقصان پہنچانے کے دن سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بعض لوگوں نے فائدہ اٹھانے کے پہلو کو نظر انداز کر کے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا خاص اہل دوزخ ہی سے متعلق کیا ہے۔ اس طرح کہ وہ سرغنہ لوگ جنھوں نے دوسروں کو گمراہ کیا ان کے غبن یعنی نقصان کے درپے ہوئے کہ انہیں غلط راستے پر ڈال کر مستحق دوزخ بنایا اور انہوں نے کثرت کے ساتھ ان کی پیروی کر کے ان کے استحقاق سزا میں اضافہ کیا کہ ان کے گناہوں کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوئی۔ مگر خود الفاظ آیت میں چونکہ اس کے بعد بلا فاصلہ اہل بہشت کا ذکر ہے اور ان کے انجام بخیر ہونے کا ہے۔ اور بعد میں اہل دوزخ کا ذکر ہے اور ان کے برے انجام کا لہٰذا یہ دوسرا مفہوم اس محل پر بعید معلوم ہوتا ہے پھر جب کہ کلام عرب میں اس لفظ یعنی باب تفاعل کے استعمال میں دوطرفہ کا پہلو نظر انداز بھی کر جاتا ہے جس کی مثال تبارک وتعالیٰ کے الفاظ ہیں اور قدیم اہل تفسیر کی تشریح یہی ہے کہ اہل جنت کو نتیجہ فائدہ حاصل ہوا اور اس لیے غابن یعنی غبن پہنچانے والے ہیں اور اہل نار کو نقصان پہنچا اس لیے وہ مغبون یعنی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ⑪

"کوئی مصیبت نہیں آتی مگر اللہ کی اجازت سے اور اللہ پر جو ایمان رکھتا ہو، وہ اس کے دل کو صحیح راستہ دکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے"۔

اجازت کے یہ معنی ہیں کہ اللہ اپنی قوت قاہرہ کو صرف کر کے رکاوٹ پیدا کر دے تو سبب جو باعث مصیبت ہے تاثیر نہیں کر سکتا اب یہ رکاوٹ پیدا نہ کرنا جسے اجازت سے تعبیر کیا ہے کبھی بطور امتحان ہوتا ہے، کبھی بطور سزا ہوتا ہے اور کبھی کچھ اہم مفادات کے لیے۔

بہر حال مقتضائے ایمان یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ اللہ کی طرف سے جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ درست ہے یہی وہ صبر ہے جسے کہا گیا کہ ایمان رکھنے والوں کے دل کو اللہ صحیح راستہ دکھاتا ہے۔ مگر یہ فیصلہ کہ اللہ کی طرف سے اس مصیبت کو آنا تھا پورے طور پر اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسانی قدرت و اختیار میں بظاہر اسباب جتنے عملی ذرائع ہیں، وہ اختیار کیے جا کے ہوں۔ اس آخر میں صبر کے حکم کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ شروع ہی میں انسان ہاتھ پیر رکھے بیٹھا رہے کہ جو منظور قدرت ہے وہ ہوگا۔ جدجہد سے کیا فائدہ جب کہ بعض قدرت

www.kitabmart.in

کے فیصلے خود انسان کے قوت عمل کے صرف کرنے سے مشروط ہوتے ہیں اور انسان کے قوت عملی کوتاہی اللہ ہی کے احکام کی خلاف ورزی ہے جو کہ سعی و عمل سے متعلق ہیں اور اسی ظلم وعدوان کے رفع کرنے کے لیے جہاد نظام شریعت کا مستقل عنوان ہے۔یہ آیت بعد والے حکم کی تمہید ہو تو مطلب یہ ہے کہ مصیبتوں کے اندیشے کو قبول ایمان اور اطاعت خدا و رسول میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۳﴾

''اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو پیغمبر کی۔اب اگر تم نے روگردانی کی تو ہمارے پیغمبر کے ذمے تو بس صاف صاف تبلیغ کر دینا ہے۔اللہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں اور اللہ ہی پر بس ایمان والوں کو بھروسا کرنا چاہیے''

قرآن مجید میں بکثرت اعلان کیا گیا ہے کہ رسول کا کام حجت الٰہی تمام ہونے کی حد تک واضح اور صاف الفاظ میں تبلیغ کرنا ہے۔اب اگر لوگ ایمان اختیار نہیں کرتے تو اس سے رسول پر کوئی الزام نہیں آسکتا۔موردالزام وہ ہوں گے جو باوجود صاف طور پر حقیقتوں کے واضح ہونے کے پھر بھی انہیں نہیں مانتے اور رسول کی تبلیغ سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

آخر کا جملہ اس لحاظ سے کہ اس راہ میں جو مشکلات در پیش ہوں جن مصائب کا سامنا ہو،ان کے مقابلے میں اپنی امکانی جد و جہد کے ساتھ اہل ایمان کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اگر اس کی مصلحت ہوگی تو وہ ان مصائب کو دفع فرمائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ وَاَوۡلَادِكُمۡ عَدُوًّا لَّكُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُمۡ ۚ وَاِنۡ تَعۡفُوۡا وَتَصۡفَحُوۡا وَتَغۡفِرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۴﴾

''اے ایمان لانے والو! یقیناً تمہاری بیویوں اور تمہاری اولادوں میں ایسے ہیں جو تمہارے دشمن ہیں تو ان سے ڈرتے رہو اور اگر معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو یقیناً اللہ بخشنے والا بڑا مہربان''۔

اہل وعیال جو صحیح راستے پر جانے سے روکیں درحقیقت دشمن ہیں

اس کی شان نزول جیسا کہ ابن جریر طبری نے کئی روایتوں سے اسے درج کیا ہے،کہ کچھ اشخاص جو مکّہ میں تھے کہ رسول خداؐ کی خدمت میں جائیں اور ان کے بیوی اور بچے مانع ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ وہاں جاؤ گے تو طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہو جاؤ گے۔انہی سے ہوشیار کیا جا رہا ہے کہ اہل عیال جو صحیح راستے پر جانے سے روکتے ہیں اور درحقیقت دوست نہیں ہیں،دشمن ہیں۔ان سے ہوشیار رہنا چاہیے یعنی ان کے کہنے میں نہیں آنا چاہیے۔بعد میں ان لوگوں نے چاہا کہ انہیں اس کی سزا دیں تو آخر کا جز آیا کہ نہیں خدا اسے پسند نہیں کرتا کہ تم انہیں سزا دو۔انہیں معاف کر دو اور درگزر کرو تو خدا ے ہمارے گناہوں کو بخشے گا اور تم سے درگزر کریگا کہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔اس طرح ہر کار خیر میں بیوی اور بچے سد راہ ہوں تو وہ اس حکم میں داخل ہیں یعنی وہ بجائے دوست ہونے کے دشمن جان ہوتے ہیں۔ہاں مناسب حد تک احکام شرعیہ میں خود خالق نے بیویوں اور بچوں کا خیال کیا ہے جیسے کہ حج کی شرائط استطاعت میں یہ رکھ دیا کہ اتنی مدت تک کے لیے اہل وعیال کے

www.kitabmart.in

آزوقے کا سامان کرنا ضروری ہے بغیر اس کے حج واجب نہیں ہوگا لیکن اس کے علاوہ صرف ان کی محبت کا خیال کہ انہیں چھوڑ کر کیوں جائیں؟ یہ کوئی عذرِ شرعی نہیں ہے اور یہی منزل ہے کہ جہاں دیکھنا ہے کہ آدمی اہل عیال سے محبت زیادہ رکھتا ہے یا خداوندی احکام کی اطاعت کو مقدم سمجھتا ہے۔

اِنَّمَاۤ اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ وَاسۡمَعُوۡا وَاَطِيۡعُوۡا وَاَنۡفِقُوۡا خَيۡرًا لِّاَنۡفُسِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰۤٮِٕكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۶﴾

''تمہارے مال اور تمہاری اولاد ذریعہ آزمائش ہیں اور اللہ کے یہاں بڑا اجر و ثواب ہے تو اللہ سے ڈرو جہاں تک تم سے ہو سکے اور سنو اور اطاعت کرو اور خیرات کرو تمہارے لیے بہتر ہے اور جو اپنے نفس بخل سے بچا رہے تو یہی لوگ دنیا اور آخرت میں بہتری حاصل کرنے والے ہیں''۔

اموال اور اولاد، ذریعہ آزمائش

ہماری اردو زبان میں ''فتنہ اور بلا'' دونوں لفظوں میں شدید مذمت مضمر ہے مگر عربی زبان میں دونوں کے مفہوم میں صرف امتحان و آزمائش ہے۔ اب انسان اس آزمائش میں پورا اترا تو یہی سبب سعادت ہو سکتے ہیں اور اگر پورا نہ اترا تو یہ چیزیں انجام میں باعث ہلاکت ہو سکتی ہیں اور وہ اجر عظیم جو اللہ کے یہاں ہے، وہ انہی چیزوں کے صحیح مصرف میں صرف کرنے سے وابستہ ہے اور یہ صحیح مصرف میں صرف کرنا وہی اللہ سے ڈرنا یعنی تقویٰ ہے جسے بعد میں کہا گیا ہے کہ جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ چونکہ ایک جگہ قرآن میں ہے:

اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران۔۱۰۲) اللہ سے ڈرو جتنا ڈرنے کا حق ہے۔

اس سے انسانوں کو پریشانی پیدا ہو سکتی تھی کہ بھلا ہم ''پورا حق'' اس سے ڈرنے کا کہاں ادا کر سکتے ہیں تو اس آیت کے ذریعے سے اس پہلی آیت کو منسوخ کر دیا مگر اس کی تعبیر منسوخ کرنے سے بظاہر درست نہیں ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت سے اسکی تشریح ہو گئی کیوں کہ پہلے ہی جو حکم ہوا تھا وہ قدرت وطاقت کے باہر تھوڑی تھا۔ اس میں بھی یہ شرط مضمر تھی کہ جہاں تک ہو سکے۔

اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا يُّضٰعِفۡهُ لَـكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ۙ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۸﴾

''اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو تو وہ تمہارے لیے اسے بہت بڑھا دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخشے گا اور اللہ بڑا اقدردان حلم و تحمل سے کام لینے والا ہے۔ وہ ان دیکھی چیزوں کا جاننے والا ہے غالب آنے والا، صحیح کام کرنے والا ہے''۔

اللہ کو قرض دینے کا ذکر قرآن مجید میں کئی دفعہ آ چکا ہے اور ہر جگہ یہ تشریح کی گئی ہے کہ اس سے کسی کو قرض دینا ہی مراد نہیں ہے بلکہ کسی بھی کارِ خیر میں رضائے الٰہی کے لیے صرف کرنا اللہ کو قرض دینا ہے جس کے نتیجہ میں اس نے اپنی طرف سے بڑھا کر دینے کا وعدہ کیا ہے جس میں ایک جگہ سات سو گنے کا اعلان تک ہے اور پھر کہہ دیا ہے کہ جس کے لیے چاہتا ہے اور زیادہ عطا کر کرتا ہے۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ الطَّلَاقِ

مدنیّہ ...... ۱۲ ......آیات

اس سورے میں شروع سے احکام طلاق کا بیان ہے، اس لیے اس کا یہ نام ہوا، اب کچھ اموراس ذیل میں اور کچھ اس کے ساتھ ساتھ بطور عام نصائح ومواعظ اور تبشیر وانذار کے بیان ہوئے ہیں۔

سورۂ طلاق کے خاص خاص مضامین:

۱......طلاق اس حساب سے دیا جائے کہ اس سے ایام عدہ کا حساب ہو سکے۔
۲......زمانہ عدہ میں ان عورتوں کو شوہروں کے گھر میں رہنے کا حق سوا استثنائی صورتوں کے۔
۳......دو عادلوں کی گواہی کی ضرورت۔
۴......طلاق میں تقوٰی کی ترغیب۔
۵......اللہ پر توکل کی ہدایت۔
۶...... یائسہ وغیرہ کا عدہ۔
۷......حاملہ کا عدہ۔
۸......بچے کو دودھ پلانے کا معاوضہ طلب کرے تو وہ معاوضہ ادا کرنا چاہیے۔ یا پھر کسی اور سے پلوانا چاہیے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے“

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡہُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ وَ اَحۡصُوا الۡعِدَّۃَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡہُنَّ مِنۡۢ بُیُوۡتِہِنَّ وَ لَا یَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ ؕ لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا ﴿۱﴾

”اے پیغمبر! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو زمانہ عدہ کے لحاظ سے اور پورے عدے کے دنوں کا حساب رکھو اور

www.kitabmart.in

اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے، انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں سوا اس کے کہ کھلے ہوئے شرمناک جرم کا ارتکاب کریں اور یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جس نے اللہ کی مقرر حدوں سے ایک قدم آگے بڑھایا، اس نے اپنے اوپر ظلم کیا، تم نہیں جانتے، شاید اللہ اس کے بعد کوئی تازہ بات پیدا کرے"۔

ابتدا میں پکار کے کہا گیا ہے رسولؐ سے مگر جو احکام دیے ان میں جمع مذکر حاضر کے صیغے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ احکام کا تعلق تمام افراد امت سے ہے۔ خاص پیغمبر خدا سے تعلق نہیں ہے۔ ہاں قدیم مفسر قتادہ کی روایت میں جسے طبری نے درج کیا ہے کہ خود حضرتؐ نے حفصہ کو طلاق دیا تھا، اس سلسلہ میں یہ سورہ نازل ہوا ہے لیکن مورد نزول کوئی ایک ہونے سے احکام میں خصوصیت پیدا نہیں ہوتی جب تک صراحۃ خصوصیت ثابت نہ ہو۔ احکام میں عمومیت ہی ہوتی ہے۔

"جب طلاق دو" یعنی طلاق دینا چاہتے ہو[1] جیسے حکم وضو میں کہا گیا ہے:۔

اذا قمتم الی الصلوٰۃ :۔ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو" اس کے یہ معنی نہیں کہ جب نماز کے لیے مصلے پر کھڑے ہو جاؤ، تب جا کر وضو کرو بلکہ معنی یہی ہیں جب نماز کے لیے کھڑا ہونا چاہتے ہو یعنی نماز ادا کرنا چاہتے ہو تو وضو ضرور کرو اور یہ احکام ان عورتوں سے متعلق ہیں جن سے خاص جنسی تعلق قائم ہو چکا ہو اس لیے کہ اگر طلاق قبل دخول ہو تو اس میں جیسا کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ تصریح موجود ہے، عدہ ہے ہی نہیں۔

"طلاق درزمانہ عدّہ کے لحاظ سے" یعنی عورت کے ماہواری ایام کے دنوں میں جو نجاست ہوتی ہے، اس دوران میں طلاق نہ ہونا چاہیے۔ اس حالت سے بری ہونے کی حالت میں جسے "طہر" کہتے ہیں طلاق ہونا چاہیے اور وہ طہر ایسا ہو جس میں شوہر نے مجامعت نہ کی ہو، تاکہ اسی کے لحاظ سے اس کے عدے کا شمار ہو سکے۔ "اور عدہ کا پورا حساب محفوظ رکھو" وہ عدے کی مقدار جو دوسری جگہ قرآن مجید نے بتائی ہے، ان عورتوں کے لیے جنہیں ایام ہوتے ہوں۔ ثلاثۃ قروءٍ یعنی اس کے بعد تین دفعہ ایام سے پاکیزگی کے دنوں کا پورے طور پر حساب محفوظ رکھو۔

جب یہ زمانہ پورا ہو جائے تو عدہ ختم ہو جائے گا۔ اب اگر مرد نے ان دنوں میں رجوع نہیں کی ہے یعنی اپنے قول یا عمل سے اس کا ثبوت نہیں دیا کہ اس نے دوبارہ تعلقات ازدواج قائم کر لیے ہیں، تو اب وہ اس شوہر کی زوجیت کے حلقے سے بالکل نکل جائے گی اور اسے عقد ثانی کرنے کا حق ہوگا۔

اللہ سے ڈرنے جو کا حکم بلا فاصلہ متصل ہے اس ممانعت سے کہ انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم اس ممانعت پر زور دینے کے لیے ہے اور اس پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے گھروں کی نسبت ان کی طرف دی گئی ہے کہ ابھی تک تو جو شوہر کا گھر تھا، وہ ان بیویوں کا تھا کہ یہ میں رہنے کی حق دار تھیں تو اب بھی جب کہ عدے میں ہونے کی وجہ سے ابھی بالکل رشتہ قطع نہیں ہوا ہے، سمجھو کہ وہ اپنے گھروں میں ہیں تو انہیں وہاں سے نکالنا نہیں چاہیے۔

"سوا اس کے کہ کھلے ہوئے شرمناک گناہ کی مرتکب ہوں"۔ اس کے لیے روایات میں تین چیزیں آئی ہیں۔ زناکاری اور فحش کلامی

---

[1]۔ المعنی اذا اردتم طلاق النسآء (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

اور گھر والوں کو اذیت پہنچانا۔

بعد میں جو ہے کہ ''تمہیں نہیں خبر اللہ اس کے بعد کوئی صورت پیدا کرے''۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ان دونوں کے دل ایک دوسرے کی طرف راغب ہوجائیں اور اس لیے ان کے باہمی تعلقات مستقل طور پر خوشگوار ہوجائیں یہ اصل عدہ کے اندر رجوع کے حق کا مقصد بھی ہوسکتا ہے۔ اور اس زمانہ میں انکے گھر کے اندر رہنے کے حکم کی بھی وجہ ہوسکتی ہے۔

فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّاَشۡهِدُوۡا ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ‏ ﴿۲﴾ وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَىۡءٍ قَدۡرًا‏ ﴿۳﴾

''توجب وہ اپنی مقررہ (عدہ والی) مدت تک پہونچ رہی ہوں تو اب یا تو انہیں رکھو اچھے طریقہ پر یا جدا ہی کردو انہیں اچھے طریقہ پر اور گواہ بناؤ دو عادلوں کو اپنے میں سے اور گواہی کو صحیح طریقے پر انجام دو خدا کے لیے۔ اس سے نصیحت حاصل ہوتی ہے اسے جو ایمان رکھتا ہو اللہ اور آخرت کے دن پر اور جو اللہ سے ڈرتے تو وہ اس کے لیے نکاسی کا راستہ پیدا کرتا ہے اور اسے روزی دیتا ہے اس طرح جو اس کے سان گمان میں بھی نہیں ہے اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے، یقیناً اللہ اپنے کام کا پورا کرنے والا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تعداد مقرر کی ہے''۔

طلاق کے موقع پر دو عادلوں کی بحیثیت گواہ موجودگی ضروری

بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ کے ایک معنی تو یہ ہوئے کہ وہ اپنی مقرر حد تک پہنچ جائیں لیکن اگر وہ مدت پوری ختم ہوجائے تو اس کے بعد رجوع کا حق ہی نہیں رہتا،۔ اس لیے ہم نے یہ ترجمہ کیا کہ وہ اس مدت تک پہونچ رہی ہیں یعنی اس مدت کا اختتام قریب ہے تو ادھر یا ادھر فیصلہ کرلے کہ اب اسے زوجیت برقرار رکھنا ہے تو رجوع کرلے مگر پھر اچھے عنوان سے جدائی اختیار کرلے اور جدائی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو دن یا جو ساعتیں عدہ گررنے کے باقی ہیں ان میں رجوع نہ کرے اور مدت گزر جانے دیں تو پھر قطعی طور پر جدائی ہوجائے گی'' اور دو (۲) عادلوں کو گواہ بنالو'' یعنی طلاق کے موقع پر دو عادلوں کی بحیثیت گواہ موجودگی ضروری ہے اور ان گواہوں کو ہدایت ہے کہ جب گواہی طلب کی جائے تو وہ صحیح طور پر گواہی دیں۔ اس طرح یہ اشهدوا'' گواہ بنالو'' کا حکم شروع میں جو'' فَطَلِّقُوۡهُنَّ ''انہیں طلاق دو'' کی لفظ تھی، اس پر عطف کی حیثیت رکھتا ہے۔

بعد میں جو تقوٰی اور حصول رزق اور توکل وغیرہ کا ذکر ہے، وہ ہمارے خیال میں اس بنا پر کہ اگر ہر ایک تقوٰی کا پابند ہو، دوسر کے حق کی

www.kitabmart.in

ادائیگی میں کمی نہ کرے اور اپنے حق سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرے تو ایسی صورتیں پیدا ہی نہ ہوں جو طلاق کی باعث ہوتی ہیں اور اللہ پر توکل ہو تو مالی پریشانی اس کی باعث نہ ہو کہ ایک دوسرے سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

وَالِّٰٓیۡ یَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُہُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشۡہُرٍ ۙ وَّالِّٰٓیۡ لَمۡ یَحِضۡنَ ؕ وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُہُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَہُنَّ ؕ وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مِنۡ اَمۡرِہٖ یُسۡرًا ﴿۴﴾ ذٰلِکَ اَمۡرُ اللّٰہِ اَنۡزَلَہٗۤ اِلَیۡکُمۡ ؕ وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرۡ عَنۡہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُعۡظِمۡ لَہٗۤ اَجۡرًا ﴿۵﴾

''جو تمہاری عورتوں میں سے ایسی ہوں کہ ماہواری خون کے آنے سے ناامید ہوگئی ہوں اگر تمہیں شک ہو تو ان کا عدہ تین مہینے ہے اور ان کا بھی جن کے ماہواری خون نہیں آیا ہے۔

یائسہ وغیرہ اور حاملہ کا عدہ

اور حمل والیاں ان کے لیے مدت یہ ہے کہ ان کا وضع حمل ہو جائے اور جو اللہ سے ڈرے، وہ اس کے لیے اس کے معاملہ میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم اس نے تمہاری طرف اپنے علم سے اتارا ہے اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کی غلطیوں کی تلافی کرتا ہے اور اس کے اجر و ثواب کو بڑا کرتا ہے''۔

یہاں تین قسم کی عورتوں کا بیان ہے ان کا عدہ کیا ہوگا؟ پہلے سن رسیدہ عورتیں، یہاں یہ فقرہ کہ ''اگر تمہیں شک ہو'' نہ ہوتا تو صاف سمجھ میں آتا کہ یہ سن یاس جس کا ہوگیا ہو اور وہ عام عورتوں کے لیے پچاس برس اور قریشیہ کے لیے جن کی فرد کھلی خواتین سادات ہیں'' شرعاً ساٹھ (۶۰) برس مقرر ہیں۔ ان کا یہ عدہ ہے مگر اس فقرے کی وجہ سے پتہ چلتا ہے کہ جو یقینی طور پر یائسہ ہوں ان کا یہ حکم نہیں ہے بلکہ یہ ان کا ہے جو اس عمر تک پہونچی ہیں مگر ماہواری کا ہونا بند ہوگیا ہے تو شک ہے کہ یہ کبر سنی کی وجہ سے پاک ہوگئی ہیں یا کسی عارضہ کی وجہ سے انہیں حیض آنا موقوف ہوگیا ہے ان کا عدہ تین (تین) مہینے ہے اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر معلوم ہو کہ ان کی عمر اس مقررہ حد سے باہر ہوگئی ہے اور اس میں شک نہیں ہے تو ان کا کیا حکم ہے؟ وہ یہاں مسکوت عنہ ہے۔ اکثر علمائے شیعہ اس کے قائل ہیں کہ ان کے لیے عدہ ہے ہی نہیں دوسرے وہ کمسن خواتین جو بلوغ شرعی کی عمر تک پہونچ چکی ہیں مگر اس کے بعد بھی ایام جاری نہیں ہوئے ہیں۔ ان کے لیے بھی اگر دخول کے بعد طلاق دیا جائے تو یہی عدہ ہے یعنی تین مہینے لیکن اگر وہ نابالغ ہیں یعنی حیض والی عمر ہوئی ہی نہیں ہے جس کی شرعامدت ۹ برس ہے تو وہاں بھی زیادہ تر ہمارے علماء اس کے قائل ہیں کہ ان کے لیے عدہ نہیں ہے۔

تیسرے حاملہ:۔ اگر حالت حیض میں طلاق دیا جائے تو عدہ اس وقت تک ہے جب تک وضع حمل ہو خواہ وہ وضع حمل جلدی ہو جائے یا کافی مدت کے بعد وضع حمل ہو۔

اَسۡکِنُوۡہُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِکُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡہُنَّ لِتُضَیِّقُوۡا

www.kitabmart.in

عَلَيۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ۚ فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَـكُمۡ فَاٰ تُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ ۚ وَاۡتَمِرُوۡا بَيۡنَكُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ اُخۡرٰى ؕ‏ ﴿۶﴾ لِيُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَةٍ مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰٮهَا ؕ سَيَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ يُّسۡرًا ؑ‏ ﴿۷﴾

”انہیں مکان میں رکھو جیسے تم خود رہتے ہو اپنی مقدرت کے مطابق اور انہیں نقصان نہ پہنچاؤ، تاکہ ان پر تنگی کرو اور اگر حاملہ ہوں تو انہیں نان ونفقہ دو جب تک کہ ان کا وضع حمل ہو اور اگر وہ تمہارے بچے کو دودھ پلائیں تو انہیں جو ان کا معاوضہ ہو وہ دو اور بھلائی کے ساتھ آپس میں طے کرلو اور اگر تم نے ایک دوسرے کو مشکل میں ڈالنا چاہا تو کوئی دوسری اسے دودھ پلائے گی اور جو مالدار ہو، وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر روزی میں تنگی ہو، وہ پھر جتنا اللہ نے اسے دیا ہے اس میں خرچ کرے اللہ کسی پر اس کے مقدور سے زیادہ پابندی نہیں کرتا، جلد ہی اللہ دشواری کے بعد آسانی پیدا کرے گا“۔

اس کے قبل جو تھا کہ انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو، اس سے تو سمجھ میں یہی آتا تھا کہ جس مکان میں وہ تھیں اس میں ان کے قیام کو برقرار رہا چاہیے مگر اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ بالکل اسی مکان میں رکھنا ضروری نہیں ہے۔ ہاں یہ نہ ہونا چاہیے کہ خود تو عالی شان محل میں رہتا ہے اور انہیں ایک چھوٹے سے کھنڈر میں ٹھہرا دیا۔ نہیں بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق جیسی جگہ خود رہتا ہے، ویسی ہی جگہ ان کے قیام کا انتظام کرنا چاہیے۔

یہ اسی وقت ہے جب ”مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ “ کے یہ معنی لیے جائیں کہ جیسے تم خود رہتے ہو لیکن ایک دوسرے معنی یہ کہے گئے ہیں کہ جہاں تم خود رہتے ہو تو یہ پہلے ہی حکم کی دوسرے انداز میں وضاحت ہوگی۔

احکام رضاعت

رضاعت کے بارے میں ان بیویوں کے لیے جو حبالہ زوجیت میں برقرار ہیں دوسرے پارے میں کہا جا چکا ہے کہ انہیں اجرت کے مطالبہ کا حق ہے۔ چہ جائیکہ یہ جسے طلاق ہوگیا ہے اور اسے اب بچہ کے باپ کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے؟! وہ بغیر اجرت دودھ پلانے پر کیوں کر مجبور کی جاسکتی ہے؟ **واتمروا بينكم بمعروف** ”بھلائی کے ساتھ آپس میں طے کرلو یعنی یک جہتی کے ساتھ بچے کے مفاد کو بھی پیش نظر رکھتے ہوئے بغیر آپس کے جذبہ عناد سے کام لیے ہوئے اس معاملہ کو طے کر لینا چاہیے۔

بعد میں جو حسب حیثیت خرچ کا حکم ہے، وہ بھی انہی سے متعلق ہے جو بچوں کو دودھ پلائیں۔[1]

---

[1]. اوسجانه اهل التوسعه ان يوسعوا على نسائهم المرضعات اولادهن على قدر وسعتهم (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۹﴾

''اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھوں نے سرکشی کی اپنے پروردگار کے حکم اور اس کے پیغمبروں سے تو ہم نے ان کا سختی کے ساتھ حساب لیا اور انہیں عجیب غیر معمولی سزا تو انھوں نے چکھا اپنے کام کا خمیازہ اور ان کے معاملے کا انجام گھاٹا تھا''۔

اس تذکرے ماضی کا جو بار بار قرآن مجید میں کہا گیا ہے مفاد یہ ہے کہ بعد والے اس سے عبرت حاصل کریں اور خداوند عالم کے مقابلہ میں سرکشی کرنے سے پرہیز کریں،

اب ''بستی'' تو ایک قطعۂ ارض کو کہتے ہیں جو آباد ہو مگر جبکہ سورہ یوسف آیہ ۷۲ میں ہے ''وسئل القریۃ التی کنا فیھا'' اس بستی سے پوچھ لیجیے جہاں ہم تھے'' اور ظاہر ہے کہ دیوار و در سے پوچھا نہیں جائے گا، مطلب یہ ہے کہ بستی والوں سے پوچھ لیجیے۔ ویسے ہی یہاں یہ کہ بستی نے سرکشی سے کام لیا اور یہ انجام ہوا تو بستی سرکشی کیا کرے گی، یعنی اس بستی والوں نے سرکشی سے کام لیا۔

اس آیت کے اس سورے میں آنے کی بنا پر ابن جریر طبری نے خود بھی اور دوسرے لوگوں کی زبانی بھی یہ تشریح کی ہے کہ اس بستی نے طلاق کے سلسلے میں احکام الٰہی سے سرتابی کی تھی، اس لیے اس بستی پر عذاب نازل ہوا مگر ہمارے نزدیک ان تمام سوروں میں کچھ جز کم یا زیادہ اس بنیادی موضوع سے متعلق ہوتا ہے جس پر سورے کا نام ہے لیکن اس کے علاوہ بہت باتیں بطور کلیہ بمناسبت بیان ہو جاتی ہیں جن کا خصوصی تعلق اس موضوع سے نہیں ہوتا۔ بظاہر یہ تذکرہ بھی ایسا ہی ہے جس میں احکام الٰہی سے سرکشی کے عام انجام پر توجہ دلائی گئی ہے جسے احکام طلاق ہی سے متعلق ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۛۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾

''اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے تو اللہ سے ڈرو اے عقل والوں جو ایمان لائے ہو! اللہ نے تمہاری طرف یاد دہانی اتاری ہے، ایک ایسا پیغمبر جو تمہارے سامنے اللہ کی کھلی ہوئی آیتوں کو پیش کرتا ہے تا کہ انہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور نیک اعمال کریں نکالے تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک کام کرتا رہے، وہ اسے داخل کریگا ان بہشتوں میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ

www.kitabmart.in

رہیں گے۔اللہ نے بہت اچھی رکھی ہے اس کے لیے روزی“۔

اس سلسلہ کے پہلے جز کو گزشتہ سے مرتبط کر کے دیکھا جائے تو یہ نتیجہ نکلے گا کہ وہ تو ان کے لیے دنیا کا عذاب تھا جو ان پر نازل ہوا اور اب آخرت کا عذاب ہے جو ان کے لیے تیار ہے[1] اس کے بعد صاحبان عقل کو پکار کر ان کا وصف قرار دینا کہ ”جو ایمان لائے ہو“ اس میں یہ پہلو مضمر ہے کہ اصل صاحبان عقل وہی ہیں جو ایمان اختیار کریں۔

یہ کہ ”تمہاری طرف یاد دہانی اتاری ہے، ایک ایسا پیغمبر“ اس میں اتارنے کی لفظ سے سمجھا گیا ہے کہ ذکر جس کا ترجمہ ہم نے ”یاد ہانی“ کیا اس سے مراد قرآن ہے مگر اتارنے کی لفظ کا کثرت استعمال کی وجہ سے قرآن کے ساتھ متعلق ہونا، اتنا واضح نہیں ہے جتنا رسولؐ کی لفظ کا پیغمبر سے متعلق ہونا جب کہ اس کے ساتھ آپ کا وصف خاص آیات الٰہی کی تلاوت کرنا بھی مذکور ہے اس لیے یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ آپ کا یاد دہانی والا کام اتنا نمایاں تھا کہ آپ کو مجسم ذکر کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اور چونکہ شروع میں ذکر کی لفظ سے تعبیر کیا اس لیے ارسلنا یابعثنا کے بجائے عموماً اس معنی کے لیے ”بھیجا ہم نے“ استعمال ہوتا ہے، یہاں انزلنا یعنی اتارا ہم نے کہا گیا۔ تاریکی“ کو قرآن میں جمع کی لفظ ”ظلمات“ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان سب کے مقابلے میں راہ ہدایت ایک ہوتی ہے اس لیے اس کو لفظ واحد ”نور“ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ ”اللہ نے اسے روزی بہت اچھی عطا کی ہے“ اس میں ایمان اور عمل صالح کو بھی روزی سمجھا جا سکتا ہے اس لیے کہ توفیق خیر اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور پھر اس کے صلے میں باغ بہشت اور وہاں کی نعمتیں، اس سے بہتر روزی اور کیا ہو سکتی ہے؟!

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

”وہ اللہ جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے بھی انہی کی ایسی کہ ان کے درمیان حکم چلتا ہے تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ علم کے لحاظ سے ہر چیز پر حاوی ہے“۔

”انہی کی ایسی“ سے سمجھ میں یہی آتا ہے کہ تعداد میں جیسے آسمان سات ہیں ویسی ہی زمین بھی سات ہیں اور اس بھی زیادہ جو پہلو ذہن میں آتا ہے، وہ یہی کہ یہ سات طبقے تہ در تہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں اور بعض نے اسے ہفت اقلیم کے تصور کے مطابق خیال کیا ہے، چونکہ قرآن مجید کا کام سائنسی معلومات کا فراہم کرنا نہ تھا بلکہ جو عام انسانوں کے ذہن میں مخلوقات ہیں، انہی کو یاد دلا کر ذہن کو ان کے خالق کی طرف موڑنا تھا۔ اس لیے بعد میں امریکا کے انکشافات سے اس ہفت اقلیم میں اضافہ ہو جانے سے اُس آیت کے مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

”ان کے درمیان حکم چلتا ہے“ یعنی ارادہ الٰہی جسے ”حکم تکوینی“ کہتے ہیں مختلف قسم کا کائنات کی تخلیق یا اُن میں تغیر و تبدل کے متعلق ان آسمان اور زمین کے طبقات میں جاری رہتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی تشریح ”حکم تشریعی“ کے ساتھ کی ہے یعنی وہ احکام شریعت جن کی تعمیل کی ذمہ داری انسان کے ارادہ و اختیار کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے لیکن بعد میں قدرت الٰہی کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ اسی قسم کے احکام کے لیے موزون ہے جو ارادہ الٰہی کا فرمان ہونے کے ساتھ وابستہ ہیں۔

---

[1]۔ هذا يدل على ان المراد بالعذاب الاول عذاب الدنيا (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ

مدینہ......۱۲......آیات

چونکہ اس سورے کا آغاز واقعہ ''تحریم'' سے ہوا ہے، اس لیے اس سورے کا یہ نام ہوا۔

سورۂ تحریم کے خاص خاص مضامین:

۱......رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیویوں کو شدید تنبیہ اور ضمناً ان کے انتہائی خطرناک ہونے کا بیان۔

۲......اہل ایمان کی ذمہ داری کہ وہ اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو بھی (جہاں تک ممکن ہو) عذاب الٰہی سے بچائیں اس طرح کہ وہ معاصی الٰہیہ سے دور رہیں۔

۳......پرخلوص توبہ کی ہدایت۔

۴......پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان کے نور کا ذکر جو عرصہ قیامت میں پھیل رہا ہوگا جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

۵......کفار اور منافقین دونوں کے مقابلے میں جہاد کا حکم، اس کا بھی ذکر پہلے آچکا ہے۔

۶ ......اچھے شوہروں کی بُری بیویوں کی مثال میں زوجہ نوحؑ اور زوجہ لوطؑ کو پیش کرنا جو موضوع سورہ کے لحاظ سے ازواج رسولؐ کے غرور شرف پر بڑا تازیانہ ہے۔

۷......برے شوہر کی اچھی زوجہ، فرعون کی مثال۔

۸......ایک ایسی خاتون جس کا انتساب کسی شوہر کی طرف نہیں یعنی جناب مریمؑ جو ذاتی طور پر ایک بلند مرتبہ خاتون کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے ساتھ ضمناً ان کی پاک دامنی کی تصدیق اور یہود کے گستاخانہ تصور کی رد قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر اور سورہ مریم میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ تَبۡتَغِیۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِکَ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱﴾ قَدۡ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمۡ تَحِلَّۃَ اَیۡمَانِکُمۡ ۚ وَ اللّٰہُ مَوۡلٰىکُمۡ ۚ

www.kitabmart.in

وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾

''اے نبی! کیوں آپ حرام کیے لیتے ہیں اسے جو آپ کے لیے اللہ نے حلال قرار دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان۔ اللہ نے مقرر کر دیا ہے تم لوگوں کے لیے اپنی قسموں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا طریقہ اور اللہ تمہارا مالک و مختار ہے اور بڑا جاننے والا ہے، صحیح کام کرنے والا'۔

اتنا بس قرآن مجید سے مجملاً پتہ چلتا ہے کہ بعض ازواج کی سخت ناراضگی سے پریشان یا دکسی سازش سے مجبور ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی جائز کام کو ترک کرنے کا حتمی طور پر اقرار فرما لیا تھا۔ خالق نے ان بیویوں کے موقف کو غلط قرار دیا اور رسولؐ کو ہدایت فرمائی کہ آپ اپنی پابندی ترک فرمائیں۔ اب وہ معاملہ کیا تھا اور یہ بیویاں کون تھیں؟ اس بارے میں دو (۲) روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ جناب ماریہ قبطیہ کے ساتھ حضرت کا جنسی اختلاط تھا جس پر جناب حفصہ بنت عمر بہت برہم ہوئیں اور حضرتؐ کو مجبوراً قسم کھانا پڑی کہ میں اب ماریہ سے مطلب نہیں رکھوں گا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ بعض ازواج کے پاس کسی کا بطور تحفہ لایا ہوا شہد تھا اور حضرتؐ کو شہد بہت مرغوب تھا اس لیے ان بیوی کے پاس ذرا دیر تک تشریف فرما ہوتے تھے کہ وہاں آپ شہد کا شربت نوش فرماتے تھے۔ یہ بات دوسری بیویوں کو ناگوار ہوئی اور جناب عائشہ نے کچھ دوسری بیویوں کو اپنے ساتھ متفق کر کے یہ منصوبہ بنایا کہ جس کے پاس بھی رسول تشریف لے گئے اس نے کہا کہ آپ کے منہ سے معافیر کی بو آتی ہے۔ یہ ایک پھول ہوتا ہے جس میں بساہند ہوتی ہے، تو جب شہد کی مکھی ان پھولوں سے شہد حاصل کرتی ہے تو اس شہد میں وہ بساہند آجاتی ہے، چونکہ حضرت کو گوارا نہ تھا کہ آپ کے جسم اطہر سے سوا خوشبو کے کوئی دوسرا اس قسم کا شائبہ بھی محسوس ہو، لہٰذا آپ نے قسم کھائی کہ اب اس شہد کا استعمال نہیں کروں گا۔

علمائے اہل سنت اس دوسری روایت کو مرجح قرار دیتے ہیں اور علامہ طبرسیؒ نے بھی پہلے اسی کو درج کیا ہے، پھر بطور نقل قول پہلی روایت کو۔ فقہی حیثیت سے عموماً یہ الفاظ کہ یہ مجھ پر حرام ہے، بے اثر ہوتے ہیں اور یہاں بعد میں یہ حکم الٰہی کہ قسم کا کفارہ دیدیجیے بتاتا ہے کہ حرام کہنے کے ساتھ حضرتؐ نے قسم کھائی تھی۔ [1] جیسا کہ جناب ماریہ سے متعلق واقعہ کی بعض روایتوں میں اس کی صراحت بھی ہے کہ حضرت نے حرام کہنے کے ساتھ واللہ کی لفظ بھی کہی تھی۔

دوسرا تصور یہ ہے کہ حرام کہنا خود ایک قسم کی قسم ہے اور اسی پر اللہ نے قسم کے کفارہ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے خصوصیت کے ساتھ جب یہ الفاظ زوجہ سے متعلق ہوں تو بعض علمائے اہل سنت انہیں تین طلاقوں کا مرادف قرار دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نیت دیکھی جائے گی۔ اگر ظہار کی نیت ہو تو ظہار سمجھا جائے گا اور اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق سمجھا جائے گا۔ ہمارے نزدیک طلاق وغیرہ ہر ایک کے لیے خاص الفاظ کے صیغے مقرر ہیں۔ بغیر ان صیغوں کے صرف نیت اور کچھ دوسرے الفاظ سے یہ چیزیں وقوع میں نہیں آتیں اور قسم بھی اسی وقت ہے جب اس کے ساتھ لفظاً قسم شرعی کھائی جائے ورنہ وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ [2]

---

[1] فی هذا دلالة علی انه قد خلف ولم یقصد علی قوله هی علی حرام لان هٰذا القول لیس بیمین (مجمع البیان)

[2] قال اصحابنا الله لا یلزم شئ و جوه کحرمه (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۳﴾

''اور جب پیغمبر نے اپنی بیویوں سے ایک خفیہ بات کہی تو جب اس نے (کسی دوسرے کو) وہ بتلا دی اور اللہ نے ان کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے ایک حصہ اس کا (اس بیوی) سے بتایا اور کچھ حصے سے درگزر کیا، جب آپ نے اس (بیوی) کو اس کی خبر دی تو اس نے کہا کہ آپ کو یہ کس نے بتایا اس علم والے (اللہ) نے جو بڑا باخبر ہے''۔

قرآن مجید کے انداز بیان سے تو یہ بالکل ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ تذکرہ گزشتہ واقعہ سے کوئی تعلق رکھتا ہے لیکن جب بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ وہی جناب ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی بات ہے جو حضرت نے جناب حفصہ سے بصیغہ راز کہی تھی اور انہوں نے اپنے سے یک جہتی رکھنے والے خاص فرد جناب عائشہ پر اس راز کا افشا کر دیا، خالق نے اپنے رسولؐ کو غیبی طریقے پر اس کی خبر کر دی اور آپ نے حفصہ کو بتایا کہ مجھے تمہاری اس افشاء راز کی اطلاع ہوگئی ہے مگر اب یہاں قرآن کے یہ الفاظ کہ کچھ بتایا اور کچھ سے درگزر کیا تو اس واقعے میں تو ایسی کوئی دو باتیں نظر نہیں آئیں جن میں سے ایک کہی گئی ہو اور ایک سے درگزر کیا ہو معلوم ہوتا ہے کہ اصل بات کچھ اور تھی۔ بہر حال اس صورت حال میں صحیح رویہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسے راز رکھنا منظور تھا اور اس کے افشاء پر ہی تنبیہ کی گئی ہے تو ہم بھی اس کے درپے نہ ہوں کہ اس راز کی بات کو معلوم کریں۔

بہر حال قرآن مجید صاف کہہ رہا ہے کہ اللہ نے حضرت کو اس سے مطلع کیا مگر قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس میں اس کی اطلاع دی گئی ہو اس سے ظاہر ہے کہ خدا کا ہر پیغام جو بذریعہ وحی رسولؐ تک پہنچتا تھا قرآن مجید میں درج نہیں ہے۔ پھر جب زوجہ مکرمہ نے پوچھا کہ آپ کو کس نے بتایا؟ اور آپ نے جواب دیا کہ اللہ نے، تو انہوں نے بھی یہ نہیں کہا کہ وہ قرآن کی آیت سنائے جس میں خدا نے آپ کو اس کی اطلاع دی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ بات از روئے اسلام ان خواتین کو بھی معلوم تھی کہ وحی الٰہی جو رسول پر اترتی ہے وہ قرآن میں منحصر نہیں ہے۔

اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ﴿۴﴾

''اگر تم دونوں توبہ کر لو اللہ کی طرف (تو اچھا ہے) اس لیے کہ تم دونوں کے دل کج ہو گئے ہیں اور اگر تم دونوں ایکا کرو ان کے خلاف تو یقیناً اللہ ان کا مددگار ہے اور جبرئیلؑ اور مؤمنین کی وہ فرد جو بالکل نیک ہے اور سب فرشتے اس کے بعد پشت پناہ ہیں''۔

خطاب باتفاق مفسرین انہی دونوں بیویوں سے یعنی عائشہ اور حفصہ سے ہے چونکہ ان کے طرز عمل سے رسول کو سخت ایذا پہونچتی تھی، اس لیے خالق نے ان سے ایسے سخت عتاب کے ساتھ خطاب فرمایا ہے۔ اور جو اہتمام ہے ان کے مقابلہ میں ان کے انتہائی خطرناک ہونے کا

www.kitabmart.in

ثبوت ہے۔

دو آدمیوں کے دل ظاہر ہے دو ہی ہوں گے، مگر ان کے لیے جمع کی لفظ قلوب صرف کی گئی گونا گوں خواہشوں اور تمناؤں کے لحاظ سے جو ان کے دلوں میں کروٹیں لیتی ہیں اور یا یہ کہ یہ ایک طرح کا محاورہ ہے کہ ایسے محل پر دو (۲) کے لیے بھی جمع ہی کی لفظ استعمال ہوتا ہے۔

مولاہ کی لفظ کے ساتھ صرف اللہ کا نام ہوتا تو مالک و سرپرست کا مفہوم زیادہ نمایاں ہوتا مگر جب کہ اس کے ساتھ جبرئیلؑ اور صالح المؤمنین کا ذکر ہے تو اس کے معنی مددگاری کے معلوم ہوتے ہیں۔

بعد میں عام ملائکہ کے ذکر سے الگ پہلے جبرئیل کا نام لینا ان کی خصوصیت امتیازی کا اظہار ہے جو انہیں رسولؐ کے ساتھ حاصل ہے اور اسی طرح مؤمنین میں سے کسی فرد کو خصوصیت کے ساتھ صالح کہنا اس کے امتیاز خاص کا بلندی کردار کے لحاظ سے بھی اور رسولؐ کے مددگار خاص ہونے کے لحاظ سے بھی ترجمان ہے جس کی تشریح میں ہمارے یہاں کی حدیث میں جس کے موافق اہل سنت کے یہاں کی روایت بھی موجود ہے حضرت امیرالمؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا نام آیا ہے۔ اور اس کی تائید میں رسول کے ساتھ آپ کی جان سپاری اور آپ کی زندگی کے پورے کارنامے ہیں مگر عام طور پر مفسرین اہل سنت اسے عمومی حیثیت سے مومنین کے معنی میں لیتے ہیں۔

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

"بہت ممکن ہے کہ اگر وہ تم بیویوں کو طلاق دیدیں تو اللہ انہیں تمہارے بدلے ایسی بیویاں عطا کرے جو (سچے معنی میں) مسلمان، باایمان، اطاعت میں سرگرم توبہ و انابت کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ دار، پہلے بیاہی ہوئی اور کنواریاں"۔

عسٰی یوں تو افعال مقاربہ میں سے ہے جس کے معنی ہوئے "نزدیک ہے" مگر یہ نزدیکی ضروری نہیں کہ زمانہ کے لحاظ سے ہو جس کے معنی یہ ہوں کہ عنقریب ایسا ہوگا بلکہ اس لفظ کا استعمال ذہن سے اس بات کو قریب لانے کے لیے ہوتا ہے جس کے لحاظ سے ہم نے ترجمہ کیا "بہت ممکن ہے"۔

اب ان بیویوں کے لیے جن کے بعد میں حاصل ہونے کا رسول کے لیے امکان قریب ظاہر کیا گیا ہے موجودہ افراد سے بہتر قرار دے کر جو اوصاف بیان ہوئے ہیں ان سے یہ نتیجہ تو ضرور نکلتا ہے کہ جن خاص بیویوں کو مخاطب کرکے تنبیہی طور پر یہ اعلان ہوا ہے ان میں یہ تمام اوصاف اس درجے پر یکجا نہیں ہیں جو ازواج رسولؐ میں ہونا چاہئیں۔

آخر کے دو (۲) وصف "دہاجو اور کنواری" ایسے ہیں جن میں سے کوئی ایک صفت لازماً ہر عورت میں پائی جائے گی تو اس کے ذکر کا مقصد کسی ایسی فرد کے سرغرور کو جھکانا ہوسکتا ہے جس کا بہت بڑا سرمایہ فخر رسول کی زوجیت میں آنے کے وقت کنواری ہونا ہے اور ان دونوں وصفوں میں کسی کو معیار فضیلت نہیں سمجھا جاسکتا جب تک کہ وہ اوصاف بدرجہ اتم موجود نہ ہوں جو پہلے بیان ہوئے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

www.kitabmart.in

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ⑥

''اے ایمان لانے والو! بچاؤ اپنے آپ کو اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کے ایندھن انسان ہیں اور پتھر، جس پر مقرر ہیں بڑے سخت گیر، متشدد قسم کے فرشتے جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اس میں جو اس نے انہیں حکم دیا اور وہی کرتے اس میں جو اس نے حکم دیا اور وہی کرتے ہیں جس پر وہ مامور ہوتے ہیں''۔

اپنے اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچانے کے معنی

بچانا اپنے کو آگ سے ان اعمال سے پرہیز کے ساتھ جو اس آگ کا موجب ہیں، یہ پرہیز اپنی نسبت انسان کا فعل ارادی ہے جو اس اختیار سے وابستہ ہے لیکن دوسروں کے لیے جو اس کے گھر والے ہیں، بس جدوجہد، وعظ ونصیحت اور زجروتوبیخ ہی کی حد تک اپنے اختیار میں ہے ورنہ جیسا کہ خود اس سورے کے آخر میں ہے، حضرت نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کو اور جیسا کہ پہلے آچکا ہے، حضرت نوحؑ اپنے بیٹے کو عذاب سے نہ بچا سکے تو کوئی دوسرا قدرت کہاں رکھتا ہے کہ وہ بہرصورت اپنے گھر والوں کو عذاب سے بچائے؟

''اس آگ کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر'' یہ الفاظ پہلے پارے میں حقانیت قرآن کے منکروں کے عذاب کے سلسلے میں آچکے ہیں اور وہاں ہم نے ان کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ کافر اور ان کے معبود جو پتھروں کے بت تھے، وہ سب آتش جہنم میں جھونکے جائیں گے جس طرح لکڑی وغیرہ جو ایندھن ہے اور وہ آگ میں ڈالا جاتا ہے۔

اب یہاں مسلمانوں کو خطاب کر کے اس آگ سے بچنے اور گھر والوں کو بچانے کا حکم دیا جا رہا ہے تو یہاں وہ پتھر والے بت کہاں ہیں جو مشرکین کے معبود تھے تو اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ الفاظ اس دوزخ کے تعارف کی حیثیت رکھتے ہیں جس میں انسان اور وہ پتھر ہوں گے۔ اب چاہے ان دوزخ میں جانے والوں کے ساتھ وہ پتھر نہ ہوں۔

ایک دوسری تشریح جو دونوں جگہ ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ پتھروں سے مراد گندھک کے پتھر جو خود مشتعل زیادہ ہوں گے [1] آج کل کے بعض لوگ پتھر کا کوئلہ کہہ دیتے ہیں کہ ان کی آگ تیز اور دیرپا ہوتی ہے مگر وہاں کی آگ تو غضب الٰہی کے تقاضا سے مشتعل ہے جس کے لیے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی تیزی اور دیرپا کو ذہن میں لانے کے لیے اس کا ذکر کیا گیا ہو۔

ایک طبقہ علماء کا تجسّم اعمال کا قائل ہے اور آخرت کی جزا وسزا کو انہی اعمال کی بدلی ہوئی صورت قرار دیتا ہے، ان کی بنا پر یہ گندھک کے پتھر یا پتھر کا کوئلہ اس آگ کی تیزی کا اظہار ہے اور درصورتیکہ بت مراد ہوں تو بت اگرچہ صاحب کردار نہیں ہوتے لیکن چونکہ جو عمل بھی ان سے متعلق ہو یعنی پرستش، وہ آگ کے شعلوں کی شکل میں سامنے آیا لہٰذا کہا گیا کہ وہ پتھر بھی اس آگ کو ایندھن کی طرح بھڑکانے والے ہیں۔

آگ پر مقرر فرشتوں کا ''سخت گیر'' اور ''متشدد ہونا'' انکے عمل کے لحاظ سے ہے جس کی تشریح کے بعد کوئی گئی ہے کہ جس بات پر وہ مامور ہیں، اسے عمل میں لاتے ہیں اور اس کے لیے جیسے اشخاص کی ضرورت ہے، ویسے ہی وہ پیدا کیے گئے ہیں ورنہ فرشتے جذبات کے حامل نہیں ہوتے

[1] حجارۃ الکبریت تزید فی قوۃ النار (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

کہ طبیعت کے تقاضے سے ایسے کام انجام دیں، وہ تو بس احکام الٰہی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷

''اے کافرلوگو! اب آج عذرخواہی نہ کرو تمہیں تو سزا مل رہی ہے بس وہی جو تمہارے اعمال رہے تھے''۔

چونکہ قبل کی آیت میں اہل ایمان کو تنبیہ وتخویف کرتے ہوئے دوزخ کا ذکر آگیا تھا تو اس کے ساتھ اصل اہل دوزخ کا ذکر ہورہا ہے جو کافر لوگ ہیں کہ اب وہ قیامت میں دوزخ کا سامنا ہونے کے بعد معذرت کررہے ہوں گے کہ خداوندا! معاف کردے۔ اب ہم کفر نہیں کریں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اب توبہ وانابت کا وقت گزر چکا ہے۔ اب توبہ جو تم نے دار تکلیف میں کیا تھا، اس کی سزا ہے جو تمہیں بھگتنا ہے۔

ہم تو اس کے معنی یہی سمجھتے ہیں کہ جو تم کرتے تھے اس کی یہ سزا ہے اس کے اظہار کے لیے قرآن مجید میں جزا وسزا کے ذکر کے ساتھ اکثر بؔ کا حرف آیا ہے کہ بما کانوا یکسبون (یا) بما کانو یعلمون جس سے بدلے کا مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے اور سبب کے معنی بھی نکلتے ہیں کہ یہ اس سبب سے ہے جو وہ کرتے تھے۔ ہمارے نزدیک جہاں ''ب'' احکام رضاعت نہیں ہے، اس کا بھی مطلب یہی ہے۔ مگر انہی اعمال کے مجسم شکل میں آنے کے جو قائل ہیں، وہ اس کے معنی یہ لیتے ہیں کہ یہ وہی تمہارے اعمال ہیں جو اس شکل میں تمہارے سامنے ہیں۔ اب عذرخواہی سے کیا ہوتا ہے؟

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰى بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۸

''اے ایمان لانے والو! توبہ کرو اللہ کی بارگاہ میں خالص توبہ، بہت ممکن ہے کہ اللہ تمہاری برائیوں پر پردہ ڈال دے اور تمہیں داخل کرے ان بہشتوں میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، جس دن اللہ پیغمبر کی اور ان ایمان لانے والوں کی جو ان کے ساتھ ہیں ذلت نہیں ہونے دے گا، ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب، وہ کہیں گے پروردگار! ہمارے نور کو ہمارے لیے مکمل فرما اور ہمیں بخش دے، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے''۔

خالص توبہ

''خالص توبہ'' یعنی جو صحیح احساس جرم کے ساتھ ہو جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ گزشتہ پر نادم ہو اور آئندہ اس کے ترک پر مستقل طور پر عازم ہو، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جن فرائض کے ادا کرنے سے اب تک غفلت رہی ہے، ان کو ادا کریں جن کا حق ان تک نہیں پہنچایا ہے ان کا حق ان تک پہنچایا جائے اور جس کے ساتھ کوئی قولی یا عملی زیادتی کی ہے اس سے معافی مانگے۔ غرض جس طرح جس خرابی کا تدارک ہوسکتا ہو اس

www.kitabmart.in

کا تدارک کریں اور یہ سب رضائے الٰہی کی خاطر ہو نہ کہ صرف کسی دنیوی مضرت کے احساس سے۔

اس کے بعد کہنا تو یہ ہے کہ اللہ رسولؐ اور صاحبان ایمان کی عزت وعظمت کو نمایاں کریگا لیکن مخالفین رسول اور اسلام کا مزعومہ یہ تھا کہ یہ لوگ بعد میں معاذاللہ ذلیل ہوں گے تو انداز بیان نفی کا اختیار کیا گیا کہ خدا اپنے رسول اور ان کے ساتھ والے اہل ایمان کی ذلت نہیں ہونے دے گا اس کالازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کی عزت دنیا کی آنکھوں کے سامنے آئے گی اور اُس عزت کا بیان بعد کو ہے کہ جب وہ بہشت کی طرف بڑھ رہے ہوں گے تو ان کے سامنے اور داہنی جانب جدھر سے وہ جارہے ہوں گے ان کا نور پھیل رہا ہوگا۔اس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے جب کہ مضمون یہاں سے قریب ہی سورہ حدید میں آیا ہے۔

اب چونکہ یہ سب معلوم نہیں ہیں،ان میں حسن عمل کے مراتب میں فرق ہے اس لیے بعض کو محسوس ہوگا کہ ان کا نور ذرہ مدھم ہے تو وہ خدا سے دعا کریں گے کہ پروردگارا ہمیں بخش دے یعنی ہماری اس کمی کو نظرانداز فرما جو تیرے لئے کوئی دشوار بات نہیں اور ہمیں پورا نورعطا فرما یہ کمی جو ہمارے نور میں ہے باقی نہ رہے۔بعض قدیم مفسرین کی تشریح یہ ہے کہ شروع میں منافقین اور مؤمنین سب ہی کے سامنے نور ہوگا۔پھر منافق جماعت کا نور بجھ جائے گا اور وہ ٹھوکریں کھانے لگیں گے تو مؤمنین یہ دعا کریں گے کہ جس کا مطلب اس صورت میں یہ ہوتا ہے کہ ہمارے نور کو بجھنے نہ دے۔آخر تک اسے قائم رکھ۔ہوسکتا ہے کہ شروع کا یہ نور اور پھر اس کا بجھ جانا ان کے ابتدائی اقرار اسلام اور پھر دل سے کافر رہنے کا محسوس طور پر اظہار ہو جو جزاوسزا کے بمناسبت عمل ہونے کا تقاضا ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑨

''اے پیغمبر! کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان کے مقابلے میں سختی سے کام لیجیے اور ان کا ٹھکانا دوزخ میں ہے اور وہ بہت برا انجام ہے''۔

کفار اور منافقین کے مقابلے میں سختی کی ضرورت

یہ آیت بالکل انہی الفاظ میں دسویں پارے کے اندر سورہ برأت میں آچکی کہ یہاں حکم ''قتال'' کی لفظ کے ساتھ نہیں ہے تا کہ لازمی طور پر اس کے معنی خونریز مقابلے کے ہوں بلکہ حکم جہاد کا ہے جس کے معنی جدوجہد کے ساتھ مقابلے کے ہیں لیکن ایک قسم اس کی قتال بھی ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلے ہوئے کافروں کے مقابلے میں تو دو قسم کے جہاد کیے۔میدان جنگ میں تلوار والا جہاد بھی اور انہیں حق سے قریب لانے کے لیے دوسری نوعیتوں سے جہاد بھی لیکن منافقین کے مقابلے میں تلوار نہیں اٹھائی گئی۔پھر بھی سیرت رسول کے اس جز کی تکمیل ،وقت آنے پر ان کے حقیقی نائب نے کی جس کے ہر اقدام کو آپ نے اپنا اقدام قرار دیا تھا ان لفظوں میں کہ یا علیؑ حربک حربي''اے علیؑ تمہاری جنگ میری جنگ ہے''،تفصیل کے ساتھ بتایا تھا کہ تمہیں تین (۳) گروہوں سے جنگ کرنا ہوگی۔ناکثین۔اور قاسطین اور مارقین جن کے مطابق حضرت علیؑ کو تین لڑائیاں درپیش ہوئیں:۔جمل،صفین،اور نہروان۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ

www.kitabmart.in

عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

''کافر کے لحاظ سے اللہ نے مثال پیش کی ہے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی جو ہمارے بندوں میں سے دو (۲) نیک بندوں کی زوجیت میں تھیں تو انہوں نے ان سے غداری کی تو ان دونوں نے ان دونوں کو خدا کے عذاب سے کچھ نہیں بچایا اور کہا گیا کہ داخل ہو جاؤ دونوں آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ''۔

یوں تو جیسا کہ درمیان کی آیتوں میں ہم نے کہا ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ یہ درمیان کے اجزا سورے کے اصل موضوع اور اس کے ابتدائی حصہ سے مرتبط ہوں مگر اس آیت کا مضمون جو تقریباً انجام سورہ ہے آغاز سورہ کے مضمون سے اتنا مرتبط ہے کہ یہ بالکل سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ان میں انہی دونوں بیویوں کے کردار پر تنبیہ ہو کہ انہوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غداری کی کہ ان کے راز کا افشا کیا اور اس طرح انہیں اذیت پہنچائی اور پھر انہیں نتیجہ سے باخبر کیا جا رہا ہو کہ رسول خدا سے رشتۂ زوجیت کا انہیں عذاب الٰہی سے بچا نہیں سکتا۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾

''اور اہل ایمان کے لحاظ سے اللہ نے مثال پیش کی ہے زوجہ فرعون کی جب کہ اس نے کہا اے میرے پروردگار! میرے لیے ایک گھر بنا بہشت میں اور مجھے نجات دے فرعون اور اس کی گزاری سے اور مجھے نجات دے ظالم لوگوں سے اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال جس نے اپنی شرمگاہ کو (مرد کے تعلق سے) بچائے رکھا تو ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح کا ایک جز پھونک دیا اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ پورے طور پر عبادت کرنے والوں میں تھی''۔

جب کہ موضوع سورہ کی مطابقت کے لحاظ سے ایک مثال پیش کر دی گئی تو اب اس کی مناسبت مزید دو (۲) مثالیں پیش کی جا رہی گزشتہ اور سب ملا کر تین قسم کی ہوئیں:۔ایک مثال: بری عورتیں اور اچھے شوہر۔ یہ مثال پہلے آ چکی۔ دوسرے اچھی عورت کا برا شوہر: اس کی مثال زوجہ فرعون ہے جس کا نام قرآن میں نہیں ہے۔ مگر روایات کی بنا پر ان کا نام آسیہ مشہور و معروف ہے۔ ایک تیسری قسم جو یہاں بیان ہو رہی ہیں، وہ ایک مقدس اور پاک باز خاتون ہے جو کسی بھی مرد کے حلقۂ زوجیت میں نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے اسے بلندی حاصل ہو مگر اپنے طبقہ کی وہ ایک بلند مرتبہ فرد ہے۔ وہ جناب مریمؑ ہیں۔ ان سب مثالوں کا مشترک نتیجہ یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے نتیجہ خیز اس کا ذاتی کردار ہے دوسرے فریق کی طرف نسبت سے اس میں بلندی یا پستی پیدا نہیں ہوتی۔

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الْمُلْكِ

مکیّہ......۳۰......آیات

اس میں پہلی ہی آیت میں چونکہ الملک کی لفظ ہے لہٰذا اسی پر اس کا نام ہوا۔

سورۂ ملک کے خاص خاص مضامین:

۱......اللہ کی سلطنت کا اعلان جو ہمہ گیر بھی ہے اور لازوال بھی۔
۲......تخلیق موت وحیات کا مقصد آزمائش اعمال۔
۳......کائنات کا نظم وترتیب اور اس کی استحکام کے لحاظ سے یکسانی۔
۴......آسمان کی ستاروں سے آرائش، چراغان اور شیاطین کے لیے سنگ باران۔
۵......دوزخ کی کیفیت اور اس کا جوش وخروش۔
۶......اہل دوزخ کا اقرار جرائم۔
۷......اللہ کے لیے آہستہ اور باآواز گفتگو کی یکسانی۔
۸......زمین کے فوائد اور پھر ہر وقت کے خطرات۔
۹......اللہ سے انسان کسی وقت بے نیاز نہیں۔
۱۰......جھٹلانے والوں کے انجام پر مختصر توجہ دہانی۔
۱۱......صحیح طور پر سالکان حق کی قدر وقیمت۔
۱۲......اللہ کی نعمتوں کا بالا جمال تذکرہ۔
۱۳......قیامت کے وقت کا صحیح علم بس اللہ کو۔
۱۴......عذاب الٰہی سے ہر وقت ڈرتے رہنے کی ضرورت۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے“

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ① الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ

www.kitabmart.in

وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝۲ الَّذِيْ خَلَقَ
سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ
هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ
خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝۴

''بابرکت ہے وہ جس کے ہاتھ میں سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اعمال کے لحاظ سے بہتر ہے اور وہ زبردست ہے بخشنے والا جس نے سات آسمان بنائے تہہ پر تہہ تم اس بڑے فیض پہنچانے والے کی تخلیق میں کوئی بے نظمی نہیں پاؤ گے تو موڑو نگاہ کو کہ کیا تمہیں کوئی گڑبڑ دکھائی دیتی ہے، پھر دوبارہ نگاہ موڑو تو نگاہ تمہاری طرف ناکام واپس آئے گی اس عالم میں کہ وہ تھکی ہوئی ہے۔

موت وحیات ذریعہ آزمائش

تبارك کی لفظ اصل میں برک سے ہے جس کے معنی عربی لغت میں ہیں طائر کا پانی پر ٹھہرا رہنا اور پھر برکت کا مفہوم ہوا مال دولت کا نشونما کے ساتھ قائم وبرقرار رہنا اس طرح خالق کے لیے اس لفظ سے اس کا لازوال طور پر بقاء ودوام بھی نکلتا ہے جو اس کے واجب الوجود ہونے کا تقاضا ہے اور اس کا مرکز خیرات ہونا بھی کہ وہ خالق رب کائنات ہے۔عظمت یعنی بزرگی اور علو برتری، اس ذات کے مقام حقیقت میں شان ہے۔نہ کہ اس لفظ کا مفہوم مگر قدیم مفسرین اس لفظ کی تشریح کے طور پر انہی پہلوؤں کو اتنا نمایاں کرتے ہیں کہ جیسے وہ اس لفظ کے اصل معنی ہیں اور ان کی بنا پر تبارک کا ترجمہ کبھی یہ ہوتا ہے کہ ''بلند و برتر ہے وہ'' اور کبھی یہ کہ ''عظیم و بزرگ ہے وہ'' .... ۔علامہ طبرسیؒ باوجودیکہ اللغۃ کے عنوان کے ماتحت اس کی اصل وہی بتاتے ہیں جو ہم نے پہلے درج کیا ہے مگر المعنی کے زیرعنوان فرماتے ہیں ۔ا خبر سبحانه عن عظمته وعلوشانه وكمال قدرته ''خداوند عالم نے اس میں اپنی بزرگ شان کی بلندی اور کامل قدرت کی اطلاع دی ہے''

''جس کے ہاتھ میں سلطنت ہے'' اس کی نظیریں کئی جگہ پہلے آچکی ہیں اور وہاں بتایا جاچکا ہے کہ ''ہاتھ'' کا مطلب یہ جسمانی ہاتھ نہیں ہوتا۔خدا جسم اور جسمانیات سے بری ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حصہ سلطنت کسی کے لیے اس کے قدرت واختیار سے وابستہ ہے اور خود اس کے قدرت اور اختیار کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے سلاطین اس کے سامنے بے بس ہیں۔

''موت اور زندگی کو پیدا کیا'' یعنی یہ نظام مقرر کیا۔اس کے لیے یہ فلسفی بحث دور از کار ہے کہ موت وجودی چیز ہے یا عدمی اگر عدمی ہے تو اس سے خلق کا تعلق کس طرح ہے اس لیے کہ وہ وجودی ہو یا عدمی، بہرحال سلسلہ زندگی کا قطع ہونا جس کا نام موت ہے، اسی کی طرف سے ہوتا ہے لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ اس نے موت کو پیدا کیا۔''تاکہ تمہاری آزمائش کرے'' یہ آزمائش جو اس زندگی کا مقصد ہے یہ اپنے علم کے لیے نہیں ہے بلکہ موقع دینا ہے اس کے ظہور کا کہ کس میں اچھائی کی صلاحیتیں مضمر ہیں اور کس میں برائی کے جراثیم موجود ہیں جس سے انسان

www.kitabmart.in

کے اختیار کا جو ہر نمودار ہو جو اس کی صفت امتیازی ہے۔" وہ زبردست ہے"یعنی طاقت کا مالک ہے لہٰذا مجرم اس کے قابو سے باہر نہیں ہو سکتا مگر اس کے ساتھ وہ غفور ہے بخشنے والا کہ توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور کبھی بربنائے تفضّل گنہگار کے گناہ سے درگزر کرتا ہے۔ انہی دو باتوں سے مؤمن میں خوف اور رجاء کے دونوں پلے برابر سے موجود رہتے ہیں۔ بے نظمی نہیں پاؤ گے" یعنی تمام چیزیں ربط و نظام کے ساتھ ہیں اور ان میں مکمل تناسب پایا جاتا ہے۔ دوبارہ یعنی جتنی دفعہ چاہو، جائزہ لو اور تلاش کرو۔ تمہیں کوئی شگاف یعنی خلل اور خرابی نظر نہیں آئے گی ۔ چاہے دیکھو کہ نظریں تھک جائیں اور یہی اس کا قرینہ ہے کہ مرتین جس کا ترجمہ ہم نے دوبارہ اور تبارہ سے کیا ہے کیوں کہ ایک دفعہ تو اس کے پہلے نظر موڑنے کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس سے مراد بھی بس دو ہی دفعہ نہیں ہے کیوں کہ دو تین دفعہ میں تو دیکھنے سے کوئی تھکن پیدا نہیں ہوتی۔ [1]

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا
لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۵

"ہم نے نزدیک والے آسمان کو خاص چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور انہیں شیطانوں کے لیے تیر باراں کا ذریعہ بنایا اور ان کے لیے ہم نے دوزخ کا عذاب تیار رکھا ہے"

خاص چراغوں سے مراد بلا شبہ ستارے ہیں۔ اب یہ تیر باراں کا ذریعہ کس طرح ہیں؟ پہلے بھی علما کی نظر اس پر گئی ہے کہ وہ ستارے اپنی منزل سے ہٹ کر شیاطین کے پیچھے نہیں جاتے بلکہ ان کا کوئی جز ہے جو ان کے بھگانے کے لیے تیر کی صورت سے حرکت میں آتا ہے اور یہ شہابے ہیں جنہیں ہم ٹوٹنے والے تارا کہتے ہیں۔ یہ نکل کر انہیں آسمان پر جانے سے روکتا ہے۔ آج کل جدید تحقیقات کے پرستار کہتے ہیں کہ ان ستاروں کا جز نہیں موجود ہیں بلکہ سابق میں کوئی ستارہ منفجر ہوا، اس کے اجزا ہیں جو بے حد شہابیوں کی صورت سے فضا میں گردش کرتے رہتے ہیں اور کبھی زمین کے حدود میں آجاتے ہیں۔ ان کی بارش شیطانوں کے آسمان پر جانے سے سدراہ ہے۔ بہرحال ظاہر قرآن میں ہر جگہ یہی ہے کہ یہ ستارے یا ان کے یہ اجزا شیطانوں کو عالم بالا پر جانے اور وہاں کے رازوں کے معلوم کرنے سے مانع ہوتے ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ اس وقت کے لوگوں کو اس حقیقت کے ذہن نشین کرانے کے لئے ہو کہ یہ تصوّر کہ کاہن لوگ شیطان کے ذریعہ سے فضاؤ نور اور عالم بالا کے دیگر رازوں کو معلوم کر کے ہمیں صحیح معلومات بہم پہنچاتے ہیں، غلط ہے۔ آخر کا جملہ اس لیے ہے کہ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بس یہ تیر باراں ہی ان شیطانوں کے جرائم کی سزا ہے بلکہ یہ تو ان کی شرارت کے دفعیہ کا ایک سامان ہے اور اصل سزا ان کی وہی دوزخ ہے جو ہر کافر کے عذاب کے لیے مہیا اور تیار ہے چاہے وہ جنات کی قوم میں کے کافر ہوں جن میں شیاطین داخل ہیں اور خواہ وہ انسانوں میں ہوں جیسا کہ بعد کی آیت سے ظاہر ہے۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۶ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا
سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۷ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ
سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۸ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاۗءَنَا نَذِيْرٌ ۬ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا

[1] لا یرید حقیقة التثنیة لقوله وهو حسیر ولا بصیر حسیر ابمرتین (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝٩ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝١٠ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝١١

''اوران کے لیے جنہوں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر اختیار کیا، دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کا ہولناک شور سنیں گے اور وہ جوش میں ہوگا جیسے کہ غیظ وغضب کی شدت سے وہ پھٹا جاتا ہو جب اس میں کسی دستے کو ڈالا جائے گا تو وہاں کے پہریدار پوچھیں گے کیا تمہاری جانب کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں، ہدایت کرنے والا ضرور آیا مگر ہم نے جھٹلایا، اور کہا کہ اللہ نے کچھ اتارا ہی نہیں ہے۔ تم لوگ نہیں ہو مگر بڑی گمراہی میں۔ اور انہوں نے کہا اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ تو لعنت ہو ان دوزخ والوں پر''۔

عمومیت کے ساتھ کافروں کے انجام میں دوزخ کا اعلان کرتے ہوئے وہاں کی ہیبت ناک کیفیت کے ایک جز کا اظہار کیا جارہا ہے کہ نزدیک پہونچتے ہی انہیں اس کا شور سنائی دے گا۔ یوں ایک شور تو ان اہل جہنم کی فریادوں کا اور کرب واذیت سے نکلی ہوئی صداؤں کا بھی ہے جو پہلے وہاں پہنچ چکے ہیں مگر بعد والے الفاظ اس کا قرینہ ہے کہ یہ شور خود دوزخ کے جوش وخروش کے ساتھ شعلہ وری کا ہے جو اس وقت غضب الٰہی کا مظہر ہونے کی وجہ سے دل ہلا دینے والی مہیب آوازیں نکال رہا ہے۔ یا وہ فطری آوازیں اس کے جوش کے ساتھ شعلہ وری کی ایسی ہے جیسی دیگ کے کھولنے اور جوش مارنے کے وقت سنائی دیتی ہے جو ایک ادنیٰ مثال ہے اس لیے کہ یہاں کی بڑی سے بڑی دیگ بھی اس دوزخ کے مقابلے میں پہنچ ہے جس میں ابتدائے خلقت سے لے کر آخر عمر دنیا تک مجرم معذب ہو رہے ہوں گے۔ اور یہ ہولناک آواز بھی ان کے عذاب میں اضافہ کا ایک ذریعہ ہوگی۔ [1]

مخالفین یا پہرہ داروں کا سوال حقیقت واقعہ معلوم کرنے کے لیے اس کا دریافت کرنا نہیں ہے بلکہ اتمام حجت کے لیے خود ان کی زبان سے اقرار کرانے کے لیے ہے کہ ہمارے پاس ہدایت کرنے والے آئے مگر ہم نے ان کی بات نہیں مانی۔ اس لیے ہم اس سزا کے واقعی مستحق ہیں جو ہمیں دی جارہی ہے اور یہ مقصد سوال کا حاصل ہوا ان کے جواب سے جو بعد میں درج ہے۔ ان کا کہنا کہ ''اگر ہم سنتے یا سمجھتے'' یہ سننے سمجھنے کی طاقتوں کے اپنے میں وجود کا انکار نہیں ہے ورنہ شاید وہ معذور قرار پاتے بلکہ یہ ہے کہ ان طاقتوں کے ہوتے ہوئے ہم نے ان سے کام نہیں لیا اور اسی لیے ان کا یہ کہنا کوئی معذرت نہیں بلکہ اعتراف قرار پایا جس کا قرآن نے ان لفظوں میں کہ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ اظہار کیا ہے۔ [2]

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝١٢

''بلاشبہ جو لوگ ان دیکھے پروردگار سے ڈرتے ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور بڑا اجر وثواب''

---

[1]۔ فيعظم بسماع ذالك عذابهم لما يرد على قلوبهم من هوله (مجمع البيان)

[2]۔ قال قد سمعوا وعقلوا ولكنهم لم يطيعوا ولم يقبلوا والدليل على انهم قد سمعوا انهم قد سمعوو عقلوا ولم يقبلوا قوله فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ (علی ابن ابراھیم)

www.kitabmart.in

ظاہر یہی مفہوم ہے جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے کہ بالغیب کی لفظ اس ذات کے وصف کو ظاہر کرتی ہے جس سے ڈرنا ہے یعنی وہ پروردگار جو پردۂ غیب میں ہے، جسے انہوں نے دیکھا نہیں مگر غیب پر ایمان کے ماتحت اسے مانا ہے اور یہ جانا ہے کہ وہ ان کے افعال اور اعمال کا نگراں ہے، اسی کے احتساب، ناراضگی اور آخر میں عذاب کا خوف ہے جس سے وہ اچھے افعال کے پابند اور برے افعال سے محترز ہیں، نتیجہ انہی کے لیے آخرت کے بڑے مراتب ہیں یہی مفہوم قرآن مجید کی دوسری آیتوں کے مطابق ہے؛ علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بالغیب کی لفظ کو ڈرنے والوں سے متعلق قرار دیا ہے کہ وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہی نہیں بلکہ پردۂ غیب میں تنہائی میں بھی اللہ سے ڈرتے ہیں کہ اس کی اطاعت کے پابند اور اس کے گناہوں سے دور رہتے ہیں مگر یہ خلاف ظاہر ہے اور مقام حقیقت میں وہ پہلے مفہوم کا لازمی نتیجہ ہے کیوں کہ جو دنیوی نقصان کے اندیشہ سے افعال خیر ہوں گے وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہی ہوں گے۔ تنہائی میں نہ ہوں گے لیکن جب ان دیکھے پروردگار کا خوف محرک اعمال ہوگا تو اس میں سراً وعلانیاً یعنی خفیہ اور علانیہ کا فرق نہیں ہوگا۔

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬

"اور تم چپکے چپکے اپنی بات چیت کرو یا اسے آواز کے ساتھ کرو۔ وہ تو سینوں کے اندر کی باتوں کا بھی جاننے والا ہے"۔

انسان بالکل چپکے چپکے یا بہت دھیمی آواز کے ساتھ اکثر اس لیے گفتگو کرتا ہے کہ دوسروں کو اس کا علم نہ ہو لیکن کسی دوسرے کو چاہے علم نہ ہو، اس خدا کو بہرحال علم ہے جو ظاہر و باطن پر حاوی ہے۔ آہستہ کا کیا ذکر، اگر بالکل زبان پر نہ آئے دل کے اندر ہی رہے، تب بھی وہ اس سے واقف ہے لہٰذا اگر یہ گفتگو اس کی مرضی کے خلاف اور اس کے احکام کے برعکس ہے تو یہ سات پردوں میں چھپ کر گفتگو کرے تب بھی اس کے احتساب کی گرفت سے نکل نہیں سکتا۔

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ⑭

"کیا جس نے پیدا کیا ہے، وہ واقف نہ ہوگا؟ حالاں کہ وہ باریک بین، باخبر ہے"

یعنی تمہارا کتم عدم سے عالم وجود میں لانے والا اگر بے شعور اور بجائے خود کوئی بے خبر ہوتا جیسے مادہ یا طبیعت تو تم مطمئن رہتے کہ جو چاہیں کریں کوئی پوچھنے والا نہیں یا وہ کوئی ناقص علم والا ہوتا جو ظاہری مخبروں کا محتاج ہو تو تم آہستہ سے باتیں کر کے اس کی گرفت سے آزاد رہ سکتے تھے لیکن جبکہ تمہارا خالق جو ہر باریک سے باریک بات کا دیکھنے والا ہے تو تم آہستہ باتیں کر کے اس پر پوشیدہ کیوں کر رہ سکتے ہو؟۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ⑮

"وہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے قابل استعمال بنا دیا ہے کہ چلو اس کے کاندھوں پر اور کھاؤ اس (اللہ) کی (دی ہوئی) روزی سے اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے"۔

www.kitabmart.in

زمین کی صفت

زمین کی جو صفت بتائی گئی ہے ''قابل استعمال'' اس کے حدود ہر دور زمانہ میں باعتبار ادراک بشر اور ذرائع استعمال کے مختلف رہے ہیں اور ان میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے جس سے اللہ کی اس مخلوق کے متعدد فیوض و برکات کا احساس اور زیادہ ہونا چاہیے، تاہم اس وقت کے انسانوں کے محدود ذرائع کی حد تک انہیں اس کی طرف دلائی جا رہی ہے، اور قرآن مجید میں بکثرت مقامات پر نگاہ کو ادھر موڑا گیا ہے اور اس کے دوسرے فوائد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہاں ان تمام فوائد کو اور جن کا آئندہ انکشاف ہوتا رہے ذلولاً کی لفظ میں جس کا ترجمہ ہم نے ''قابل استعمال'' کیا سمیٹ کر صراحۃً صرف اس فائدے پر توجہ دلائی گئی کہ ''چلو اس کے کاندھوں پر''۔ چونکہ کاندھوں کی لفظ بلندی کا پتہ دیتی ہے، اس لئے بعض لوگوں نے اُسی کو پہاڑوں کے معنی میں لیا ہے۔ مگر اس کی ضرورت نہیں ہے، انسان زیادہ تر جہاں چلے پھرے گا وہ زمین کی اندرونی تہوں کے مقابلے میں اوپر ہی کا حصہ ہوگا لہٰذا اسے پشت یا کندھا زمین کا کہہ سکتے ہیں۔ اور اس کی روزی سے کھاؤ۔ یعنی اللہ نے زمین میں جو نباتات روئیدہ کیے ہیں۔ ان سے غذا حاصل کرو مگر یہ نہ بھولو کہ یہ نعمت کس کی دی ہوئی ہے اور یہ کہ اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ لہٰذا اپنے فرائض کا ادا کرنا ضروری سمجھو۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾

''کیا تمہیں ڈر نہیں اس سے جو آسمان میں ہیں کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے تو وہ ایک دم ہچکولے کھانے لگے یا تمہیں ڈر نہیں اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے تو بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری طرف کا ڈرانا کیسا ہوتا ہے''۔

یعنی یوں تو زمین تمہارے لیے گہوارہ سکون بھی ہے اور روزی کا ذریعہ بھی مگر تمہیں اس کے ساتھ اسی سے جس نے یہ تمہارے لیے پیدا کی ہے، اس کے غضب کے تقاضوں سے ڈرتے رہنا چاہیے جس کی بہت صورتیں ہیں جن میں سے بعض کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔

خالق کے لیے یہ کہنا کہ آسمان میں ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ وہاں (معاذ اللہ) جسمانی طور پر بود و باش رکھتا ہے کیوں کہ وہ لا مکان ہے، جسم و جسمانیات سے بری ہے بلکہ چونکہ مقام نسبت میں عالم بالا کا سب سے بلند طبقہ اُس کا عرش یعنی ''پایۂ تخت'' قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے انسانوں کو اس کا تعارف یونہی کرایا جاتا ہے کہ وہ آسمان پر ہے اور اسی لیے اس کی طرف سے آنے کو نازل ہونا، اترنا کہتے ہیں اور دعاء یا اعمال خیر جو قابل قبول ہوں ان کے لیے عالم بالا کی طرف جانے کا تصور ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾

''اور ان کے پہلے جو تھے، انہوں نے جھٹلایا تو میری طرف کی سزا کیسی تھی''۔

اب جیسے روئے خطاب ان کی طرف موڑ لیا گیا اور دوسروں کی طرف متوجہ ہو کر کہا جانے لگا کہ جن عذابوں سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے، یہ کوئی نئے نہیں ہیں بلکہ امم سابقہ پر اس کے عذاب آتے رہے ہیں۔ اس کے لیے ان امتوں کے حالات پڑھ لیے جائیں وقرآن

www.kitabmart.in

مجید میں بکثرت مقامات پر درج ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؔ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا پرندوں کو اپنے اوپر پر پھیلاتے ہوئے اور سمیٹ بھی لیتے ہیں ، انہیں نہیں سنبھالے رہتا (کوئی) سوا (خدائے) رحمان کے، وہی ہر چیز کی نگرانی کرنے والا ہے''۔

یوں تو طائروں کی ہوا میں پرواز ،انسانوں اور بہائم وغیرہ کا زمین پر چلنا، مچھلیوں کا دریا میں تیرنا، سب کے طبعی اسباب ہیں لیکن تمام اسباب کا سلسلہ آخر میں تو خدا ہی تک پہنچتا ہے۔اس نے طائر میں قوت پرواز دی اور ان کے جسم کو اس طرح کا بنایا کہ وہ ہوا میں بلند ہو سکے اور فضا میں اڑ سکے۔اور یہ چیزیں تو براہ راست اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں جو چیزیں انسان نے سائنس کی مدد سے پیدا کی ہیں اور ان میں برابر ترقی ہوتی جا رہی ہے وہ کب ان قوانین سے آزاد ہیں جو اس کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ماننا نہ ماننا انسان کا کام ہے۔قرآن کا مقصد نگاہوں کو موڑنا ہے، تاکہ وہ اس پر غور کریں جو حقیقت ہے اسے سمجھیں اور سمجھنے کے بعد اس خدائے واحد کی مانیں جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾

''آخر کون تمہارا لاؤ لشکر ہے جو اللہ کو چھوڑ کر تمہاری مدد کرے۔یہ کافر لوگ نہیں ہیں مگر دھوکے میں۔آخر کون ہے یہ جو تمہیں روزی عطا کرے۔اگر وہ اپنی روزی کو روک لے، بلکہ وہ ہٹ دھرمی کے ساتھ سرکشی اور حق سے وحشت پر جمے ہوئے ہیں''۔

مشرکین کو زعم باطل تھا کہ ان پر کوئی وقت پڑے تو ان کے اصنام ان کی مدد کریں گے دوسرے لوگوں کو بھی جتھے، اپنے پارٹی یا قوم قبیلے کا غرا ہوتا ہے۔ان دونوں آیتوں میں سوال کے پیرایہ میں انہی لوگوں کے اس پندار باطل کو توڑا گیا ہے۔اگر خدا کی طرف کا عذاب آئے تو یہ لاؤ لشکر تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا اور اگر وہ اپنی طرف سے روزی کا دروازہ بند کر دے تو کوئی روزی دینے والا نہیں۔دونوں آیتوں میں پہلے جیسے ان کی طرف منہ کر کے سوال ہے۔اور پھر ادھر سے منہ موڑ کر دوسروں سے مخاطب ہو کر ان کے خیال کی ردکی ہے۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾

''تو کیا جو اوندھے منہ چل رہا ہو زیادہ صحیح راستہ پائے گا یا وہ جو سیدھا راہ راست پر جا رہا ہو''۔

پہلی مثال کافروں کی ہے کہ وہ اندھا دھند آباؤ اجداد کی تقلید میں منہ اوندھائے چل رہے ہیں نہ راستے کے نشیب و فراز پر ان کی نظر ہے، نہ نشان منزل پر نگاہ ہے تو وہ کیا منزل مقصد تک پہونچیں گے۔اس کے برخلاف مؤمنین دلائل حق کو دیکھ کر معلوم کر چکے ہیں کہ صحیح راستہ کون ہے تو یہی وہ ہیں جو سیدھے منزل مقصد پہونچ سکتے ہیں۔

www.kitabmart.in

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـٕدَةَؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

”کہیے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے سننے اور دیکھنے کی طاقتیں اور دل و ماغ قرار دیے مگر بہت کم تم شکر ادا کرتے ہو، کہیے کہ وہی ہے جس نے تمہیں ادھر ادھر پھیلا یا ہے اور اسی کی طرف تمہیں سمیٹ کر لے جایا جائے گا“

سابق میں ان سے خطاب کر کے کچھ تازیانے تنبیہ کے لگائے تھے مگر یہ کہنے کے بعد کہ وہ ہٹ دھرمی کے ساتھ سرکشی اور قبول حق سے گریز پر جمے ہوئے ہیں۔اب جیسے طور پر ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور اب رسول سے کہا جارہا ہے کہ آپ ان سے بات کیجیے اور انہیں میری ربوبیت کے دلائل یاد دلایئے اور ان کے کردار کی خامیوں پر توجہ دلایئے۔انسان کی خلقت کو لفظ انشا سے تعبیر کیا ہے کہ یہ ان تغیرات کے ماوراء ایک چیز ہے جو مادے میں ہوتے رہتے ہیں اور جن سے جسم انسانی کی ساخت ہوتی ہے۔اصل انسان وہ مجسمہ خاکی نہیں ہے بلکہ وہ ہے جسے سورۂ مؤمنون میں نطفہ علقہ کی منزلیں طے ہو کر کہہ دیا ہے کہ ”پھر کچھ اور کر دیا“ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَؕ ”کچھ اور کا مطلب یہی ہے کہ وہ نوعیت میں ان جسمانی تغیرات سے الگ ایک خداوندی تصرف تھا“۔سننے اور دیکھنے کی طاقتیں یعنی حواس ظاہری اور افئدہ جس کا ترجمہ ہم نے ”دل و دماغ“ کے ساتھ کیا یعنی حواس باطنی اور تفکر و تعقل کی طاقت جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔سب اس لیے کہ انسان خود حقیقتوں کو سمجھ کر صحیح راستہ اختیار کرے۔نہ یہ کہ تقلید کورانہ کے ساتھ جو جس نے کہہ دیا اسی کو مان لے اور اس پر جم جائے۔یہی ان نعمتوں کی ناشکری ہے جس کا پہلی آیت کے آخر میں اظہار کیا گیا ہے، پھر مکافات عمل سے انہیں ہوشیار کیا جارہا ہے کہ تمہیں تمام دنیا میں اس نے پھیلا دیا ہے مگر جب جزا و سزا کا ہنگام آئے گا تو تم سب سمٹ کر موقف حساب میں آ جاؤ گے اور تمہیں تمہارے برے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـٴَـتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

”اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو (بتاؤ) کہ یہ وعدہ وعید پورا کب ہوگا؟ کہیے کہ اس کا علم تو بس اللہ کو ہے اور میں صرف صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں تو جب وہ اسے نزدیک دیکھیں گے تو کافروں کے چہروں کا برا عالم ہوگا اور کہا جائیگا یہی وہ جس کا تم تقاضا کرتے تھے۔“

ان کا یہ مطالبہ قطعاً سنجیدگی کے ساتھ نہ تھا کہ وہ واقعی قیامت کے وقت کو پوچھنا چاہتے ہوں بلکہ یہ انکار کا ایک پیرایہ تمسخر و استہزاء کا انداز تھا۔اگر بالفرض وقت بتا یا بھی جاتا تو وہ انکار پر قائم رہتے اور کہتے ہمیں کیا معلوم کہ جو آپ کہہ رہے ہیں، وہ درست ہے اور اس لیے ظاہر قرآن یہ ہے کہ یہ علم حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عطا نہیں ہوا اس لیے کہ آپ کے فرائض میں اس کا دخل نہ تھا۔آپ کا کام خلق خدا کو مکافات عمل کے ضروری ہونے پر متنبہ کرنا تھا جسے ثبوت خدا کے عقل بھی بتاتی ہے اور اس کی نوعیت بتانا تھی جو قیامت اور اُس کے احوال و اہوال کے بیان

www.kitabmart.in

کے ساتھ مؤثر ترین انداز میں پیش کی گئی۔اس کی تصدیق کے لیے وہ دلائل تھے جو آپ کی رسالت کی حقانیت کو بتا رہے تھے جن پر غور کرنا اور ان کے تقاضا کے مطابق ایمان اختیار کرنا سننے والوں کا کام تھا اور جس سے ہٹ دھرمی کے طور پر انحراف کر کے وہ ان عذابوں کے مستحق ہو رہے تھے جو کفار مشرکین کے لیے یہ بتا رہے تھے اور اسی آخر میں کہا گیا ہے کہ جب وہ دن آ جائے گا تو تمہارا برا عالم ہوگا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾

''کہیے کہ کیا تم نے غور کیا ہے کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ختم بھی کر دے یا اپنی رحمت ہمارے شامل حال رکھے تو (بہر صورت) کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ میں رکھے گا''۔

کافر لوگ آپس میں کہتے تھے کہ کسی طرح یہ اور ان کے مٹھی بھر ساتھی ختم ہو جائیں جنھوں نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے تو ہم آرام کی نیند سوئیں تو کہا جا رہا ہے کہ جب میرے ذریعے سے صدائے حق تم تک پہونچ چکی اتمام حجت ہو گیا تو اب اگر جائیں تو تم اس عذاب سے بچ تو نہیں سکتے جو کافروں کے مقرر ہے۔ایک معنی یہ کہے گئے ہیں کہ ہم مؤمن ہوتے ہیں امید و بیم کے درمیان رہتے ہیں جو تقاضائے ایمان ہے تو کافر لوگوں کے لیے تو امید کا کوئی پہلو ہے ہی نہیں، وہ عذاب سے کیوں کر بچ سکتے ہیں [1] مگر پہلا مفہوم ذہن نشین زیادہ ہے۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾

''کہیے کہ وہ خدائے رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں اور اُسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔اب تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون کھلی ہوئی گمراہی میں ہے''۔

چونکہ مشرکین لفظ رحمٰن سے وحشت کرتے تھے، اس لئے اس سورے میں بار بار اس کا نام رحمٰن ہی لیا گیا ہے اور کہا ہے کہ وہ یعنی جس کی طرف میں دعوت دیتا ہوں رحمان ہے۔

تمہیں جلد ہی معلوم ہوگا'' اس میں لب و لہجہ جیسے ملائم اختیار کر لیا ہے یعنی ابھی تم غور نہیں کر رہے ہو۔اگر ذرا سوچو سمجھو اور غور کرو تو پتہ چل جائے گا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔! کون اس راستے پر چل رہا ہے اور کون کھلی گمراہی میں مبتلاء ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾

''کہیے کہ کیا تم نے غور کیا ہے اگر تمہارا پانی تہہ نشین ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے شریں پانی کے سوتے پھر جاری کر دے''۔

یعنی یہ پانی جس پر تمہاری زندگی موقوف ہے، اسی رحمٰن کی فیض سے وابستہ ہے۔کنوؤں میں یہ سوتے پانی کے اسی کے حکم سے جاری ہوتے ہیں۔اگر یہ بند ہو جائیں تو جب تک وہ نہ چاہے کوئی دوسرا ان کے جاری کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔

---

[1] نحن مع ایماننا بین الخوف فمن یجیرکم مع کفرکم من العذاب (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ الْقَلَمِ

مکیّہ...... ۵۲......آیات

یہ سورہ ادھر کے دوسرے سوروں کے تناسب سے ایسا بڑا نہیں ہے مگر چونکہ آیتیں بہت چھوٹی چھوٹی ہیں لہٰذا تعداد ان کی بہ نسبت سابق کے سوروں کے کافی زیادہ ہے اور پہلی ہی آیت میں قلم کا ذکر ہے اور اس سے قبل نٓ کی لفظ ہے لہٰذا اس کا نام یہ دونوں ہوئے، سورہ قلم بھی اسے کہتے ہیں اور سورہ نون بھی۔

سورۂ قلم کے خاص خاص مضامین:

۱......قسم کھا کر قلم اور اس کی افادیت کا ثبوت۔

۲......حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (معاذ اللہ) دیوانہ کہنے والوں کی رد۔

۳......حضرتؐ کی اخلاقی رفعت کا بتاکید بیان۔

۴......اصول سے ہٹ کر کسی سمجھوتے کی ممانعت۔

۵......ایک سرکش کافر کا کردار۔

۶......ایک باغ کے مالکوں کا غلط طرز عمل اور اس کا انجام۔

۷......اطاعت گزار اور نافرمان کے انجام میں فرق کا ضروری ہونا۔

۸......قیامت کے سخت ہنگام کی یاد آوری۔

۹......کافروں پر نعمتوں کی بارش بربنائے مہربانی نہیں بلکہ تمہیدی عذاب ہے۔

۱۰......مشرکین کو آپ سے مخالفت بلاوجہ ہے۔

۱۱......آنحضرتؐ کو صبر وثبات کی تلقین۔

۱۲......حضرت یونسؑ کے ترک اولیٰ کا اظہار۔۔۔۔وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے۔

نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا یَسۡطُرُوۡنَ ۝۱ مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۝۲ وَاِنَّ لَکَ

www.kitabmart.in

لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾

''نون'' قسم ہے قلم کی اور اس کی جسے لوگ لکھتے ہیں، آپ اپنے پروردگار کے فضل وکرم سے دیوانے نہیں ہیں، یقیناً آپ کے لیے بڑا اجر ہے جس کا احسان آپ پر جتایا نہیں جائے گا اور بلاشبہ آپ عظیم اخلاق کے درجے پر فائز ہیں''۔

پہلی لفظ یعنی نٓ مقطعات قرآنیہ میں سے ہے جن کے معانی عموماً قدرتی راز کی حیثیت رکھتے ہیں اور چون کہ وہ مقطعات میں سے ہے اس لیے وہ بطور ایک لفظ کے قرآن میں لکھی گئی ہے بلکہ بطور ایک حرف کے جیسے مقطعات کے لکھنے کا عام اصول ہے کہ الف لام میم کو الٓمٓ اور حا میم کو حٰمٓ اور حا، میم، عین، س، قاف کو حٰمٓعٓسٓقٓ لکھتے ہیں۔ یہ لکھنے کا طریقہ اسی بنا پر ہے کہ انہیں رمز کے طور پر انفرادی حیثیت حاصل ہے اور اس کا علم اس نے انہی کو دیا تھا جو اس کے راز دار تھے،

اس کے بعد قلم کی قسم کھائی گئی ہے، اس سے مراد مطلق قلم ہو تو پھر **مایسطرون** ''جسے لکھتے ہیں'' اسے بھی مطلق ہونا چاہیے جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا کہ ''لوگ لکھتے ہیں''۔ چونکہ عرب میں عموماً لوگ اس فن سے بے بہرہ تھے لہٰذا قرآن نے قسم کے ن پیرائے میں اس کی رفعت اور اہمیت ان کے ذہن نشین کرائی۔ اب اگر کوئی قلم کا غلط استعمال کرے اور اس سے گمراہی خلق کا سامان فراہم کرے یا فساد پھیلانے کا کام لے تو اس سے اصل چیز کی افادیت متاثر نہیں ہوگی جیسے اللہ کی نعمتوں کا غلط استعمال جو ان کی اہمیت اور افادیت کو مجروح نہیں کرتا۔

بعض لوگوں کی نظر شاید اس پہلو کی طرف گئی ہے تو انہوں نے **مایسطرون** سے مراد وہ فرشتے لے لیے ہیں جو اللہ کی طرف کی وحی کو اور خلق کے اعمال کو لکھتے ہیں لیکن اس صورت میں قلم سے مراد بھی وہی فرشتے ہونا چاہئیں، قلم دنیا والے کا ہو اور لکھنے والے فرشتے ہوں جیسا کہ علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان معلوم ہوتا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

مجاہد نے جو جناب ابن عباسؓ کے شاگرد ایک قدیم مفسر ہیں قلم کی تشریح اس قلم کے ساتھ کی ہے جس سے قرآن لکھا جاتا ہے اس صورت میں مایسطرون سے مراد قرآن ہوگا۔ اب اس کا ربط پہلے والے مضمون سے یہ قرار دیا گیا ہے کہ خالق پہلے قرآن کی طرف نظروں کو موڑ کر اور اس کے بعد میں آپ کی اخلاقی عظمت کو پیش کر کے بیچ والی حقیقت پر زور دے رہا ہے کہ اگر یہ لوگ ان دونوں چیزوں پر غور کریں۔ اس کتاب کو دیکھیں جسے آپ پیش کر رہے ہیں اور خود آپ کو دیکھیں کہ آپ کتنے بلند اخلاق کے حامل ہیں تو انہیں اپنے اس الزام کا غلط ہونا سمجھ میں آجائے کہ معاذ اللہ آپ میں کسی قسم کی دیوانگی ہے۔ اسے خود آپ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے اور مقصود دوسرے لوگوں کی آنکھوں کا کھولنا ہے جو اس قسم کا غلط تصور رکھتے ہیں۔

''آپ کے لیے بڑا اجر ہے''۔ سیاق کی مناسبت سے اس کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً ان لوگوں کی اس بات سے کہ وہ ''دیوانہ'' کہہ کر آپ کی ہدایت وتعلیم کو ناقابل قبول قرار دیتے ہیں اور آپ کے لیے ایسی غلط لفظ کا ستعمال کرتے ہیں آپ کو بڑی اذیت اور تکلیف ہوتی ہے جسے آپ برداشت کرتے ہیں۔ اس پر آپ کے لیے اللہ کے یہاں بڑا اجر ہے۔ حقیقت میں ربوبیت اور عبودیت کے رشتے کی بنا پر وہ تفضّل ہے لیکن خود اس نے جب اجر کہہ کے مقرر کیا ہے تو یہ اس کا ضامن ہے کہ اس پر احسان جتایا نہ جائیگا جو غیر ممنون کی ایک تفسیر ہے اور جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے۔

www.kitabmart.in

دوسری قسم تفسیر یہ ہے کہ ممنون کے معنی مقطوع کے ہیں یعنی وہ اجر ثواب دائمی ہوگا کبھی ختم نہ ہوگا۔

خلق کی لفظ ہماری زبان میں تو محدود ہے۔ہم اسے بس میل جول میں خاطر تواضع کے معنی میں لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہماری نزدیک اس میں سچائی کا بھی دخل نہیں ہے۔اگر ہمارا کسی سے کوئی کام ہے اور وہ سچائی کے ساتھ اپنی مجبوری کا اظہار کردے تو وہ ہمارے نزدیک بداخلاق ہے لیکن اگر وہ جھوٹا وعدہ کرلے چاہے وہ اسی وقت سمجھتا ہو کر اس پر عمل نہیں کرے گا تو وہ خوش اخلاق ہے پہلا اس لیے بداخلاق قرار دیا گیا کہ اس نے ہمیں دھوکے میں نہیں رکھا۔صاف صاف اپنے موقف کا اظہار کردیا اور دوسرا اس لئے خوش اخلاق ہوگیا کہ اس نے میں تاریکی میں رکھا اور مبتلائے فریب رکھ کر پریشان کیا۔ایسی صورت میں ہم خالق کی اس سن کی قدر وقیمت کیا سمجھ سکتے ہیں لیکن حقیقت میں خلق کی لفظ محدود نہیں ہے وہ ہر شعبہ زندگی پر حاوی ہے۔چاہے انفرادی زندگی ہو، چاہے منزلی زندگی ہو اور چاہے بیرونی اجتماعی زندگی ہو، رسول کو خالق نے ''خلق عظیم'' کی سند دے کر ہر شعبہ حیات میں آپ کی سیرت کی بلندی پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔

فَسَتُبۡصِرُ وَيُبۡصِرُوۡنَۙ۝۵ بِاَيِّٮكُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ۝۶ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ۝۷

''تو بہت جلدی آپ بھی دیکھ لیجیے گا اور انہیں بھی دکھائی دے جائے گا کہ تم میں سے کس میں دیوانگی ہے۔ یقیناً آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے اسے جو اس کی راہ میں سے ہٹا ہوا ہے اور وہ زیادہ جانتا ہے انہیں جو سیدھے راستے پر ہیں''۔

رسولؐ کو مخاطب ہو کر یہ کہنا کہ آپ بھی دیکھ لیجیے گا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ معاذ اللہ آپ کو بھی اپنے متعلق شبہ تھا۔بلکہ مطلب یہ ہے کہ نتائج سامنے آجائیں گے اور سب ہی دیکھ لیں گے یہ دیکھنا آپ کے لیے باعث تسلی ہوگا یعنی ان کی باتوں سے جو رنج پہونچ رہا ہے وہ دور ہوجائے گا اور ان کے لیے باعث حسرت وندامت ہوگا جس کا عذاب آنے کے بعد کوئی حاصل نہ ہوگا۔

فَلَا تُطِعِ الۡمُكَذِّبِيۡنَ۝۸ وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَيُدۡهِنُوۡنَ۝۹ وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيۡنٍۙ۝۱۰ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيۡمٍۙ۝۱۱ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍۙ۝۱۲ عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِكَ زَنِيۡمٍۙ۝۱۳ اَنۡ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيۡنَ۝۱۴ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ۝۱۵ سَنَسِمُهٗ عَلَى الۡخُرۡطُوۡمِ۝۱۶

''تو آپ جھٹلانے والوں کا کہنا نہ مانیے، وہ چاہتے ہیں کہ آپ رورعایت سے کام لیں تو وہ بھی رورعایت کریں اور کہنا نہ مانیے ہر بڑے قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کا جو نکتہ چینی کرنے والا اور چغلیاں کھانے کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا، خیرات کو روکنے والا، ستم گر، گناہگار سرکش اور پھر اس کے بعد بداصل ہے، اس برتے پر کہ وہ مال اور اولاد والا ہے، جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پیش ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ

www.kitabmart.in

پرانے لوگوں کی داستانیں ہیں بہت جلد ہم اس کی سونڈ پر داغ لگا دیں گے‘‘۔

قرآن مجید کے انداز بیان سے ظاہر ہے کہ یہ عام اوصاف نہیں ہیں بلکہ کسی شخص خاص کو ذکر میں صرف جو اپنے ان اوصاف کے ساتھ قوم میں مشہور معروف تھا، جو لفظیں اس شخص کے بارے میں صرف کی گئی ہیں، ان میں سے متعدد الفاظ کے لغت اور محاورے کے لحاظ سے کئی کئی معنی بتائے گیے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ترجمہ ان میں سے ایک ہی کے لحاظ سے ہوسکتا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ عتل جس کا ترجمہ ہم نے ''موذی'' کی لفظ سے کیا ہے۔ اس کے معنی یہ بھی کہے گئے ہیں کہ وہ مختلف صورتوں سے لوگوں کو قید و بند میں مبتلا کراتا اور سزائیں دلواتا ہے اور اور یہ بھی کہ خود بہت کھاتا ہے اور دوسروں کو کھانا پسند نہیں کرتا اور یہ بھی بلاوجہ لڑتا جھگڑتا ہے بعض نے کہا ہے کہ اصل میں یہ اس کلام کو کہتے ہیں جو بہت سخت ناگوار اور تکلیف دہ ہو۔

زنیم کے ایک معنی لیے گئے ہیں کہ وہ شریر شخص کہ جب شریر کی لفظ کہیٔ جائے تو سب کا ذہن اسی کی طرف منصرف ہو جائے اور زیادہ تر وہ جس کے اصل باپ کا پتہ نہ ہو اور وہ غلط طور پر کسی خاندان میں داخل سمجھا جانے لگا ہو۔

''اس کا کہنا نہ ماننے'' اس سے ظاہر ہے کہ عام جھٹلانے والوں کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ اس شخص نے رسولؐ کے سامنے کوئی شرط پیش کی تھی کہ اگر آپ ایسا کیجیے تو ہم آپ کی مخالفت چھوڑ دیں گے اور وہ شرط ظاہر ہے یہی ہو سکتی تھی کہ آپ ہمارے بتوں کے خلاف تبلیغ چھوڑ دیں لیکن اگر آپ ایسا کرتے تو آپ کا مشن ہی پھر کیا رہ جاتا، اسی لیے اس کے مقابلہ میں ایسے سخت الفاظ صرف کیے گئے جن کا وہ مستحق تھا۔

آخر میں جو کہا گیا ہے کہ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ جس کا ترجمہ ہم نے کیا ہے ''ہم اس کی سونڈ پر داغ لگا دیں گے'' یوں تو سونڈ اصل میں ہاتھی کی ہوتی ہے۔ مگر ناک چونکہ عزت اور شرافت کا رمز سمجھی جاتی ہے اور وہ اپنے کو بڑا اور شاندار سمجھتا تھا، لہٰذا بطور طنز اس کی ناک کو سونڈ کہا گیا ہے اور یوں تو ناک پر داغ لگا دیں گے۔ اس کا مطلب عزت اور شرافت کا ختم کرنا اور ذلیل و رسوا کرنا ہوسکتا ہے اور اس کا آخرت سے بھی تعلق ہوسکتا ہے۔

مگر بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ جنگ بدر میں اس کی ناک پر تلوار پڑی اور اس طرح قرآنی خبر کی سچائی ثابت ہوتی ہے، یہ شخص کون ہے؟ اس کے لیے ولید بن مغیرہ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ اور اسود بن یغوث کا اور اخنس بن شریق کا۔ اس کا اصل مضمون اور اس کے مقصد میں کوئی دخل نہیں ہے۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

''ہم نے ان (مشرکین مکہ) کو ویسے ہی آزمائش میں ڈالا ہے جیسے ایک خاص باغ والوں کو، جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ صبح ہوتے ہوتے اس کے پھل توڑ لیں گے اور وہ اس میں کوئی قید بھی نہیں لگا رہے تھے تو راتی رات اس

www.kitabmart.in

پر آگئی ایک آفت تمہارے پروردگار کی، جب کہ وہ سو رہے تھے تو وہ ہوگیا مثل اس کھیتی کے جو کاٹی جا چکی ہو تو انہوں نے صبح ہوتے ایک دوسرے کو آواز دی کہ چلو کھیتی کی طرف اگر تمہیں کاٹنا ہے"۔

کہا جاتا ہے کہ یہ یمن کے ایک باغ کا قصہ ہے۔ علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:۔

کانت شیخ کان یمسك منہاقدر کفایتہ و کفایۃ اھلہ ویتصدق بالباقی فلمامات قال بنوہ نحن احق بہالکثرۃ عیالناولا یسمعنا ان نفعل کمافعل ابوناوعزمواعلیٰ حرمان المساکین فصارت عاقبتھم الیٰ ماقص اللہ تعالیٰ فی کتابہ... (مجمع البیان)

یہ واقعہ ایک بوڑھے آدمی کا تھا جو اس میں سے اپنے اور اپنے اہل عیال کے لیے کافی ہونے کی مقدار بھر محفوظ رکھتا تھا اور باقی کو خیرات میں دے دیتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوگیا تو اس کے بیٹوں نے کہا کہ ہمارے اہل عیال زیادہ ہیں اس لیے ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں اور ہم وہ نہیں کر سکتے جو ہمارے والد کرتے تھے اور انہوں نے مضبوط ارادہ کیا کہ وہ غریبوں کو محروم رکھیں گے تو ان کا انجام وہ ہوا جو خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہاں بیان کیا ہے۔

لا یستثنون جس کا ترجمہ ہم نے کیا "وہ کوئی قید نہیں لگا رہے تھے" اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنے منصوبے کی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ وہ اپنے اس ارادہ کے قطعی اظہار کے ساتھ انشاء اللہ بھی نہیں کہہ رہے تھے کہ اگر خدا نے چاہا تو وہ پورے باغ کے پھلوں کو توڑ کر اپنے گھر لائیں گے۔

آخر کے جملے میں "کھیتی" کی لفظ کے لیے کہا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس باغ میں درختوں کے بیچ بیچ میں کھیت بھی ہوں۔ اس لیے انہوں نے **حرث** یعنی کھیتی کی لفظ استعمال کیا ہے۔

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿٢٤﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٢٧﴾

"تو وہ روانہ ہوئے اس حال میں چپکے چپکے آپس میں کہہ رہے تھے کہ دیکھو خبردار آج تیرے پاس اس باغ میں کوئی غریب فقیر آنے نہ پائے اور اس کنجوسی پر بالکل تل کر اس اطمینان کے ساتھ کہ وہ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں جلدی وہ وہاں پہونچے تو جب اسے (اس حال میں) دیکھا تو کہا یقیناً ہم بھٹک کر کہیں سے کہیں پہنچ گئے بلکہ ہم ہی ناکام ونامراد ہیں"۔

یعنی جب انہوں نے خلاف توقع باغ کا یہ عالم دیکھا تو پہلے سمجھے کہ کوئی دوسرا باغ ہے ہم راستہ بھول کر ادھر آگئے ہیں پھر غور سے دیکھا تو کہنے لگے ارے یہ تو ہمارا ہی باغ ہے اور بدنصیبی ہمارے شامل حال ہوگئی ہے کہ ہمارے باغ کا یہ عالم ہوگیا ہے۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا

www.kitabmart.in

ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا
طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ
الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾

''جوان میں سے سب سے بہتر تھا کہنے لگا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ کیوں تم اللہ کو یاد نہیں کرتے ہو انہوں نے کہا پاک ہے ہمارا رب یقیناً ہم ظالم ہیں تو ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے لعنت ملامت کرنے لگے، کہنے لگے وائے ہو ہم پر بے شک ہم سرکش تھے ممکن ہے اب ہمارا پروردگار ہمیں اس کے بدلے اس سے بہتر عطا کر دے یقیناً ہم اپنے پروردگار سے لو لگائے ہوئے ہیں۔ اس طرح ہوتا ہے عذاب خدا۔ اور بلا شبہ آخرت کا عذاب بہت زیادہ بڑا ہے اگر وہ جانیں''۔

کہا گیا ہے کہ یہ ان بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا جس نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ یہ تمہارا رویہ غلط ہے۔ نہ وہ منصوبہ تمہارا درست ہے کہ غریبوں کو بالکل محروم کر دو۔ نہ تمہارا اپنے ارادے کی کامیابی پر اتنا اعتماد کہ تم اس کے ساتھ انشاء اللہ بھی نہیں کہتے۔ اب جب انجام سامنے آیا تو ایک دوسرے کو الزام دینے لگا کہ تم ہی نے ہم کو اس گمراہی میں ڈالا۔ ورنہ ہم ایسا نہ کرتے اور یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٣٤﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ
كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٦﴾

''یقیناً پرہیزگاروں کے لیے ان کے پروردگار کے یہاں نعمت کے گھنے ہوئے باغ ہیں کیا ہم اطاعت گزاروں کو مثل گناہگاروں کے کر دیں گے، تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے حکم لگاتے ہو''۔

کافر لوگ کہتے تھے کہ ہم دنیا میں مزے کر رہے ہیں تو آخرت میں بھی ہم مزے میں رہیں گے اور یہ مسلمان اور پیغمبر کے گروہ میں لوگ یہاں سختیوں اور مصیبتوں میں ہیں تو دیکھنا یہ وہاں بھی تکلیف ہی اٹھائیں گے۔ اس کے جواب میں کہا جا رہا کہ یہ فیصلہ تمہارا بالکل خلاف عقل ہے وہ عالم تو جزو سزا کا ہوگا۔ اس میں یہ ممکن ہی نہیں کہ اطاعت گزار اور نافرمان یکساں ہو۔ چہ جائیکہ نافرمانوں کا انجام بہتر ہو یا فرمان بردار برے حال میں رہیں۔

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿٣٨﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ
عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ
زَعِيْمٌ ﴿٤٠﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٤١﴾

''کیا تمہاری کوئی خاص (آسمانی) کتاب ہے جس میں یہ تم پڑھتے ہو کہ تمہارے لیے وہی ہے جو تم پسند کرتے ہو یا

www.kitabmart.in

کیا تم نے ہم سے کچھ قسمیں لے لی ہیں جو قیامت تک کے لیے ہیں کہ تمہارے لئے وہی ہے جو تم حکم لگاتے ہو۔ ان سے پوچھو کہ ان میں سے کون اس کا ضامن ہے؟ یا ان کے کچھ آدمی (ہمارے) شریک کار ہیں تو وہ اپنے شریکوں کو پیش کریں، اگر وہ سچے ہیں"۔

مطلب یہ ہے کہ عقل کا فیصلہ تو ان کے خلاف ہے جسے سابق جملوں میں ظاہر کیا گیا اور خلاف عقل ہونے کا اظہار یہ کہہ کر کیا گیا ہے۔ کیسے فیصلے کرتے ہو۔ اب بطور استفہام انکاری پوچھا جا رہا ہے کہ پھر تمہارے پاس اس کا ماخذ کیا ہے؟ کہاں سے یہ حکم لگاتے ہو؟ کیا توریت اور انجیل وغیرہ کے علاوہ جنہیں ہم جانتے ہیں، اس طرح کی کوئی خاص کتاب تمہاری ہے جس میں اُمّی گروہ کے لوگ تھے۔ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہ تھی تو وہ کس کتاب میں لکھا ہوا دکھا سکتے تھے جو وہ کہہ رہے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ براہ راست تمہارا کوئی آدمی اللہ سے ملا ہے اور اس نے اس سے قسمیہ طور پر قیامت تک کے لیے یہ عہد و پیمان لے لیا ہو تو آخر وہ تمہارا نمائندہ جو اللہ سے ملا ہو کون ہے؟ اس کی صورت ہمیں دکھاؤ۔ یا نہ عقل کی بنا پر تمہارا یہ فیصلہ ہے، نہ کسی کتاب آسمانی میں تم نے یہ لکھا ہوا پایا ہے۔ نہ تم میں سے کسی نے منہ در منہ اللہ سے یہ عہد لیا ہے۔ تو اچھا ایک صورت یہ ہے کہ خود تم میں اس کے کچھ شریک کار ہیں جو خود ایسے فیصلے کرتے ہیں اور خدا ان کے فیصلوں کا پابند ہے؟ تو وہ شریک کا اس کے کون ہیں؟ انہیں ہمارے سامنے لاؤ۔ یہ ایسے جھوٹے تھے کہ ڈھٹائی کے باوجود ادعاء بھی وہ ان کے پیش کرنے سے قاصر تھے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾

"جس دن بڑی سختی کا ہنگام ہوگا اور کہا جائے گا سجدہ کرنے کو تو وہ سجدہ نہیں کریں گے ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی، ذلت ان پر چھائی رہی ہوگی حالاں کہ انہیں سجدے کی دعوت دی جاتی تھی اس وقت جب صحیح سالم تھے"۔

اس آیت میں لفظ ساق متشابھات میں سے ہے جس کے لیے روایتی دنیا میں آ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی پر سے پردہ ہٹائے گا اور کہا جائے گا کہ سجدہ کرلیکن خداوند عالم کے جسم اور جسمانیات سے بری ہونے کی بنا پر قرآن مجید میں ان الفاظ سے کہ یکشف عن الساق جس کا لفظی ترجمہ یہی ہوا کہ پنڈلی کو کھولا جائے گا، یہ مفہوم نہیں سمجھا جا سکتا کہ خدا تعالیٰ خود اپنی پنڈلی کھول کر اہل محشر کو سجدے کی دعوت دے گا بلکہ کلام عرب میں یہ محاورہ ہے کہ سختی اور پریشانی کے موقع کا تصور پیدا کرنے کے لیے کشف ساق کی لفظ استعمال کرتے ہیں کیوں کہ پریشانی کے وقت گھبراہٹ میں راستہ طے کرتے ہیں، دامن اٹھا کے اس طرح پنڈلیاں نمایاں ہو جائیں قرآن مجید میں اس موقع کی سختی کے اظہار میں بطور کنایہ ان لفظوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ بہرحال یوں تو قیامت پوری ہی شدت وہول کا مرقع ہے مگر یہ خاص موقع کوئی ایسا ہوگا جب یہ معاملہ پیش آئے گا۔ حکم الٰہی ہوگا کہ سجدہ کرو، مومنین جو صدق دل سے دنیا میں سجدہ ریز رہے تھے بلا توقف سجدے میں پیشانی رکھ دیں گے مگر منافقین جو دنیا میں سجدہ کرتے ہی نہ تھے یا کرتے بھی تھے تو بجبر و اکراہ نمائشی طور پر وہ اس وقت چاہیں گے کہ اظہار عبودیت کے طور پر سجدہ کریں مگر ان کی پشت مثل تختے کے سخت ہو جائے گی وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔

www.kitabmart.in

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾
وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾

”تو وہ چھوڑ دو مجھے اور انہیں جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں۔ ہم انہیں رفتہ رفتہ تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کی انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، یقیناً میری چال مضبوط ہوتی ہے۔“

یعنی کافروں کو اور رسولؐ کے پیغام حق کے جھٹلانے والوں کو جو نعمتوں کی بظاہر بارش ہو رہی ہے اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے یہ عذاب الٰہی کی ایک صورت ہے کہ یہ اس کی نافرمانی کرتا ہے اور پھر وہ اسے ایک نعمت دے دیتا ہے۔ اس طرح اس کی خدا فراموشی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور آخر میں ایک دم وہ عذاب آجاتا ہے جاوہ اپنے کفر اور معصیت کی وجہ سے مستحق تھا۔ اس کو قران مجید نے استدراج اور املاء کی لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ اور اسی کو اپنے چال کہا ہے کہ وہ بے پناہ ہوتی ہے۔

اَمْ تَسْـَٔــلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ
يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

”تو کیا آپ ان سے کسی اجرت کے طلب گار ہیں کہ یہ مالی نقصان کے تصور سے زیر باری محسوس کر رہے ہیں یا ان کے پاس غیب کی خبریں ہیں جنہیں یہ لکھا کرتے ہیں“۔

یہ اب پھر گزشتہ انکاری سوالوں کے سلسلے کی دو کڑیاں آگئی ہیں کہ آخر وہ آپ کے پیغام حق سے اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟ کیا سمجھتے ہیں کہ اگر وہ آپ کو سچا رسول مان لیں گے تو ان سے آپ اپنے ہدایت پر کوئی ایسا مالی معاوضہ طلب کریں گے جس سے ان کی جیبوں پر بہت بڑا بوجھ پڑیگا اور وہ اس بار کو برداشت نہیں کر سکیں گے، تو یہ غلط ہے آپ ان سے کسی مالی معاوضہ کے طلب گار نہیں ہیں آپ تو انہی کی بہبودی کے لیے خالصاً لوجہ اللہ یہ سب مصائب برداشت کر رہے ہیں تو وہ پھر آپ کی مخالفت کیوں کر رہے ہی۔ اچھا تو کیا انہیں غیب پر کوئی دسترس حاصل ہو گیا ہے اور انہیں ذاتی طور پر علم ہو گیا ہے کہ اللہ نے آپ کو رسول نہیں بنایا ہے اور آپ کا دعویٰ سچا نہیں ہے؟ تو یقیناً ایسا بھی نہیں ہے۔ ہر پھر کر نتیجہ یہ ہے کہ ان کی مخالفت بے بنیاد ہے اور وہ بلا وجہ آپ کے پیغام کی مخالفت میں اتنی شدت کے ساتھ گرم ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَآ
اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰىهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ
مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾

”تو اپنے پروردگار کے فیصلے کے مطابق ضبط و صبر سے کام لیجیے اور مچھلی والے (یونسؑ نبی) کی طرح نہ ہو جائیے جب کہ انہوں نے پکارا اس عالم میں کہ وہ غم و رنج میں گرفتار تھے اگر خبر نہ لیتی ان کی ان کے پروردگار کی طرف سے مہربانی تو وہ پھینکے جاتے بے آب و گیاہ کھلے ہوئے میدان میں اس حالت میں کہ وہ مذمت میں گرفتار ہوتے (مگر) اب ان

www.kitabmart.in

کے پروردگار نے انہیں منتخب افراد میں شامل رکھنے کے ساتھ نیکوکار بندوں میں داخل رہنے دیا"۔

یعنی اللہ نے جس طرح ان کے عذاب کا فیصلہ کیا ہے، اس کا وقت آنے تک ضبط و تحمل کے دامن کو تھامے رہیے اور اس طرح جلد بازی سے کام نہ لیجیے جیسا یونسؑ پیغمبر نے کیا تھا، اس واقعہ کی بہت سی کڑیاں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر پہلے آتی رہی ہیں۔ قوم کی مخالفت سے گھبرا کر انہوں نے بے تابی کے ساتھ بددعا کر دی۔ خالق نے بتلایا کہ فلاں دن ان کی طرف عذاب بھیجا جائے گا چنانچہ اس دن سے پہلے آثار عذاب رونما ہو ہی ہوئے ....اس پر ان لوگوں نے بڑے خاص طریقہ پر صدق دل سے توبہ کر لی۔

حضرت یونسؑ کے ترک اولیٰ کا اظہار

حضرت یونسؑ بجائے اس کے کہ اتنے بندگان خدا کے ہدایت یافتہ ہونے سے خوش و مسرور ہوتے اپنی بات جانے کی شرمندگی اور غصہ سے انہوں نے طے کر لیا کہ ان کی طرف واپس نہیں جاؤں گا۔ وہ دریا کے کنارے آئے اور پھر ایسا ہوا کہ کشتی کے دوسرے لوگوں نے دریا میں پھینک دیا اور حکم الٰہی سے انہیں فوراً ایک مچھلی نے نگل لیا۔ اب مچھلی کی پیٹ میں جا کر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اب قرآن مجید میں اس واقعے کی یہ کڑی ہے کہ انہوں نے پکارا............کس طرح پکارا؟ اس کا ذکر سورۂ انبیا میں ہے کہ انہوں نے کہا:

لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۸۷

کوئی خدا نہیں سوا تیرے، یقیناً میں قصوروار ہوں" (انبیاء۔۸۷)

اس پر ان کی توبہ قبول ہوتی۔ اسی کو قرآن مجید نے کہا ہے کہ اگر پروردگار کی طرف سے مہربانی انکے شامل حال نہ ہوتی تو وہ پھینکے جاتے بے آب و گیاہ کھلے ہوئے میدان میں اس حالت میں کہ وہ مذمت میں گرفتار ہوتے۔ اب یہاں ایک شبہہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ صافات آیت ۱۴۳، ۱۴۴ میں ہے کہ:-

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ۝ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ

اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو اس کے شکم میں قیامت تک رہتے۔

بظاہر اس محل پر جو کہا جا رہا ہے، یہ اس کے خلاف ہے۔ اس کا جواب بعض اہل نظر نے یہ دیا ہے کہ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ کے معنی یہ ہیں کہ اپنی تمام زندگی میں جو اس مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے تھی اگر وہ تسبیح الٰہی کرنے والوں میں نہ ہوتے تب تو قیامت تک اس مچھلی کے شکم میں رہتے اور یہاں جو کہا جا رہا ہے وہ اس وقت کی تسبیح ہے جو بطور توبہ ہے یہ کہ اگر اللہ کی قبول توبہ کے ساتھ رحمت شامل حال نہ ہوتی تو وہ چٹیل بیابان میں پھینکے جاتے حالت ندامت میں ....یعنی وہ پوری زندگی کی تسبیح تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہنے سے مانع تھی اور اس توبہ نے چٹیل بیابان میں پھینکے جانے کے ساتھ مذموم صورت میں ہونے سے انہیں بچایا۔

وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝۵۱ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝۵۲

"اور یقیناً جو کافر ہیں وہ اس وقت جب سنتے ہیں اس قرآن کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی (تیز) نظروں (کے

www.kitabmart.in

زور سے) تزلزل کردیں گے اور وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ دیوانہ ہے، حالاں کہ وہ نہیں ہے مگر نصیحت تمام جہانوں کے لیے“۔

یعنی نگاہیں ان کی ایسی تند و تیز آپ پر پڑتی ہیں کہ کوئی اور ہو تو ان نگاہوں کی شدت سے خوفزدہ ہو کر اپنے موقف کو چھوڑ دے جیسا کہ کہا گیا ہے:۔

”گھور گھور کر دیکھتے کہ ڈر کر چھوڑ دے“ (موضح القرآن) بعض نے کہا ہے کہ نظریں ایسی ہیں جیسے وہ ان نگاہوں سے آپ کو پیوند زمین کر دیں گے جس کے لیے علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی قدیم مفسر زجاج کے الفاظ نقل کئے ہیں کہ:۔

هذا مستعمل فی الکلام یقولون نظر الی فلان نظراً یکاد یصرعنی و نظراً یکاد یأکلنی (مجمع البیان)

اس نے میری طرف ایسی نگاہ سے دیکھا کہ قریب تھا مجھے زمین پر گرا دے اور ایسی نگاہ سے کہ قریب تھا مجھے کھا جائے۔

بعض علماء و مفسرین نے اس ذیل میں نظر بد اور اس کے اثرات کا ذکر کیا ہے یقیناً نظر بد جسے اردو میں نظر لگانا بھی کہتے ہیں اس کی تاثیر نا قابل انکار ہے جس کے لیے احادیث بھی ہیں اور مشاہدہ میں آئے ہوئے واقعات بھی مگر مخالفت اور شدت عداوت کے ساتھ اس قسم کی نگاہ کا مجھے کوئی ربط محسوس نہیں ہوتا۔ پہلی قسم کی نگاہ مزاج مخالفت کے ساتھ زیادہ سازگار ہے۔

سُوۡرَةُ الۡحَاۤقَّةِ

مکیّہ......۵۲......آیت

الحاقۃ کے لفظ ہی سے سورہ شروع ہوا ہے اور وہی اس کا نام ہو گیا ہے۔

سورۂ حاقۃ کے خاص خاص مضامین:

۱......قیامت کے ناموں میں سے دو الحآقہ اور القارعہ۔

۲......قیامت کا آنا یقینی۔

۳......قیامت کے جھٹلانے والے کا مختصر طور پر انجام۔

۴......قیامت کا ہولناک موقع۔

www.kitabmart.in

۵......حاملان عرش۔

۶......نامۂ اعمال۔

۷......فرد قرار داد جرم۔

۸......رسول اگر رسالت کا غلط دعویٰ کرتے تو انہیں سخت سزا دی جاتی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ۝١ مَا الْحَآقَّةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝٣

''وہ ہو کے رہنے ولی بات، کیا ہے وہ ہو کے رہنے والی بات۔ اور تمہیں کیا خبر کہ وہ ہو کے رہنے والی بات کیا ہے؟''

یعنی وہ ہو کے رہنے والی بات جس کا نام قیامت ہے علم و تصور سے بہت بالا تر چیز ہے۔ اس اظہار اہمیت کے ساتھ سننے والوں کو بعد والے مضامین کے بتوجہ سننے کی تحریک ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝٤ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝٥ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝٦ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝٧ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝٨

''قبیلہ ثمود اور عاد نے اس تباہ کن ساعت (قیامت) کو جھٹلایا تو ثمود جو تھے وہ بڑی زبردست آفت سے ہلاک کیے گئے اور عاد کے لوگ ہلاک کیے گیے ایک بہت تیز و تند سرد آندھی سے، جسے اس نے ان پر قائم رکھا گیا لگا تار سات ۷ رات اور آٹھ دن، تو تم (ہوتے) تو دیکھتے ان لوگوں کو زمین پر گرا ہوا اس طرح جیسے کھجور کے درخت کے اندر سے کھوکھلے تنے ہوں تو کیا تمہیں ان میں سے باقی رہنے والا کوئی بھی نظر آئے گا؟''۔

قبیلۂ ثمود کی ہلاک کرنے والی آفت کو قرآن نے دوسرے مقامات پر مختلف حالات کے لحاظ سے کہیں صیحۃ یعنی سخت مہیب اور ہولناک آواز بتایا ہے اور کہیں صاعقہ یعنی گرنے والی بجلی اور کہیں رجفۃ یعنی سخت زلزلہ کہا گیا ہے۔ اسی کو یہاں الطَّاغِيَةِ کہا گیا جس کا ترجمہ ہم کیا زبردست آفت، بظاہر یہ زبردست آفت کوئی ان تینوں باتوں سے الگ چوتھی بات نہیں ہے بلکہ انہی باتوں کی مجمل تعبیر ہے۔ آخر میں جو سوال ہے وہ صرف ایک انداز ہے اس امر کے اظہار کا کہ ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس وقت والے اس وقت کہاں تھے جو یہ دیکھتے کہ کوئی باقی رہا یا نہیں۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ

www.kitabmart.in

فَاَخَذَهُمۡ اَخۡذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ حَمَلۡنٰكُمۡ فِى الۡجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾ لِنَجۡعَلَهَا لَكُمۡ تَذۡكِرَةً وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾

''فرعون اور اس کے پہلے والوں اور (قوم لوطؑ کی) تہہ و بالا ہو جانے والی بستیوں (کے لوگوں نے) یہی غلطی کی اور اس طرح اپنے پروردگار کے پیمبر کی نافرمانی کی تو اس (خدا) نے انہیں حد سے زیادہ سخت گرفت میں لے لیا، جب پانی کا زور ہوا تو ہم نے تم لوگوں کو کشتی پر سوار کیا، تاکہ اسے تمہارے لیے یادگار واقعہ بنائیں اور اسے محفوظ رکھیں محفوظ رکھنے والے کان''۔

فرعون اور ان قوموں کے عذاب کا تو بالکل مبہم طریقہ پر ذکر ہے اور پھر قوم نوحؑ کے عذاب کا جو طوفان کے ساتھ تھا نوعیت کے تعین کے ساتھ تذکرہ ہے کہ وہ پانی کے ساتھ تھا اور پھر کشتیٔ نجات کو یاد دلایا گیا ہے۔ تفصیلات اس کے بھی قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر ہیں۔ اصل میں بیان عذابوں کا براہ راست ذکر مقصود نہیں ہے بلکہ اسی قیامت کی اہمیت دکھانا ہے کہ اسی کے انکار سے یہ قومیں عذاب میں مبتلاء ہوئیں اور تباہ و برباد ہوئیں۔ اب تم اس جرم کے مرتکب نہ ہو۔ یہ لوگ جو اس وقت ہیں اس دور میں نہ تھے جب وہ کشتی بنائی گئی تھی مگر چونکہ یہ انہی کی نسل سے ہیں جو اس کشتی پر سوار ہوئے تھے، اس لیے ان سے کہا گیا ہے کہ تم کو ہم نے اس کشتی پر سوار کر کے ساحل زندگی تک پہنچایا ورنہ آج تمہارا وجود نہ ہوتا۔

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوۡرِ نَفۡخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوۡمَئِذٍ وَّقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِىَ يَوۡمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّالۡمَلَكُ عَلٰٓى اَرۡجَآئِهَا ؕ وَيَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّكَ فَوۡقَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوۡمَئِذٍ تُعۡرَضُوۡنَ لَا تَخۡفٰى مِنۡكُمۡ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

''توجب ایک دفعہ صور پھونکا جائے گا اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی ضرب میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا تو اس وقت وہ ہو جانے والی بات ہو جائے گی اور آسمان شق ہو جائے گا، اس کا نظام اس وقت بالکل سست ہو جائے گا اور فرشتے اس کے اطراف میں ہوں گے اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس دن کے اوپر آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے، اس دن تم سب کی پیشی ہوگی اس طرح کہ تمہاری کوئی بات چھپی نہ رہے گی''۔

یہ ایک دفعہ والا ''صور'' اسے کوئی کہتا ہے کہ پہلا صور اور کوئی کہتا ہے کہ آخری............''ایک ہی ضرب میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا''۔ یہ ایک تصور کی بنا پر ترجمہ ہے............دوسری تشریح یہ ہے کہ پہاڑ منتشر ہو کر ہوا ہو جائیں گے اور پوری زمین ایک ہوگی یعنی اس میں نشیب و فراز نظر نہیں آئے گا جیسے دوسری جگہ کہا گیا ہے:۔

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفۡصَفًا ... لَّا تَرٰى فِيۡهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمۡتًا۔ (طٰہٰ-۱۰۵،۱۰۶)

چٹیل بیابان جس میں کہیں اور بلندی دکھائی نہ دے گی۔ عرش کو آٹھ اٹھائے ہوں گے، بالکل لفظی ترجمہ تو صرف یہی ہے۔ زیادہ جو معنی

www.kitabmart.in

ذہن میں آتے ہیں وہ یہی کہ آٹھ فرشتے جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا اور کہا گیا ہے کہ یوں تو حاملان عرش چار ہیں مگر اس دن کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے اٹھانے میں چار فرشتے اور شریک ہوں گے۔ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی ایک قول یہ ہے کہ آٹھ صفیں ملائکہ کی اٹھائے ہوئے ہوں گے جن کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے اسے علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مجمع البیان میں نقل کیا ہے...... بہرحال وہ آٹھ عدد فرشتے ہوں یا آٹھ صفیں ہوں اور بے شمار فرشتے ہوں...... جو بات ماننا ناگزیر ہے وہ یہ کہ اس سے صرف عرش الٰہی کی عظمت اور اہمیت کو دکھانا مقصود ہے...... جس سے جلال الٰہی کا اثر ذہن پر پڑے...... لیکن یہ بات ماننا صحیح نہیں ہے کہ خود خداوند عالم اس عرش پر ہوگا اس لیے کہ وہ جسم و جسمانیات سے بری ہے...... وہ نہ آج اس عرش پر بیٹھا ہے جسے چار اٹھائے ہوئے ہیں اور نہ اس دن جب کہ آٹھ یا بے شمار اٹھائے ہوں گے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ
مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

''تو جیسے اس کا نامہ عمل دائیں ہاتھ میں دیا جاگا، وہ کہے گا آؤ پڑھو میرا نامہ عمل میں خوب جانتا ہے رہا کہ مجھے حساب دینا ہے تو یہ شخص اپنی پسند کے عیش و آرام کی زندگی میں ہوگا، بلند منزل بہشت میں جس کے بالکل تیار پھل لٹکے ہوئے ان کے نزدیک ہوں گے خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیوان نیک کاموں کی بدولت جو تم گزرتے ہوئے دنوں میں کرتے رہے''۔

چونکہ نامۂ اعمال کا اپنے ہاتھ میں دیا جانا خود اس کی علامت ہے کہ وہ نیکوکار ہے اور اسے برزخ کی زندگی ہی میں جو موت سے لے کر قیامت تک کا دور ہے برابر رحمت الٰہی کے آثار اپنی نسبت نظر آتے رہے تھے، اس لیے بغیر خود پڑھتے ہوئے وہ خوشی خوشی دوسروں کی طرف اس نامہ اعمال کو بڑھا جائیگا کہ پڑھو میرا نامہ عمل میں نے ہمیشہ دنیا میں یاد رکھا کہ مجھے ایک دن اپنے پروردگار کو حساب دینا ہے، تو آج دیکھو میرا حساب کیسا صاف ہے۔ اب فوراً قدرت کی طرف سے اسے بہشت عنبر سرشت میں بھیج دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ یہ نعمات بہشت تمہارے لیے موجود ہیں، اس پاک صاف زندگی کے لحاظ سے جو اپنے سابق دور حیات میں تم بسر کرتے رہے۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ
مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ
سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا
سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾

''اور جسے اس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا کاش میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا جاتا اور مجھے خبر نہ ہوتی کہ میرا حساب کتاب کیا ہے؟ کاش پہلے مجھے موت آئی تھی وہی بس فیصلہ کن ہوتی (ہائے) میرے مال

www.kitabmart.in

نے مجھے کوئی فائدہ نہ دیا، میرا اثر اور اقتدار بھی سب برباد ہوگیا، پکڑواسے اور ہاتھوں کو گردن سے ملا کر جکڑ دو، پھر دوزخ کی آگ میں ہمیشہ کے لیے ڈال دو، پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے، اسے باندھ دو۔"

لَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ''کا ایک مطلب یہ ہے جس کے مطابق ترجمہ کیا گیا کہ یہ اس آرزو کا جو ہے کہ کاش میرا نامہ عمل مجھے نہ دیا جاتا، اسی پر عطف ہے یعنی کاش مجھے خبر نہ ہوتی کہ میرا حساب کتاب کیا ہے؟ اس لیے کہ اس میں سوا بداعمالیوں کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں نے دنیا میں کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ میرا حساب کتاب ہوگا، مقابل میں ان کے تو دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال لینے والے نے کہا تھا کہ میں پہلے ہی یقین رکھتا تھا کہ میرا حساب ہوگا۔ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ کا بھی یہ ایک ترجمہ ہے کہ میرا اثر و اقتدار سب برباد ہوگیا۔ دوسری تشریح کے مطابق کہ سلطان کے معنی دلیل وحجت کے ہوں ترجمہ یہ ہوگا کہ میری بحث و حجت سب ختم ہوگئی یعنی دنیا میں خوب اپنی صفائی پیش کیا کرتا تھا۔ اب آج اپنی صفائی کے لیے میرے پاس کوئی دلیل و حجت نہیں جسے میں پیش کر سکوں۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾

"یہ اللہ پر جو بزرگ و برتر ہے ایمان نہ رکھتا تھا اور کسی غریب کو کھانا دینے کی تحریک نہیں کرتا تھا تو آج اس کا کوئی مددگار نہیں ہے اور نہ زخموں سے بہتے ہوئے مواد کے سوا اس کی کوئی غذا ہے جسے نہیں کھانا پڑتا سوا خطا کاروں کے کسی کو"۔

یہ ان احکام کے ساتھ کہ "پکڑو جکڑو اور زنجیر پہناؤ اور آگ میں جھونکو" اب خالق کی طرف سے ان سزاؤں کی بنیاد کا بیان ہے جسے سمیٹ کر دو جملوں میں ادا کیا گیا ہے۔ "اللہ پر ایمان نہ رکھتا تھا" اس اجمال میں ایمان کے جتنے تقاضے ہیں، ان کے پورے نہ کرنے کی تفصیل درج ہے۔ اس طرح حقوق اللہ کا ادا نہ کرنا ہے۔ اور پھر طعام مسکین" والے جملے میں حقوق الناس کا ادا نہ کرنا ہے۔

"کسی غریب کو کھانا دینے کی تحریک نہیں کرتا تھا" اس میں آسان کی نفی کے ساتھ بدرجہ اولیٰ "مشکل" کی نفی مقصود ہے یعنی زبان کا ہلانا تو خود عمل کی بہ نسبت آسان ہوتا ہے۔ وہ خود بھلا کسی غریب کو کھانا کیا دیتا کسی دوسرے سے تحریک کرنا بھی اسے گوارا نہ تھا۔ اس آئینہ میں جو قرآن نے پیش کیا ہے ہر آدمی جوایسا ہو اپنا چہرہ پیش دیکھ سکتا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾

"تو نہیں میں قسم کھاتا ہوں اس کی جو تمہیں دکھائی دیتا ہے اور جو تمہیں دکھائی نہیں دیتا، یقیناً ایک معزز پیغام رساں کا قول ہے، کسی شاعر کا کلام نہیں ہے، تم لوگ بہت کم ایمان لاتے ہو، نہ وہ کسی کاہن کی گفتگو ہے۔ بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو، وہ اتارا ہوا ہے تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے"۔

www.kitabmart.in

متعدد جگہ قرآن میں اقسم سے پہلے لا آیا ہے، ان مقامات پر ایک تصور تو یہ ہے کہ لا زائد ہوتا ہے یعنی لا اقسم کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ''میں قسم کھاتا ہوں'' لا کے کچھ معنی نہیں ہوتے۔ اس پر مخالفین اسلام معترض ہوتے ہیں کہ مسلمانوں کے قرآن میں معاذ اللہ بے معنی حروف ہیں۔ اس اعزاز سے گھبرا کر ہی نہیں بلکہ پہلے بھی بعض اہل نظر قرآن میں حروف زائدہ کے منکر ہوئے ہیں اور اس سلسلہ میں علامہ بلاغی کے افادات ہم نے مقدمہ تفسیر میں درج کیے ہیں۔ رسولؑ یعنی معزز پیغام رساں سے مراد یہاں بقرینہ مقام حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مراد ہیں، بے شک بعض جگہ اس کا اطلاق حضرت جبرئیلؑ امین پر ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ کے پاس اللہ کا پیغام لاتے ہیں مگر یہاں وہ مراد نہیں ہیں کیوں کہ شاعر اور کاہن وغیرہ وہ لوگ جبرئیل کو نہیں کہتے تھے حضرت ہی کو کہتے تھے، یوں حقیقت میں جبرئیل کی طرف اور کہیں حضرتؐ کی طرف کلام کی نسبت ویسی ہی ہے جیسے قرآن مجید میں توفی یعنی قبض روح کی نسبت کہیں ملائکہ کی طرف دی گئی ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ: (انسآء۔۹۷): اور کہیں ملک الموت کی طرف قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (سجدہ۔۱۱) لیکن حقیقت میں وہ فعل اللہ کا ہے، جبکہ ارشاد ہوا، اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (زمر۔۴۲) اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف قول کی نسبت اس لیے ہے کہ لوگوں تک وہ آپ کے ذریعہ سے پہنچتا تھا اور جبرئیلؑ کا قول تھا اس لیے کہ حضرتؐ تک وہ ان کے ذریعہ سے پہنچتا تھا لیکن اصل میں وہ اللہ کا قول ہے۔ اسے آخر کے جملے سے ظاہر کیا گیا ہے وہ اتارا ہوا ہے تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے، لہٰذا حقیقت میں وہ کلام الٰہی ہے۔ نہ وہ کلام جبرئیلؑ ہے اور نہ کلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

''اور اگر وہ ہم پر کوئی قول خود بنا کر منڈھتا ہے تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑتے، پھر اس کی رگ حیات کو کاٹ دیتے تو تم میں سے کوئی اس کے آگے سدّ راہ نہیں ہو سکتا تھا اور بلاشبہ یہ نصیحت ہے پرہیز گاروں کے لیے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بہت سے جھٹلانے والے ہیں اور یقیناً یہ غم وغصہ کا باعث ہے کافروں کیلئے اور بلاشبہ وہ بالکل یقینی حقیقت ہے تو آپؐ (ان کی پروا نہ کیجیے) اپنے پروردگار بزرگ کی تسبیح کرتے رہیے''۔

سابق جو کہا گیا تھا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہے، اسی پر زور دینے کے لیے کہا جا رہا ہے کہ بھلا کیا مجال کہ یہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر اس قول کو ہماری طرف منسوب کرے اگر وہ ایسا کرے تو ہم اس کو تمہارے سامنے سخت سزا دیں جس سے کوئی اسے بچا نہیں سکتا۔ یہ خاص حضرتؐ کی حقانیت کو بتاکید ظاہر کرنے کے لیے ایک انداز بیاں ہے، اس میں کسی عام اصول کا اعلان نہیں ہے کہ جو غلط دعویٰ نبوت کا کرے ہم اس کے ساتھ یہ سلوک کریں گے جب کہ اس غلط دعویدار کے دعوے کے غلط ہونے کے لیے پہلے سے ثبوت موجود ہو جیسے مسلم الثبوت سابق رسول کا اعلان کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ ایسے دعویدار کی حقانیت کے لیے اس اعلان قرآن سے استدلال درست نہیں ہے۔

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ

مکیّہ......۴۴......آیات

بالکل آغاز میں ہی نہیں مگر شروع ہی کے حصے میں المعارج کی لفظ ہے،اس پر سورے کا نام ہوا۔

سورۂ معارج کے خاص خاص مضامین:

۱......پچاس ہزار برس کا ایک دن،
۲......قیامت کا ہولناک منظر۔
۳......نفسی نفسی کا عالم۔
۴......انسان کی طبعی کمزوریاں۔
۵......مستثنیات۔
۶......سچے نمازیوں کے اوصاف۔
۷......خدا کے دائرہ کار سے کوئی نکل نہیں سکتا۔ وغیرہ وغیرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنانے والا بڑا مہربان ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾

”ایک طلب کرنے والے نے طلب کیا اس عذاب کو جو ہونے ہی والا ہے کافروں کے لیے،اسے کوئی ٹالنے والا نہیں ہے،اللہ کی طرف سے جو بلندی کے زینوں کا مالک ہے“

سوال کے ایک معنی تو پوچھنے کے بھی ہوتے ہیں اور اس لیے ایک تفسیر اس آیت کی یہ ہوئی ہے کہ ایک شخص نے دریافت کیا ہے اس عذاب کے متعلق جو آنے والا ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دریافت کیا ہے؟ دوسرے مقامات پر جو کفار کی گفتگو میں ہیں،ان کی بنا پر تو پوچھنے کا تعلق اس کے وقت سے ہونا چاہیے کہ آخر وہ کب آئے گا جیسے وہ قیامت کے لیے کہتے تھے مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ.(سورہ یٰسٓ۔ملك۔سبأ۔نمل) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو“ مگر یہاں اس کے بعد بلا فاصلہ للکافرین کی لفظ ہے لہٰذا کہا

www.kitabmart.in

جا تا ہے کہ وہ یہ دریافت کرتے تھے کہ یہ عذاب آخر کن پر ہوگا؟ اس کا جواب دیا گیا للکافرین ''وہ عذاب کافروں کے لیے ہے''......میرا ذہن یہ کہتا ہے کہ اس صورت میں کہ یہ اس کا جواب ہے اس کے پہلے بعذاب واقع کی لفظ پر کسی وقف کی علامت ہونا چاہیے، نہ کہ لا جو عدم وقف کا رمز ہے لہٰذا اگر یہ سوال پوچھنے کے معنی میں ہے تو اس کا تعلق وقت ہی سے ہونا چاہیے کہ وہ کب ہوگا؟ اور پھر اس کا جواب بعد میں یہ ہوگا کہ وہ قیامت کے دن ہوگا جو ایسا ہولناک ہے۔

اس تفسیر کے برخلاف دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ سوال پوچھنے کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ طلب کرنے کے معنی میں ہے جیسا کہ دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے کہ ایک کافر نے کہا کہ:۔

اللّٰھُمَّ اِنۡ کَانَ ھٰذَا ھُوَالۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ (الانفال ۳۲۔)

''پروردگارا! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا (خداوندا) اور کوئی دردناک عذاب لے آ''۔

چونکہ زیادہ تر مفسرین اسی تفسیر کے حق میں ہیں لہٰذا ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے اور وہ ہمارے یہاں کی ایک روایت کے موافق بھی ہے جسے علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع البیان میں اپنی سند خاص سے امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی درج کیا ہے کہ روز غدیر ولایت امیر المؤمنین علیہ السلام کے اعلان کے بعد نعمان بن حارث فہری حضرت رسول اکرمؐ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ یہ اعلان کیا؟ اللہ کی طرف سے کیا۔ اپنی طرف سے نہیں تب اسی نے وہ کہا جس کا ذکر سورۂ انفال میں ہے اور اسی کا تذکرہ یہ سورہ معارج میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ اہل سنت کی تفسیر درمنثور میں بھی اس طرح کی روایت ہے۔

تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ اِلَیۡهِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ ۚ﴿۴﴾

''فرشتے اور روح اس کی بارگاہ میں بلندی کی منزلیں طے کرکے حاضر ہوں گے ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے''۔

پچاس ہزار برس کا ایک سال

یہ دن کون ہے؟ اس میں ایک تصور یہ ہے کہ اس سے روز قیامت مراد ہے جس کے بعد میں تعارف ہے اور اس کے کیفیات کا بیان ہے کہ وہ دن ایسا دن ہوگا اور پچاس سال کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس مدت کو دنیا کے دنوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ پچاس سال کی ہوگی نہ یہ کہ وہاں سورج اور چاند کی گردش سے ماہ وسال کی تشکیل ہوتی ہے اور بلندیاں طے کرکے ملائکہ اور روح کے اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب تمام عمر کائنات کے باہمی رشتے قطع ہو چکے ہیں اور سب کی رجوع اسی کی طرف ہو چکی ہے..................تمام فرشتوں کی بارگاہ میں حاضری کے لیے دو آیتیں اور ہیں۔

وَتَرَی الۡمَلٰٓئِکَۃَ حَآفِّیۡنَ مِنۡ حَوۡلِ الۡعَرۡشِ

''اور دیکھو گے فرشتوں کو گھیرا لگائے ہوئے عرش کے اردگرد،

www.kitabmart.in

يَوۡمَ يَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا

جس دن روح اور ملائکہ ایک صف میں کھڑے ہوں گے۔

اس کی تائید کہ اس سے قیامت مراد ہیں اس حدیث سے ہوتی ہے جو امالی شیخ میں ایسی سند کے ساتھ جو امام جعفر صادق علیہ السلام تک پہونچتی ہے وارد ہوئی ہے کہ قیامت میں پچاس موقف ہیں جن میں سے ہر ایک موقف دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے اور پھر حضرت نے اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ ۔ یہ حدیث روضہ الکافی میں بھی حفص بن غیاث کی روایت کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے وارد ہوئی ہے۔

دوسرا تصور یہ ہے کہ یہ اسی دور عالم سے متعلق ہے۔اب چونکہ ایک جگہ قرآن مجید میں ہے:۔

وَاِنَّ يَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ (حج۔۴۷)

یقیناً تمہارے پروردگار کا ایک دن ہزار برس کے برابر ہے۔

اور اسی طرح سورہ سجدہ آیت پانچ میں بھی ہے کہ ''ایک ایسے دن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے''۔اور یہاں پچاس ہزار برس کہے گئے ہیں تو کہا گیا ہے کہ یہ ہزار اور پچاس ہزار سب بطور مثال ہے'' ورنہ کائناتی منصوبے لاکھوں اور کڑوروں اور اربوں سال کے بھی ہوتے ہیں''۔

اس لیے قیامت کے آنے میں جلدی کا مطالبہ کرنا غلط ہے اور اس میں دیر کو اس کے سرے سے بے بنیاد ہونے کی دلیل قرار دینا محض جہالت ہے۔

روح سے مراد اور بظاہر تو جبرئیل امین ہی ہیں جن کے لیے سورہ شعراء آیت ۔۱۹۳۔۱۹۴ میں ارشاد ہوا ہے:۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ (الشعراء۔۱۹۳)

اسے روح امین نے آپ کے دل پر اتارا ہے'' اور سورہ بقرہ میں جبرئیلؑ کا نام لے کر کہا گیا ہے کہ نزله علیٰ قلبك'' انہوں نے آپ کے دل پر اسے اتارا ہے'' اور ملائکہ کے عمومی میں داخل ہونے کے باوجود نام لے کر انہیں الگ ذکر کرنا ان کی اہمیت اور خصوصی امتیاز و رفعت کے اظہار کے لیے ہے۔

علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ کے خیال میں ظاہر یہ ہے کہ روح سے مراد وہ روح ہے جسے سورۂ بنی اسرائیل آیت ۔۸۵ میں کہا گیا ہے کہ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّيۡ ہے کہ روح میرے پروردگار کے امر سے ہے'' اور یہ روح ملائکہ سے الگ ہے اور سورۂ نحل آیت ۲ میں ہے:۔ يُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ ''فرشتے روح کو اس کے علم امر سے اتارتے ہیں'' مگر یہ روح کیا ہے؟ اور وہ فرشتوں کے ساتھ جا کر عرش کے پاس کیوں کر کھڑی ہوتی ہے، یہ چیز پر تشنہ ہے۔

فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا جَمِيۡلًا ۝۵ اِنَّهُمۡ يَرَوۡنَهٗ بَعِيۡدًا ۝۶ وَّنَرٰىهُ قَرِيۡبًا ۝۷

''تو آپ اچھے طریقہ پر صبر و برداشت سے کام لیجیے، وہ لوگ اسے دور سمجھتے ہیں اور ہم اسے نزدیک جانتے ہیں''

چونکہ کافروں کی اس قسم کی باتوں سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت تکلیف ہوتی تھی لہٰذا کہا گیا ہے اور وہ درحقیقت بطور سرکشی و عنادا ذیت

www.kitabmart.in

پہنچانے کے لیے کہتے ہی تھے،اس لیے حضرت کواس پر صبرو برداشت سے کام لینے کے لیے کہا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ لوگ چونکہ حقیقت میں اسے بعیداز امکان سمجھتے ہیں اوراس کے وقوع پر یقین ہی نہیں رکھتے اس لیے مدت بھی انہیں دراز محسوس ہوتی ہے اور ہم یعنی خدااور رسول اور مؤمنین سب اس کے وقوع کو یقین جانتے ہیں اس لئے ہمارے لئے طول مدّت بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ عذاب ہو یا وہ دن کوئی بھی ہمارے نزدیک دور نہیں ہے۔ بلکہ قریب ہی ہے جیسے کل ہونے والی بات بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ وقوع میں آئی ہوئی بات۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ
حَمِيْمًا ﴿١٠﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ ﴿١١﴾
وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴿١٣﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ
يُنْجِيْهِ ﴿١٤﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿١٦﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ
فَاَوْعٰى ﴿١٨﴾

''جس دن آسمان مثل پگھلی ہوئی چاندی کے ہوگا اور پہاڑ مثل دھنکے رنگ برنگ اون کے ہوں گے اور کوئی دوست دوسرے دوست کو نہ پوچھے گا، حالاں کہ وہ انہیں دکھائے جا رہے ہوں گے۔ گنا ہگار شخص آرزومند ہوگا کہ کاش اس دن کے عذاب کے عوض میں وہ دے دیتا اپنے بیٹوں کو اور اپنی رفیقہ حیات کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے بہت قریبی خاندان کو جو اس کے لیے جائے پناہ تھا اور روئے زمین پر جتنے ہیں سب کو پھر یہ اسے چھٹکارا دیتا ہرگز نہیں یہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کا شعلہ ہے جو جوڑ بند کو الگ کردے گا وہ اپنی طرف بلائے گا اسے جس نے روگردانی کی اور پیٹ پھرائی اور دولت اکٹھا کی اور اسے محفوظ جگہوں میں رکھا''۔

مھل کے معنی پگھلا ہوا تانبا بھی کہے گئے ہیں، پگھلا ہوا سونا چاندی اور بعض نے کہا ہے پگھلی ہوئی مختلف دھاتیں لیکن زیادہ تر اس کے معنی پگھلی ہوئی چاندی ہی کے کہے گئے ہیں۔ اب یہ تشبیہ کس بات میں ہے؟ یہ مبہم ہے۔

قرآن مجید میں احوال قیامت میں آسمان اور پہاڑ ہر ایک کے مختلف مقامات پر مختلف کیفیات وارد ہوئے ہیں، یہ مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے جو صورتیں رونما ہوں گی وہ ہیں۔ جن میں سے کبھی کسی صورت کو بیان کر دیا گیا ہے اور کبھی کسی صورت کو۔ ان میں ترتیب قائم کرنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ ''دھنکے ہوئے رنگ برنگے اون'' کی طرح ہوں گے، چونکہ خود پہاڑوں کے مختلف رنگ ہیں۔ یہاں ''دھنکے ہوئے کی صفت لفظ عهن کے اندر مضمر ہے اور دوسری جگہ عهن کی لفظ کے معنی سے اس صفت کو نکال کر الگ سے اس کا وصف قرار دیا گیا ہے **كالعهن المنفوش** اور پھر ایک جگہ تو ہے کہ وہ مثل هبآءً منثورا ہو جائیں گے یعنی وہ بے حقیقت طرح کے ذرّے جو روشن دان وغیرہ سے جب دھوپ آ رہی ہو نظر آتے ہیں۔ کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا حالاں کہ وہ انہیں دکھائے جا رہے ہوں گے یعنی یہ نہیں ہے کہ وہ غائبانہ نہیں بھول گئے ہیں، ان کا خیال نہیں آتا۔ بلکہ وہ ان کے سامنے ہیں اور فرشتے انہیں توجہ دلا رہے ہیں کہ دیکھو تمہارا جگری دوست ہے مگر نفسی نفسی کا عالم وہ

ہوگا کہ کوئی ایک دوسرے کو نہ پوچھتا ہوگا کہ تم پر کیا گزری رہی ہے۔

توجیسا ہر جگہ قرآن مجید میں اہل دوزخ کے اوصاف میں حقوق الناس کی عدم ادائیگی کو اہمیت دی گئی ہے، وہ یہاں بھی ہے کہ وہ آگ انہیں اپنی طرف بلا رہی ہوگی جو پیسے بچا بچا کر رکھیں اور خیر وخیرات میں بخل سے کام لیں اور پھر بعد کی آیتوں میں بھی جو ابھی آئیں گی منفی اور مثبت دونوں طریقوں سے زور دیا ہے

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ
مَنُوعًا ﴿٢١﴾ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَالَّذِينَ فِي
أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ ﴿٢٤﴾ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ
الدِّينِ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿٢٧﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ
مَأْمُونٍ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٢٩﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ
أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْعَادُونَ ﴿٣١﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِينَ هُمْ
بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾ أُولَٰئِكَ فِي
جَنَّاتٍ مُكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾

”یقیناً انسان چھوٹے دل والا پیدا ہوا ہے جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو بے قرار ہوجاتا ہے اور جب کچھ دولت ہاتھ آتی ہے تو بخل سے کام لیتا ہے سوا ان نماز گزاروں کے جو ہمیشہ نماز کے پابند رہتے ہیں اور جن کے مال میں ایک مقرر حق ہے سوال کرنے والے اور نہ سوال کرنے والے محتاج کے لیے اور جو جزا وسزا کے دن کو سچ مانتے ہے اور جو اپنے پروردگار کے طرف کی سزا سے ڈرتے رہتے ہیں یقیناً ان کے پروردگار کی سزا ایسی ہے جس سے مطمئن نہیں ہونا چاہیے اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں سوا اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں ہیں کہ اس میں ان پر کوئی الزام نہیں ہے تو جو اس سے آگے بڑھے تو یہ لوگ ستم گار ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا لحاظ رکھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی گواہیوں پر برقرار رہتے ہیں اور وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ بہشتوں میں عزت کے ساتھ جاگزیں ہیں“۔

”چھوٹے دل کا ہونے“ کی تشریح وہی ہے جو خود قرآن میں اس کے بعد کے جملوں میں ہے کہ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو بے قرار ہوجاتا ہے، اس پر صبر نہیں کرتا اور جب کچھ بھی دولت ہاتھ آتی ہے تو بخل سے کام لیتا ہے اور چھوٹے دل کا پیدا کیا گیا ہے، اس کا یہ مطلب

www.kitabmart.in

نہیں کہ وہ اس طرح کی پیدائشی چیزیں ہیں کہ ان میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر اس سے استثنا کیوں ہوتا اس استثنا کے معنی ہی ہیں کہ انسان اپنی نفسانی خواہش کا مقابلہ کرکے ان طبعی میلانات کو مغلوب کرسکتا ہے۔

ان میں جوان برے اوصاف سے مستثنیٰ ہیں اول اور آخر نماز کا ذکر اس کی اہمیت کا ثبوت ہے پہلی جگہ با اعتبار زمانہ اس کی مداومت کا ذکر اس کی اہمیت کا ثبوت ہے پہلی جگہ باعتبار زمانہ اس کی مداومت کا ذکر ہے کہ وہ ناغہ نہیں کرتے اور آخر میں باعتبار کیفیت اس کی ادائیگی کا ذکر ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں یعنی اس کے شرائط وارکان کو صحیح طریقے پر انجام دیتے اور اسے ایسے رجوع قلب سے ادا کرتے ہیں کہ جو اس کے مقاصد ہیں وہ بخوبی پایہ تکمیل تک پہونچیں۔

''ان کے اموال میں ایک مقرر حق ہے'' چونکہ مقرر کی لفظ سے سمجھ میں یہ آتا ہے کہ قانون الٰہی یعنی شریعت کے لحاظ سے وہ حق مقرر ہے اور یہ زکوٰۃ میں ہوتا ہے کہ اس نصاب معین ہے اور اس کے لحاظ سے مقدار مقرر ہے کہ وہ ادا کرنا لازم ہے، اس لیے بعض لوگوں نے اسے اس سورے یا ان آیات کے مدنی ہونے کی دلیل قرار دیا ہے چونکہ فریضہ زکوٰۃ مدینہ میں عائد ہوا ہے مگر تقرر کی لفظ سے یہ سمجھنا ضروری نہیں ہے کہ وہ خالق کی طرف سے مقرر ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ انہوں نے خود طے کر رکھا ہے کہ اپنے اموال میں سے اتنا وہ ضرورت مند کی امانت میں صرف کریں گے، بعد میں فریضہ زکوٰۃ کی صورت سے اس کی شرح مقرر ہوگئی مگر اس کے بعد بھی اہل خیر کے لیے یہ دروازہ کھلا رہا ہے کہ وہ خود اس سے زیادہ امداد محتاجان میں صرف کریں۔

''اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے'' اس میں زناکاری سے بچنا بھی ہے اور عریانی سے بھی، اپنی امانتوں کا لحاظ رکھتے ہیں، ان میں وہ امانتیں بھی ہیں جو لوگ اس کے سپرد کرتے ہیں خواہ مال ہو یا کوئی منصب جو اسے تفویض کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اس سے مشورہ لے رہا ہے تو اس کے لیے بھی وارد ہے کہ **المتشار مؤتمن** جس سے مشورہ لیا جارہا ہے وہ بھی امانت ہے جو اسکے سپرد کی گئی ہے، اس کا لحاظ یہ ہے کہ صحیح مشورہ دیا جائے اور وہ امانتیں بھی جو خدا کی طرف سے اس کے حوالے کی گئی ہے۔ اس میں اللہ کی سب نعمتیں داخل ہیں کہ یہ انہیں صحیح مصرف میں صرف کرتا ہے یا نہیں اولاد ایک امانت ہے کہ یہ ان کی صحیح تربیت کریں۔ اعضاو جوارح بھی امانت ہیں کہ یہ انہیں انہی مقاصد میں صرف کرے جن سے عطا کرنے والا راضی ہے اور جو اس کا مقصد عطا ہے۔

عہد کا لحاظ رکھتے ہیں، اس میں ایک وہ عہد پیماں ہے جو یہ خود دوسرے لوگوں سے کرتا ہے اور ایک عہد وہ بھی ہے جو بندۂ خدا ہونے کے لحاظ سے اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ اس نے اللہ سے کیا ہے کہ یہ اس کے احکام پر عمل کرے گا۔

''جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں'' یعنی جن باتوں کے وہ شاہد عینی ہیں ان پر جب گواہی طلب کی جائے تو وہ بے کم کاست سچ سچ گواہی دیں، کسی قسم کی حق پوشی سے کام نہ لیں اور جن باتوں کی وہ دینی حیثیت سے گواہی دیتے ہیں ان پر اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں مثلاً توحید و رسالت اس کے تقاضوں پر عمل کرنا بھی گواہیوں پر قائم رہنے میں داخل ہے۔

فَمَالِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قِبَلَكَ مُهۡطِعِيۡنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيۡنَ ﴿۳۷﴾
اَيَطۡمَعُ كُلُّ امۡرِیٴٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّدۡخَلَ جَنَّةَ نَعِيۡمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ

www.kitabmart.in

مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

''تو کیا ہو گیا ہے لوگوں کو جو کافر ہیں کہ وہ آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں دائیں اور بائیں سے غول پر غول ؟ کیا ان میں سے ہر ایک یہ لالچ رکھتا ہے کہ وہ نعمتوں والے بہشت میں داخل کر دیا جائیگا ؟ ہرگز نہیں بلاشبہہ ہم نے انہیں پیدا کیا ہے اس سے جو وہ جانتے ہیں''۔

یوں تو یہ کہ دوڑے چلے آتے ہیں اسطرح ۔یہ منافقین کے حسب حال ہے جو اپنے نمائشی اسلام کے لیے اس طرح دوڑتے ہوئے رسولؐ کی طرف آتے ہیں جیسے بہشت کے سب سے حقدار وہی ہیں، اس لیے بعض حضرات نے اسے منافقین پر منطبق بتاتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سورہ مدینہ کا نازل شدہ ہے کیوں کہ منافقین کا گروہ مدینہ میں ہی پیدا ہوا تھا اور قرآن کا الذین کفروا ''وہ جو کافر ہیں'' کہنا اس کے منافی نہیں ہے کیوں کہ حقیقت میں تو منافق بھی دل سے کافر ہیں چنانچہ علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کل امرء منھم ''ان میں سے ہر شخص'' کے تحت میں لکھ دیا ہے مگر ایک تو سورہ بالاتفاق مکی ہے اور پھر منافقین کے لیے تو دوسری جگہ ہے کہ وہ نماز تک میں بڑی سستی کے ساتھ آتے ہیں تو وہ ذوق شوق سے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے کیوں آئیں گے؟

لہٰذا تمہارے لوگوں نے کہا ہے کہ یہ کافروں اور مشرکوں کا ذکر ہے کہ وہ رسولؐ کی دعوت تبلیغ کے وقت ادھر ادھر سے دوڑتے ہوئے آئے تھے رکاوٹیں پیدا کرنے کے لیے آپ کو طرح طرح سے پریشان کرنے کے لیے۔

آخر جملے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ اپنے کردار کے باوجود ان کا داعیہ یہ ہے کہ آخرت اگر کوئی چیز ہے تو وہاں بھی یہی آرام سے رہیں گے جیسا کہ اس کے پہلے سورہ قلم میں آچکا ہے مگر جنت تو ایمان اور عمل صالح سے وابستہ ہے اور اسی سے انسان میں وہ پاکیزگی آتی ہے کہ جنت میں جانے کا مستحق ہے۔اور پھر یہ اپنے کردار کے لحاظ سے اس نجاست پر قائم ہیں جو ان کے مبدأ خلقت والے نجس مادے کا تقاضا ہے تو وہ اس طاہرین ومطہرین والی جنت میں کیوں کر جا سکتے ہیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

''تو نہیں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے پروردگار کی کہ ہم اس پر قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے بدلے ان سے بہتر پیدا کر دیں اور ہمیں بے بس بنایا نہیں جا سکتا تو چھوڑ ئے انہیں کہ یونہی اپنی سرگرمیوں اور کھیل کود میں مصروف رہیں یہاں تک کہ ان کا سامنا ہو ان کے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ وعید کیا جا رہا ہے جس دن یہ

www.kitabmart.in

نکلیں گے قبروں سے تیزی کے ساتھ جیسے وہ بتوں کے معبودوں کے طرف دوڑتے ہیں، ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ،ذلت اور عاجزی ان پر چھائی ہوئی ہوگی، وہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ وعید کیا جارہا ہے"۔

قرآن مجید میں کہیں مشرق اور مغرب (واحد کے صیغے کے ساتھ) ہے تو وہ بظاہر ہے کہ اسی کرۂ ارض کے ایک حصے کے مشرق اور مغرب ہیں کہ جدھر سے آفتاب طلوع ہوتا ہے وہ مشرق ہے اور جدھر سے آفتاب غروب ہوتا ہے وہ مغرب ہے اور کہیں مشرقین اور مغربین (تثنیہ کی صورت میں) یہ لفظ ہے جس کے معنی ہیں دو مشرق اور دو مغرب ،اسے سابق زمانے میں یوں سمجھا جاتا تھا کہ یہ گرمی اور جاڑے کے لحاظ سے ہے کہ ان میں نمایاں طور پر موسم کے لحاظ سے محل طلوع اور محل غروب میں فرق ہوجاتا ہے اور اب یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کرۂ ارض کے دونوں طرف کے حصوں کے لحاظ سے ہے کہ جب اِدھر طلوع ہوتا ہے تو اُدھر غروب ہوتا ہے اور جب اُدھر طلوع ہوتا ہے تو اِدھر غروب ہوتا ہے اور یہاں مشارق اور مغارب (جمع کی صورت سے) جس کے معنی ہوئے بہت سے مشرق اور بہت سے مغرب ۔اسے یوں بھی سمجھا گیا ہے کہ ہر دن کا مشرق اور مغرب الگ الگ ہوتا ہے۔اور سورجوں کی کثرت کے لحاظ سے بھی وہ علم جدید کے مکتشفات میں سمجھا جاتا ہے لیکن ایمہ دینؑ نے پہلے ہی اس کا انکشاف کیا تھا جس پر مقدمہ تفسیر میں روشنی ڈالی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ جتنے سورج ہیں اتنے ان کے مشرق ہیں اتنے ہی ان کے مغرب ہیں۔

اب وہ بات ہے جو اس قسم کے ساتھ کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ قادر ہے کہ وہ ان سے بہتر پیدا کردے یعنی عذاب نازل کرکے اس پوری جماعت کا خاتمہ کردے اور ان کے عوض میں دوسرے خلق فرمادے جو اوصاف کے لحاظ سے ان سے بہتر ہوں۔

ان کے دوڑنے کی جو کیفیت بیان ہوئی ہے، وہ طنز یہ طور پر ہے کہ اس دنیا میں تو بڑے ذوق وشوق اور بڑی عقیدت کے ساتھ اپنے بتوں کی طرف جاتے ہیں۔اب اُس دن وہ قبروں سے نکل کر اور محشر کے حکم سے اُس کے قرار دیئے ہوئے مرکز حساب کی طرف اُسی تیزی سے جارہے ہیں جیسے کہ وہ اپنے بتوں کی طرف جاتے ہیں۔

نصب کی ایک تشریح ان نصب شدہ پتھروں یا ستونوں کے ساتھ کی گئی ہے جس کی طرف گھوڑا دوڑ کے میدان میں گھوڑے دوڑائے جارہے ہوں کہ ایک چاہتا ہے دوسرے کے آگے اس کو پھاند جائے ویسی تیزی کے ساتھ وہ اس وقت جارہے ہوں گے۔

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ نُوْحٍ

مکیّہ......۲۸......آیات

اس سورہ میں چونکہ شروع سے لیکرآخر تک حضرت نوحؑ ہی کا حال ہے، اس لیے اس سورے کا نام یہ ہوا۔

سورۂ نوح کے خاص خاص مضامین:

اس میں خالق کی طرف سے حضرت نوحؑ کا ہونا،ان کا پیغام۔اس پیغام پر قوم کا رویہ خود حضرت نوحؑ کی بارگاہ الٰہی میں مناجات کی شکل میں اور پھر ان کے لیے دعائے عذاب نتیجہ میں عذاب کا آنا اور اس کا مختصر بیان اور پھر آخر میں حضرت نوحؑ کی بارگاہ الٰہی میں دعا،بس انہی امور کا بیان ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے وا کا بڑا مہربان ہے''۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ①

''ہم نے بھیجا نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف کہ تم متنبہ کرو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آئے''۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کے آنے سے پہلے ہی اس قوم کا کفر و شرک اور بداعمالیاں انہیں عمومی طور پر عذاب الٰہی کا مستحق بنا چکی تھیں۔حضرت نوحؑ انہیں اس سے خبردار کرنے کے لیے آئے تھے۔اتمام حجت کے طور پر اور پھر اس لیے کہ ان میں سے کچھ ایمان لے آئے اور اپنی بداعمالیوں کو چھوڑ کر صحیح راستے پر آجائیں تو وہ اس عذاب سے محفوظ رہیں چنانچہ کچھ لوگ ایمان لائے ہی تھے، ورنہ وہ کون تھے جو ان کے ساتھ کشتی پر سوار ہوئے اور جن سے پر پھر نسل آگے بڑھی اور پھر وقتاً فوقتاً ان میں انبیا آئے۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ③ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ④

''انہوں نے کہا اے میری قوم والو! میں تمہیں صاف طور پر متنبہ کرنے والا (پیغمبر) ہوں کہ عبادت کرو اللہ کی

www.kitabmart.in

اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو تو وہ کچھ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے، اور تمہیں ایک مقررہ مدت تک زندگی گزرنے کے لیے چھوڑ دے، یقیناً اللہ کی طرف کا مقررہ وقت جب آ جاتا ہے تو وہ ٹالا نہیں جا سکتا اگر تم جانو"۔

"اللہ کی عبادت کرو" یعنی صرف اسے اپنا معبود مانو اور غیر اللہ کی جو عبادت کرتے ہو، اسے ترک کرو، شرک نہ کرو، اس کی عظمت کے تقاضے کو محسوس کرو، اور اس کے عذاب کا خوف کرو اور اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کا نمائندہ جو احکام تم تک پہنچائے، ان کی تعمیل کرو۔

"تمہارے کچھ گناہوں کو معاف کر دے" یعنی ایمان لانے سے پہلے اب تک کے کفر کی حالت میں اور ان میں بھی حقوق اللہ قابل معافی ہیں لیکن حقوق الناس معاف نہیں ہوتے۔ [1] "ایک مقررہ مدت تک زندگی گزارنے کے لیے چھوڑ دے" اور پھر یہ کہ "اللہ کی طرف کا مقرر وقت جب آ جاتا ہے تو ٹالا نہیں جا سکتا" اس سے یہ ظاہر ہے کہ ان کے لیے دو مدتیں مقرر ہیں۔ ایک مدت اس صورت میں ہے جب وہ ایمان لے آئیں اور اطاعت رسول کریں۔ اس صورت میں وہ اس عمر تک پہونچیں گے جس کے بعد ہر ایک کو موت آتی ہے اور ایک مدت اس صورت میں ہے کہ جب وہ اپنے کفر و انکار پر قائم ہیں تو اس وقت عذاب کا آنا ان کے لیے مقرر ہے اور وہ عذاب کا وقت جب آ جائے تو وہ ٹل نہیں سکتا۔ علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ وہ جسے کہا ہے ٹل نہیں سکتا، اس سے مراد وہ وقت ہے جو ایمان لانے کی صورت میں ان کی موت کا مقرر ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

فی هذا دلالة علیٰ ثبوت الاجلین لانه شرط فی الوعد بالاجل المسمیٰ عبادة الله ولتقویٰ فلما لم یقم ذالك منهم اقتطعوا بعذاب الاستیصال قبل الاجل الاقصیٰ بالاجل لادنیٰ ثم قال ان اجل الله یعنی الاقصیٰ اذا جآء لا یؤخر (مجمع البیان)

اس سے پتہ چلتا ہے دو مدتوں کا اس لیے کہ اس نے مقرر مدت تک پہونچنے میں شرط رکھی عبادت اور تقویٰ کی تو جب ایسا انہوں نے نہیں کیا تو وہ ختم کر دئے گئے عذاب استیصال کے ساتھ اس دور والی مدت سے پہلے قریب والی مدت کے ساتھ پھر کہا کہ اللہ کی طرف کا وقت وہ دور والا جب آ جاتا ہے تو پھر دیر نہیں ہوتی۔ ہمارے خیال میں پہلی صورت زیادہ الفاظ آیت کے مطابق ہے یعنی یہاں جسے کہا ہے وہ ٹل نہیں سکتا، وہ وہی درصورت عدم ایمان عذاب آنے کی گھڑی ہے جو خالق نے مقرر کر دی ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا ۝٥ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ۝٦ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝٧ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝٨ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝٩ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝١٠ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۝١١ وَّیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ

---

[1]۔ تبعیضین لاخراج حقوق العباد (جلالین)

www.kitabmart.in

وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝

''انہوں نے کہا اے میرے معبود میرے مالک! میں نے اپنی قوم کو دعوت دی رات دن تو نہیں میری دعوت نے اور بھاگنے میں اضافہ ہی کیا اور میں جب بھی انہیں دعوت دیتا ہوں کہ (وہ اس قابل ہوں کہ) تو ان کو بخش دے تو وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیتے اور اپنے کپڑے اپنے اوپر لپیٹ لیتے ہیں اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں اور پوری طرح تکبر اختیار کرتے ہیں۔ پھر (یہ کہ) میں بہت صاف طور پر دعوت دی اور پھر (ہر طرح دعوت دی) اعلانیہ بھی بالکل خفیہ طریقے پر بھی تو میں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ بھیجتا ہے بادل کو تم پر برستا ہوا اور تمہیں مدد پہنچاتا ہے مال کے ساتھ اور قرار دیتا ہے تمہارے لیے باغ اور قرار دیتا ہے تمہارے لیے نہریں، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کے قائل نہیں ہوتے، حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح کی شکلوں سے گزار کر بنایا''۔

عمر بھر کی تبلیغ کے مراحل کو طے کرنے کے بعد اپنی انتہائی جانفشانی کے ساتھ فرضِ منصبی کی ادائیگی اور قوم کے رویہ کی روئداد بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں، اب جس طرح انہوں نے ان سے امید قطع ہو جانے کا احساس کیا ہے اور اس سے ان پر عذاب نازل ہونے کی درخواست کی ہے اس کو بیان کیا جارہا ہے اس ذیل میں ان کے طریقۂ تبلیغ کا بیان بھی ہے۔ ''بھاگنے میں اضافہ ہی کیا'' یعنی حق کے راستے سے گریزاں تو وہ پہلے ہی سے تھے۔ اب میری دعوت تبلیغ مسلسل کے ساتھ جب ان کا انحراف قائم رہا تو یہ گریزاں ہونے میں اضافہ ہے۔ انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیتے ہیں اور اپنے کپڑے اپنے اوپر لپیٹ لیتے ہیں'' یہ انتہائی نفرت کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی آواز ہم نہ سنیں گے اور ان کی صورت ہمیں نظر نہ آسکے، اور اس خطرے سے بھی کہ کہیں ان کی باتیں ہمارے دلوں پر کچھ اثر نہ کر جائیں جیسا کہ مشرکین مکّہ پیغمبر خدا ﷺ کی تبلیغ کے وقت ایسی ہی صورتیں اختیار کرتے تھے۔ ''پوری طرح تکبر اختیار کرتے ہیں'' یعنی اس پیغام کو قبول کرنے میں ذلت محسوس کرتے ہیں کہ اس کے معنی اس کا قرار ہے کہ ہمارے باپ دادا اور ہم اب تک غلط راستے پر تھے۔ پھر پہلے قرآن مجید میں آچکا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ بہت ادنیٰ درجے کے لوگوں نے آپ پر ایمان اختیار کیا ہے تو ایمان لانے کو اس لیے بھی وہ اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے کہ ہم ادنیٰ درجے کے لوگوں میں کیوں شامل ہوں۔ یہ سوا تکبر کے اور کیا تھا؟ دعوت ایمان کے ساتھ دنیوی نعمتوں کا وعدہ۔ وہ بھی ایک نفسیاتی طریقہ ان کو حق کی طرف مائل کرنے کا تھا کہ یہ اتنے بلند نظر نہیں ہیں کہ حق کو صرف حق ہونے کی بنا پر اختیار کریں۔ نہ آخرت پر ایمان لا سکتے ہیں کہ وہ دنیوی مفادات کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دے سکیں تو انہیں خدا کے حکم سے دنیوی مفادات حاصل ہونے کی بھی خوشخبری بھی دی جارہی ہے کہ اگر تم ایمان اختیار کرو گے تو اللہ تمہیں دنیوی نعمتوں سے بھی بہرہ مند کرے گا صاف طور پر دعوت دی یعنی دعوت عام، مجمعوں میں بھی دی ہے اور خصوصی طور پر بلا بلا کر اعلانیہ بھی گفتگو کی اور آہستہ آہستہ بھی سمجھایا یعنی کوئی طریقہ بھی افہام و تفہیم کا چھوڑا نہیں۔

یہ جملہ کہ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا. (نوح:۱۳) اس کے لفظی معنی تو یہ ہوتے ہیں کہ تم اللہ کی عظمت کے امیدوار کیوں نہیں ہوتے مگر چونکہ امیدوار ہونے کا جو مطلب عام طور پر ذہن میں آتا ہے وہ وقار و عظمت کے ساتھ محاورے میں چسپاں نہیں ہوتا اس لیے اس کے لازم معنی کے لحاظ سے ہم نے ترجمہ کیا کہ تم اللہ کی عظمت کے قائل ہوتے'' جلالین نے یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ تم اس پر ایمان لا کر اس کے امیدوار

www.kitabmart.in

کیوں نہیں ہوتے کہ وہ تمہیں وقار عطا کریں یہ مفہوم للہ وقارا کی لحاظ سے تناسب نہیں رکھتا۔ ہماری قدیم تفسیر میں اور پھر بعد کے بھی بعض تفاسیر میں رجا! کے معنی خوف کے قرار دئے ہیں جو عظمت الٰہی کے احساس کالازمہ ہے [1] اور کافروں کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ اس میں ایک طنز کی چاشنی ہوسکتی ہے جیسے کہ بعض جگہ قرآن میں عذاب کی اطلاع (انذار) کو بشّر کے لفظ سے ادا کیا ہے جس کے لفظی معنی ہوے ''خوشخبری دیجیے''

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان طبق درطبق پیدا کیے اور ان میں سے چاند کو روشنی کا ذریعہ بنایا اور سورج کو چراغ اور اللہ نے نکالا زمین سے ایک خاص طرح پھر وہ تم کو اس میں پلٹا دے گا اور پھر تمہیں خاص طرح نکالے گا اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا تا کہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو''۔

عظمت الٰہی کے احساس کا مطالبہ کرتے ہوئے اس کے کچھ آیات قدرت کی نشاندہی کی جارہی ہے کہ دیکھو اس کی عظمت کس طرح اس مخلوقات سے نمایاں ہے۔ چاند کو نور کہا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نور اس کا ذاتی ہو بلکہ آفتاب سے کسب نور کرکے وہ روشنی پھیلاتا ہے تو اسے نور کہنا درست ہے اور چاند کو ان آسمانوں میں کہنا اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ ساتوں آسمانوں میں ہو بلکہ ان میں سے ایک آسمان میں ہے تو یہ کہنا درست ہے کہ وہ آسمانوں میں ہو بلکہ ان میں ایک آسمان میں ہے تو یہ کہنا درست ہے کہ وہ آسمانوں میں ہے جیسے کسی خاندان کے کسی ایک آدمی کے یہاں کوئی تو کہے گا کہ میں اس خاندان میں آج گیا تھا اور کسی ضلعے کے ایک شہر میں کوئی ندی ہو تو کہا جائیگا کہ اس ضلع میں وہ ندی ہے.......... زمین سے نکلا.......... اسے بعض نے ابتدائے خلقت انسانی کے معنی میں لیا ہے کہ وہ مٹی سے پیدا ہوا ہے اور مٹی زمین سے نکالی گئی .... یہ زمین سے نکالنے کا قریبی تصور اور بعض نے کہا ہے کہ اجزائے ارضی سے نباتات پیدا ہوئے اور ان نباتات کو انسانوں نے کھایا جوان کا جز بدن بنے اور نطفہ کی صورت اختیا کی اور پھر اس نطفے سے انسان کی تخلیق ہو تو یوں وہ زمین سے برآمد ہوا اور بعض اسے تشبیہ قرار دے رہے ہیں کہ جیسے ایک وقت میں نباتات کا وجود نہ تھا اور وہ زمین سے برآمد ہوئے ویسے ہی انسان ایک وقت میں موجود نہ تھا اور پھر سطح زمین پر اس کا وجود آیا.......... مگر یہ وجہ شبہہ بہت بعید حیثیت رکھتی ہے اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ کے الفاظ کو اس پر محمول کرنا درست معلوم نہیں ہوتا.......... اب اس ذیل میں سننے والوں کے ذہن کو معاد کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جیسے زمین سے برآمد ہوتے ہو ویسے ہی اس زمین میں دفن ہو کر چلے جاؤ گے اور پھر اس زمین سے حشر میں تمہیں برآمد کیا جائیگا۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ

---

[1] لا تخافون الله عظمته... علی ابن ابراهیم (ولرجاء الخوف هنا (تبیان)

www.kitabmart.in

وَلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

''نوح نے (بارگاہ الٰہی میں) عرض کیا کہ اے میرے مالک ان لوگوں نے میرا کہنا نہ مانا اور ایسے آدمی کی پیروی کی جنہیں مال اور اولاد کے ملنے نے اور زیادہ خسارے میں مبتلا کیا اور انہوں نے (میرے خلاف) بڑا منصوبہ چلا رکھا ہے اور (عوام سے) کہا ہے کہ ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خصوصیت کے ساتھ) نہ چھوڑ ناود کو اور نہ سواع کو اور یغوث اور یعوق اور نسر کو اور اس طرح سوں کو گمراہ کر دیا اب تو بھی ان کی گمراہی میں اور اضافہ کرتا رہ۔''

حضرت نوحؑ کی بارگاہ الٰہی میں مناجات

چونکہ حضرت نوحؑ کی عمر تبلیغ بنص قرآن بڑی طولانی ہوئی لہٰذا نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی متعدد مناجاتوں میں جو قرآن مجید میں جا بجا ہیں اور اپھر عذاب الٰہی کے آنے مین اس کا ذکر ابھی آئے گا بیچ میں کتنا فاصلہ ہے بہر حال اب یہ ان کی مناجات ہے کہ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں کہا ہے کہ یہ کس طرح میرا کہنا نہیں مانتے اور ایسے ادمیوں کی پیروی کی .... یہ کون لوگ ہیں؟ رؤسا اور صاحبان مال و اولاد جو اپنی دولت اور خاندان کی وسعت سے عوام کو اپنا تابع فرماں بنائے ہوئے تھے اور انہوں نے تمام قوم کو جناب نوح کی طرف سے برگشتہ کر رکھا تھا اور ان کی تبلیغ کے مقابلے میں وہ اپنی تقریروں سے زہر افشانی کرتے تھے اور اپنے نمائندے انہوں نے ہر طرف بھیج رکھے تھے کہ لوگ جناب نوح کی ہدایت کو قبول نہ کریں جیسے حضرت نوحؑ نے یوں کہا ہے کہ انہوں نے میرے خلاف بڑا منصوبہ چلا رکھا ہے............ بت جن کے نام لیے گئے ہیں وہ ہین جن سے عرب بھی متارف تھے اور یہاں بھی مختلف قبیلے ان بتوں کی پرستش کر رہے تھے............ باقی ان یہاں خاص بت بھی ہو سکتے ہیں جن سے عرب واقف نہ تھے لہٰذا نہیں ان بتوں کے نام لینے سے پہلے اٰلِهَتَكُمْ ''اپنے خداؤں'' کے اجمال میں سمو دیا گیا ہے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

''چنانچہ وہ اپنے جرائم کی وجہ سے غرق کر دئے گئے جن کے بعد میں آگ میں ڈال دیئے گئے تو انہوں نے نہیں پائے اپنے لیے اللہ کو چھوڑ کر کوئی مددگار لوگ اور نوح نے کہا اے میرے مالک زمین پر ان کافروں میں سے کوئی باشندہ نہ چھوڑ مگر تو انہیں چھوڑے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور اس کے یہاں سوائے بداعمال اور کافروں کے اولاد میں کوئی پیدا نہیں ہوگا اے میرے مالک! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور جو میرے گھر میں ایمان رکھتے ہوئے داخل ہو اور تمام باایمان مردوں اور باایمان عورتوں کو اور ظالموں کے لیے سوائے ہلاکت کے کسی بات میں اضافہ نہ کر۔''

www.kitabmart.in

"غرق کردئے گئے جس کے بعد آگ میں ڈال دئے گئے" اس میں ایک خیال تو یہ ہے کہ یہ فرعون اور اس کے لشکر کی ایک خصوصیت قرآن مجید میں بیان کی ہے اور ایک اس قوم نوح کی کہ وہ غرق ہونے کے ساتھ ہی عذاب جہنم میں ڈال دیئے گئے یعنی آخرت کا انتظار نہیں ہوا اور دوسرا خیال یہ ہے کہ یہ جہنم کے علاوہ جس میں داخلہ آخر میں ہوگا عالم برزخ کا عذاب ہے جس کا قرآن مجید نے تذکرہ کیا ہے۔

سُوْرَةُ الْجِنِّ

مکیّہ......۲۸......آیات

چونکہ اس سورے میں جنات میں سے ایک گروہ کا جو قرآن مجید کے آیات کو سن کر ایمان لایا، کافی حد تک مفصل تذکرہ ہے، اس لیے اس کا نام "سورہ الجن" ہوا۔

سورۂ جن کے خاص خاص مضامین:

جنّات کا وجود قرآن مجید کے متعدد نصوص اور متواترا حادیث کی بنا پر ایک مسلم دینی حقیقت ہے جس کے منکر صرف وہی ہو سکتے ہیں جو ہر ان دیکھی حقیقت کا انکار کریں جیسے ملائکہ اور سب سے بڑھ کر خالق جو بالکل ان دیکھی ذات ہے۔قرآن مجید کے آیات کو سن کر جنات کے ایمان لانے کا چونکہ ایک تذکرہ سورہ احقاف میں ہے اس لیے بعض مفسرین نے یہ خیال کیا ہے کہ یہاں جو جنات کا ذکر ہے وہ وہی جن ہیں جو اس واقعہ میں قرآن کے آیات کو سن کر ایمان لائے ہیں۔[1]

مگر خود قرآن مجید میں دونوں واقعوں میں ان ایمان لانے والے جنات کی جو گفتگو اپنی قوم سے مذکور ہے اس کے مضامین سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے اور روایات میں دونوں جگہ کے آیات کی جو شان نزول درج ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ ایک گروہ تھا جس کا ذکر سورہ جن میں ہے اور وہ کوئی دوسرا گروہ تھا جس کا ذکر سورہ احقاف میں ہے۔وہ سورہ احقاف والے جنات وہ تھے جو حضرت موسیٰؑ وغیرہ پر ایمان لائے ہوئے تھے اور یہ جنات تھے جو اب تک مشرک اور بت پرست تھے اور کسی نبی یا رسول پر ایمان لائے ہوئے نہیں تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِکَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّ اَنَّہٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ

---

[1] ہم الذین ذکر و فی قولہ تعالیٰ و اذا صرفنا الیک نفوا من الجن (جلالین)

www.kitabmart.in

صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾

''کہیے کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنات میں کچھ اشخاص نے توجہ کے ساتھ سنا تو کہا کہ ہم نے عجیب طرح کا کلام سنا ہے جوراہ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے اوراب ہم اپنے پروردگار کا کوئی شریک قرار نہیں دیں گے اور ہمارے پروردگار کی عظمت بہت بالا و برتر ہے، نہ اس کی کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد''۔

ان الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کے کسی حصے کا تلاوت فرمارہے تھے اس وقت یہ جنات آپ کے پاس رکے اورانہوں نے غور سے قرآن کے ان اجزا کو سنااورایمان لے آئے، پھر جواپنے تاثرات تھے وہ جاکر اپنی قوم سے بیان کیے اورخالق کریم نے بذریعہ وحی ان تفصیلات سے اپنے رسولؐ کوآگاہ کیا.................اس وقت وہ اشخاص آپ کے سامنے آئے۔نہ حضرت سے انہوں نے کوئی گفتگو کی،خاموشی کے ساتھ آئے اوررکے رہے پھر خاموشی کے ساتھ اپنی قوم کی طرف واپس گئے۔اب وہ اجزاء قرآن کے کون سے تھے جن کی حضرتؐ تلاوت فرمارہے تھے کہ ان سے انہوں نے اتنے نتائج اخذ کیے کہ تمام اصول اسلامی ان کے ذہن میں راسخ ہوگئے؟ ہوسکتا ہے کہ کچھ باتیں انہوں نے اس کلام سے سنیں اورپھر توفیق الٰہی نے ان کی بصیرت والی آنکھوں کو جو کھولا تو اپنے ضمیر کی رہ نمائی سے اور حقیقتیں ان کے دماغ میں راسخ ہوتی چلی گئیں جوایک مومن کی شان ہے۔شان نزول والی روایتوں میں تو یہ ہے کہ آپ نماز صبح پڑھ رہے تھے ظاہر ہے کہ ایک نماز میں کتنا قرآن سنا جاسکتا ہے مگراس سے انہوں نے قرآن مجید کی اس غیر معمولی فصاحت وبلاغت اوربے مثال انداز بیاں کا بھی احساس کیا جوحد اعجاز پر ہے اس لیے انہوں نے عجبا کی لفظ صرف کی اوراس سے وہ ان تمام معارف حقہ تک پہونچے جو ایمان کے لیے ضروری ہیں جو ان کی تقریر سے ظاہر ہے۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾

''اور یہ کہ ہم میں کا بے وقوف اللہ کی نسبت غلط بکواس کیا کرتا تھا اور یہ کہ ہمارا خیال تھا کہ انسان اور جنات اللہ کی نسبت ہرگز غلط باتیں نہیں کریں گے اور یہ کہ انسانوں میں کے کچھ لوگ جنات میں کے افراد کو ذریعہ پناہ بناتے تھے تو انہوں نے ان کی سرکشی میں اوراضافہ کردیا اوران آدمیوں کا بھی تمہاری طرح یہ خیال تھا کہ اللہ کسی کو پیغمبر بناکر نہیں بھیجے گا اور یہ کہ ہم نے آسمان کو چھونا چاہا تو اسے پایا کہ وہ بھر دیا گیا پہرا دینے والوں اورٹوٹنے والے ستاروں سے اور یہ کہ ہم جاکر بیٹھا کرتے خاص مقامات پر سننے کے لیے،تو جواب سننے کی کوشش کرے گا وہ

www.kitabmart.in

اپنے لیے ایک ٹوٹنے والے ستارے کو سدّ راہ پائے گا‘‘۔

’’بے وقوف‘‘ سے بظاہر وہ خاص شیطان مراد ہے جو ابلیس کہلاتا ہے[1] اور عام جنات جو گمراہی کی باتیں کرتے تھے وہ مراد ہو سکتے ہیں اور چونکہ عام طور پر انسان جنات سے ڈرتے رہے ہیں، اور جنات کے تصرفات کے بہت قائل رہے ہیں لہٰذا تعویذوں اور عملیات کے ذریعہ سے جنات کو اپنی حفاظت کا ذریعہ بھی سمجھنے لگے، یہ جن کہہ رہے ہیں کہ اس کی وجہ سے ان جنات کو اپنی طاقت وغیرہ پر اور زیادہ گھمنڈ ہو گیا اور وہ اپنے کو بہت بڑی چیز سمجھنے لگے تو ان کی سرکشی اور خدا فراموشی میں اضافہ ہو گیا لن یبعث اللہ احدا، کا بظاہر مطلب یہ ہے جس کے مطابق ترجمہ کیا گیا کہ ہمیں تصور یہی تھا کہ اب اللہ کسی کو رسول بنا کر نہ بھیجے گا مگر اس وقت یہ غلط فہمی دور ہو گئی جب ہم نے جا کر یہ کلام سنا۔ معلوم ہوا کہ اللہ نے اس دور میں بھی ایک رسول بھیجا ہے جو ایسا عجیب کلام اس کی طرف پیش کر رہا ہے لیکن چونکہ بعث کے معنی جزا و سزا کے لیے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کے بھی ہوتے ہیں اس لیے بعض نے وہ مطلب سمجھا ہے۔[2] مگر بعد والے تذکرے کی مناسبت سے پہلے مطلب کو ترجیح حاصل ہے ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس رسول کے آنے کی وجہ سے ہی ہوا ہے کہ آسمان پر اتنے انتظامات ہوئے ہیں کہ ہم وہاں کی باتوں کو نہ سن سکیں۔

وَّاَنَّا لَا نَدۡرِیۡۤ اَشَرٌّ اُرِیۡدَ بِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اَمۡ اَرَادَ بِہِمۡ رَبُّہُمۡ رَشَدًا ﴿۱۰﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنَّا دُوۡنَ ذٰلِکَ ؕ کُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰہَ فِی الۡاَرۡضِ وَلَنۡ نُّعۡجِزَہٗ ہَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡہُدٰۤی اٰمَنَّا بِہٖ ؕ فَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِرَبِّہٖ فَلَا یَخَافُ بَخۡسًا وَّلَا رَہَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَمِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ ؕ فَمَنۡ اَسۡلَمَ فَاُولٰٓئِکَ تَحَرَّوۡا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الۡقٰسِطُوۡنَ فَکَانُوۡا لِجَہَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

’’اور یہ کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ زمین کے رہنے والوں پر کوئی عذاب نازل کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے یا انہیں ان کے پروردگار نے صحیح راستا دکھانے کو کوئی انتظام کیا ہے اور یہ کہ ہمیں یقین ہو کہ ہم اللہ کو روئے زمین پر کہیں بے بس نہیں بنا سکتے اور نہ بھاگ کر بے بس بنا سکتے ہیں اور ہم نے جب صحیح رہ نمائی کی آواز سنی تو اس پر ایمان لے آئے تو جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے گا اسے کسی ناانصافی اور اپنے حق میں کسی زیادتی کا ڈر نہ ہوگا اور یہ کہ ہم میں سے کچھ فرماں پذیر ہیں اور ہم میں سے کچھ راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں تو جو فرماں برداری کریگا تو یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے صحیح راستہ اختیار کیا اور جو اس راہ سے ہٹے ہوئے ہیں وہ دوزخ کا ایندھن ہونے والے ہیں‘‘۔

ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر جانے سے جو غیر معمولی رکاوٹیں ہم نے محسوس کیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا یہ کس وجہ

---

[1] ۔ارادو بسفیہم ابلیس (مجمع البیان)

[2] ۔لن یبعث احدا بعد موتہ (جلالین)

www.kitabmart.in

سے ہیں۔ کیا اہل زمین پر ان کے رب کی طرف سے کوئی عذاب آنے والا ہے یا ان کی ہدایت کا کوئی خاص انتظام ہوا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں یہ معلوم تھا کہ آسمان پر شیاطین کے جانے سے یہ رکاوٹیں دو صورتوں میں ہوتی ہیں۔ ایک جب عذاب اس کی طرف کا آنے والا ہو اور ایک جب کوئی نبی مبعوث ہونے والا ہو[1] اور اسی تلاش میں وہ نکلے تھے کہ اس کا سبب معلوم کریں تو انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ کلام حق سنا، جس پر وہ ایمان لے آئے۔

وَّاَنۡ لَّوِ اسۡتَقَامُوۡا عَلَى الطَّرِيۡقَةِ لَاَسۡقَيۡنٰهُمۡ مَّآءً غَدَقًا ۙ﴿۱۶﴾ لِّنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ ؕ وَمَنۡ يُّعۡرِضۡ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّهٖ يَسۡلُكۡهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۙ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ يَدۡعُوۡهُ كَادُوۡا يَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِ لِبَدًا ؕ﴿۱۹﴾

''اور یہ کہ اگر لوگ راہ راست پر برقرار رہتے تو ہم انہیں سیراب کرتے اچھی بارش سے تا کہ اس کے بارے میں ہم ان کی آزمائش کریں اور جو اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کرے، اسے عذاب میں داخل کرے گا جو بڑھتا ہی جائے گا اور یہ کہ سجدہ کے مقامات اللہ سے مخصوص ہیں لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی کو خدا نہ کہو اور یہ کہ جب بھی اللہ کا بندہ اس کا نام لیتا ہوا کھڑا ہوا قریب ہوا کہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑیں''۔

جنات کا تذکرہ اور جو جوانہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا اس کے قبل ختم ہوا۔ بلاشبہہ اب جو مضمون ہیں وہ شروع والے اس جملے کے تحت میں ہے کہ اُوۡحِىَ اِلَىَّ ''مجھ پر وحی بھیجی گئی ہے'' کیا؟ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ کہ جنات کے ایک گروہ نے غور سے سنا تا آخر مضمون اور دوسرے یہ کہ اگر یہ لوگ یعنی یہ انسان بھی جنہیں آپ ہدایت کر رہے ہیں اگر راہ راست پر برقرار رہتے تو ہم انہیں سیراب کرتے [2] کہا جاتا ہے کہ اس کے پہلے کئی سال تک قحط رہا اور پانی برسا تھا اس لیے یہ وعدہ کیا جا رہا ہے کہ اگر وہ ایمان لے آئیں تو ان پر روزی کے دروازے کھول دئے جائیں گے اور پانی برسے گا اس لیے کہ پانی ہی پر تمام ضروریات حیات کا انحصار ہے لیکن اس باران رحمت کے نازل ہونے کے بعد بھی یہ دیکھنا ہے کہ وہ خدا فراموشی میں مبتلا تو نہیں ہو جاتے، اسلئے یہ کہا گیا ہے کہ تا کہ اس کے بارے میں ہم ان کی آزمائش کریں'' ۔ اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کرے اس طرح بھی کہ اس کے رسولؐ کے احکام کو نہ مانے اور اس طرح بھی کہ اس کی دی ہوئی روزی کو غلط طور پر صرف کرے تو پھر اس کے لئے روز افزوں عذاب کی وعید ہے۔

''مساجد'' مسجد کی جمع ہوسکتی ہے جو اسم ظرف ہے تو مسجد کے معنی ہوں گے عبادت گاہوں کے، مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کہیں کسی غیر کی عبادت نہ ہو۔ اور مسجد کی جمع بھی ہوسکتی ہے یعنی وہ اعضا جن سے سجدہ کیا جاتا ہے، انہیں صرف نہ ہونا چاہیے سوا اللہ کے کسی غیر کی عبادت میں.......... ٹوٹے پڑتے کے عنوان چونکہ دونوں ہوسکتے ہیں۔ شوق ذوق سے ٹوٹے پڑنا کچھ لوگوں نے یہ مطلب لیا ہے کہ جب رسولؐ قرآن

---

[1] ۔ان مثل ھذا لایکون الالاحد الامرین (مجمع البیان)

[2] ۔ھو معطوف علیه علی الستمع (جلالین) نیز بگو محمد ﷺ که وحی فرستاده شده است بسوی من که بنی آدم (شاه ولی الله) اوروحی کیا گیا ھے طرف میرے اگر یه لوگ (رفیع الدین)

www.kitabmart.in

مجید پڑھ رہے تھے تو جنات ایک دوسرے شوق ذوق کے مارے ٹوٹ پڑ رہے تھے۔[1]

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ بطور عتاب ہے کہ آخر یہ کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کی دعوت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو یہ لوگ ایذا رسانی کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اس کا خمیازہ انہیں بھگتنا ہوگا۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَدۡعُوۡا رَبِّیۡ وَلَاۤ اُشۡرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلۡ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِكُ لَكُمۡ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلۡ اِنِّیۡ لَنۡ یُّجِیۡرَنِیۡ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۬ۙ وَّلَنۡ اَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

''کہیے کہ میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور اس کا کوئی شریک قرار نہیں دیتا، کہیے کہ میں تمہارے لیے نہ نقصان پہنچانے پر قابو رکھتا ہوں اور نہ راہ راست کا پابند بنانے پر اور کہیے کہ مجھے اللہ کے عتاب سے کوئی دوسرا نہیں بچا سکتا اور میں اسے چھوڑ کر کوئی جائے پناہ نہیں پاسکتا سوا اس کے کہ میں اللہ کی طرف سے تبلیغ کروں اور اس کے پیغاموں کو پہنچاؤں اور جو اللہ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی کریگا، اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔

مطلب یہ ہے کہ تمہیں مجھ پر آخر اتنا غصہ کیوں آتا ہے؟ میں بس ایک پیغامبر ہوں جس کا کام پیغام کو پہنچانا ہے، تمہارا کوئی نفع نقصان میرے قبضے میں نہیں ہے تمہارا نفع نقصان کیا میں تو خود اپنے نفع نقصان پر قدرت نہیں رکھتا، میرے ذمے جو قرض ہے، وہ میں ادا نہ کروں تو خود مجھے اس کی طرف سے اس کی سزا ملے جس سے میں بچ نہیں سکتا اور جو میری بات نہ مانیں اور میرے پیغام کو قبول نہ کرے اس کا انجام دوزخ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

حَتّٰۤی اِذَا رَاَوۡا مَا یُوۡعَدُوۡنَ فَسَیَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَضۡعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَهٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی غَیۡبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّهٗ یَسۡلُكُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّیَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمۡ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیۡهِمۡ وَاَحۡصٰی كُلَّ شَیۡءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

''یہاں تک کہ جب دیکھ لیں گے اسے جس کی انہیں اطلاع دی جا رہی ہے تو انہیں پتہ چلے گا کہ کس کے

---

[1] ای کاد الجن یرکب بعضھم بعضا یزدحمون علیه حرصا منھم علی استماع القرآن عن ابن عباس وضحاك (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

مددگار کمزور ہیں اور ساتھیوں کی تعداد کم ہے، کہیے کہ مجھے خبر نہیں کہ نزدیک ہے وہ جس کی میں اطلاع دے رہا ہوں یا میرا پروردگار کوئی طولانی مدت قرار دے گا، وہ غیب کا جاننے والا ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو حاوی نہیں کرتا سوا اس پیغمبر کے جسے اس نے منتخب کیا ہے تو وہ اس کے سامنے سے اور اس کے پس پشت سے پہریدار بھیج دیتا ہے تا کہ معلوم ہو کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کو پہنچایا ہے اور وہ گھیرے ہوئے ہے انہیں چاروں طرف سے اور وہ ہر چیز کی گنتی پر حاوی ہے''۔

مشرکین کو غرہ تھا کہ رسولؐ کے پاس انے گنے چند اشخاص گرد وپیش میں ہیں جو ان کی مدد کے لیے تیار ہو سکتے ہیں لیکن وہ کمزور و ناتواں ہیں، مدد کریں گے بھی تو کیا کر سکتے ہیں اور ہم ہر طرح طاقت ور ہیں ہماری تعداد بھی زیادہ ہیں تو کہا جا رہا ہے کہ ابھی وہ یہ کہہ لیں مگر آئے گا ایسا وقت جس سے ہم برابر خبر دار و ہوشیار کر رہیں ہیں کہ اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور ساتھیوں کی تعداد کم ہے! ہاں اگر یہ پوچھیں کہ وہ وقت کب آئے گا تو رسول کو اس کی اطلاع نہیں دی گئی ہے کہ اس میں اب کتنے دن باقی ہیں، اور وہ بہت جلد ہی آئے گا یا دیر میں آئے گا؟ اس کا تعلق علم غیب سے ہے اور وہ ذاتاً صرف خدا کو ہے وہ رسول کو بتقاضائے حکمت جتنا مناسب سمجھتا ہے اتنا علم عطا کرتا ہے اس کے پاس جو وحی بھیجتا ہے اس میں اہتمام کرتا ہے کہ درمیان میں شیاطین کوئی کارگزاری نہ کر سکے یا اس میں کوئی جز چوری چھپے اڑا کر کاہنوں کو نہ بتا دیں اور راز الٰہی کو افشاں نہ کر دیں اور پھر اس طرح اللہ جانے یعنی بحیثیت واقعہ یہ بات یقینی ہو جائے کہ ان تک جو پہنچا ہے اور جو وہ پہنچا رہے ہیں وہ بالکل وہی ہے جو خالق نے ان تک پہنچانے کے لیے فرشتوں کے سپرد کیا تھا اور انہوں نے اسے خلق خدا تک پہنچایا ہے یوں اللہ کو اپنے علم کے لیے اس کی ضرورت نہیں ہے وہ تو ہر چیز پر حاوی ہے اور کائنات کے ذروں کی تعداد جانتا ہے تو اپنی وحی اور اس کی ادائیگی کو بھلا وہ نہ جانے گا؟۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَةُ الۡمُزَّمِّلِ

مکیّہ......۲۰......آیات

''مزمل'' کے معنی چادر میں لپٹے ہوئے کے ہیں، چونکہ اس کا آغاز رسولؐ سے مزمل کی لفظ کے ساتھ کیا گیا ہے اس لیے اس سورے کا یہ نام ہوا۔

سورۂ مزمّل کے خاص خاص مضامین:

۱......اس میں حضرت پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سپرد کرنے والی ذمہ داری کی اہمیت اور دشواری کو دکھاتے ہوئے آپ کو راتوں کی بیداری کے ساتھ عبادت میں کافی وقت گزارنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

۲......مخالفین کی ایذا رسانیوں پر صبر و تحمل کی تلقین اور نتیجہ کو اللہ پر چھوڑنے کا حکم جس کے ساتھ مخالفین کو عذاب کی تھدید ہے۔

۳......قرآن مجید کے ہولناک مناظر کا اجمالی تذکرہ

۴......رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مثل موسیٰؑ مبعوث فرمانے کا اعلان اور مخالفین کو فرعون کے عذاب کی یاددہانی۔

۵......آخر میں سابق میں جو تہجد کے اوقات کی پابندی عائد کی گئی تھی اس میں تخفیف کا اعلان اور نماز شب کی پابندی میں تخفیف جس کے متعلق مفسرین کا خیال ہے کہ وہ گزشتہ حصے سے تقریباً دس برس گزرنے کے بعد اترا ہے اور اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سورے میں پہلا رکوع مکی ہے اور بعد والا دوسرا مدنی ہے اس کے مضامین سے ظاہر ہے۔ اس نظیر کو سامنے رکھا جائے تو سورے کی پیشانی پر مکی لکھے جانے سے اس کے مضامین کے متعلق قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مکی زندگی سے متعلق ہے بلکہ وہ مدینہ کے نازل شدہ ہوسکتے ہیں۔ پھر اس سورہ کے متعلق ترتیب کے لحاظ سے بھی یقینی طور پر رائے قائم نہیں کی جاسکتی کہ وہ مکّہ ہی کا نازل شدہ سورہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

يٰۤاَيُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ‏ ﴿۱﴾ قُمِ الَّيۡلَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۙ‏ ﴿۲﴾ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انْقُصۡ مِنۡهُ قَلِيۡلًا ۙ‏ ﴿۳﴾ اَوۡ زِدۡ عَلَيۡهِ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِيۡلًا ؕ‏ ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلۡقِىۡ عَلَيۡكَ قَوۡلًا ثَقِيۡلًا‏ ﴿۵﴾

''اے کپڑوں میں لپٹ کر لیٹنے والے! رات نماز میں گزاریئے مگر کچھ تھوڑا حصہ، آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کردیجیے یا اس پر اضافہ کردیجیے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پوری طرح واضح کرکے پڑھا کیجیے، عنقریب ہم آپ

www.kitabmart.in

پر ایسے پیغام پہنچانے کا بوجھ ڈالنے والے ہیں جو بہت گراں ہے''۔

اس سورے کا ابتدائی حصہ اس وقت نازل ہوا جب آغاز رسالت کا دور تھا، حضرت رات کے ابتدائی حصے ہی میں آرام فرمانے کے لیے لیٹے تھے کہ خالق کریم کی طرف سے یہ آیات نازل ہوئے جن میں حضرت کو شب کو بیدار رہ کر نمازوں میں گزارنے کا حکم آیا ہے۔

یہ ہمارے رسول کی خصوصیت ہے جو قرآن مجید کے مطالعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ جس نبی یا رسول سے تخاطب ہوا ہے ہمیشہ نام لے کر تخاطب ہوا مثلاً یا آدم اسکن انت وزوجك الجنة, یانوح اهبط بسلام مناوبركات عليك, یاابرهيم قدصدقت الرؤيا وغیرہ وغیرہ لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی نام لیکر خطاب نہیں ہوا بلکہ بعد میں تو زیادہ تر جو آپ کا منصب تھا اس کو سرنامہ خطاب قرار دیا یعنی یاایھاالنبی اور یاایھاالرسول لیکن شروع میں بتقاضائے محبوبیت بے تکلفی کے ساتھ جس وقت جیسا انداز ہوا اس سے سرنامہ خطاب قرار دے دیا جیسے سورہ مدثر میں جو اس کے بعد میں ہے مگر پتہ چلتا ہے کہ وہ نازل اس سے پہلے ہوا تھا یاایھاالمدثر کہہ کر تخاطب اور اس سورے میں یاایھاالمزمل۔ [1] مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے حبیب اب اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے کا وقت نہیں ہے، اب تو خلق خدا کو جگانے کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی جارہی ہے لہٰذا اب تو آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ آپ کو نمازوں میں گزارنا ہے تاکہ افراد امت کے لیے مثال ہو اور وہ بھی رات کو زیادہ حصہ عبادت خدا اور یاد الٰہی میں گزاریں۔

اس کے ساتھ تلاوت قرآن مجید کے آداب کی تعلیم بھی ہے کہ اسے جلدی جلدی نہیں پڑھنا چاہیے بلکہ الفاظ وحروف کو نمایاں کر کے رک رک کر پڑھنا چاہیے۔ امام جعفر الصادقؑ کا ارشاد ہے:۔اذامررت بآية فيهاذكرالجنة فاسئل الله الجنة واذامررت بآية فيهاذكرالنارفتعوذ بالله من النار، جب ایسی آیت سے گزرو جس میں بہشت کا ذکر ہے تو اللہ سے بہشت کا سوال کرو اور جب ایسی آیت سے گزرو جس میں جہنم کا ذکر ہے تو اللہ سے طلب کار پناہ ہو اس آگ سے۔ پیغام کو بوجھل اور گراں کہنا اُن کی لحاظ سے بھی ہے جن تک وہ پہنچا ہے کہ وہ اُن کے اب تک کے عادات وتصوّرات اور آباؤاجداد سے چلے آتے ہوئے طریقوں کے خلاف ہے، اس لئے اُنہیں اُس کا قبول کرنا بڑا دشوار ہے، اُسی لحاظ سے زیادہ گراں رسولؐ کے لئے بھی ہے کہ آپ کو اُس کے پہنچانے میں دشواریوں کا سامنا ہوگا اور شدائد کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ روایات بتاتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اُس کے بوجھ کا جسمانی طور پر بھی ظہور ہوتا تھا سخت جاڑے میں بھی وحی نازل ہوتی تھی حضرتؐ کی پیشانی پسینے سے تر ہو جاتی تھی۔ اور اگر ناقے کی پشت پر آپ ہیں اور اُس وقت وحی نازل ہوئی تو ناقہ اپنا پسینہ زمین پر ٹکا دیتا تھا سیدھا کھڑا نہیں رہتا تھا۔ یہ روایتیں زیادہ اُم المؤمنین عائشہ سے مروی ہیں۔

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝٦ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝٧
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝٨ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ
إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝٩ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۝١٠
وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ۝١١

---

[1] ۔انما خوطب بهذا في بدو الوحي ولم يكن قد بلغ شيئاً ثم خوطب بعد ذلك بالنبي والرسول (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

''یقیناً رات کو بیدار رہنا ریاضتِ نفس میں بہت پرتاثیر ہے اور کلام کو زیادہ مضبوط بنانے کا سبب ہے بلاشبہ آپ کے لئے دن میں بہت مشغولیت ہے، اپنے پروردگار کے نام ورد رکھیے اور اُس کی طرف پوری طرح لو لگایئے۔ مشرق و مغرب کا پروردگار کوئی سوا اُس خدا کے نہیں ہے تو بس اُس پر بھروسا کیجئے اور مناسب عنوان پر ان میں قطع نظر کیجئے اور چھوڑ دیجئے مجھے اور ان جھٹلانے والے اہل دولت کو اور اُنہیں تھوڑے دن مہلت دیجئے۔''

یعنی دن کو بہت قسم کی مصروفیت رہتی ہے۔ اُس میں عبادت اتنی یکسوئی کے ساتھ نہیں ہوسکتی نہ اس طرح تلاوت قرآن ہوسکتی ہے جیسی رات کو لہٰذا رات کا وقت عبادت، تلاوت اور ذکر الٰہی کے لئے موزوں و مناسب ہے۔ پھر یہ کہ اس میں چونکہ طبیعت کی خواہش آرام کا زیادہ مقابلہ کرنا ہوتا ہے لہٰذا اس کا اجر و ثواب بھی زیادہ ہے اور اُس سے خود نفس میں شدائد کا مقابلہ کرنے کی طاقت بھی پیدا ہوتی ہے اور چونکہ یہ عبادت و تلاوت زیادہ یکسوئی کے ساتھ ہے لہٰذا قرآن کے مفادات پر غور کا بھی اس میں زیادہ امکان ہے اور پوری قوت کے ساتھ پھر تبلیغ و دعوت کا کام انجام دیا جاسکتا ہے، مخالفتوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ آپ کا حامی وہ ہے جو مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے، آپ بس اس پر بھروسا کیجئے'' مناسب عنوان پر قطع نظر'' کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دعوت تبلیغ کرنا اُنہیں چھوڑ دیجئے بلکہ یہ اُن کی بدزبانیوں اور ایذا رسانیوں پر جھنجھلانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان سے میں نپٹوں گا، ان کو مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ ہاں جلد بازی نہیں ہونا چاہیے۔............ تھوڑے دن کی انہیں مہلت دیجئے۔ وہ وقت جب آجائے گا تو اُن سے سمجھ لیا جائے گا۔

اِنَّ لَدَيۡنَاۤ اَنۡكَالًا وَّجَحِيۡمًا ۝١٢ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيۡمًا ۝١٣ يَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ وَكَانَتِ الۡجِبَالُ كَثِيۡبًا مَّهِيۡلًا ۝١٤

''بلاشبہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور دوزخ کی آگ اور گلے میں پھنسنے والی خوراک اور دردناک عذاب، اُس دن جب کانپ رہی ہوگی زمین اور پہاڑ، اور پہاڑ بکھرنے والے ریگ کے تودے ہوجائیں گے''۔

یوں تو دنیا ہی میں عذاب آسکتا ہے لیکن اگر اُن کی پوری دنیا کی عمر مہلت میں ختم کردی جائے تب بھی یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ عذاب سے بچ گئے کیوں کہ خلق کے یہاں آخر میں عذاب کا سامان موجود ہے۔ اس کے لئے ابھی قیامت کے ہنگام کی ابتدائی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ زمین اور پہاڑ تھرّا رہے ہوں گے۔ پہاڑوں کی یہ کیفیت کہ اُن کی سختی و مضبوطی ختم ہوگئی............ اور وہ ایسے ہوگئے جیسے ریگ کے بکھرے ہوئے تودے۔ یہ پہلا اثر ہے ابتدائی جو پہاڑوں کے لئے قرآن نے بتایا ہے اور اس کے لئے ایک منزل وہ ہے جسے کہا ہے **کالعھن**'' جیسے دھنکے ہوئے اون کے ٹکڑے اِدھر اُدھر منتشر'' اور پھر اُس کے بعد ایک درجہ ہے جب وہ **ھباء منثورا** ہیں یعنی اُن ذروں کی طرح جو روشندان وغیرہ سے دھوپ آنے کی حالت میں نظر آتے ہیں اور پھر آخر میں تو وہ غائب ہی ہوجائیں گے............ زمین چٹیل میدان کی طرح ہوجائے گی، جس میں کوئی اونچ نیچ سے فرق دکھائی نہ دے گا (قَاعًا صَفۡصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيۡهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمۡتًا ...... طٰہٰ۔۱۰۶، ۱۰۷)

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ رَسُوۡلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيۡكُمۡ كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ۝١٥ فَعَصٰى فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰهُ اَخۡذًا وَّبِيۡلًا ۝١٦ فَكَيۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ كَفَرۡتُمۡ

www.kitabmart.in

يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿١٧﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿١٨﴾ اِنَّ
هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾

''ہم نے تمہاری طرف ایک پیغمبر بھیجا ہے تم پر گواہ بنا کر جیسے فرعون کی طرف ایک پیغمبر بھیجا تھا تو فرعون نے اُس پیغمبر کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اُسے بڑی سختی کے ساتھ عذاب میں گرفتار کیا تو تم کیوں کر بچ جاؤ گے اگر تم نے کفر اختیار کیا اُس دن کے عذاب سے بچوں کو بوڑھے بنادے جس سے آسمان پھٹ جائے گا۔ یہ اُس کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ یقیناً اس میں ایک بہت بڑی نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف کا راستہ اختیار کرے''۔

اس میں مجمل طور پر حضرت موسیٰؑ کی بعثت کا حوالہ دیا گیا ہے اور حقیقیت ہے کہ ہمارے رسولؐ متعدّد وجوہ سے ''مثل موسیٰؑ'' کی حیثیت رکھتے تھے جس کے لئے بائبل میں بھی خود حضرت موسیٰؑ سے تخاطب میں کہ ''میں تمہارا ایسا نبی بھیجوں گا'' مگر یہاں تو اُن کی بعثت کا حوالہ مشرکین کو اُس انجام کی طرف متوجّہ کرنے کے لئے دیا گیا ہے جو فرعون کا ہوا اُن کی مخالفت کر کے وہ غرق دریا کر دیا گیا۔ اب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مخالفین کو متوجہ کر کے کہا جارہا ہے کہ موسیٰؑ کی مخالفت کر کے تو دنیا ہی میں عذاب آ گیا تو تم پر بھی دنیا ہی میں عذاب آ سکتا ہے اگر دنیا میں عذاب نہ بھی آئے تو قیامت کے عذاب سے کیوں کر بچ سکتے ہو اور پھر ہول قیامت کا ایسے عنوان سے بیان ہوا ہے جو کسی حد تک اُس کی شدّت اُن کے ذہن میں لا سکے۔ اور ''گواہ'' اس حیثیت سے کہا گیا ہے کہ رسول حجّت خدا ہوتا ہے جس کے آنے کے بعد کافروں کے پاس اپنے کفر اور نافرمانوں کے پاس اپنی نافرمانی کے قابل معافی ہونے کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا اور ان کا مستحِق عذاب ہونا پورے طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ
الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ
فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ
يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ
قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا
وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾

''بلاشبہہ آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ تقریباً دو تہائی، آدھی اور (نہیں تو) ایک تہائی رات نمازیں پڑھا کرتے ہیں اور اُن میں سے بھی ایک گروہ جو آپ کے ساتھ ہیں اور اللہ خوب پیمانہ جانتا ہے رات اور دن (کی ہر بات) کا اُسے معلوم ہے کہ تم لوگ اُس پر حاوی نہیں ہو سکتے لٰہذا اب خاص مہربانی اُس کی تمہارے شاملِ حال ہوئی ہے تو پڑھو جتنا آسانی کے ساتھ ممکن

www.kitabmart.in

ہے۔وہ جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوتے ہیں اور کچھ دوسرے لوگ سفر میں ہوتے ہیں، اللہ کی طرف کی روزی طلب کرتے ہیں اور کچھ دوسرے لوگ راہِ خدا میں جنگ کرتے ہیں لہٰذا جو آسانی سے (جس حال میں) ممکن ہو پڑھ لیا کرو اور پابندی کرو (واجب) نماز کی اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو نیک قرضہ دو اور جو کچھ اچھائی کا ذخیرہ اپنے لئے بھیج دو گے، اُسے پاؤ گے اللہ کے یہاں جو تمہارے لئے سب سے بہتر چیز ہوگی اور جس کا ثواب بہت بڑا ہوگا اور اللہ سے بخشش کے طلبگار رہو، یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، مہربان"۔

ایک روایت تو ایسی جو بتاتی ہے کہ پہلا عمل تو بس ایک سال رہا اور پھر سورے کا یہ آخری حصّہ نازل ہوگیا اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ طریقہ عبادت کا دس ۱۰ برس جاری رہا اور چونکہ گھڑی اور گھڑیال اُس وقت عام دنیا اور خصوصاً عرب ملک میں نہیں پائے جاتے تھے اس لئے کبھی اس خیال سے کہ تعمیل حکم میں کوتاہی نہ ہونے پائے کبھی کبھی پوری رات قیام ونماز میں گزر جاتی تھی [1] لہٰذا اس حکم میں تخفیف کر دی گئی اور کہا گیا اب اُتنا زیادہ وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جتنا آسانی سے پڑھا جائے اتنا پڑھ لیا کرو۔

چونکہ وجوہ تخفیف میں جہاد کا بھی ذکر ہے اور وہ بھی قتال کی لفظ کے ساتھ (يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) جس کے معنی تلوار وغیرہ سے مقابلے کے ہیں یعنی مرنے مارنے کی بات ہے اور اُس کا حکم مکّہ کی سرزمین پر یعنی ہجرت سے پہلے نہ تھا۔اور زکوٰۃ کا بھی اُن اصطلاحی معنی میں جس میں نصاب ہوتا ہے اور مقدار مقرّر ہے اور مستحقین معیّن ہیں مکّہ میں حکم نہ آیا تھا ان کی وجہ سے زیادہ ترجیح اسی قول کو حاصل ہے کہ یہ پہلے حکم سے تقریباً دس ۱۰ برس بعد مدینہ میں نازل ہوا ہے۔"پڑھو جتنا آسانی کے ساتھ ممکن ہے" اس سے جیسا کہ زیادہ تر مفسّرین کا قول ہے نمازِ شب مراد ہے جس کی رکعتیں مقرر ہیں لہٰذا ان کا شمار آسان ہے۔اُس میں بھی "پڑھو" کے لفظ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ آسانی کے ساتھ ممکن ہو اُتنی قرآن مجید کی زیادہ مقدار پڑھے۔اب اگر اتنا ہی حکم رہتا تو ہم سمجھتے کہ کم از کم نماز شب واجب ہے لیکن چونکہ بعد میں پھر اعذار بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ جتنا آسانی سے ممکن ہے پڑھو، ہاں نماز کی پابندی کرو اور اب نماز سے مراد واجب نمازیں ہیں تو معلوم ہوا کہ نماز شب کی بھی بس افضلیت ہے، وجوب نہیں ہے۔اصل واجب بس پنجگانہ نمازیں ہیں۔انہیں پوری پابندی کے ساتھ بہر صورت ادا کرنا لازم ہے۔اب جو لوگ بدَا پر معترض ہیں کہ اُن سے معاذ اللہ خداوند عالم کا پہلے جاہل ہونا اور پھر پشیمان ہونا لازم آتا ہے اُن کو اس آیت کے انداز بیان پر غور کرنا چاہیے۔حقیقت یہ ہے کہ علم ہونا ازل سے اور چیز ہے اور علم کے تقاضے کا معرض ظہور میں آنا باعتبار مصالح دوسری چیز ہے، جو بعد میں تبدیل کی جارہی ہے اس کا علم بھی پہلے سے تھا اور جس بنا پر تبدیلی ہورہی ہے وہ بھی علم تھا۔مگر مصلحت کا تقاضا پہلے وہ تھا خواہ بنظر امتحان ہو.......... خواہ باوجود مشقت تعمیل کرنے والوں کے صبر وثبات کا اندازہ دنیا کو کرانے کے لئے ہو اور پھر بعد میں مصلحت تخفیف کی متقاضی ہوگئی۔اور یوں کہنا چاہیے کہ حکم جہاد پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے مگر نوعیت جہاد میں فرق ہوگیا پہلے وہ اُس طرح تھا جس میں چمکتی ہوئی تلوار نظر نہیں آتی اور اب اس طرح ہوگیا جس میں تلوار بھی نظر آرہی ہے..........مگر اس جہاد کے ساتھ بھی وہ جہاد فرض نمازوں کی بلاناغہ ادا ئیگی..........اور نافلۂ شب کی بطور افضلیت پابندی اور زکوٰۃ کی شرائط وجوب کے ہوتے ہوئے بطور فرض پابندی اور کارہائے خیر میں جتنا زیادہ ممکن ہو، اُتنا صرف کرنے کی بطور تاکید پابندی اس کے بعد بھی قائم ہے۔

---

[1]۔كان الرجل يقوم ولايلدى متى ينتصف اليل ومتى يكون الثلثان وكان الرجل يقوم حتى يصبح مخافة ان لايحفظه (على بن ابراهيم)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ الْمُدَّثِّرِ

مکیّہ......٥٦......آیات

چونکہ اس سورہ کا آغاز پیغمبر خدا ﷺ سے لفظ المدّ ثر کے ساتھ تخاطب ہوا ہے اس لئے اس کا یہی نام ہو گیا۔

سورۂ مدثر کے خاص خاص مضامین:

یہ سورہ ترتیب میں اگر چہ المزمّل کے بعد درج ہے مگر اس سے بہت پہلے ابتدائے زمانہ بعثت میں اترا ہے۔

بعض نے تو کہا ہے کہ یہ سب سے پہلا سورہ ہے جو پیغمبر خدا ﷺ پر نازل ہوا، مگر اس سورے کے بعض مضامین سے جو ابھی آئیں گے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے پہلے قرآن کا کافی حصہ نازل ہو چکا تھا جسے سن کر مخالفین نے اس کلام کی نوعیت پر غور کرنا شروع کر دیا تھا اور طرح طرح کی باتیں بنانے لگے تھے اور رسولؐ کو کبھی کاہن کہتے تھے اور کبھی شاعر، کبھی (معاذ اللہ) مجنوں اور اس کی تاثیر بھی کچھ ان کو محسوس ہونے لگی تھی کہ وہ آپ کو ساحر کہہ رہے تھے۔ اور اس لئے بعض مفسّرین اس کے قائل ہیں اور وہ بعید نہیں ہے کہ بالکل شروع میں تو سورہ "اقراء" کی پانچ آیتیں اتریں جن سے بعثت رسولؐ کی ابتدا ہوئی پھر کافی عرصے تک سلسلہ وحی کا بند رہا اور اُس کے بعد اس سورے کی ابتدائی سات آیتیں اتریں جو ابھی سامنے آئیں گی اور اس کے بعد جلدی جلدی وحی کے اجزاء اترنے لگے اور اکثر وہ چھوٹے سورے اترنے لگے جو تیسویں پارے میں درج ہیں۔ اس دوران میں متفرق آیت کی صورت میں وہ آیتیں بھی آئیں جن سے سورہ اقراء کی تکمیل ہوئی اور یہ آیات بھی آئے جن سے سورہ مدّثر ایک مکمّل سورہ ہو گیا۔

اس سورہ میں پہلے تو رسول خدا ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ بس اب کھڑے ہو جائیں اور خلقِ خدا کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں، پھر قرآن کی عظمت اور علوشان کا بیان ہے، پھر جس شخص نے خاص طور پر یہ رائے ظاہر کی تھی یہ سحر ہے، اُس کو سختی کے ساتھ عذاب الٰہی سے خبردار کیا گیا ہے اور پھر دوزخ کا ذکر اور اُن فرشتوں کی تعداد ہے جو دوزخ پر مقرر ہیں۔ پھر مختصر طور پر اہل بہشت کا ذکر ہے اور اُن کے حسنِ انجام کا اور قرآن سے وحشت کرنے والوں اور بھاگنے والوں کا ذکر ہے اور یہ کہ ہدایت وہ پائیں گے جن کے شامل حال توفیق ربّانی ہو گی جو اہلیت کے ساتھ وابستہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"

یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرۡ ۪ۙ﴿۳﴾ وَ ثِیَابَکَ فَطَہِّرۡ ۪ۙ﴿۴﴾ وَ الرُّجۡزَ

www.kitabmart.in

فَاهْجُرْ ۝٥ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝٦ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝٧

''اے چادراوڑھ کرلیٹنے والے، اٹھیےاورمتنبّہ کیجئےاوراپنے پروردگار کی بڑائی کااعلان کیجئے اوراپنے کپڑے کو پاک رکھئے اورنجاست سے بچتے رہیےاوراحسان نہ کیجیےزیادہ حاصل کرنے کے لئےاوراپنے پروردگار کے لئے صبروبرداشت سے کام لیجیے''۔

کہاجاتاہے کہ جبرئیل امینؑ کودیکھ کرحضرت پیغمبرخداؐ خوف زدہ ہوگئے تھےاورگھرپرآکرفرمایا مجھےاڑھاؤ اور چادراوڑھ کرلیٹ گئےاُس وقت یہ سورہ اُترااوریاایہاالمدثر کہہ کےخطاب کیاگیا............یعنی آپ اُس سے نہ ڈریےکہ جوآپ نے دیکھاہےوہ شیطان کاکوئی وسوسہ ہواٹھیےاورخلق خداکوعذاب الٰہی سےمتنبہ کیجیےآپ تواللہ کےرسول ہیں۔علامہ طبرسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:۔

فی ھٰذامافیہ لان اللہ تعالٰی لایوحی الٰی رسولہ الاباالبراھین النیرۃ والاٰیات البیّنۃ الدالۃ علٰی ان مایوحٰی الیہ انّماھومن اللہ تعالٰی فلایحتاج الٰی شیء سواھاولایفزع ولایفرت (مجمع البیان)

اس روایت میں جوکمزوری ہےوہ ظاہر ہےکہ اللہ تعالٰی جووحی اپنے رسول کی طرف بھیجتاہےوہ کھلے ہوئے دلائل اورنمایاں نشانیوں کے ساتھ ہوتی ہےجوپتہ دیتی ہیں کہ جواُس پروحی ہورہی ہےوہ اللہ کی طرف سےہےجس کےبعدکسی اورچیزکی ضرورت نہیں ہےاوروہ گھبراتانہیں اور نہ ڈرتاہے۔بہرحال اس جزءکوردکرنے کےبعدبھی کہ حضرتؐ کومعاذاللہ شیطان کےوسوسہ کاڈرہوا،بحیثیت واقعہ اس کےتسلیم کرنے میں کوئی عذرنہ ہوناچاہیے کہ جب یہ سورہ نازل ہواہےتوحضرتؐ چادراوڑھ کرلیٹ چکے تھے۔چنانچہ علامہ طبرسیؒ نے اس کےبعدایک قول یہ نقل کیاہےکہ

انہ کان قدتدثربشملۃ صغیرۃلمنام فقال قم یاایھاالنائم من نومک فانذرقومک۔

آپ نےایک چھوٹی سی چادراوڑھی تھی تاکہ سوئیں،توارشادہواکہ اےسونیوالےاپنی نیندچھوڑکراٹھیےاوراپنی قوم کومتنبّہ کیجیے۔

بہرحال جیساکہ سورہ مزمّل کےابتدائی حصّے میں لکھاجاچکاہےان دونوں خطابوں میں کہ یاایھاالمدثراوریاایھاالمزمل ایک محبّانہ بےتکلفی ہے۔مطلب یہی ہےکہ اب سونے اورلیٹنے کازمانہ نہیں ہےاب توآپ کوخلق خداکوبیدارکرناہے............لہٰذابس اب اٹھیےاوراپنی قوم کومتنبہ کیجیےکہ اُن کاشرک اوراُن کی بداعمالیاں اُنہیں عذاب خداکامستحق بنارہی ہیں۔

یہاں اٹھنےکاحکم دینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بس اب کھڑے ہوجایئےاورجاکرلوگوں کےگھروں پراسی پردۂ شب میں انہیں جگاناشروع کردیجیے بلکہ یہی ہےکہ اب اپنے دورحیات میں مستقل طورپرآپ کویہ کام انجام دیناہےجس میں آپ کوآرام کاموقع کم حاصل ہوگااورسرگرمی وعرق ریزی کےساتھ جدوجہداورشدائدکامقابلہ زیادہ کرناپڑےگاجسےان آیات کےآخرمیں کہاہےکہ اپنے پروردگار کی طرف کےفرض کواداکرنے کے لئےآپ کوصبروبرداشت سےکام لیناہوگا۔

اللہ اکبرکےمعنٰی

''اپنےپروردگار کی بڑائی کااعلان کیجیے''............یعنی یہاں کےلوگ جودوسرے خداؤں کے سامنے سرجھکارہے ہیں اُنہیں بتادیجیےکہ ان میں سےکوئی عظمت کامالک نہیں ہے،بزرگی صرف اُس ذات کےلئےہےجوسب کاپروردگارہے۔اوراس حقیقت کےاظہار

www.kitabmart.in

کے لئے جو الفاظ اسلام میں عبادات کا ضروری جزء ہیں وہ اللہ اکبر کی ہیں۔
یہ اکبر افعل التفضیل کا صیغہ ہے زیادہ بڑا۔ اگر اس کے متعلق کوئی ذکر ہو جاتا کہ کس سے بڑا تو اس کی عظمت محدود ہو جاتی ہے، ایسے ہی محل وہ ہوتے ہیں کہ لفظوں کی کمی معنی میں زیادتی کا سبب ہوتی ہے، اب کسی کو بھی جو کسی وجہ سے بڑا سمجھے، اُس کی بڑائی کی نفی ہو گئی اور مطالبہ یہ ہے کہ جو چیز بھی تمہارے وہم وخیال وتصوّر میں آئے، اُس سے بڑی وہ ذات ہے جسے ہم معبود مانتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مسلمانوں نے اس نعرے کا اکثر غلط استعمال کر کے اس نعرے کی توہین کی اور اسے سب کو بنا دیا ہے جو حقیقت میں خود اُس کی عظمت محسوس نہ کرنے کا نتیجہ ہے مگر اُس سے بجائے خود اس نعرے کی عظمت اور اہمیت پر اثر نہیں پڑتا۔
درحقیقت اقراء اور مدّثر اور مزّمل سب میں علاوہ خلق خدا کے شرک وغیرہ معاصی سے روکنے کی کوشش کے احکام الٰہیہ میں جو سب سے اہم چیز نماز ہے اُس کے جزاؤ شرائط کی تعلیم بھی مضمر ہے۔ چنانچہ نماز کا ایک بڑا ضروری جزء اُسے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ اور پھر جیسا کہ پارہ اوّل کی تفسیر میں ہم نے لکھا ہے اقراء کے ساتھ ساتھ جو چیز لازمی طور پر ہر نماز میں پڑھنا ہے، سورۂ حمد اور اب ربك فكبّر کے ساتھ جو نماز کا پہلا جزء ہے کہ جس سے انسان نماز میں داخل ہوتا ہے وہ تکبیرۃ الاحرام اور اس کے ساتھ جو شرط لازم نماز کی ہے یعنی طہارت اُس کی طرف توجہ دو، مثبت اور منفی جزؤں کی صورت میں دلائی گئی ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ''اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے اور نجاست سے بچتے رہیے، اس میں دوسرا جزء لفظاً تو امر بھی ہے لیکن ہم نے اُسے منفی کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ اس میں نجاست کی نفی مضمر ہے، جس طرح توحید کے ساتھ نفی شرک کا لازمی تعلق ہے، ویسے ہی طہارت کے ساتھ نفی نجاست کا پہلو لازم ہے۔ فقہ اسلامی خواہ وہ اہل سنت کی یا شیعوں کی جسے ''فقہ اہل بیت کہنا چاہیے اور فقہ جعفری بھی کہتے ہیں، اس میں کتاب الصلوۃ سے پہلے کتاب الطہارت ہوتی ہے کیونکہ نماز کے حکم کی تعمیل ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ طہارت کے احکام کا علم اور اُن پر عمل نہ ہو۔
اب اس آئینی طہارت اور پرہیز از نجاست کے حکم کے ساتھ ان دونوں فقروں میں نفسانی و اخلاقی اور عملی طہارت بھی مضمر ہے جس میں ورع وتقویٰ اور اخلاقی بلندی کی پوری دنیا سموئی ہوئی ہے اب چونکہ اس راہ میں شدائد ومصائب آنا ضروری ہے اس لئے آخر میں صبر وبرداشت سے کام لینے کی ہدایت ہوئی ہے جو پھر اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ہوتی رہی۔ یہ کوئی عاجزی اور کم ہمتی کی تلقین نہیں بلکہ ثبات قدم اور استقلال کی دعوت ہے جو مشکلات کی نوعیتوں کے بدلنے کے ساتھ ہر حال میں قائم وبرقرار رہے اور بزم اور رزم دونوں پر حاوی ہے۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾
ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾
وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾
سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ
قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا

www.kitabmart.in

إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾

''توجب صور پھونکا جائے گا تو یہ جس دن ہوگا بڑا دشوار دن ہوگا، کافروں پر وہ کوئی معمولی نہ ہوگا، چھوڑ دو مجھے اور اسے جسے میں نے تنہا پیدا کیا، اور اس کے لئے بڑا پھیلا ہوا مال وزر میں قرار دیا اور بیٹے کہ جو ہر وقت موجود رہتے ہیں اور ہر طرح کی آسانیوں کا سامان اُس کے لئے فراہم کیا، پھر بھی وہ لالچ رکھتا ہے کہ میں اُسے اور زیادہ دوں ہر گز نہیں، وہ ہماری آیتوں سے جان بوجھ کر دشمنی کرنے والا ہے میں تو اب جلد اُسے سخت عذاب کی راہ پر لے جاؤں گا، اُس نے سوچا کہ اندازہ کر کے کیا بات کہے تو اُس کی جان لی جائے، کیا اُس نے اندازہ لگایا پھر (سنو) اُس کی جان لی جائے کہ اُس نے کیسا اندازہ لگایا پھر اس نے غور سے دیکھا، پھر اُس نے منہ سکیڑا اور نفرت کی صورت بنائی پھر (سچائی کی طرف سے) پیٹھ پھیری اور غرور سے کام لیا تو کہنے لگا یہ بس (لوگوں سے) سنا سنایا جادو ہے۔ یہ نہیں ہے مگر آدمیوں کا کلام''۔

ایک شخص خاص کا تذکرہ

انداز کلام سے ظاہر ہے کہ یہ ایک شخص خاص کا ذکر ہے۔ گزشتہ آیتوں کی شان نزول میں جو روایتیں ہیں وہ نہ ہوتیں تو ہم سمجھ سکتے تھے کہ اسی شخص کے طرز عمل سے دل برداشتہ ہو کر رسولؐ اُس طرح منہ لپیٹ کر لیٹے تھے جو یہ سورہ نازل ہوا۔ مگر جیسا کہ کہا گیا وہ سات آیتیں ہیں جو پہلے نازل ہوئیں اور اس کے بعد جب اس شخص سے اس واقعہ کا ظہور ہوا تو یہ آیتیں اتریں۔ علامہ طبرسیؒ نے اس سلسلے میں جو دو روایتیں نقل کی ہیں اُن میں سے ایک میں تو یہ ہے کہ جب قریش دار الندوہ میں جہاں کسی بھی اہم موقع پر مجلس شوریٰ کی ضرورت ہوتی تھی جوجمع ہوتے تھے) جمع تھے کہ اُس نے از خود کھڑے ہو کر مجمع سے کہا کہ تم صاحبانِ عقل ہو اور تمہاری بات کا عرب میں وزن معلوم ہوتا ہے۔ یہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) جو کلام سناتے ہیں اُس سے عرب متاثر ہوتے ہیں اور تم لوگ مختلف باتیں اس کلام کے متعلق کہتے ہو تو یکسوئی کے ساتھ ایک بات طے کر لو یہی کیا کرو گے۔ اب بتاؤ تم لوگ کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے تو اُس نے یہ سن کر منہ سکیڑا اور کہا کہ ہم نے بے شمار شعر سنے ہیں یہ شعر والے انداز کا کلام ہے ہی نہیں۔ اُنہوں نے کہا اچھا کاہن ہے۔ اُس نے کہا تم برابر اُس سے باتیں کرتے رہے ہو، کبھی اس نے کاہنوں کی سی گفتگو کی؟ اُنہوں نے کہا دیوانہ کہیں گے، اُس نے کہا یہ بھی تم اُس کی گفتگو سے محسوس کرو گے کہ وہ دیوانوں کی سی باتیں نہیں ہیں۔ اُنہوں نے کہا اچھا تو ساحر کہیں، اُس نے کہا ساحر کس طرح سے ہے۔ کہا اس لئے کہ وہ دوستوں میں آپس کے تفرقہ ڈال دیتا ہے، اور جو ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے انہیں ایک دوسرے کے قریب کر دیتا ہے اور یہ کام جادوگروں کا ہوتا ہے۔ اُس نے کہا اچھا یہ ٹھیک ہے، بس یہی کہو کہ وہ جادوگر ہے۔ اب جو ملتا تھا، رسول ﷺ کو جادوگر کہہ کر تخاطب کرتا تھا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرتؐ نے قرآن مجید کے ایک سورے کی تلاوت شروع کی تھی مسجد میں کہ یہ شخص آ گیا اور کھڑے ہو کر سننے لگا۔ حضرتؐ کو جب محسوس ہوا کہ وہ غور سے سن رہا ہے تو آپ نے جو آیت پڑھ چکے تھے اسے دوبارہ پڑھا اور پھر اگلے حصے کی تلاوت کی تو ولید اپنے قوم قبیلہ میں گیا اور کہا بخدا میں نے محمدؐ سے ایک ایسا کلام سنا جو انسانوں کا یا جنوں کا کلام نہیں ہے، اس میں شرینی ہے اور بڑی دل فریبی ہے۔ اس

www.kitabmart.in

کے اوپر کا حصہ میوہ دار ہے اور نیچے سے بھی وہ سرسبز شاداب ہے اور یہ غالب آکر رہے گا،کوئی اسے مغلوب نہیں کرسکتا۔ یہ کہہ کر گھر چلا گیا۔قریش میں چرچا ہونے لگا کہ لو ولید تو گرویدہ ہوگیا(یعنی مسلمان ہوگیا) ان جتنے قریش کے لوگ سب گرویدہ ہوجائیں گے، کیونکہ ولید کو قریش میں بڑی اہمیت حاصل تھی ۔ابوجہل نے کہا اسے ٹھیک کرنا میرے ذمہ ہے، چنانچہ وہ گیا اور بڑی رنجیدہ صورت سے اس کے پاس بیٹھا، اس نے کہا کیوں بیٹے! رنجیدہ کیوں ہو؟ کہا آپ ایسے بزرگ آدمی کو قریش کے لوگ بڑی لفظوں سے یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے محمدؐ کے کلام کی تعریف کی ہے۔ یہ سن کر ابوجہل کے ساتھ اٹھا اور اپنی قوم کے مجمع میں آیا اور اس سے گفتگو کی کہ تم شاعر کس طرح کہتے ہو، اور کاہن کس طرح کہتے ہو۔اور دیوانہ کس طرح کہتے ہو، تو قریش نے کہا اچھا تو آپ کیا کہتے ہو اس نے کہا جادوگر ہے کہ خاندانوں میں تفرقہ ڈالتا ہے، میاں بیوی سے اور باپ کو اولاد سے اور ایک عزیز کو دوسرے عزیزوں سے چھڑا دیتا ہے تو وہ بس ساحر ہے۔اسی کا قرآن مجید نے تذکرہ کیا ہے۔

یہ دونوں روایتیں انہوں نے الگ الگ درج کی ہیں لیکن سیرت ابنِ ہشام میں جو واقعہ درج ہے، اس میں ان دونوں روایتوں کے خاص اجزا بھی ترتیب کے ساتھ سموئے ہوئے ہیں اور اس اجتماع کا پس منظر بھی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کا چرچا ہونے لگا تھا اور اب ان کے متعلق چہ می گوئیاں ہر طرف ہو رہی تھیں کہ حج کا زمانہ قریب آگیا اور اب قریش کو فکر ہوئی کہ اس موقع پر تمام قبائل عرب کے لوگ آئیں گے لہٰذا ہم لوگوں کو اس کا سد باب کرنا چاہیے کہ ان کی تبلیغ سے وہ متاثر نہ ہوں۔اس کے لیے دارالندوہ میں وہ اجتماع ہوا تھا اور اس پر ولید نے وہ تقریر کی جو پہلے بیان ہوچکی ۔آخر تم لوگ اس کلام کو کیا کہو گے؟ اور ایک ایک بات کو جو وہ لوگ کہتے تھے، اس نے رد کیا۔اور اسی ذیل میں اس نے رسولؐ سے سنے ہوئے کلام کی تعریف میں وہ الفاظ کہے جو مجمع البیان کی دوسری روایت میں ہیں ابوجہل نے کہا کہ آپ سے لوگ ایسی بات سنیں گے تو پھر کون ہے جو ان کے کلام سے متاثر نہ ہوگا اور پوری قوم خود آپ سے ناراض ہوجائے گی لہٰذا آپ ہی کچھ نہ کچھ تو بات بتائیے کہ کیا کیا جائے اور اس پر سوچ سانچ کر اس نے وہ کہا جو قرآن مجید میں ذکر ہے۔

سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾
عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا
عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ
الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۙ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ
الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ
اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ
إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

''بہت جلد میں اسے دوزخ کا مزہ چکھاؤں گا اور تم کیا جانو کہ دوزخ کیا چیز ہے! وہ رحم نہیں کرتا اور نہیں چھوڑتا، وہ کھالوں کو جلا کر سیاہ کردینے والا، اس پر انیس (۱۹) کارکن مقرر ہیں اور ہم نے آتش جہنم کے ان کارکنوں کو نہیں

www.kitabmart.in

بنا یاہے مگر مگر فرشتہ اوران کی تعداد کونہیں قرار دیا ہے مگر آزمائش کا ذریعہ کافروں کے لیے تا کہ جنہیں پہلے کتاب عطا ہوچکی ہے انہیں یقین آ جائے جوایمان لائے ہیں ،ان کے ایمان میں اضافہ ہوا جنہیں کتاب عطا ہوچکی ہے اور جو باایمان ہیں، وہ کسی شک وشبہ میں گرفتار نہ ہوں اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور کافر لوگ نہ کہیں کہ اللہ کا اس بیان سے کیا مطلب ہے؟ اس طرح اللہ گمراہی میں ڈال دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو کوئی نہیں جانتا سوا خود اس کے اور یہ نہیں ہے مگر نصیحت انسانوں کے لیے''۔

چونکہ اُس شخص کو کفّار قریش بڑی اہمیت دیتے تھے اور اُس نے جانتے بوجھتے ہوئے اور ایک دفعہ حق کا اعتراف کرتے ہوئے پھر یہ معاندانہ رویّہ اختیار کیا تھا صرف اپنی وجاہت دنیوی کو قائم رکھنے کے لئے، اس لئے قرآن مجید نے یہاں بڑی سختی کے ساتھ اُس کے عذاب کا تذکرہ کیا ہے۔دوزخ کی یہ صفت جو بیان کی گئی کہ **لا تبقی ولا تذر** اُس کا ترجمہ جو ہم نے کیا کہ وہ ''رحم نہیں کرتا اور نہیں چھوڑتا'' یہ ایک تشریح کی بنا پر ہے۔[1]

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ''وہ نہیں باقی رکھتا اور نہیں چھوڑتا'' اب باقی نہیں رکھتا کا مطلب چونکہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ختم کردیتا ہے، اس لئے دوسرا جملہ کہ نہیں چھوڑتا۔اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ ایک دفعہ ختم ہونے کے بعد بھی نہیں چھوڑتا بلکہ دوبارہ اُن کی رمق حیات کو تازہ احساس دے کر اُنہیں مزید تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ ہے: **کلّما نضجت جلودھم بدّلنٰھم جلوداً غیرھا لیذوقوا العذاب** ''جب اُن کی کھالیں گل جاتی ہیں تو نئی کھالیں انہیں دی جاتی ہیں تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہے''۔(نساء۔۵۶)

لوّاحة لّلبشر کے بھی دو ۲ معنی ہیں ایک یہ کہ'' وہ کھالوں کو جھلس کر سیاہ کردینے والا ہے''[2] اس کی شدّت کا درجہ وہ ہے کہ کھالیں بالکل گل جائیں اور ضرورت ہو کہ دوسری کھالیں تازہ پیدا ہوں اور دوسرے یہ کہ وہ تمام آدمیوں کو جو وہاں داخل ہوں گے جلا دے گا[3] اور آدمیوں کے نام اس لئے لیے گئے کہ یہاں بات ایک آدمی ہی کی تھی ورنہ جنّات بھی جو داخل ہوں گے، انجام اُن کا بھی یہی ہے،اب یہ مضمون آیات سے بالکل ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی دفعہ وحی کی جو قسط نازل ہوئی اور سنائی گئی وہ اتنے پر ختم ہوگئی۔

اب مشرکین جن کے سامنے اُس کی تلاوت ہوئی وہ مذاق اڑانے لگے،ابوجہل نے قریش سے کہا ارے تم سب غارت ہوجاؤ۔یہ کہہ رہے ہیں کہ وہاں بس ۱۹ کارکن مقرر ہیں تو تم میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ دس (۱۰)، دس (۱۰) آدمی اُن میں سے ایک ایک سے بھڑ جائیں اور اس طرح سب کا خاتمہ کردیں۔اس پر ابوالسد جمحی جسے اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا کہنے لگا کہ اُن میں سے سترہ ۱۷ کے لئے تو میں اکیلا کافی ہوں۔دو ۲ کو تم لوگ ختم کردینا............بس یہود ونصاریٰ میں کہ وہ افراد جس میں گزشتہ انبیاء کے تعلیمات کے کچھ مٹے ہوئے نقوش موجود تھے کہنے لگے یہ سب مذاق بےکار ہے۔وہ (۱۹) کی تعداد میں سہی مگر وہ کوئی اُن آدمیوں میں جو تھوڑے ہوں گے یہ سب مل

---

[1] ای لاتبقی علیھم بل تبلغ مجھودھم فی انواع العذاب (مجمع البیان)

[2] محرقة تظاھرا الجلد (جلالین) مغیّرة للجلود وقیل لانحة للجلود حتی تدعھا اشدّ مرادا فی اللیل (مجمع البیان)

[3] سوزنداست آدمیانرا (شاہ ولی اللہ)

www.kitabmart.in

کرا نہیں دبالیں.............خدا جنہیں مقرر کرے گا وہ ایسے کمزور کچھ تھوڑی ہوں گے آدمی کہ آدمی اُنہیں دبالیں ....اس پر کچھ ڈھلمل یقین قسم کے مسلمان بھی جوشک وشبہہ یانفاق کے فرق میں گرفتار تھے، ایسے ہی ڈھیلے ڈھالے کافروں کے ساتھ مل کر کہنے لگے کہ بہرحال یہ تعداد بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ انیس ۱۹ ہوں گے کہ اُس کا مذاق اُڑایا جائے۔

اس پر یہ بعد کی آیت اتری.............جس میں پہلے اسی بات کو صاف طور پر کہا گیا کہ وہ انیس ۱۹ سہی مگر وہ تمہاری طرح آدمی تھوڑی ہیں کہ تم اُنہیں دبالو............بحیثیت واقعہ یہ ہے کہ وہ انیس ۱۹ ہوں گے لیکن خدا چاہتا تو اس پورے کام کو ایک فرشتے سے لے سکتا تھا۔ اور اُس ایک کو تم سب مل کر مغلوب ومقہور نہیں کر سکتے۔ وہ تو فرشتے ہیں اور جو کام اُن سے لینا ہے اُس کے تناسب سے اللہ اُنہیں طاقت عطا کرتا ہے، تمہاری جسمانی طاقتیں اُن کا مقابلہ تھوڑی کرسکتی ہیں............اور جو کچھ اس کہنے کا ردِعمل ہورہا ہے، اس کے سامنے لانے کے لئے تو اللہ نے اس تعداد کا اظہار کیا ہے کہ یہ کھل کر سامنے آجائے کہ اہل کتاب پر کیا اثر ہوتا ہے اور مومن پر کیا اثر ہوتا ہے اور کافروں اور منافقوں میں سے کس کس پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے............گمراہ اور ہدایت یافتہ میں بحیثیت واقعہ امتیاز کا ظاہر ہونا بھی اللہ کا ایک مستقل مقصد ہوتا ہے۔

یوں وہ چاہتا نہیں کہ کوئی گمراہ ہو لیکن جس میں گمراہی کے جراثیم چھپے ہوئے ہیں، اُن کو ابھرنے کا موقع دینا بھی اُس کا ایک خاص طریقہ کار ہے جس سے عذاب کا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾

''ہرگز نہیں قسم ہے چاندکی اور رات کی جب وہ پیٹھ پھرائے اور صبح کی جب وہ روشن ہو، بلاشبہہ وہ ایک بہت بڑی چیز ہے، وہ متنبّہ کرنے والی ہے انسانوں کو اُن کے لئے جو چاہے تم میں سے کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے''۔

چونکہ وہ دوزخ کا ذکر تھا اور یہ سب مذاق اُسی کے سلسلے میں اُڑایا جارہا تھا، اس لئے ہرگز نہیں کا تعلق بھی اُسی کے ساتھ ہے اور پھر یہ ضمیر کہ یہ بڑی چیز ہے، اُسی کی طرف راجع ہے [1] جب کہ ڈرایا جاچکا تو اب یہ کہنا کہ جو چاہے قدم آگے بڑھائے یا پیچھے رہے، اس کے معنی اجازت کے نہیں ہو سکتے کہ ہم تمہیں اختیار دیتے ہیں خواہ تم آگے بڑھو یا پیچھے رہو بلکہ یہ اُس اختیار کا ذکر ہے جو ایمان وکفر اور طاعت ومعصیت میں ہر ایک کو ہے اور جس کے سبب سے جزا وسزا کا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

[1] یعنی ان سقر التی ھی النّار لاحدی العظایم (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾

''ہرشخص اپنے اعمال کے ساتھ گرھویں ہے سوادائیں طرف والوں کے، کہ وہ بہشتوں میں ہوں گے، سوال وجواب کرتے ہوں گے گناہگاروں سے کہ تمہیں کیابات دوزخ میں لے گئی؟ وہ کہیں گے ہم نمازیوں میں داخل نہ تھےاورغریب محتاج کوکھانانہیں دیتے تھےاورہم بے ہودہ باتیں کرنے والوں میں شامل ہوکر بے ہودہ چرچے کرنے لگتے تھے، اورہم روز جزاءکوجھوٹ کہتے رہے یہاں تک کہ یہ یقینی منزل ہمارے سامنے آگئی، یہ لوگ ایسے ہیں کہ اُنہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں پہنچائے گی''۔

''ہرشخص اپنے اعمال کےساتھ گرھویں ہے'' یعنی اُس کےحسن انجام اور بدانجامی کاتعلق اُس کےکردار سے ہےجس میں اصل چیز تو ایمان لانا ہے کہ اسی پر پورےتمام افعال کے نتیجہ خیز ہونےکاانحصارہےاور''ہم نمازیوں میں داخل نہ تھے'' یعنی ہم نے ایمان قبول نہیں کیاتاکہ نماز پڑھتے ،اوروہ قابل قبول ہوتی۔بغیرایمان ایک تونماز پڑھتے ہی کیوں اورپڑھتےبھی تووہ قابل قبول نہیں ہوسکتی تھی،علماءنے اس سےعلم کلام کی اُس بحث میں استدلال کیاہےکہ کفّارفروعِ دین کےاحکام کےساتھ مکلّف ہیں یانہیں۔اُن کامقبول نظریہ یہ ہے کہ یہ احکام سب کے لئے ہیں مگرشرط صحت ایمان ہے۔کافرکواس کی بھی سزاہوگی کہ وہ ایمان کیوں نہیں لایااوراس کی بھی کہ اُس نے نماز وغیرہ جوفرائض تھے وہ کیوں ادانہیں کیے.......... یہ کہ وہ ایمان نہیں لایاتھا، اُسے ان احکام کی خلاف ورزی کی پاداش سے بچانہیں سکتےجس طرح کوئی وضویاغسل کرےہی نہ تووہ ترک نماز کی سزاسے بچ نہیں سکتاحالانکہ بغیراس شرط کےنماز پڑھتاتوقبول نہ ہوتی مگریہ شرط جب اُس کےاختیارمیں تھی اوراُس نے اُسےترکِ نماز کی سزاکامستوجب ہے،اُسی طرح کافران احکام پرعمل پیرانہ ہونےکی سزاکابھی مستوجب ہے۔[1]

حقوق اللہ کےساتھ حقوق الناس کوکہیں نظرانداز نہیں کیاجاتا.......... چنانچہ جیسےقرآن مجید میں دوسرے مقامات پر یقیمون الصّلوٰۃ کےساتھ یؤ تون الزکوٰۃ ہےویسےہی یہاں بدانجامی کےاسباب میں نمازیوں میں نہ ہونےکےساتھ بھوکےکوکھانانہ دینےکاذکرکیاگیاہے۔

''یقینی زندگی سےمرادموت بھی ہوسکتی ہے'' یعنی مرتےدم تک ہم اُسی روش پرقائم رہےاوریہ''جزاؤسزا'' کی ساعت بھی مرادہوسکتی ہےجسےوہ جھٹلاتےرہےتھے۔اُنہیں شفاعت فائدہ نہ پہنچائےگی۔کیونکہ یہ سب کافرتھےاورشفاعت کفّارکی جماعت کےلئےنہیں ہے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۖ بَلْ لَّا يَخَافُونَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

---

[1]۔فیہ دلالۃ علیٰ ان الکفّارمخاطبون بالعبادات الشرعیۃ لانہ حکایۃ عن الکفّاربدلالۃ قولہ وکنّانکذّب بیوم الدین(مجمع البیان)

www.kitabmart.in

''تو انہیں کیا ہے کہ وہ نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں جیسے وہ وحشی گدھے ہیں جو کسی شیر سے بھاگے ہوں بلکہ ہرایک اُن میں سے چاہتا ہے کہ (براہ راست خود) اُسے کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے۔ ہرگز نہیں یہ ایک نصیحت ہے تو جو چاہے وہ اُسے یاد رکھے اور وہ یاد نہیں رکھیں گے جب تک کہ اللہ کو منظور نہ ہو۔ وہ ڈرے جانے کا حقدار ہے اور وہ بخشش والا ہے''۔

یعنی نصیحت تو انہیں اُن کی خیرخواہی کے لئے کی جارہی ہے مگر یہ اُسے توجہ سے سننے اور فائدہ اٹھانے کے بجائے اُس سے اس طرح بھاگ رہے ہیں، چونکہ جنگلی گدھے ذرا بھی خطرہ محسوس کر کے بے تحاشہ بھاگتے ہیں ایسے منظر کی تشبیہہ اُن سے دی جاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ خدا براہ راست اُن کے پاس خطوط بھیجے یا کتابیں اُن تک پہنچائے۔ اس میں ایک پہلو تکبّر کا بھی مضمر ہے کہ ہم ایک شخص کے کہنے پر جو ہم ہی میں سے ہے سر جھکا دیں، یہ ہماری شان کے خلاف ہے............بعد میں قرآن مجید نے کہہ دیا ہے کہ ''یہ چاہنا بھی'' اُن کا ایک بہانہ ہے ایمان نہ لانے کا۔ حقیقت میں وہ اس آخرت کو مانتے ہی نہیں، اور اُس کا اندیشہ اپنے دل سے محسوس نہیں کرتے۔ ورنہ ایسی باتیں اُن کے لئے رسولؐ کی رسالت کو ماننے سے سدّ راہ نہیں ہوسکتی تھیں۔ بعد میں جو کلّا ہرگز نہیں کہا گیا، اللہ کا کام نہیں ہے............اتمام حجّت ہو چکی جسے پھر کہا جارہا ہے کہ جو نصیحت کرنا تھی کر دی گئی۔ اب نہیں مانتے تو یہ جانیں ان کا کام۔ یہ چاہیں تو اس نصیحت کو یاد رکھیں مگر ان کا مستقل کر سار ایسا رہا ہے کہ اب وہ چاہیں ہی نہیں۔ اللہ کی توفیق بھی اُن کے شامل حال ہونے والی نہیں ہے............وہ اس کا حقدار ہے کہ اس سے یہ لوگ ڈرتے رہیں کہ کب وہ ان پر عذاب نازل کر دے............ہاں جو نیک راستے پر ہو اور ایمان اختیار کرے اُس سے جو غلطیاں بھی ہو جائیں اُن سے درگزر کرتا ہے، وہ بخشنے والا بھی ہے مگر ایسے باطل پر ایمان رکھنے والوں کو نہیں۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ الۡقِیٰمَۃِ

مکیّہ......۴۰......آیات

چونکہ قیامت کی قسم ہی سے سورہ شروع ہوا ہے، اس لئے سورے کا یہ نام ہوا اور یہی تقریباً اس سورے کا موضوع ہے۔ صرف درمیان میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت کی گئی ہے کہ آپ کو اس کی فکر نہ ہونا چاہیے کہ آپ وحی کے کچھ اجزاء کو بھول جائیں گے۔ ہمارے ذمّے ہے کہ ہم اسے محفوظ رکھیں اور ہمیں بھروسا ہے آپ کے حافظہ پر کہ آپ محفوظ رکھیں گے تو آپ کو اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ فراموش کر دیں گے۔ اس کے بعد پھر آخر تک منکرین آخرت کے شبہات اور اعتراضات کا جواب ہے اور محاسبۂ اعمال کے ضروری ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ کہ انسان کے تمام افعال و اعمال اُس کے یہاں محفوظ ہیں اور انہیں ایک ایک کرکے اُس کے سامنے لے آیا جائے گا اور اُس کے مطابق مکافات ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"

لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ﴿۱﴾ وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ﴿۲﴾ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ ﴿۳﴾ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ﴿۴﴾ بَلۡ یُرِیۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِیَفۡجُرَ اَمَامَہٗ ۚ﴿۵﴾ یَسۡـَٔلُ اَیَّانَ یَوۡمُ الۡقِیٰمَۃِ ﴿۶﴾

"نہیں قسم میں کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور نہیں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی، کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کر سکیں گے، کیوں نہیں ہم قادر ہیں کہ اُس کی ایک پور کو بالکل ٹھیک ٹھیک (پھر) بنا دیں، بلکہ انسان چاہتا ہے کہ آئندہ کی زندگی میں خوب فسق و فجور کرے، وہ پوچھتا ہے قیامت کا دن کب ہوگا"؟

یعنی یوں تو قیامت ایک ایسی حقیقت ہے جس کی قسم کھائی جا سکتی ہے مگر تم اُس دن کو مانتے نہیں لہٰذا اس کی قسم کھانا بے کار ہے۔ پھر انسان کا وہ ضمیر جو خود اُسے بری باتوں پر ٹوکتا ہے وہ بھی ایک بڑی حقیقت ہے قسم کھانے کے قابل مگر تم نے اس ضمیر کو مردہ بنا رکھا ہے۔ اس لئے میں اُس کی بھی قسم نہیں کھاتا، بہرحال کسی بھی آدمی کا یہ کہنا کہ اُس کی ہڈیاں جب بوسیدہ ہو گئیں اور ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو گئیں تو وہ کیوں کر دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے؟ غلط ہے اس لئے کہ وہ ہماری قدرت کو نظر انداز کر رہا ہے............اسی کو دو ۲ فقروں میں بیان کیا گیا ہے کہ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم ہرگز اُس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کر سکتے؟ کیوں نہیں............ہم تو وہ ہیں اور ہماری قدرت ایسی ہے کہ ہم اُس کے بڑے بڑے اجزائے جسم کا کیا ذکر، اُس کی انگلیوں کی ان پوروں کو جن سے وہ بڑے چھوٹے ہر طرح کے کاموں کو انجام دیتا ہے بالکل اسی

طرح دوبارہ انہی منتشر اجزاء کو اکٹھا کر کے پیدا کر دیں گے حقیقت یہ ہے کہ اُس کے انکار کی کوئی بنیاد نہیں ہے بلکہ وہ جانتا ہے کہ قیامت کو مان لینے اور جزا و سزا کے قائل ہو جانے سے اُس کی آزادی ختم ہو جائے گی اور وہ طرح طرح کی اخلاقی و دینی پابندیوں میں مقید ہو جائے گا تو وہ صرف اپنی مطلق العنانی کو برقرار رکھنے کے لئے بطور انکار کہتا ہے کہ آخر قیامت کا دن کب ہوگا''؟

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾

''توجب نگاہ چندھیا جائے گی اور چاند کو گہن لگے گا اور سورج اور چاند اکٹھا ہو جائیں گے تو آدمی کہے گا کہ کہاں ہے بھاگنے کی جگہ؟ ہرگز نہیں، کوئی پناہ نہیں ہے، آج کے دن صرف تیرے پروردگار کی طرف پہنچ کر ٹھہرنا ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں تمہیں وقت معلوم کرنا ہی نہیں ہے۔ نہ خالق کو اُس کا وقت بتانا ہے مگر ہاں پھر سن لو کہ وہ کیسا ہولناک موقع ہوگا۔ ''نگاہ چندھیا جائے گی'' یعنی وہ دہشت ناک منظر ایسا ہوگا اور ایسا ایک دم اچانک طور پر آ جائے گا کہ کوئی دیکھ بھی رہا ہو تو حیرت اور دہشت سے اُس کی نظر کچھ کام نہ کرے۔ آنکھیں اس کی کھلی کی کھلی رہ جائیں اور دکھائی نہ دے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

چاند کو گہن لگے گا یعنی اس کی روشنی ختم ہو جائے گی اور سورج اور چاند اکٹھا ہو جائیں گے یعنی نظام عالم الٹ جائے گا اور دونوں مغرب کی طرف سے طالع ہوں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ آفتاب اور ماہتاب دونوں بے نور ہوں گے تو تاریک ہونے میں دونوں کی حیثیت ایک ہو جائے گی [1] یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نظام شمسی میں ابتری ہونے سے چاند ایک دم اپنے مستقر سے ہٹ کر سورج میں داخل ہو جائے۔ اصل یہ ہے کہ صحیح کیفیت ان باتوں کی بھی سمجھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بہرصورت خدا کو ماننے کے بعد جزا و سزا کی ضرورت عقل انسانی بغیر کد و کاوش کے سمجھ سکتی ہے اور جو شخص قدرت الٰہی کے کرشموں کو جو کائنات میں نمایاں ہیں سامنے رکھے اُس کے لئے انکار قیامت کی کوئی وجہ معقول نہیں ہے اور اُس کے انکار کی بنیاد صرف یہ ہے کہ یہ سب سننے سے اُس کے افعال و اعمال پر پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں جیسا کہ گزشتہ آیات میں پردہ کشائی کی گئی ہے۔

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

''اُس دن انسان کو بتایا جائے گا جو کچھ اُس نے آگے رکھا اور پیچھے رکھا بلکہ انسان خود اپنے حال کو خوب جانتا ہے چاہے وہ کتنے ہی بہانے کرے''۔

''جو کچھ آگے رکھا اور پیچھے رکھا'' اس کا یہ مطلب بھی لیا گیا ہے جو جناب ابن عباسؓ کا قول بیان ہوا ہے کہ آگے رکھا کے معنی یہ ہیں کہ اس نے جو اعمال انجام دیئے اور پیچھے رکھا کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اعمال کے نتائج جو اس کے بعد بھی باقی رہے اور یہ مطلب بھی لیا گیا ہے کہ کن بداعمالیاں اُس نے کیں اور کن فرائض کو پس پشت ڈال دیا اور انجام نہیں دیا اور یہ بھی کہ اپنے اموال میں سے کیا اُس نے بطور ذخیرۂ آخرت بھیج دیا اور کتنا وارثوں کے واسطے اپنے بعد چھوڑ دیا۔ اور یہ بھی کہ کارہائے خیر میں سے کتنے نہیں کئے اور یہ بھی کہ خود اپنی زندگی میں کون سی باتیں پہلے

[1]۔ای جمع بینہما فی ذھاب ضوءہما بالخسوف فیتکامل ظلام الارض علی اھلھا حتی یرا ھما کل احد بغیر نور وضیاء (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

انجام دیں اور کونسی بعد انجام دیں .... یہ سب اُس دن نامۂ اعمال اور حساب و کتاب کے ذیل میں اُس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور یوں تو وہ خود ہی اپنے ضمیر کے فیصلے کی بنا پر اپنے متعلق خود جانتا ہے۔ وہ دوسروں کو قائل کرنے کے لئے کتنے ہی دلائل اپنی صفائی میں پیش کرے اور طرح طرح کے بہانے بنائے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾

''اپنی زبان کو اُس کے ساتھ جنبش نہ دیجئے تا کہ جلدی آپ اُسے حفظ کر لیں، بلاشبہ ہمارے ذمّے ہے اس کا محفوظ رکھنا اور اُس کا پڑھوانا تو جب ہم اُسے پڑھوائیں تو آپ اسی کے مطابق پڑھتے رہیں، پھر ہمارے ہی ذمّے ہے اُس کا واضح کرنا''۔

خود ان آیات کے مضمون پر نظر ڈالتے ہوئے عموماً یہی سمجھا گیا ہے کہ خالق نے اپنی ذمّہ داری بتائی ہے، وہ خود رسولؐ کی ذات سے متعلق ہے مگر جناب شاہ ولی اللہ نے ترجمہ میں اسی پہلو کو پیش نظر رکھنے کے باوجود تفسیری حواشی میں ایک پہلو اپنے منظور نظر صحابۂ رسولؐ کی مدح کا پیدا کیا ہے اور ضمناً قرآن مجید کے حافظوں اور مفسّرین کی تعریف کا بھی، اور لکھا ہے:-

ظاہر نزدیک بندہ آنست کہ معنی آیت چنیں باشد ہر آئینہ وعدہ لازم است برما جمع کردن قرآن درمصاحف وحفظ قرأت آں عصراً بعد عصر وایضاح وتفسیر معانی آں خدا تعالیٰ بردست شیخین رضی اللہ عنہما جمع آں کرد ودر ہر زمانی قاریاں را توفیق داد کہ حافظ شدند وتجوید بخوانند ودر ہر زمانی مفسّراں را توفیق داد کہ در تفسیر آں سعی نمایند (فتح الرحمٰن)

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ وعدہ ہمارا یہ ہے کہ ہمارے ذمے قرآن کا جمع کردہ مصحفوں کی صورت میں اور حفاظت اور پڑھوانا اُس کے یکے بعد دیگرے ہر زمانے میں اور اُس کے معانی ومطالب کا واضح کرنا اور اُس کی تفسیر چنانچہ خدائے تعالیٰ نے جناب شیخین کے ہاتھ سے اسے جمع کرایا اور ہر زمانہ میں اور ہر جگہ قاریوں کو توفیق دی کہ حافظ ہوں اور قرأت کے ساتھ اُسے پڑھیں اور ہر زمانے میں مفسّرین کو توفیق دی کہ اُس کی تفسیر میں کوشش کریں۔

ہماری قدیم تفسیر قمی میں آل رسولؐ کی اُن خدمتوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو مسلّم طور پر اُنہوں نے حفظ وتشریح قرآن کے ذیل میں انجام دی ہیں [1] اس سب کے برخلاف ایک پرانے مفسّر کوئی بلخی صاحب ہیں انہوں نے یہ رُخ اختیار کیا ہے کہ ان آیات میں روز قیامت ہی نامہائے اعمال کے پڑھنے میں بندہ جو جلد بازی کرے گا اُسے تنبیہہ کی گئی ہے۔ اسے علامہ طبرسی نے اس طرح نقل کیا ہے:-

قال البلخی الذی اختارانه لم یرد القراٰن وانّما اراد قرأت العباد لکتبهم یوم القیٰمة یدل علی ذٰلك ماقبله ومابعده ولیس فیه شئی یدل علی انه القراٰن ولاشئی من احکام الدّنیا وفی ذٰلك تقریع للعبد وتوبیخ له

---

[1] علی اٰل محمد جمع القراٰن وقرأته (علی بن ابراهیم)

www.kitabmart.in

حين لا تنفعه العجلة يقول لا تحرّك لسانك بما تقرأ. من صحيفتك التي فيها اعمالك يعني اقرأ كتابك ولا تعجل وتثبت لتعلم الحجة عليك فانا نجمعها لك فاذا جمعناه فاتبع ما جمع عليك بالانقياد والاستسلام للتبعة فيه فانه لا يمكنك انكاره ثمّ ان علينا بيانه لو انكرت (مجمع البيان)

بلخیؒ نے کہا ہے کہ یہاں قرآن مراد ہی نہیں ہے بلکہ بندوں کا قیامت کے دن اپنے نامہ ہائے عمل کو پڑھنا مراد ہے اس کی دلیل اس کے پہلے اور بعد کی آیتیں ہیں اور کوئی ایسی چیز ان میں نہیں ہے جو اس کا پتہ دے کہ اس سے قرآن یا کوئی دنیا کے شرعی احکام مراد ہوں اور اس میں بندے کی سرزنش ہے اس پر کہ وہ اُس نامۂ عمل کو جلدی جلدی کیوں پڑھ رہا ہے، اور اُس سے کہا جاتا ہے کہ اس نامۂ عمل کے پڑھنے میں تو اپنی زبان جنبش نہ دے اور غور سے اسے پڑھ جلد بازی سے کام نہ لے، سمجھ کہ تجھ پر کیا کیا الزامات ہیں۔ ہم وہ سب تیرے لئے جمع کئے دیتے ہیں تو جو کچھ تیرے لئے یکجا فراہم کر دیا گیا ہے اس کو سر جھکا کے سکون کے ساتھ پڑھ اور اس کی جو سزا ہے اسے برداشت کر کہ تیرے لئے اُس سے انکار ممکن نہ ہوگا اور اگر انکار کرے تو ہمارے ذمے ہے اس کا بیان کرنا اور وضاحت سے پیش کرنا۔ مگر یہ مطلب کچھ دل کو لگتا ہوا نہیں ہے اور اس میں کچھ زبردستی کی بناوٹ محسوس ہوتی ہے، قبل اور بعد کی آیتوں میں بھی ابتدائی احوال واہوال قیامت کا ذکر ہے، نامہائے عمل کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نامۂ عمل مراد لینے کے بعد بھی اس کا کوئی جوڑ قبل اور بعد کی آیتوں سے نہیں لگتا۔ خود ان فقرات کے مضمون سے صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اثنائے کلام میں جملۂ معترضہ کے طور پر خود حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تخاطب ہے جیسا کہ عام طور پر مفسّرین نے سمجھا ہے۔ اس کے بعد سلسلۂ کلام قبل والے بیان کے ربط سے شروع ہوا ہے جو ابھی آئے گا۔ الفاظ قرآن کو رسولؐ تک پہنچانے اور محفوظ رکھنے کی ذمہ داری کے ساتھ یہ کہنا کہ پھر ہمارے ذمّے اس کی وضاحت کرنا بھی ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اصل الفاظ قرآن کے ساتھ اُن الفاظ کی وضاحت بھی جہاں ضرورت ہوتی تھی بذریعہ وحی کی جاتی تھی جو اس قرآن مجید کا جزء نہیں ہے مگر اس کی تنزیل بھی بصورت وحی ہوئی ہے، جس کے علم کا ذریعہ دوسروں کے لئے بیان رسولؐ ہے جو داخل سنّت ہے اس لئے ماخذِ دین کی حیثیت سے کتاب کے ساتھ سنّت کا اعتبار بہرصورت ناگزیر ہے۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿٢١﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾

”ہرگز نہیں، حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ اس وقتی دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو نظر انداز کرتے ہو، اُس دن کچھ چہرے سرسبز و شاداب ہوں گے، اپنے پروردگار کی طرف نگران اور کچھ چہرے اُس دن بسورتے ہوئے ہوں گے یقین کئے ہوئے کہ اُن کے ساتھ پیٹھ کو توڑ دینے والی سختی ہوگی“۔

دیدارِ خدا بصیرت سے نہ کہ بصارت سے

مطلب یہ ہے کہ انکارِ آخرت حقیقت میں کسی عقلی فیصلے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ ایک سبب تو اس کا وہ تھا جو پہلے بیان ہوا کہ آخرت کے تصوّر سے اُس افعال و اعمال پر پابندیاں عائد ہوتی ہیں لہٰذا وہ حیلے حوالے کر کے اپنی مطلق العنانی کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جواب بیان ہو رہا ہے کہ اس کے وقت کے مفادات اُسے آنکھ سے نقد نظر آ رہے ہیں اور آخرت کے لئے آئندہ کا تصوّر ہے وہ ان لذائذ ومنافع

www.kitabmart.in

کوجو بظاہراس وقت حاصل شدہ نظر آرہے ہیں ترجیح دیتا ہے ان نعمتوں پر جنہیں وہ سنتا ہے کہ آخرت میں ملیں گے لہٰذا وہ ان پر ٹوٹتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے۔ جب آخرت آئے گی تو اس وقت دو قسمیں نظر آتی ہوں گی ایک چہرے اُن کے جو بشارتوں کے مستحق تھے اور اب ان بشارتوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے ہوئے دیکھ کر یہ چہرے ہشاش وبشاش پُررونق ہوں گے۔ اب انہیں جو کہا گیا ہے اپنے پروردگار کی طرف نگران تو مسلمانوں میں سے وہ فریق جو دیدار کا قائل ہے اپنے یہاں کے احادیث کی بنا پر اس کا مطلب یہ لیتا ہے کہ وہ انہی آنکھوں سے اللہ سبحانہ کو دیکھ رہے ہوں گے اور ہم جو رویت خالق کو ان آنکھوں محال سمجھتے ہیں، جس کے لئے خود قرآن میں ہے لا تدرکه الابصار" نگاہیں اُسے پا نہیں سکتیں کیوں کہ رویت اجسام سے متعلق ہوتی ہے جس میں شکل وصورت اور رنگت ہو اور وہ کسی سمت اور کسی جگہ میں محدود ہے اور خالق جسم وجسمانیات سے بری ہے، نہ وہ کسی مکان میں ہے نہ شکل وصورت اور رنگت رکھتا ہے اس لئے اس کا آنکھوں سے دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اس کا یہ مطلب قرار دینا ضروری ہے کہ انہیں اپنے خالق کی رحمت کے جلوے ہر طرف نظر آرہے ہوں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ ناظر کے معنی منتظر کے ہیں۔ اس پر ایک اعتراض یہ ہوا ہے کہ انتظار شاق وناگوار چیز ہے اور اہل بہشت کی زندگی کسی تکلیف وناگواری سے مکدّر نہیں ہوسکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انتظار وہ شاق وناگوار ہوتا ہے جس کے حصول کا یقین نہ ہو لیکن جس کا حصول یقینی ہو اس کا انتظار بھی لذیذ ہوتا ہے۔ دوسرا اعتراض لفظی قواعد کے لحاظ سے کیا گیا ہے کہ انتظار کے ساتھ الیٰ نہیں آتا اور یہاں کہا گیا ہے الیٰ ربہا ناظرة "اپنے پروردگار کی طرف نگران" اس کے لئے علامہ طبرسیؒ نے شعرائے عرب کے اشعار نظیر میں پیش کئے ہیں کہ وہ نظر جو انتظار کے معنی میں ہو، اُس کے ساتھ بھی اِلیٰ آتا ہے۔

تیسرا مفہوم یہ ہے کہ کاسۂ سر والی آنکھوں سے نہیں، بلکہ دل کی آنکھوں سے انہیں ہر طرف خدا دکھائی دے رہا ہوگا جو یقین کامل کے معنی میں ہے مگر اس صورت میں یہ عام اہل بہشت ہوں گے جو ہیں اللہ کو دیکھیں گے اور جو کامل یقین والے ہیں وہ اِس دنیا میں اُس کا جلوہ ہر طرف دیکھتے ہیں جیسا کہ حضرت امیرالمؤمنین علیؑ بن ابی طالبؑ سے کسی نے پوچھا ھل رأیت ربک "کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے"؟ حضرت نے فرمایا۔ و کیف اعبد ربا لم اره" پھر میں عبادت کیوں کرتا ہوں اُس پروردگار کی جسے دیکھا نہیں ہے"۔ جب وہ ذرا اس جواب پر غور کرنے لگا تو آپ نے فرمایا لا تراہ العیون بالابصار ولکن تراہ القلوب بحقائق الایمان" اسے آنکھیں ان نگاہوں سے نہیں دیکھتیں بلکہ اسے دل ایمانی بصیرتوں سے دیکھتے ہیں"۔ اہل سنّت کا وہ سمجھدار طبقہ جو اپنے یہاں کے احادیث صحیحہ کی بنا پر خالق کے دیدار کا انہی آنکھوں سے انکار نہیں کرسکتا، وہ بھی کہتا ہے کہ دیکھنے کی حقیقت کچھ اور ہوگی جس کا ہم یہاں ادراک نہیں کرسکتے۔ اس "خارج از ادراک' چیز کو ہم اگر بصارت کے بجائے بصیرت کہیں اور رویت کے بجائے ایمان ویقین کہیں تو پھر نزاع لفظی رہ جائے گی جو کوئی علمی حیثیت نہیں رکھتی۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾

"ہرگز نہیں جب جان کھینچ کر حلق تک پہنچ جائے گی اور کہا جائے گا اب کون ہے جھاڑ پھونک کرنے والا اور پورا گمان ہو جائے گا اب جدا ہونا ہے اور پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جائے گی تو تمہارے پروردگار ہی کی طرف کھینچ کر جانا ہوگا"۔

اب پھر اُن کے انکار آخرت کی رد ہے کہ تم اس وقت یہ سمجھ لو کہ مر کے چھٹکارا مل جائے گا مگر جب عالم احتضار ہوگا اور اس زندگی سے مایوسی

www.kitabmart.in

ہو چکے گی اُسی وقت پتہ چل جائے گا کہ بات ختم نہیں ہوئی ہے بلکہ اُس کے بعد پروردگار کا سامنا کرنا ہے اور وہاں گزشتہ اعمال کی پاداش ملنا ہے۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾

''تو نہ اُس نے تصدیق کی اور نہ اُس نے نماز پڑھی بلکہ اُس نے جھٹلایا اور منہ موڑ لیا، پھر اِٹھلاتا ہوا اپنے گھروں کی طرف چلا گیا (ہاں) یہ تیرے ہی لئے زیادہ سزاوار ہے اور تیرے ہی لائق ہے، پھر (سن لے کہ) یہ تیرے ہی لائق اور تیرے ہی لئے سزاوار ہے۔ کیا آدمی سمجھتا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا''؟

انداز کلام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی خاص آدمی کا ذکر ہے۔ روایتیں بتاتی ہیں کہ وہ ابوجہل تھا کہ اُس نے گزشتہ آیتیں سنیں اور کچھ اثر نہ لیا بلکہ متکبرانہ انداز سے سن کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُسی سے کہا جا رہا ہے کہ یہ رویّہ اختیار کرنا تیرے ہی اوپر کھپ بھی سکتا ہے اور تیرے ہی لائق اور تیرے ہی لئے موزوں بھی ہے یعنی کوئی صاحب عقل وفہم ہوتا تو وہ ضرور غور کرتا اور جو کچھ کہا جا رہا تھا اُس سے اثر پذیر ہوتا۔ بعض مفسّرین نے کہا ہے کہ اولیٰ لک عرب کے محاورے میں ''وائے'' اور یا ''تف'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اُس کے کچھ شواہد بھی پیش کیے ہیں اور بار بار کہنا گویا مسلسل تازیانے لگانا ہے۔ بعض نے کہا ہے وائے ہو تجھ پر اس زندگی میں اور وائے ہو موت کے ہنگام میں اور پھر وائے ہو عالم برزخ میں یعنی موت اور قیامت کے بیچ والے دور میں اور وائے ہو قیامت میں اور سزا کی منزل میں۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس رویّہ کو دیکھ کر یہ الفاظ اُس سے فرمائے تھے جس پر اُس نے کہا کہ یہ تم کا ہے کا ہے سے مجھے ڈرا رہے ہو۔ بخدا میں قریش میں سب سے زیادہ بااثر آدمی ہوں آخر میں ایک کلیّہ کے طور پر استفہام کے پیرایہ میں انکار ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ وہ یونہی مطلق العنان چھوڑ دیا جائے گا۔ زندگی بھر جو چاہے کرے اور پھر اُس کی کچھ جزا وسزا نہ ہو، یہ غلط ہے۔ بہرحال زندگی میں اُسے کچھ فرائض انجام دینا ہیں جو اُس کے لئے مقرر ہیں اور پھر انہی کے لحاظ سے اُسے پاداش ملنا ہے۔

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

''کیا وہ شروع میں ایک منی کا ذرا سا پانی نُطفہ کا نہ تھا جو (عورت کے پیٹ میں) ڈالا جاتا ہے، پھر وہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں تھا تو اُس (خدا) نے اُس کے اعضاء جوارح بنائے پھر اس سے دو ۲ قسمیں مرد اور عورت کی پیدا کیں، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو پھر زندہ کرے''؟

یہاں وہ بالکل شروع والی منزل کو چھوڑ کر بات شروع کی ہے یعنی وہ آدم والی خلقت جو مٹی سے تھی، اُس کا ذکر نہیں کیا گیا اور جہاں سے توالد وتناسل کا سلسلہ شروع ہوا اُسی کو بیان کیا گیا اور پھر اُسی سے نتیجہ نکالا گیا کہ جو ان تمام تغیرات کے پیدا کرنے پر اور تخلیق میں ان تمام منازل کو طے کرانے پر قادر تھا، وہی دوبارہ اس آدمی کو جزا وسزا کے لئے زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس کا انکار کرنا کسی آدمی کے لئے بے معنی ہے۔ اصل مضمون یہی تھا جس سے سورہ شروع ہوئی تھی، اُسی پر اب اُسے ختم کیا جا رہا ہے۔

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الدَّهْرِ

''دہر'' اور سورۃ الانسان دونوں اس سورے کے نام ہیں جو اس کی پہلی ہی آیت کے دو الفاظ سے ماخوذ ہیں اور عرف عام میں یہ سورہ ''ھَلْ اَتٰی'' کہلاتا ہے جو اس کے ابتدائی الفاظ ہیں۔ چونکہ اس سورہ کے مکّی اور مدنی یا مجموعہ مکّی و مدنی ہونے میں بہت اختلاف ہے، اس لئے ہم نے پیشانی پر اس کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔

بہر حال اس میں تھوڑی سی تمہید کے بعد آل رسولؐ کے روزوں اور خیرات کا واقعہ درج ہے جو بہر حال مدینہ منوّرہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری حصے کا واقعہ ہے اس لئے اُس حصّے کو مدنی ماننا ناگزیر ہے۔ آخر کے آیات کے مضمون پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی دور سے متعلق ہیں لہٰذا اسے مکّی سمجھا جاسکتا ہے اور اس کی نظیریں سوروں میں بہت ہیں کہ مکّی سوروں میں مدنی آئتیں اور مدنی سوروں میں مکّی آئتیں درج ہیں۔ اس سورہ میں شروع میں انسان کو یاد دلایا گیا ہے کہ وہ عالم امکان کے ایک دور میں کچھ بھی نہ تھا، پھر اس کی تخلیق (۲) مقصد تخلیق (۳) کفران نعمت کرنے والوں کا انجام مختصر الفاظ میں۔ (۴) نیکوکاروں کے لئے آخرت کی نعمتوں کا تذکرہ ذرا تفصیلی طور پر (۵) اُس واقعہ کا ذکر جس کی بنا پر یہ سورہ نازل ہوا ہے (۶) نعمات بہشت کا مفصل ذکر اُس کے کردار کی جزا کے طور پر (۷) پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکین کے کردار پر صبر و ثبات کی تلقین (۸) نمازوں کے اوقات کا مختصر بیان (۹) انسانی ارادہ اللہ کے ارادہ کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں۔ یہ اپنے ارادے میں کامیاب اُسی وقت ہو سکتا ہے جب اللہ کے ارادے سے ٹکراؤ نہ ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا ① اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖۗ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ② اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ③

''کیا انسان پر عالم امکان کے دور میں ایک وقت ایسا نہ تھا جب کہ وہ کوئی ذکر میں آنے والی چیز نہ تھا۔ ہم نے اس انسان کو ملے جلے ہوئے نُطفے سے پیدا کیا تا کہ اُس کو محلِّ آزمائش میں لائیں تو اُسے دیکھنے والا اور سننے والا بنایا۔ ہم نے اُسے ایک خاص راستے کی ہدایت کی اب یا تو وہ شکر گزار ثابت ہوتا ہے یا ناشکرا''۔

استفہام یعنی سوالیہ جملہ کبھی اقرار لینے کے لیے ہوتا ہے کبھی انکار کے لیے اس کے لیے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ لفظوں کے معنی بدلے جائیں جیسے بعض نے کہا ہے کہ ھل یہاں قد کے معنی میں ہے۔ لفظیں بدلنے کی اس ضرورت نہیں ہے کہ زبان میں یہ انداز سوال

www.kitabmart.in

کا مقصد اقرار یا انکار کا حامل ہوا کرتا ہے تو اس کا مطلب چاہے اقرار ہو، چاہے انکار، بہرصورت لفظیں استفہام ہی کی ہوتی ہے اور یہاں مطلب یہی ہے کہ انسان کو توجہ دلائی جائے کہ وہ غور کرے کیا ایسا ایک دور نہیں تھا کہ انسان کے نام سے جس کا ذکر اب ہوتا ہے یہ وجود ہی نہیں رکھتا تھا کہ اس کا ذکر کیا جاسکے۔ حدیثوں میں ہمارے یہاں ایک عیاشی کی روایت ہے امام محمد باقر علیہ السلام سے جس میں الفاظ قرآنی میں مذکورا کی قید کو واضح کیا گیا ہے، فرماتے ہیں:۔ کان شیئاولم یکن مذکورا؛ وہ کوئی چیز تو تھا مگر اس کا ذکر نہیں تھا۔ دوسری روایت میں سعید حداد کی امام محمد باقر علیہ السلام سے ہے یہ الفاظ ہیں کہ:۔ کان مذکورا فی العلم ولم یکن مذکورا فی الخلق: علم الٰہی میں تو اس کا ذکر تھا مگر زبان خلق پر اس کا ذکر نہ تھا۔

تیسری روایت حمران بن اعین کی امام جعفر الصادق علیہ السلام سے ہے کہ:۔ کان مقدوراولم یکن مکونا: وہ دائرہ قدرت میں تھا مگر احاطہ وجود میں نہ تھا۔ علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان المعدوم معلوم وان لم یکن مذکوراوان بالمعدوم یسمیٰ شیئا ''نابود جو ہو وہ بھی علم میں ہوتا ہے اگرچہ ذکر اس کا نہ ہو اور جو معدوم ہو وہ بھی شے کا مصداق ہوتا ہے۔ اس صورت میں فلسفیوں کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ الشیئیۃ تساوت الوجود'' شے ہونا موجود ہونے کے مرادف ہے''۔

بہرصورت انسان سے یہ اقرار لینے کا کہ وہ ایک دور میں قابل ذکر چیز نہ تھا اسے متوجہ کرنا ہے وہ ذاتاً ایسی چیز نہ تھا جس کا ذکر ہوسکے۔ یہ خالق کا احسان وکرم ہے کہ اس نے اسے قابل ذکر بنایا اور اب اسے یہ سوچنا چاہیے کہ اس منعم حقیقی کے اس احسان کے نتیجہ میں اس کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔'' ملے جلے ہوئے نطفہ سے'' یعنی اس میں ایک جز باپ کی طرف سے آتا ہے ایک ماں کی طرف سے آتا ہے اور دونوں سے مل کر اس انسان کی تشکیل ہوتی ہے۔''محل آزمائش میں لانے کے لیے'' یہ آزمائش اپنے علم کے لیے نہیں ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ کس میں کیا صلاحیتیں مضمر ہیں اور کس میں کیا جراثیم ہیں، بلکہ یہ آزمائش ان آثار کے علم ظہور میں آنے کے لیے موقع کا فراہم کرنا ہے جو اس دور حیات میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد آدمی کو متوجہ رہنے کی ضرورت ہے کہ وہ آزمائش میں کیسے اترتا ہے اور اس میں کمی محسوس ہو تو اس کے پورا کرنے کی کوشش لازم ہے۔ اسی آزمائش کے لیے اُسے'' گوش شنوا'' اور'' چشم بینا'' عطا کی۔ یہ ''گوش چشم'' وہ نہیں ہیں حیوانات کی بھی عطا ہوئے ہیں بلکہ یہ کان اور آنکھیں وہ ہیں جو حق وباطل اور صحیح وغلط میں امتیاز کرسکتی ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ کون حق کو قبول کرتا ہے اور کون باطل کو قبول کرتا ہے اگر وہ حق وصحیح کو اختیار کرتا ہے تو وہ ''شاکر نعمت'' ہے اور اگر باطل وغلط کو اختیار کرتا ہے تو وہ کافر نعمت ہے جہاں تک خالق کا عمل تھا وہ سب کے ساتھ یکساں تھا۔ جہاں سے انسان کے اختیاری کارگزاری شروع ہوئی دو قسمیں ہوگئیں، ایک شاکر اور ایک کفور۔ اب یہ تفرقہ قائم رہا جو آخر تک رہا کہ فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر ''ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ دوزخ میں''

إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ سَلَٰسِلَا۟ وَأَغْلَٰلًا وَسَعِيرًا ﴿٤﴾

''ہم نے تیار رکھی ہے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ''

اگرچہ عموماً بشارت کا درجہ انداز پر مقدم ہے اور پہلے ذکر میں ''شاکر'' پہلے تھا اور ''کفور'' بعد کو مگر چونکہ کافروں کی پاداش کا ذکر موضوع کے لحاظ سے یہاں ضمنی حیثیت رکھتا ہے جسے چند لفظوں میں ختم کردینا ہے اس لیے اسے مقدم کردیا گیا اور نیکوکاروں کے جس انجام کو جسے دور تک بیان کرنا ہے اور اسی ذیل میں اس واقعہ کا ذکر کرنا ہے جس کے لیے ان تمام نعمتوں کا بیان ہوا ہے، اس لیے اسے بعد میں شروع کیا گیا ہے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴿٥﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ

www.kitabmart.in

يُفَجِّرُونَهَا تَفۡجِيرًا ۝٦ يُوفُونَ بِالنَّذۡرِ وَيَخَافُونَ يَوۡمًا كَانَ شَرُّهُ مُسۡتَطِيرًا ۝٧
وَيُطۡعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسۡكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝٨ إِنَّمَا نُطۡعِمُكُمۡ لِوَجۡهِ اللَّهِ
لَا نُرِيدُ مِنكُمۡ جَزَآءً وَلَا شُكُورًا ۝٩ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوۡمًا عَبُوسًا قَمۡطَرِيرًا ۝١٠

''یقیناً نیک لوگ ایسے (بہشت کی شراب کے) جام پئیں گے جن میں کافور کی شرکت ہوگی وہ چشمہ جس سے اللہ بندے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے شاخیں نکال نکال کر سیراب ہوں گے یہ وہ ہیں جو نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن کا اندیشہ محسوس کرتے رہے ہیں جس کی مصیبت پھیلی ہوئی ہوگی اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت کے ساتھ ساتھ غریب محتاج اور یتیم اور جنگ کے قیدی کو ہم تمہیں صرف اللہ کے رضا کے لیے کھلاتے ہیں، نہ تم سے جزا چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔ ہم ڈرتے ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے اس دن کے عذاب کے ڈر سے جو بہت ترش رو اور سخت ہوگا''۔

اس واقعہ کا ذکر جس کی بنا پر یہ سورہ نازل ہوا ہے

قرآن مجید میں ایک فرد کی بھی مدح ہوتی ہے تو اکثر جمع کے صیغے استعمال ہوتے ہیں اور یہاں تو جن ہستیوں کے کردار کے لیے سند قبولیت کے طور پر سورہ اترا تھا وہ خود متعدد افراد تھے۔ صورت واقعہ یہ تھی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں نواسے حسنؑ اور حسینؑ بیمار ہوئے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام دونوں بزرگواروں نے نذر کرلی کہ خداوند عالم بچوں کو صحت فرمائے گا تو وہ تین تین روزے رکھیں گے، گھر کی خادمہ جناب فضہ نے بھی نذر کرلی جب بچوں کو صحت حاصل ہوئی تو حالانکہ خود شاہزادوں نے اپنی صحت کے لیے نذر نہ کی ہو مگر وفائے نذر میں بزرگوں کے ساتھ یہ بھی شرکت کے لیے آمادہ ہوگئے۔ حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام نے تین دن کی وفائے نذر کے لیے جو اس گھر کی غذا معمولاً تھی یعنی جو فراہم کیے اور سیدہ عالم سلام اللہ علیہا نے اس کے تین حصے کیے۔ ایک حصے سے پہلے دن کی غذا تیار کی گئی۔ جب وقت افطار کا آیا تو دروازے پر سے آواز آئی میں ایک مسکین مدینہ سے بھوکا ہوں، مجھے کھانا چاہیے، روزہ داروں میں ہر ایک نے اپنا کھانا اس سائل کو دے دیا اور پانی سے افطار کر کے عبادت خدا میں مصروف ہوگئے اور دوسرے دن کے روزے کی نیت کرلی، دوسرے دن کھانا تیار ہوا اور افطار کے وقت سامنے آیا............ مگر آج یتیم کی آواز آئی............ اور وہ کھانا تیار ہوا حوالے کردیا گیا............ اور تیسرے دن افطار کے وقت ایک اسیر جنگ کی آواز آئی............ آج کھانا اس قیدی کو دے دیا گیا............ یہی وہ کردار تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہوا اور اس کی بنا پر یہ سورہ یا کم از کم یہ سلسلہ آیات کا جس میں سے یہ آیتیں ہیں نازل ہوئیں۔ یہ جو ہے کہ ''ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیئے دیتے ہیں، نہ تم سے جزا چاہتے ہیں، نہ شکریہ'' یہ زبانی الفاظ ان ہستیوں کے نہیں ہوسکتے، اس کے کہ یہ مسکین، یتیم اور اسیر یہاں واحد نہیں آئے تھے جو ان سے یہ الفاظ کہے جاتے بلکہ ہر دن کھانا دینے میں جو ان کے دل کی آواز تھی اسے خالق نے اپنے الفاظ میں جز قرآن بنا یا دیا

فَوَقَٰهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ الۡيَوۡمِ وَلَقَّىٰهُمۡ نَضۡرَةً وَسُرُورًا ۝١١ وَجَزَىٰهُم بِمَا صَبَرُوا
جَنَّةً وَحَرِيرًا ۝١٢ مُّتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى الۡأَرَآئِكِ لَا يَرَوۡنَ فِيهَا شَمۡسًا وَلَا

www.kitabmart.in

زَمْهَرِيرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ
عَلَيْهِمْ بِآنِيَةٍ مِنْ فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا ﴿۱۵﴾ قَوَارِيرَ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا
تَقْدِيرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ
سَلْسَبِيلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا
مَنْثُورًا ﴿۱۹﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿۲۰﴾ عَالِيَهُمْ ثِيَابُ
سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ
شَرَابًا طَهُورًا ﴿۲۱﴾ إِنَّ هَٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَشْكُورًا ﴿۲۲﴾

''تو بچایا اللہ نے اس دن کی سختی سے اور انہیں ملا یا تر وتازگی اور مسرت سے اور انہیں صلہ دیا اس کا جو انہوں نے صبر کیا بہشت اور ریشم کے کپڑوں کے ساتھ جن میں وہ بیٹھیں تکیوں سے لگے ہوئے اونچی مسندوں پر، نہ دیکھیں گے وہاں سورج کی گرمی اور نہ سردی کی ٹھٹھر، اور ان پر جھکی ہوگی وہاں کی چھاوں اور وہاں کے پھلوں کا حاصل ہوگا ان کے لیے آسان رکھا جائے گا اور اُن پر گردش کرائی جاتی ہوگی چاندی کے برتنوں کی اور ان ساغروں کی جو شیشے کے ہوں گے جنہیں صحیح انداز ے کے ساتھ اُن کے سامنے لیا جائے گا اور انہیں پلائے جائیں گے وہ جام جن میں آمیزش ہوگی سونٹھ کی، اس چشمے سے جو وہاں ہے جس کا نام سلسبیل ہے اور ان کے سامنے گردش کررہے ہوں گے وہ خدمت کرنے والے لڑکے جو ہمیشہ ایک ہی حال پر رہیں گے، جب تم انہیں دیکھو گے سمجھو گے بکھرے ہوئے موتی اور جب دیکھو گے تو اس موقع پر دیکھو گے منظر ایک بڑے عیش و آرام اور بڑے اقتدار کا اُن پر ہوں گے سبز باریک ریشم کے اور اطلس و دیبا کے اور انہیں پہنائے جائیں گے کنگن چاندی کے اور اُن کا پروردگار انہیں پلائے گا پاک و پاکیزہ شراب، یقیناً یہ تمہارا کچھ صلہ ہے اور تمہاری کوشش قدردانی کے قابل ہے''۔

نعمات بہشت کا مفصل ذکر، کردار کی جزا کے طور پر

تروتازگی کا تعلّق چہرے سے ہے اور مسرت کا دل سے اور دونوں میں لازم وملزوم کا تعلّق ہے، اور یہ سب رضائے الٰہی کے احساس سے ہے، یہ سب جزائیں اُن کے صبر کی بیان ہوئیں ہیں اور یوں تو صبر اُن کی پوری زندگی پرحاوی ہے مگر اس واقعۂ خاص میں پہلے تو روزے ہیں جنہیں قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ (اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ) لفظ صبر سے تعبیر کیا ہے اور پھر راہ خدا میں اطعام کے سلسلہ میں جو انہوں نے تین دن مسلسل بے غذائی برداشت کی، اُس نے اُس صبر کی قدر وقیمت میں اضافہ کردیا گرمی اور سردی کی تکلیف اعتدال کی حد سے گزرنے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، ہوائے جنّت نقطۂ اعتدال پر ہے اس لئے نہ وہاں سردی تکلیف دہ ہے نہ گرمی۔

www.kitabmart.in

شاخیں درختوں کی اُن کیطرف جھکی ہوئی ہوں گی، یہی چھاؤں کا جھکا ہونا ہے اور اسی سے پھلوں کے بآسانی حاصل ہونے کا تعلق ہے۔ چاندی کے ساتھ کہا گیا ہے شیشے کے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہیں تو وہ چاندی کے مگر اتنے صاف وشفاف اور نازک کہ شیشے کے معلوم ہوتے ہوں گے، پہلے چشمے کے وصف میں کہا گیا تھا کہ کافور ملا ہوگا اور اس چشمے کے وصف میں یہ سونٹھ کا پانی ملا ہوا ہوگا ان کا ذکر اس لئے ہے کہ عرب لوگ ان خوشبوؤں کو پسند کرتے تھے۔ ورنہ نہ اس کافور کو بالکل دنیاوی کافور کی طرح کا سمجھنا چاہیے۔ نہ اس سونٹھ کو بلکہ یہ اُس کے انتہائی خوشگوار ہونے کا اظہار ہے.......... اب ہم اگر خوشگوار کا تصور کسی اور خوشبو سے وابستہ محسوس کرتے ہیں تو ہم اس خوشگواری کو اس سے تعبیر کر سکتے ہیں اسی طرح لباس میں جن کپڑوں کے نام لئے گئے ہیں، اگر اس دنیا میں اُس سے زیادہ بیش قیمت کوئی چیز آ گئی جس کا لباس اس سے اعلیٰ سمجھا جائے تو اس خاص قسم کے کپڑے کی خصوصیات نہ سمجھنا چاہیے بلکہ جو بلند سے بلند تصوّر لباس کا ہمارے ذہن میں آ سکے وہ سمجھنے کا ہمیں حق ہے اس لئے کہ نعیم جنّت کا معیار یقیناً اس دنیا سے بالاتر ہے۔ شراب کے ساتھ طہورا کا لفظ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جن جن خرابیوں کی وجہ سے دنیا والی شراب کو حرام کیا گیا ہے بہشت کی شراب ان تمام خرابیوں سے مبرّا ہوگی، اس میں خوشگواری ہی خوشگواری ہے۔ یہ نقائص نہیں ہیں جو دنیا کی شراب میں پائے جاتے ہیں۔ وہ ان سب باتوں سے پاک صاف ہے۔ چونکہ اُن کی نیت اپنے کردار میں بے غرض تھی جس کے ساتھ دو ۲ چیزوں کی نفی کی گئی تھی (لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا) ''نہ تم سے ہم جزا چاہتے ہیں، نہ شکریہ'' تو خالق نے ان تمام جزاؤں کے تذکرے کے بعد اس پر اکتفا نہیں کی بلکہ وہی دو (۲) چیزیں اپنی طرف نسبت دے کر کہہ دیں کہ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿الانسان: ۲۲﴾ ''یہ تو تمہارے عمل خیر کی کچھ جزاء ہے اور تمہاری کوشش ''مشکور'' ہے۔ اگرچہ فاعل کی طرف انتساب سے ''شکر'' کے مفہوم میں فرق ہو جاتا ہے۔ بندے کا شکر ادا کرنا اور ہے اور خدا کی طرف یہ نسبت دی جائے تو اس کا ترجمہ وہی ہو سکتا ہے جو ہم نے کیا کہ تمہاری کوشش ہمارے نزدیک قابل قدر ہے۔ ہم نے جزاً کی تنوین کو تقلیل کا قرار دے کر ترجمہ میں ''کچھ'' کے لفظ کا اضافہ کر دیا یعنی عمل کی گرانی کے مقابلہ میں تمام نعیم جنّت سمٹ کر بھی اگر عمل کا پلّہ گراں رہے تو اس کمی کو دور کرنے کے لئے یہ ''مشکور'' کہنے کی سند ہی اُس بلند نظر صاحبانِ کردار کے نقطۂ نگاہ سے کافی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾

''ہم ہی نے آپ پر یہ قرآن تدریجی طور پر وقتاً فوقتاً نازل کیا ہے تو اپنے پروردگار حکم کی خاطر صبر کیجئے اور ان میں سے کسی بداعمال یا منکر ایمان کی بات نہ مانیے اور اپنے پروردگار کو یاد کیجئے صبح وشام اور رات کے ایک حصّہ میں سجدہ کیجئے اور اُس کی تسبیح کیجئے رات کے طویل حصّے میں''۔

اس کے شروع کے تین فقروں میں نماز ہائے فریضہ کے اوقت کا بیان ہے اور جہاں جہاں قرآن مجید میں اوقاتِ نماز کی طرف اشارہ ہے ان سے پانچ نمازوں کے لئے بیان تین اوقات کا کیا جاتا ہے چنانچہ وہاں بھی صبح کی نماز کا وقت بس الگ بیان ہوا ہے اور پھر اصیل کے لفظ

www.kitabmart.in

سے بعدزوال سے لے کرمغرب تک وقت دو ۲ نمازوں کا بیان کیا گیا ہے جوظہر وعصر ہیں اور رات کوسجدہ کرنے کا حکم میں مغرب اور عشاء دونوں نمازیں ہیں۔ پھر طویل حصّہ شب میں جو تسبیح کو کہا گیا ہے اُس سے بظاہر نمازِ شب مراد ہے۔ بہر حال پانچ وقت کی نمازوں کے لئے تین اوقات کا اعلان کرنا فقہ جعفری ہی کے حکم پر منطبق ہے کہ زوال سے لے کرمغرب تک ظہرین کا وقت ہے جس میں صرف بلحاظ ترتیب شروع کا ایک جزء ظہر کا وقت مختص اور آخر کا ایک جزءعصر کا وقت مختص ہے۔ باقی وقت دونوں نمازوں میں مشترک ہے اور مغربین میں غروب کے بعد سے بنظر ترتیب شروع کا جزء مغرب سے اور آخر کا ایک جزء عشاء سے مخصوص ہے باقی پورا مغربین یعنی مغرب اور عشاء کا مشترک وقت ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ
وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ
فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ۖ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

''یہ لوگ اس وقتی دور زندگی کو دوست رکھتے ہیں اور جو بھاری دن آگے آنے والا ہے، اسے چھوڑے ہوئے ہیں ہم نے انہیں پیدا کیا ہے اور اُن کے اعضاء و جوارح کا مضبوط نظام بنایا ہے اور جب ہم چاہیں تو اُن کی صورتوں کو پورے طور پر بدل دیں یقیناً اس میں ایک بڑی نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف کا راستہ اختیار کرے اور تمہارا چاہنا کچھ نہیں جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔ یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے صحیح صحیح کام کرنے والا، جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور جو ظالم ہیں اُن کے لئے اُس نے دردناک عذاب تیار رکھا ہے''۔

یہ پہلے بھی آچکا ہے کہ یہ مفادات دنیا کی محبت ہے جس کی وجہ سے یہ پیام حق کو قبول نہیں کرتے اور آخرت کو یاد کر کے اُس کے تقاضے پورا نہیں کرتے، ان کو اپنی موجودہ طاقت وقوّت اور جماعت کی کثرت وغیرہ پر ناز ہے، حالانکہ کہ ہم جب چاہیں ان تمام چیزوں کو بدل دیں.......... یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ ان سب کو فنا کر دیں اور ان کی جگہ ایک دوسری قوم کو پیدا کر دیں جیسا کہ بعض جگہ قرآن مجید میں ہے اور یہ بھی کہ بطور عذاب ان کی صورتوں کو بدل دیں جیسا کہ بعض امم سابقہ پر عذاب ہوئے اور آخرت میں مختلف شکلوں میں محشور کریں جس کا احادیث میں بھی ذکر ہے اور قرآن مجید میں بھی، دوسری جگہ ارشاد موجود ہے۔

آخر میں بتایا گیا ہے کہ حق اور باطل، نیک اور بد کے راستوں میں کسی ایک کو اختیار کرنا انسان کا کام ہے لیکن وہ جس راہ کو اختیار کرے، اُس پر چلنے میں بالکل آزاد بھی نہیں ہے، اسباب شرائط اور مواقع کے سلسلوں کی کڑیاں اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ انسان اپنے اچھے اور بُرے مقاصد میں اُس حد تک کامیاب ہوتا ہے جس حد تک اللہ کی مشیّت سدّ راہ نہ ہو، جہاں سے اس کی مشیّت کارفرما ہوجاتی ہے یہ اپنے تمام منصوبوں میں ناکمیاب ہو جاتا ہے اور ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہو.......... جہاں تک کہ اس کے سوءِ اختیار کا تعلّق ہے، یہ غلط راستہ اختیار کرے اصول عقائد میں کہ کافر ہو یا اعمال میں کہ فاسق ہو یہ دونوں باختلاف مراتب ظالمین میں داخل ہیں اور ظالمین کا انجام اُس کی طرف کا عذاب الیم ہے۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَةُ الۡمُرۡسِلٰتِ

مکیّہ......۵۰......آیات

چونکہ شروع ہی میں المرسلٰت کا لفظ ہے اس لئے یہ نام ہوا۔

اس سورے میں بھی منکرین آخرت کی رد ہے اور قیامت کے ہولناک مناظر کا ذکر ہے اور خالق کی قدرت کی کچھ نشانیوں کا بیان ہے اور منکرین کو مستقبل کے ہولناک دن سے ڈرایا گیا ہو اور پرہیز گاروں کے حسن انجام اور جھٹلانے والوں کے بُرے انجام پر سورے کو ختم کیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"

وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۙ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۙ﴿۳﴾ فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ۙ﴿۵﴾ عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ۙ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾

"قسم ہے اُن کی جو مسلسل بھیجی جاتی ہے، پھر وہ روزہ دار جھکڑّ کے ساتھ چلتی ہے، اور چاروں طرف شدّت کے ساتھ پھیلا دیتی ہیں، پھر پوری طرح جدا جدا کردیتی ہیں، پھر خدا کی یاد پیدا کرتی ہیں، حجّت تمام کرنے یا ڈرانے کے طور پر جو تم سے وعدہ وعید کیا جا رہا ہے یہ ضرور ہو کر رہنے والا ہے"۔

یہاں مسلسل قسمیں صفات کے ساتھ کھائی گئی ہیں اور موصوف کا پتہ نہیں کہ کون بھیجی جانے والیاں، کون رفتار سے چلنے والیاں، کون پھیلانے والیاں اور کون جدا کرانے والیاں اور کون خدا کی یاد پیدا کرنے والیاں........... اس لئے مفسّرین میں سے بعض نے ان کی تشریح میں فرشتوں کا نام لیا ہے اور کچھ نے انبیاء کو لیا ہے، کچھ نے خداوندی آیات یعنی قدرت کی نشانیوں یا قرآن کی آیتوں کو لیا ہے۔

انبیاء پر تو جمع مؤنث سالم کی لفظیں جس کے ترجمے میں ہر جگہ ' والیاں'' کہنا پڑا ہے کسی طرح منطبق نہیں ہوتی .... فرشتوں کے لئے بھی وہ تو مشرکین کا تصوّر تھا کہ وہ لڑکیاں ہیں لیکن قرآن نے اُس کی ردکی ہے اور سخت ناگواری کا ظہار کیا ہے تو خود قرآن اُن کے لئے جمع مؤنث کے لفظ کیوں استعمال کرتا۔ بعض میں تفریق ہے کہ شروع کے فقرات میں ہوائیں مراد ہیں اور بعد میں فرشتے مراد ہو گئے ہیں یہ بھی ایک سلسلہ کے الفاظ ہونے کی وجہ سے کچھ سمجھ میں آنے والی بات معلوم نہیں ہوتی .... زیادہ ترجیح اسی کو ہوتی ہے کہ یہ ہواؤں ہی کی قسم ہے............ وہی مختلف طرح کے پے در پے بھیجی جاتی ہیں اور وہی تیز جھکڑ کے ساتھ چلتی ہیں۔ ان ہی میں کی بعض ہیں جو بادلوں کو چاروں طرف پھیلاتی ہے اور انہیں میں بعض ہیں جو برابر کو جدا جدا کردیتی ہیں اور انہیں ذریعہ سے اگر باران رحمت ہے تو حجت الٰہی تمام ہوتی ہے اور انہیں کے

www.kitabmart.in

ذریعہ سے ایسی تباہی ہوتی ہے خواہ خود اس سے یا اس تباہ کن بارش سے جو اس کے سبب سے ہوئی ڈرانے کا کام ہوتا ہے اور خوف ودہشت طاری ہوجاتی ہے، بہرصورت قسمیں اسی پر ہیں کہ آخرت کی بار بار جو اطلاع دی جاتی ہے، وہ واقع میں آ کر رہے گی۔

فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۝٨ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ۝٩ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝١٠ وَإِذَا
الرُّسُلُ أُقِّتَتْ ۝١١ لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۝١٢ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝١٣ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ
الْفَصْلِ ۝١٤ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝١٥

''توجب ستارے بے نشان ہوجائیں گے اور جب آسمان کشادہ کردیا جائے گا اور جب پہاڑ سرمہ کردیئے جائیں گے اور جب پیغمبر حاضر کیے جائیں گے (آخر) کس دن کے لئے یہ اتنی مہلت دی گئی تھی فیصلے کے دن کے لئے اور تم کیا جانو فیصلے کا دن کیا ہے۔ وائے ہو اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے''۔

ستارے بے نشان ہوجائیں گے یعنی اُن کی روشنی ختم ہوجائے گی، لہٰذا وہ تاریک ہوں گے اور آسمان کشادہ کردیا جائے گا یعنی وہ شق ہوجائے گا جیسا کہ بعد میں آئے گا (إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ) اور اُس میں درمیان درمیان خلا ہوجائے گا جیسا کہ ابھی آئے گا (وَكَانَتْ أَبْوَابًا) اُس میں دروازے ہوجائیں گے، پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر ہوا میں منتشر ہوجائیں گے، اور پیغمبر حاضر کیے جائیں گے، اپنی کارگزاری اور قوم کے رویّہ کی روئداد سنانے کے لئے جسے قرآن کی بعض آیتوں میں ''شہادت'' یعنی گواہی کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ اب جو منکرین بار بار کہتے تھے آخر یہ سب پھر ہو کیوں نہیں جاتا، دیر کاہے کی ہے۔............اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تمہارے تقاضوں سے تھوڑی ہوگا۔ اس کے لئے تو ایک دن مقرّر ہے جو فیصلے کا دن ہوگا............اُس دن جھٹلانے والوں کی مکمل تباہی اور بربادی ہوگی۔

یہ آخر کا جملہ ''حاصل سورہ'' ہونے کے طور پر اُسی طرح بار بار دہرایا گیا ہے جیسے سورۂ رحمٰن میں فبایّ الاء ربّکما تکذّبان کے لفظیں پے در پے دہرائی گئی ہیں اور سورۂ قمر وغیرہ میں بھی ایسے جملے ہیں جو ہر تذکرے کے بعد برابر دُہرائے گئے ہیں جو بتلاتے ہیں کہ یہ سورہ اس خاص طرز میں ایک دفعہ میں اتارا گیا ہے۔

أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ۝١٦ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْآخِرِينَ ۝١٧ كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝١٨
وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝١٩

''کیا ہم نے پہلے والوں کو ہلاک نہیں کیا، پھر انہی کے پیچھے بھیجیں گے بعد والوں کو، ایسا ہی کرتے ہیں ہم مجرموں کے ساتھ۔ وائے ہو اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے''۔

پہلے والوں سے مراد وہی عاد وثمود وغیرہ زمانۂ سابق والی قومیں ہیں جو عذابِ الٰہی سے تباہ وبرباد کردی گئیں کہا جا رہا ہے کہ اُنہیں اور اُن کے انجام کو یاد کرو، وہی انجام ہونا ہے بعد والوں کا جو آیاتِ الٰہیہ کو جھٹلانے لگیں۔ یوں مختتم انجام کے لئے وہی دن مقرّر ہے جس کا یوم الفصل کے نام سے اعلان ہوچکا ہے۔

www.kitabmart.in

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾
فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾

’’کیا ہم نے تم نے ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا، اور اُسے قابل اطمینان پرسکون جگہ رکھا ایک مقرّر مدت تک تو ثابت ہوئی اس سے ہماری قدرت، توکیسی اچھی قدرت رکھنے والے ہم ہیں۔ وائے ہو اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے‘‘۔

یعنی ابتدائے خلقت کو دیکھو تو انتہائے خلقت اور دوبارہ پلٹائے جانے کا انکار نہ کرو، اس کے بعد بھی جو انکار کریں وہ فیصلے کے دن تباہی اور بربادی کے سوا اور کاہے کے مستحق ہیں۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ
وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾

’’کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی چیز نہیں بنایا زندوں کو بھی اور مردوں کو بھی اور اس میں اُونچے اُونچے پہاڑ بنائے اور تمہیں خوشگوار پانی سے سیراب کیا، وائے ہو اُس دن جھٹلانے والوں ک لئے‘‘۔

پھر یہ خالق کی قدرت وحکمت کی نشانیاں ہیں جن کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ یہ زمین ہے جو طرح طرح کے انسانی ضروریات کو پورا کرنے والے خزانے لئے اُن کے بود و باش کے لئے ہے اور اسی زمین کے اندر ان کے دفن ہونے کے لئے بھی گنجائش ہے اور پھر اونچے پہاڑ ہیں جن سے ان کے بہت سے ضروریات پورے ہوتے ہیں اور اسی زمین میں وہ پانی بھی فراہم کیا گیا ہے جس پر ان کی زندگی کا انحصار ہے، جو ان کے پینے کے کام آتا ہے جس نے یہ سب کچھ کیا ہے اُس کی قدرت سے یہ کیوں بعید سمجھے کہ وہ پھر ان مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے جزا وسزا کی منزل میں لائے۔ اتنی نشانیوں کو قدرت کی دیکھنے کے بعد بھی جھٹلائیں تو پھر اُس دن وائے بحال اُن کے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾
لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ
صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾

’’جاؤ‘‘ اب اُسی کی طرف جسے تم جھٹلاتے تھے، جاؤ اُس چھاؤں کی طرف جو تین شاخوں والی ہے جو نہ آرام دینے والا ہے اور نہ آگ کے شعلوں سے بچانے والا، وہ آگ پھنکتی ہوگی اونچی عمارتوں کی ایسی چنگاریوں کو جو اچھلتی ہوئی یوں نکل رہی ہے جیسے زرد رنگ کی اونٹنیاں، وائے ہو اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے‘‘۔

یہ چھاؤں کسی عمارت کی نہیں ہے بلکہ وہ دھواں ہے نیچے سے اجتماعی طور پر نکلتا ہے اور اونچا ہو کر اُس میں کئی شاخیں ہو جاتی ہیں۔ اسی کو کہا گیا ہے کہ تم ان چیزوں کو جھٹلاتے تھے اب انہی کا سامنا ہے۔ انہی کی طرف تم کو اپنے پیروں سے جانا ہے۔ اسی تباہی اور بربادی

www.kitabmart.in

سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا اور اب وہی آج تمہارے سامنے ہے۔

هٰذَا يَوۡمُ لَا يَنۡطِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤۡذَنُ لَهُمۡ فَيَعۡتَذِرُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۳۷﴾

''یہ وہ دن ہے جب وہ بات نہیں کہہ سکیں گے اور موقع دیا جائے گا کہ وہ عذر خواہی کر سکیں وائے ہو اس دن جھٹلانے والوں کے لئے''۔

شروع میں حیلے حوالے کیے اور اپنی صفائی میں جو سمجھ میں آیا وہ کہا لیکن اب وہ منزل آ گئی جب سب حجتیں قطع ہو گئیں اور اُن کے خلاف ہر بات کا ثبوت پیش ہو چکا، یہاں تک کہ اُن کے اعضاء وجوارح کی گواہیاں بھی ہو گئیں تو اب سوا دم بخو د رہنے کے کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ اب نہ اُن کے پاس کوئی دلیل ہے، نہ وہ کوئی عذر پیش کر سکتے ہیں۔

هٰذَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ ۚ جَمَعۡنٰكُمۡ وَالۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ كَيۡدٌ فَكِيۡدُوۡنِ ﴿۳۹﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۰﴾

''یہ فیصلے کا دن ہے ہم نے تمہیں اور پہلے کے تمام لوگوں کو اکٹھا کیا ہے، تو اگر تمہارے پاس کوئی ترکیب ہو تو میرے مقابلے میں وہ کرو، وائے ہو اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے''۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ہر مشکل سے مقابلہ کے لئے تم ترکیبیں سوچا کرتے تھے اور کبھی اس میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے لیکن اب اس وقت میرے عذاب کی گرفت سے نکلنے کے لئے تمہارے پاس کیا ترکیب ہے؟ اگر کوئی ترکیب ہو تو اُسے اختیار کرو۔ اب آج سوا تباہی اور بربادی کے اور صورت ہی کیا ہے؟

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ ظِلٰلٍ وَّعُيُوۡنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓـئًۢا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۴۴﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۵﴾

''پرہیز گار لوگ سایوں میں ہیں اور چشموں میں اور طرح طرح کے پھلوں کے اندر جسے ان کا جی چاہے، شوق سے کھاؤ اور پیو صلے میں اُن اعمال کے جو تم کرتے تھے ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں حسنِ عمل رکھنے والوں کو، وائے ہو اس دن جھٹلانے والوں کے لئے''۔

مجرموں کی بدانجامی کا مسلسل تذکرہ کرنے کے بعد اُن کی حسرت و ناکامی کو مکمل کرنے کے لئے بیان ہو رہا ہے، ان کے مقابل کی جماعت کے حال کا جس نے آخرت کو سچ سمجھا اور اُس کی تصدیق کا برابر اپنے اعمال سے بھی ثبوت دیا جس میں شروع میں ان کا ذکر بطور غائب ہے اور پھر اُن سے تخاطب کر کے نعیم جنّت سے بہرہ مند ہونے کی بشارت دی گئی ہے اور آخر میں پھر تازیانہ لگایا گیا ہے، جھٹلانے والوں کو۔

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٧﴾

''کھاؤ اور تھوڑے دن فائدہ اٹھالو (بہر حال) تم مجرم لوگ ہو، وائے ہو اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے''۔

وہ دن جب آجائے گا تو اس موقع کے تذکرے کرنے کے بعد اب دار دنیا میں ابھی جن کے لئے وہ وقت نہیں آیا ہے، اُن تمام کافروں اور بداعمال لوگوں کو مخاطب کرکے اعلان کیا جارہا ہے کہ اس دار دنیا میں عارضی طور پر جب تک موقع دیا جارہا ہے اتنے دن آرام اٹھالو اور اللہ کی نعمتوں سے جو اُس نے خلق فرمائی ہیں اٹھالو مگر یاد رکھو کہ تم مجرم لوگ ہو، انجام تمہارا وہی ہونا ہے جس کا بار بار جھٹلانے والوں کے لئے اعلان ہورہا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٠﴾

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے، وائے ہو اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے تو کون بیان ہے اس کے بعد جسے سن کر وہ ایمان لائیں''۔

رکوع سے مراد وہ احکام خدا و رسولؐ کے سامنے جھکنا ہے، اگر وہ آخرت کو نہ جھٹلاتے ہوتے تو اُن کے عملی تقاضوں کو پورا کرتے اور احکام خدا و رسولؐ کے سامنے جھکتے، مگر وہ تو آخرت کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے لہٰذا وہ ان احکام کے سامنے جھکتے بھی نہیں، لہٰذا اُس کا نتیجہ وہی ''وائے'' ہے جس کا مطلب ہے تباہی و بربادی۔ آخر میں کہا گیا ہے کہ قرآن اتنے واضح طور پر ان حقیقتوں کو پیش کررہا ہے، اب اس کے بعد بھی یہ لوگ اس کو قبول نہیں کرتے تو وہ کون سا کلام ہوسکتا ہے جو ان کے سامنے آئے اور یہ اس کے ماننے کے لئے تیار ہوجائیں۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ النَّبَاِ

مکیّہ......۴۰......آیات

پہلی ہی آیت میں النبأ العظیم ایک خاص بڑی خبر کا ذکر ہے، اس لئے اس کا یہ نام ہوا۔

نبأ یعنی خاص خبر سے مراد وہی قیامت کی خبر ہے جس کا منوانا اس مکی زندگی کے سوروں کی بڑی مہم ہے اور اُس کے منکروں سے بحث، اُن کی شبہات کا دفعیہ ہی ان سوروں کا خاص موضوع ہے۔ اس ذیل میں وہی خداوند عالم کی قدرت کے کرشمے اور اس کے مخلوقات صنائع کی طرف توجہ دہانی جس سے ایک ساتھ مبدأ اور معاد دونوں پر روشنی پڑتی ہے یعنی مستحق عبادت وہ خدا ہے جس نے یہ تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ نہ کہ تمہارے اصنام جو اِن میں سے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے............درمیان میں رسولؐ کی سچائی اور قرآن کی حقانیت پر توجہ دلائی گئی ہے اور آخر میں روز قیامت منکروں کی بے بسی اور عاجزی پر سورے کو ختم کیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۚ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾

"یہ لوگ کا ہے کے بارے میں باہم سوال وجواب کر رہے ہیں؟ اس بڑی خبر کے بارے میں جس کے متعلق وہ طرح طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ ہرگز نہیں، عنقریب انہیں معلوم ہوگا، پھر (سنو) ہرگز نہیں عنقریب اُنہیں معلوم ہوگا"۔

خاص بڑی خبر کا ذکر

یوں تو لفظ نبیٰ ہی اکثر کے نزدیک جو اس لفظ کو آخر کے ہمزے کے ساتھ پڑھتے ہیں، نبأ سے مشتق ہے جس کے معنی خبر کے ہیں اور رسولؐ کا پیغام تمام تر اخبار غیبیہ ہی سے تعلق رکھتا ہے جس میں خدا، ملائکہ اور تمام کارگاہ قیامت سب غیب ہی کی خبریں ہیں جو اُنہیں سنائی جاتی تھیں۔ لیکن اس وقت سب سے بڑی موضوع بحث چیز اُن کے لئے وہی آخری چیز یعنی موت کے بعد دوسری زندگی اور قیامت اپنے اُن تفصیلات کے ساتھ جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنہیں بتاتے تھے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا جا رہا ہے کہ آخر یہ کون سی ایسی بات ہے جس میں اس قدر "چہ مگوئیاں" ہو رہی ہیں............انکار کی تو تمہارے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے بلکہ اُس کے وقوع کے شواہد جو بڑے ذہن نشین ہیں تمہارے سامنے پیش

www.kitabmart.in

ہوتے ہیں مگر تم نہیں مانتے............تو نتیجہ کا انتظار کرو............ایک وقت میں تم سب اُسے آنکھوں سے دیکھ لو اور پھر اُس کے منکروں کا اسی دنیا میں کیا انجام ہوتا ہے، اس کے دیکھنے کے لئے بھی تیار رہو۔ ممکن ہے اور پھر عنقریب معلوم ہوگا۔ ان دونوں کی طرف اشارہ ہے۔

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ۝٦ وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ۝٧ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ۝٨
وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝٩ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝١٠ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝١١
وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝١٢ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ۝١٣ وَأَنْزَلْنَا مِنَ
الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۝١٤ لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۝١٥ وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا ۝١٦

''کیا ہم نے زمین کو گہوارہ راحت نہیں بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی صورت قائم نہیں کیا، اور تمہیں دوصنفوں (مرد اور عورت) کے جوڑوں کی شکل میں پیدا نہیں کیا اور تمہاری نیند کو یکسوئی کا ذریعہ بنایا اور رات کو پوشاک اور دن کی تحصیل روزی کا ذریعہ بنایا اور تم پر سات مضبوط آسمان بنائے اور ایک بہت تپش اور روشنی سے بھرا ہوا چراغ پیدا کیا اور اپنے اندر سے نچوڑ نچوڑ کر موسلا دھار پانی برسانے والے ابر بنائے تا کہ اُن سے اناج کے دانے اور سبزیاں اور گھنے ہوئے باغ لگائیں''۔

جس نے یہ سب کارخانہ تمہارے ضروریات کے بالکل مطابق خلق کیا ہے، وہی کسی وقت اس نظام کو بدل دے اور اس پوری دنیا کو فنا کردے تو تمہیں اس میں تعجب کیوں ہے؟

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۝١٧ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۝١٨
وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۝١٩ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝٢٠ إِنَّ جَهَنَّمَ
كَانَتْ مِرْصَادًا ۝٢١ لِلطَّاغِينَ مَآبًا ۝٢٢ لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ۝٢٣ لَا يَذُوقُونَ
فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝٢٤ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ۝٢٥ جَزَاءً وِفَاقًا ۝٢٦ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ
حِسَابًا ۝٢٧ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۝٢٨ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۝٢٩ فَذُوقُوا فَلَنْ
نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝٣٠

''یقیناً فیصلے کا دن ایک مقرّر وقت ہے، جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم لوگ آؤ گے فوج درفوج اور آسمان کھل جائے گا تو ہو جائے گا وہ بہت سے دروازوں کی صورت سے اور پہاڑ حرکت میں آجائیں گے تو وہ مثل پانی کی طرح چمکتی ہوئی بالو کے ہو جائیں گے، یقیناً دوزخ اُن کی گھات میں ہے جو ان سرکشوں کا آخری انجام ہے جس میں وہ

www.kitabmart.in

مدتوں رہیں گے، اس میں نہ وہ چکھیں گے کسی ٹھنڈک کا مزہ اور نہ پینے کی کوئی چیز سوا گرم پانی اور زخموں کے مواد کے۔ یہ اُن کے کئے کا حسب حال بدلہ ہے، یہ لوگ حسابِ آخرت کے سامنے آنے کا کوئی تصوّر نہ رکھتے تھے اور اُنہوں نے ہماری آیتوں کو پوری طرح جھٹلایا اور ہر چیز کو ہم نے ایک نوشتے میں گھیر دیا ہے تو چکھو اس کا مزہ کہ ہم تمہارے لئے تمہارے عذاب کو بڑھاتے ہی رہیں گے"۔

جب گزشتہ آیات میں نظم کائنات اور انسانی ضروریات حیات کو پورا کرنے کے لئے تمام کارخانۂ قدرت کے انتظامات پر توجہ دلا کر اللہ کی قدرت وحکمت پر روشنی ڈال دی گئی تو اب پھر اصل موضوع سورہ یعنی قیامت کے ذکر کو شروع کر دیا گیا کہ وہ فیصلے کا دن ہے، وہ جب آجائے گا تو تمہاری التجاؤں سے پھر نہ ٹل سکے گا۔ اب چونکہ صور بھی ازروئے قرآن ایک سے زیادہ ہیں اور یہاں مطابق صور کہا گیا ہے کہ جب پھونکا جائے گا تو یہ ہوگا اور یہ ہوگا لیکن اس میں ترتیب ذکر کے مطابق ترتیب واقعہ ضروری نہیں ہے اس لئے لازم نہیں ہے کہ جس بات کو پہلے کہا گیا ہے، وہ پہلے ہو اور جسے بعد میں کہا گیا ہے وہ بعد میں ہو۔ بہرحال یہ سب باتیں صور پھونکے جانے کے بعد ہونا ہیں۔ قبروں سے نکل نکل کر موقف حساب میں آنا بظاہر بعد کی منزل ہے اور عام تباہی وبربادی جس میں پہاڑوں کی یہ حالت ہوگی اور آسمان کی یہ کیفیت ہوجائے گی۔ یہ شاید اس کے پہلے وقوع میں آنے والے حالات ہیں، قرآن اور حدیث سے تو پہلے بھی آسمان میں راستوں اور دروازوں کا ہونا سمجھ میں آتا ہے یہ اور بات ہے کہ اُن کی پوری نوعیت ہم نہ سمجھ سکیں۔ اب یہاں جو "دروازے" کہے گئے ہیں۔ تو جو دوسرے مقامات پر مجمل طور سے شگافتہ ہونے کا آسمان کے ذکر ہے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ ایک جگہ سے شگافتہ نہیں بلکہ بکثرت دراڑیں ہوں گی اور شگاف ہوں گے۔ جنہیں دروازوں کی شکل میں سمجھنا چاہیے۔

اب جب کہ آسمان کو یقینی طور پر مان لیا گیا کہ کوئی ٹھوس جسم نہیں بلکہ فضا اور خلا ہے تو اس کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ آسمانی بلائیں ٹوٹ پڑیں گی کہ کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی اور ہر طرح کی آفتوں کے دروازے کھل جائیں گے اور پہاڑ اپنی جگہ سے اڑ اڑ کر منتشر ہوجائیں گے۔ اُن کی جگہ سپاٹ زمین ہوجائیگی۔ جیسے وہ بالو جو پانی کی طرح چمکتی ہے اور قریب جا کر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں ہے ویسے ہی پہاڑ بے حقیقت بن جائیں گے اور اُن کی جگہ زمین ہی زمین ہوجائی گی، دوزخ گھات میں ہے یعنی بس صور پھونکے جانے کا انتظار ہے اور اس کے بعد اُن دوزخیوں کو دوزخ میں جانا ہے جن کا گویا دوزخ کو انتظار ہے اور وہ آخری سرنوشت جو اُن لوگوں کی جسے "مآب" کے لفظ سے ظاہر کیا گیا کہ آخری اور مختتم ٹھکانا ان کا وہی ہوگا۔ "مدّتوں" رہیں گے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ مدّتیں کبھی ختم ہوجائیں گی بلکہ انہیں اگر تقسیم کیا جائے طولانی حصّوں پر تو ہر حصّہ کے بعد ایک دوسرا حصّہ شروع ہوجائے گا اور یونہی یہ سلسلہ قائم وبرقرار رہے گا ہوں وہ جنہیں عبوری مدّت کے لئے سزا دی گئی ہو، اُن کے لئے دوزخ کے قیام کی اتنی مدّت گزارنے کے بعد پھر وہاں سے منتقل کر دیا جائے گا۔ نہ وہ چکھیں گے کوئی ٹھنڈک کا مزہ یعنی سایہ میں جو ذرا سکون محسوس ہوتا ہے وہ بھی انہیں نصیب نہ ہوگا اور پینے کے لئے کوئی چیز سوا گرم پانی اور زخموں کے مواد یا دھوون کے سوا اُنہیں نہ ملے گا۔ ان کے دو ۲ جرم ہیں ایک یہ کہ خود اپنی جگہ بھی اُنہوں نے کبھی یہ نہیں سمجھا کہ ایک دن ایسا درپیش ہوسکتا ہے جب ان اعمال کا محاسبہ ہو اور اس طرح آخرت نام کی کسی چیز کا تصور ہی نہیں کیا اور دوسرے یہ کہ انہوں نے انبیاء کی خبروں کی جن میں انہیں اس سب کی اطلاع دی گئی تھی، سن کر بھی نہیں مانا اور اُنہیں جھوٹا کہتے رہے۔ پھر یہ سمجھتے رہے کہ اس وقت کی سب باتیں ہماری آئی گئی ہوجائیں گی اور کبھی ان کی جواب دہی نہیں ہوگی، حالانکہ ہماری طرف سے کوئی نامۂ اعمال میں ان کے برابر وہ درج ہوتی رہیں اور کوئی بات چھوٹی نہیں جو اس میں درج نہ ہو، اب چکھو اسے تمہارے عذاب میں برابر اضافہ ہی ہوتا رہے گا، یعنی اب لاکھ توبہ تلاّ کرو، منت وسماجت کرو، اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ عذاب کی شدّت اور گوناگونی میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔

اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَ اَعۡنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّ کَوَاعِبَ اَتۡرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّ کَاۡسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾

www.kitabmart.in

لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا الرَّحۡمٰنِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ مِنۡهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾

”بلاشبہہ پرہیز گاروں کے لئے کامیابی ہے باغ اور انگور کی بیلیں اور نوخیز ہم عمر حوریں اور لبریز جام، وہاں وہ نہیں سنیں گے مہمل قسم کی گفتگو اور جھٹلانا، یہ صلہ ہے تمہارے مالک کی طرف کا بطور عطیہ ان کے حسب حال، وہ جو آسمان اور زمین اور اُن کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک ہے جس کی ہیبت سے بات کرنے تک کی انہیں قدرت نہیں ہے“۔

پہلے قسم کے لوگوں کے تقابل کے لحاظ سے جن کا حال یہ تھا کہ اُنہیں حساب و کتاب کا کوئی تصوّر نہ تھا اور جنھوں نے آیات الٰہی اور انبیاء کے تبلیغات کو جھٹلایا تھا۔ اب یہ پرہیز گار لوگ وہ ہیں جنھوں نے اس دن کا تصور رکھا اور اپنے اقوال و اعمال سے اس کا ثبوت دیا، یہ مختصر طور پر اُن کے حسن انجام اور عطایائے پروردگار جو اُن کے ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا کے طور پر اُن کے درجۂ ایمان و عمل کے تناسب سے عطا ہوئی ہے بیان ہے............وہاں نہ لغو یعنی مہمل باتیں اُنہیں سنائی دیں گی اور جھٹلانا۔ یہاں اصل قرآن میں کذّاب کا لفظ ہے............اسے بعض نے کذب کے ہم معنی کہا ہے لیکن دوسرے لوگوں نے اس کے معنی تکذیب کے کہے ہیں۔ ہم نے ترجمہ اُس کے مطابق کیا ہے۔ یعنی وہاں یہ نہیں ہوگا کہ ایک دوسرے کی بات کو رد کرے اور جھوٹا سمجھے۔[1] اس میں ایک اشارہ اس طرف ہوسکتا ہے کہ دنیا میں اُنہوں نے یہ اذیّت بھی بہت اٹھائی ہے کہ اُن کی باتوں کو جھوٹا کہا جاتا تھا......اب آج اس طرح کی اذیّت سے انہیں دوچار ہونا نہیں ہے، آج کوئی ان کی بات کو جھوٹا کہنے والا نہیں ہے۔

يَوۡمَ يَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الۡيَوۡمُ الۡحَقُّ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنۡذَرۡنٰكُمۡ عَذَابًا قَرِيۡبًا ۚۖ يَّوۡمَ يَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ وَيَقُوۡلُ الۡكٰفِرُ يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

”جس دن فرشتے اور روح صف باندھے ہوئے کھڑے ہوں گے، وہ بات نہیں کریں گے مگر وہ جسے خدائے رحمٰن کی اجازت ہو اور ٹھیک بات کہے، وہ دن بالکل حقیقت ہے، تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف پلٹنے کا سامان کر رکھے، ہم نے تمہیں ڈرادیا اُس قریبی عتاب سے، جس دن آدمی دیکھے گا کہ اُس کے ہاتھوں سے کیا کیا ہوا اور کافر کہے گا کہ کاش میں خاک ہوتا“۔

روح سے مراد جبرئیل امینؑ ہیں یا کوئی بڑا اہم فرشتہ جس کا ذکر دوسرے فرشتوں سے الگ بنظر خصوصیت کیا گیا ہے، اس پر سورۂ معارج کی تفسیر میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ وہاں پہلے الملائکہ کا لفظ ہے اور پھر روح کا .... اور یہاں الرّوح پہلے ہے اور ملائکہ بعد کو ہے۔ نتیجہ دونوں کا ایک ہے کوئی خاص فرق نہیں۔

---

[1] ای لاتکذیب بعضهم لبعض......وقیل کذابا عن ابی علی الفارسی (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ النّٰازِعٰاتِ

مکیّہ......۴۶......آیات

سورے کا پہلا ہی لفظ والنّٰازعات ہے، اس لئے سورے کا یہ نام ہوا۔

اس سورے میں بھی قسمیں کھانے کے بعد وہی قیامت کے آنے اور اُس کی تباہی و بربادی کا ذکر ہے۔ درمیان میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر ہے اور فرعون نے جو اُن کو جھٹلایا اور اُنہیں مقابلہ کرا کے شکست دینے کی کوشش کی، اس کا کیا انجام ہوا، اس کے تذکرے کے ساتھ اس وقت کے رسول خداؐ کے مقابلہ میں مخالف طاقتوں کے انجام کی طرف اشارہ ہے، اور پھر اللہ کے صنائع و بدائع کا تذکرہ کر کے اُس کی قدرت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں قیامت کا وقت پوچھنے والوں کو یہ انتباہ ہے کہ اس منزل کو دور نہ سمجھنا چاہیے۔ تم تو اُسے اتنا نزدیک سمجھو جتنا آج کے بعد کل کا دن۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۘ﴿۵﴾ یَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَۃُ ۙ﴿۶﴾ تَتۡبَعُہَا الرَّادِفَۃُ ؕ﴿۷﴾

''قسم ہے اُن (فرشتوں) کی جو جسموں کے اندر سرایت کر کے روحوں کو کھینچتے ہیں اور ان جانوں کو آسانی کے ساتھ نکل لے جاتی ہیں اور جو احکام الٰہی کی تعمیل میں تمام اطراف میں یوں رواں دواں ہیں جیسے وہ تیر رہے ہیں اور جو تیزی کے ساتھ سبقت کرنے والے ہیں اور تمام انتظاماتِ کائنات کے کاموں کا بندوبست کرنے والے ہیں جس دن ایک بڑا زلزلہ آ جائے گا اور اُس دن کے بعد ہنگامہ خیز مصیبت رونما ہوگی''۔

اگر چہ ہر ہر لفظ میں بہت بہت سے اقوال ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ ذہن نشین مفہوم یہی ہے۔ جس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے، بے شک والمرسلات میں اس قول کو کہ اِس سے فرشتے مراد ہیں، ہم نے اس بنا پر رد کیا تھا کہ یہاں جمع مؤنث سالم کی ضمیریں صرف کی گئی ہیں اور فرشتوں کے لئے مشرکین کا تصوّر یہ تھا کہ وہ عورت ہیں لہٰذا قرآن مجید کے ان الفاظ کو اُن پر محمول نہیں کیا جا سکتا مگر اب یہاں ناگزیر ہو جاتا ہے کہ ان سے مراد فرشتے ہی لئے جائیں اور چونکہ محاورے میں اُن کے لئے اسی طرح کے الفاظ اہل عرب میں مستعمل ہوتے تھے اس لئے ان کے واسطے یہی الفاظ صرف کر دئے گئے ہیں جب کہ صراحۃً دوسری جگہ ان مشرکین کے قول کی رکاکت ظاہر کر دی گئی ہے کہ انہیں عورت سمجھنا اور انہیں خدا کی بیٹیاں کہنا غلط ہے وہ راجفۃ زلزلہ اور رادفۃ بعد والی مصیبت یوں دونوں سے مراد شاید پہلے اور دوسرے صور اور اُن سے پیدا ہونے والی تباہی و بربادی مراد ہے۔

www.kitabmart.in

قُلُوْبٌ يَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿٨﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَ اِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي
الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ فَاِنَّمَا هِيَ
زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾

''کچھ دل اس دن لرز رہے ہوں گے نگاہیں ان کی جھکی ہوئی ہوں گی ، وہ کہیں گے کہ کیا ہم پہلی ہی صورت میں دوبارہ لائے جائیں گے، انہوں نے پھر کہا کہ یہ واپسی تو بڑے خسارے کی بات ہوگئی، حالاں کہ بس ایک پُرزور ڈانٹ پڑے جس کے بعد کھلے ہوئے قیامت کے میدان میں وہ کھڑے ہوں گے''۔

وہ صور کی آواز ہے جسے یہاں ''ڈانٹ'' کہا گیا ہے یا یہ پراثر حکم الٰہی کی تعبیر ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿١٥﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾ اِذْهَبْ اِلٰى
فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿١٧﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾
فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿٢١﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿٢٢﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿٢٣﴾
فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿٢٦﴾

''کیا تمہیں موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کی خبر پہونچی ہے؟ جب اُن کے پروردگار نے انہیں مقدس طوبیٰ کی وادی میں پکارا جاؤ فرعون کی طرف کہ یقیناً اس نے سرکشی کی ہے اور اس سے کہو کہ کیا تجھے منظور ہے کہ پاکیزگی کا راستہ اختیار کرے اور میں تجھے تیرے پروردگار کی راہ بتاؤں تو تو اس کا ڈر اپنے دل میں پیدا کرے تو انہوں نے (جا کر) اسے بہت بڑی نشانی دکھائی تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی ، پھر پلٹا اور ان کی مخالفت میں سرگرمی دکھانے لگا اس طرح کہ اس نے مجمع کیا اور بلند آواز میں کہا کہ میں بہت بڑا تمہارا پروردگار ہوں، تو اللہ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب گرفت میں لے لیا، یقیناً اس میں عبرت کا سرمایہ ہے اس کے لیے جو ڈرے''۔

اس میں مختصر طور پر جناب موسیٰؑ اور فرعون کی روائداد سنائی گئی ہے۔ تفصیلات قرآن مجید کے دوسرے سوروں میں مذکور ہیں۔ فرعون کی سرکشی میں اُس کے تمام مظالم جو بنی اسرائیل پر تھے وہ مضمر ہیں اور دعوائے خدائی تو یہاں بڑی صراحت اور شدت کے ساتھ مذکور ہے نشانیاں یعنی معجزات حضرت موسیٰ کو جو عطا ہوئے ان کی تعداد ایک جگہ قرآن مجید میں نو (۹) بتائی گئی ہے۔ یعنی سب سے بڑی نشانی سے مراد ان کے عصا کا اژدھا بن جانا ہے اور ساحروں نے اپنی رسیوں اور لاٹھیوں سے جو سانپ بنائے تھے اس عصا کا اژدھا بن کر نگل جانا اور حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں آنے کے بعد پھر اس کا مثل سابق عصا بن جانا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس معجزہ ہونے میں کسی قدیم یا جدید منکر کی دھاندلی سوا عناد اور سرکشی کے اور کچھ

www.kitabmart.in

نہیں ہوسکتی اور اس پرطرّہ جو اپنی شکست کو مٹانے کے لیے انا ربکم الاعلی کے کھوکھلے نعرے کا بلند کرنا ہے۔ دنیا کا عذاب ہے غرق کی صورت میں سب کے سامنے آگیا اور آخرت کے عذاب کا تصور وہی کریگا جو اس عذاب سے عبرت حاصل کرے۔

ءَ اَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىہَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمۡکَہَا فَسَوّٰىہَا ﴿۲۸﴾ وَ اَغۡطَشَ لَیۡلَہَا وَ اَخۡرَجَ ضُحٰىہَا ﴿۲۹﴾ وَ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِکَ دَحٰىہَا ﴿۳۰﴾ اَخۡرَجَ مِنۡہَا مَآءَہَا وَ مَرۡعٰىہَا ﴿۳۱﴾ وَ الۡجِبَالَ اَرۡسٰىہَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّکُمۡ وَ لِاَنۡعَامِکُمۡ ﴿۳۳﴾

''کیا تم لوگوں کا پیدا کرنا زیادہ سخت مشکل کام ہے یا آسمان جس کو اس نے بنایا، اس کی چھت کو اونچا کیا اور اس میں توازن قائم کیا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اُس کے دن کو نمودار کیا، اور اُس کے بعد زمین کا بچھونا اس نے بچھایا۔ اُس میں اُس کا پانی برآمد کیا اور چرنے کے قابل نباتات نکالے اور پہاڑوں کو جمادیا تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زندگی کے طور پر''۔

جب تک کہ کارگاہ عالم بالا کے کیفیات کا انکشاف نہیں ہوا تھا، الفاظ قرآن کے یہی معنی سمجھے جاتے تھے کہ ایک مجسم عمارت ہے جو بغیر ستونوں کے قائم ہے جس کی یہ چھت نیلی نیلی نظر آتی ہے لیکن جب دوربینوں اور خلائی سفروں سے کچھ ادھر کے کیفیات کا علم ہوا تو پتہ چلا کہ اس طرح کی کوئی عمارت نہیں ہے تو اب الفاظ قرآنی کی تشریح یہ سمجھ میں آنے لگی کہ عالم بالا میں جتنے ستارے ، سیارے شمسی نظام اور بے شمار کہکشاں ہیں ان تمام کو سماء یعنی آسمان کی لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اسی کو کہا گیا ہے کہ اس پورے نظام کا قائم کرنا زیادہ مشکل کام تھا یا تمہیں دوبارہ پیدا کرنا تو جو خدا اس پر قادر تھا، وہ کیا تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ رات اور دن کی نسبت آسمان کی طرف اس لحاظ سے دی گئی ہے کہ اس کے سورج غروب سے یہ دونوں تبدیلیاں ہماری آنکھوں کے سامنے آتی ہیں۔ زمین کو آسمانی نظام کی تکمیل کے بعد کہنا ''ترتیب واقعہ کے اظہار کے لیے نہیں ہے بلکہ ''ترتیب ذکر'' کے طور پر ہے کہ وہ سن چکے، اب یہ سنے۔ اگرچہ بحیثیت واقعہ دنوں باتیں ایک ساتھ یا یہ اس کے پہلے ہوئی ہو۔ چرنے کی لفظ کا استعمال عموماً جانوروں کے لیے ہوتا ہے لیکن کبھی حقیقی طور پر نہ سہی مجازی حیثیت سے انسان کے لیے بھی نباتات سے غذا حاصل کرنے کئے لیے ہوسکتا ہے جب کہ اس کی صورت شروع زمانے میں یہی تھی کہ جنگلوں اور باغوں میں گردش کر کے وہاں کے نباتات سے پیٹ پالے۔ دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی اس کے صنعتوں کی یاد آوری سے جس طرح اس کی قدرت کا دکھلانا ہے، اسی طرح حکمت کا بھی کہ اس نے جو چیز پیدا کی ہے ہیں جب وہ سب با مقصد ہیں تو یہ انسان بے مقصد کیوں کر ہوسکتا ہے لہٰذا ایک دن یہ محاسبہ بھی ہونا چاہیے کہ اس نے اس مقصد کو پورا کیا یا نہیں پہلا امر یعنی قدرت پر نظر سے امکان معاد ثابت ہوتا ہے اور دوسرے امر سے ضرورت معاد۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّۃُ الۡکُبۡرٰی ﴿۳۴﴾ یَوۡمَ یَتَذَکَّرُ الۡاِنۡسَانُ مَا سَعٰی ﴿۳۵﴾ وَ بُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِمَنۡ یَّرٰی ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنۡ طَغٰی ﴿۳۷﴾ وَ اٰثَرَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الۡجَحِیۡمَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی ﴿۳۹﴾ وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الۡجَنَّۃَ

www.kitabmart.in

هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾

''توجب وہ عظیم آفت آئے گی جس دن آدمی یادکرے گا کہ اس کی سرگرمی کیا رہی اور دوزخ سامنے آجائے گا دیکھنے والے کوتو جو شخص سرکشی کرتا رہا اوراس نے دنیوی زندگی کو ترجیح دی تو دوزخ اس کا مستقبل ٹھکانا ہے اور جس نے اپنے پروردگار کے یہاں کی حضوری کا ڈر رکھا تھا اور اپنے کو نفسانی خواہشوں سے روکے رکھا تو بہشت اس کا مستقبل ٹھکانا ہے''؟

اب آدمی اپنے سابق میں کیے ہوئے ہر طرز عمل کو یاد کرے گا اور دوزخ جسے کانوں سے سنتا رہا تھا،اب ایک مشاہدہ میں آنے والی حقیقت بن کر سامنے ہوگا تو جس نے اپنے پروردگار سے سرکشی کی اور آخرت کے مقابلہ میں ہمیشہ دنیا کے مفادات کے پیچھے لگا رہا اس کے مستقبل قیام کی جگہ اب دوزخ ہے اور جس نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کا اندیشہ سامنے رکھا تھا............ایک معنی یہ کہے گئے ہیں کہ اپنے پروردگار کی شان عظمت وجلال اوراس کے حاضر و ناظر ہونے کا خیال دل میں رکھا تھا اور اپنی خواہشوں کے مقابلہ میں اس کے احکام کی پابندی کو ہمیشہ مقدم سمجھا تھا،اس کے لیے بہشت مستقل محل اقامت ہوگا۔یہی دو(۲) طرز حیات ہیں جن کا محاسبہ ہونا ہے اورانہیں کے مطابق جزاوسزا ملنا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿٤٢﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿٤٥﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿٤٦﴾

''آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ آخر وہ کب برپا ہوگی؟ آپ کے متعلقہ کاموں میں اس کا بتانا کہاں ہے،اس کی انتہا تو بس اللہ پر ہے،آپ تو بس جو اس کا تصور رکھے اسے اس سے ڈرانے والے ہیں،یہ لوگ جب اسے دیکھیں گے تو ایسا محسوس ہوگا جیسے نہیں رہے تھے مگر ایک شام یا اس کے بعد کی صبح کا ایک پہر''۔

یہ پوچھنا سنجیدگی کے ساتھ واقعی اپنے علم کے لیے تو کبھی بھی نہیں تھا۔اکثر بطور طنز یا استہزا ہی تھا،بہرحال اگر سنجیدگی کے ساتھ بھی ہوتا تو قرآن کے روسے اس کا جواب پیغمبرؐ کی طرف سے ہمیشہ یہی رہا ہے کہ اس کا علم بس اللہ کو ہے۔یہاں اس کے ساتھ یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ آپ کے فرائض منصبی میں یہ ہے کہ آپ اس کے تاریخ اور وقت سے لوگوں کو آگاہ کرتے رہیں۔یہ لوگ واقعی اس کا تصور ہی نہیں رکھتے،آپ کا کام ڈرانا ہے اس کے حالات وکیفیات کو بیان کرکے جس سے خبردار تو آپ سب کو کریں گے مگر اس سے متاثر وہی ہوں گے جو اس کا تصور رکھتے ہوں اس کا تصور وہی''مقام رب'' کا خوف ہے جسے گزشتہ آیت میں معیار نجات بتایا گیا تھا۔ڈرانے کو اس جماعت سے مخصوص بتانا اسی لحاظ سے ہے کہ فائدہ اس سے یہی جماعت اٹھائے گی،دوسرے لوگ تو اس ڈرانے کو بھی ہنسی مذاق میں اڑائیں گے۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ عَبَسَ

مکیّہ......۴۲......آیات

اس سورے کا یہ نام تو سورے کی پہلی ہی لفظ کی بنا پر ہے اور بعض نے اس کا ایک دوسرا نام السفرۃ بتایا ہے۔[1] جو بعد کی ایک لفظ کی بناء پر ہے جو تھوڑی دور پر ان آیتوں میں ہے کہ بایدی سفرۃ کرام بررۃ سفیروں کے ہاتھ سے جو بزرگ مرتبہ ایک کردار ہے۔

سورے کی ابتدا ایک واقعہ سے ہے جس کا زیادہ تر مفسرین کے بیان کے مطابق جو ظاہری الفاظ قرآن کے موافق بھی معلوم ہوتا ہے خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے لیکن ایک روایت کے مطابق ایک دوسرے شخص سے ہے جو رسولؐ کی خدمت میں اس وقت تھا اور اس نے یہ رویہ اختیار کیا تھا۔ غرض پہلی چند آیتوں کے آغاز عمل کے نامناسب ہونے پر زور دیا گیا ہے پھر منکرین اور متکبرین کو ان کے آغاز خلقت کو یاد دلاتے ہوئے سرزنش ہے کہ اسے پیش نظر رکھیں، تو وہ تکبر سے کام نہ لیں، پھر وہی پہلے اللہ کی کچھ نعمتوں کا ذکر ہے جو انسانوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور اس کے بعد آخرت کے ہولناک دن اور پھر دو جماعتوں کی تقسیم ہے ایک جو ہشاش وبشاش ہوں گے اور ایک جن کے چہروں پر دھوئیں اُڑ رہے ہوں گے۔ وہ مؤمن اور یہ کافر۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۙ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰى ؕ﴿۲﴾ وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۙ﴿۳﴾ اَوۡ يَذَّكَّرُ فَتَنۡفَعَهُ الذِّكۡرٰى ؕ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسۡتَغۡنٰى ۙ﴿۵﴾ فَاَنۡتَ لَهٗ تَصَدّٰى ؕ﴿۶﴾ وَمَا عَلَيۡكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنۡ جَآءَكَ يَسۡعٰى ۙ﴿۸﴾ وَهُوَ يَخۡشٰى ۙ﴿۹﴾ فَاَنۡتَ عَنۡهُ تَلَهّٰى ۚ﴿۱۰﴾

''اس نے ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا کہ اس کے پاس اندھا آ گیا اور آپ کو کیا خبر، شاید وہ پاک صاف ہو جائے یا نصیحت سے اثر لے اور یہ نصیحت اسے فائدہ پہنچائے جو بے نیاز ہیں، آپ ان کے درپے ہوتے ہیں حالانکہ آپ کا کیا نقصان اگر وہ اصلاح کا اثر نہیں لیتے اور جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ انجام سے ڈرتا ہے تو آپ اس سے بے توجہی اختیار کرتے ہیں''۔

یہ ہے وہ سلسلہ آیات کا جس کا ظاہری مفہوم بھی اسی کے مطابق ہے اور عام مفسرین بھی لکھتے ہیں کہ وہ ابن اُم مکتوم کے بارے میں

[1] ۔سورہ عبس تسمیٰ سورۃ السفرۃ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

نازل ہوئیں کہ وہ حضرتؐ کے پاس آئے ایسے وقت جب آپ کے پاس عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل ابن ہشام اور امیہ بن ابی خلف اور عباس ابن عبدالمطلب بیٹھے تھے اور آپ انہیں اسلام لانے کی ترغیب دے رہے تھے جسے آپ مفاد اسلامی کے لیے بہت اہم تصور فرما رہے تھے گفتگو جاری تھی۔ یہ ابن اُم مکتوم جو آئے تو بے چارے نابینا تھے، انہوں نے یہ محسوس نہ کیا کہ یہاں کوئی اہم گفتگو ہورہی ہے یا سلسلہ کلام جاری ہے۔ انہوں نے چیخ چیخ کر حضرتؐ کو مخاطب کرکے کچھ پوچھنا شروع کردیا۔ حضرتؐ کو بار بار اپنی بات قطع ہونے سے اذیت ہوئی اور آثار برہمی آپ کے چہرہ مبارک پر نمودار ہوئے۔ اس کی بنا پر یہ آیات نازل ہوئے۔

علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ نے امام جعفر الصادق علیہ السلام سے ایک روایت درج کی ہے کہ وہ آیتیں بنی امیہ کے ایک شخص کے بارے میں اتری ہیں جو اس وقت وہاں موجود تھا اور جب ابن مکتوم آئے تو ان کے میلے کپڑوں کی وجہ سے اس نے اپنے کپڑے سمیٹے اور اظہار ناگواری کیا، اس پر یہ آیتیں اتریں۔

میں نے ایک مرتبہ ایک صاحب کو جنھوں نے ان آیات کے متعلق دریافت کیا اس کے بعد فوراً جو ہے کَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ہرگز نہیں ہے، یہ تو ایک نصیحت ہے، اس کلّا کی لفظ سے مطمئن کیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حاشا، آپ بھلا ایسا تھوڑی کریں گے۔ یہ تو عام طور پر ایک نصیحت ہے کہ اسے یاد رکھنا چاہیے۔

دوسرے لوگ جو اسے حضرتؐ سے متعلق قرار دیتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ حضرتؐ کا عمل معاذ اللہ بر بنائے تکبر نہ تھا کہ آپ غریبوں کو ذلیل نظر سے دیکھتے ہوں اور مال دار کی عزت فرماتے ہوں بلکہ مفاد اسلامی کی خاطر تھا لہٰذا وہ کوئی گناہ تو نہیں تھا جو خلاف عصمت ہو لیکن خداوند عالم نے اسے ''ترک اولیٰ'' کی طرح قابل ترک قرار دیا اور اس سے بہتر طرز عمل کی ہدایت فرمائی۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿١٢﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿١٣﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿١٤﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿١٥﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿١٦﴾

''ہرگز نہیں، یہ ایک نصیحت ہے تو جو چاہے اسے یاد رکھے، وہ ایسے صحفوں میں ہے جو بڑے عزت دار ہیں بلند درجے کے پاک و پاکیزہ ہیں، ان خداوندی لکھنے والوں کے ہاتھ سے جو عزت دار نیک کردار ہیں''۔

کلام کے ایک معنی وہی ہیں جو ابھی سابق میں درج ہوئے کہ ہرگز نہیں ہے، آپ کا یہ شیوہ نہیں ہے، یہ تو ایک عام نصیحت ہے ہر داعی حق کے لیے، جو چاہے اسے یاد رکھے، دوسرے معنی عام مفسرین کے خیال کے مطابق ہیں، یہ ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کو دعوت حق کے سلسلے میں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کون طالب حق ہے اور حق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ نہ یہ کہ کون بڑا آدمی ہے اور کس کے حق کو قبول کرنے سے حق کو فائدہ زیادہ پہونچے گا، جب کہ وہ خود اختیار حق ست بے نیازی کا ثبوت دے رہا ہے تو خود آپ کو بھی ان سے بے نیاز ہونا چاہیے۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے، بعد میں جو اوصاف ہیں وہ تو فرشتوں کے ہیں۔ لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تو قرآن مکتوبی شکل میں نہیں پہنچا لہٰذا اس لکھنے کو لوح محفوظ سے متعلق قرار دیا گیا ہے یہ عالم بالا میں جہاں بھی وہ فرشتے اسے لکھنے پر مامور ہوں اور پھر اسی کے مطابق پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اسے نازل کیا جاتا ہو۔

www.kitabmart.in

یہ اس صورت میں ہے جب سفرۃ کے معنی لکھنے والوں کے لیے جائیں لیکن اگر وہ وہ سفیروں کے معنی میں لیے جائیں [1] تو وہ بلا تکلف اسی تنزیل سے متعلق ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوئی بس اس صورت میں اتنا ہے کہ یہاں ایک مخصوص ملک کی جو جبرئیل امینؑ ہیں بطور ابہام جمع سے تعبیر کی گئی ہے جیسے بعض جگہ قرآن مجید میں ایک شخص کی بات کے بیان کرنے میں جمع کے صیغے صرف کیے گئے ہیں یا صحف سے مراد یہاں قرآن مجید کے ساتھ اور انبیا علیہم السلام کی کتابیں اور صحیفے بھی مراد لئے گئے ہیں۔ [2]

قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَکۡفَرَہٗ ﴿۱۷﴾ مِنۡ اَیِّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ ﴿۱۸﴾ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ؕ خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِیۡلَ یَسَّرَہٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقۡبَرَہٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنۡشَرَہٗ ﴿۲۲﴾ کَلَّا لَمَّا یَقۡضِ مَاۤ اَمَرَہٗ ﴿۲۳﴾

"لعنت ہو اس انسان پر کتنا یہ ناشکرا ہے، کس چیز سے اُس (اللہ) نے اسے پیدا کیا ہے؟ نطفے سے، اس کو پیدا کیا اور اس کی تقدیر مقرر کی پھر ایک خاص راستے کی طرف اس کے چلنے میں آسانی پیدا کی پھر اسے موت دی پھر اسے قبر میں پہنچایا پھر جب چاہے اسے باہر لے آئے گا، اس سب کے بعد بھی اس نے پورا نہ کیا اسے جو اس نے حکم دیا تھا"۔

تقدیر کے دائرہ میں تو شکل وصورت، قدوقامت، صحت ومرض اور عمر وغیرہ کی طرح اس کا کردار بھی ہے مگر کردار سے تعلق تقدیر بحد جبر نہیں ہے ورنہ شروع اور آخر مین یہ سرزنش نہ ہوتی کہ لعنت ہو اس پر کتنا یہ ناشکرا ہے اور پھر یہ کہ اس نے اسے جو حکم دیا تھا وہ پورا نہیں کیا۔ اگر مجبور محض ہوتا تو یہ ملامت کیسی۔ "ایک خاص راستے کی طرف چلنے میں سے آسانی پیدا کی جائیں" یہ دین اور شریعت کا راستہ بھی ہے جس میں انبیا مرسلین کے بھیجنے کے ساتھ آسانی پیدا کی اور بسر زندگی کا سامان بھی داخل ہے جسے عموما رزق کہتے ہیں۔ ملامت اسی پر ہے کہ جو ایسا صاحب اقتدار مالک، خالق اور مربّی ہے، اس کے مقابلے میں اسے سرکشی تو نہیں کرنا چاہیے اور اس کے احکام سے سرتابی کا راستہ اختیار نہ کرنا چاہیے

فَلۡیَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰی طَعَامِہٖۤ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا ﴿۲۸﴾ وَّ زَیۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا ﴿۲۹﴾ وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا ﴿۳۰﴾ وَّ فَاکِہَۃً وَّ اَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّکُمۡ وَ لِاَنۡعَامِکُمۡ ﴿۳۲﴾

"پھر انسان نگاہ کرے اپنی غذا کی طرف کہ ہم نے جیسا چاہیے پانی برسایا، پھر زمین میں شگاف پیدا کیا، پھر اس میں اگائے اناج کے دانوں اور انگور اور سبزیاں اور زیتون اور کھجور اور بڑے گھنے باغ اور پھل اور چارا سامان زندگی تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے"۔

---

[1]۔ قیل یعنی اسفرۃ لہ بالوحی بین اللہ تعالیٰ و بین رسلہ من السفارۃ (مجمع البیان)

[2]۔ قیل کتب الانبیا المنزلۃ علیہم کقولہ ان ہذا لفی الصحف الاولیٰ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

انہی چیزوں کی طرف قبل کے سوروں میں توجہ دلائی گئی تھی اور انہی چیزوں کی طرف اب اس سورے میں توجہ دلائی گئی کہ جس ”خدا نے تمہارے لیے یہ سب زندگی کا سامان فراہم کیا ہے، تم اس کی نعمتوں کو کیوں یاد نہیں رکھتے اور کیوں اس سے سرکشی کرتے ہو“۔

جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ مکّہ میں نازل شدہ سورتوں میں وہی انداز ہے جیسا ابتدائی طالب علموں کے شعبوں میں مختلف طرح بار بار کچھ باتوں کو دھرایا جاتا ہے تاکہ اُنہیں یاد ہوں اور اُن کے ذہن میں رہ سکیں، پھر جب وہ انہیں یاد ہو جائیں گی اور ذہن نشین ہو جائیں گی تو آئندہ آگے کے سبق دیے جائیں گے۔اللہ کی نعمتوں کا ذکر اس کی اطاعت کی تحریک کے لیے بھی ہے اور اپنے محاسبۂ نفوس کے لیے بھی اور آخرت کا خوف پیدا کرنے کے لیے بھی اور اس کی قدرت کو دکھلا کر جو اس کے مخلوقات سے ظاہر ہے انسان کے دوبارہ زندہ کیے جانے پر استدلال کے لیے بھی جسے مشرکین ناممکن سمجھ رہے تھے یا اسے بعید خیال کرتے تھے۔

فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوۡمَ يَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امۡرِئٍ مِّنۡهُمۡ يَوۡمَئِذٍ شَأۡنٌ يُغۡنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ يَوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰٓئِكَ هُمُ الۡكَفَرَةُ الۡفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

”توجب وہ کانوں کو پھاڑنے والی آواز بلند ہوگی تو وہ ایسا دن ہوگا کہ آدمی بھاگ رہا ہوگا اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے، ہر ایک کا ان میں سے یہ عالم ہوگا کہ اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا، کچھ چہرے اس دن خوش خوش ہوں گے اور کچھ چہروں پر گرد و غبار چھایا ہوگا جن پر سیاہی دوڑ رہی ہوگی“۔

بھاگنا اس معنی میں بھی کہ کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا اور اس معنی میں بھی کہ کہیں یہ سب میرے خلاف مستغیث نہ ہوں کہ میں نے ان پر مظالم کیے ہیں یا یہ کہیں میرے خلاف غلط اعمال کے گواہ نہ ہوں۔ علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے کئی وجوہ بیان کیے ہیں اس طرح کہ:۔

ای لایلتفت الیٰ واحدمن هؤلاء لعظم ماهوفیه وشغل نفسه وان کان فی الدنیا یعنی بشانهم وقیل یفرّمنهم حذرلمن مطالبتهم ایّاه بمابینه وبینهم من التبعات والمظالم ولعلمه بأنهم لاینفعونه ولایغنون عنه شیئاوبجوزان یکون مؤمناواقرباؤهٔ من اهل النارفیعادیهم ولایلتفت الیهم اویفرّمنهم لئلایری منازل بهم من الهون .... (مجمع البیان) یعنی ان میں سے کسی ایک طرف بھی وہ متوجہ نہیں ہوگا، اس صورت حال کی شدت کی وجہ سے جس میں وہ خود گرفتار ہے اور خود اپنی فکر کی وجہ سے حالاں کہ دنیا میں اُسے اُن کی فکر ہوئی تھی اور کہا گیا ہے کہ اُن سے بھاگے گا اس خوف سے کہ یہ اس سے مطالبہ کریں گے ان کے حقوق کا جو ان کے آپس میں تھے اور مظالم کا اور پھر اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور ہوسکتا ہے کہ یہ مؤمن ہو اور اس کے وہ عزیز اہل دوزخ سے ہوں تو خود اسے ان سے نفرت ہوگی اور ان کی طرف توجہ نہ کرے گا یا ان سے نفرت ہو اور ان سے بھاگے تاکہ اسے آنکھوں سے دکھائی نہ دے وہ ذلت جو ان کی ہو رہی ہے۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَةُ التَّكۡوِيۡرِ

مکیّہ......۲۹......آیات

پہلی ہی آیت میں کورت کی لفظ ہے، اس کا مصدر تکویر ہے جس کے معنی لپٹنے کے ہیں۔ یہ اس سورے کا نام ہوا۔ اس میں بھی شروع میں وہی قیامت کے سخت ہولناک حالات کا ذکر ہے اور اس سب کے بعد انسان کو یہ سوچنے کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ اس دن کے لیے کیا ذخیرہ چھوڑ رہا ہے۔

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت اور قرآن مجید کی سچائی اور راز جانب الٰہی ہونے کا پرزور الفاظ میں اظہار ہے اور لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تم اسے قبول نہ کر کے ادھر ادھر بھٹک رہے ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہونچنے والا بڑا مہربان ہے''

اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ۪ۙ﴿۱﴾ وَ اِذَا النُّجُوۡمُ انۡكَدَرَتۡ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الۡجِبَالُ سُيِّرَتۡ ۪ۙ﴿۳﴾

وَ اِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ۪ۙ﴿۴﴾ وَ اِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ۪ۙ﴿۵﴾ وَ اِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۪ۙ﴿۶﴾

وَ اِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ ۪ۙ﴿۷﴾

''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب تارے تہ وبالا ہوجائیں گے اور جب پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیے جائیں گے اور جب حاملہ اونٹیوں کی فکر ختم ہوجائے گی اور جب صحرائی جانور اکٹھا ہوجائیں گے اور جب سمندر شعلہ آور ہوجائیں گے اور جب جانیں ملا دی جائیں گی''۔

سورج کے لپیٹنے جانے سے مقصود یہ ہے کہ اس کی کرنیں جو ہر طرف پھیلی ہوئی روشنی پھیلاتی ہیں سب سمیٹ کر اس کے حرم میں محدود ہوجائیں گے تو چاروں طرف تاریکی چھا جائے گی۔ انۡکَدَرَتۡ کی لفظ جو ستاروں کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ اس کی ایک تشریح یہ ہوئی ہے۔ کہ جب پرندہ فضا سے ٹوٹ کر زمین کی طرف تیزی سے آئے تو کہتے ہیں تکدّر الطائر۔ اسی طرح ستارے اپنے اپنے محل سے ٹوٹ کر جدا ہوجائیں گے جب کہ قرآن مجید میں ابھی اس کے بعد کے سورے میں آئے گا وَاِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ۔ ''جب ستارے بکھر جائیں گے'' یعنی ان کا نظم ضبط ختم ہوجائے گا جس کے لحاظ سے ہم نے ترجمہ کیا تہ وبالا ہوجائیں گے۔

دوسری تشریح یہ ہے کہ پانی مٹیالا ہو تو اسے کہتے ہیں کہ پانی مکدّر ہے تو مطلب یہ ہے کہ ستاروں کی روشنی مدّھم ہوجائے گی اور وہ بے

www.kitabmart.in

نور ہوجائیں گے۔

''پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جائیں گے'' تو پھر کیا ہوں گے؟ دوسرے مقامات پر ہے کہ ''وہ دھنکے ہوئے اون کے گالوں کی طرح چاروں طرف فضا میں اڑ رہے ہوں گے اور کہیں یہ ہے کہ ''ریزوں کی طرح روشن دانوں میں بکھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن ہاتھ میں پکڑائی نہیں دیتے ایسے بے حقیقت ہوجائیں گے۔

عربوں کا سب سے قیمتی سرمایہ اونٹ تھے لہٰذا وہ اونٹنی جس کے پیٹ میں بچہ ہو، اس کا بہت خیال ہوتا تھا اس وقت عام اضطراب اور بدحواسی کا عالم یہ ہوگا کہ ان اونٹیوں کو چھوڑ دیا جائے گا، ان کا پرسان حال کوئی نہ ہوگا۔

جنگلی جانور سب اکٹھا ہوجائیں گے۔ یہ عالم دہشت میں عام طور پر ان جانوروں کی فطرت ہے بلکہ یہ سب جو ایک دوسرے کے دشمن بھی ہیں سب اکٹھا ہوجاتے ہیں۔

''سمندر شعلہ آور ہوجائیں گے'' یعنی بجائے پانی کے ان میں آگ بھڑکنے لگے گی''۔

''جانیں ملادی جائیں گی'' یہ شاید اس عام تباہی کے بعد اب دوبارہ زندہ کیے جانے کا ذکر ہے کہ وہ جدائی جو موت کے بعد روح اور جسد میں ہوئی تھی اب دور ہوجائے گی اور دوبارہ ان میں اتصال ہوجائے گا بعض نے کہا ہے کہ ہر ایک کے اپنے ہم جنس کے ساتھ محشور ہونے کا ذکر ہے۔ نیک نیکوں کے ساتھ اور بد بدوں کے ساتھ [1] اور بعض نے کہا ہے کہ اب یہ اس کے بعد کے مرحلے کا ذکر ہے کہ بہشت میں مؤمنین کو حوروں کے قبیل سے بیویاں ملیں گی اور اہل دوزخ کو ان کے لائق ساتھ والیاں جنات اور شیاطین میں سے۔

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾

''اور جب زندہ زمین میں دفن کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ کس گناہ میں اس کی جان لی گئی''۔

عرب میں جو غلط رسم رائج ہوگئی تھی کہ وہ لڑکیوں کو پیدائش کے فوراً بعد ہی یا کچھ دنوں بعد زمین میں گڑھا کھود کر اس میں گرا دیتے تھے اور اسے مٹی سے پاٹ دیتے تھے کہ وہ ہلاک ہوجاتی تھی تو اب قیامت میں الفاظ قرآنی کے معنی تو یہی ہیں کہ خود اس سے پوچھا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنا استغاثہ پیش کرے تاکہ اس کے قاتل کا سزا دی جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قاتل سے سوال کر کے مقصود اس لڑکی کے بارے میں تو عربی کے لحاظ سے سُئِلَتْ کے معنی ہوں گے سئل عنہا' اس کے متعلق دریافت کیا جائے گا''۔ اس کی نظیر قرآن مجید میں یہ ہے کہ ارشاد ہوا ہے:۔ (بنی اسرائیل۔ ۳۴)

ان العهد كان مسئولا ۔ ''عہد سے سوال کیا جائے گا؟ یعنی عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ اسے پورا کیا یا نہیں؟

اسلام نے اس اس عمل کو گناہ عظیم ہی نہیں قرار دیا بلکہ لڑکی کی پرورش و پرداخت کے ثواب بہت بیان کیے گئے جو احادیث میں درج ہیں، یہاں تک کہ اپنے حبیب خاص کے لیے حکمت الٰہی نے بیٹیوں کو زندہ رکھنا ضروری نہیں سمجھا مگر فاطمہ سلام اللہ علیہا ایسی بیٹی کرامت فرما کر آپ کی نسل مطہر کو اسی بیٹی سے دنیا میں قائم رکھا۔

---

[1] ای قرن کل واحد منهما الی شکل فضتم الیه (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾
وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾

''اور جب نامہ ہائے اعمال کھولے جائیں گے اور جب آسمان کا پردہ چاک کیا جائے گا اور جب دوزخ بھڑکا یا جائے گا اور جب بہشت نزدیک لے آیا جائے گا تو ہر متنفس کو پتہ چلے گا کیا اُس نے لا کر پیش کیا ہے''۔

اب وہ منزل آگئی جب صحیفہ اعمال ہر ایک کے ہاتھ میں دیدیا گیا اور اس نے دیکھ لیا کہ اس کی کارگزاری دنیا میں کیا رہی تھی اور ''جب آسمان کا پردہ چاک کیا جائے گا'' یا تو اس کے وہی معنی میں جن کے لحاظ سے کبھی کہا گیا ہے کہ آسمان شگافتہ ہو جائے گا اور کبھی یہ کہ اس میں دروازے ہو جائیں گے یعنی درمیان کی رکاوٹیں ختم ہو جائیں گی۔ اور ہر قسم کی بلائیں ٹوٹ پڑیں گی تو یہ پہلے ہی مرحلے کا ایک جزہے جو تعبیر کے لحاظ سے ترتیب واقعہ اب بیان ہو گیا اور یا یہ مراد ہے کہ یہ نظام پورا بدل جائے گا جسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ شامیانہ فلک کا کھل جائے گا اور اب دوسرا آسمان ہو گا اور دوسری طرح کی زمین جب ایک جگہ قرآن مجید میں ہے: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (سورۃ ابراھیم۔ ۴۸) جس دن یہ زمین بدل جائے گی دوسری زمین کے ساتھ اور تمام آسمان' اور اس وقت دوزخ کے شعلے بھی سامنے نظر آرہے ہوں گے اور بہشت بھی سامنے دکھائی دے رہا ہو گا۔ دوسری جگہ ہے:۔ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ۔ ''بہشت پرہیزگاروں کے نزدیک کردیا جائے گا اور دوزخ بے نقاب ہو گا گمراہوں کے لیے'' (شعراء۔ ۹۰،۹۱)

فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾ وَالصُّبْحِ
إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾
مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿٢١﴾ وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿٢٣﴾

''تو نہیں میں قسم کھاتا ہوں ان تاروں کی جو چھپتے ہیں اور چلتے اور پھر چمک کر چھپتے ہیں اور رات کی جب کہ وہ تاریک ہوئی ہو، اور صبح کی جب کہ اس کا سفیدہ نمودار رہا ہو کہ یہ ایک معزز پیغام پہنچانے والے کی بات ہے جو طاقت والا عرش کے مالک کی بارگاہ میں عزت رکھنے والا جس کے احکام کی تعمیل ہوتی ہے اور پھر وہ امانت دار ہے اور تمہارا سابقہ جس (پیغمبر) کے ساتھ ہے یہ دیوانہ نہیں ہے اور اس نے اسے کھلی ہوئی روشن فضا میں دیکھا ہے''۔

لاکو زائدہ نہ مانتے ہوئے ہر جگہ اس نفی کا تعلق مشرکین کے اُس مزعومہ کے ساتھ ہوتا ہے جس کے مقابلے میں اُن کی بات کو رد کرتے ہوئے اصل حقیقت پر قسم کھائی گئی ہے۔ یہاں چونکہ بعد کو یہ ہے کہ یہ قرآن ایک معزز فرشتے کے ذریعے سے جس کے اوصاف بعد میں بیان کیے گئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچتا ہے اور یہ پیغمبر معاذ اللہ دیوانہ نہیں ہے............اور پھر بعد میں آئے گا کہ وہ کسی شیطان کے ذریعے سے نہیں پہنچتا ہے تو اس نفی کا تعلق انہی دو جملوں کے ساتھ ہوتا ہے، ایک حضرت کو معاذ اللہ مجنون سمجھنا اور اس قرآن کو شیطانی کارگزاری کا نتیجہ سمجھنا............اس کے مقابلہ میں قسموں کے ساتھ جو بات کہی گئی وہ اصل حقیقت ہے کہ اسے یہ فرشتہ خدا کی طرف سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتا ہے۔ اسے اس پیغام

پہنچانے والے کا قول کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اس کے ذریعے سے پہنچتا ہے اور اس لیے اس فرشتے کو یہاں رسول کی لفظ سے یاد کیا ہے کہ وہ جو پہنچاتا ہے وہ درحقیقت اللہ کا پیغام ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ اس کی نسبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس اعتبار سے دی گئی ہے کہ وہ عامۂ خلائق تک آپ کے ذریعہ سے پہنچتا ہے ورنہ حقیقت میں نہ وہ آپ کا کلام ہے، نہ جبرئیل امینؑ کا بلکہ وہ خالق متعال کا کلام ہے جو ان کے ذریعہ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے اور آپ کے ذریعے سے دوسروں تک۔

جبرئیل امینؑ کے لیے جو مطاع کی لفظ استعمال کی گئی ہے کہ ان کا احکام کی تعمیل ہوتی ہے اس سے جیسا کہ بعض اہل نظر نے استفادہ کیا ہے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جیسے جناب عزرائیلؑ ملک الموت کا ایک عملہ ہے جو اکثر ان کے حکم سے قبض ارواح کے لیے چلا جاتا ہے، اسی طرح جناب جبرئیل امینؑ کے لیے ان کے دائرہ عمل میں ایک عملہ ہے جو اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پاس بشارت فرزند کے لیے کئی فرشتے آئے تھے جو ان کے مہمان ہوئے تھے اور پھر وہ قوم لوط کی طرف عذاب نازل کرنے کے لیے گئے تھے۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿٢٥﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾

''اور یہ غیبی باتوں (کے پہنچانے) میں کنجوس نہیں ہیں اور وہ کسی مردود شیطان کا قول نہیں ہے تو تم لوگ کدھر جا رہے ہو یہ نہیں ہے مگر ایک نصیحت تمام دنیا جہاں کے لیے اس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہیے اور تم ایسا نہیں چاہو گے، جب تک اللہ نہ چاہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔

یعنی صرف اس لیے کہ تم لوگ مذاق اڑاؤ گے یا ان باتوں کے پہنچانے سے ناگواری محسوس کرکے انہیں طرح طرح کی اذیتیں دوگے وہ ان غیبی حقیقتوں کے پہنچانے میں کمی نہیں کریں گے اور تمہارا یہ سمجھنا کہ معاذ اللہ کوئی شیطان انہیں یہ باتیں سکھاتا ہے جو یہ دنیا تک پہنچاتے ہیں بالکل غلط ہے۔ بھلا شیطان ایسے بلند اخلاقی تعلیمات پہنچانے کا درپے کیوں کر ہوسکتا ہے اس کا کام تو گمراہ کرنا ہے ہدایت کی باتیں اس کی وسوسہ انگیزی کا نتیجہ کہاں ہوسکتی ہے بہرحال ان کا کام نصیحت کرنا ہے۔ اور وہ نصیحت سب کو کریں گے۔ یہ اور بات ہے کہ اس سے فائدہ وہی اٹھائیں گے جنھیں فائدہ اٹھانے کی خواہش ہوگی اور یہ خواہش بھی ان کی اسی وقت ہوگی جب توفیق الٰہی شامل حال ہو جو صلاحیت دیکھ کر شامل حال ہوتی ہے۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ الۡاِنۡفِطَارِ

مکیّہ......۱۹......آیات

پہلی ہی آیت میں انفطرت کی لفظ کا مصدر انفطار ہے وہی اس کا نام ہوا۔

اس سورے کا انداز بالکل سورہ تکویر کا سا ہے۔شروع میں کچھ احوال قیامت ،اعمال گزشتہ کا ہر ایک کے سامنے آجانا، نعمت وجود اور ابتدائی خلقت کو یاد دلانا کہ اس کے کرم واحسان کے مقابلہ میں تمہارا رویہ کیا ہونا چاہیے؟ اور جب کہ تمہارا رویہ اس کے خلاف ہے تو اس کے محاسبے اور مواخذہ کا کوئی وقت ہونا چاہیے۔اس دن نیکوکاروں کا عالم اور ہوگا اور بدکاروں کا انجام دوسرا ہوگا۔کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا بس اللہ کا اختیار واقتدار کارفرما ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿۱﴾ وَ اِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ۙ﴿۳﴾

وَ اِذَا الۡقُبُوۡرُ بُعۡثِرَتۡ ۙ﴿۴﴾ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ ؕ﴿۵﴾

''جب آسمان شگافتہ ہوجائے گا اور جب ستارے منتشر ہوجائیں گے اور جب سمندروں کی تہیں پھاڑ دی جائیں گی اور جب قبریں کھول دی جائیں گی تو ہر شخص کو پتہ چل جائے گا کہ اس نے کس چیز کو آگے رکھا اور کسے پس پشت ڈال دیا''۔

آسمان کا پردہ ہٹا دیا جائے گا جس کا اس کے قبل کے سورے میں ذکر ہے(وَ اِذَا السَّمَآءُ کُشِطَتۡ)اور یہاں شگافتہ ہے (اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ)اب اس سب کا مفہوم یہی سمجھ میں آتا ہے کہ درمیان کے اجسام اور اجرام ادھر ادھر بکھر جائیں گے اور نظام درہم برہم ہوجائے گا جو اس کے بعد ستاروں کے منتشر ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

زمین کی اندرونی تہوں میں جو سمندروں کی نیچے کی تہہ کے بعد ہے بہت گرم لاوا ہے، قیامت کی تباہی میں سمندر کی اندرونی تہیں شق ہوجائیں گی اور سمندر سب اس لاوے تک پہنچ جائے گا اور جیسا کہ سورۃ التکویر میں تھا خود سمندروں میں آگ بھڑکنے لگے گی۔اس سب کے بعد قبریں کھلیں گی،اور مردے دوبارہ زندہ ہوکر حشر ونشر کے لیے اٹھیں گے،تب اعمال کا حساب وکتاب ہوگا جو آگے کے فقرے میں بیان کیا گیا ہے۔

www.kitabmart.in

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ﴿۶﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ﴿۷﴾ فِيْۤ
اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ﴿۸﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ﴿۹﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ
لَحٰفِظِيْنَ ۙ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

''اے آدمی! کاہے نے تجھے دھوکے میں مبتلا کر دیا اپنے اس لطف وکرم والے پروردگار کے بارے میں جس نے تجھے خلق کیا تو تجھے سرتا پا درست بنایا، تیرے اعضا میں تناسب پیدا کیا اور جس طرح چاہا تیرے اجزا کو ملا کر تیری صورت بنائی۔ ہرگز نہیں بلکہ (واقعہ یہ ہے کہ) تم جزا وسزا کو جھوٹ سمجھتے ہو حالاں کہ تم پر محفوظ رکھنے والے مقرر ہیں عزت دار کاتب جو سب کچھ تم کرتے ہو، اسے جانتے ہیں''۔

یعنی بلا وجہ تو اس دھوکے میں پڑ گیا کہ جو کچھ اس کا فضل وانعام ہے، وہ سب تیرا حق ہے جو تجھے مل رہا ہے اور اس سے کوئی ذمہ داری تجھ پر عائد نہیں ہوتی، اس لیے تو نے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے اس کی نافرمانی اور اس کے احکام سے سرتابی شروع کر دی اور اسی راستے پر آخر تک قائم رہا اس دھوکے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر اصل یہ ہے کہ تم نے جزا وسزا والے دن کو مانا ہی نہیں۔ اسے غلط سمجھتے رہے، حالاں کہ اسی خالق نے جس نے سب نعمتیں عطا کیں، اپنی طرف سے معزز لکھنے والے تو تم پر مقرر کر دیے تھے جو تمہارے ہر کام کو لکھتے رہے تھے اور اسی کے مطابق اب جزا وسزا دی جائے گی۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۚ﴿۱۳﴾ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۚۖ﴿۱۴﴾ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾
وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ؕ﴿۱۶﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۙ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ
الدِّيْنِ ؕ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۧ﴿۱۹﴾

''یقیناً نیکوکار لوگ عیش وآرام میں ہوں گے اور یقیناً فاسق وفاجر دوزخ میں ہوں گے، وہ اس کی تپش کا سایہ کریں گے جزا وسزا والے دن میں اور تم کیا جانو جزا وسزا والا دن کیا چیز ہے۔ پھر (سنو کہ) جزا وسزا والا دن کیا چیز ہے؟ جس دن کوئی دوسرے کے کسی طرح کام نہ آسکے گا اور اختیار اس دن سب اللہ کے ہاتھ میں ہوگا''۔

شفاعت کرنے والے جو مؤمنین کی شفاعت کریں گے، وہ بھی اللہ کی اجازت سے اور اس کی مرضی کے ماتحت، خود اپنے اختیار سے وہاں کوئی فائدہ کسی کو نہیں پہنچا سکتا۔

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ

مکیّہ......۳۶......آیات

چونکہ پہلی ہی آیت ویل للمطففین ہے، اس لیے یہ نام ہوا۔

ناپ تول میں دھاندلی کرکے کمی زیادتی کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے، اس ذیل میں پھر وہی روز جزا کا نقشہ ہے اور حساب آخرت پر توجہ دہانی ہے، پھر وہی اچھے اعمال اور برے اعمال کے صحیفوں کا ذکر ہے اور برے لوگوں کے انجام سے ان مؤمنین کا جنہیں آج مذاق میں اڑا کر توہین کی جا رہی ہے اس دن خوش ہونا ہے کہ اب آج وہ قہقہے لگا رہے ہوں گے اور ان کی سزا سے خوش ہو رہے ہوں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے“۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝١ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝٢ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝٣ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝٤ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝٥ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٦

”لعنت ہے ڈنڈی مارنے والوں پر جو لوگوں سے ناپ تولیں تو پورا پورا وصول کریں، اور جب خود ناپ یا تول کریں تو انہیں گھاٹا پہنچائیں، کیا انہیں یہ گمان نہیں کہ یہ زندہ کرکے لائے جائیں گے ایک بڑے دن میں جس دن سب کھڑے ہوں گے جہانوں کے پروردگار کے سامنے“۔

تطفیف یعنی ناپ تول میں دھوکا دے کر نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا کاروباری حلقے میں بہت رائج رہا ہے حالاں کہ وہ جرم عظیم ہے جس پر امم سابقہ میں بھی عذاب نازل ہوا ہے۔ یہ عرب میں بھی رائج تھا، اس جرم عظیم پر متنبہ کرکے لیے آخرت کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ وقتی نفع ہے جو اس ترکیب سے فروخت کرنے میں ہو جائے گا مگر اس کے نتیجے میں جو سزا ہے، اسے یاد رکھنا ضروری ہے ۔ اگر اسے یاد رکھے تو اس جرم کا ارتکاب نہ کرے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝٧ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝٨ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ

www.kitabmart.in

اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

''ہرگز نہیں بداعمال لوگوں کے اعمال کی تحریر دائمی قید خانے کے رجسٹر میں ہے اور تم کیا جانو قید خانے کا رجسٹر کیا چیز ہے۔ وہ لکھی ہوئی کتاب ہے، لعنت ہے اس دن کو جھٹلانے والوں پر، جو جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور نہیں جھٹلاتا اسے مگر ہر ایک وہ ظلم و تعدی کرنے والا گناہگار ہے کہ جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو پہلے زمانہ والوں کی کہانیاں ہیں''۔

سجین کی لفظ سے عام طور پر عرب ناواقف تھے۔ صرف ایک عربی شاعر نے اس لفظ کو شدید کے معنی میں استعمال کیا ہے علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول لکھا ہے کہ وہ سجن سے مشتق ہے جس کے معنی قید خانہ کے ہیں، بعض نے کہا ہے کہ چونکہ سجین تشدید کے ساتھ مبالغہ کا اظہار کرتا ہے جیسے تشریب ''بہت پینے والا'' اور ''سکیر'' یت نشہ میں رہنے والا'' اس لیے اس لفظ کے معنی میں یہاں دائمی قید کا مفہوم پیدا ہو گیا۔ چونکہ عام طور پر لغوی معنی اس کے غیر واضح تھے، اس لیے اہل کتاب وغیرہ کے علماء نے اس کے معنی میں طرح طرح کی باتیں کیں۔ کعب الاخبار کی زبانی یہ ہے کہ کافر و فاجر کی روح کہ آسمان کی طرف لے جائیں گے تو آسمان اُس کے قبول کرنے انکار کردے گا اور زمین کی طرف لے جائیں گے تو زمین بھی انکار کردے گی۔ تب سات طبقے زمین کے طے کرکے اُس کے حصے میں جو ابلیس اور دوسرے شیطانوں کا مرکز ہے پہنچا کر رکھ دیا گیا ہے، بعض نے کہا ہے سجن دوزخ کا ایک کنواں ہے۔ جس کا منھ کھلا ہوا ہے، یہاں سب سے زیادہ واضح مفہوم وہی ہے جس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ اُن کے لئے ہے جو جزا و سزا والے دن کو جھوٹ کہتے تھے۔ بعد میں بتایا گیا کہ اُسے جھوٹا وہی کہتے ہیں جو ظلم و ستم کے مرتکب ہیں تو وہ اپنی ظالمانہ روش پر برقرار رہنے کے لئے اُس کا انکار کرتے ہیں اور اس لئے ان آیات کو جن میں اُس کی اطلاع دی گئی ہے، پرانے لوگوں کی بیان کی ہوئی کہانی قرار دیتے ہیں۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾

''ہرگز نہیں، بلکہ زنگ آلود کردیا ہے اُن کے دلوں کو اُن اعمال نے جو یہ کرتے رہے، ہرگز نہیں یہ لوگ اپنے پروردگار سے پردے میں رہیں گے، ہرگز نہیں یہ لوگ یقیناً دوزخ میں ڈالے جائیں گے پھر کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جسے تم جھٹلاتے تھے۔

ہرگز نہیں یعنی روز قیامت کو افسانہ کہنا غلط ہے، پھر جیسے پہلے کہا گیا تھا کہ جھٹلاتے وہ ہیں جو ظلم و تعدی اور گناہ کے مرتکب ہیں، اُسی کو اس انداز میں کہا جارہا ہے کہ گناہوں نے جو وہ کرچکے ہیں، اُن کے دلوں پر زنگ کے غلاف چڑھا دیے ہیں یعنی اُن کے دل و دماغ اب شعور حق سے بالکل محروم ہو گئے ہیں جو گناہوں کے خوگر ہونے کا نتیجہ ہے، اس لئے حقیقتیں جو بیان ہوئی ہیں وہ اُنہیں اُلٹ کہتے ہی نہیں بلکہ بے شعوری سے سمجھتے بھی ایسا ہی ہیں۔

www.kitabmart.in

"یہ لوگ اپنے پروردگار سے پردے میں رہیں گے" اس میں جولوگ دیدار کے قائل ہیں، وہ تو بلاتکلّف یہ معنی کہہ دیتے ہیں کہ وہ دیدارِ الٰہی سے جو اہل ایمان کو ہوگا محروم رہیں گے مگر رویت الٰہی کے غیر ممکن ہونے کے پیشِ نظر اس کے معنی یہ ہیں کہ جن رحمتِ الٰہی کے جلووں سے اہل ایمان محفوظ و متمتع ہورہے ہوں گے، اُن سے یہ محروم رہیں گے جس کے لئے جناب امیر علیہ السلام کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ:- **محرومون عن ثوابه و كرامته** "اُس کی طرف کے ثواب اور اعزاز سے محروم رہیں گے" دوسرے لوگوں کے اقوال بھی اس کے موافق ہیں۔[1]

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الۡاَبۡرَارِ لَفِيۡ عِلِّيِّيۡنَؕ ﴿۱۸﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا عِلِّيُّوۡنَؕ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌۙ ﴿۲۰﴾ يَّشۡهَدُهُ الۡمُقَرَّبُوۡنَؕ ﴿۲۱﴾

"ہرگز نہیں یقیناً نیکوکاروں کے اعمال کی تحریر بلند افراد کے رجسٹر میں ہے اور تم کیا جانو کہ بلند افراد کا رجسٹر کیا چیز ہے؟ وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے جس پر مقرب فرشتوں کی گواہیاں ہیں"۔

قرآن کے اندازِ بیان سے ظاہر ہے کہ علیین سجّین کے مقابل کی چیز ہے بلکہ وہ دائمی قیدیوں کا رجسٹر تھا تو یہ رجسٹر وہ ہے جو ہمیشہ کی نعمتوں سے سرفراز ہونے والے ہیں۔ اُن کے نیک اعمال وہ ہیں جن کے مقرّب فرشتے گواہ ہیں، یہ کاتبانِ اعمال بھی ہوسکتے ہیں جنہوں نے دنیا میں اُن کے اعمال حسنہ کو لکھا تھا اور دوسرے فرشتے بھی ہوسکتے ہیں جو اب اُس نامۂ عمل پر مطلع ہورہے ہیں۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِيۡ نَعِيۡمٍۙ ﴿۲۲﴾ عَلَى الۡاَرَآئِكِ يَنۡظُرُوۡنَۙ ﴿۲۳﴾ تَعۡرِفُ فِيۡ وُجُوۡهِهِمۡ نَضۡرَةَ النَّعِيۡمِۚ ﴿۲۴﴾ يُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِيۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍۙ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسۡكٌ‌ؕ وَفِيۡ ذٰلِكَ فَلۡيَتَنَافَسِ الۡمُتَنَافِسُوۡنَؕ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنۡ تَسۡنِيۡمٍۙ ﴿۲۷﴾ عَيۡنًا يَّشۡرَبُ بِهَا الۡمُقَرَّبُوۡنَؕ ﴿۲۸﴾

"یقیناً نیکوکار لوگ نعمت و آرام میں ہیں، بلند مسندوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے اُن کے چہروں پر راحت و آرام کی شادابی ہوگی، اُنہیں مہر لگی ہوئی عمدہ شراب پلائی جارہی ہوگی جس پر مشک کی مہر ہے اور یہ وہ ہے جس کی طرف ہماہمی کے ساتھ آگے بڑھنے کی کوشش کرنا چاہیے ہماہمی کرنے والوں کو اور اُس میں ملا ہوا ہوگا آبِ تسنیم یہ وہ ہمیشہ ہے جس سے مقرّب لوگ سیراب ہوں گے"۔

مشک کی مہر کے ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ وہ شراب جن بوتلوں میں بند ہے، اُن پر مشک کی مہر لگی ہوئی ہے کہ ہاتھ میں لیتے ہی اُس کی خوشبو محسوس ہوتی ہے اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ شراب جس پر مہر لگی ہوئی ہے وہ جب پی جائے گی تو بجائے بدبو کے جو دنیا کی شراب میں ہوتی ہے، مشک کی خوشبو محسوس ہوگی۔ اس کے پہلے سورۂ دہر میں ایک ایسے چشمے کا ذکر تھا جس میں کافور کی آمیزش ہوگی، وہاں اُس کا نام نہیں تھا اور پھر ایک چشمے کا ذکر تھا جس کا نام سلسبیل۔ اب اس چشمے کا ذکر جس کا نام تسنیم ہے جس کی آمیزش اس شراب میں ہوگی۔

---

[1] محجوبون يوم القيمة عن رحمة ربهم واحسانه وكرامته عن الحسن وقتادة وقيل ممنوعون مرّة رحمته مدفون عن ثوابه غير مقبولين ولا مرضيين عن ابي مسلم (مجمع البيان)

www.kitabmart.in

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ
يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ
قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ
مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

''بلاشبہ جومجرم لوگ ہوں، وہ ان پر جوایمان لائے ہیں ہنستے تھے اور جب ان کی طرف سے گزرتے تھے تو آنکھوں سے اُن کی طرف اشارہ کرتے تھے اور جب اپنے گھر والوں کی طرف واپس ہوتے تھے تو تفریح سے لطف اٹھاتے ہوئے واپس ہوتے تھے، اور جب اُنہیں دیکھتے تھے تو کہتے تھے یہ بھٹکے ہوئے لوگ ہیں، حالاں کہ وہ ان کے نگراں کے طور پر نہیں بھیجے گئے ہیں، لو اب آج وہ مومن ہیں، جو کافروں پر ہنس رہے ہیں، اونچی مسندوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں کہ کیا کافروں کو کوئی ثواب ملا اُس کا جو وہ کرتے تھے''۔

''لطف اٹھاتے ہوئے واپس ہوتے تھے'' یعنی اس طعن و تشنیع اور آنکھوں کے اشاروں سے جو اُن کا مذاق اُڑایا تھا اُس سے وہ ایسے لذّت اندوز ہوتے تھے کہ اپنے گھروں کو واپس ہونے تک اُنہیں اُس سے مزہ آتا رہتا تھا۔ آخر کے جملے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو کچھ کرتے تھے، اُسے کارِ ثواب سمجھ کر کرتے تھے تو اب آج مومن دیکھ رہے ہیں کہ اُنہیں اُن کے طرزِ عمل پر بجائے ثواب کے کس طرح عذاب مل رہا ہے۔

سُوْرَۃُ الْاِنْشِقَاقِ

مکیّہ......۲۵......آیات

سورۂ انفطار کی طرح چونکہ پہلی آیت میں آسمان کے پھٹکنے کا ذکر ہے، اس لئے یہ نام ہوا، چونکہ انشقاق اور انفطار دونوں تقریباً ہم معنی لفظیں ہیں جن کے معنی شگافتہ ہونے کے ہیں۔

ان سوروں کا عموماً جو انداز ہے، اس سورے کا بھی وہی ہے۔ قیامت کی کیفیت، خدا کی قدرت اور مالکیت سے اس کا ثبوت کہ یہ تمام چیزیں اس کے اقتدار کے احاطہ میں ہیں لہٰذا وہ جو چاہے کرے۔ آسمان اور زمین دونوں اُس کے تابع فرمان ہیں۔

پھر دو قسم کے لوگوں کا ذکر، ایک جن کے نامۂ عمل اُن کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، دوسرے وہ جو بداعمال ہیں، یہاں اُن کے لئے بائیں ہاتھ کے بجائے پس پشت کہا گیا ہے۔ اس کی تشریح اس آیت کے ذیل میں بعد کو ہوگی۔ یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے۔ اس لئے کہ وہ آج

کے دن کو بھولے رہے اور ممکن تصوّر نہ کیا کہ ہمیں خدا کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ انقلابات زمانہ کی رفتار دکھلا کر دنیوی زندگی سے پلٹ کر آخرت کی منزل تک پہنچنے کو ذہن نشین کیا گیا ہے اور پھر آخر میں کفّار کے دردناک عذاب کی خبر کے ساتھ ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کے حسن انجام کی خوش خبری دی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ﴿۱﴾ وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَحُقَّتۡ ۙ﴿۲﴾ وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۙ﴿۳﴾ وَاَلۡقَتۡ مَا فِيۡهَا وَتَخَلَّتۡ ۙ﴿۴﴾ وَاَذِنَتۡ لِرَبِّهَا وَحُقَّتۡ ؕ﴿۵﴾

''وہ وقت جب آسمان شگافتہ ہوجائے گا اور وہ اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے گا اور اسے یہ کرنا ہی چاہیے اور جب زمین کو کھینچ کر بڑھا دیا جائے گا اور جو کچھ اُس کے اندر ہے وہ اُسے باہر ڈال دے گی اور خالی ہوجائے گی اور اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرے گی اور اُسے کرنا ہی چاہیے''۔

اذنت لربّھا وحقّت کا فقرہ جو دو ۲ بار ہے، یہ از قبیل تکرار اس لئے نہیں ہے کہ وہ پہلا جملہ آسمان کے لئے تھا اور یہ جملہ زمین کے لئے ہے اور یہ ایک طرح ان چیزوں میں ان تبدیلیوں کے پیدا ہونے کو ضروری بتاتا ہے کہ وہ تو جو اُن کا خالق ہے وہ جب اُن میں یہ تبدیلیاں پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ سرتابی کہاں کرسکتی ہیں۔[1]

جو کچھ اندر ہے، اُسے زمین باہر لے آئے گی یعنی مردے جو اُس کے اندر دفن تھے وہ سب اب زندہ ہو کر اوپر آجائیں گے۔''زمین کو کھینچ کر بڑھا دیا جائے گا'' یعنی سمندر سب ختم ہوجائیں گے اور پہاڑ ہوا میں منتشر ہوجائیں گے زمین سپاٹ میدان کی شکل میں ہوجائے گی تو لازماً پہلے کی بہ نسبت اُس کی وسعت میں بہت اضافہ ہوجائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الۡاِنۡسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدۡحًا فَمُلٰقِيۡهِ ۚ﴿۶﴾

''اے انسان! تو زبردستی کھنچا چلا جارہا ہے اپنے پروردگار کی طرف لازماً اس کے یہاں حاضر ہونے والا ہے''۔

جب یہ ہوگا اور جب یہ ہوگا، تو اس کے بعد کیا ہوگا؟ علم نحو کی اصطلاح میں ان شرطوں کی جزا اور منطق کی زبان میں اس مقدّم کا تالی کیا ہے؟ وہ گزشتہ آیات کے بعد الفاظ قرآن میں موجود نہیں ہے اس کا اب اس کے بعد کے جملے سے پتہ چلتا ہے، یعنی اُس دن تو اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوگا............اس آیت میں کہا جارہا ہے کہ یکے بعد دیگرے جو حالات تیرے پیدا ہوتے ہیں پیدائش کے بعد بچپنے کا دور اور بچپن کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپا............یہ تمام تغیرّات درحقیقت ایک سرگرم رفتار ہے جس سے تو بمجبوری اُس کی بارگاہ میں حاضر ہونے والا ہے جس کا تصوّر نہیں رکھتا اور سمجھتا ہے کہ یہی بس دنیا ہے اور اس کے آگے کچھ نہیں۔

---

[1] ۔حق لھا ان تاذن بالانقیاد لامر ربّھا الذی خلقھا وتطیع لھ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖۙ۝۷ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًاۙ۝۸ وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤى
اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًاؕ۝۹ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖۙ۝۱۰ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًاۙ۝۱۱
وَّ یَصْلٰى سَعِیْرًاؕ۝۱۲ اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًاؕ۝۱۳ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَۚۛ۝۱۴ بَلٰۤى ۚۛ اِنَّ
رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًاؕ۝۱۵

''توجس کا نامۂ عمل اُس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو بہت جلد آسانی کے ساتھ اُس کا حساب ہوجائے گا اور وہ اپنے والوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا اور جس کا نامۂ عمل اُس کے پس پشت سے دیا جائے گا تو وہ پکارے گا ہائے تباہی اور وہ آتشِ جہنم میں داخل کردیا جائے گا یہ اپنے والوں میں پہلے بڑا خوش تھا سمجھتا تھا کہ وہ کبھی پلٹے گا نہیں، کیوں نہیں، یقیناً اُس کا رب اُسے خوب دیکھ رہا تھا''۔

آسانی سے حساب ہوجائے گا یعنی بس اُس نامۂ عمل کی سرسری جانچ کرلی جائے گی، اُس میں قابل گرفت چیزیں ہوں گی ہی نہیں تاکہ اُن کے متعلّق پوچھ گچھ کی ضرورت ہو، اور اُسے جواب دہی کرنا پڑے لیکن جس کا نامۂ عمل اُس کے پس پشت سے دیا جائے گا............اب یاتو چونکہ اسے یقین ہے کہ اُسے نامۂ عمل بائیں ہاتھ میں ملے گا اس لئے کہ اُس کے اعمال اسی قابل ہیں تو وہ اپنا ہاتھ بڑھائے گا ہی نہیں بلکہ اپنا ہاتھ پیٹھ کے پیچھے کرلے گا لیکن اس کی وجہ سے بچ نہیں جائے گا بلکہ پس پشت ہی اس کے ہاتھ میں وہ نامۂ اعمال دیا جائے گا اور یا یہ کہ اُس کا حشر ہی اس طرح ہوگا کہ وہ پشت کی طرف مڑا ہوا ہوگا اور بعض کا خیال ہے کہ اُس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے اور اس طرح بایاں ہاتھ پشت کی طرف ہوگا مگر یہ ہاتھوں کا بندھنا یا طوق وسلاسل کا پہننا تو حساب کے بعد کی باتیں ہیں............بظاہر پہلی ہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے اعمال سے مایوسی کی بنا پر اپنا ہاتھ بڑھائے گا ہی نہیں بلکہ پیچھے کی طرف چھپالے گا اب نامۂ اعمال کو دیکھتے ہی وہ چلّا اٹھے گا کہ ہائے تباہی وبربادی............کہا جارہا ہے کہ اب یہ ہائے واویلا کاہے کی ہے۔ وہ تو دنیا میں بڑا خوش تھا اور سمجھتا تھا کہ کبھی بارگاہ ربّ میں حاضری ہوگی ہی نہیں، اور پروردگار اُس کے ایک ایک لمحہ سے واقف تھا تو ناممکن تھا کہ اُسے اُن اعمال کی پاداش نہ ملے۔

اپنے والوں کے یہاں سے مراد وہ آخرت میں جو اُسے اللہ کی طرف سے شریک حیات بننے کے لئے اور خدمات کے واسطے حور وغلماں ملے ہیں وہ بھی ہوسکتے اور وہ عزیز واقارب بھی جو اُس کی طرح نجات کے مستحق ہوں............باقی تمام اہل ایمان جو اہل جنّت ہیں وہ بھی ہوسکتے ہیں۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِۙ۝۱۶ وَ الَّیْلِ وَ مَا وَسَقَۙ۝۱۷ وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَۙ۝۱۸ لَتَرْكَبُنَّ
طَبَقًا عَنْ طَبَقٍؕ۝۱۹ فَمَا لَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَۙ۝۲۰ وَ اِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ
لَا یَسْجُدُوْنَؕ۩۝۲۱ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُكَذِّبُوْنَ۝ۖ۲۲ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ۝ۖ۲۳

www.kitabmart.in

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

''تو قسم ہے شفق کی اور رات کی جب وہ سمیٹ لیتی ہے اور چاندکی جب وہ تھوڑا ہو جاتا ہے کہ تم یونہی ایک ایک منزل طے کرو گے تو اُنہیں کیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اور جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو یہ سربسجود نہیں ہوتے بلکہ جو کافر ہیں وہ جھٹلاتے ہیں حالاں کہ جو کچھ وہ بھر کے محفوظ کر رہے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے تو اُنہیں دردناک عذاب کی خوش خبری دیدیجئے مگر جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے، اُن کے واسطے اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا''۔

یعنی ان کا خیال کہ ہم کبھی ملیں گے نہیں بالکل غلط ہے، ایسا نہیں ہے؟ جن چیزوں کی قسم کھائی جارہی ہے ان تغیرات جس طرح مشاہدہ میں ہیں اور وہ یکے بعد دیگرے آرہے ہیں۔ اسی طرح یہ اپنی تمام منزلیں زندگی کی طے کرکے بہرحال اُس آخری نقطہ کی طرف رہ سپار ہیں جو آخرت کہلاتی ہے تو یہ اُسے مانتے کیوں نہیں اور قرآن جو ان حقیقتوں کو پیش کرتا ہے، اُس کے سامنے سرنہیں جھکاتے۔

یہاں چونکہ سجدہ نہ کرنے کی مذمت ہے اس لئے آیت میں لا یسجدون کے لفظ سے سجدہ کا حکم ہے لیکن فقہ امامیہ کے روسے وہ واجب نہیں ہے............واجب سجدے چار ہیں جن میں یہ جگہ داخل نہیں ہے۔

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ

مکیّہ ...... ۲۲ ......آیات

پہلی ہی آیت میں چونکہ ذات البروج کا لفظ ہے، اس لئے اس سورے کا یہ نام ہوا۔

اس سورے کے شروع میں اہل حق کی سابق زمانہ کی ایک جماعت کا ذکر ہے جنہیں حق پرستی کے جرم میں آگ سے بھرے ہوئے گڑھے میں زندہ ڈال کر جلا دیا گیا۔ اُن گرانے والوں کا جو انجام ہوا، وہی ان لوگوں کا ہوگا جو اسلام لانے کے جرم میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچا رہے ہیں۔ اس ذیل میں اہل ایمان کو صبر و ثبات کی تلقین ہے کہ جیسے اس جماعت نے آگ کے گڑھے میں گر کر جان جانے کو گوارا کر لیا مگر حق کے راستے سے منحرف نہیں ہوئے، ویسے ہی تم سب سختیاں اٹھا لو مگر حق کے جادے سے منحرف نہ ہو۔ نتیجہ میں وہ تمہیں ہمیشہ والی زندگی میں اجر عطا کرے گا اور اُنہیں جو تمہاری جان لے رہے ہیں ابدی ہلاکت میں مبتلا کر کے عتاب ابدی کا مستوجب گردانے گا اور نہ ختم ہونے والی سزا دے گا............اُنہیں عاد و ثمود وغیرہ کو یاد کرنا چاہیے جو کیسی طاقتور قومیں تھیں لیکن جب اُس کی طرف کا اشارہ ہو گیا تو وہ سب تباہ و برباد ہو گئے۔ آخری جملوں میں قرآن کی حقانیت پر زور دیا گیا ہے کہ اس کی ہر بات لوح محفوظ کے مطابق ہے جو کسی کے

www.kitabmart.in

جھٹلانے سے مٹ نہیں سکتی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ﴿۱﴾ وَالۡیَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ﴿۲﴾ وَشَاہِدٍ وَّمَشۡہُوۡدٍ ﴿۳﴾

''قسم ہے قلعوں والے آسمان کی اور وعدہ کیے ہوئے دن کی اور دیکھنے والے کی اور دیکھی جانے والی''۔

یہ قسمیں اُس واقعہ سے متعلق ہیں جو ابھی بیان ہوگا۔ اصل آیت میں جو بُروج کا لفظ ہے، اُسے قدیم زمانہ میں اُس وقت کی ہیئت کے لحاظ سے اُن بارہ ۱۲ برجوں کے معنی میں لیا جاتا تھا جس میں سیّاروں کی گردش ہوتی تھی اب اُن سے مراد عالم بالا کے بڑے بڑے اجسام واجرام ثوابت وسیّارات سمجھے جاتے ہیں جس کی تائید میں بھی قدیم مفسّرین کے اقوال موجود ہیں۔ یوم موعود سے بالکل ظاہر ہے کہ قیامت کا دن مراد ہے اور پھر سے ذہن کو اُس جزاؤ سزا کی طرف منتقل کیا گیا ہے جو مظلوم وظالم کو ملنے والی ہے اور شاہد سے مراد آخرت کی دیکھنے والی تمام نگاہیں بھی ہوسکتی ہیں، دنیا والے مظالم کو دیکھنے والے نوع انسانی کے افراد بھی اور پہلی صورت میں مشہود آخرت کے مناظر ہوتے ہیں اور دوسری صورت میں موجودہ مظالم کا مشاہدہ کرنے والے۔ اس کے علاوہ شاہد ومشہود کے لفظ میں اتنے قول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ متشابہات میں داخل ہے جن کا متعیّن مفہوم سمجھنا مشکل ہے مگر اُن میں سے اکثر اس سلسلۂ بیان سے بالکل غیر مرتبط ہیں اس لئے ان الفاظ کا اُن پر محمول کرنا مشکل ہے۔ اگرچہ بعض ان میں سے معصومین علیہ السلام سے بھی مروی ہیں مگر یہ احادیث عموماً مرسلات کے قبیل سے ہوتے ہیں لہٰذا جب تک وہ بالکل الفاظ قرآنی پر منطبق نہ ہوں، اُن پر اعتماد کرنا مشکل ہے۔ بہرحال ایک اُن میں سے یہ ہے کہ شاہد روز جمعہ ہے اور مشہود روز عرفہ ہے یعنی ۹ ذی الحجہ ہے۔ یہ ابن عباسؓ اور قتادہ کا قول ہے اور اس کی روایت امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کی طرف نسبت دے کر بھی ہوئی ہے اور بعض نے اس خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی بھی نقل کیا ہے اور روز جمعہ کو شاہد اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ تمام لوگوں کے اعمال کی جو اُس میں عمل خیر کریں گواہی دے گا اور روز عرفہ کو مشہود کہا گیا ہے اس لئے کہ اس میں تمام اطراف کے لوگ حج کے سلسلہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ شاہد روز عید ہے، ۱۰ ذی الحج اور مشہود عرفہ کا دن ہے۔ تیسری روایت میں ایک شخص کا بیان ہے کہ میں مسجد میں آیا۔ دیکھا ایک صاحب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احادیث بیان کرر ہے ہیں۔ میں نے ان سے شاہد ومشہود کے معنی پوچھے، انہوں نے کہا شاہد روز جمعہ ہے اور مشہود روز عرفہ آگے بڑھا تو دیکھا دوسرے صاحب احادیث بیان کرر ہے ہیں۔ میں نے اُن سے یہ سوال کیا تو اُنہوں نے شاہد روز جمعہ ہے اور مشہود روز قربانی ہے۔ اور آگے بڑھا تو دیکھا ایک صاحبزادے احادیث بیان کرر ہے ہیں جن کا چہرہ کندن کا ایسا چمکدار ہے میں نے ان سے وہی سوال کیا تو اُنہوں نے کہا شاہد حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور مشہود روز قیامت ہے حضرت کے لئے خود خالق کریم کا ارشاد ہے کہ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا۔ (احزاب۔۴۵) اور قیامت کے لئے قرآن میں ہے: ذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّہُ النَّاسُ وَذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّشۡہُوۡدٌ۔ (ہود۔۱۰۳) یہ وہ دن ہوگا جس کے لئے تمام انسان جمع ہوں گے اور یہ روز مشہود ہوگا سب اُس کا مشاہدہ کریں گے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں ان شخصیتوں کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا پہلے حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے اور دوسرے عبداللہ بن عمر تھے اور تیسرے حضرت امام حسن بن علیؑ تھے۔ ایسے ہی اور روایات واقوال ہیں۔ ان میں سے یہ امام حسنؑ کی روایت سیاق آیت قرآن سے

www.kitabmart.in

اس لئے زیادہ مطابق ہے کہ یہاں بھی الیوم الموعود کے بعد جو مشہود آیا ہے اُس سے قیامت کا مراد ہونا بالکل درست معلوم ہوتا ہے اور اُس کا مشاہدہ کرنے والے جتنے ہوں گے ان کی فردِ اکمل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے لہٰذا امام حسنؑ نے دوسری قرآنی آیت کی شہادت پیش کرتے ہوئے جو آپ کو شاہد بتایا وہ بھی بالکل صحیح ہے۔ آسمان کی عظمت کی قسم کھا کر اُس کے خالق کے عظمت واقتدار مالکانہ کی طرف متوجہ کیا گیا کہ ظالم لوگ اُس کی گرفت سے کہاں نکل سکتے ہیں اور روزِ قیامت کی قسم کھا کر اُس کی طرف کی سزا کا ظالموں کو تصوّر پیدا کیا گیا ہے کہ تم اُس کی سزا سے نکل کر کہاں جا سکتے ہو۔

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۝۴ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۝۵ اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ ۝۶ وَّهُمۡ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ شُهُوۡدٌ ۝۷ وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۝۸ الَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ۝۹

”جان سے مارے جائیں وہ گڑھا کھودنے والے اُس بھڑکتی ہوئی آگ کا جس میں بہت ایندھن تھا، جب وہ اُس کے اردگرد بیٹھے تھے اور جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ وہ کر رہے تھے، اُس کا تماشا دیکھ رہے تھے اور اُنہیں اُن سے عداوت کی کوئی وجہ نہیں تھی سوا اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو عزّت وغلبہ والا اور ہر تعریف کا حق دار ہے جس کے لئے سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر حاضر وناظر ہے“۔

یہ ایک قدیم واقعہ کا حوالہ ہے جو اسلامی روایات میں بھی مختلف صورتوں سے آیا ہے اور مغربی محققین نے قدیم کتبوں اور تحریروں سے بھی اُس کے کچھ تفصیلات محفوظ کیے ہیں کہ سرزمین یمن کے عیسائیت اختیار کرنے کے جرم میں یہودیوں نے یہ ظلم کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ نجران میں اب تک وہ جگہ لوگوں کو معلوم ہے جہاں یہ گڑھا تھا جسے قرآن میں الاخدود کہا گیا ہے۔

یہاں المؤمنین جنہیں کہا گیا ہے، وہ عیسائی ہی تھے جن کے لئے اُس وقت دینِ حق یہی تھا اور اس کے مقابلہ میں وہ تشدّد کرنے والے یہودی کافر کی حیثیت رکھتے تھے۔

اُس پر قرآن نے جیسے مرثیہ پڑھا ہے، اس طرح دین کے معاملے میں تشدّد کی مذمت کی ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ فَتَـنُوا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ يَتُوۡبُوۡا فَلَهُمۡ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمۡ عَذَابُ الۡحَرِيۡقِ ۝۱۰ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡكَبِيۡرُ ۝۱۱

”یقیناً جنہوں نے باایمان مردوں اور باایمان عورتوں پر مظالم کیے، پھر توبہ نہیں کی، ان کے لیے دوزخ کی سزا ہے اور اُن کے لیے آگ میں جلنے کا عذاب ہے۔ یقیناً جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور نیک اعمال کیے، اُن کے لئے

www.kitabmart.in

بہشت میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں''۔

وہ گزشتہ واقعات کا بیان تھا جو ہو چکا، لیکن چونکہ اس کا بیان کوئی تاریخی واقعہ کے بیان کے طور پر صرف وسعت معلومات کے لئے نہیں تھا بلکہ اُس سے موجودہ دَور کے ظالموں کو جو اہل ایمان پر مظالم ڈھا رہے ہیں تنبیہ مقصود ہے لہٰذا اب بطور کلیّہ بر بنائے ایمان مؤمنین اور مؤمنات پر مظالم کی سزا کا اعلان ہے اور چونکہ یہ ظلم ڈھانے والے کافرہوں گے لہٰذا اب یہ کہا گیا کہ اس کے بعد اگر وہ توبہ نہ کریں، اب اس توبہ کا مطلب دینِ حق کا اختیار کرلینا ہے جس کے لئے اصول یہ ہے کہ الاسلام یجب ماقبلہ اسلام قبول کرلینا پہلے والی باتوں کا نظرانداز کردیتا ہے، یہاں ان مظالم کا ذکر نہیں ہے جو اسلام کا ادّعا کرنے والے اہل حق کے ساتھ کریں، آخر میں اس پر اشارہ کیا گیا ہے کہ اس دنیا کی کامیابی اور یہ سمجھ لینا کہ ہم نے اپنی مخالف جماعت کے اپنے راستے سے ہٹادیا کوئی کامیابی نہیں ہے، اصل کامیابی وہی آخرت کی ہے جو اہل بہشت سے مخصوص ہے۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٦﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿١٨﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿١٩﴾ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾

''یقیناً تمہارے پروردگار کی گرفت بہت سخت ہے، وہی پہلے بھی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی پیدا کرتا ہے اور وہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑی محبّت والا، عرش کا مالک، بزرگ مرتبہ، جو کچھ چاہے، پورے طور پر کرڈالنے والا، کیا تمہیں پہنچا ہے تذکرہ اُن فوجوں کا فرعون اور قبیلہ ثمود کے لشکر گروہ جو کافر ہیں جھٹلانے میں پڑے ہوئے ہیں حالاں کہ اُن کے پس پشت سے اُن کے گھیرا ڈالے ہوئے ہے بلکہ یہ بزرگ مرتبہ قرآن ہے جو لوح محفوظ میں ثبت ہے''۔

فرعون اور ثمود کے ساتھ فوجیں کہہ کر صرف اُن کی مادی طاقتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اپنے زعم میں اُنہیں حاصل تھیں اور بس انہیں یاد لا کر جنہیں خبریں اُن کے انجام کی پہنچ چکی ہوں، اُن کے لئے لمحۂ فکریہ پیدا کردیا کہ جو اس وقت اپنی طاقت کا گھمنڈ رکھتے ہیں اُن کے غرور طاقتوں کو شکست ہو اور جنہیں پورے واقعات اُن کے نہ معلوم ہوں اُنہیں ذوق جستجو پیدا ہو اور وہ معلوم کرکے اُس سے عبرت حاصل کریں۔

چونکہ جنود یعنی افواج کہہ کر اُن کے طاقت واقتدار کے زعم کا اظہار کیا گیا تھا، اس لئے اس کے مقابلہ میں خالق کے احاطہ واقتدار کی وسعت کو بیان کیا گیا ہے کہ جو کچھ وہ کرنا چاہے، اُسے وہ ناکام نہیں بناسکتے، ذرہ بھر اُس کے احاطہ واقتدار سے وہ نکل سکتے نہیں اور یہ قرآن اُس کی طرف کی لوح محفوظ میں ثبت ہے لہٰذا اس کی مندرجہ کسی بات اور اُس کی دی ہوئی کسی خبر کو وہ کتنا ہی جھٹلائیں مگر جو کچھ وہ اعلان کررہا ہے، وہ سب ہو کر رہے گا، اس کا کوئی جزٹل نہیں سکتا۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ الطَّارِقِ

مکیّہ......۱۷......آیات

چونکہ پہلی ہی آیت میں ''الطارق'' کی قسم ہے یعنی رات کو نمودار ہونے والے تارے، اس لئے یہ نام ہوا۔ مکّہ میں نازل ہونے والے دوسرے تمام سوروں کی طرح اس میں بھی نگاہ آسمان اور اس کے ستاروں کی طرف موڑی گئی ہے تاکہ پتہ چلے کہ جو اس تمام نظام کی نگہبانی کر رہا ہے وہ انسان کو نظر انداز نہیں کرسکتا، پھر انسان کو اُس کی ابتدائے خلقت کی یاد دلائی گئی ہے کہ اُسے غرور کبھی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ خود کچھ ہے اور پھر اُسی سے دوبارہ پیدا ہونے پر اُس کی قدرت کا اظہار کیا گیا ہے جو اس دَور کے سوروں کی امتیازی مہم ہے اور بتایا ہے کہ اُس قیامت میں اس کے چھپے ہوئے اعمال سب نمایاں ہوں گے اور وہاں کوئی اس کا مددگار نہیں ہوگا پھر قرآن کی سچائی پر زور دیا گیا ہے۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں مشرکین کہ سرگرمیوں کا اظہار کرتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ لاکھ تدبیریں کریں، خدا کی تدبیر کے مقابلہ میں ان کی کوئی تدبیر نہیں سکتی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾ اِنۡ کُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَیۡہَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾

''قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی اور تم کیا جانو کہ رات کو نمودار ہونیوالا کیا ہے؟ وہ چمکتا ہوا تارا ہوتا ہے، کوئی متنفس نہیں مگر یہ کہ اُس پر کوئی نگہبان ہے''۔

اگرچہ الطارق کے لفظ اور انداز بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی خاص رات کو نمودار ہونے والی روشن چیز ہے جس کی قسم کھائی جا رہی ہے اس لیے بعض قدیم مفسّرین نے کہا ہے کہ وہ زحل ہے سبعہ سیّارہ میں سب سے اونچا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ثریا مراد ہے کہ عرب اُسے النّجم کہتے تھے اور بعض نے چاند کہا ہے مگر زیادہ قوت اسی کو ہے کہ اس سے یہاں بطور جنس آسمان کے تارے مراد ہیں جو رات کو نظر آتے ہیں اور اُن کی قسم کھائی گئی ہے کہ خالق اس پورے عالم بالا کے نظام کا نگہبان ہے تو کسی انسان کو اپنے کو مطلق العنان نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اُس کی طرف سے اس کی نگرانی ہو رہی ہے۔

فَلۡیَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾ یَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَیۡنِ الصُّلۡبِ

www.kitabmart.in

وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾

''تو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کاہے سے پیدا کیا گیا ہے؟ وہ پیدا کیا گیا ہے ایک اچھل کر نکلنے والے پانی سے جو ریڑھ اور سینے کی ہڈیوں کے بیچ میں سے نکلتا ہے، وہ اس کے پلٹا کے لانے پر بھی قادر ہے اُس دن جب تمام چھپی ہوئی باتوں کا بھی جائزہ لیا جائے گا تو اس آدمی کے پاس نہ خود کوئی طاقت ہوگی، یہ اس کا کوئی مددگار ہوگا''۔

جسم کے اسی حصّے سے جو پشت اور سینے کے درمیان ہے، مادۂ تولید برآمد ہوتا ہے، اس کا بنیادی ربط دماغ سے ضرور ہے لیکن براہ راست یہ دماغ سے خارج نہیں ہوتا اس لئے محاورے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ یہ اولاد اُس باپ کے صلب سے ہے اور صلب کے معنی پشت کے ہیں، جس خدا نے ایسے پیچیدہ جسم کے نظام کو پہلی دفعہ میں پیدا کیا، وہی دوبارہ بعد میں موت اُسے پلٹا بھی سکتا ہے، اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اُس دن تمام چھپی ہوئی باتیں سامنے آجائیں گی اور اُن کا جائزہ لیا جائے گا۔ یہ پوشیدہ اعمال بھی ہیں اور دل کی نیتیں بھی ہیں جو دنیا میں لوگوں کو معلوم ہو ہی نہیں سکتی تھیں۔ آخرت میں وہ سب دیکھ لی جائیں گی اور اُن کے مطابق جزا وسزا دی جائے گی۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ﴿۱۱﴾ وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمۡ يَكِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيۡدُ كَيۡدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الۡكٰفِرِيۡنَ اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا ﴿۱۷﴾

''قسم ہے آسان کی جو بارش والا ہے اور زمین کی جو (نباتات کے ذریعے سے) شگافتہ ہونے والی ہے کہ یہ فیصلہ کن بات ہے اور وہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ یہ (کافرلوگ) اپنی چالیں چل رہے ہیں اور میں اپنی چال چل رہا ہوں تو چھوڑ دو ان کافروں کو تھوڑا سا (پھر دیکھا جائے گا)''۔

چونکہ روزی کا انحصار آسمان کی بارش اور زمین کی پیداوار پر ہے جس کے لئے پہلے بھی آچکا ہے شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا. (عبس۔۲۶ تا ۲۸) ہم نے زمین کو شگافتہ کیا اور اس میں اناج اور انگور اگائیں گے اس لئے آسمان اور زمین کی قسم میں اُسے ذات الرجع کہا گیا اور رجع کے معنی محاورۂ عرب میں بارش کے ہوتے ہیں اور زمین کی صفت شگافتہ ہونے والی بتائی کہ اُس کی سطح کو پھاڑ کر نباتات برآمد ہوتے ہیں۔

یہ اپنی دوبارہ زندگی کا ملنا اور جزا وسزا کا ہونا فیصلہ کن بات ہے جو ٹل نہیں سکتی، پھر کافروں کی سرگرمیوں، ریشہ دوانیوں اور ترکیبوں کا حوالہ دیتے ہوئے جو وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کررہے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے کہا جارہا ہے کہ تھوڑے دن انہیں جو کررہا ہیں کرنے دیجئے پھر ہم بھی انہیں موقع دے رہے ہیں جسے یہ اپنی کامیابی سمجھ رہے ہیں، وہ ہماری ان کے ساتھ چال ہے کہ پھر ان کو ایک دم تباہ وبرباد کر دیا جائے اور پھر آخرت کے عذاب میں رکھا جائے جو ان کا آخری انجام ہے۔

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ الْاَعْلٰی

مکیّہ......۱۹......آیات

پہلی آیت میں رب الاعلیٰ کی تسبیح کا حکم ہوا ہے اس لئے الاعلیٰ اس کا نام ہوا۔

شروع میں رب کے وصف کے ساتھ اُس کی تسبیح کا حکم دیتے ہوئے نظام تخلیق کو یاد دلا کر اس کی طرف کی ہدایت کا ذکر ہوا ہے جس کے ساتھ جزا و سزا کا ہونا ضروری ہے اور بہار و خزاں کے مشاہدات پر توجہ دلائی گئی ہے اس طرح ان چند جملوں میں مبدأ اور معاد دونوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ جو آپ پر وحی آرہی ہے اُس کے لئے یہ اندیشہ نہ کیجئے کہ آپ اسے کہیں بھول نہ جائیں اس کے ہم ضامن ہیں کہ آپ کو ایسا پڑھائیں گے کہ آپ بھولیں نہیں۔ اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو مشرکین کے رویّہ اور آپ کی دعوت کے قبول نہ کرنے سے صدمہ ہوتا تھا، اس کے لئے کہا گیا ہے کہ آپ کا کام ہدایت کرنا ہے یعنی صحیح باتوں کو پہنچا دینا۔ اب لوگ مانتے ہیں یا نہیں اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے، جس میں صلاحیت ہوگی اور نفس میں اُس کے طہارت ہوگی وہ خود مان لے گا اور نتیجہ میں ہمیشہ کی کامیابی و کامرانی سے دوچار ہوگا یہ لوگ دنیاوی زندگی کو سب کچھ سمجھ رہے ہیں حالاں کہ آخرت مقدّم ہے اور وہی مستقل اور پائیدار ہے۔ یہ آج ہی نہیں بلکہ پہلے کتب سماوی میں بھی کہا جاتا رہا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪ۙ﴿۲﴾ وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی ۪ۙ﴿۳﴾ وَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی ۪ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰی ؕ﴿۵﴾

"تسبیح کیجئے اپنے پروردگار کے بلند و برتر نام کی جس نے پیدا کیا تو بالکل ٹھیک توازن قائم کیا، اور جس نے تقدیر مقرر کی اور صحیح راستے کی طرف ہدایت کی اور جس نے نباتات برآمد کئے، پھر اُنہیں خشک کر کے سیاہ بنا دیا"۔

تسبیح کے معنی نقائص سے بری سمجھنے اور اس کا اظہار کرنے کے ہیں اور جتنے نقائص ہیں وہ سب اُس کی بلندی ذات کے خلاف ہیں اس لئے تسبیح کے حکم کے ساتھ رب کے اعلیٰ ہونے کی صفت کا ذکر کیا۔

اس کی ذات سے ہر قسم کے نقص کا دور سمجھنا توحید ہے اور اُس کے افعال سے ہر قسم کے ظلم و نقص کو دور سمجھنا عدل ہے جو ہماری جماعت امامیہ کا امتیازی نشان ہے۔ کائنات میں ہر صورت سے توازن کا ہونا اس پیدا کرنے والے کے علم و حکمت کی دلیل ہے۔ ہر شے کی اُس نے تقدیر مقرر کی، کب پیدا ہوگی کتنے دن رہے گی، کیا خاصیتیں اُس سے ظہور میں آئیں گی اور کب وہ ختم ہو جائے گی اور اُس کی ہدایت کی یعنی اُسے

www.kitabmart.in

درجہ بدرجہ اُس آخری نقطہ تک پہنچایا جو اُس کا انجام ہے، یہ ہدایت ہر چیز میں بالکل جبری طور پر ہے لیکن انسان کو ایک منزل میں آ کر اُسی نے ایک حد تک اختیار کا مالک بنایا تو اُس کے لئے صحیح اور غلط راستوں میں امتیاز کے لئے اندرونی طور پر عقل کو قرار دیا اور جن باتوں کے لئے عقل کام نہیں کرتی اُن میں ہدایت تشریعی کا نظام قائم کیا جو انبیاؤ مرسلین کے ذریعہ سے ہوتا ہے، نباتات کا لہلہانہ اور پھر خشک ہوکر سیاہ ہو جانا اُس کا ثبوت ہے کہ یہ نوع انسانی بھی اس طرح باقی نہیں رہے گی بلکہ اس کے لئے بھی ایک اختتام کی منزل ہے جو موت ہے انسان کو اُسے یاد رکھنا چاہیے۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝۶ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝۷
وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝۸

''ہم آپ کو پڑھا دیں گے آپ بھولیں گے نہیں سوا اُس کے جو اللہ کو منظور ہو۔ اللہ جانتا ہے ظاہر کی بات کو بھی اور اُسے بھی جو چھپا ہوا ہو اور ہم آپ کو آسان شریعت کے پہنچانے میں آسانی پیدا کریں گے''۔

یوں تو خالق کا اُنہیں کتاب کی تبلیغ پر مامور کرنا جو غیر مکتوبی شکل میں نازل ہوا جس کے اکثر طولانی سورے بھی ایک ساتھ اترے ہیں ان کے حافظہ پر اُس کے اعتماد کی دلیل تھا تاہم اس دنیا کے اطمینان لئے جو اسباب ظاہری پر اعتماد رکھتی ہے آپ اسے محفوظ کرنے کی کوشش بھی فرماتے تھے کہ آپ اُس کے نازل ہوتے وقت خود اُسے بار بار پڑھتے جاتے تھے اور کبھی بلند آواز سے پڑھتے تھے تو قرآن میں دو تین جگہ صراحۃً اس کی ضمانت دی ہے کہ آپ اُسے بھولیں گے نہیں لہٰذا جو خدا پر ایمان رکھتا ہے، اُسے آپ کے حافظہ پر ایمان لازم ہے اور جس بات کو آپ نہ پہنچائیں، اُسے آپ کے حافظہ کا نقص نہ سمجھنا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ خدا کو اُس کا پہنچانا منظور ہی نہیں تھا جس شریعت سہلہ کی تبلیغ پر آپ مامور ہوئے ہیں، اُس کے پہنچانے میں مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا مگر خدا ان دشواریوں کو دور کرے گا اور آپ کو اس کی تبلیغ کے لئے آسانیاں بہم پہنچائے گا۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝۹ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝۱۰ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝۱۱
الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝۱۲ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۱۳

''تو آپ یاددہانی کرتے رہیے اگر اس یاددہانی سے فائدہ پہنچے، فائدہ اٹھائے گا جو اندیشہ آخرت رکھے اور اُس سے بچنا چاہے گا وہ بد بخت جسے اس بڑی آگ میں جانا ہے، پھر نہ اُس میں وہ مرے گا اور نہ جئے ہی گا''۔

ظاہر ہے کہ عمومی تبلیغ تو سب کے لئے ہے، ورنہ یہ پتہ ہی کہاں چلے گا کون فائدہ اٹھاتا ہے اور کون نہیں لیکن خصوصی کوشش تبلیغ کی اُن لوگوں کے پیچھے پڑ کر بے کار ہے جنہیں مبداؤ معاد سے کوئی سروکار نہیں ہے اور فکر انجام سے بالکل بے نیاز ہیں۔ اس لئے وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ اس میں موت بھی ایسی نہ آئے گی کہ وہ اس عذاب سے چھٹکارا دیدے اور زندگی بھی ایسی نہ ہوگی جس میں کیفِ زندگی ہو۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝۱۴ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝۱۵ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۱۶
وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝۱۷ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝۱۸ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ
وَمُوْسٰى ۝۱۹

www.kitabmart.in

''دین اور دینا کی بہتری حاصل کی اُس نے کہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے پروردگار کے نام کو یاد کیا اس طرح کہ نماز پڑھی مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو مقدّم سمجھتے ہو حالاں کہ آخرت بہتر اور پائدار ہے یقیناً یہ پہلے کی کتابوں میں بھی بیان آتا رہا ہے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں''۔

پاکیزگی اختیار کرنے کا مطلب ہے کفر و شرک کی آلائش سے دامن کو بچا کر ایمان کی طہارت کو اختیار کرنا اور بُرے کردار کو چھوڑ کر اچھے کردار سے آراستہ ہونا اور دنیا کی بہتری جو فلاح کے معنی میں مضمر ہے وہ مال و دولت یا عیش و آرام نہیں ہے کہ یہ کافروں کو بھی حاصل ہوتا ہے بلکہ اکثر مومن سے زیادہ ملتا ہے بلکہ وہ سکونِ ضمیر بھی ہے جو راہ راست پر ہونے سے وابستہ ہے۔

سُوْرَۃُالْغَاشِیَۃِ

مکیّہ......۲٦......آیات

پہلی آیت میں جو الغاشیۃ کا لفظ ہے، اُس پر یہ نام ہوا۔

صحرائی عربوں کے لئے جو سب سے زیادہ قریبی مشاہدات تھے ریگستان کے سفر میں سواری کے لئے اونٹ۔ اوپر نظر اٹھائی تو آسمان، اِدھر اُدھر دیکھا تو پہاڑ، نیچے نگاہ کی تو زمین، انہی مشاہدات کے ذریعہ سے مبدأ و معاد دونوں پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔ انہی چیزوں کی طرف نظر کو متوجّہ کر کے مبدأ و معاد خدا کی حکمت اور آخرت کی ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

شروع ہی میں سب پر چھا جانے والی آفت یعنی قیامت میں ماننے اور نہ ماننے والے دو ۲ گروہوں کے انجام میں فرق، اور سورہ کے بالکل آخر میں حساب کے لفظ سے سے اُنہیں ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک میں شامل ہونے کے لئے اپنے ضمیر سے فیصلہ کرنے کی دعوت ہے اور درمیان میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تخاطب کر کے یہ کہا گیا ہے کہ آپ کا کام بس سمجھنا ہے، زبردستی منوانا آپ کا کام نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ؕ۱ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ۳
تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ۴ تُسۡقٰى مِنۡ عَيۡنٍ اٰنِيَةٍ ؕ۵ لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ
ضَرِيۡعٍ ۙ۶ لَّا يُسۡمِنُ وَلَا يُغۡنِىۡ مِنۡ جُوۡعٍ ۷ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ۸ لِّسَعۡيِهَا
رَاضِيَةٌ ۙ۹ فِىۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ۱۰ لَّا تَسۡمَعُ فِيۡهَا لَاغِيَةً ؕ۱۱ فِيۡهَا عَيۡنٌ جَارِيَةٌ ۘ۱۲

www.kitabmart.in

فِيۡهَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّاَكۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّنَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِىُّ مَبۡثُوۡثَةٌ ﴿۱۶﴾

''کیا تمہیں پہنچی ہے خبر اُس چھا جانے والی آفت کی۔ اُس دن کچھ چہرے تذلّل کا منظر پیش کرنے والے ہوں گے، بہت کام کیے ہوئے، بڑی محنت و مشقت اٹھائے ہوئے، وہ گرمی اٹھا رہے ہوں گے آگ کی، پینے کو پی رہے ہوں گے بہت شدید گرم چشمے سے، اُن کے لئے کوئی غذا نہ ہوگی سوا خاردار گھاس ''ضریع'' کے جو نہ موٹا پا پیدا کر دیتی ہے اور نہ بھوک کی تکلیف کو دور کرتی ہے، کچھ چہرے تر و تازہ ہوں گے، اپنی کد و کاوش سے مطمئن، بہشت بریں میں، جہاں کوئی لایعنی بات سننے میں نہ آئے گی، اُس میں ایک چشمہ رواں ہوگا، اُس میں اونچے اونچے تخت ہوں گے اور جام و ساغر رکھے ہوں گے اور گاؤ تکیے ترتیب کے ساتھ لگے ہوئے اور طرح طرح کے عمدہ بچھونے بچھے ہوئے''۔

پہلے پژمردہ چہروں کے ساتھ عاملۃ ناصبۃ بہت کام کئے ہوئے، بڑی محنت و مشقت اٹھائے ہوئے، یہ لفظیں چہرے کی اُس کیفیت کے اظہار کے لئے ہیں جسے ہم ''تھکے ہارے ہوئے'' کے لفظوں سے بھی ادا کر سکتے ہیں اور یا یہ طنز ہے اُن لوگوں کی اُن سرگرمیوں پر جو وہ دنیا میں بخیال خود اپنی کامیابیوں کے لئے کرتے رہے تھے کہ وہ سب اکارت گئیں اور اُنہیں کوئی ثمرہ حاصل نہ ہوا۔ خصوصاً منافقین جنہوں نے اپنی پوری پوری عمریں بخیال خود عبادت میں بھی گزار دیں اور بڑے بڑے کارہائے خیر بھی انجام دیئے مگر چونکہ وہ سب بغیر ایمان صحیح کے تھے اس لئے وہ سب بے کار ہو گئے۔

اَفَلَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَى الۡاِبِلِ كَيۡفَ خُلِقَتۡ ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيۡفَ رُفِعَتۡ ﴿۱۸﴾ وَاِلَى الۡجِبَالِ كَيۡفَ نُصِبَتۡ ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الۡاَرۡضِ كَيۡفَ سُطِحَتۡ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرۡ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنۡ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الۡعَذَابَ الۡاَكۡبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَيۡنَاۤ اِيَابَهُمۡ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا حِسَابَهُمۡ ﴿۲۶﴾

''تو کیا یہ اونٹوں کو نہیں سیکھتے کہ یہ کیوں کر پیدا کئے گئے ہیں اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیوں کر بلند ہوا اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیوں کر قائم کئے گئے اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیوں کر بچھائی گئی، تو بس آپ یاددہانی کئے جایئے، آپ کا کام تو بس یاددہانی کرتے رہنا ہے، آپ اُنہیں زبردستی منوانے کے ذمہ دار نہیں ہیں، بے شک جو شخص روگردانی کرے گا اور کفر اختیار کرے گا تو اللہ اُسے سب سے بڑی سزا دے گا یقیناً اُن کا پلٹنا ہماری ہی طرف ہے پھر ہمارے ہی ذمے ان کا حساب کتاب ہے''۔

یعنی یہ اَن دیکھی حقیقتوں کا انکار کرتے ہیں تو جو باتیں ان کے ماحول کے لحاظ سے ہر وقت ان کے سامنے ہیں، اونٹوں کو دیکھ لیں جن

www.kitabmart.in

پرریگستانی راستے طے کرتے ہیں کہ ان کی خلقت ان کے سفروں کے لیے کتنی موزوں ومناسب رکھی گئی ہے جن کی کلیں آدمیوں کو دیکھنے میں کیسی ہی ٹیڑھی معلوم ہوں گی مگر اپنے مصرف کے لحاظ سے وہ بالکل صحیح ودرست اور ضروری ہیں، آسمان کے پورے نظام کو کیوں نہیں دیکھتے جوان کے بالائے سر ہیں پہاڑ جو ہر طرف نظر آتے ہیں کس طرح اپنی جگہوں پر جمائے گئے ہیں اور زمین کس طرح بچھائی گئی ہے، جس خالق کی قدرت سے یہ سب باتیں ہوگئیں، اُسی کی قدرت سے جب قیامت کی بات بیان کی جائے، بہشت اور دوزخ کے تذکرے کئے جائیں تو وہ کیوں مذاق اڑاتے ہیں اور جھٹلاتے ہیں۔ جب اُن کے اس رویّہ کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے تو وہ سزا کے حقدار نہیں ہیں تو اور کیا ہیں تو اُس سے وہ بچ نہیں سکتے اس لئے کہ اُنہیں پلٹ کر ہماری ہی طرف آنا ہے اور ان سے حساب لینا ہمارے ذمّے ہے جس کے نتیجہ میں یہ سزائے سخت کے مستوجب ہیں۔

سُوْرَةُ الْفَجْرِ

مکیّہ......۳۰......آیات

چونکہ فجر یعنی صبح کی قسم سے سورے کو شروع کیا گیا ہے اس لئے یہ نام ہوا۔

اس میں قسموں کے ذریعے روز وشب کے انقلابات اور ان کی نوعیتوں پر توجہ دلاتے ہوئے خالق کی قدرت دکھلاتے ہوئے گزشتہ اعمال کے انجام پر توجہ دلائی گئی ہے اور انسانوں کو اُن کے غلط رویّہ پر متنبّہ کرتے ہوئے آخرت کی کامیابی اور ناکامیابی کے دونوں رُخ پیش کئے گئے ہیں اور آخر میں نہ ماننے والوں کے تاثرات کیا ہوں گے؟ اسی پر سورہ کو ختم کیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ۚ﴿۴﴾ هَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ
قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ؕ﴿۵﴾

''قسم ہے صبح کی اور دس ۱۰ راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب کہ وہ رخصت ہو رہی ہو کیا اس میں کوئی قسم صاحب عقل کے لئے (توجہ کے قابل) ہے''۔

زیادہ تر مفسّرین کا رجحان اور قدیم روایات تو یہی ہیں کہ صبح جس کی قسم کھائی ہے، کوئی خاص صبح ہے اور دس ۱۰ راتیں بھی کوئی خاص ہیں جفت اور طاق میں بھی کوئی خصوصیت ہے اور وہ رات بھی کوئی خاص ہے لیکن یہ روایتیں اتنی مختلف ہیں کہ وثوق کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ فجر کئے ذیل میں کہا جاتا ہے کہ وہ ذی الحج کی پہلی تاریخ کی صبح ہے اور اسی سے جو عشرہ شروع ہوتا ہے جس کی انتہا عید قربان پر ہوتی ہے یہ دس ۱۰ راتیں ہیں اور کسی نے کہا کہ دس راتیں تو یہی ہیں لیکن فجر ان دونوں کی آخری صبح یعنی عید قربان کی صبح ہے، کسی نے کہا دس راتیں ماہ رمضان

www.kitabmart.in

کی آخری راتیں ہیں، شفع اوروتر میں کہا جاتا ہے کہ نمازیں ہیں جن میں کوئی جفت ہے اورکوئی طاق، کسی نے کہا شفع آدمؑ اور حوّاؑ ہیں اور وتر تنہا آدمؑ ہیں، کسی نے کہا جفت مخلوق کے صفات ہیں جن میں ہر ایک دوسرے مقابل ہے مثلاً علم وجہل، عزّت وذلّت، وجودوعدم اورقدرت وعاجزی وغیرہ اوروتر اللہ کی صفت ہے کہ اس کے مثل و مانند کوئی نہیں کسی نے کہا کہ شفع صفا اورمروہ ہیں اوروتر خانۂ کعبہ ہے..........اورانہی کے ساتھ یہ روایت ہمارے یہاں آگئی ہے کہ شفع علیؑ وفاطمہؑ اور وتر حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں، دس راتوں میں یہ ہے کہ یہ عشرۂ محرّم کی دس راتیں ہیں..........لیل میں یہ بھی روایت ہے کہ وہ سبِ معراج ہے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم آسمان پر گئے، اورسب اختلافات سے بچنے کے لئے مفرّ کی صورت یہ اختیارکی گئی ہے کہ فجربھی کوئی سی صبح ہے جب پَو پھوٹتی ہے اوردس راتیں بھی مہینے کی تیس راتوں میں سے ہردس راتیں ہیں اورحقیقت انہی تاریخوں کی تبدیلی مرادہے کہ ایک سے دواوردو سے تین ہوجاتی ہیں۔یہی سلسلہ آخرماہ تک جاری رہتا ہے۔ہمارے نزدیک اس کے علم کواللہ ہی کے حوالے رکھنا چاہیے کسی بات کوبھی حتم وجزم کے ساتھ کہنے کی جرأت نہیں کرنا چاہیے۔

قسمیں کھا کرکیابات کہنا منظور ہے، وہ بھی ظاہرالفاظ کے اندرمذکورنہیں..........بہرحال بعد کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ گفتگو وہی جزاؤسزا کی ہے اوراُسے جھٹلانے والوں کوجوسزائیں مل چکی ہیں ان کاذکر ہے اورموجودہ منکرین کے طبقے کوبراہ راست اوربعدوالوں کواُن کے ذیل میں تنبیہ ہے کہ ان کاانجام بھی یہی ہونے والا ہے۔

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ ﴿۸﴾ وَ ثَمُوۡدَ الَّذِیۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ ﴿۹﴾ وَ فِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِیۡنَ طَغَوۡا فِی الۡبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَکۡثَرُوۡا فِیۡهَا الۡفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَیۡهِمۡ رَبُّکَ سَوۡطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالۡمِرۡصَادِ ﴿۱۴﴾

”کیاتم نےنہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگارنے اُونچے ستونوں والے عادارم کے ساتھ کیا کیا جن کی ایسی کوئی قوم ان ملکوں میں پیدانہیں ہوئی تھی اورثمود کےساتھ جنھوں نے وادی میں چٹانیں تراش کرعمارتیں بنائی تھیں اور میخوں والے فرعون کے ساتھ جنھوں نے ملکوں میں سرکشی کی تھی اور بہت بڑا فساد پھیلا یا تھاتواللہ نے اُن پرعذاب کے تازیانے برسائے یقیناً تمہارا پروردگار گھات میں لگا ہوا ہے“۔

ہمارے قدیم مفسّرین نے ارم کوجیسے اُس قبیلۂ عاد کے علاوہ قراردے کرجس کا تذکرہ بہت جگہ قرآن مجید میں ہے اس ذیل میں جنّت شدّاد کاقصّہ لکھ دیا ہے لیکن تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ عادارم سے مرادوہی قدیم قبیلۂ عاد ہے جس کی طرف جناب ہودؑ مبعوث ہوئے تھے اورجوعذابِ الٰہی سے تباہ وبرباد کردیا گیا ان کوستونوں والے اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ بڑی بڑی بلندعمارتیں بناتے تھے اور بلند ستونوں پرعمارتیں قائم کرنے کاطریقہ اُنہوں نے شروع کیا تھا جس طرح قبیلۂ ثمود کی یہ خصوصیت ہے کہ اُنہوں نے پہاڑوں کے اندرپتھروں کوتراش کرعمارتیں بنانے کاطریقہ شروع کیا تھا۔

فرعون کومیخوں والا کیوں کہا گیا ہے؟ اس میں پھرکئی توجیہیں ہیں۔ایک یہ کہ یہ مجاز ہے کہ اُس کالشکراتنا مضبوط اورطاقتورتھا کہ ان

www.kitabmart.in

میخوں پر اُس کی سلطنت مستحکم و پائدار تھی دوسرے یہ کہ اُس کے لشکر کی کثرت اتنی تھی کہ ہر طرف اس فوج کے جانے پر میخیں ہی میخیں نظر آتی تھیں جہاں اُن کے شامیانے نصب ہوتے تھے۔ یہ بھی وہ دولت مندی کے سبب سے لشکر کے گھوڑے سونے کی میخوں سے باندھا کرتا تھا۔ یہ بھی اپنے مخالفوں کو میخیں ٹھونک کر سزا دیتا تھا، یہ بھی کہ اہرام مصر مراد ہیں جو اُن کی عظمت اور شان وشوکت کی نشانی کے طور پر بعد میں مدّتوں سے قائم ہیں، مگر یہ اہرام تو فراعنہ مصر کی یاد ہیں جو تمام اُس سلسلہ کے سلاطین مصر سے متعلّق ہیں، یہاں یہ صفت جیسے خاص اُس فرعون کی معلوم ہوتی ہے جو حضرت موسیٰؑ کا ہم عصر تھا اور جس پر عذاب آیا تھا۔ ان سب کے عذاب کا یہاں اجمالی طور پر تذکرہ کر دیا گیا ہے جس کے تفصیلات قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر درج ہیں۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿١٨﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

''مگر انسان، جب اُس کا پروردگار اُسے آزمائش میں ڈالتا ہے اور اُسے عزّت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری عزّت افزائی کی اور جب اُسے آزمائش میں ڈالتا ہے تو اُس پر اُس کی روزی میں تنگی کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ذلّت دیدی، ہرگز نہیں، بلکہ تم ہو کہ یتیم سے عزّت کا برتاؤ نہیں کرتے اور غریب کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو آمادہ ہیں کرتے اور میراث کا مال اکٹھا کر کے کھاتے ہو اور مال سے بہت زیادہ محبّت کرتے ہو۔''

یعنی یہ انسان عزت وذلت کا پیمانہ اس دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کو سمجھتا ہے، دنیوی عزت اور دولت عیش وآرام مل گیا تو سمجھا کہ بس خدا کی نظر میں میری عزت ہے اور تنگ دستی میں مبتلا ہو گیا تو سمجھا کہ خدا نے مجھے ذلیل کر دیا حالانکہ معیار عزت وذلت انسان کا کردار ہے۔ یہ اپنے کردار کو کبھی نہیں دیکھتا کہ وہ کیا ہے؟۔

اس کا کردار یہ ہے کہ یتیم کی دلجوئی کے بجائے اسے ذلیل نظر سے دیکھتا ہے اور غریب کو کھانا کھلانے کے بجائے دوسروں کو آمادہ بھی نہیں کرتے کہ اس کے پیٹ بھرنے کا سامان کریں اور دوسروں کے حقوق پر قبضہ کر کے اپنی دولت بڑھانے کی فکر رہتی ہے۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾

''ہرگز نہیں، جب زمین پوری طرح کوٹ پیٹ کر سپاٹ بنا دی جائے گی اور تمہارا پروردگار آجائے گا اور فرشتے

www.kitabmart.in

صف در صف اور دوزخ کو اس دن لے آیا جائے گا اس وقت انسان کو سبق ملے گا مگر اب اس سبق لینے سے کیا فائدہ ہوگا۔ وہ کہے گا، کاش میں نے آج کے دن کے لیے کچھ کر رکھا ہوتا تو اس دن اللہ کا سا عذاب دینے والا، کوئی نہیں اور اس کا ایسا گرفت میں لینے والا کوئی نہیں"۔

اللہ کی طرف آنے کی نسبت اس معنی میں ہے کہ آج وہ بر سر محاسبہ آئے گا۔ اب اس نے اس انسان کو موقع دیا، اب موقع دینے والی مہلت گزر گئی اور آخری فیصلے کا ہنگام آ گیا۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝٢٧ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝٢٨ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝٢٩ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝٣٠

"اے پورا اطمینان رکھنے والے نفس! تو پلٹ آ اپنے پروردگار کی طرف اس طرح کہ تو اس سے خوش رہے اور وہ تجھ سے خوش ہو تو شامل ہو جا میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں"۔

وہ نفس جو دنیا میں شکوک وشبہات کی آماجگاہ رہا اور کردار اس کا مایوس کن ثابت ہوا وہ تو اپنا انجام دیکھ رہا ہے اور اب وہ نفس ہے جو ایمان وعمل صالح کے لحاظ سے سکون واطمینان کا مرکز ہے، اس سے ان محبت بھرے الفاظ میں تخاطب ہے اور گویا اس کے حسن انجام پر اسے مبارکباد دی جا رہی ہے جو اسے موت سے لے کر اب تک وقتاً فوقتاً ملتی رہی تھی اور اب آخری انجام کے ظہور کے موقع پر اسے پھر مل رہی ہے، خواہ فرشتوں کی زبانی ہو اور خواہ قدرت کی طرف کے القاء کی صورت سے ہو۔

سُوْرَۃُ الْبَلَدِ

مکیّہ......۲۰......آیات

شروع میں بلد یعنی اس شہر کی قسم ہے، اس لیے یہ نام ہوا۔

اس میں قسم کے ذریعہ سے شہر مکّہ کی اہمیت اور اس میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مقدس کی ضرورت کو پیش کیا گیا ہے جسے سننے والوں کی نگاہ کو اس شہر کے حالات اور ان میں حضرتؐ کے ذریعے سے کیا انقلاب لاتا ہے، اس کی طرف موڑا گیا ہے، پھر سننے والے کو پھر نوع انسانی کے آغاز، اس کی آفرینش کی ابتداء اور انتہا پر روشنی ڈالی گئی ہے جن سے وہی دونوں مہمیں جو مبدا و معاد کے ذہن نشین کرنے کی ہیں پایہ تکمیل تک پہونچتی ہیں: اس ذیل میں انسانی اعضا جوارح کی افادیت اور ان کے منافع اور مقاصد کو ذہن میں لایا گیا ہے تاکہ وہ نہ انہیں عبث سمجھے نہ غلط مقاصد میں صرف کرے اور پھر آخر میں عملی زندگی میں جس کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے یعنی حقوق الناس پر سورے کو ختم کیا گیا ہے جس میں سب سے آخری جہنم کا انجام ہے جس سے نکلنا ممکن نہیں۔

www.kitabmart.in

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے۔"

لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ كَبَدٍ ؕ﴿۴﴾

"نہیں میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی درآنحالانکہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور باپ کی اور جو اس کے اولاد ہو، کہ ہم نے انسان کو محنت و مشقت کے لیے پیدا کیا ہے"۔

شہر ایک وقت وہ بے آب وگیاہ تھا اور اب وہ مرکز خلائق بنا ہوا ہے، جس کی خصوصیت خاص یہ ہے کہ اس پورے بدامنی کے ماحول میں یہ ایک محل امن سمجھا جاتا ہے۔ آپ اسی میں مقیم ہیں، اب اس شہر والوں کو اس شہر کے شایان اپنے کردار پر بھی غور کرنا چاہیے کہ تمہیں کیسا آدمی ہونا چاہیے اور پھر یہ سلسلہ نسل انسانی جو آدم علیہ السلام سے لے کر چلا اور پھیل گیا، اس سلسلے کو جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے اپنے کردار پر غور کرنا چاہیے کہ وہ اپنی شرافت انسانی کے تقاضوں کو کس طرح محفوظ رکھ سکتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ تن آسانی اور بے کار وقت گزاری کے لیے پیدا ہوا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ سعی و عمل کے لیے پیدا ہوا ہے۔

اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّنۡ یَّقۡدِرَ عَلَیۡهِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾ یَقُوۡلُ اَهۡلَكۡتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ﴿۶﴾ اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ؕ﴿۷﴾

"کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کے سامنے کسی کا بس نہیں ہے، وہ کہتا ہے کہ میں نے بہت دولت خرچ کر دی ہے، کیا وہ سمجھتا ہے کہ کسی نے اسے دیکھا ہی نہیں"۔

یعنی انہیں اپنی قدرت اور طاقت پر گھمنڈ بھی ہے اور اپنی فضول خرچیوں پر غرور بھی، چنانچہ عرب میں شراب خوری فیاضی سمجھی جاتی ، حالانکہ انہیں سمجھنا چاہیے تھا کہ ایک بالا دست طاقت ان کے اوپر ہے جس کی قدرت کے دائرہ سے وہ باہر نہیں جا سکتے، وہ ان کے حالات کو بدلنے پر بھی قادر ہے کہ جب چاہے ان کی پوری دولت کو ختم کردے اور اس کے احاطہ علم سے بھی وہ باہر نہیں نکل سکتے، وہ انکے پورے حالات کا نگراں ہے۔

اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّهٗ عَیۡنَیۡنِ ۙ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیۡنِ ۙ﴿۹﴾ وَهَدَیۡنٰهُ النَّجۡدَیۡنِ ۚ﴿۱۰﴾ فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَةَ ۫ۖ﴿۱۱﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ ؕ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَةٍ ۙ﴿۱۴﴾ یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ اَوۡ مِسۡكِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَةٍ ؕ﴿۱۶﴾

"کیا ہم نے اسے دو (۲) آنکھیں نہیں دیں اور زبان اور ہونٹ اور ہم نے دونوں امتیازی راستے آپ

www.kitabmart.in

کودکھا دیئے تووہ کٹھن گھاٹی نہ اترا اورتم کیا جانو کٹھن گھاٹی کیا ہوتی ہے ؟کسی گردن کوغلامی سے چھڑانا یا بھوک والوں میں کسی قریب والے یتیم یاخاک پر بیٹھے ہوئے غریب کوکھانا کھلانا"۔

مطلب یہ ہے کہ یہ آنکھیں ملی ہیں حقیقتوں پرنظرڈالنے کے لیےاورزبان اوردہن ملا تھا صحیح باتوں کوکہنے کے لیے مگراس نے حقیقتوں کے دیکھنے سے نگاہیں چرائیں اورحق کے اقرار سے زبان کوخاموش رکھااس طرح جوانسانی اعضااسے عطاہوئے تھے ،دونوں امتیازی راستے دکھادیئے یعنی ایک بلندی کی طرف لے جانے والا جوسخت اور کٹھن ہے اور دوسرا آسان یعنی مطلق العنانی کا جوپستی کی طرف لے جانے والا مگر یہ اس سخت قرض شناسی کے راستے پرنہ چلا جوبلندی کی طرف لے جا تا۔وہ سخت کٹھن راستہ یہ تھا کہ اپنے اوپر جبر کرنا،اوردوسروں کے دکھ درد میں کام آنا،کسی غلام یا کنیز کی قیدغلامی سے گلوخلاصی کرنا،کسی یتیم یا مسکین کوبھوک کی حالت میں کھانا کھلانا۔اس نے ایسانہیں کیا بلکہ اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے لگارہااس لیے پستی اس کی بڑھتی گئی۔حالانکہ بلندی اسے اسی پہلے راستے میں ملتی جس راستے پر چلنے سے یہ اس گروہ میں شامل ہوتا ہے جس کاذکر ابھی آتا ہے۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

"پھر یہ ان لوگوں میں سے ہوجنھوں نے ایمان اختیار کیا اورجنھوں نے ایک دوسرے کوصبر کی دعوت دی اورایک دوسرے کورحم وکرم کی ہدایت کی ،یہ لوگ داہنی طرف والے ہیں اورجنھوں نے ہماری آیتوں کوجھٹلایا وہ بائیں طرف والے ہیں۔ان پر آگ کا حلقہ جوچاروں طرف سے بند ہے"۔

"پھر" کا یہ مطلب نہیں کہ وہ باتیں پہلے ہونا چاہیں جوقبل میں بیان ہوئیں ہیں اوریہ باتیں ثانوی حیثیت سے ہیں جن کادرجہ بعد کو ہے۔بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ باتیں جوپہلے ہیں وہ قابل قبول نہ ہوں گی جب تک کہ ایمان نہ ہواورایمان کوثبوت اس کے اس کردار سے ہوگا جوقبل میں بھی مذکورتھا اوربعد میں بھی ہوگا اورجوایمان سے منحرف اوران احکام الٰہی کے منکر ہیں وہ دوسرے گروہ میں شامل ہیں جوبائیں ہاتھ والوں کا ہے،انہیں نحوست والا گروہ بھی کہہ سکتے ہیں جوشوم کی لفظ سے ماخوذ مشئمہ کے معنی ہوتے ہیں،ان کے چاروں طرف آگ کا ایسااحاطہ ہے جس سے وہ باہرنہیں نکل سکتے۔

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الشَّمْسِ

مکیّہ......۱۵......آیات

پہلی قسم شمس یعنی سورج کی ہے، اس لئے یہ نام ہوا۔

اس میں بھی قسموں کے بعد تعبیر بدل کر خالق کی طرف سے دونوں راستوں کا بتا دینا کہ کون اچھا کردار ادا کررہا ہے اور کون برا اور پھر اسی کے لحاظ سے انجام کا فرق بیان کیا گیا ہے۔

اس میں اچھے اور برے راستوں کے امتیاز کے لئے بتایا ہے کہ یہ امتیاز اس کے ضمیر میں خالق کی طرف سے رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ علاوہ انبیاؑ کے ذریعے سے شرعی احکام کے ذریعہ سے تفصیلات بتانے کے اچھے اور برے، دو راستے الگ ہیں جن کا امتیاز خود انسان کا شعور کرسکتا ہے یہ حسن قبح عقلی کی دلیل ہے جس کا ایک طبقہ منکر ہے۔

پھر قبیلہ ثمود کی سرکشی اور اپنے رسول کو اذیت پہنچانے اور حکم الٰہی سے مخالفت کرنے کا انجام تھوڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس کی مزید تفصیل دوسرے سوروں میں ہے، اس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے والے اس دور کے مشرکین کو متنبہ کرنا ہے کہ ان کا انجام بھی یہی ہوگا جسے صراحت کے ساتھ نہیں کہا گیا ہے کہ وہ خود اس نظریہ کے پیش کرنے سے اسے سمجھ سکتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ① وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ② وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ③ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ④ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ⑤ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ⑥ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ⑦ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ⑧ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ⑨ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ⑩

''قسم سورج اور اس کی پھیلتی ہوئی شعاعوں کی اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے سامنے آتا ہے اور دن کی جب کہ وہ اس (سورج) کو نمایاں کرتا ہے اور رات کی جب کہ وہ اسے ڈھانپ لیتی ہے اور آسمان کی اور اس کی جس نے اس کی عمارت قائم کی اور زمین کی اور جس نے اس کا بچھونا بچھایا اور انسانی نفس کی اور جس نے اس میں توازن پیدا کیا تو اس نے اس میں اس کے بُرے کردار اور اچھے کردار کا القا کردیا، ہر طرح کی بہتری حاصل کی اس نے

www.kitabmart.in

جس نے اسے پاک صاف بنایا اور ناکام ہوا وہ جس نے اسے پامال کردیا"۔
جو شعاعیں چڑھتی ہیں تو یہی دھوپ کہلاتی ہیں جن میں روشنی بھی ہوتی ہے اور گرمی بھی اور ضحیٰ کا وقت یعنی چاشت وہی ہوتا ہے جب یہ دونوں صفتیں پیدا ہونے لگتی ہیں اور انہی دونوں صفتوں سے انسانوں کے کاروبار کا نظام بھی قائم ہے اور پھلوں اور زراعتوں کے پختہ اور رسیدہ ہونے میں اس کی روزی کا انحصار بھی، اس لیے آفتاب کے ساتھ ضحیٰ کی قسم قرار دیا ہے اس کے بعد کے قریبی ایک سورہ میں بغیر آفتاب کا ذکر کیے ہوئے مستقل طور پر بھی مورد قسم قرار دیا ہے، یہاں سورج ہی کو مرکز بنا کر نظام لیل ونہار میں جتنے تغیرات ہیں سب ہی کو قسموں کے ذریعے سے یکے بعد دیگرے پیش کیا گیا ہے جن تغیرات کے ضروری ہونے پر دوسرے سوروں میں بھی قرآن کے اندر جا بجا روشنی ڈالی گئی ہے۔اب ان مخلوقات کو مرکز قسم بنانے کے بعد ذہن کو ان کے خالق کی طرف موڑا ہے کہ اس پورے نظام کو قائم کس نے کیا، تو کہا قسم آسمان کی اور جس نے اس کی عمارت قائم کی۔ ما بناھا اور پھر بعد کے جملوں میں بھی اگرچہ مَا کی لفظ جس کے معنی عموماً وہ چیز کے ہوتے ہیں مگر اس کی نظیریں خود قرآن میں متعدد ہیں کہ ما کو من کے معنی میں لایا گیا ہے جس کے معنی وہ شخص کے ہوتے ہیں اس لیے اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ ما کو مصدریہ لے کر یہ ترجمہ کیا جائے کہ قسم آسمان اور اس کے بنائے جانے کی کہ اس کے بچھائے جانے کی اور نفس انسانی اور اس کے درست کیے جانے کی کیوں کہ اس کے بعد والا جملہ پھر نہیں بنے گا کہ اس نفس انسانی میں اس کے اچھے اور برے راستوں کا امتیاز اس نے ڈالا اور مائے مصدریہ کے فعل پر عطف کے ساتھ فعل کا لانا بظاہر عربی میں درست نہیں ہے کہ اس جملے کے معنی بھی یوں کہے جائیں کہ نفس انسانی کے درست ہونے کی قسم اور اس میں اچھائی اور برائی کا احساس پیدا ہونے کی قسم اس لیے قبل کے جملوں میں قدیم مترجمین نے بھی اس تفسیر کو قبول نہیں کیا ہے جو ما کو مصدریہ قرار دینے کے ساتھ وابستہ ہے بلکہ ما کو وہ "شخص" کے ہم معنی لفظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے[1] اور صدر اول کے قدیم مفسرین کے اقوال بھی اس کے موافق موجود ہیں۔[2]

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوۡهُ فَعَقَرُوۡهَا ۙ فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسَوّٰٮهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا ﴿۱۵﴾

"قبیلہ ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلایا، جب اس میں کا سب سے زیادہ بدبخت آدمی اٹھا، تو ان لوگوں سے اللہ کے پیغمبر نے تو یہ کہا تھا کہ اللہ کی اونٹنی کا خیال رکھنا اور اس کے پانی پینے کا مگر ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا تو اسے پے کر ڈالا جس پر ان کے پروردگار نے ان پر آفت ڈال دی کہ اس بستی کو زمین کے برابر کردیا اور خدا کو اس کے انجام کو کوئی اندیشہ نہیں ہے"۔
یعنی وہ کسی قوم پر عذاب نازل کرے تو اس پر کوئی بالادست طاقت نہیں ہے جس کا اسے اندیشہ ہو کہ وہ کہیں اس قوم کی حمایت میں مجھے کوئی نقصان پہنچائے یا اس کا مجھ سے محاسبہ کرے۔

[1] بذاتی کہ ساخت اورا......شاہ ولی اللہ) (اس ذات کی کہ پیدا کیا اس کو (رفیع الدین)
[2] ای ومن بناھا عن مجاھد والکلبی وقیل والذی بناھا عن عطاء (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

سُوۡرَةُ الَّيۡلِ

مکیّہ......۲۱......آیات

پہلی ہی قسم لیل یعنی رات کی ہے،اس لیے یہ نام ہوا،
کائنات میں شب وروز کی دورنگی اورمخلوقات میں مرداورعورت ،نراور مادہ کی دورنگی ،اس کوقسم کے ذریعہ سے پیش کر کے انسانی کارگزاری کی دورنگی اور پھر اس کے نتیجے کی دورنگی ،پورا سورہ انہی دوجزوں پر مشتمل ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
سہارا اللہ کے نام کا جوسب کوفیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے'

وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ﴿۱﴾ وَالنَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰۤی ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ؕ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَاسۡتَغۡنٰی ۙ﴿۸﴾ وَکَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۹﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ؕ﴿۱۰﴾ وَمَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ؕ﴿۱۱﴾

''قسم رات کی جب وہ چھاجائے اوردن کی جب کہ وہ جلوہ گرہواوراس کی جس نے ذکوروانات (دونوں صنفوں) کوپیدا کیایقیناً تم لوگوں کی کوشش الگ الگ ہے توجوشخص (خدا کی راہ میں) دے دلاؤ اور پرہیزگاری سے کام لے اوراچھی بات کایقین مانے توہم اسے آسان منزل تک پہنچنے کی آسانی دیتے ہیں اورجوبخل سے کام لے اوربے نیازی اختیارکرے اوراچھی بات کوجھٹلائے توہم اس کے لیے مشکل منزل تک پہونچنے کاسامان کرتے ہیں اوراس کی دولت اسے کچھ فائدہ نہیں دیتی بس وہ منہ کے بھل گراہواہے''۔

جس طرح ہم نے فہرست مضامین میں بتایا مطلب یہ ہے کہ رات اوردن الگ الگ ہیں اوران دونوں کے مقاصد الگ الگ ہیں اس طرح نراور مادہ دوصنفیں الگ الگ ہیں اوران کے مقاصد الگ الگ ہیں اس طرح تم لوگوں کی کوششیں بھی الگ ہیں۔ان کی قسمیں جدا جدا ہیں اوران کے نتائج بھی مختلف ہیں۔ایک طرف یہ ہے کہ انسان اپنے مال کوراہ خدامیں صرف کرے اوراس سے حقوق اللہ اورحقوق الناس اداکرے اورخدا کی ناراضگی کی باتوں سے پرہیزکرے جوجواچھی باتوں کی انہیں تعلیم دی گئی ہے،انہیں سچ سمجھے اوران پرعمل پیراہوں تواس کے لیے خدا کی طرف سے نیک راہ پرچلنے میں آسانیاں فراہم ہوتی جائیں گی اس راستے پرقائم رہنے جسے پہلے ایک سورے میں کہا گیا تھا کہ وہ سخت گھاٹی ہے جس پر چڑھنے کی

www.kitabmart.in

وہ ہمت نہیں کرتا اور اب اسے کہا جا رہا ہے کہ وہ آسان منزل ہوگی، یعنی وہ سختی اس وقت تک محسوس ہو رہی تھی جب تک ہمت نہیں کی تھی اور جب ہمت باندھ لی تو اب توفیقات الٰہی شامل حال ہوں گے اور سب باتیں آسان محسوس ہوں گی جن کا نتیجہ بھی پھر حسن انجام کی صورت میں آنکھوں کے سامنے آئے گا، دوسری طرف وہ جو بخل سے کام لے کر حقوق اللہ اور حقوق الناس ادا نہیں کرے گا اور اچھائی کی تعلیمات سے منکر اور ان سے عملاً منحرف رہے گا تو اسے قدم قدم پر دشواریاں ہی محسوس ہوں گی راہ حق پر آنا اور اس پر قائم رہنا اسے دشوار سے دشوار تر ہی ہوتا جائے گا اور نتیجہ میں اس کے لیے تباہی و بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے جس سے اس کا مال دولت اسے کچھ فائدہ پہنچا نہیں سکتا۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾
لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِىْ
يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ
الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾

''یقیناً ہمارے ذمے راستہ دکھانا ہے اور بلا شبہ ہماری ہیں آخرت اور دنیا تو میں نے تمہیں ڈرایا اس آگ سے جو بھڑکتی ہوگی، اس میں نہیں جلے گا مگر وہ بدترین بدبخت جو جھٹلائے اور روگردانی کرے اور اس سے بچا رہے گا وہ انتہائی پرہیزگار جو اپنا مال اپنی پاکیزگی کے لیے دیتا رہے اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلا دیا جا رہا ہو، سوا اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے اور بلا شبہ وہ اس سے خوش ہوگا''۔

چونکہ وہ خالق ہی نہیں بلکہ رب ہے، تربیت کا لازمی جز بقا اور ارتقا کا اہتمام کرنا ہے اس بنا پر ہدایت کرنا اس کے ذمے ہے لہٰذا اس نے پہلے عقل وضمیر انسان کی رہ نمائی اور پھر انبیاء ومرسلین کے ذریعے سے ہدایت کا سامان کیا۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں بہت مقامات پر مذکور ہے اور اسی کو یہاں اس مختصر جملے میں ادا کیا گیا ہے کہ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى 'ہمارے ذمے راستہ دکھانا ہے''

''ہمارے ہیں آخرت اور دنیا'' دونوں کے مالک ہم ہی ہیں۔ اور دونوں کے فائدے اور نقصانات ہمارے ہی ہاتھ میں ہیں لہٰذا تم ہر لحہ ہمارے محتاج ہو اور پھر یہ کہیں تم ہمارے قابو سے باہر نہیں نکل سکتے کہیں بھاگ کر بچ نہیں سکتے۔

اشقی اور اتقی اگرچہ دونوں افعل التفضیل کے صیغے ہیں یعنی سب سے زیادہ شقی اور سب سے زیادہ متقی لیکن یہاں بظاہر اس کی یہ دوسروں پر زیادتی کا لحاظ نہیں ہے بلکہ یہاں اشقی کے معنی بس شقی یعنی بدبخت کے ہیں جس کی تشریح بعد کو ہے کہ وہ جھٹلاتا ہے اور صحیح تعلیمات سے منہ پھیرتا ہے اور اتقی کے معنی بس تقی یعنی پرہیزگار کے ہیں جسکے کردار کی تشریح بعد کو ہے کہ وہ رضائے الٰہی کی خاطر اپنا مال خرچ کرتا ہے۔

وہ اس کی سزا ہے اور یہ اس کی جزا ہے جس کی پوری تفصیل اس اجمال میں مضمر ہے کہ وہ خوش ہو جائے گا کہ اسے اس عمل کا اجر ملا۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ الضُّحٰی

مکیّہ......۱۱......آیات

پہلی ہی قسم ضحیٰ کی ہے جو دھوپ چڑھنے کے وقت کو کہتے ہیں، اس لیے یہ نام ہوا۔

روایات سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور سورے کا مضمون بھی بتاتا ہے کہ ابتدائے بعثت میں کچھ آیتوں اور سوروں کے نازل ہونے کے بعد تھوڑی مدت تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا، اس سے حضرت پیغمبر خدا ﷺ کو عظمت الٰہی کے احساس اور بتقاضائے عبودیت یہ تشویش اور تردد ہوا کہ خالق کی نظر میری طرف توجہ میری طرف سے ہٹ گئی ہے، اس لیے پیغمبر خدا ﷺ کی اطمینان دہانی کے لیے اب آغاز وحی اس سورے کے ساتھ ہوا اور آپ کو اطمینان دلایا گیا۔ اور پھر آپ کو خبر دی گئی کہ آپ کے سامنے بڑی مشکلیں اس دعوت اسلامی کے سلسلے میں پیش آئیں گی لیکن وہ عارضی ہوں گی اور نتیجہ بہر حال آپ کے موافق رہے گا جس کو دیکھ کر آپ کو خوشی ہوگی اور مزید اطمینان کے لیے اپنے سابق کے انعامات جو رسول پر رہے ہیں، انہیں یاد دلایا گیا ہے کہ اس کے بعد آپ کو یہ خیال پیدا ہی نہ ہونا چاہیے کہ آپ کا پروردگار آپ سے ناراض ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے“۔

وَ الضُّحٰی ۙ﴿۱﴾ وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾ وَ لَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ؕ﴿۴﴾ وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ؕ﴿۵﴾

”قسم ہے دھوپ چڑھنے کے وقت کی اور رات کی جب کہ اس کا سنّاٹا چھا جائے، آپ کو آپ کے پروردگار نے نہ چھوڑا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہے اور بلاشبہ انجام آپ کے آغاز سے بہتر ہے اور بہت جلد آپ کو پروردگار آپ کو عطا کرے گا ایسا کہ آپ خوش ہو جائیں“۔

اصل مقصود دن کی قسم کھانا ہے مگر جیسے رات کی قسم میں اس کے سنّاٹا چھانے کے وقت کا تذکرہ ہوا ہے، اسلیے کہ اسی وقت رات کی کیفیت پورے طور پر نمایاں ہوتی ہے، اسی طرح دن کی طرف اس کے آثار کے نمایاں ہونے کے موقع کا نام لیا ہے اور وہ اسی وقت ہوتے ہیں جب دھوپ چڑھتی ہے۔

رات کے ساتھ سنّاٹے کی کیفیت کا تصور اس پس منظر کے ساتھ بھی بہت تناسب رکھتا ہے جو وحی کے تسلسل میں درمیانی وقفہ کی وجہ سے پریشانی کا ہے کہ جیسے وہ سنّاٹا وقتی ہے جس کے بعد پھر دن آتا ہے اور اس کی چہل پہل ہو جاتی ہے، ویسے ہی یہ وقفہ وقتی ہے جس کے بعد لگاتار وحی کا سلسلہ قائم ہو جائے گا۔

www.kitabmart.in

''انجام آغاز سے بہتر ہے'' یہ فقرہ اس عالم کا مشاہدہ سے بھی متعلق ہوسکتا ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا کہ یہ مشکلات وقتی ہیں جو اس وقت آپ کے سامنے آرہی ہیں اور عنقریب اس دارِ دنیا میں آپ کی کوشش کے خوش گوار نتائج سامنے آتے جائیں گے اور پھر آخرت سے مراد اس دنیا کے بعد کی منزل بھی ہے کہ اس دنیا میں آپ کے سامنے جتنے بھی مصائب اور اذیت رساں حالات پیش آئیں، دنیا کے بعد جو آخرت کا دور ہے وہ آپ کے لیے بہتر سے بہتر ہے اور آپ کو اللہ اتنا عطا کرے گا کہ آپ خوش ہوجائیں گے۔

چنانچہ تفسیر اہل البیتؑ میں ہے کہ اس سے شفاعت کا درجہ اور بخشش امت مراد ہے [1] اس کے لیے جناب محمد حنفیہ کی زبانی بھی آیا ہے کہ انھوں نے کہا:۔

یااھل العراق تزعمون ان ارجی آیة فی کتاب اللہ عزوجل یاعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لاتقنطوا من رحمة اللہ وانا اھل البیت علیہ السلام تقول ارجیٰ آیة فی کتاب اللہ ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ وھی الشفاعة یعطیھا فی اھل لاالٰہ الاّاللہ حتیٰ یقول رب رضیت۔

''اے عراق والو! تم لوگ خیال کرتے ہو کہ سب سے زیادہ امید افزا آیت قرآن میں یہ ہے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنے اوپر ستم ڈھایا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور ہم خاندان رسالت والے کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ امید افزا آیت کتاب خدا میں یہ ہے کہ عنقریب اللہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہوجائیں گے اور یہ بخدا شفاعت ہے جسے کلمہ گویوں میں اتنا قبول کیا جائے گا کہ آپ کہیں گے پروردگارا میں خوش ہوگیا''۔

اور امام جعفر الصادق علیہ السلام نے فرمایا:۔

ان رضا جدی ان لا یبقیٰ فی النار موحد''م

یرے جد بزرگوار کی خوشی اس میں ہے کہ دوزخ میں کوئی کلمہ توحید کا قائل باقی نہ رہے۔

بہرحال اس شفاعت میں حدود وقیود ہیں جنہیں خود شفاعت کرنے والے رسول اور ان کے جانشینوں نے بتایا ہے جس میں سب سے زیادہ قید یہ ہے کلمہ لا الٰہ الا اللہ صرف زبانی نہ ہو بلکہ صدق دل سے اس کا اقرار ہو جس کا اثر افعال اور اعمال پر پڑنا لازمی ہے اور پھر یہ کہ ان کی رضا رضایت الٰہی کے ساتھ مشروط ہے جو قرآن کے دوسرے آیات سے ثابت ہے اور وہ ان کا تقاضائے عبودیت ہے۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝۶ وَوَجَدَكَ ضَاۗلًّا فَهَدٰى ۝۷ وَوَجَدَكَ عَاۗىِٕلًا فَاَغْنٰى ۝۸
فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝۹ وَاَمَّا السَّاۗىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝۱۰ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝۱۱

''کیا ایسا نہیں کہ اس نے آپ کو یتیم پایا تو پناہ کی جگہ دی اور آپ کو کھویا ہوا پایا تو رہنمائی کی اور آپ کو تہی دست پایا تو مالدار بنایا تو کوئی یتیم ہو تو اس پر سختی نہ کیجیے اور جو سائل ہو اسے جھڑکیے نہیں اور اپنے پروردگار کی نعمت کو ظاہر کرتے رہیے''۔

---

[1] ۔سیؤتیك ربك فی الآخرة من الشفاعة والحوض وسائر انواع الکرامة فیك وفی امتك ما ترضیٰ به (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

ان فقرات میں خالق نے اپنے فضل وکرم کا جو ابتدائے عمر سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شامل حال رہا ہے تذکرہ فرمایا ہے "یتیم پایا تو پناہ کی جگہ دی" زیادہ تر معتبر روایت یہی ہے کہ حضرتؐ اس دارِ دنیا میں پیدا ہی ہوئے بحالت یتیمی یعنی آپ شکم مادر میں تھے، جب آپ کے والد بزرگوار جناب عبداللہؑ کی وفات ہوگئی جس کے بعد صرف ان کی والدہ تھیں جو پرورش کرتی رہیں مگر آپ چھ برس ہی کے تھے کہ والدہ کا انتقال ہوگیا تو آپ کے دادا جناب عبدالمطلبؑ پورے ذمہ دار آپ کی تربیت کے ہوئے اور انہوں نے اس طرح آپ کی پرورش کی جس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ صرف ایک دادا کے طور پر پال نہیں رہے ہیں بلکہ وہ ان کی اس شان سے واقف ہیں جو مستقبل میں سامنے آنے والی ہے چنانچہ ان کا یہ قول تاریخ میں درج ہے کہ ان لہ شانا کبیرا۔ "اس بچہ کی بڑی شان ہے"۔

ظاہر ہے کہ جو دادا اپنے پوتے کی مستقبل میں سامنے آنے والی شان سے واقف تھا، وہ غیر ممکن تھا کہ اپنے بیٹوں کی موجودہ شان وحالت سے واقف نہ ہو۔ چنانچہ انھوں نے خدا کے اس دیے ہوئے علم ہی کی بنا پر اپنی اولاد میں سے جناب ابوطالبؑ کو منتخب کیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا کہ اب تم ان کی تربیت کے ذمہ دار ہو۔

اب یہی تربیت تھی جس میں آپ پورے طور پر پروان چڑھے یہاں تک کہ بعثت کے بعد بھی وہ دس برس تک آپ کے ساتھ ساتھ آپ کے مشن یعنی اسلام کے بھی جائے پناہ رہے اس لیے وہ مفسرین جنہیں ابوطالب سے پرخاش ہے وہ آپ کو پسند نہیں کرتے۔ اس محل پر جناب ابوطالبؑ کے تذکرے کو نظر انداز نہیں کرسکتے، چنانچہ بعض نے والدہ اور دادا کی تربیت کے بعد اور بعض نے بغیر اُن کے تذکرے کے صرف اسی آخری کفیل کا ذکر ہے۔[1]

اسی طرح تیسرے فقرے میں کہ "آپ کو تہی دست پایا تو مالدار بنایا، قدیم تفسیر میں زیادہ تر جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کا تذکرہ ضروری ہوا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر نے لکھا ہے:

حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا اپنی قوم میں اشرف تھیں اور مالدار، ان سے نکاح ہوا" (موضح القرآن)

بے شک ان دونوں کے درمیان کے فقرے کی تشریح ذرا نزاکت رکھتی ہے جس کا وہ مفسرین احساس نہیں کرسکتے جو قبل بعثت رسولؐ کے مرتبہ کی رفعت اور آپ کی شان عصمت کے قائل نہیں ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس محل پر ضال کے معنی کھوئے ہوئے کے ہیں اور جو شے کھوئی ہوئی ہے اس کا پتہ جب تک مل نہ جائے دوسرے کو نہیں ہوتا ہے، چنانچہ عرب کا محاورہ ہے: ضلت الناقہ "اونٹنی کھو گئی" اس کا مطلب یہ ہے کہ مالک کو پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ اس کے علاوہ کہتے ہیں ضل اللبن فی الماء "دودھ پانی کے اندر کھو گیا یعنی دیکھنے والے کو پتہ نہیں چلتا۔ امرء القیس نے اپنے مشہور معلقہ میں کہا ہے۔:

تضل العقاص فی مثنی ومرسل یعنی بال حسینہ کے سر کے اتنے گھنے ہیں کہ دو (۲) لٹوں کی گندھی ہوئی زلفوں اور یونہی کھلے ہوئے بالوں کے اندر جوڑے گم ہوجاتے ہیں، بعض نسخ میں ہے۔ تضل المداری فی مثنی ومرسل "یعنی گندھی زلفوں اور کھلے ہوئے بالوں میں کنگھیاں گم ہوجاتی ہیں"۔

---

[1]۔ اٰوی بان ضمك الیٰ عمك ابی طالب (جلالین)

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ اَلَمْ نَشْرَحْ

مکیّہ......۸......آیات

اس سورے کا توعلیٰحدہ سے مفرد نام ہی کوئی نہ ہوا بلکہ پہلے ہی مرکب فقرے کو اس کا نام قرار دے دیا گیا۔

اس سورے کا مضمون گزشتہ سورے کے ساتھ اتنا قریبی تعلق رکھتا ہے کہ ہمارے اکثر علماء توان کو ایک سورہ سمجھتے ہیں اوران کا فتویٰ یہ ہے کہ نماز میں سورہ حمد کے ساتھ جو پورا ایک سورہ پڑھنا لازم ہے تو ان میں سے ایک پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ دونوں سورہ میں درمیان میں، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کہے ہوئے پڑھے جائیں۔[1] پھر بھی باوجود اتحاد مضمون کے چونکہ لفظی ساخت دونوں سوروں کی ذرا الگ الگ ہے اس طرح کہ ان میں اتصال واتحاد مشکل محسوس ہوتا ہے اس لیے احتیاط یہ ہے کہ نماز فریضہ میں ان کی تلاوت کو اختیار نہ کیا جائے کیوں کہ اگر ایک پڑھا جائے تو تبعیض یعنی سورے کے نامکمل ہونے کا احتمال ہے جسے اکثر علماء درست نہیں سمجھتے اور دونوں پڑھے جائیں تو تھوڑا سا احتمال قرآن یعنی حمد کے بعد دو سوروں کے ایک ساتھ پڑھنے کا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''۔

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ۙ﴿۳﴾
وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ؕ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا
فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۙ﴿۷﴾ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ٪﴿۸﴾

''کیا ہم نے آپ کے سینے کو کشادہ نہیں کیا اور اتارا نہیں آپ پر سے اس بوجھ کو جو آپ کی پیٹھ کو توڑے دیتا تھا اور اونچا کیا آپ کے ذکر کو تو یقیناً دشواری کے ساتھ آسانی ہونا ہے، یقیناً دشواری کے ساتھ ساتھ آسانی ہوتی ہے لہٰذا جب ان کاموں سے فراغت کیجیے تو عبادت وریاضت میں لگ جایا کیجیے اور اپنے پروردگار ہی سے لو لگائیے''۔

''سینہ کشادہ کرنے'' کا مطلب ہے اس پریشانی کو دور کرنا کہ مہم کس طرح آگے بڑھے اور وہ عزم ہمت اور حوصلہ عطا ہونا کہ اتنے عظیم کام کے لیے آپ بغیر کسی پس وپیش کے کھڑے ہو جائیں جس میں پورے ماحول اور معاشرت سے ٹکرانا تھا۔ اس شواہد خود قرآن مجید میں موجود

---

[1] روی اصحابنا ان الضحیٰ الم نشرح سورۃ واحدۃ لتعلق احدھما بالاخریٰ ولم یفضلو بینھما بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وقرأ تھا فی الرکعۃ الواحدۃ فی لفریضہ (مجمع البیان)

www.kitabmart.in

ہیں۔اس لیے اسے اہل سنت کی اس روایت پر کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ کو بچپن میں چاک کیا گیا اور اس میں سے دل نکال کر دھویا گیا، اور اس کالے نقطہ کو (معاذ اللہ) جو اس میں تھا دور کیا گیا جو اصل روایت ہی ہمارے نزدیک غلط ہے منطبق کرنا بہرحال غلط ہے۔

دوسرا فقرہ ''اور آپ پر سے اس بوجھ کو اتار دیا جو آپ کی پیٹھ کو توڑے دیتا تھا'' اس میں بوجھ سے مراد معاذ اللہ ان گناہوں کی فکر کو لینا جوان لوگوں کے زعم کے مطابق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل بعثت ہو چکے تھے یہ بھی غلط ہے کہ بوجھ کے معنی گناہ کے نہیں ہیں بلکہ بوجھ سے مراد وہ فکر ہے جو آپ کو اپنی قوم کی جہالت اور غلط کاریوں کے مشاہدے سے تھی۔اب جب کہ ان کی اصلاح کا کام آپ نے اس راہ میں قدم اٹھا دیا۔

اور ''آپ کے ذکر کو بلند کیا''۔یہ بلند کرنا قیامت تک کے لیے وعدہ ہے کہ آپ کا ذکر اونچا رہے گا اور روایتیں بتاتی ہیں اور مشاہد بھی ہے کہ اس کا سب سے بڑا مصداق ہے اذان میں شہادت توحید کے ساتھ شہادت رسالت کا اعلان جو دنیا کے ہر ملک میں جہاں مسلمان بستے ہیں میناروں پر بلند آواز سے ہوتا ہے۔

اتنی اطمینان دہانیوں کے ساتھ بطور تاکید دہراتے ہوئے یہ کہا جا رہا ہے کہ اب جو مشکلات اس وقت درپیش ہیں انہیں عارضی سمجھنا چاہیے۔ان کے سامنے آسانی پیدا ہونا یقینی ہے۔آپ ان کی فکر نہ کیجیے اور اپنے کاموں میں لگے رہیے اور تبلیغی مہموں، نیز اپنے ضروریات حیات کے پورے کرنے سے حیات کے پورے کرنے سے جتنا وقت بچے ان میں پوری تندہی کے ساتھ عبادت الٰہی میں مصروف ہو جائے اور ان لوگوں کے رویہ سے متاثر ہونے کے بجائے اپنے پروردگار سے لو لگایئے کہ یہی سب سے بڑا مشکلات کے آسان ہونے کا ذریعہ ہے۔

سُوۡرَةُ التِّيۡنِ

مکیّہ ......۷......آیات

چونکہ پہلی ہی قسم تین یعنی انجیر کی کھائی گئی ہے، اس لیے یہ نام ہوا۔

اس میں قسموں کے بعد انسان کے اصل خلقت میں اچھی صلاحیتوں کے حامل ہونے اور پھر اپنے کردار کے لحاظ سے انتہائی پستی میں گرفتار ہونے اور بلندی کی منزل تک جا کے بہترین جزا کے حق دار ہونے کا تذکرہ کیا ہے جس سے وہی جزا و سزا کی ضرورت پر روشنی ڈالنا مقصود ہے جو ان ابتدائی دور کے سوروں کا خاص موضوع ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''

وَالتِّيۡنِ وَالزَّيۡتُوۡنِ ① وَطُوۡرِ سِيۡنِيۡنَ ② وَهٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِيۡنِ ③ لَقَدۡ

www.kitabmart.in

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝۷
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طورسینا اور امن وامان والے شہر (مکّہ) کی کہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا پھر پلٹا دیا اس کو پست سے پست ترین مخلوقات کے درجے پر سوا ان کے جو ایمان لائیں اور اچھے اعمال رکھیں کہ ان کے لیے نہ ختم ہونے والا معاوضہ ہے تو آپ کو اس کے بعد جزا وسزا کے بارے میں کون جھٹلا سکتا ہے۔کیا اللہ تمام حاکموں میں سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟''۔

انجیر اور زیتوں یوں تو دو پھل ہیں مگر چونکہ بعد کو دو مقامات کی قسم ہے اس لیے بظاہر تین اور زیتوں سے مراد وہ علاقے ہیں جہاں یہ پھل کثرت سے پائے جاتے تھے اور وہ شام اور فلسطینوں کے علاقے ہیں کہ یہاں انبیاو مرسلین کثرت سے ہوئے۔

ان قسموں کے بعد جو بات کہی جارہی ہے، وہ یہ ہے ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے جسمانی طور بھی اس میں وہ توازن اور تناسب ہے جو نوعی طور پر کسی دوسرے ذی روح میں نہیں ہے اور پھر ذہنی ترقی کے امکانات بھی ہیں، وہ کسی دوسرے کو عطا نہیں ہوئے اور اسی مناسبت سے اس کے قبل انبیاو مرسلین کے خاص مرکزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں کہ یہی طبقہ عملی طور پر اس کمال انسانی کا نمائندہ ہے مگر بعد میں اس نے اپنے سوٗ اختیار سے اپنے کو اس کردار کی منزل پر پہنچا دیا۔

جس کی وجہ سے ہم نے اسے مخلوقات کے سب سے نیچے درجے تک پہنچا دیا کیوں کہ اس نے کردار بھی وہ اختیار کیا جو حیوانات میں سے بھی کسی کا نہیں ہے، جس کا مشاہدہ ہر شخص کو ان جنگوں اور نیز فسادات میں بڑا جانور ثابت ہوتا ہے، اس سے مستثنیٰ بس وہ ہیں جو سچے طور پر ایمان کے جو ہر سے آراستہ اور عمل صالح کے پابند ہوں، یہ اس شرف انسانی کے درجے پر باقی رہتے ہیں جو ان کی رفعت کا تقاضا تھا اور جس کا اعلیٰ نمونہ انبیاؑ مرسلین تھے اور اس طبقے کو اللہ کی طرف سے وہ جزا ملتی ہے جو ختم ہونے والی نہیں اور غیر ممنون کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ جزا انہیں بطور ایک ایسے احسان کے جو بلا استحقاق ہو عطا نہیں کی جائے گی۔

بلکہ اُن کے حق طور پر اُنہیں دی جائے گی اور جب کہ نوع انسانی میں یہ دو قسم کے نمونے عالم مشاہدہ میں موجود ہیں تو جزا وسزا کا انکار کس بنیاد پر ہوسکتا ہے اور اس خبر دینے والے کو جھوٹا کیوں کر کہا جاسکتا ہے، جب کہ ہر حاکم کے لیے انصاف ضروری سمجھا جاتا ہے جو تمام حاکموں میں سب سے بڑا حاکم ہے وہ بھلا انصاف نہ کرے؟ یہ کیسے غضب کی بات ہے اور اس انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ جب دو (۲) قسم کے نمونے کردار کے پائے جاتے ہیں تو ان کے نتیجہ میں ایسا ہی فرق ہو جس میں ایک کا نام جزا ہو اور ایک کا نام سزا ہو۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَةُ الۡعَلَق

مکّیہ......۱۹......آیات

سورے کی دوسری آیت خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ میں سے لفظ علق پر اس کا نام ہو۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے بعثت کے بعد سورۂ اقرأ نازل ہوا ہے مگر حقیقت امر یہ ہے کہ یہ پورا سورہ پہلے نازل نہیں ہوا ہے بلکہ اُس کی ابتدائی پانچ آیتیں ہیں جو اس وقت نازل ہوئیں باقی آیتیں بعد کو اتریں۔

روایت بتاتی ہے کہ حضرتؐ کے بعثت کے کچھ عرصہ پہلے کئی کئی دن جا کر غار حرا میں عبادت الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اسی میں ایک دن فرشتہ اترا اور اس نے یہ پیغام پہنچایا اس طرح اسی سے آغاز بعثت ہوا اس میں شروع میں قرأت کا حکم اور پھر ایک طرح کتابت کی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے بعد رسولؐ کی نماز میں مزاحمت کرنے والے کی مذمت اور اسے زجر و توبیخ اور تہدید ہے اور رسولؐ کو ہدایت ہے کہ ان لوگوں کی ممانعت میں نہ آیئے اور آپ اپنے طریق کار پر جو نماز کا ہے برقرار رہیے اور ان کی مزاحمت کی پرواہ نہ کیجیے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"۔

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ ۞١ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۞٢ اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ ۞٣ الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۞٤ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ ۞٥

"پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے سہارے سے جس نے پیدا کیا خون کے جمے ہوئے ایک ٹکرے سے انسان کو پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا پروردگار وہ بہت بڑا فضل و کرم والا ہے جس نے تعلیم کا سامان کیا قلم کے ساتھ۔ انسان کو وہ تعلیم دی جسے وہ نہیں جانتا تھا" چونکہ تنزیل اول کے روایات میں ایک روایت موجود ہے کہ:-

اول سورة نزلت علیٰ رسول الله فاتحة الكتاب............(مجمع البیان)

پہلا سورہ جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا وہ سورۂ حمد ہے۔

اور پڑھنے کے حکم سے ظاہر ہے کہ پیغمبر خدا کو کچھ پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے، پھر اس کے ساتھ سورۂ حمد کا نماز میں لازمی طور پر پڑھا جانا اور اس سورے کے اسلوب کا اس طرح ہونا کہ جیسے بندہ اپنے خالق کی بارگاہ میں کچھ عرض معروض کر رہا ہے جسکی بنا پر میں نے اسی تفسیر کے پہلے

www.kitabmart.in

پارے میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سورہ وہ ہے جس سے اقرأ کا حکم متعلق ہے تو جس طرح قل ھواللہ احد میں قل کی لفظ وہ ہے جو کلام خالق میں ھواللہ احد کے جملے کو جو بندے کی طرف سے خالق کے لیے غائبانہ لب ولہجہ کا حامل ہے کلام خالق میں منسلک بناتی ہے اسی طرح اقرأ ہے جو پورے الحمد کو جو بندے کی زبانی خالق کی بارگاہ میں عرض معروض کے لیے اترا ہے، کلام الٰہی کا جز بناتا ہے۔

علق وہ حالت ہے جو نطفہ ہونے بعد منزل میں پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد مضغہ ہونے کی کیفیت ہے۔ قرآن مجید نے ابتدائی خلقت میں کہیں اس پہلی منزل سے ابتدا کی ہے کبھی ماءمھین ایک حقیر پانی کہہ کر اور کہیں نطفہ ہی کی لفظ کہہ کر اور مضغہ کا نام لیا ہے۔ یہاں اس درمیانی حالت یعنی علقہ کا نام لیا ہے کہ یہ تینوں ہی حالتیں انسان پر روح کے داخل ہونے سے پہلے پیدا ہوتی ہیں۔

رب کے تعارف میں پہلے صرف خلقت کا ذکر کیا گیا اور متعلق کو اطلاق کے پردے میں چھپا دیا گیا کہ وہ سب ہی کا خالق ہے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ انسانی تخلیق کا تذکرہ کیا کہ اسی سے سورے کے مضمون کا تعلق ہے اور اسے متوجہ کیا گیا کہ اس ابتدا کیوں کر تھی اور اس سے ترقی کر کے وہ انسانیت کی منزل تک آیا لہٰذا اسے اب اپنے اس جوہر کے تحفظ کے لئے اس کے شایان شان کردار اختیار کرنا چاہیے۔

خلقت کے بعد سب سے بڑی اللہ کی نعمت علم کو قرار دیا گیا ہے اور اس کے تحفظ اور ارتقا کا جو سب سے بڑا ذریعہ یعنی قلم ہے، اس کی افادیت کو انسان کے ذہن نشین کیا۔

اگر خدا کا رسول عام انسانوں کی طرح ماحول کا ساختہ و پرداختہ ہوتا تو ہمارے رسولؐ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی اور اتنی عمر گزاری تھی، اس کے لحاظ سے وحی اول میں سیف کا ذکر ہوتا مگر تلوار کا ذکر نہ ہونا قلم کا ذکر ہونا اس کی دلیل ہے کہ یہ پیغمبر امن ہے اور دنیا میں امن وامان کا حامی ہے نہ کہ خونریزی کا............ اب اگر خونریزی کی صورتیں پیدا ہوں تو وہ دوسروں کے ہاتھوں ہوں گی۔ اس پر جارحیت کا الزام عائد کرنا غلط ہوگا۔

آخر کا جملہ بتاتا ہے کہ علم بھی انسان کو جو حاصل ہوتا ہے، وہ اصل میں اللہ ہی کا عطیہ ہے لہٰذا جتنی اُس کی مرضی ہوتی ہے، اتنا ہی وہ علم سے نوازتا ہے اور جب تک وہ چاہے اُس وقت تک باقی رکھے اور جب وہ چاہے اُسے سلب کر لے۔ لہٰذا کسی کو علمی پندار بھی پیدا ہونا غلطی ہے۔ وہ جو کچھ بھی ہے عطیہ غیر ہے۔ اپنا کچھ نہیں ہے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ﴿۸﴾

''ہرگز نہیں، انسان سرکشی کرتا ہے کہ وہ اپنے کو بے نیاز سمجھتا ہے، حالاں کہ یقیناً تمہارے پروردگار ہی کی طرف پلٹنا ہے''۔

انسان کو اس مرکز فیض و کرم کو یاد رکھنا چاہیے مگر ہرگز نہیں، وہ اسے یاد نہیں رکھتا بلکہ بھول جاتا ہے اور اپنے کو جس جس چیز پر اسے ناز ہے، خواہ علم پر ہو یا دولت پر اسے وہ اپنی ملکیت سمجھ کر اس سے اپنے کو بے نیاز سمجھتا ہے، اس لیے اس کے مقابلے میں سرکشی سے کام لیتا ہے جب کہ اب بھی پورا سلسلہ اسباب کا اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر پھر کر ہر نعمت اسی کی طرف راجع ہے اور خود اس آدمی کو بھی پلٹ کر اسی کے پاس جانا ہے۔ یہ تمہید ہے اس سرکشانہ طرز عمل کے بیان کی جو ابھی سامنے آئے گا۔ انسان بجائے اس کی کہ وہ اللہ کو یاد کرے اس کے یاد کرنے والے کی یاد سے روکتا بھی ہے۔

www.kitabmart.in

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ﴿٩﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿١٠﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۙ﴿١١﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ﴿١٢﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ﴿١٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ﴿١٤﴾

''کیا تم نے دیکھا اُس شخص کو جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے، کیا تم نے دیکھا اگر وہ صحیح راستے پر ہے یا پرہیزگاری کی دعوت دیتا ہے، کیا تم نے غور کیا اگر یہ شخص جھٹلاتا ہوا ور روگردانی کرتا ہو، کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے''؟

قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے، بعض مفسّرین اُس کا مخاطب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو قرار دیتے ہیں مگر ہم اسے درست نہیں سمجھتے، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مخاطب غیر معیّن سے خطاب ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسے دیکھنا چاہیے چنانچہ یہاں شروع سے جو کئی دفعہ ''کیا تم نے دیکھا، کیا تم نے دیکھا'' ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ دیکھنے کی بات ہے۔ اب جو ذرا انصاف پسند اور صاحب شعور ہو وہ دیکھے۔ مذکورہ جملوں میں دو ۲ کردار پیش کیے جارہے ہیں۔ ایک اُس بندے کا جو خاموشی کے ساتھ اپنے پروردگار کی نماز پڑھ رہا ہے، وہ کسی کا کیا بگاڑ رہا ہے جو اسے روکا جائے'' کیا تم نے دیکھا'' یعنی جو ٹھنڈے دل سے دیکھنے سے یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ یہ اس کا مستحق نہیں ہے کہ اسے روکا جائے۔ دوسرا کردار اُس شخص کا جو بلاوجہ اُسے روک رہا ہے۔ اس پر غور کرنا چاہیے کہ اگر یہ بلاوجہ اس سچے کے پیغام کو جھٹلاتا اور اس سے روگردانی کرتا ہے تو کیا اس کا یہ طرزِ عمل درست ہے۔

کیا یہ روکنے والا نہیں جانتا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس میں جزا وسزا کا اعلان مقرر ہے کہ وہ اس بندے کو جو مظلوم ہے نوازے گا اور اُسے جزا دے گا اور اس ظالم کو بلا وجہ اُسے کارِ نیک سے روک رہا ہے، سزا دے گا۔

روکنے والا شخص ابوجہل تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کعبہ کے پاس نماز پڑھنے سے مانع ہوتا تھا۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۙ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ﴿١٨﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩﴿١٩﴾

''ہرگز نہیں، اگر وہ باز نہ آیا تو ہم پیشانی کے بال پکڑ کر اُسے کھینچیں گے، ایسی پیشانی جو دروغ گو اور خطا کار کی پیشانی ہے تو وہ بلائے اپنے مجمع کو، ہم صدا دیں گے اپنے ہرکاروں کو، ہرگز نہیں، اُس کا کہنا نہ مانیے اور سربسجود ہو جائیے اور (اپنے پروردگار کا قرب) حاصل کیجئے''۔

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ جب ابوجہل نماز میں مانع ہوا تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے عذابِ خدا سے ڈرایا مگر اُس نے اپنے حمائیتوں کی کثرت کا اعلان کیا کہ تم میرا کیا بنا سکتے ہو میرے اتنے مددگار ہیں، اتنی بڑی جماعت میرا ساتھ دینے والی ہے، اس پر جبّار وقہار پروردگار نے اُس کے چیلنج کا جواب دیا ہے کہ اچھا وہ اپنے حمائیتوں کو بلالے، ہم اپنے عذاب والے عملے کو بلالیں گے، پھر دیکھیں اُسے ہمارے عذاب سے کون بچاتا ہے۔ پھر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطمینان دلایا گیا کہ آپ اس کے کہنے میں نہ آیئے، اطمینان کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتے رہیئے اور اللہ سے تقرّب حاصل کرنے کا جو آپ کا طریقہ ہے اُسے جاری رکھیے۔

www.kitabmart.in

فقہ جعفری کے لحاظ سے موجودہ ترتیب قرآن کے لحاظ سے یہ چوتھی جگہ ہے جہاں سجدہ واجب ہے۔ پہلے اکیسویں پارے میں سورۂ الٓمٓ سجدہ میں، پھر چوبیسویں پارے میں سورۂ فصّلت میں جو حٰمٓ سجدہ ہے، پھر ستائیسویں پارے میں سورۂ نجم میں اور پھر آخر میں یہ سورۂ اقرأ کے لفظ اِقترب پر.........باقی سجدے جو متعدّد مقامات پر ہیں وہ ہمارے نزدیک مستحب ہیں، واجب نہیں ہیں۔

سُوۡرَةُ الۡقَدۡرِ

مکیّہ......۵......آیات

پہلی ہی آیت میں لفظ القدر جس پر اس سورے کا نام ہوا۔ اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے لیکن زیادہ تر علماء اسے مکی ہی قرار دیتے ہیں، اس میں قرآن مجید کے شب قدر میں نازل ہونے اور اس رات کی قدر و قیمت کی اہمیت کہ اس میں سال کے اندر ہونے والے بہت سے واقعات کے تقدیر الٰہی سے فیصلے ہوتے ہیں اور وہ ایک ہزار مہینوں سے افضل و برتر رات ہے جس میں ملائکۂ روح احکام الٰہی لے کر نازل ہوتے ہیں، اور وہ صبح صادق تک مرکز خیر وسلامتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے“

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۞ وَمَاۤ اَدۡرٰكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۞ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ۞ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ ۚ مِنۡ كُلِّ اَمۡرٍ ۞ سَلٰمٌ ۛ هِىَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۞

”ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا ہے اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا چیز ہے، شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے فرمان کے موافق ہر حکم کو لے کر اترتے ہیں، وہ سلامتی ہی سلامتی ہے صبح صادق تک“۔

”اُسے“ یہ چیز بلاشبہ قرآن مجید کی طرف راجع ہے جیسے دوسری جگہ لیلۃ مبارکہ کہا ہے۔ بابرکت رات اور دوسرے پارے میں جس کی تفسیر پہلے ہو چکی ہے زمانۂ تنزیل ماہِ رمضان کو بتایا ہے کہ اس مہینے میں قرآن نازل ہوا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شب قدر ماہ رمضان میں کی کوئی رات ہے، بس اس حد تک تعلّق قرآن سے ہوتا ہے لیکن اس کے آگے کہ وہ رات کونسی ہے؟ یہ قرآن مجید سے پتہ نہیں چلتا، اس کی روایات واحادیث مختلف ہیں جو فریقین کے یہاں موجود ہیں۔ اہل سنّت کے روایات اس بارے میں اتنی کثرت کے ساتھ اختلاف کے حامل ہیں کہ اُن کی بنا پر چالیس ۴۰

www.kitabmart.in

قول ہوگئے ہیں، جن میں ترجیح اُن کے یہاں اکثر علماء کے نزدیک ۲۷ رمضان کو ہے۔شیعہ روایات کی بنا پرزیادہ ترجیح تین راتوں کو ہے۔ اُنیس، اکیس، اور تئیس لیکن ان روایات میں بھی زیادہ ترجیح اسی آخری قول کو ہے جو تئیس ۲۳ ماہِ رمضان کے متعلّق ہے، قرآن کے نازل کرنے کا شب قدر میں کیا مطلب ہے؟ اس پر مقدمہ تفسیر میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ چونکہ مسائل آپس میں دست گریباں رہتے ہیں لہٰذا اس کا تعلّق کلام نفس اور خلق قرآن وغیرہ کی بحث سے بھی ہوجاتا ہے اور پھر تاریخی طور پر اس صورت میں جب اس کے معنی یہ لیے جائیں کہ ابتداءِ نزول قرآن کی اس رات میں ہوئی تو اُس کا اثر واقعہ بعثت پر پڑتا ہے کہ اس میں شیعہ وسنّی اختلاف ہے۔ اہل سنّت اسی شب قدر کو آغاز بعثت بتاتے ہیں اور شیعہ روایات میں ۲۷ رجب عید مبعث مانی جاتی ہے کہ بعثت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہری طور پر اس رات کو ہوئی ہے یعنی کہ پہلی مرتبہ فرشتہ وحی لے کر اسی رات کو آیا۔

قدر کے معنی یوں تو قدرومنزلت کے بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ بڑی عظیم القدر رات ہے مگر چونکہ پہلے اُس لیلۂ مبارکہ کے لئے آچکا ہے کہ فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ .(الدخان: ۴) ''اس میں ہر بات کا جو حکیمانہ فیصلہ کیا جاتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ تقدیرات کے ایک وسیع احاطہ کے محفوظ رہتے ہوئے جو ازل سے طے ہے اس رات کو کچھ اہم فیصلے ہوتے ہیں۔ اس طرح اُس سے اُس بداء کے مسئلہ کا تعلّق ہوجاتا ہے جو بہت ہی اہم علم کلام کا مسئلہ بن گیا ہے مثلاً کچھ عمروں میں اضافہ اور کچھ عمروں میں کمی اس طرح اور تقدیر کے بہت سے اور فیصلے ہوتے ہیں۔ جو بغیر بداء کو مانے ہوئے سمجھ میں نہیں آسکتے یعنی اگر کسی نے یہ سمجھ لیا کہ ازل میں جو کچھ طے ہوگیا تھا اب خدا اس کا پابند ہے تو یہ غلط ہے تو پھر آخر یہ کون امور ہیں جنہیں کہا گیا ہے کہ شب قدر میں طے پاتی ہیں اور یہی احکام تشریعیہ نہیں، احکام تکوینیہ ہوتے ہیں جن کے احکام لے کر فرشتے اور روح اس شب میں اترتے ہیں اور یہ فجر یعنی صبح صادق تک ہر آفت وبلا سے سلامتی کا ذریعہ ہے بشرطیکہ خود انسان ان احکام پر عمل کرے جو تشریعی طور پر اس کی ذمہ داری سے وابستہ ہیں۔

سُوۡرَةُالۡبَيِّنَةِ

مکیّہ......۸......آیات

اس سورے کے بھی مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔

نام اس کے ''کھلے ہوئے ثبوت'' کے معنی میں پہلی آیت کا جزء ہے۔ وہ اس کے بعد کے مضامین دونوں ایسے ہین جو مکّہ اور مدینہ دونوں جگہ کے لئے مشترک حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے اُن سے بھی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ اس میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور کھلے ہوئے دلائل کے ساتھ جو اکثر قرآن میں لفظ بیّنہ کے ساتھ معجزات کے معنی میں ہوتے ہیں، اُن کی حقانیت کا اعلان ہے اور آخر میں مومن اور غیر مومن دونوں کے آخری انجام پر سورے کو ختم کیا گیا ہے، یہی انسانوں میں بہتر سے بہتر اور بد سے بدترین حد کا حل ہے جس کے درمیانی درجے بھی اسی اعتبار سے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

www.kitabmart.in

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ﴿١﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ﴿٢﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ﴿٣﴾

''اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنھوں نے کفر اختیار کیا، وہ اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتے تھے جب تک کہ ان کی طرف ایک روشن رہنمائی آنہ جائے، وہ اللہ کا پیغمبر جو اللہ کی طرف کے پاک و پاکیزہ صحیفے پڑھ کر سنائے جس میں بالکل درست تحریریں موجود ہوں''۔

کفر میں تو وہ سب شریک ہیں مگر مشرک کا لقب جب اہل کتاب کے ساتھ الگ سے بولا جائے تو اس سے وہ بت پرست مراد ہوتے ہیں جن کے پاس نام کی بھی کوئی آسمانی کتاب موجود نہ تھی جسے وہ پڑھتے ہوں، یوں وصف کے لحاظ سے اہل کتاب بھی شرک میں مبتلا ہو گئے تھے مگر لفظ مشرکین بحیثیت لقب اُن کے لئے استعمال نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے احکام شرک جو کفر و شرک کی بنا پر ہیں وہ اُن کے لئے بھی ثابت ہیں۔ پھر بھی نام کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہے۔ اس لئے احکام فقہیہ میں یہ اجتہادی چیز جزء بن گئی کہ کس حد تک احکام کا تعلّق شرک کے ساتھ بحیثیت لقب کا ہے اور کس حد بحیثیت وصف۔

یہاں اہل کتاب کے لئے جو کافر کے لفظ کا اطلاق ہے، وہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ اُن سچائیوں میں سے اکثر سے بھی منحرف ہو گئے تھے جو خود اُن کتابوں میں بھی صحیح صورت پر موجود تھیں، نیز یہ کہ اُن کتابوں میں بھی تحریف کر کے کچھ کا کچھ بنا دیا تھا۔ اُن کا ان گمراہیوں سے چھڑانا ضروری تھا جو ممکن نہیں تھا اُس وقت تک جب تک اللہ کی طرف کی صحیح رہنمائی ایک سچے رسول کے ذریعہ سے پھر اُن کے سامنے نہ آئے، اُس کے لئے خالق نے اپنے اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا جو اُنہیں اُن کی غلطیوں پر متنبّہ کرے۔

کسی نہ کسی قسم کے کفر میں مبتلا وہ سب ہی تھے خواہ اہل کتاب ہوں، خواہ مشرکین اس لئے من اہل الکتاب والمشرکین میں جو من کا لفظ ہے، یہ تبعیض کے لئے نہیں ہے کہ بعض اُن میں سے کفر میں مبتلا ہے اور کچھ نہ تھے بلکہ یہ بیان کے لئے ہے کہ وہ جو کافر ہیں، دو قسم کے لوگ ہیں۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ؕ﴿٤﴾ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ؕ﴿٥﴾

''اور اُن میں کہ نہیں کتاب ملی تھی تفرقہ نہیں پڑا مگر اس کے بعد کہ اُن پاس کھلا ہوا بیان حقیقت کا آچکا تھا اور انہیں پہلے بھی حکم یہی ہوا تھا کہ وہ بس اللہ کی عبادت کریں اور سب غلط راستوں سے ہٹ کر دین کو اُس کے لئے خالص رکھیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور یہی بالکل صحیح و درست دین ہے''۔

یعنی ہر نبی کا آنا اور ہر کتاب کا نازل کیا جانا اسی لئے رہا ہے کہ خالق کی طرف سے اتمام حجت ہو جائے تاکہ اس کے بعد جو تفرقہ اُن میں پیدا ہو اُس کی ذمہ داری خود اُن پر ہو، خالق کی طرف کی ہدایت میں کوئی کمی نہ رہنے پائے، اب اس کے بعد بھی جو نہ مانیں، اُن کے کفر کا خدا ذمہ

www.kitabmart.in

دار نہیں ہے کیوں کہ خدا کو جبری طور سے ہدایت کرنا نہیں ہے بلکہ ہدایت کر کے اُنہیں اختیار کے صرف کا موقع فراہم کرتا ہے اور اسی پر سزا و جزا کی بنیاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿٦﴾

"یقیناً اہل کتاب اور مشرکین جو کفر میں مبتلا ہیں دوزخ کی آگ میں ہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں"۔

"دوزخ کی آگ میں ہیں" اس کا مطلب عمومی طور پر دوسری آیات قرآن کی روشنی میں یہی ہے کہ یہ ان کا کفر انہیں عذاب دوزخ کا مستحق بنائے ہوئے ہیں جس میں داخل ہونے کے بعد پھر وہاں سے نہیں نکلیں گے ہمیشہ ہمیشہ جلتے رہیں گے اور جو لوگ تجسیم اعمال کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہی کفر اُن کا آگ کے شعلوں کی شکل اختیار کر لے گا جس میں وہ ہمیشہ جلتے رہیں گے اور اس آیت کی روشنی میں استثنائی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسی دنیا میں ایسا عذاب آجائے جس کا سلسلہ قیامت تک جاری ہے کبھی ختم نہ ہو، یہ وہ ہیں جو اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے ایسے کردار کی منزل پر پہنچ گئے کہ وہ بدتر خلائق ہو گئے۔ اس لئے کہ دوسروں کے نقائص طبعی حیثیت رکھتے ہوئے اُنہیں اس سزا کا حق دار نہیں بناتے اور یہ عقل وشعور اور امتیاز حق و باطل کے لئے عقل رکھتے ہوئے پھر بھی اس پستی کردار میں مبتلا رہے کہ وہ جمادات، نباتات اور حیوانات سے بدتر ہو گئے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٧﴾ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴿٨﴾

"بے شک جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے، یہ بہترین مخلوقات ہیں، اُن کا صلہ اُن کے پروردگار کے یہاں وہ بہشت ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ سب اس کے لئے ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے"۔

خدا سے ڈرتا ہے یعنی ہمیشہ اس کا لحاظ رکھے کہ کوئی بات اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو، اُس کے اس کردار سے اللہ مطمئن رہے اور یہ اُس کی طرف کے اس صلے سے جو اُس نے اُنہیں دیا ہے، صدق دل سے مطمئن ہیں۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَةُ الزِّلۡزَالِ

مکیّہ......۸......آیات

اس میں پہلا ہی لفظ جو اذا زلزلت کی ہے اُس پر سورے کا نام ہوگیا اور مکّی اور مدنی ہونے کا اختلاف اس سورے میں بھی ہے، بر بنائے روایات قوت اسے سمجھی گئی کہ یہ مدنی سورہ ہے اس لئے پیشانی پر یہی لکھا جاتا ہے لیکن مضمون اس کا مکّی ہونے سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے قیامت کی ہولناک کیفیت، اور زمین کے اندر کی چیزوں کا اوپر آجانا یعنی مُردوں کا دوبارہ زندہ ہوکر باہر آجانا اور پھر ذرا بھی عمل خیر کیا ہو، تو اُس کے نتیجہ کا اور جو غلط عمل کیا ہو، اُن کے نتیجہ کا سامنے آجانا جس پر سورہ ختم کیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے“

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۙ﴿۲﴾ وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۳﴾ يَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۙ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰى لَهَا ؕ﴿۵﴾

”جب زمین پورے طور پر ہلا ڈالی جائے گی اور زمین اپنے اندر کے تمام بوجھوں کو نکال کر باہر کردے گی اور آدمی کہے گا کہ یہ اسے کیا ہوگیا ہے، اس دن وہ اپنے اوپر کی تمام خبروں کو بیان کرے گی اس لئے کہ تمہارے پروردگار کا اُسے ایسا حکم ہوگا“۔

قیامت والے زلزلے کے بعض کیفیات قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بیان ہوئے ہیں جن سے مجموعۃً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک زلزلہ قیامت کے آنے سے پہلے بطور تمہید ہوگا اور ایک زلزلہ خود قیامت میں ہوگا۔ اس لئے یہاں جو زلزلہ ہے اُسے اکثر یہی سمجھا گیا ہے کہ یہ دوسرے زلزلے کا بیان ہے جس کے لئے پہلے سورۂ انشقاق میں آچکا ہے کہ القت ما فیھا و تخلّت جو کچھ اُس کے اندر تھا سب کو باہر کردیا اور وہ خالی ہوگیا۔ یہاں کہا جارہا ہے کہ اپنے اندر کے بوجھوں کو باہر ڈال دیا۔ اس سے ایسا بھی سمجھا گیا ہے کہ مردے جو دفن ہوچکے تھے وہ سب باہر آگئے اور جو کچھ سونا، چاندی، جواہرات وغیرہ زمین کے اندر تھا وہ سب باہر آگیا جس سے ان انسانوں کو حیرت بھی ہوئی اور اپنی ناکامی کا مزید احساس جزء عذاب کے طور پر کہ یہی وہ دولت تھی جس پر میں جان دیتا تھا آج وہ سب میرے سامنے ہے اور نہ میں اُس سے کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہوں، نہ وہ میرے کسی کام آسکتی ہے۔ اور اس لئے اس حیرت و پریشانی کی صورت اُنہی کے لئے سمجھنا چاہیے جو اس کے منکر تھے۔ اب وہ سب جس کا وہ انکار کرتے تھے، اُن کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اہل ایمان جو سورۂ فجر میں نفس مطمئنہ کا حامل بتایا جاچکا ہے انہیں حیرت وغیرہ کی کیفیت یوں طاری نہ ہونا چاہیے کہ جسے وہ از اوّل صدق دل سے مانتے تھے، وہ سب اُن کی آنکھوں کے سامنے آرہا ہے، نہ اس دولت کو پہلے اُنہوں نے قابل لحاظ سمجھا

www.kitabmart.in

۔ نہ اب اُن کے لئے کوئی قدر و قیمت رکھتی ہے اور اب اُنہیں اُس کی ضرورت بھی بالکل نہیں کیونکہ خدا کی مستقل نعمت اور کرامت بطور جزاء اُن کے سامنے ہے جس کا ابھی ابھی ذکر آئے گا س۔ اسی طرح وہ زمین جو سب کے لئے گزارہ بسر اور فائدوں کا مرکز تھی، اب کافروں کے خلاف بطور گواہ اُن کے کردار کو بیان کر رہی ہے اور مومنین کے حسن عمل کے لئے بطور گواہ اُن کے عمل خیر کے اُن کے کارناموں کو پیش کر رہی ہوگی اور یہ اس لئے کہ وہ سب بے زبان چیزیں جو پہلے خاموش تھیں بحکم خدا آج بول رہی ہیں جیسے خود ان کی زبان جو پہلے کافروں کے ارادے کی پابند تھی، آج ان کی گرفت سے بالکل نکل چکی ہے۔ یہاں بیچ بیچ میں اب بھی کچھ ان کی حسرتوں اور تمناؤں وغیرہ کی شکل میں ان کی ترجمان بنادی جائے گی۔ یہ بھی حقیقت میں خدا ہی کی طرف سے اُن کے عذاب کا ایک جزء ہوگا جیسا کہ زمین کے لئے آخر میں کہا گیا ہے کہ بانّ ربک اوحیٰ لہا اس لئے کہ تمہارے پروردگار نے اُسے ایسا حکم دیا ہوگا۔ یہ حکم وہی کُن کی طرح کا حکم ہے کہ ’’ہوجا‘‘ اور وہی ہو رہا ہے۔

یَوۡمَئِذٍ یَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۬ۙ لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَہُمۡ ؕ﴿۶﴾ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ﴿۷﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾

’’اس دن لوگ جدا جدا اپنی منزل تک پہنچیں گے تاکہ اعمال اپنی آنکھوں سے اُنہیں دکھائے جائیں تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی اُسے بھی دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ بھر بُرائی کی ہوگی اُسے بھی دیکھ لے گا‘‘۔

بظاہر قبروں سے تو ایک ساتھ برآمد ہوں گے لیکن سوال و جواب اور حساب و کتاب وغیرہ سب کے بعد آخری منزل الگ الگ ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر چھوٹے بڑے کام کی خواہ اچھا ہو یا برا، ایک وزن ہے، کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو حقیر سمجھ کے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور کسی چھوٹی سے چھوٹی برائی کو عمل میں نہیں لانا چاہیے کیونکہ وہی چھوٹی نیکیاں بڑی نیکی کی شکل اختیار کرتی ہیں اور وہی چھوٹی برائیاں مل کر بہت بڑی برائی بنتی ہے۔ تو وہ نیک کام چھوٹا حقیر ہے۔ اور نہ یہ بُرا کام چھوٹا سے چھوٹا بے اثر ہے اُس کا نتیجہ بھی آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔

ہاں اہل ایمان کے لئے توبہ و مغفرت کا دروازہ اس سے بند نہیں ہوتا لیکن کفار و منافقین کو اُن کے اصولی اور فروعی دونوں ہی قسم کے افعال و اعمال کی سزا مل کر رہے گی جس سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

سُوۡرَۃُ العٰدِیٰتِ

مکیّہ ...... ۱۱ ...... آیات

ہمارے یہاں کی ایک روایت سے جس کی تفصیل قرأت ابراہیم کوفی میں ہے۔ اس میں مدنی ہونے کا پتہ چلتا ہے لیکن عام طور پر مفسّرین اُسے مکیّہ قرار دیتے ہیں۔ اور عادیات کے معنی دوڑنے والے گھوڑے کے ہیں۔ تو یہ میدان جنگ میں جو عام طور سے عربوں کی زندگی کا جزء تھی قسم کے ذریعہ سے اُن کی ضروریاتِ حیات کے لحاظ سے جو اُن کے ماحول کا ضروری جزء تھا مثل آسمان اور زمین کے جن کی قسمیں کھائی گئیں

www.kitabmart.in

ہیں قسم کے ذریعہ سے ذہن کو متوجہ کیا گیا ہے اور اُس لحاظ سے اس کا یہ نام ہوا۔ جس کے ساتھ اُن کا اس طرز عمل کے نتیجہ کی بے وقعتی کا اظہار کرتے ہوئے اُنہیں آخرت کی فکر کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور منعم حقیقی کو شروع سے لے کر آخر تک اُسے یاد دلا گیا ہے وہ ان نعمتوں کی وقعت سمجھتا ہے اور پھر اس منعم کا تصوّر نہیں کرتا جس نے یہ نعمت عطا کی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے“

وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ ۚ﴿۷﴾ وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ؕ﴿۸﴾

”قسم پھنکارے مارتے ہوئے دوڑنے والے گھوڑوں کی جو (اپنی ٹاپوں کی زد سے) پتھروں سے آگ کی چنگاریاں نکالتے ہیں تو اُس سے غبار اُڑاتے ہیں اور کسی جماعت کے درمیان پہنچ جاتے ہیں، یقیناً انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے اور وہ خود اس پر گواہ ہے اور وہ مال و دولت کی محبّت میں بری طرح گرفتار ہے“۔

اگر سورہ مدنی مانا جائے تو مجاہدین کے گھوڑے ہیں جن کی قسم کھائی جارہی ہے مگر جیسا کہ عام طور پر مفسّرین کا فیصلہ ہے جب کہ وہ مکیّہ سورہ ہے اور جہاد بالسّیف کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تو یہ وہی عام طور سے عرب کے گھوڑے مراد ہوں جو اُن کی زندگی کے ہر شعبے میں ان کے مددگار تھے اور اُن سے وہ آس پاس کے قبیلوں پر چھاپے مارتے تھے انہی گھوڑوں کی یہ قسم ہے کہ اُن کے گویا بسر معاش کا ایک لازمی جزء تھا۔ جس سے ان کا برابر ساتھ تھا جیسے عام زندگی کے سفروں میں اونٹ ہوتے تھے، ویسے جنگ کے میدان کا گھوڑے کے ساتھ تعلّق تھا۔ لہٰذا اُن کے ذہن کو اس کی طرف موڑنے کے لئے اُن کے اس جزو زندگی کو سامنے لا کر اُنہیں بتایا ہے کہ یہ سب کچھ تم اُس مال و دولت کی طلب میں کرتے ہو جس کا ذریعہ تمہارے نزدیک یہی ہے لیکن اس کے ساتھ جو سب سے بڑی بات تمہارے سوچنے کی ہے اُس پر غور نہیں کرتے کہ آخر تمہیں وہ طاقت کہاں سے ملتی ہے جس سے تم اپنے فریق مقابل پر حملہ آور ہوتے ہو تو اُس کے نتیجہ میں جو دولت حاصل ہوتی ہے، اُس کے لئے یہ سوچنا چاہیے کہ اُس کا دینے والا کون ہے اور اُس پر مغرور و سرکش نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں ناشکرے ہونے کے اظہار سے اس حقیقت پر بھی انتباہ ہے کہ یہ طریقہ صرف طاقت کا اس منعم کی نعمت کی ناقدری ہے جس سے کمزوروں کو پامال کی جائے اور امن و امان کو غارت کیا جائے۔

اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ﴿ۙ۱۰﴾ اِنَّ رَبَّہُمۡ بِہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ﴿۱۱﴾

”تو وہ کیوں نہیں جانتا کہ جب قبروں میں جو کچھ دفن ہے، وہ نکال لیا جائے گا اور سینہ میں جو کچھ چھپا ہوا ہے، یقیناً ان کا پروردگار اُن کے حالات سے باخبر ہے“۔

www.kitabmart.in

یعنی وہ مردے بھی جودفن ہوچکے ہیں، سب باہر آجائیں گےاوردلوں کے اندر جو پوشیدہ ہیں وہ بھی سب ظاہر ہوجائیں گے، اس وقت اُن کےسب اعمال کا جائزہ لیاجائے گا، اور یوں تو خدا پہلے ہی سے اُن سے واقف ہے، وہ خوداُن کی اپنے خلاف گواہیاں اور یہ سب آنکھوں کے سامنے لے آیا جائے گا۔ جزا وسزا کی حقّانیت کا ہر پہلو سے ثبوت ہے جومکمل طور پر قیامت میں سب کے سامنے آجائے گا، ورنہ اللہ کا ذاتی علم اُن کے افعال واعمال سے متعلّق بجائے خوداُس کی طرف کی سزا ہے۔

سُوۡرَةُ الۡقَارِعَةِ

مکیّہ......۱۱......آیات

قارعہ قیامت کوکہا گیاہے جس کے معنی ہیں عظیم حادثہ، یہی اس سورہ کا نام ہے اور پوراسورہ اس کی کیفیت کا حامل ہے، اس کی ابتدا کا بھی ذکر ہے اوراُس کی انتہا کا بھی جوحسنِ انجام اور بدانجامی کی صورت میں اہل ایمان اورکافروں کے سامنے آنے والی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جوسب کوفیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"

اَلۡقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡقَارِعَةُ ؕ﴿۳﴾ يَوۡمَ يَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ﴿۴﴾ وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ؕ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِىۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ﴿۹﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا هِيَهۡ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾

"وہ بڑا حادثہ اورکیا ہے وہ بڑا حادثہ اورتم کیا جانو کہ وہ بڑا حادثہ کیا ہے؟ جس دن سب لوگ مثل منتشر پروانوں کے ہوں گے اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنکے ہوئے اون کے ایسے ہونگے توجس کے (نیک اعمال کے) پلڑے بھاری ہوں گے وہ اپنے پسندیدہ عیش آرام میں رہے گا اورجس کے (اعمال کے) پلڑے ہلکے ہوں گے توگہرا گڑھا اُن کا مرکز رہے گا اورتم کیاجانو وہ کیا ہے۔ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی"۔

قارعۃ اصل میں دھماکے والی چیز کو کہتے ہیں جس سے دل ہل جائیں، کوئی بڑی آفت وبلا چونکہ ایسی ہی دھمک والی چیز ہوتی ہے، اس لئے اُسے قارعۃ کہتے ہیں اورسب سے بڑی دل ہلا دینے والی مصیبت قیامت کی ہے اس لئے قرآن میں قیامت کے لئے یہ لفظ آیا ہے۔ یوں اس سے کم درجہ کی کوئی آفت اس دنیا کی ہوتو اُسے بھی بعض جگہ قرآن میں قارعۃ کہا گیا ہے مگر قیامت عظیم ترین حادثہ ہے تو وہ سب سے بڑے "قارعۃ"

www.kitabmart.in

کی حیثیت رکھتی ہے جس کا یہاں ذکر ہے۔

''انسان مثل منتشر پروانوں کے پھیلے ہوئے ہوں گے'' چونکہ اس کے ساتھ پہاڑوں کا اُون کی طرح اِدھراُدھر پراگندہ ہونے کا ذکر ہے، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ابھی قیامت کے قبل کا تذکرہ ہے جب کہ ابھی سب لوگوں کی موت نہیں آئی ہے تو جن کے سامنے یہ آفت برپا ہے وہ گھبرائے ہوئے اِدھراُدھر پراگندہ پھر رہے ہیں۔ اب اُس کے بعد اعمال خیر کے پلڑے کے بھاری ہونے سے حسن انجام اور پلڑوں کے ہلکے ہونے سے جو بدانجامی کا تذکرہ ہے وہ قیامت آنے کے نتیجہ کا اظہار ہے کہ اب جزا وسزا کی منزل سامنے آگئی ہے۔

یہاں ایک فریق کا انجام جو''ہمیشہ رَاضِيَة'' کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے اس میں باعتبار مراتب بہت درجے ہیں اور مقابل فریق کے لئے جس بدانجامی کا ذکر ہے اُس میں بھی بہت طبقے ہیں جو الگ ہیں۔ ان کے درمیانی منزلوں کا اظہار یہاں نہیں کیا گیا ہے۔

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ

مکیّہ......٨......آیات

پہلی ہی آیت میں ''التکاثر'' کا لفظ ہے جس پر اس سورے کا نام ہوا۔

اس میں انسان کی ہوس جو مال واولاد وغیرہ کی کثرت میں اندھا دھند استعمال سے وابستہ ہے اُس کی مذمّت اور اُس کے نتیجہ میں جو تباہی اور بربادی انسان کے سامنے آنا ہے اُسی پر اُس کی بیداری کا سامان فراہم کرنا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٤ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝٥ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝٦ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝٧ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝٨

''تم لوگوں کو مدہوش بنا رکھا ہے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی فکر نے یہاں تک کہ اسی فکر میں تم قبروں تک پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں جلد ہی تمہیں معلوم ہوجائے گا پھر (سمجھ لو کہ) عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا۔ ہرگز نہیں، اگر تم یقینی طور پر انجام سے واقف ہوتے (تو ایسا نہ کرتے) ضرور ضرور تمہیں دوزخ کا

www.kitabmart.in

سامنا ہوگا، پھر تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلب ہوگا"۔

تکاثر میں کثرت حاصل کرنے کی فکر میں اندھا دھند سرگرمی بھی ہے اور پھر اُس پر سرمایۂ فخر بنا کر ایک دوسرے کے مقابلہ میں پیش کرنا بھی ہے۔ جس کے لئے ایک روایت ہے کہ عرب دو قبیلوں میں آپس میں جو بحث ہوئی تو اپنے کارناموں کو اپنی کثرت مال و اولاد اور قبیلہ کو پیش کرتے کرتے وہ قبرستان بھی چلے گئے اور وہاں قبروں کا شمار کر کے بھی پیش کرنے لگے۔ مگر قرآن اس سب کے انجام پر توجہ دلاتے ہوئے لازمی فرائض سے غفلت کی وجہ سے اُس دوزخ کو یاد دلا رہا ہے جس کا انہیں سامنا کرنا ہے اور وہاں ان نعمتوں کے شمار کے ساتھ اُن کے استعمال کے متعلق جواب طلب ہوگا کہ تم بس زیادتی حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہے اور اُن کے استعمال میں جو فرائض عائد تھے اُس کا خیال نہ کیا، اُس کے نتیجہ میں اب یہ جہنّم کی سزا بھی بھگتنا ہے۔

سُوْرَةُ الْعَصْرِ

مکیّہ ...... ۳ ......آیات

عصر کی قسم سے آغاز ہے، اس لئے یہی نام ہے۔

اس میں انسان کی فلاح و نجاح کا معیار اور اُس کے مقابل کے بڑے خسارے کا اظہار ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"

وَالۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴿۳﴾

"قسم زمانے کی یقیناً انسان خسارے میں ہے سوا اُن کے جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کرتے رہیں اور ایک دوسرے کو حق کی ہدایت اور صبر و تحمّل کی تلقین کرتے رہیں"۔

اگر قسم اظہار شرف کے لئے ہو تو یہ الف لام عہد کا ہوگا جس سے اشارہ خاص کی طرف ہوتا ہے یعنی اس دور زمانہ کی قسم اور یہ وہ زمانۂ خاص ہے جو اُس کے حیثیت سے تعلّق خاص رکھتا ہے تو اُس شہر کی قسم کھائی جو اُس کا ظرف مکان تھا، ویسے ہی اُس ظرف زمان کی جو اُس سے مفتخر و مشرّف ہے اور اگر قسم بعد والے مطلب کے لئے ثبوت کے طور پر ہے تو مطلب یہ ہے کہ خود زمانہ اُس نقص کے اظہار کے لئے کافی ہے جو بیان ہو رہا ہے۔ یہ نقص ممکن الوجود یعنی مخلوق ہونے والی ذاتی کمی نہیں ہے جو واجب الوجود یعنی ذات الٰہی کے علاوہ ہر شے کو حاوی ہے مگر یہ تجارت کی اصطلاح ہے کہ جب کاروبار کے سلسلہ میں جتنا تھا، اُس سے اضافہ ہو جائے تو اُسے ربح کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے فما ربحت تجارتہم اور جب

www.kitabmart.in

کمی ہوجائے اور جو پونجی تھی وہ نابود یا کالعدم ہوجائے تو اُسے اُردو میں گھاٹا، فارسی میں زیاں اور عربی میں خسر کہتے ہیں جس سے اُردو میں لفظ خسارے کی ہوئی۔ اور عربی میں بھی خسر کے علاوہ خسار کا لفظ مستعمل ہے اور اسی لئے اس خسارے کے امتیازی طور پر انسان کے لئے بتایا گیا ہے کیوں کہ انسان کے علاوہ کوئی دوسری مخلوق اتنی لچکدار نہیں ہے جس میں ترقی اور تنزّل کے اتنے امکانات ہوں جتنے انسان میں ہیں کہ وہ بد سے بدتر بھی بن سکتا ہو اور بہتر سے بہتر بھی اپنے اس جوہر اختیار کے صحیح وغلط استعمال سے جس کا وہ حامل ہے اس لئے اُسے کہا گیا ہے کہ وہ خسارے میں ہے۔ اگر کلام الٰہی اتنے پر ختم ہوجاتا تو یہ مطلب نکلتا کہ سب ہی خسارے میں ہیں مگر جب کلام آگے بڑھا یا اور الّا کے ذریعہ سے استثناء ہوگیا تو اب یہ تھا کہ اگر یہ اوصاف موجود ہوں، جن کا بعد میں ذکر ہے، تو وہ نفع میں ہے اور خسارے سے بری ہے لیکن اگر یہ اوصاف موجود نہ ہوں تو وہ اس خسارے میں ہے جس کا عام طور پر اُس کے لئے اظہار کیا گیا ہے۔ یہ چار ۴ وصف حسب ذیل ہیں۔

پہلے ایمان جس کے معنی اُن حقیقتوں کو تسلیم کرنا جنہیں دین پیش کرتا ہے اور جن سے انسان دنیا و آخرت کی کامیابی مضمر ہے اور دوسرے عمل صالح یعنی اُن حقیقتوں کو تسلیم کرنے کے عملی تقاضوں کو پورا کرنا ہے اور چونکہ خدا کی ہر نعمت، اُسے ایک میں محدود ہوکر نہیں رہنا چاہیے بلکہ اُس کا فیض دوسروں تک پہنچانا چاہیے، اس لئے ایمان جب متعدی غیر کی طرف ہوا تو اُس کا اظہار تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ. کی لفظوں سے ہوا اور عمل صالح دوسروں تک متعدی ہونے کے لئے تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ. کی لفظیں ہیں کیونکہ صبر کے معنی خاموشی کے ساتھ حربوں کی برداشت کرنے کے نہیں ہیں بلکہ اس میں فرائض کی پوری دنیا سمٹی ہوئی ہے یعنی اُس جادے پر ثابت قدم رہنا جس پر اُسے چلنا چاہیے، چاہے کتنی ہی ناگواریاں سامنے آئیں۔ اس لئے علماء نے کہا ہے کہ صبر کی دو قسمیں ہیں۔

ایک صبر عن المحبوب یعنی گوارۂ طبع اور پسندیدہ چیز کے چھوٹنے پر صبر اور دوسرے صبر علی المکروہ یعنی ناپسند بات کے اختیار پر صبر۔ پہلے میں تمام حرام باتوں کا ترک داخل ہے اور دوسرے میں تمام واجبات کا مثبت طور پر عمل میں لانا یہی دونوں شعبے مل کر عمل صالح ہوتے ہیں اور انہی کی دوسروں کو دعوت دینے کا نام تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ. کا مصداق ہے۔

سُوْرَۃُ الْھُمَزَۃِ

مکیّہ......۹......آیات

پہلی ہی آیت کی ایک لفظ پر اس کا نام ہوا۔ اور یہ دوسروں پر چشمک زنی اور اُن کے عیوب کو بیان کرکے اُن کی توہین و تذلیل اور پھر اپنے مال و دولت پر فخر و غرور وغیرہ ایسی برائیوں پر جو عرب میں بہت زیادہ رائج تھیں متنبہ کرکے اُس کے نتیجے کی یاد دہانی کے لئے اُتری ہے اس لئے اُس کو نام میں بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اور وہی اس سورے کا موضوع بیان ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"

www.kitabmart.in

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ﴿١﴾ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ ﴿٢﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ﴿٣﴾
كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿٤﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿٥﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿٦﴾ الَّتِيْ
تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿٧﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿٩﴾

''وائے ہو ہر اُس شخص کے لئے جو طعن و تشنیع کرنے والا لوگوں کی برائیوں کو اچھالنے والا ہو جس نے مال جمع کیا اور اُسے گن گن کر رکھا، کیا وہ سمجھتا ہے کہ اُس کے مال نے اُسے ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی دے دی۔ ہرگز نہیں، وہ چورا چورا کر دینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا اور تم کیا جانو کہ وہ چورا چورا کر دینے والی جگہ کیا ہے؟ اللہ کی خاص بھڑکتی ہوئی آگ جو دلوں تک پہنچے گی، وہ اُن پر چاروں طرف سے ڈھاک کر بند کر دی جائے گی، لمبے لمبے ستونوں کے احاطے میں''۔

دوسروں کی توہین و تذلیل کی بہت صورتیں ہوتی ہیں۔ منہ پر بھی طعن کرنا، اشاروں، کنایوں سے اور ہاتھوں اور بھوؤں اور آنکھوں کے اشاروں سے اُن کی توہین و تذلیل کرنا اور پیٹھ پیچھے بھی اُن کی برائیوں کو اچھالنا۔ یہ سب ہی ان دونوں لفظوں میں (**همزة لمزة**) مضمر ہیں، اسی کی ایک شکل پھبتیاں کسنا ہوتی ہیں جو اکثر شہرتِ عام حاصل کر کے اُس شخص کی مستقل توہین و تذلیل کی صورت اختیار کرتی ہیں۔ یہ سب باتیں اُس وقت بھی رائج تھیں اور اب بھی کم و بیش ہر معاشرہ میں پائی جاتی ہیں اور مال دنیا کی ہوس اور اُس کی طرح طرح سے حفاظت کی فکر اور برابر اعدادِ شمار کا محفوظ رکھنا کہ اس میں اضافہ ہوتا رہے جیسے کہ وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہے گا اور یہ مال بھی اُس کے پاس ہمیشہ ہمیشہ برقرار رہے گا حالانکہ چونکہ یہ سب واجب الادا فرائض کی فکر سے غافل رہتے ہوئے اور اُن کو نظر انداز کرتے ہوئے ہے تو نتیجہ میں ایسی ایسی بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں اُسے جلنا ہے جسے اُس کی ہولناکی کو دکھلانے ہی کے لئے اُس کی خاص نسبت اللہ کی طرف دی گئی ہے جس آگ کا اور اُس کا تمہیں مشاہدہ ہوا کرتا ہے وہ تو آدمیوں کی بھڑکائی ہوئی آگ ہوتی ہے۔ اور وہ آگ خاص اللہ کی بھڑکائی ہوئی ہے جسے امیر المؤمنینؑ نے ایک محل پر ایسا فرمایا ہے کہ **سجرها الجبار لغضبه** ''اُسے **جبّار و قہّار** خدا نے اپنے خاص غضب نازل کرنے ہی کے لئے بھڑکایا ہے تو اُس کی شدّتِ قوت کا اندازہ اس دنیا کی آگ سے کہاں کیا جاسکتا ہے۔ وہ چاروں طرف سے اُنہیں ایسا گھیرے میں لئے ہوگی کہ ہر طرف سے بند ہوگی، کہیں باہر کی طرف نکلنے کے لئے دروازہ کیسا روزن بھی نہ ہوگا۔

اب یہ لمبے ستون خواہ اُس احاطے کے سمجھے جائیں جو اُنہیں گھیرے ہوئے ہے اور خواہ جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے اُس آگ کے لمبے لمبے شعلے ہوں جو انہیں چاروں طرف سے گیرے ہوئے ہیں؟

یہ آگ دلوں تک پہنچتی ہے۔ اپنی حرارت اور طپش کے ساتھ بھی اور اس ضمیر کی کرب و اذیت کے ساتھ بھی جو اپنے جرائم کے احساس کی وجہ سے انہیں مستقل طور پر ہے جسے ایک جگہ کہا گیا ہے: اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ. (الحاقة: ٥٠) ''وہ کافروں کے لئے مستقل حسرت و ناکامی کے احساس کا ہنگام ہوگا''۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَۃُ الۡفِیۡلِ

مکیّہ......۵......آیات

چونکہ اس میں خانۂ کعبہ پر جو ہاتھیوں کے ساتھ حملہ ہوا تھا، اُس سے جو خانۂ کعبہ کی خدا نے حفاظت کی اُس کا اظہار ہے اور وہی اس سورے کا موضوع ہے اور اُس پر اس کا نام ہوا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ﴿۱﴾ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ﴿۲﴾ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ﴿۳﴾ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ﴿۵﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اُس نے اُن کی ترکیب کو بے کار نہیں کر دیا اور اُن پر غول پر غول پرندوں کے بھیج دیئے جو اُن پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے، تو اُنہیں ایسا کر دیا جیسے مویشیوں کا کھایا ہوا بھوسا ہو''۔

باوجود یہ کہ کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے مگر اُس موقع پر کسی نے اُن بتوں سے فریاد نہیں کی، جناب عبدالمطلبؑ کی سرکردگی میں جتنی دعائیں مانگی گئیں، سب اللہ سے مانگی گئیں اور پھر انجام سامنے آیا اور وہ سخت حملہ جو ابرہہ کی سرکردگی میں کعبہ کے ڈھانے کے لئے ہوا تھا اس قدرتی انتظام سے ناکام ہوا اور وہ پوری جماعت تباہ و برباد ہوئی تو اس پر جو اشعار کہے گئے ان میں بھی اس کارنامہ کو اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ قرار دیا گیا تو اس لئے اس واقعہ کو یاد دلا کر اُنہیں یہ سمجھایا ہے کہ پھر ان بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو، اُس خدا کی عبادت کیوں نہیں کرتے جسے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیش کر رہے ہیں جسے ابھی سورۂ قریش میں نمایاں کر دیا جائے گا جو اس سورۂ فیل کے مضمون سے اتنا قریبی تعلّق رکھتا ہے اس لئے بعض صحابہ کے مرتّب کردہ قرآن میں جس کے موافق ہمارے یہاں کے بعض روایات بھی ہیں کہ وہ دونوں ایک ہی سورہ کے جزء مانے گئے ہیں۔

چونکہ یہ ہاتھیوں والا واقعہ مکّہ کے لئے بہت قریبی تاریخ کا ایک بڑا جزء تھا، اس لئے کہ یہ وہی سال تھا جس میں حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا میں تشریف لائے اور اُس سے عرب کی جنتری گویا مرتّب ہوئی کہ اس سال کا نام عام الفیل ہوا اور اسی سے واقعات کو نسبت دی جانے لگی لہٰذا ''کیا تم نے نہیں دیکھا'' کے الفاظ اس وقت کے بہت سے لوگوں کے لئے چشم دید واقعہ کی یاددہانی کی حیثیت رکھتے تھے اور خواہ لفظی حیثیت سے

www.kitabmart.in

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخاطب ہوں لیکن اُن میں سے ہر ایک ان کا اصلی مخاطب ہوسکتا تھا۔ اس لئے دوسری اُمتوں پر عذاب کے واقعات قرآن مجید میں متعدّد مقامات پر بیان ہوئے ہیں لیکن اس واقعہ کا یہ مختصر تذکرہ صرف یہاں ہے اور کسی مقام پر نہیں ہے اور یہاں بھی اُس کے تفصیلات بیان نہیں ہوئے ہیں کہ وہ اس کے لئے کوئی نئی چیز نہ تھے۔

یمن پر پہلے یہودیوں کا اقتدار تھا تو اُنہوں نے وہاں کے عیسائیوں کے ساتھ تشدّد کیا اور بہت ظلم وستم کے ساتھ اُن کو ختم کیا۔ اُن سے انتقام لینے کے لئے حبش اور روم کے باہمی تعاون سے جہاں عیسائی برسر اقتدار تھے ملک حبش سے فوج گئی تھی۔ اُس نے اُن یہودیوں کی قوت کا خاتمہ کر کے اپنا تسلّط قائم کیا۔

اُس وقت سے یمن عیسائیوں کا مرکز اقتدار ہوگیا اور انہی میں ابرہہ جو اُس فوج کے ایک معمولی خدمت گار کے طور پر آیا تھا رفتہ رفتہ یمن میں ایک بڑی طاقت کی حیثیت اختیار کر گیا جیسے کہ وہ وہاں کا خودمختار بادشاہ ہے۔ حالانکہ برائے نام تو ویسے بادشاہ حبش کا نام کہتا تھا مگر عملاً اب وہی حکمران ہوگیا تھا۔ اُس نے یمن کے دار السلطنت صنعا میں ایک عالی شان کلیسا بنوایا اور اُس کلیسا کو تمام عرب کا مرکز بنانے کے لئے اُس نے یہ منصوبہ بنایا کہ وہ مکّہ کے اس عظیم معبد کو جہاں عرب حج کو جاتے ہیں ڈھادے اور اُس کے لئے ۶۰ ہزار فوج کے ساتھ حملہ کر دیا اس میں بارہ ہاتھی اور ایک روایت کے مطابق ۹ ہاتھی تھے، اس لئے اُنہیں اصحاب الفیل کہا گیا ہے۔

راستے میں کچھ عرب قبیلوں نے مقابلہ کی کوشش کی اور وہ شکست کھا گئے اور بعض نے کسی حد تک تعاون کر کے اپنی جان بچائی۔ جناب عبدالمطلبؑ نے اپنے ایمان اور اللہ پر اعتماد کے زور پر اُس سے جا کر بتایا کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔ وہ اس کی حفاظت کا ذمّہ دار ہے لہٰذا وہ اپنے اس اقدام سے باز رہے لیکن اُس نے نہ مانا، جناب عبدالمطلبؑ اتمام حجت کر کے واپس آ گئے۔

دوسرے دن ابرہہ مکّہ میں داخل ہونے کے لیے آگے بڑھا مگر پہلے تو اُس کا خاص ہاتھی جو محمود تھا اور سب سے آگے اُسے رکھا گیا تھا ایک دم بیٹھ گیا اور پیچھے مڑ کر تو وہ دوڑنے لگتا مگر جب آگے کی طرف منہ کر کے اُسے چلانے کی کوشش کی جاتی تو وہ بیٹھ جاتا تھا۔ اور پھر یکایک کچھ عجیب پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ چونچوں اور پنجوں میں سخت قسم کے مٹی کے پتھر لئے ہوئے آ گئے۔

جنہوں نے ان سنگریزوں کی بارش کر دی جس سے جسم گلنے اور سڑنے لگتا۔ اس فوج کے بہت سے وہیں ہلاک ہوئے اور کچھ بھاگتے ہوئے راستے میں جابجا مر مر کر گرتے رہے اور خود ابرہہ بھی اسی طرح بھاگتے ہوئے ہلاک ہوا۔ یہ پتھر کچھ لوگوں نے اہل مکّہ میں سے پائے اور اُنہیں محفوظ کر لیا مسلمان راویوں میں سے بعض کا بیان تھا کہ اُنہوں نے وہ پتھر دیکھے تھے۔

www.kitabmart.in

سُوۡرَةُ قُرَيۡشٍ

مکیّہ ......۴......آیات

چونکہ پہلی آیت ہی میں قبیلۂ قریش کا نام ہے اور سورہ انہی سے متعلّق ہے لٰہذا سورے کا یہی نام ہوا اور یہی اُس کا موضوع ہے۔

چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلۂ قریش میں پیدا ہوئے تھے اور اُسی کے بڑے بڑے لوگوں نے آپ کی سب سے زیادہ مخالفت کی اس لئے دعوت اسلامی میں اُنہیں خاص طور پر اُس حقیقت پر توجہ دلانا ضروری تھی جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش کررہے تھے اور چونکہ عرب کی تجارت ان کے ہاتھ میں تھی اور انہوں نے اس سلسلہ میں دوسرے مما لک سے تعلّقات قائم کئے تھی اور ہاتھیوں والے حملے کا مقصد بہت بڑا اس تجارت کو ختم کرانا تھا اس لئے اس سورۂ فیل کے ساتھ جیسا کہ پہلے بیان ہوا اتنا گہرا ہے کہ اس لئے ایک تصور یہ بھی ہے اور بعض ہمارے روایات کے بھی موافق جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ اِن دو سوروں کو حقیقت میں ایک ہی سورے کے دو ۲ جزء مانتے ہوئے متحد قرار دیا گیا ہے لیکن خلیفۂ ثالث جناب عثمان نے جو قرآن لکھوا کر اطراف میں مشتہر کرائے، اُن میں اُن کے درمیان بسم اللہ درج تھی اور دو ۲ سوروں کی طرح لکھے ہوئے تھے اس لئے عموماً وہ دو ۲ ہی سوروں کے شمار میں آئے اور تمام دنیا میں اسی صورت سے مشہور معروف ہیں۔ اگر ہاتھیوں والا حملہ ناکام نہ ہوتا جو بالکل خدا کی قدرت قاہرہ کے ظہور سے ہوا تو یہ اُن کے سفر ختم ہوجاتے جو تجارتی ہوا کرتے تھے اور اس طرح وہ بھوکوں مرجاتے۔ اس قدرتی کاروائی سے اُن کی معاشی زندگی اور اس کا تحفظ ہوا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے“

لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍۙ ① اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِۚ ② فَلۡيَعۡبُدُوۡا رَبَّ هٰذَا الۡبَيۡتِۙ ③ الَّذِىۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ④

”چونکہ افراد قریش عادی ہیں، وہ عادی ہیں جاڑے اور گرمی والے سفروں کے تو اُنہیں لازم ہے کہ وہ عبادت کریں اس گھر کے پروردگار کی جس نے اُنہیں بھوک کے بجائے پیٹ بھرنے کا سامان دیا اور اُنہیں بھی خوف و دہشت کے بجائے امن وعافیت عطا کی“۔

یہ دونوں باتیں اس حملہ کے ناکام بنانے سے حاصل ہوئیں جس کی وجہ سے وہ ان سفروں کا جو جاڑوں میں تجارت کے لئے گرم مملک کی طرف اور گرمی میں سرد ملک یعنی شام وغیرہ کی طرف ہوتے تھے۔ نہ یہ راستے ان کے سفروں کے لئے بند ہوئے اور نہ اُن پر حملے کی کسی کو ہمّت ہوئی اور یہ سب اُن کے علم میں اللہ کی طرف سے ہوا جو اس گھر کا مالک ہے اس لئے اُنہیں اُن بتوں کی نہیں بلکہ اسی ذات واحد کی عبادت کرنا چاہیے۔

www.kitabmart.in

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ

مکیّہ......۷......آیات

اس سورے میں ماعون کا لفظ بالکل آخر میں ہے جس پر اس کا نام ہوا تحریری طور پر رواج اس سورے میں بھی پیشانی پر مکّی لکھنے کا ہے لیکن اُس کا مضمون زیادہ قوت اسے پیدا کرتا ہے کہ وہ مدنی ہے کیوں کر دکھاوے کی نماز پڑھنے والوں کو جو اکساتے ہوئے آ کر جماعت میں نمائشی طور پر شریک ہوئے ہیں سرزنش ہے اور ایسے نمازی مکّہ میں نہ تھے

وہاں کے حالات میں کسی کو نماز پڑھنا ہی مشکل تھا، چہ جائیکہ وہ نماز کا قائل نہ ہو اور پڑھنا نہ چاہتا ہو اور پھر بھی دکھاوے کے لئے آ کر نماز پڑھے۔ یہ قسم منافقین کی مدینہ ہی میں پیدا ہوئی تھی جب کہ اسلام کو قوت حاصل ہوگئی تھی، اس لئے وہی اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے''

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ ؕ‏ ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَ ۙ‏ ﴿۲﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ؕ‏ ﴿۳﴾ فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ ۙ‏ ﴿۴﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ۙ‏ ﴿۵﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ يُرَآءُوۡنَ ۙ‏ ﴿۶﴾ وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ﴿۷﴾

''کیا تم نے دیکھا اُس کو جو جزا وسزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہ ہے جو یتیم کو دھکا دیتا ہے اور کسی غریب کو کھانا دینے پر (لوگوں) کو آمادہ نہیں کرتا تو وائے ہے اُن نمازیوں کے لئے اپنی نماز سے بے اعتنائی برتتے ہیں، دکھاوے سے کام لیتے ہیں اور اپنے کو کسی بھی امداد سے روکتے ہیں''۔

''کیا تم نے دیکھا'' یعنی تم جو توجہ سے آنکھیں کھول کر دیکھو تو ایسے لوگ نظر آئیں گے اور اُن کا کردار خود بتائے گا کہ وہ آخرت کے قائل نہیں ہیں اور وہاں کی جزا وسزا کو نہیں مانتے۔ اُن کا ایک شعبۂ زندگی کے لحاظ سے یہ عمل ہے کہ یتیم مدد چاہتا ہے تو وہ دھکے دے کر نکالتے ہیں، اور خود کھلانا در کنار، دوسرے کو بھی آمادہ نہیں کرتے کہ وہ غریب کو کھانا کھلائے۔

اور دوسرے شعبۂ حیات یعنی حقوق اللہ کی ادائیگی میں بھی اُن کا یہ عالم ہے کہ نماز سے غفلت برتتے ہیں اور پڑھتے ہیں تو اس طرح کہ اُن کے طرزِ عمل سے یہ نمایاں ہے کہ وہ اُسے کوئی فریضہ نہیں سمجھتے۔

بلکہ ایک بار ہے جو سر سے اُتارنا چاہتے ہیں بلکہ یہ بھی لوگوں کی نظروں کے سامنے کہ وہ اُنہیں تارک الصلوٰۃ نہ سمجھیں، اپنے محل پر تو

www.kitabmart.in

اُسے ٹال ہی جاتے ہیں اور پڑھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔

ماعون کے لئے کہا گیا ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے ساتھ مدد ہے جسے عام طور پر پڑوسی لوگ ایک دوسرے سے مانگ لینا عیب نہیں سمجھتے، کسی وقت نمک نہ ہوا اور پاس والے مکان سے نمک مانگ لیا یا چولہا جلانے کے لئے اور آگ سلگانے کے لئے کسی وقت دیا سلائی نہ ہوئی جس کے لئے پہلے چقماق ہوا کرتا تھا اور اُسے پاس والے مکان سے وقتی طور پر مانگ لیا۔ان کی تنگ دلی کا یہ عالم ہے کہ ایسی چیزوں کے ساتھ مدد کرنے میں بھی باوجود امکان وہ گریز کرتے ہیں۔

غور کیا جائے تو اس میں دو ۲ گروہوں کا ذکر ہے۔ایک وہ ہیں جو کھلم کھلا دین یعنی جزا و سزا کے منکر ہیں،لہٰذا اُن کے کردار میں نماز کا ذکر نہیں ہے۔اور یہ دوسرے وہ ہیں جو بظاہر مسلمان ہو چکے ہیں لیکن دل سے قائل نہیں۔اُن کے یہاں نماز کی ادائیگی کے ساتھ یہ بے اعتنائی پائی جاتی ہے اور حقوق الناس کی ادائیگی میں بھی یہ عالم ہے۔

سُوۡرَةُ الۡكَوۡثَرِ

مکیّہ ......۳......آیات

کوثر کے جو بھی معنی ہوں جس میں اختلاف ہے جس پر ابھی روشنی ڈالی جائے گی، بہر حال پہلی آیت میں اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہونے کا اعلان ہے، اس لئے یہ نام ہوا اس کا۔

اور اس سورے میں جو مضمون درج ہے وہ یہی ہے کچھ لوگوں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت گستاخانہ طور پر ابتر کی لفظ کہہ دی، اُس کے مقابل میں خالق کی طرف سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔اور کہا گیا ہے کہ آج جو آپ کے کام ہیں وہ کرتے رہیے۔ابتر یہی ہوں گے۔جو آپ کو کہہ رہے ہیں اور آپ کو تو اللہ نے کوثر عطا کیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"

إِنَّآ أَعۡطَيۡنَٰكَ ٱلۡكَوۡثَرَ ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنۡحَرۡ ② إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلۡأَبۡتَرُ ③

"ہم نے تو آپ کو کثرت نسل عطا کی ہے،تو آپ اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیے، یقیناً آپ کا دشمن ہی بے اولاد ہوگا"۔

کوثر کے لئے چونکہ روایات میں ہے کہ یہ جنّت کی ایک بڑی نہر ہے جو معراج میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھائی بھی گئی تھی اور مسلمانوں میں بھی کوثر کا چرچا بہت ہے اور کوثر سے سیرابی کا شوق ہے اس لئے پہلی آیت میں جو کوثر کی عطا کا اعلان ہوا ہے، اُس کی تفسیر کے لئے اسی کے

www.kitabmart.in

مطابق یہ روایت آ گئی اور یہ آ گئی اور یہ شہرت ہوگئی کہ یہ اسی نہر کے عطا ہونے کا اعلان ہے۔

لیکن حقیقت میں یہ کوثر کی عطا کا اعلان مقابل میں دشمنوں کی زبان سے نکلی ہوئی لفظ ابتر سے ہے جس کو خداوند عالم نے خود اُن کے لئے دہرا دیا ہے اس لئے اس کوثر کے معنی اُسی ابتر کی مناسبت سے اور اُس کے تقابل کے ساتھ لینا چاہیے جس کا اس لفظ سے جوڑ ہو جو حضرتؐ کے لئے اُنہوں نے استعمال کی تھی۔ جہاں تک ہم غور کرتے ہیں کوثر جو نہر ہے، اُس کا کوئی جوڑ اُس ابتر سے نہیں ہوتا جو وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کہتے تھے۔

ابتر کی لفظ بتر سے ہے جس کے معنی قطع ہونے یعنی کٹنے کے ہیں۔ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو ابتر کہتے تھے اُس کے لئے کئی روایات میں ہے کہ جب آپ کے فرزند جو بطن جناب خدیجہؑ سے تھے، پے در پے وفات پاتے رہے تو اُن لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ ابتر ہیں ان کا مشن بہت جلد ختم ہو جائے گا یعنی اُن کے نزدیک بھی انسان کے کارنامہ کی بقاء اُس کی اولاد سے وابستہ تھی۔ اس سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیّت ہوئی۔ تو اُس کے مقابل میں اعلان ہوا کہ یہ آپ کو ابتر کہتے ہیں۔

ارے ہم بتاتے ہیں کہ ابتر یہی ہوں گے۔ اُن کی اولاد سب ختم ہو جائے گی اور آپ کو تو اللہ نے کثرت نسل و اولاد عطا کی ہے۔ یہ خالق کی بات نسل جانب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے پوری ہوئی۔ جو ایک طرف قرآن مجید کے اعلان کا زندہ معجزہ ہے جس کا مشاہدہ اقطاع و اطراف عالم میں کیا جا سکتا ہے۔

اور دوسری طرف اولاد جناب فاطمہؑ کے ابنائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا ثبوت ہے جو مسلمانوں میں بدنصیبی سے ایک بحث طلب مسئلہ بن گیا اس لئے اُس کے بالمقابل یہ تشریح آ گئی کہ ابتر کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ اپنی قوم سے کٹ کر الگ ہو گئے ہیں اور بے یار و مددگار ہیں، بہت جلدی ختم ہو جائیں گے۔

اُس کے جواب میں کہا گیا کہ نہیں آپ کو تو کثرت اصحاب و تابعین ہم نے عطا کی ہے اور آپ کی جماعت بہت زیادہ ہے۔ یہ خود بے یار و مددگار رہوں گے، اور ان کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں ہوگا۔

بہر حال جیسا کہ پہلے بیان ہوا ابتر کے کسی مفہوم کا جوڑ اُس نہر کوثر سے نہیں ہے۔ جو خداوند عالم نے آپ کو عطا کی ہے۔ یہاں اُسے مراد لینا درست نہیں ہے۔

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ

مکیّہ......٦......آیات

اس سورے کی پہلی ہی آیت میں **الکافرون** لا کر مخالفین سے تخاطب ہے، اس لئے اس سورے کا نام یہ ہوا۔ اس سورے میں مخالفین سے اپنے کسی اصول سے دستبر دار ہو کر کسی سمجھوتے سے انکار ہے، چونکہ آپ کے سامنے اُن کی طرف سے یہ تجویز پیش ہو رہی تھیں کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیجئے، اسی کو دوسری لفظوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک سال آپ ہمارے دین کو اختیار کریں اور ایک سال ہم آپ کے دین کو قبول کر لیں اور اُسے برتتے رہیں تو اُن کے خیالات خام کی نفی اور ایسی غلط پیش کشوں کے مسترد کرنے کے لئے یہ سورہ اترا ہے کہ ایسی غلط قسم کی رواداری جو اپنے اصول کو ترک کر کے رواداری نہیں بلکہ دین سے انحراف ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے“

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ﴿۳﴾ وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ﴿۴﴾ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ﴿۵﴾ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ٪﴿۶﴾

”کہیے اے کافرلوگو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم نے عبادت کی ہے اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین“۔

چونکہ اس وقت ان لوگوں کے جنھوں نے یہ پیش کش کی تھی کہ کچھ زمانے تک آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیجیے اور کچھ زمانے تک ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ مخاطب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے لہٰذا خالق نے جو کہنے کا حکم دیا ہے اس کے مخاطب بھی رسولؐ ہی ہیں لیکن اصول بہر حال اصول ہے اور اس لیے یہ کہنے پر مامور ہر مسلمان ہے جس کے سامنے ایسی پیش کش ہو۔

صیغہ مضارع عربی میں حال اور استقبال میں مشترک ہوتا ہے اور اسم فاعل اسی سے بنتا ہے اس لیے اس میں بھی دونوں زمانوں کا اشتراک ہے۔ یہاں ان میں سے ہر ایک کو دھرایا گیا ہے، پہلی جگہ اس سے حال مراد ہے۔ اور دوسری جگہ استقبال یعنی نہ اس وقت ایسا ممکن ہے کہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں اور نہ آئندہ کبھی ایسا ہونے کی امید رکھو۔ اس طرح ان کی توقع کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے کہ اب

www.kitabmart.in

ان کے لیے اپنی اس بات پر اصرار کا دروازہ بند ہو جائے۔ نہ وہ کسی بھی تبدیلی کے ساتھ آئندہ اس طرح کی کوئی متبادل تجویز پیش کریں۔
یہ غلط فہمی میں نہ رہنا چاہیے کہ مشرکین بتوں کے ساتھ ساتھ اللہ کی بھی عبادت کر لیتے تھے اور یہ کیوں کہا گیا کہ تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کو قبول کرتا ہوں، اس لیے کہ چاہے نام کو اللہ کی عبادت کو قبول کرتے ہوں مگر اسلام جس طرح خالص عبادت اللہ کی چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ مانا جائے۔ وہ اس کے قائل نہیں ہیں لہٰذا دوسروں میں شامل کر کے اللہ کی عبادت نام کو وہ کرتے بھی تو یہ عبادت نہیں جسے اسلام اللہ کی عبادت قرار دیتا ہے۔
اب یہ امکانی رواداری ہے جو صرف کی گئی کہ نقطۂ دین کو دونوں طرف یکساں طور پر استعمال کر دیا گیا ہے کہ ”تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور ہمارے لیے ہمارا دین“۔
حالانکہ حقیقت کے لحاظ سے وہ مشرکین ہی کا عمل ہے جو بے دینی کا مصداق ہے۔ دین نہیں ہے۔

سُوْرَةُ النَّصْرِ

مدنیہ...... ۳...... آیات

اس میں اسلام کی مکمل فتح وظفر کا اعلان پیغمبرؐ اسلام کے مشن کی کامیابی کو بصورت مشاہدہ سامنے کے بیان کے ساتھ آپ کو حمد و شکر الٰہی ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے اس کا یہ نام ہے اور یہی مضمون اس سورے کا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے“

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴿۲﴾
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾
”جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح وظفر ہو جائے اور آپ دیکھیے کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دن میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے پروردگار کے حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش کی دعا مانگیے، بے شک وہ بڑا نظر مرحمت متوجہ کرنے والا ہے“۔
یہ کسی خاص معرکے میں فتح نہیں ہے بلکہ عمر کے پورے کارنامہ کی مکمل فتح ہے جس سے رسول کا مقابلہ میں کسی معرکہ آرائی کی کسی کو ہمت نہ رہے اس لیے مفسرین کا بیان ہے کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والا آخری سورہ ہے۔
فوج در فوج دین الٰہی میں داخل ہوتے تھے یعنی اس کے پہلے انفرادی طور پر دو، دو یا ایک، ایک آدمی آکر مسلمان ہوتے تھے اور اب

www.kitabmart.in

دستے پر دستہ اجتماعی طور پر آتا ہے اور وہ اسلام قبول کرتا ہے اس طرح کہ بظاہر پورے ملک میں اب کوئی ایسا نہیں رہا جس نے دین اسلام قبول نہ کیا ہو اور اللہ کی توحید اور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو نہ مان لیا ہو۔ یہ صورت واقعہ فتح مکّہ کے بعد کی مدت میں حجۃ الوداع تک رونما ہوئی اور اس اپنی کارگزاری کے نتیجہ کو رسول نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا مگر وہ دنیا فتح ہوتی جس کے بعد کسی جشن مسرت منانے کا حکم ہوتا اور اپنی فتح کے نقارے بجانے کی تقریب منعقد کرائی جاتی، یہ دین کی فتح ہے اسلیے تقاضائے عبودیت یہی ہے اور اسی کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اس پر اللہ کی حمد وثنا اور اس کی یاد میں مزید سرگرمی کے ساتھ مصروف عمل ہوجانا چاہیے کہ خداوندا تیری ہی ذات ہے جس کی بدولت یہ فتح کا منظر سامنے آیا ہے۔ تو اس خدمت کو قبول فرما اور اس میں مجھ سے جو کوتاہی ہوئی ہو اس کو نظر انداز فرما یقیناً تیری بخشش اور عطا درکار ہے۔

سُوْرَةُ اللَّهَبِ

مکیّہ......۵......آیات

چونکہ پہلی ہی آیت میں ابولہب کا نام ہے لہٰذا اُس کے ایک جز ولہب پر اس سورے کا نام ہوگیا اور اُس میں ابولہب کی ایک گستاخی کا جو اُس نے شان رسالتؐ میں کی تھی، خالق کی طرف سے جواب ہے۔ یہی اس سورے کا مضمون ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''سہارا اللہ کے نام کا جو سب فیض پہنچانے والا، بڑا مہربان ہے''

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥

''ٹوٹ گئے ہاتھ ابولہب کے اور وہ ہلاک ہوا، اس کا مال جو اس نے کمایا وہ اس کے بالکل کام نہ آیا، بہت جلد وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا اور اس کی عورت بھی جو لکڑیاں لاد کے لانے والی تھی، اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی''

ابولہب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریب ترین ہمسایہ تھا یعنی صرف ایک دیوار بیچ میں تھی اور اُس کی رفیقۂ حیات ابوسفیان کی بہن اُم جمیل تھی، یہ دونوں حضرتؐ کے لئے بڑے ایذا رساں تھے ہر وقت بحیثیت پڑوسی کے جو انتہائی سخت ایذائیں پہنچاتے تھے، وہ تو پہنچا تے ہی تھے، باہر جب حضرتؐ نکلتے اور لوگوں کو دعوت اسلام دینے جاتے تھے تو یہ ابولہب پیچھے لگ جاتا تھا اور آپ پیغام حق پہنچاتے تو یہ چیختا جاتا کہ یہ شخص جھوٹا ہے، دین سے منحرف ہوگیا ہے اور تم لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اور اس کی بات کبھی نہ ماننا، اجنبی لوگ دریافت کرتے، یہ کون ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کا چچا ہے تو اُن پر اُس کی بات کا بہت اثر پڑتا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کے مقصد کو سخت نقصان پہنچتا۔ وہ اُس کی شریک حیات اُم جمیل جو تھی

www.kitabmart.in

خاردار جھاڑیاں حضرتؐ کے دروازے پر پھیلا جاتی جس حضرت زخمی ہوں اور آپ کو اذیت پہنچے۔ یہ تھا کہ ابولہب کا اُس کی کنیت کے ساتھ جو نام سے زیادہ مشہور تھی، صراحتاً اس سورے میں نام لیا گیا اور پورا سورہ اسی پر معنون ہوا اور اُس نے دو ایک مرتبہ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں تبّاً کی لفظ کہی تھی، ایک دفعہ جب کوہ صفا پر حضرتؐ اعلانیہ اپنے پیغام کو سب تک پہنچانے کے لئے تشریف لے گئے تو اور لوگ تو خاموش رہے یا ہنستے ہوئے چلے گئے مگر اُس نے کہا تبّا لک الھٰذا جمعتنا ’’ہلاکت ہو تیرے لئے۔ کیا اس لئے تو نے ہم سب کو اکٹھا کیا‘‘؟ اس لفظ کو دو ۲ طرح سے اس کی طرف واپس کر دیا گیا۔ تبت یدا اور پھر تبّ جو بددعا بھی ہوسکتی ہے مگر زیادہ قوّت اس کو ہے کہ وہ مستقبل کی اطلاع ہے جسے یقینی ہونے کی بنا پر ماضی کے صیغے سے ادا کیا گیا ہے کہ سمجھ لو کہ ایسا ہو ہی گیا کہ اُس کے ہاتھ ٹوٹ گئے یعنی وہ بالکل عاجز اور بے بس ہوگیا اور ہلاک ہوا چنانچہ چند ہی سال کے بعد جنگ بدر میں قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے اسلام کے مقابلہ میں آ کر قتل ہو جانے سے اُسے ایسا صدمہ پہنچا کہ وہ ایک ہفتہ سے زیادہ پھر زندہ نہیں رہ سکا اور وہ بھی ایسے سخت موذی اور متعدّی مرض میں مبتلا ہوکر کہ خود اُس کے گھر والوں نے اُس سے دوری اختیار کر لی اور مرنے کے بعد اُس کے دفن کرنے سے بھی پرہیز کیا۔ یہاں تک کہ کئی دن تک بے گور رہنے سے جب اُس کی لاش سڑنے لگی اور بدبو پھیلی تو کچھ مزدوروں کو جو حبشی تھے بلا کر ایک گڑھا بصورت قبر کھود کر بانسوں سے اُس کی لاش کو ڈھکیل کر وہاں تک پہنچایا اور اس طرح سپرد خاک ہوا۔

اُس کی بیوی کو جو اُم جمیل تھی لکڑیوں کو بوجھا لاد کر لانے والی اس کے اُس کردار کے لحاظ سے بھی کہا گیا جو وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچانے کے لئے اختیار کئے ہوئے تھی اور پھر اس لفظ کو عرب میں لگائی بجھائی کرنے والوں کے لئے بھی کہا جاتا ہے کہ وہ فتنہ کی آگ کو بھڑکا کر گویا اُس کے لئے ایندھن فراہم کرتا ہے۔ گردن کے لئے جید کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں لمبی گردن، یہ واقعہ تھا اور اُس کے گلے میں ایک قیمتی موتیوں کا ہار رہتا تھا تو اُس کے بالمقابل اُس کی سزا کے اعلان میں مونجھ کی رسّی کا نام لیا گیا ہے جو ظاہر میں مونجھ کی ہوگی مگر حقیقت میں وہ دوزخ کی آگ کا ایک جزء ہوگی جو اُس شکل سے اُس کے گلے کا ہار بنی رہے گی اور اُسے مستقل دائمی ایذا پہنچاتی رہے گی۔

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ

مکیّہ ...... ۴ ...... آیات

لفظ اخلاص اس سورے کے اندر نہیں ہے جس پر اس سورے کا نام ہو بلکہ مضمون اس سورے کا جو ہے اُس کے خلاصہ کو اس سورے کا نام قرار دیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

’’سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے‘‘

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞٢ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞٣ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞٤

www.kitabmart.in

''کہیے کہ وہ اللہ ہے یکتا، اللہ وہ مالک ہے جس سے سب لو لگاتے ہیں نہ اُس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اُس کا برابردار نہیں ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر وقتاً فوقتاً اس طرح کا سوال پیش ہوتا تھا کہ اپنے اللہ کی اصل ونسل بتایئے، وہ کس چیز سے بنا ہے، سونے، چاندی، پیتل یا کاہے سے اور اُس کا خاندان کیا ہے؟ اس کے لئے یہ سورہ نازل کیا گیا ہے کہ جب اس قسم کا سوال پیش ہو تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سورہ پڑھ کر سنا دیں۔

چونکہ مشرکین لفظ رحمٰن سے تو اجنبی تھے مگر اللہ کے لفظ سے ان اصنام کے علاوہ جو اُن کے معبود تھے ایک ذات کا تصوّر کرتے تھے۔ تو اس لفظ کے کہنے ہی میں یہ مضمر ہے کہ وہ تمہارے بتوں کی طرح کا کوئی بت ہوتا تو میں بتاتا کہ وہ کاہے سے بنا ہے، کس چیز سے تراشا گیا ہے۔ وہ تو اللہ ہے جسے تم خود ان بتوں کے علاوہ ایک الگ ذات مانتے ہو، تو پھر مجھ سے کیوں پوچھتے ہو کہ وہ کاہے سے بنا ہے او اُس کے وجود کا اصل مادّہ کیا ہے؟

احد وہ ہے جو ہر حیثیت سے ایک ہے یعنی اُن کاموں میں جو اُس کے ہیں کوئی اُس کا شریک نہیں ہے، وہ تنہا ہے اور ذات میں اُس کی کثرت کا شائبہ نہیں کہ وہ کچھ اجزاء سے مل کر بنا ہو۔ یا اُس کا تجزیہ ہو سکے اور نہ وہ کسی دوسرے کا ہم جنس ہے کہ ذہنی حیثیت سے وہ کسی بات میں دوسروں کے شریک ہو، اور پھر کسی جزء کے لحاظ سے اُسے دوسروں سے امتیاز حاصل ہو۔

وہ یکتا اور بے ہمتا ہے، سب اُسی سے لَو لگاتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سب اُس کے محتاج ہیں اور وہ سب سے بے نیاز ہے۔ سب سے بے نیاز ہونے میں پھر اجزا کی نفی اور مادّۂ وجودات سے بری ہونے کا مفہوم نکل آتا ہے جو اُن کے سوالات کا جواب ہے۔

''اُس کی کوئی اولاد نہیں، نہ وہ کسی کی اولاد ہے''۔ اس سے خاندان کے تصوّر کی نفی ہوگئی اور اس سوال کا جواب کہ اُس کا نسب کیا ہے؟

اگرچہ کھل کر مشرکین نے بھی اللہ کے لئے کوئی باپ تجویز نہیں کیا مگر منطقی طور پر جب اولاد کا تصوّر اُس کی ذات سے وابستہ کر لیا جائے تو ذہن میں یہ تصوّر پیدا ہوتا ہے کہ وہ خود کس کی اولاد ہے۔ اس لئے یہ سوال ہوا، یہ بھی کہ آخر یہ کائنات کا اقتدار کس سے اُس کے ورثہ میں آیا ہے، وہ کس کا وارث ہے اور اُس کا کون وارث ہے۔

لہٰذا صاف الفاظ میں نفی میں دونوں جزء ایک ساتھ کہہ دیئے کہ نہ کوئی اُس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اُس کا کوئی ہمسر ہے یعنی تربیت کائنات اور اُس کے پہلے تخلیق کی منزل میں بھی کوئی دوسرا نہیں جو اُ کے ساتھ شریک ہو یا اُس کے ذات وصفات میں اُس کے مماثل ہو۔ اس طرح آغاز سورہ میں جو بات کہی گئی تھی، اُس کو دوسرے عنوان سے آخر سورہ میں بھی دہرا دیا گیا لیکن اوروں کی طرح اُس کے لئے اصل نسل اور کسی مادّۂ وصورت کا تلاش کرنا غلط ہے۔

www.kitabmart.in

سُوْرَۃُ الْفَلَقِ

مکیّہ......۵......آیات

یہ اور اُس کے بعد والا سورہ موجودہ ترتیب میں قرآن کا آخری سورہ ہے دونوں معوذتان بھی کہلاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے مضمون کے لحاظ سے بندہ ان کے ذریعہ سے اپنے کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہے۔ اور پہلے سورہ میں چونکہ پہلی آیت میں بربّ الفلق ہے، اس لئے وہ اس نام سے موسوم ہے۔

اہل سنّت کے روایات میں ہے کہ جس طرح حضرتؐ پر طرح طرح کے حملے ہورہے تھے، اُسی طرح ایک مرتبہ حضرتؐ پر جادو کیا گیا اور اُس کی وجہ سے آپ شدّت کے ساتھ علیل ہوگئے۔ اُس کے دفعیہ کے لئے خالق نے یہ سورہ نازل فرما کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تعلیم دی اور بارشاد ربّانی ان سوروں کے پڑھنے سے حضرتؐ کو مرض سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ ظاہر ہے اگر معصومینؑ کی طرف سے ان روایات کے خلاف ہمیں کوئی رہنمائی ملی ہوتی تو ہم قوّت کے ساتھ انہیں رد کرسکتے تھے لیکن موجودہ حالت میں ایسا ممکن نہیں ہے، بہر صورت یہ یقینی ہے کہ سحر کا اثر حضرتؐ پر ایسا بھی نہیں ہوسکتا جس سے فرائض رسالت کو صدمہ پہنچے۔ یوں سحر میں ایسی خاصیتوں کا ہونا جیسے دواؤں میں خاصیتیں ہیں ناقابل انکار ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

”سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے“

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِۙ ۝۱ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَۙ ۝۲ وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَۙ ۝۳ وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِى الۡعُقَدِۙ ۝۴ وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵

”کہیے کہ میں پناہ لیتا ہوں صبح کے مالک کی طرف اُس چیز کے شر سے جس کو اُس نے پیدا کیا ہے اور رات کے اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جاتا ہے اور گرھوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد رکھنے والے کے حسد سے جب وہ حسد کرے“۔

چونکہ اکثر آفتیں اور بلائیں تاریکی شب میں آتی تھیں اور اُن سے بعد میں پناہ مانگی گئی ہے، اس کی بنا پر جس کی پناہ طلب کی جارہی ہے، اُس کا پہلا وصف قرار دیا گیا ہے کہ وہ سفیدۂ سحری کا مالک ہے اس لئے ان بلاؤں اور مصیبتوں سے بچانے والا وہی ہے اور پھر چونکہ اُس واقعہ میں کہ جس سلسلہ میں یہ سورا اترا ہے، جادو جو برآمد ہوا تھا، وہ یہی تھا کہ گنڈے کی صورت میں گرہیں لگی ہوئی تھیں اور خالق کی طرف سے جبرئیلؑ نے بھی یہی پیغام پہنچایا تھا کہ اس سورے کے ذریعہ سے اس کا دفعیہ کیجیے جس کے لئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علیؑ کو ہدایت کی اور آپ نے ہر گرہ پر اس سورے یا اگر اسی کے ساتھ دوسرا سورہ بھی اترا ہوتا اُس کی بھی ایک ایک آیت دم کی اور ہر ترتیب کے ساتھ ایک گرہ کھلی، اس لئے

www.kitabmart.in

پناہ مانگی گئی اُن کے شر سے جو پھونک کر گرہیں لگاتی ہیں، چونکہ زیادہ تر اس قسم کے جادو کی ماہر عورتیں ہی ہوتی تھیں اس لئے جمع مؤنث کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں اور پھر اُس کے ساتھ حسد کرنے والوں کے حسد سے پناہ مانگی ہے، اس لئے کہ وہ ہر طرح سے نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔

سُوْرَۃُ النَّاسِ

مکیّہ......٦......آیات

چونکہ پہلی ہی آیت میں، بلکہ آخر تک ہر آیت کا اختتام الناس کے لفظ پر ہوا ہے لہٰذا سورے کا یہ نام ہوا، یہ باعتبار مضمون تقریباً تتمّہ ہے پہلے سورے کا۔ اس لئے اکثر دونوں کو ملا کر ایک نام یعنی معوّذتان سے یاد کیا گیا ہے کہ دونوں میں یکساں طور پر ضرر رساں چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہنچانے والا بڑا مہربان ہے"

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِکِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰہِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ٪﴿۶﴾

"کہیے میں پناہ لیتا ہوں تمام آدمیوں کے پروردگار سے جو تمام آدمیوں پر سلطنت کا مالک ہے جو سب آدمیوں کا خدا ہے، شر سے وسوسے پیدا کرنے والے سے جو بار بار پلٹ پلٹ کر آتا ہے جو لوگوں کے دل سے وسوسے ڈالتا ہے، خواہ وہ جنوں میں سے ہو، یا آدمیوں میں سے"۔

ان تمام چیزوں کے شر سے پناہ مانگنے کے بعد جنوں کا ذکر پہلے ہوا اب اس قسم کے نقصان پہنچانے والوں کے شر سے پناہ مانگی جا رہی ہے کہ یہ ہدایت کے راستے میں بڑی رکاوٹ ڈالنے والے ایک مصیبت ہیں۔ ایسے آدمی بھی جو گمراہ ہیں اور گمراہ کرنے والے ہیں اور شیاطین بھی جن کا کام ہی گمراہ کرنا ہے۔ ان سب کی وسوسہ انگیزیوں سے بندہ اپنے کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہے۔

تمام شد

علی نقی النقوی ۱۵ ماہ صیام ۱۴۰۷ھ